سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1434ھ 2013ء

مقالات سیرت

(خواتین)

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

Marfat.com

222099

سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1434ھ 2013ء

مقالاتِ سیرت

(خواتین)

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

Marfat.com

۲۹۲۶۹۹۲۲
ع 381
۱۲۳۰۸۵

تابع: یونیک ویژن

Marfat.com

مقالات سیرت 2013ء

خواتین

فہرست مشمولات

پیش لفظ: سکندر اسماعیل خان، ایڈیشنل سیکرٹری، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی 7

مقالاتِ سیرت

۱- فرزانہ خالد، مکان نمبر 589ٹ بلاک G-1، جوہر ٹاؤن، نزد ڈاکٹر ہسپتال- لاہور 1
۲- مبشرہ ثانی، کراچی، ریسرچ سکالر، علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی- کراچی 32
۳- مس سعدیہ جبین، طالبہ پی ایچ ڈی، سیرت سٹڈیز ڈیپارٹمنٹ، یونیورسٹی آف پشاور- پشاور 63
۴- کیپٹن قرۃ العین حیدر، مکان نمبر CB/505/17، نیو ہارلے سٹریٹ نمبر 2، راولپنڈی 81
۵- حافظہ مس ذکیہ نذیر، جمعہ خان کالونی، کواری روڈ- کوئٹہ 99
۶- عائشہ صنوبر، شعبہ اسلامک لاء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی- اسلام آباد 121
۷- سعدیہ خالد محمود شیخ، مکان نمبر 45، سٹریٹ 15 شجاع کالونی، فردوس پارک، گھوڑے شاہ- لاہور 151
۸- ثناء حسین چاند، ریسرچ سکالر، علوم اسلامی، وفاقی اردو یونیورسٹی- کراچی 194
۹- مسز انیقہ ہما توقیر، معرفت قیصر تنویر خٹک، طارق آباد- ڈیرہ اسماعیل خان 239
۱۰- مس فرح بتول، لیکچرار یونیورسٹی آف بلوچستان، سریاب روڈ- کوئٹہ 257
۱۱- مس ارم سلطانہ، لیکچرار علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز- اسلام آباد 279
۱۲- سائرہ محمد ایوب بھگت، مکان نمبر R-950، بلاک نمبر 17، فیڈرل بی ایریا- کراچی 307
۱۳- بیگم بلقیس عبدالوہاب چوہدری، مکان نمبر 96، سٹریٹ نمبر 5، عسکری 10- راولپنڈی 337
۱۴- طاہرہ عبدالقدوس، نیو سول لائنز، نزد المسلم فونڈری و مدنی مسجد- گوجرانوالہ 375
۱۵- نصرت عقیل، ابرار منزل، مکان نمبر 20، گلی نمبر 4، الفیصل ٹاؤن، اے بلاک زوار شہید روڈ- لاہور کینٹ .. 387
۱۶- ڈاکٹر مسز طلعت صدیقی - کراچی 398
۱۷- نصرت جبیں، مکان نمبر J-ii-197، جوہر ٹاؤن- لاہور 428
۱۸- ڈاکٹر آسیہ رشید، لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، نمل- اسلام آباد 440
۱۹- مسز شاہین کوثر مغل- آزاد کشمیر 459
۲۰- مسز طاہرہ فردوس، لیکچرار علوم اسلامیہ بلوچستان یونیورسٹی- کوئٹہ 497
۲۱- ڈاکٹر عائشہ عشرت رضوی، مکان نمبر A/279، کورنگی نمبر 6- کراچی 512
۲۲- نعیمہ راؤ، مکان نمبر B-20/1، رحمٰن سٹریٹ، دبئی چوک، ماڈل ٹاؤن اے- بہاولپور 531
۲۳- نادیہ طارق، لیکچرار پنجاب گروپ آف کالجز، مکان نمبر B-64، ریور ویو کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی، رائیونڈ روڈ- لاہور 565
۲۴- پروفیسر شہناز بشیر، یونیورسٹی ٹاؤن، ایونیورسٹی آف فیصل آباد- فیصل آباد 573
۲۵- مس بشریٰ بتول، مکان 8-20/165/2762 بی بی لین، عبدالعزیز سٹریٹ، نھو، ہسپتال، جیکاسی روڈ- کوئٹہ ... 589

Marfat.com

۲۶- رعنا لیاقت، مکان نمبر 1961 نیو لالہ زار، راولپنڈی 619
۲۷- فائزہ احسان صدیقی، مکان نمبر A-8، بلاک 4، گلشن اقبال، کراچی 627
۲۸- ڈاکٹر زینت ہارون، مکان نمبر C-100، سٹاف ٹاؤن، کراچی یونیورسٹی، کراچی 643
۲۹- رابعہ عتیق، دختر قاضی عبدالمالک، مکان نمبر F-82، ٹی اینڈ ٹی کالونی- ہری پور 650
۳۰- شبانہ قاضی، لیکچرار علوم اسلامیہ جامعہ کوئٹہ، بلوچستان 661
۳۱- مس میمونہ سہیل، معرفت سہیل اختر- ملتان 670
۳۲- ڈاکٹر فرحت عزیز، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مذہبیات، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور 687
۳۳- اقراء گل، معرفت غازی کول وے، نزد رامے ہوٹل، فورٹ عباس- ضلع بہاولنگر 699
۳۴- مس نصرت آصف، مکان نمبر C-100، سٹاف ٹاؤن یونیورسٹی آف کراچی- کراچی 708
۳۵- حافظہ شبانہ کوثر، نگینہ سوٹنگ ہاؤس، جیسر والا، تحصیل ڈسکہ- ضلع سیالکوٹ 718
۳۶- فرحی گل، معرفت سعید کریانہ سٹور، قاضی بلڈنگ، صدر بازار، رسول پورہ، ضلع شیخوپورہ 725
۳۷- کوثر پروین، بٹ ہاؤس، 6-7-78/100، عبداللہ جان لائن قائد آباد، کوئٹہ 730
۳۸- ڈاکٹر بشریٰ افضل، مکان نمبر A-305، پی سی ایس آئی، فیز-ii، نزد شوکت خانم ہسپتال، لاہور 743
۳۹- حذافہ رفیق، لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین- گوجرانوالہ 748

Marfat.com

پیش لفظ

اسلام دین فطرت و رحمت ہے اور حضورﷺ خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہیں اور تمام مسلمان رحمۃ للعالمین کے پیروکار ہیں۔ اللہ رب العالمین انسان اور انسانی فطرت کا خالق ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی بہتری کے لئے جو سب سے بہترین رہنما چنا ہے وہ سرور کونین جناب رسول مقبولﷺ کی آفاقی شخصیت ہے۔ آپﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے عقل انسانی یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ کوئی انسان ہوتے ہوئے بھی اتنے صبر وتحمل، حوصلہ وضبط، فراخ دلی، وسعت قلبی شفقت و رحمت کا پیکر ہوسکتا ہے کہ برائی کرنے والوں سے نیک سلوک کرے، راہ میں کانٹے بچھانے والوں کی عیادت کرے، پتھروں سے زخمی کرنے والوں کے حق میں دعا کرے، شدید کینہ پرور دشمنوں پر قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دے۔ سونے چاندی کے ڈھیر قدموں پر نثار کئے جا رہے ہوں، آپﷺ ہیں کہ نگاہ بھر کر ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ پیغمبرِ اسلام کی شانِ رسالت کو شیخ سعدیؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

بلغ العلی بکماله ○ کشف الدجی بجماله

ترجمہ: پہنچے بلندی پر اپنے کمال سے ○ ترجمہ: دور کر دیا اندھیرا اپنے جمال سے

حسنت جمیع خصاله ○ صلوا علیه و آله

ترجمہ: حسین ہیں آپ کی خصلتیں ○ ترجمہ: درود بھیجو آپ پر اور آپ کی آل پر

اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیمات رسولﷺ کو عام کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ہر زمانے میں لاتعداد لوگوں نے خاتم الانبیاء، محسن انسانیت حضرت محمدﷺ کی رسالت اور سیرت و شخصیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی نے سیرت رسولﷺ کو عام کرنے کی خوشگوار ذمہ داری اٹھائی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ہر آن کوشش کرتی رہی ہے۔ جناب الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا ہے:

Marfat.com

۲۶- رعنا لیاقت، مکان نمبر 1961 نیو لالہ زار، راولپنڈی 619
۲۷- فائزہ احسان صدیقی، مکان نمبر A-8، بلاک 4، گلشن اقبال، کراچی 627
۲۸- ڈاکٹر زینت ہارون، مکان نمبر C-100، سٹاف ٹاؤن، کراچی یونیورسٹی، کراچی 643
۲۹- رابعہ عتیق، دختر قاضی عبدالمالک، مکان نمبر F-82، ٹی اینڈ ٹی کالونی- ہری پور 650
۳۰- شبانہ قاضی، لیکچرار علوم اسلامیہ جامعہ کوئٹہ، بلوچستان 661
۳۱- مس میمونہ سہیل، معرفت سہیل اختر- ملتان 670
۳۲- ڈاکٹر فرحت عزیز، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مذہبیات، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور 687
۳۳- اقراء گل، معرفت غازی کول وے، نزد راے ہوٹل، فورٹ عباس- ضلع بہاولنگر 699
۳۴- مس نصرت آصف، مکان نمبر C-100، سٹاف ٹاؤن یونیورسٹی آف کراچی- کراچی 708
۳۵- حافظہ شبانہ کوثر، نگینہ سوٹنگ ہاؤس، جیسر والا، تحصیل ڈسکہ- ضلع سیالکوٹ 718
۳۶- فرحی گل، معرفت سعید کریانہ سٹور، قاضی بلڈنگ، صدر بازار، رسول پورہ، ضلع شیخوپورہ 725
۳۷- کوثر پروین، بٹ ہاؤس، 6-7-78/100، عبداللہ جان لائن قائد آباد، کوئٹہ 730
۳۸- ڈاکٹر بشریٰ؛ افضل، مکان نمبر A-305، پی سی ایس آئی، فیز-ii، نزد شوکت خانم ہسپتال، لاہور 743
۳۹- حذافہ رفیق، لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین- گوجرانوالہ 748

Marfat.com

پیش لفظ

اسلام دین فطرت و رحمت ہے اور حضورﷺ خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہیں اور تمام مسلمان رحمۃ للعالمین کے پیروکار ہیں۔ اللہ رب العالمین انسان اور انسانی فطرت کا خالق ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی بہتری کے لئے جو سب سے بہترین رہنما چنا ہے وہ سرور کونین جناب رسول مقبولﷺ کی آفاقی شخصیت ہے۔ آپﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے عقل انسانی یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ کوئی انسان ہوتے ہوئے بھی اتنے صبر وتحمل، حوصلہ وضبط، فراخ دلی، وسعت قلبی شفقت و رحمت کا پیکر ہوسکتا ہے کہ برائی کرنے والوں سے نیک سلوک کرے، راہ میں کانٹے بچھانے والوں کی عیادت کرے، پتھروں سے زخمی کرنے والوں کے حق میں دعا کرے، شدید کینہ پرور دشمنوں پر قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دے۔ سونے چاندی کے ڈھیر قدموں پر نثار کیے جا رہے ہوں، آپﷺ ہیں کہ نگاہ بھر کر ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ پیغمبرِ اسلام کی شانِ رسالت کو شیخ سعدیؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

بلغ العلی بکماله ○ کشف الدجی بجماله

ترجمہ: پہنچے بلندی پر اپنے کمال سے ○ ترجمہ: دور کر دیا اندھیرا اپنے جمال سے

حسنت جمیع خصاله ○ صلوا علیه و آله

ترجمہ: حسین ہیں آپ کی خصلتیں ○ ترجمہ: درود بھیجو آپ پر اور آپ کی آل پر

اسی حقیقت کے پیش نظر تعلیمات رسولﷺ کو عام کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ہر زمانے میں لاتعداد لوگوں نے خاتم الانبیاء، محسن انسانیت حضرت محمدﷺ کی رسالت اور سیرت و شخصیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی نے سیرت رسولﷺ کو عام کرنے کی خوشگوار ذمہ داری اٹھائی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ہر آن کوشش کرتی رہی ہے۔ جناب الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا ہے:

Marfat.com

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ○ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ○ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ہر سال 12 ربیع الاول کو سیرت کانفرنس منعقد کرتی ہے۔ اس کے لئے قومی اور بین الاقوامی حالات کے حوالے سے کسی اہم موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی موضوع پر پھر مرد اور خواتین سیرت نگاروں کے درمیان مقابلہٗ مقالاتِ سیرت منعقد ہوتا ہے۔ جب کہ مختلف زبانوں میں کتب سیرت و نعت کے مقابلہ جات بھی منعقد ہوتے ہیں۔ مقابلہ سیرت کے سلسلے میں خواتین اور حضرات کی طرف سے موصول ہونے والے معیاری مقالات کو کتابی شکل میں علیحدہ علیحدہ طبع کیا جاتا ہے اور خواہش مندوں کو ''ہدیۃً'' فراہم کئے جاتے ہیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ○ وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

وزارت ہذا نے قومی اور بین الاقوامی حالات کے حوالے سے مقابلہ مقالاتِ سیرت 2013ء کے لئے ''عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت ...... تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں'' کا عنوان مقرر کیا تھا اور اب اس عنوان پر موصول ہونے والے مقالات میں سے معیاری مقالات کو شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی حکومت پاکستان، کی سیرت طیبہ کے فروغ و اشاعت کے ضمن میں کی جانے والی کاوش کو قبول فرمائے اور ہمیں نبی اکرمﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

سکندر اسماعیل خان

سکندر اسماعیل خان
ایڈیشنل سیکرٹری انچارج
وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومت پاکستان

Marfat.com

مقالات

Marfat.com

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

فرزانہ خالد-لاہور

اس کائنات کو اللہ جل شانہ نے وہ کمال و حسنِ توازن عطا کیا کہ دھوپ چھاؤں، خشکی تری، صحرا و مرغزار، کوہسار و میادین اور بہار و خزاں کی بو قلمونیاں اس میں حیات آفرینوں کی رونقیں بحال رکھتی ہیں اور انسانی زندگی کی ہر سمت کو خوبصورت اور تازہ دم رکھنے کے الٰہی انتظامات کا حصہ ہیں۔ اللہ جل شانہ جن کی ذاتِ بے چگوں "العدل" اور "المقسط" کی صفات سے متصف ہے نے اس کائنات میں آسمان و زمین کو نظامِ متوازن کے ساتھ تخلیق فرمایا، ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ﴾[1] اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ اور ارشاد فرمایا: ﴿رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا﴾[2] اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے برابر کر دیا۔ انسان کو خلیفۃ اللہ کی شان عطا کی، اپنی شان خلق کا ظہور کیا اور اس کو اپنے تسویہ و تعدیل کی رحمتوں کا مرکز ٹھہرایا، ارشادِ ربانی ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ﴾[3] (وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضا کو) ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا۔

اس کائنات کو عدل کا مظہر ٹھہرایا اور انسان کو بھی عدل و انصاف پر سختی سے کاربند رہنے کی قرآنی و نبوی ہدایات عطا فرمائیں۔ زیرِ نظر مضمون میں عدل کے اجتماعی تصور کا سنتِ نبویہ کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

عدلِ اجتماعی۔ لغوی بحث:

عدل کی ترکیب ع د ل ہے۔ اعتدال بھی اسی سے نکلا ہے جس کا معنی "توازن" ہے یہ اس شئے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں توازن پایا جاتا ہے، عادل اس شخص کو کہتے ہیں جو عدل کرے۔ الزبیدی نے عدل کے معنی کی تحقیق یوں کی ہے: فان العدل: هو المساواة فی المکافأة. ان خیراً فخیر وان شراً فشر[4]۔

لسان العرب میں عدل کا مفہوم یوں واضح کیا گیا ہے: العدل ما قام فی النفوس أنه مستقیم وهو ضد الجور۔[5]

عدل کی وضاحت امام راغب اصفہانی نے یوں کی ہے:

عدل: العدالة والمعادلة لفظ یقتضی معنی المساواة ویستعمل باعتبار المضایفة والعدل یتقاربان. لکن العدل یستعمل فیما یدرك بالبصیرة کالاحکام، وعلی ذلك قوله: "أو عدل ذلك صیاماً" والعدل والعدیل فیما یدرك بالحاسة کالموزونات والمعدودات والملکیات، فالعدل هو السقیط علی سواء، وعلی هذا روی بالعدل قامت السموات والارض تنبیهاً أنه لو کان من الارکان الاربعة فی العالم زائداً

Marfat.com

على الآخر أو ناقصا عنه على كل مقتضى الحكمة لم يكن العالم منتظما۔ (۶)

العدالة والمعادلة کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا اور عَدل عِدل کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن عدل کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے احکامِ شرعیہ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا: أو عدل ذلك صياما یا اس کے برابر روزے رکھنا، اور عِدل عَدیل کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بولے جاتے ہیں جن کا ادراک حواسِ ظاہرہ سے ہوتا ہے جیسے وہ چیزیں جن کا تعلق ماپ، تول یا وزن سے ہوتا ہے پس عدل کے معنی دو چیزوں کے برابر ہونے کے ہیں چنانچہ اسی معنی میں مروی ہے بالعدل قامت السموات والارض (کہ عدل ہی سے آسمان وزمین قائم ہیں) یعنی اگر عناصر اربعہ جن سے کائنات نے ترکیب پائی ہے، میں سے ایک عنصر بھی اپنی معینہ مقدار سے کم یا زیادہ ہو جائے تو نظامِ کائنات قائم نہیں رہ سکتا۔

علامہ وحید الزمان عدل کی بحث میں لکھتے ہیں: العدل یعنی انصاف، انصاف یہ ہے کہ آدمی کو اس کا واجب حق دیا جائے اور اس سے اس پر واجب حق لیا جائے۔ مثل، نظیر، مماثل، مقابل چیز، برابری، بدلہ، فدیہ وغیرہ (۷)

الاجتماع سے مراد معاشرہ ہے جیسا کہ مصباح المنیر میں اس کے معنی یوں بیان کئے گئے ہیں: الاجتماع والجمع المُجَامِعُ وجُمَّاعُ الناس بالضم والتثقيل أخلاطهم (۸)۔

اور الاجتماعی کا معنی قاموس الوحید میں یوں بیان کیا گیا ہے: سوشل، معاشرتی، عمرانی (۹)۔

گویا عدل اجتماعی کی لغوی بحث کا حاصل یہ ہوا کہ وہ توازن جو معاشرتی وعمرانی سطح پر کیا جائے یعنی برقرار رکھا جائے۔

عدلِ اجتماعی۔ اصطلاحی بحث:

سیّد قطب شہید "عدل اجتماعی" کی اصطلاح کی تعریف وتوضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اجتماعی عدل کا اسلامی تصور محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر و وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں، وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے (۱۰)۔

حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بھی عدل کی بحث میں اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس کے لئے "جماعتی عدل" کی اصطلاح استعمال کی ہے، لکھتے ہیں: جماعتی عدل میں عادل جماعت وہ ہے جس کے نظم و قوانین اس قدر سہل الوصول اور آسان ہوں جو اس کے تمام افراد کے لئے ان کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں ترقی کا باعث بنتے ہوں۔ جماعتی عدل میں جماعت کے ہر فرد سے مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ جماعتی عدل کو قائم رکھنے میں اپنا فرض ادا کرے اور ثبوت عدل کے لئے جن اعمال کی ضرورت ہے اپنی طاقت بھر ان کو انجام دے (۱۱)۔

دونوں تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ عدل اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ایسے متوازن نظام کا نام ہے جس کا

Marfat.com

قیام واستحکام فکری اور عملی لحاظ سے معاشرے کے ہر فرد اور کلی طور پر تمام معاشرے پر لاگو ہوتا ہے اسی پر تمام سماج کی نمو و ترقی کا انحصار ہے۔

اسلام کا تصور عدلِ اجتماعی:

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام دینِ عدل ہے۔ عدل اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ بعض اعتبارات سے اسلام کے اصل مزاج کا سب سے بڑا مظہر ہے اور دین کا جو تصور قرآن و سنت نے پیش کیا ہے اس کے امتیازی خدوخال عدل و انصاف کے آئینہ میں سب سے زیادہ واضح شکل میں نظر آتے ہیں۔ عدل و انصاف کو اسلام میں نہ صرف ایک ابدی اور اساسی قدر ٹھہرایا گیا ہے جو فکر و شعور کے ہر زاویے سے لے کر نظمِ زندگی کے ہر گوشے میں جاری و ساری ہے بلکہ قرآن کریم سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ تکوین اور تشریع دونوں نظاموں میں جملہ قوانینِ فطرت اور بنیادی حیات کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے جو غیر متبدل سنت اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں عدل و انصاف وہ بنیادی انسانی قدر اور عالمگیر صداقت ہے جس پر انسانی معاشرہ بلکہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا دنیا کا یہ سارا کارخانہ قائم ہے۔ اگر یہ ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[۱۲] خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کا قیام تمام آسمانی شریعتوں کا نصب العین رہا ہے چنانچہ اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد بھی اعلیٰ معاشرتی زندگی کی تنظیم کے لئے صفات عدل و انصاف کی حفاظت ہے۔ اسلام کے تصور عدل اجتماعی کو قرآن و سنت، خلفائے راشدین اور مفکرین کی آراء کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

عدلِ اجتماعی کا قرآنی تصور:

عدل کے موضوع پر آیات قرآنیہ کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ جہاں بھی عدل و انصاف، توازن و تناسب اور ادائے امانت کا ذکر ہے وہاں انفرادی سطح کی بجائے اجتماعی لحاظ سے بات کی گئی ہے یہاں تک کہ اگر انفرادی حکم بھی ہے تو اس میں بھی اجتماعی مفاد، اجتماعی مصالح کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ قرآن اصول کی کتاب ہے جزئیات کی نہیں لہٰذا اجتماعی اصول میں انفرادی حکم خود بخود شامل ہے کیونکہ جزو، کل کا حصہ ہوتا ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[۱۳] (بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا) جو اس موضوع پر واضح اور اہم ترین آیت ہے، اس میں بالکل عمومی اور اجتماعی لحاظ سے حکم دیا گیا ہے اور عدل و احسان کی قید کسی خاص، طبقے، گروہ یا فرد کے لئے نہیں لگائی گئی کیونکہ جب عدل مجموعی سطح پر رواج پا جائے تو پورے کا پورا معاشرہ درستی اور اصلاح کا مظہر بن جاتا ہے۔ تمام معاملات خود بخود درست ہو جاتے ہیں گویا "عدلِ اجتماعی" اصلاحِ نظام و احسن معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور "منظم و مربوط معاشرہ" عدلِ اجتماعی کا منطقی نتیجہ ہے۔ مولانا مودودیؒ اس امر کو واضح کرتے ہوئے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

اس مختصر سے فقرے میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حیثیتوں سے مرکب ہے، ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ "انصاف" سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری، بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلافِ عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی واخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جائیں (۱۴)۔

قرآن نے عدل اجتماعی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کی ساخت، فطرت اور بناوٹ کا خاکہ سیّد قطب شہید یوں واضح کرتے ہیں: قرآن نے عدل پیش کیا جو فرد اور جماعت کی کفالت کرتا ہے۔ یہ ہر قوم کے باہم تعامل کے لئے ایک ثابت شدہ قاعدہ ہے جو خواہشات کے ساتھ جھکاؤ نہیں رکھتا اور محبت اور بغض سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ نسب ونام اور قرابتداروں کے ساتھ نہیں بدلتا۔ اس میں دولت مندی اور غربت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ قوت وضعف سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اپنی راہ پر چلتا ہے اور سب کو ایک ہی ترازو سے تولتا ہے اور ایک ہی پیمانے سے ناپتا ہے (۱۵)۔

قرآن کے تصور عدل اجتماعی کی وضاحت اور اس کی بنیاد سے متعلق بحث کرتے ہوئے سیّد قطب شہید نے اس کے منبع ومصدر کی نشاندہی کی ہے، رقمطراز ہیں: عدل کا لفظ ایک جامع لفظ ہے اور اس میں تمام انسان شامل ہیں کہ بحیثیت انسان ہر شخص سے عدل کیا جائے خواہ وہ مومن ہو یا غیر مومن، دوست ہو یا دشمن، عربی ہو یا عجمی، کالا ہو یا گورا ہر ایک کے ساتھ انصاف اور ہر ایک کے ساتھ عدل امتِ مسلمہ کے افراد کا فرض ہے۔ اس عدل سے امتِ مسلمہ سے پہلے انسانیت کبھی آشنا نہیں رہی ہے۔ عدل کا یہ ہمہ گیر تصور اسلام کے علاوہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ یہ عدل انسانی تاریخ میں صرف اسلام نے، مسلمانوں نے اور مسلم قیادت نے برپا کر کے دکھایا۔ نہ اس سے قبل انسانیت نے ایسا عدل دیکھا اور نہ اس کے بعد انسانیت ایسے عدل سے آشنا ہوئی کیونکہ اس عدل کی وسعت اور ہمہ گیری پوری انسانیت کو محیط تھی (۱۶)۔ اللہ ہی انسان اور اس کائنات کا خالق ہے اور عدلِ اجتماعی کے قیام میں حائل رکاوٹوں، مشکلات اور مسائل کا اسے مکمل احاطہ ہے اور نفسیاتِ بشری کی خالق وہ ذات بشری کمزوریوں سے بدرجہ اتم واقف ہے۔ انسانی حالات وخواہشات سب اس کے علم میں ہیں۔ اسی لئے اس نے ہر ہر سطح پر اس طرح حکم دیا کہ کوئی عدل کے خلاف نہ کر سکے۔ فرمانِ ربی ہے:

Marfat.com

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۱۷)

اے ایمان والو! انصاب پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اسمیں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

آیت ھذا کی تفسیر میں سیّد قطب شہید لکھتے ہیں: جماعت مسلمہ کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور لوگوں میں ایسا عدل و انصاف قائم کرے جس اعلیٰ معیار کا عدل قائم کرنا صرف اسی جماعت سے ممکن ہو اور اس معاملہ میں جماعت اللہ کی رضا کو مد نظر رکھ کر جذبات، میلانات، رجحانات اور مادی مصالح سے بلند تر ہو کر انصاف و عدل کے معیار قائم کرے۔ اے ایمان والو کہہ کر تمام مومنین کو مخاطب کیا اور تمام پر قیام عدل کی یہ ذمہ داری عائد کی اور اللہ سبحانہ جس نے قرآن نازل کیا ہے اسے بخوبی علم ہے کہ اس معیار کے عدل کا قائم کرنا کس قدر مشکل اور دشوار ہے اور انسان میں کیا کیا بشری کمزوریاں ہیں اور انسان کس طرح اپنے رشتہ داروں والدین کی جانب مائل ہوتا ہے، کس طرح طاقتور کے سامنے جھک جاتا ہے اور کس طرح فقیر اور غنی کے بارے میں اس کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ کو معلوم ہے کہ ان تمام عواطف سے پاک ہو کر خالص اللہ کے لئے عدل قائم کرنا بے حد دشوار ہے۔ یہ چپٹی چٹان پر چڑھنا ہے اور بڑی پر مشقت چڑھائی ہے اور یہ چڑھائی اسی وقت آسان ہو سکتی ہے جبکہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں (۱۸)۔ یعنی اولی الامر حضرات کو حکم دیا کہ زمین پر انسان کے لئے اللہ کہ خلافت وہدایت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان حق اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں جیسا کہ حضرت داوٗد کو حکم دیا

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ (۱۹)

اے داوٗد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔

قرآن حکیم وہ نظام عدل رائج کرنا چاہتا ہے جس کا میزان عدل صرف لینے کے لئے ہی نہیں بلکہ دینے کے لئے بھی ہے وہ اہل ایمان اور ان کی حکومت سے ہر حال میں اس نظامِ قسط و عدل پر قائم رہنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ معاملہ چاہے غیروں کا ہو یا رشتہ داروں کا، امیر کا ہو یا غریب کا، دوست قوم کا ہو یا دشمن قوم کا ایک ہی باٹ ہو گا، ایک ہی میزان ہو گا، ایک ہی حکم و فتویٰ ہو گا۔ یہ ہی اللہ کے میزان عدل و حق کی شان ہے اس لئے کہ اللہ کا حق سب پر یکساں ہے اور یہ حق انسان کے سارے حقوق سے بڑا ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے عدلِ اجتماعی کا حکم اس انداز سے دیا ہے

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

﴿نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (۲۰)

خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بیشک خدا سنتا (اور) دیکھتا ہے۔

قرآن حکیم کی آیات کا "عدلِ اجتماعی" کے تحت مطالعہ یہ بھی عیاں کرتا ہے کہ رسولوں اور کتابوں کو بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حق و عدل اختیار کیا جائے۔ عقائد میں بھی عدل اور انفرادی اور اجتماعی اعمال میں بھی حق و عدل سے مرصع اور ظلم و جور سے پاک راہ اختیار کی جائے اور اللہ کے رسولوں کی قیادت میں اللہ کی نازل کردہ کتابوں کی راہ نمائی میں حق و عدل قائم کیا جائے اور اہل ایمان حق و عدل کے علمبر دار بنیں۔

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۗ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۔ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ﴾ (۲۱)

تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی (دین کی) طرف (لوگوں کو) بلاتے رہنا اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور کہہ دو کہ جو کتاب خدا نے نازل فرمائی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم میں انصاف کروں خدا ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال کا ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں خدا ہم (سب) کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور جو لوگ (خدا کے بارے میں) بعد اس کے کہ اسے (مومنوں نے) مان لیا ہے جھگڑتے ہیں ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا جھگڑا لغو ہے اور ان پر (خدا کا) غضب اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ خدا ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور (عدل و انصاف) کی ترازو اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی آپہنچی ہو۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (۲۲)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے خدا اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں خدا ان کو معلوم کرے بیشک خدا قوی

Marfat.com

(اور) غالب ہے۔

اسی لحاظ سے قرآن کریم کو مھیمن کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں کسوٹی یعنی پرکھ کر کھوٹے اور کھرے کو الگ کرنے والی کسوٹی۔ عدل اور قسط کو قائم کرنے کے لئے میزان کی ضرورت ہے اور قرآن کریم کی یہ دونوں خصوصیات بیان کی گئی ہیں:
﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَیۡمِنًا عَلَیۡهِ﴾ [۲۳] (اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے)۔

سنتِ نبوی کی روشنی میں: عدلِ اجتماعی کا تصور جس طرح سنتِ نبویہ ؐمیں واضح کیا گیا ہے اس کا جائزہ احادیث کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن سے تصور عدلِ اجتماعی کی وضاحت میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مصادر میں اصول بیان کئے جاتے ہیں، جزئیات نہیں اسی طرح احادیث کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنیادی اصول واضح فرما دیئے کہیں اپنے اقوال کے ذریعے، کہیں تعامل کے ذریعے اور کہیں صحابہ کرامؓ کے عمل کی تائید فرما کر۔ عدل وانصاف پر مبنی احادیث کا جائزہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ایسے کام کا حکم فرماتے تھے جس سے اجتماعی عدل قائم ہو، فروغ پائے اور ہر ایسے کام کی حوصلہ شکنی فرماتے تھے جس سے عدلِ اجتماعی پر ذرا بھی زد آئے یا معاشرے میں فساد وبگاڑ کا معمولی سا اندیشہ بھی ہو۔

(أ) عدل اجتماعی کے قیام کا سب سے زیادہ ذمہ دار حاکم، خلیفہ یا حکمران ہوتا ہے اسی لئے رسول ﷺ نے حاکم و خلیفہ کے لئے عادل ہونے کو ضروری قرار دیا، ترغیب وترہیب ہر دو طرح سے اس کی تربیت واصلاح فرمائی۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ وَأَدۡنَاهُمۡ مِنۡهُ مَجۡلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَأَبۡغَضَ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ وَأَبۡعَدَهُمۡ مِنۡهُ مَجۡلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ۔ [۲۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور سب سے دور بیٹھنے والا ظالم حکمران ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: مَا مِنۡ عَبۡدٍ يَسۡتَرۡعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوۡمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ الۡجَنَّةَ۔ [۲۵] (جس بندہ کو اللہ نے رعیت پر ذمہ دار بنایا ہو اور جس دن وہ مرے خیانت کرنے والا ہو اپنی رعایا کے ساتھ تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے)۔

اور امام عادل کے لئے اجر وثواب کو یوں فرمایا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعۡوَتُهُمۡ الصَّائِمُ حَتّٰى يُفۡطِرَ وَالۡإِمَامُ الۡعَادِلُ وَدَعۡوَةُ الۡمَظۡلُومِ [۲۶] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ روزہ دار کی افطار کے وقت، عادل حاکم کی اور مظلوم کی دعا)۔

(ب) مجموعی و معاشرتی اعتبار سے عدل کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ خاندانی سطح پر بھی اس کا اہتمام فرمایا۔ ایک مرد بحیثیت باپ یا خاوند اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے اور اہل وعیال اس کی رعایا ہوتے ہیں۔ خاندان کسی بھی معاشرے کی اکائی ہوتا ہے جب خاندان درست ہوگا تو صالح معاشرہ فروغ پائے گا اس لئے رسولؐ نے اس سطح پر بھی عدل کے قیام کا اہتمام فرمایا

Marfat.com

ایک مثال اس امر کو واضح کرتی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ۔ (۲۷)

ابو عوانہ حصین عامر نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو میرے والد نے کچھ عطیہ دیا عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا دو تو انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک عطیہ دیا تو عمرہ نے مجھ کو حکم دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ مقرر کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا ایسا ہی تمام بچوں کو تو نے دیا ہے میں نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کا لحاظ رکھو انہوں نے وہ ہبہ واپس کرالیا اور ان کے بیٹے نے واپس کر دیا۔

(ت) ایک عمومی اصول عدلِ اجتماعی کے بارے میں رسولؐ نے ارشاد فرمایا جس میں ترہیب کا پہلو نمایاں ہے، فرمانِ نبویؐ ہے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لَا يَسْكُتُ۔ (۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر (سیدھے ہو) کر بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، آپ اسی طرح (بار بار) فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے۔

(د) سنتِ نبویہؐ سے عدلِ اجتماعی کے فروغ کی کئی صورتیں ملتی ہیں۔ حاکم وقت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر عدل کے قیام کا اہتمام فرمایا۔ ہر فرد جس قدر اختیار و قوت کا مالک ہے وہ اپنی زندگی کے ہر ہر پہلو میں عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنائے اس سے پورا معاشرہ صفتِ عدل سے متصف ہو گا، فرمانِ نبویؐ ہے

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا۔ (۲۹)

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انصاف کرنے والے رحمٰن کے دائیں جانب اور اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی رعایا اور اہل وعیال میں عدل وانصاف کرتے ہوں گے۔

یعنی محض حکومتی سطح پر نہیں بلکہ خاندانی و معاشرتی حتیٰ کہ انفرادی طور پر ہر فرد کا عدل وانصاف کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ جب ایک فرد یہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ انصاف ہو تو اسے یہ لازم ہے کہ وہ معاشرے میں نفاذ و قیامِ عدل میں اپنا کردار ادا کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ سُلَامَی مِنَ النَّاسِ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیہِ الشَّمْسُ قَالَ تَعْدِلُ بَیْنَ الِاثْنَیْنِ صَدَقَۃٌ وَتُعِینُ الرَّجُلَ فِی دَابَّتِہِ فَتَحْمِلُہُ عَلَیْہَا أَوْ تَرْفَعُ لَہُ عَلَیْہَا مَتَاعَہُ صَدَقَۃٌ قَالَ وَالْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ خُطْوَۃٍ تَمْشِیہَا إِلَی الصَّلَاۃِ صَدَقَۃٌ وَتُمِیطُ الْأَذَی عَنِ الطَّرِیقِ صَدَقَۃٌ۔ (۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے ہر آدمی کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے فرمایا دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے آدمی کو اس کی سواری پر سوار کرنا یا اس کا سامان اٹھانا یا اس کے سامان کو سواری سے اتارنا صدقہ ہے اور پاکیزہ بات کرنا صدقہ ہے اور نماز کی طرف چل کر جانے میں ہر قدم صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

گویا سنتِ نبویہؐ سے اجتماعی و انفرادی ہر سطح پر رہنمائی ملتی ہے چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، سربراہِ خاندان ہو یا سربراہِ مملکت یا کوئی بھی عام فرد، ہر شخص عدل کو قائم رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ احادیث کی روشنی میں عدلِ اجتماعی کے متعلق بحث سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

۱۔ نفاذ و قیامِ عدلِ اجتماعی میں سب سے اہم کردار حاکمِ وقت یا خلیفہ کا ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہے۔

۲۔ جب حکومتی سطح پر قیامِ عدل کا اہتمام ہوگا تو عوام بھی اس کا اہتمام کرے گی۔

۳۔ خاندانی سطح پر والدین کو اولاد کے مابین اور قرابت داروں کو آپس میں عدل کا لحاظ لازم ہے۔

۴۔ شہادتِ کاذبہ، قیام و نفاذِ عدل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، کبیرہ گناہ ہے اور سماجی فساد و بے اطمینانی کا سب سے بڑا موجب ہے۔

۵۔ شریعتِ اسلامیہ سے بے اعتنائی، بے رغبتی اور عدم آگاہی نفاذ عدل میں رکاوٹ ہے۔

سیرت خلفائے راشدین کی روشنی میں: خلفائے راشدین جن کا عہدِ خلافت اسلام کا دورِ زریں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے عہد میں "عدلِ اجتماعی" کے قیام و فروغ کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی جس کی متعدد مثالیں مؤید ہیں۔ خلفائے راشدین کے خطباتِ خلافت سے ان کے تصور عدلِ اجتماعی کی وضاحت ہو جاتی ہے خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ نے خطبہ خلافت دیا تو

Marfat.com

ارشاد فرمایا

فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي، الصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ، وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتَّى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ، إِنْ شَاءَ اللهُ، وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ حَتَّى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ، إِنْ شَاءَ اللهُ، لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللهُ بِالذُّلِّ، وَلَا تَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا عَمَّهُمُ اللهُ بِالْبَلَاءِ، أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ۔ (۳۱)

اگر میں راہِ راست پر چلوں تو میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ ان شاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے واپس دلا دوں، ان شاء اللہ اور تمہارا قوی مرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے حق تعالیٰ شانہ اسے ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں۔

اسی طرح خلیفہ ثانی سیدنا فاروقِ اعظمؓ کا عدل مشہور و معروف ہے، متعدد مثالیں اور اقوال ان کے تصورِ عدل کو واضح کرتے ہیں۔ عدلِ اجتماعی کے قیام و نفاذ کے سلسلے میں فاروقِ اعظمؓ کا ارشاد ہے

قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أُشْهِدُكَ عَلَى أُمَرَاءِ الْأَمْصَارِ وَإِنِّي إِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ عَلَيْهِمْ لِيَعْدِلُوا عَلَيْهِمْ وَلِيُعَلِّمُوا النَّاسَ دِينَهُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقْسِمُوا فِيهِمْ فَيْئَهُمْ وَيَرْفَعُوا إِلَيَّ مَا أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ تو ان لوگوں پر گواہ رہنا کہ جنہیں میں نے شہروں کی حکومت دی اور میں نے انہیں اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ ان پر انصاف کریں اور ان لوگوں کو دین کی باتیں سکھائیں اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سکھائیں اور جو مال غنیمت ان کو ملے اسے تقسیم کریں اور جس معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئے تو میری طرف رجوع کریں۔

حضرت علیؓ کے فیصلے اور آپؓ کی فقہی بصیرت مشہور ہے۔ آپ کے فیصلے آج بھی حکام اور عدلیہ کے لئے ضرب المثل ہیں۔ آپؓ عہدِ رسالتؐ میں کئی بار قاضی بنائے گئے۔

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامِ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ تُرْسِلُنِي وَأَنَا حَدِيثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْقَضَاءِ فَقَالَ إِنَّ اللهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ

Marfat.com

لِسَانَكَ فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِيَنَّ حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا أَوْ مَا شَكَكْتُ فِي قَضَاءٍ بَعْدُ۔ (۳۳)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے (قاضی بنا کر) بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نو عمر ہوں اور قضاء کے بارے میں علم بھی نہیں رکھتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے قلب کو ہدایت دیں گے اور تمہاری زبان کو ثابت قدم رکھیں گے۔ جب دو فریق تمہارے سامنے بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ہرگز فیصلہ نہ کرنا جس طرح کہ تو نے پہلے فریق کی بات سنی، اس لیے کہ اس میں زیادہ مناسب طریقہ سے تمہارے سامنے مقدمہ کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ فیصلہ کرتا تھا اور مجھے کسی فیصلہ میں شک وشبہ نہ ہوا اس کے بعد۔

گویا خلفائے راشدین نے اپنی حکومت کا مطمح نظر دین کی سربلندی وعدل پر مبنی صالح معاشرے کا قیام رکھا اور اس کے لئے نبویؐ ہدایات کا مکمل لحاظ رکھا اور ہر لحہ اس کی پیروی کی۔

عدلِ اجتماعی کے نمایاں خدوخال:

عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے توازن، تناسب، مساوات، ہم آہنگی، انصاف، افراط و تفریط سے اجتناب اور معاملات کو اس طرح منظم کرنا جس سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے نیز یہ کہ جو کچھ ہم سوچیں، کریں یا کہیں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ قرآن کریم میں عدل کے مترادفات قسط، وسط، میزان، اعتدال، مستقیم، تقدیر اور ان کے مشتقات وارد ہوئے ہیں اور یہ سبھی معانی اسلامی نظریۂ عدل کی ماہیت و ترکیب میں شامل ہیں۔ اسلامی عدل کے خدوخال سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام افکار و نظام ہائے زندگی اور جملہ دساتیر و قوانین کے مقابلے میں ہر اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور ارفع و اعلیٰ ہے، اس کے نمایاں خدوخال درج ذیل ہیں:

1- بعثتِ انبیاء کی غایت الغایات: سلسلہ رشد و ہدایت اور بعثتِ انبیاء کی غایت الغایات عدل وانصاف کا قیام و استحکام ہے۔ اللہ رب العزت نے اسی امر کو بیان کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۳۴) یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

2- انسانی کردارر کی تعمیر کی اساس۔ عدل: انسانی زندگی میں بدی کی جملہ قوتوں کو شکست دے کر نیکی اور خیر کا رجحان ابھارنے اور فطرتِ انسانی کے حقیقی مضمرات و امکانات کو بالفعل فطرت میں ڈھال کر سیرت و کردار کی تعمیر میں عدل کا کردار بنیادی ہے کہ عدل ہی تمام نیکیوں اور محاسنِ اعمال کی اساس ہے۔ عدل و توازن کا جذبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ

Marfat.com

اس کے لئے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اخلاقی اور معاشرتی احکام واوامر کے سلسلہ میں سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ربی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَائِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ (۳۵)

اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔

3- اسلامی تصورِ عدل تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی ہے: اسلام میں عدل و انصاف کا دائرہ صرف انفرادی امور اور باہمی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ہر شعبہ زندگی میں اور انسانی کردار کی ہر سطح پر عدل کا نفاذ چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں عدل کی مجمل تعلیم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انفرادی سے اجتماعی زندگی تک اور گفتار سے لے کر کردار، اخلاقی، روحانی، عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی زندگی کے ہر پہلو میں عدل قائم کرنے کی تلقین کی ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۳۶)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

4- شرعی احکام و فقہی قوانین کی اساس: شرعی احکام و فقہی قوانین کی اساس و بنیاد ہی عدل ہے اور اسی عدل کی نسبت سے شریعت اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست، معیشت اور معاشرت تک تمام شعبہ ہائے زندگی مل کر ایک وحدت وکل بناتے ہیں۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں

فَإِنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَ رُسُلَهُ وَأَنْزَلَ كُتُبَه ليقوم الناس بِالْقِسْطِ، وَهُوَ الْعَدْلُ الَّذِيْ قَامَتْ بِهِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ، فَإِذَا ظَهَرَتْ أَمَارَاتُ الْحَقِّ، وَقَامَتْ أَدِلَّةُ الْعَقْلِ، وَأَسْفَرَ صُبْحُهُ بِأَيِّ طَرِيْقٍ كَانَ؛ فَثَمَّ شَرْعُ اللّٰهِ وَدِيْنُهُ وَرِضَاهُ وَأَمْرُهُ۔ (۳۷)

گویا شریعت اسلامی کے اصول و قواعد اور تمام اغراض و مقاصد چند امور میں پنہاں ہیں جن کو شریعت کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے، یہ بنیادیں لوگوں کی مصلحتوں کی پاسداری، ان کے لیے آسانی و سہولت پیدا کرنا اور ان کے درمیان عدل و انصاف کا قیام ہے۔

5- عدلِ اجتماعی کی حدود۔ جمیع انسانیت تک: اسلام میں عدل و انصاف کی حدود اس قدر وسیع ہیں کہ دینی امتیاز و

Marfat.com

مذہبی تفریق سے بھی بالاتر رہتے ہوئے زندگی کے ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کی حیثیت سے اس کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے۔

عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا فتنہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت ہے اور اس راہ میں سب سے زیادہ کٹھن منزل وہ ہے جب عدل کی زد اپنی ذات پر پڑتی ہے لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہو کہ گہری محبت اور شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾(۳۸)

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ داروں عزیزوں کے۔

یوں اسلام نے انصاف اور مساوات قائم کر کے ایک طرف اخوت دینی کی بنیاد رکھی اور دوسری طرف اخوت انسانی کی۔

6- عدلِ اجتماعی کا قیام۔ حکومت کی ذمہ داری: عہدِ قدیم سے لے کر دور حاضر تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدنی الطبع انسان کے لیے ایک ہیت اجتماعیہ کی ضرورت بدیہی ہے اور اجتماعی زندگی کے نظم کا قیام بہر حال ایک قوت قاہرہ، جسے ریاست کہتے ہیں کا محتاج ہے کیونکہ فطرتِ انسانی جلبِ منفعت اور دفع مضرت کی خاطر ظلم و تشدد اور بغاوت و سرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کی خواہاں ہونے کے باعث عدل و انصاف کی متقاضی بھی۔ پس عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی فطرت کا علم یہی بتاتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی بقاء و ترقی کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے جس کا اولین فرض عدل و انصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم ہے کہ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اگر یہ نہ ہو تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان، مال اور آبرو سلامت نہ رہے۔ معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں کیونکہ عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے، علماء کا ارشاد اس ضمن میں انتہائی اہم ہے کہ الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم (۳۹) ملک کفر کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔

اسلامی تصور ریاست کی رو سے حکومت و امامت کی حقیقت صاحب شریعتؐ کی نیابت و خلافت ہے جیسا کہ الماوردی، ابویعلیٰ، ابنِ خلدون وغیرہ سبھی مفکرینِ اسلام نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن کریم سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ بعثت و رسالت کا مقصود قیام عدل و انصاف ہے۔

عدلِ اجتماعی کی خصوصیات۔ سنتِ نبویؐ کی روشنی میں:

اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی ہمہ پہلو اور متعدد خصوصیات کا حامل ہے۔ عدل اجتماعی کا اسلامی تصور چونکہ کسی خاص خطۂ ارض کے لئے متعارف نہیں کروایا گیا بلکہ جمیع انسانیت کے لئے ایک مربوط و منظم نظام ہے لہٰذا یہ دیگر نظام ہائے عدل پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسلام کے ماخذ قرآن و سنت کی روشنی میں جب ان خصوصیات کو جمع کیا جائے جو "عدلِ اجتماعی" میں پائی جاتی ہیں تو درج ذیل خصائص واضح ہوتے ہیں۔

Marfat.com

1- الٰہی مصدرِ عدل: دنیا میں موجود دیگر نظام ہائے عدل (وضعی قوانین) کو سوسائٹی کے افراد اپنے احوال و ظروف اور اپنی ضروریات کے پیشِ نظر رکھ کر تیار کرتے ہیں جبکہ اسلام کا نظامِ عدل خود معاشرے کو اپنے خطوط اور اپنی اساسیات کے مطابق ڈھالتا ہے۔ بصورت اوّل معاشرہ آگے ہوتا ہے اور قانون اس کے پیچھے جبکہ اسلامی نظامِ عدل آگے ہوتا ہے اور معاشرے کو اس کے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔ اسلامی نظامِ عدل ہر لحاظ سے سماجی اقدار و روایات پر فوقیت رکھتا ہے۔ فرمانِ ربی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا﴾ (۴۰) بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو۔

یعنی اللہ کے عائد کردہ فرائض میں کسی رواج و روایت کا لحاظ نہ کرو۔ علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فصل خصومات میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کر کے خلاف حق حکم دیتے اس لئے مسلمانوں کو ان باتوں سے اس آیت میں روکا گیا۔ (۴۱)

2- ابدیت و آفاقیت: اسلام کا تصور عدلِ اجتماعی وحی الٰہی پر مبنی ہے یعنی اس کا صانع اور نازل کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جبکہ وضعی قوانین انسانی ذہن کے اختراع کردہ ہیں اور چونکہ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے اس لئے انسان کے وضع کردہ قوانین میں فطری طور پر وہ ضعف، عجز، کم فہمی، نتائج سے عدم واقفیت اور مستقبل سے بے خبری پائی جاتی ہے جو اس کی سرشت میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون بنتے ہی اس میں ترامیم شروع ہو جاتی ہیں اگر اس اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو وضعی قوانین ہمیشہ ناقص اور قابلِ اصلاح رہتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی قوانین چونکہ علیم و خبیر کے نازل کردہ ہیں جس کے سامنے ازل اور ابد سب کھلے ہوئے ہیں، جو مستقبل کے تمام انقلابات سے آگاہ ہے اور جس کا علم ہر شے کو محیط ہے اس لئے اس میں نقص کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ اساسی طور پر ہر تغیر و تبدیلی سے بے نیاز ہے لہٰذا یہ تسلیم کرنا لازمی ہے کہ اسلامی نظامِ عدل اپنے اندر صفتِ دوام رکھتا ہے مثلاً یہ امر طے ہے کہ جو شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے گا سزا اسی کو ملے گی فرمان ربی ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (۴۲) اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

اسی طرح اسلامی نظامِ عدل میں طے ہے کہ ظلم و تعصب اور بے جا طرف داری نہیں کی جائے گی سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں اس امر کا واضح حکم ہے۔ اسی طرح کسی حقدار کی حق تلفی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیا جائے گا النساء آیت ۵۸ اس کی دلیل ہے۔ ان آیات و احکامات کو نازل ہوئے آج چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مفکرین و مقننین کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود قانون سازی کی ان اساسیات میں معمولی سا نقص یا خفیف سی کجی پیدا ہوئی ہو، لیکن ایسا ہر گز نہیں ہے کیونکہ قانون سازی کی یہ بنیادیں انقلابِ ایام سے بے نیاز ہیں۔

3- انسانی مساوات: اسلام کے تصور عدل اجتماعی کی خصوصیات میں سے اہم ترین خصوصیت اس کا عطا کردہ تصورِ مساوات ہے یعنی قانونِ اسلامی کے سامنے امیر، غریب، بادشاہ، فقیر، محکوم، حکمران برابر ہیں حتی کہ نبی اکرمؐ نے اپنے یا اپنے اہل خاندان کے لئے بھی کسی قسم کا استثناء گوارا نہ فرمایا۔ آج دنیا بہت ترقی کر چکی ہے، قانون و شروحِ قانون کی لاکھوں، کروڑوں

Marfat.com

کتابیں تیار ہو چکی ہیں لیکن مغربی نظام عدل کی رو سے بادشاہ کو ایک عام شہری عدالت میں طلب نہیں کیا جاسکتا اور عام عدالتیں وزیر اعظم پر مقدمہ نہیں چلاسکتیں اس لئے کہ "بادشاہ سے غلطی کا صدور ممکن نہیں" مگر قرآن نے قریباً ڈیڑھ صدی قبل اعلان کیا کہ

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (۴۳)

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ آپس کی پہچان ہو تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔اللہ سب کچھ جانتا ہے خبر دار ہے۔

4- خوفِ خدااور تصورِ آخرت: اسلامی نظامِ عدل کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرے کی تربیت خوفِ خدااور تصورِ آخرت کی بنیاد پر کرتا ہے کیونکہ اگر انسان پر بظاہر بہت سی پابندیاں عائد کر دی جائیں اور اس کے باطن کو نہ بدلا جائے تو عقل حیلہ ساز بے شمار راستے نکال لیتی ہے اسلام در حقیقت اپنے معاشرے کو اندر سے بدلتا ہے تا کہ قانون شکنی اور سرکشی کا موقع ہی نہ آئے۔اس باطنی تبدیلی کے لئے اسلام سب سے زیادہ خوفِ خدااور تصورِ آخرت پر زور دیتا ہے،اس کے ساتھ ساتھ بدلے اور اجر کا نظام بھی واضح ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے جو بھی بھلا یا برا کرے گا اسی کے مطابق بہت جلد بدل پائے گا۔فرمایا ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ (۴۴) سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے

5- اسلام کا عادلانہ تصورِ سزااور انسدادِ جرائم: اسلامی نظامِ عدل کے محاسن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جرم ثابت ہونے کے بعد مجرم کے ساتھ کسی رعایت کی گنجائش نہیں چھوڑتا کیونکہ موجودہ دور کی طرح اگر مجرم سے رعایت کی جائے تو نظامِ تمدن میں خلل پڑتا ہے لہٰذا اسلام کے نظامِ عقوبات میں سزائیں باعثِ عبرت رکھی گئی ہیں۔

نظامِ عقوبات پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے۔یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا، نظامِ تمدن میں خلل پیدا ہوتا اور مسلمان معاشرے کی طمانیت وسکون واطمینان رخصت ہو جاتا ہے دوسری بات یہ کہ وہ معاصی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دو چار بار ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔اس طرح کی معاصی میں محض آخرت کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرت ناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ساری زندگی معاشرے کے دیگر افراد کے لئے سامانِ عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے ارتکاب کی جرأت کریں (۴۵)۔

اسی مصلحت کا ذکر قرآن نے حدِ زنا کے ذکر کرتے ہوئے بھی کیا ہے، فرمایا

Marfat.com

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۴۶) اور چاہیے کہ انکی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو

6- اسلام کا بے نظیر تصورِ قضاء: دیگر نظام ہائے عدل کے برعکس اسلامی نظام عدل میں قضاء انتہائی اہم اور نازک ذمہ داری ہے جس کی طلب بھی ناپسند کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي هٰذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حرص عليه۔(۴۷)

حضرت ابو موسیٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میری قوم کے دو آدمی تھے، ان میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں امیر بنادیں، اور دوسرے نے بھی یہی عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اس کا مالک اس کو نہیں بنائیں گے جو اس کی درخواست کرے یا جو اس کا حریص ہو۔

اس عہدے کی نزاکت اور آزمائش کو یوں بیان کیا گیا ہے: من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین(۴۸) جسے قضا کا منصب سپرد کیا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

7- معیارِ شہادت: عدلِ اجتماعی کو برقرار رکھنے میں عدالتی نظام کا سب سے بڑا کردار ہے اور عدالتی نظام کا انحصار شہادت و گواہی پر ہے۔ دیگر نظامہائے عدل میں شہادت دینے کا کوئی معیار نہیں، ہر فرد شہادت و گواہی کا اہل ہے خواہ اس کا ذاتی کردار کتنا ہی گھناؤنا اور رذیل کیوں نہ ہو۔ صرف ضروری یہ ہے کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں ہو اور جو وہ ادائے شہادت کے وقت منہ سے کہہ رہا ہو، سمجھتا ہو اور اس امر کو وہ مساوات کا نام دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظام عدل کے بے لاگ ہونے کے کئی دلائل مہیا کئے جاسکتے ہیں مثلاً فرمانِ ربی ہے ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾(۴۹) اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کرلو اور گواہو خدا کے لئے درست گواہی دینا۔

اس کے علاوہ اسلامی نظام عدل میں "تزکیۃ الشہود" کا نظام رکھا گیا ہے جو دنیا کے کسی نظام میں نہیں ہے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ شریعت میں جھوٹی شہادت پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لَا يَسْكُتُ(۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ تکیہ

Marfat.com

لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر (سیدھے ہو) بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، آپ اسی طرح (بار بار) فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے۔

8- **فوری حصولِ انصاف:** عدلِ اجتماعی کے قیام میں یہ امر ضروری ہے کہ انصاف کا حصول فوری اور طریقِ کار آسان ہو اور کسی شخص کی غربت، بیماری، ذات یا معمولی عہدہ حصولِ انصاف میں مزاحم نہ ہو اور مغربی نظامِ عدالت کی طرح انصاف میں اتنی تاخیر نہ ہو جائے کہ ظلم بن جائے۔

عدل اجتماعی کی ضرورت واہمیت۔ تعلیماتِ نبویہ ؐ کی روشنی میں:

1- **آزادئ ضمیر کی بقاء واستحکام:** انسانی ضمیر اسے اللہ تعالیٰ نے بے حد نعمت عطا کی ہے۔ یہ ضمیر ہی ہے جو انسان کے لئے شر اور فجور سے بچنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ سیّد قطب شہید لکھتے ہیں:

ضمیر بندوں کی غلامی سے آزاد اور تعلق باللہ کے ہمہ دم بیدار اور شعور سے معمور ہوتے ہی جان ومال اور عزوجاہ کے سلسلہ میں ہر طرح کے خطرات اور اندیشوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اندیشے اور خطرے بہت مہلک ہوتے ہیں۔ یہ انسان کی خودداری کو مجروح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات تو اسے ذلت گوارا کرنے، بہت سے حقوق سے دست بردار ہو جانے اور بڑی حد تک اپنے عزوشرف سے ہاتھ دھولینے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ اسلام اس بات کو بڑی اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کی عزت و آبرو اور ان کے شرف وجاہ کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ ان میں صحیح قسم کی خودداری اور عزت نفس پرورش پائے اور وہ عدل و انصاف کے قیام کے نگران اور محافظ بن کر رہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طرح قانون کے علاوہ ان باتوں کے ذریعہ بھی وہ ایک مکمل اور مطلق اجتماعی عدل کے قیام کی ضمانت دے جس میں کوئی انسان اپنی حد سے تجاوز نہ کر سکے۔ ان اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر اسلام کو اس بات کی خصوصی فکر ہے کہ انسان اپنی جان، پیٹ بھرنے کے لئے غذا اور زندگی میں اپنی حیثیت ان تمام کے سلسلہ میں ہر طرح کے خوف وخطر سے آزاد رہے۔ زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی مخلوق میں اتنی مقدرت نہیں کہ وہ اس کی مدتِ عمر میں سے ایک گھڑی یا اس سے کم کے بقدر بھی کمی بیشی کر سکے۔ کوئی مخلوق زندگی میں سے ایک سانس بھی کم نہیں کر سکتی نہ ہی ذرہ برابر نقصان پہنچانے کی سکت رکھتی ہے[۵۱]۔

آزادی ضمیر کے ضمن میں قرآن کا نظریہ واضح ہے ﴿قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾[۵۲] (کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اسکے کہ جو خدا نے ہمارے لئے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو خدا ہی کا بھروسہ رکھنا چاہئے)۔

اسی طرح معاشی آزادی واعتماد کو یوں واضح کیا ﴿وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[۵۳]

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے خدا ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا

Marfat.com

اور جاننے والا ہے۔

اسلام آزادی ضمیر اور حریت وجدان کے لئے انسان کے داخل کو سنوارنے کا بہت اہتمام کرتا ہے اور نفس انسانی کے ہر پہلو کی داشت وپرداخت کرتا ہے اور اس کے ہر گوشہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے رکھتا ہے، لہٰذا عدل اجتماعی کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے آزادی ضمیر انہی میں سے ایک ہے۔

2- مساواتِ انسانی کا مظہر: عدل اجتماعی کے بنیادی اور اس کے اجزاء میں سے اہم جزو مساوات ہے اور عدل اجتماعی کے قیام وبقاء کے لئے مساوات انسانی کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اسی مقصد کے لئے اسلام نے اصول مساوات کی لفظا اور منصوص وضاحت کردی تاکہ کسی قسم کا کوئی اشکال نہ رہے اور متعدد روایات وآثار سے اس کی تشریح بھی کردی تاکہ معقول وضاحت ہو جائے۔ سیّد قطب شہید لکھتے ہیں: جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو انسانیت لفظ مساوات سے ناآشنا تھی۔ کوئی اس بات کا دعوے دار تھا کہ وہ دیوتاؤں کی نسل سے ہے اور اس دعویٰ کی تائید کرنے والے بھی موجود تھے۔ کوئی اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس کی رگوں میں عام لوگوں کی طرح کا معمولی خون نہیں ہے بلکہ صاف، خالص اور شاہانہ خون رواں ہے اور اس زعم پر بھی سر تسلیم خم کئے جاتے تھے۔ ایک قوم انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے خدا کے سر سے تخلیق کئے جانے کے سبب معزز اور کسی دوسرے طبقہ کو خدا کے قدموں سے بنے ہونے کے سبب پست وذلیل قرار دیتی تھی۔ عورتوں کے بارے میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ان کے جسم میں روح بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ آقاؤں کے لئے بالکل جائز تھا کہ غلاموں کو دردناک سزائیں دیں یا قتل کر ڈالیں کیونکہ وہ آقاؤں سے الگ ایک دوسری نوع سے تعلق رکھتے تھے۔ ایسے حالات میں اسلام آیا اور اس نے مساوات کا درس دیا، اس نے مبدا و معاد، موت وزندگی میں، حقوق وفرائض کے باب میں قانون کے سامنے اور اللہ کے حضور ہر جگہ ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا، بتایا کہ عمل صالح کے بغیر فضیلت وامتیاز کا معیار اور کوئی نہیں، عزت وشرف اگر ہے تو ان کے لئے جو زیادہ متقی اور پاکباز ہوں۔ یہ انسانیت کی ایسی حیثیت تھی جس کی نظیر تاریخ میں کوئی دوسری نہیں ملتی[۵۴]۔ قرآن نے اسی بات کو بار بار دہرایا ہے کہ تمام انسان مٹی اور ایک حقیر پانی سے وجود میں آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ سارے انسانوں کے ایک ہی اصل سے ہونے، ایک طرح سے پیدا ہونے اور ایک ہی طرح نشو نما پانے کی حقیقت دلوں میں راسخ ہو جائے، سنت نبویہؐ میں اس کی صراحت موجود ہے، فرمایا:

أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ[۵۵] تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں

جب یہ واضح ہو گیا کہ کوئی فرد بالذات افضل نہیں تو کسی قوم یا نسل کا اپنے حسب نسب کے اعتبار سے دوسری اقوام پر فضیلت کا دعویٰ باطل ہوا، فرمان ربی ہے

﴿يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾[۵۶]

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر

Marfat.com

ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔

اسلام میں نیکی و فضیلت کا معیار محض تقویٰ ہے اور اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے، اجتماعی لحاظ سے بھی اور ضمیر و وجدان کے گوشوں کو بھی، ہر جگہ مکمل مساوات قائم کرتا ہے اور الفاظ و ظاہر صورتوں میں اعلان کے ساتھ ساتھ عملی نمونے بھی مہیا کرتا ہے۔ تاریخ نے ان مثالوں کو محفوظ کیا ہے جہاں صرف نیکی، تقویٰ اور علم کی بناء پر انسانوں کو فضیلت دی گئی اگرچہ معاشی لحاظ سے وہ آج کی مستعمل اصطلاح میں کسی status کے حامل نہیں تھے، مثلاً امام قدوری (ہانڈی بیچنے والے)، امام صابونی (صابن فروش)، امام صیدلانی (عطر فروش) اور بقالی (سبزی فروش) اپنے پیشوں کے اعتبار سے منسوب کئے جاتے ہیں لیکن علم و تقویٰ کے سبب تاریخ اسلام کے معزز ترین افراد کی فہرست میں شامل ہیں۔

3- **باہمی کفالت و تعاون کی صورت:** انسان معاشرے میں ہر گز اکیلا نہیں رہ سکتا، وہ کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں اپنے ہم جنسوں کا محتاج ہوتا ہے اور یہ باہمی کفالت تب ہی ممکن ہے جب معاشرے میں "اجتماعی عدل" کی فضا قائم ہو۔ اسلام نے اجتماعی کفالت کا اصول پوری تفصیل کے ساتھ متعارف کروایا۔ فرد اور اس کی ذات، فرد اور اس کا قریبی خاندان، فرد اور جماعت، ایک قوم اور دوسری قوم، ایک نسل اور آگے آنے والی نسلوں سب کے مابین اجتماعی تکافل کا یہ اصول کار فرما ہے لہٰذا باہمی کفالت یا اجتماعی تکافل "عدلِ اجتماعی" کا ایک جزو ہے، جس کے بغیر عدلِ اجتماعی پوری طرح قائم نہیں ہو سکتا۔ سیّد قطب شہید کے الفاظ میں: اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل میں عطا کرتا اور اعلیٰ ترین معنی میں انسانی مساوات برپا کرتا ہے لیکن ان دونوں کو بے قید اور لگام نہیں چھوڑتا۔ ایک طرف سماج کا مفاد اور اس کا حق ہے، دوسری طرف انسانیت کے مصالح اور اس کے تقاضوں کا پاس و لحاظ ہے اور ساتھ ہی دین کے بلند تر مفاد کی قدر و قیمت بھی سامنے ہے اس لئے آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے، اسی ذمہ داری کو "اجتماعی تکافل" سے موسوم کیا جاتا ہے۔[۵۷]

فرد اور اس کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں میں اجتماعی کفالت کے اصول کو اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمایا

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾[۵۸]

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

Marfat.com

اسی طرح قرابت والوں اور ان کے حقوق کی اہمیت کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ خاندانی کفالت کے باہمی مظاہر میں سے ایک اہم مظہر دولت کا وہ توارث ہے جس کی تفصیل سورۃ النساء کی آیات ۱۱، ۱۲ اور ۱۷۲ میں آئی ہے۔ عدلِ اجتماعی کی ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر کفالتِ باہمی کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ ہر فرد، جماعت کے مصالح کی نگرانی اس طرح کرے جیسے اسی کو اس کا محافظ و نگران بنایا گیا ہے کیونکہ زندگی کے سفر میں رواں کشتی کی سلامتی کا ہر سوار ذمہ دار ہے محض ملاّح نہیں اور کسی بھی مسافر کو اپنی انفرادی ضرورت یا مفاد کی خاطر اس میں سوراخ کرنے کا حق نہیں بلکہ اگر کوئی یہ ظلم بھی کرے تو اس کو روکنا ہر مسافر کی ذمہ داری ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے

مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللهِ وَالْمُدْهِنِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فِي الْبَحْرِ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا يَصْعَدُونَ فَيَسْتَقُونَ الْمَاءَ فَيَصُبُّونَ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا لَا نَدَعُكُمْ تَصْعَدُونَ فَتُؤْذُونَنَا فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا فَإِنَّا نَنْقُبُهَا مِنْ أَسْفَلِهَا فَنَسْتَقِي فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ فَمَنَعُوهُمْ نَجَوْا جَمِيعًا وَإِنْ تَرَكُوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا۔ (۵۹)

حدودِ الٰہی کو قائم کرنے اور ان میں سستی برتنے والوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم کشتی پر سوار ہوئی اور کشتی کے اوپر اور نیچے والے حصہ کو باہم تقسیم کر لیا بعض کو اوپر والا اور بعض کو نیچے والا حصہ نچلے والے اوپر والے حصے میں جا کر پانی لاتے ہیں تو وہ پانی اوپر والوں پر گرنے لگا پس اوپر والوں نے کہا ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے کیونکہ تم ہمیں تکلیف دیتے ہو اس پر نچلے والے کہنے لگے کہ اگر ایسا ہے تو ہم نچلے حصے میں سوراخ کر کے دریا سے پانی حاصل کریں گے اب اگر اوپر والے ان کو اس حرکت سے باز رکھیں تو سب محفوظ رہیں گے اور اگر نہ روکیں تو سب کے سب غرق ہو جائیں گے۔

گویا مصالحِ عامہ کی رعایت رکھنے کی ذمہ داری سے کوئی فرد بھی مبرا نہیں ہے کیونکہ ہر فرد معاشرے میں بیک وقت نگران بھی ہے اور زیرِ نگرانی بھی۔ رسولؐ نے کفالتِ باہمی کی مختلف نوعیتیں واضح فرمائیں، مثلاً تعاون وامدادِ باہمی کے اصول کے عملی نفاذ کے سلسلے میں ارشاد فرمایا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ فَجَعَلَ يُصَرِّفُهَا يَمِينًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي الْفَضْلِ۔ (۶۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور وہ اپنے اونٹ کو دائیں بائیں گھما رہا تھا آپ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری کا جانور ہو تو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جسکے پاس فاضل توشہ ہو تو اسکو دیدے جس کے پاس توشہ نہیں ہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ کسی کو ضرورت سے زائد چیز رکھنے کا حق نہیں ہے۔

اور ان سب سے اوپر اٹھ کر بلا رنگ ونسل، وطن وقوم امتِ مسلمہ میں باہمی کفالت کا نقشہ یوں بیان فرمایا

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى۔ (۶۱)

ایک دوسرے پر مہربانی کرنے اور دوستی وشفقت میں مومنوں کو ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جسم کے ایک حصہ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔

یوں اسلام اجتماعی تکافل کو اس کی تمام ممکن شکلوں کے ساتھ اس طرح قائم کرتا ہے کہ تمام پہلو عدلِ اجتماعی کے قیام کی تکمیل کرتے ہیں۔

نفاذ عدلِ اجتماعی کے ادارے۔ تعلیماتِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں

عدلِ اجتماعی کا قیام چونکہ خلافت و حکومت کا اولین فرض اور بنیادی مقصد ہے اور دین کی حفاظت اور عمرانی نظام کو برقرار رکھنا فردِ واحد کے لئے ممکن نہیں اس لئے انفرادی واجتماعی سطح پر عدلِ اجتماعی کا نفاذ مختلف اداروں کا محتاج ہے جو خلیفہ کے کام میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

ما کان الملك لا يستطيع اقامة هذه المصالح كلها بنفسه وجب ان يكون له بازاء كل حاجة اعوان۔ (۶۲)

یعنی جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے لئے ہر کام میں معاونین کا ہونا ضروری ہے۔

یوں اسلام ریاست کے عملی اور نظمیاتی پھیلاؤ کے حق میں ہے تاکہ مملکت کی اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے اور فرد کی شخصیت کو فروغ دینے کے لئے ضروری ایجنسی یا ادارے باقاعدہ طریقے سے سنوار دیئے جائیں جس کے ذریعہ وہ عمل بے کم و کاست جاری رہے۔ ابنِ خلدون لکھتے ہیں

وله على كل حال مراتب خادمة ووظائف تابعة تتبعين خططا وتعوزع على رجال الدولة وظائف، فيتم بذلك أمر الملك ويحسن قيامه بسلطانه. فاعلم ان الخطط الدينية الشرعية من الصلوة والفيتاء والقضاء والجهاد والحسبة كلها مندرجة تحت الامامة الكبرى التي هي الخلافة۔ (۶۳)

حکومت یا خلافت کا کام انجام دینے کے لئے ذیلی مناصب اور صیغے ہوتے ہیں ار مختلف کام اراکین حکومت پر

Marfat.com

بٹے ہوئے ہوتے ہیں جس سے خلیفہ اپنے فرائض سے بحسن وخوبی عہدہ برآہو پاتا ہے۔ پس جملہ دینی مناصب جیسے نماز، فتویٰ، قضاء، جہاد اور حسبہ وغیرہ امامتِ کبریٰ یعنی خلافت میں مندرج اور شامل ہیں۔

ذیل میں ان اداروں کے کردار اور اہمیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ ان کا مقام نمایاں ہو سکے۔

1۔ قضاء: عہدِ جاہلیت کے قبائلی نظام میں کسی منظم عدالتی ادارے کی تشکیل تو درکنار، تصور بھی ممکن نہ تھا۔ مخاصمات ونزاعات کے فیصلے کے لئے حکم، سردارِ قبیلہ اور کاہن واعراف وغیرہ سے رجوع کرنے کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن قضاء کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے کی پابند نہ تھیں۔ اسلام نے قضاء کے عرف وعادت پر مبنی ان تمام شکلوں کی بساط لپیٹ کر ایک پاکیزہ، منظم اور عادلانہ نظام قضاء جاری کیا اور انصاف کو ایک مرکزی اور حکومتی شئے بنادیا چنانچہ دنیا کے پہلے تحریری دستور میں یہ وضاحت موجود ہے کہ تمام افراد اپنے تنازعات میں رسولؐ کی طرف رجوع کرینگے۔

عہدِ رسالت میں تشریع، تنفیذ اور قضاء تینوں مناصب رسولؐ کے پاس تھے۔ جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوا تو آپؐ نے مختلف علاقوں میں اپنی جانب سے والی اور احکام مقرر فرمائے قضاء کی ذمہ داریاں ان کو سونپیں، یوں عہدِ رسالت میں قضاء انتظامیہ میں ہی شامل تھی۔ عہدِ فاروقی میں خلافت کی سرحدیں وسیع ہوئیں تو ہر صوبے میں مستقل اور آزاد قضاۃ کے تقرر کا سلسلہ شروع ہوا۔ قاضی کا انتخاب براہِ راست خلیفہ کرتا اور اس کے لئے غیر معمولی بصیرت، تقویٰ، عدالت اور منصفانہ فطرت کا حامل ہونا لازمی تھا۔ عدلِ اجتماعی کے نفاذ وقیام میں قضاء کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس مکتوب سے ہوتا ہے جو حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا، ہدایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں

فَإِنَّ القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة. وآس بين النّاس فى وجهك ومجلسك وعدلك حتى لا يطمع شريف فى حيفك ولا يخاف ضعيف جورك. ولا ييأس ضعيف من عدلك.البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه أو على من أنكر والصلح جائز بين المسلمين.الفهمَ الفهمَ فيما يختلج فى صدرك مما ليس فى قرآن ولا فى سنة.ثم اعرف الأمثال والأشباه.(٦٤)

پس قضاء محکم فرض اور سنت کی پیروی ہے، عدالت میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، ان کی نشست گاہ تک میں کسی قسم کا امتیاز نہ کرو۔ عدل وانصاف میں کسی کی رعایت نہ کرو، کسی بڑے آدمی کو کوئی ناجائز توقع اور کمزور کو انصاف سے مایوسی پیدا نہ ہو۔ بار ثبوت مدعی کے ذمہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔ فریقین کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے مصالحت کی اجازت دو۔ جن مسائل میں تردد پیدا ہو اور وہ قرآن و سنت میں نہ ملے تو ان میں عقل ودرایت سے کام لو اور سابقہ امثال ونظائر کی روشنی میں غور کرو۔

قضاء کا منصب اپنی اہمیت اور نزاکت کے لحاظ سے حکومت کے تمام مناصب پر فوقیت رکھتا ہے لہٰذا اس نزاکت کے پیشِ نظر شریعت میں قاضی کے لئے کڑی شرائط مقرر کی گئی ہیں، جن کی تفصیل فقہ کی کتب میں مفصل واضح کی گئی ہے۔

2۔ افتاء: قانونِ اسلامی کے ماخذ کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ، اجماع اور قیاس ہیں۔ ہر مسئلے اور نزاع میں فیصلے کے لئے قرآن وسنت

١٣٧٠٨٥

Marfat.com

کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (۶۵)

پھر اگر کسی چیز پر اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

قرآن وسنت کی جانب رجوع کا یہ عمل استفتاء کہلاتا ہے اور ان مسائل کا شرعی حل پیش کرنا "افتاء" کہلاتا ہے۔ یوں اسلامی حکومت میں عدل نافذ کرنے والے اداروں میں قضاء کے بعد اہم ادارہ افتاء ہے۔ افتاء مسلمانوں کے مصالح کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے تاکہ اس منصب میں نااہل لوگ داخل ہو کر لوگوں کو گمراہ نہ کرنے پائیں۔ عدل کا تصور دو حیثیتوں سے مرکب ہے، ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو، دوسری یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ اسلام کا ادارۂ افتاء معاشرہ میں عدل کی ان دونوں حیثیتوں اور دونوں پہلوؤں کی تکمیل میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ اسلام عدل و انصاف کے قیام میں محض جامد قانون پر انحصار نہیں کرتا بلکہ معاملات سے متعلق اکثر امور مفتی اور مجتہد کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل کی خصوصی نوعیت اور حالات و زمانہ کی رعایت سے عدل و انصاف پر مبنی بہترین حل اسلامی اصولوں کی روشنی میں پیش کر سکے۔ اس طرح قضاء، شرطہ، حسبہ، ولایت المظالم سبھی عدالتی اور نیم عدالتی ادارے دینی مسائل میں عدل پر مبنی درست حل کے لئے افتاء کے محتاج ہیں۔

3۔ شرطہ: معاشرتی امن وسکون کا استقرار اسلام کے مقاصد جلیلہ میں سے ہے، اس لئے معاشرتی امن و سلامتی کو برباد کرنا اور فتنہ انگیزی، گناہِ کبیرہ اور انسانی قتل سے بھی زیادہ گھناؤنا جرم ہے۔ قرآن کریم کی رو سے معاشرے میں امن وسلامتی برقرار رکھنا افراد اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت کے اہم ترین انتظامی ادارے "شرطہ" کا ہونا لازمی ہے۔ ابنِ سینا نے نظامِ معاشرہ کی جو تقسیم کی ہے اس سے معاشرہ میں پولیس کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرے میں تین طبقات کا وجود ناگزیر ہے، ایک المدبرون یعنی حکومت و کاروبار چلانے والے، دوسرے الصناع یعنی صنعت و تجارت میں مصروف، تیسرے الحفظہ یعنی نظامِ زندگی کا دفاع کرنے والے (۶۶)۔ یہی طبقہ شرطہ یا پولیس کہلاتا ہے جسے ابنِ خلدون ایک دینی منصب اور ادارہ قرار دیتا ہے۔ نفاذِ عدل اجتماعی کے ضمن میں شرطہ کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل امور اس کے تحت آتے ہیں: انسدادِ جرائم، انکشافِ جرائم اور پیروی مقدمات۔ آج کا محکمہ پولیس ہیئت وصلاحیت، فنی تربیت، تجربہ ومہارت میں خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو لیکن اپنے فرائضِ منصبی سے تغافل، اخلاقی زبوں حالی اور دینی بے مائیگی کی منہ بولتی تصویر بن چکا ہے۔ دیانتداری، حق گوئی اور فرض شناسی جیسے اوصاف گویا قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ معاشرہ میں عدل و انصاف کے فروغ، بدی و فساد کے عناصر کا قلع قمع کرنے اور نظم ونسق استوار رکھنے کے لئے ادارہ شرطہ کو اسلام کے عطا کردہ انتظامی سانچے میں ڈھالنا لازمی ہے اور اس مقصد کے لئے صالح افراد کا چناؤ، ان کی اسلامی نہج پر تربیت، دیانت وانصاف کا خصوصی

Marfat.com

سبق، اسوۂ رسولؐ اور اسوۂ صحابہؓ سے آگاہی اور تنظیمی صلاحیتوں کا فروغ "عدلِ اجتماعی" کے نفاذ میں معاون ہو گا۔

4- حسبہ: حسبہ ایسا ادارہ ہے جو سرکاری طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فروغ کے لئے تشکیل دیا جاتا ہے۔ عبد الرحمٰن بن حسن حسبہ کی تعریف یوں کرتے ہیں

والحسبة شرعاً: أمر بالمعروف إذا ظهر تركه ونهي عن المنكر إذا ظهر فعله، وقال آخرون بأن المعروف هو اسم جامع لكل ما عرف من طاعة الله، والتقرب إليه والإحسان إلى الناس، وكل ما ندب إليه الشرع۔ (٦٧)

شریعت میں حسبہ سے مراد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دینا جب اس کو ظاہراً ترک کر دیا جائے اور نہی عن المنکر جب وہ ظاہری طور پر کیا جا رہا ہو اور دوسروں نے یہ کہا یہ معروف ہے اور ایسا اسم ہے جو ہر ایسے کام کا جامع ہے جس کا تعلق اللہ کی اطاعت، اس کا تقرب اور لوگوں کے ساتھ احسان ہو اور ہر وہ کام جو شریعت میں پسندیدہ ہو۔

حسبہ کا بنیادی مقصد افراد کی شخصی اور معاشرہ کے اجتماعی معاملات میں عدل کا قیام ہے اور اس کے تمام فرائض و اختیارات اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ حسبہ کے فرائض و اختیارات کو چار نوعیتوں میں یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے: دینی و اخلاقی فرائض، معاشرتی و تمدنی فرائض، اقتصادی فرائض، قانونی فرائض۔ موجودہ ادارہ احتساب، حسبی کی روایات سے ہم آہنگ کر کے قیامِ عدل میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

5- دیوان المظالم: عدل نافذ کرنے والے اداروں میں ایک ولایۃ المظالم یا دیوان المظالم ہے۔ اس کی تعریف الماوردی نے یوں کی ہے

هُوَ قَوْدُ الْمُتَظَالِمِيْنَ إِلَى التَّنَاصُفِ بِالرَّهْبَةِ، وَزَجْرُ الْمُتَنَازِعِيْنَ عَنِ التَّجَاحُدِ بِالْهَيْبَةِ (٦٨)

یعنی آپس میں ظلم اور تعدی کرنے والے ہر دو فریق کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرایا جائے اور اگر انکار کریں تو ڈرا دھمکا کر کام لیا جائے۔

یوں اس منصب کے قیام کی اساسی غرض جبر واستبداد کا استیصال تھا اس کا ارتکاب خواہ اربابِ اقتدار و عمال حکومت کریں خواہ قاضی اور اس کے تحت ادارے اور چاہے عام افراد رعایا، ولایۃ المظالم کا دائرہ اختیار سبھی کو محیط تھا۔ اس کا مقصد قانون کی حکمرانی قائم کرنا، عدل و انصاف نافذ کرنا اور ظلم و جبر کا استیصال کرنا اور اس سلسلہ میں تمام خصوصی و انتظامی معاملات شامل ہیں۔ یہ ادارہ عدلیہ، تنفیذیہ اور نئے عرف و ضرورت پر مبنی مسائل کی حد تک تشریعیہ کے اختیارات کا جامع ہے۔ اس لئے اسلام کے عدالتی نظام اور معاشرہ میں نفاذِ عدل کے اداروں میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

6- عساکرِ اسلامیہ: درج بالا تمام اداروں کی حیثیت داخلی اداروں کی ہے۔ ان سب کی حفاظت و بقاء کے لئے نیز امتِ مسلمہ کے لئے وسیع تر پیمانے پر عدلِ اجتماعی کے محافظ ادارے کو جیشِ اسلام یا عساکرِ اسلامیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا حکم ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ

Marfat.com

دُوۡنِہِمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَہُمۡ ۚ اَللّٰہُ یَعۡلَمُہُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ﴾(۶۹)

تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب جان رہا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔

لہٰذا اس حکم الٰہی کے تحت اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر عساکرِ اسلامیہ کا وجود ناگزیر ہے۔ کفار کی عادت ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابل ہمیشہ مجتمع ہیں اور رہیں گے جیسے کہ سفیان ثوری نے توضیح فرمائی ہے الکفر ملة والإسلام ملة(۷۰) کفر ایک قوم ہے اور اسلام ایک قوم۔

کفر کے مقابلہ، مسلمانوں کے تحفظ، دینِ اسلام کی سربلندی، فتنہ کے خاتمہ، کمزور مسلمانوں کی اعانت اور ظلم کے خاتمے کے لئے عساکرِ اسلامیہ کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ درحقیقت عساکرِ اسلامیہ کے بغیر عدلِ اجتماعی کے قیام، بقاء، استحکام اور نفاذ کی تمام کوششیں سعیِ لاحاصل ہیں۔

قیام واستحکام عدلِ اجتماعی کے اسباب:

کسی بھی امر کے قیام وبقاء میں مضمر اسباب دو نوعیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ داخلی اسباب جو اندرونی طور پر اس عمل کا محرک ہوں اور خارجی اسباب جو اس عمل کو قائم کرنے کے لئے بیرونی طور پر مہیا کئے جائیں۔ اسلام کے مجموعی مزاج کا تقاضا چونکہ عدلِ اجتماعی کا قیام ہے اس لئے اس نے ایسا نہیں کیا کہ محض تہذیبِ نفس پر ہی زور دیا تاکہ انسان ضمیر کے تحت عدلِ اجتماعی کے قیام ونفاذ میں اپنا کردار ادا کرتا جائے اور نہ ہی یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ محض قانون کی ہی ذمہ داری لگائی کہ وہ عدلِ اجتماعی کو نافذ کرے بلکہ اسلام نے ایک وسیع اور ہمہ گیر انسانی نظام عدل کی شکل دی اور اسے دو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا، فرد کے داخل میں ضمیر اور معاشرہ کی خارجی دنیا میں قانونی ضابطہ بندی کو فروغ دیا اور پھر ان دونوں کو باہم مضبوطی سے مربوط رکھا۔ ذیل میں ان اسباب کا جائزہ لیا جاتا ہے جو قیام واستحکام عدل اجتماعی میں مدد ومعاون ہو سکتے ہیں۔

I۔ **نظامِ حکومت:** اسلام میں نظریۂ حکمرانی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ ہی حاکمِ اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانی زندگی میں یہ حکمرانی ایک طرف تو اپنی مشیت وتقدیر کے ذریعے معاملاتِ زندگی کی تدبیر فرما کر کرتے ہیں اور دوسری طرف انسانوں کے باہمی تعلقات وروابط، ان کے حقوق وذمہ داریوں اور ان کے طور طریقوں کی مخصوص تنظیم کے لئے ایک ضابطہ حیات اور شریعت عطا فرما کر کرتے ہیں۔ اس اصول وقانون کی بنا پر انسان خود نظامِ حکومت اور دستور وقانون وضع کرنے کا کام نہیں کر سکتا۔ نظامِ حکومت کے ذریعے قیامِ عدل کی تین جہات ہیں جن کو سیّد قطب نے اپنی کتاب میں واضح کیا ہے، ایک حکام کی جانب سے عدل کا قیام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، فرمایا:

Marfat.com

استحکام عدل کے ضمن میں دوسری اہم چیز یہ شامل ہے کہ محکومین اصول و قوانین کی مکمل اطاعت و پیروی کریں جس کا انہیں شریعت نے حکم دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾(۴۲) اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو (رسول اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

فرمانِ نبویؐ ہے السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔(۴۳)
امام کی بات سننا اور حکم ماننا ہر شخص پر فرض ہے جب تک کہ کسی بری بات اور گناہ کرنے کا حکم نہ دیا جائے اور اگر کسی گناہ کے کرنے کا حکم دیا جائے تو اس وقت امام کی بات نہ سنے اور نہ اس کے احکام ہی مانے جائیں۔

نفاذِ عدلِ اجتماعی کے سلسلے میں تیسرا امر یہ حکام و محکومین کے مابین مشاورت ہے تاکہ نظام کو عملی شکل میں نافذ کرنے کے لئے حکام کی آراء سامنے آئیں اور ان کی روشنی میں بہتر فیصلہ کیا جاسکے، اس بات کا حکم اللہ رب العزت نے اس قرآن میں یوں فرمایا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾(۴۴) اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔

صحابہؓ کی توصیف قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾(۴۵) اور ان کا ہر کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔

گویا عدلِ اجتماعی کے استحکام میں نظام حکومت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

2۔ **اقتصادی پالیسی:** عدلِ اجتماعی کو قائم و باقی رکھنے میں اقتصادی پالیسیاں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں بلکہ عدلِ اجتماعی پر بحث کرتے ہوئے سب سے زیادہ اہمیت اقتصادی پالیسی کو دی جاتی ہے لیکن اسلام میں نظامِ عدلِ اجتماعی کا انحصار محض اقتصادی پالیسی پر نہیں ہے جیسا کہ دوسرے نظاموں کا خاصہ ہے جو معاشی قدروں کے سوا کسی اور قدر کو اہمیت نہیں دیتے۔ سیّد قطب شہید رقمطراز ہیں:

اسلام اقتصاد کے باب میں جو پالیسی اختیار کرتا ہے وہ اس کے جامع فکر اور بنیادی نظریہ کے عین مطابق ہے۔ اسلام اقتصادی پالیسی کے ضمن میں بھی پہلے اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اللہ واحد کی بندگی کا اصول قائم ہو جس کا طریقہ یہ ہے کہ دولت کا استعمال اللہ کے قانون کے تابع ہو جائے۔ یہ قانون فرد اور جماعت دونوں کے مصالح کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلہ میں ایک موزوں و مناسب درمیانی راہ اختیار کرتا ہے جس میں نہ تو فرد کی کوئی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ جماعت کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ وہ نہ تو فطرت کی راہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور نہ زندگی کے حقیقی اصول و ضوابط یا اس کے اعلیٰ مقاصد کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے(۴۶)۔

قیامِ عدلِ اجتماعی کے ضمن میں اسلام کی اقتصادی پالیسی کئی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ پہلا امر یہ ہے کہ اسلام نے انفرادی حقوقِ ملکیت عطا کیے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا

Marfat.com

اکْتَسَبْنَ﴾(۷۷) مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے ان میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا اہم امر یہ ہے کہ فرد کو محض کمانے کی آزادی نہیں دی بلکہ اسے اپنے مال میں خرچ کرنے کا بھی اختیار دیا اور صرفِ دولت کے اصول و قواعد بھی واضح کئے تاکہ دولت غیر متوازن طریقہ سے خرچ یا ضائع نہ ہو۔ اس کے ساتھ ایک تیسرا اہم امر یہ ہے کہ محض کمانے اور صرف کرنے کی لامحدود آزادی نہیں دی کہ اس سے اجتماعی بگاڑ پیدا ہوتا ہے بلکہ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لئے زکوۃ و دوسرے محاصلِ واجبہ مثلاً فطرانہ و فدیہ وغیرہ عائد کئے اور اس کے علاوہ خیرات و صدقہ کہ ترغیب دی تاکہ سماج میں دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر نہ رہ جائے۔ فرمان ربی ہے

﴿وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾(۷۸) اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا

اس اقتصادی پالیسی سے جو فضا قائم ہوتی ہے وہ انسانی وضع کردہ قوانین کے ذریعے ہرگز نہیں ہو سکتی۔

3۔ فکرِ اسلامی کا احیاء: عدلِ اجتماعی کے قیام و استحکام کے لئے صرف یہ اہم نہیں کہ شریعت اسلامی پر مبنی قوانین و ضوابط بنا دیئے جائیں اور انتظامی اداروں کا ایک پورا جال بچھا دیا جائے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عقائد کی درستگی کے ساتھ فکرِ اسلامی کو زندہ کیا جائے اور اسلامی فکر کے مطابق "حاکمیت" کا تصور صرف یہی نہیں کہ احکام و قوانین قبول کر لئے جائیں اور محض اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے بلکہ فکرِ اسلامی میں حاکمیت سے مراد ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کو تمام امور میں فیصلہ کن قرار دیا جائے اور شریعتِ اسلامیہ کی وضاحت سیّد قطب یوں کرتے ہیں: اللہ کی شریعت سے مراد وہ ساری ہدایات ہیں جو اللہ نے انسانی زندگی کی تنظیم کے لئے دی ہیں۔ یہ ہدایات عقائد، اصولِ حکمرانی، معاملاتِ زندگی، حصولِ علم کے طریقوں، غرض یہ کہ عقیدہ و نظریہ، نظریہ کے مقدمات، قوانین، اخلاق اور معاملات ہر ایک سے متعلق ہیں۔ یہ ہدایات ان قدروں اور معیاروں کی صورت میں ملتی ہیں جن کو معاشرہ میں حکمران ہونا چاہیے۔ جن پر چیزوں، واقعات اور شخصیات کو پرکھا جانا چاہیے۔ فکری اور فنی سرگرمیوں اور علم کے تمام شعبوں کو بھی انہی ہدایات کے مطابق ڈھالنا چاہیے(۷۹)۔ اجتماعی نظام، سیاسی ادارے اور اقتصادی ڈھانچے تمام تر اعتقادی تصور کی شاخیں اسی تصور سے ابھرنے والی قدروں کی عملی تطبیق کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کا ماخذ اسلامی تصور کے علاوہ اور کوئی نہ ہو اور انہیں شریعتِ اسلامیہ سے ہی اخذ کیا جائے۔(۸۰)

4۔ اسلامی ادب کی ترویج: اسلام زندگی کی نشو نما و ترقی کا حامی ہے نہ کہ اسے کسی خاص مقام پر مخصوص اصولوں میں مقید کرنے کا۔ وہ انسانی قوتوں کو جلا بخشتا ہے اور بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ادب انسانی کمزوریوں کی عکاسی کا اہتمام نہیں کرتا اور نہ انہیں کسی دلیل کی بناء پر جواز فراہم کرتا ہے۔ وہ اس حقیقت کا منکر نہیں کہ انسانیت میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں لیکن وہ اس بات کا مکمل احساس رکھتا ہے کہ انسانیت بہت سی خوبیوں کا بھی حامل ہے اور اسلامی ادب کا اصل مقصد کمزوریوں پر خوبیوں کو غالب کرنا ہے۔ ان کو ترقی دینا اور ان کی نشو نما کرنا ہے۔ اسلامی ادب یا فن مقصدیت کا حامل ہے اور اس کا مقصد ہے انسانیت کو صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات بنانا۔ ادبِ اسلامی فنونِ لطیفہ کے خلاف نہیں لیکن وہ ان

Marfat.com

تصورات وقدروں کے خلاف ہے جن کی ترجمانی آج مغرب سے مرعوب ذہنیت فنونِ لطیفہ کے نام پر کر رہی ہے۔ اسلام کا تصورِ ادب مادیت سے بلند ہو کر روحانیت کی معراج کے حصول کا قائل ہے اور زندگی کی معنوی قدروں کو تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا اس ادب کی ترویج واشاعت سماج میں ایک اجتماعی عدل کی فضاء قائم کرنے میں معاون ثابت ہو گی۔

5۔ **تاریخ اسلام کی تدوینِ نو:** عدلِ اجتماعی کے استحکام کے لئے تاریخ اسلام کا مطالعہ اور اس سے عبرت انگیزی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس مقصد کے لئے اسلامی تاریخ کو بالکل نئے انداز اور نئی بنیادوں پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

عدلِ اجتماعی کے فساد و بگاڑ کے اسباب:

جس طرح ایسے اسباب موجود ہیں جن سے عدلِ اجتماعی کی فضاء ساز گار ہوتی ہے اسی طرح کچھ ایسے بھی امور ہیں جن سے عدلِ اجتماعی کے قیام میں خلل واقع ہوتا ہے، ذیل میں ان اسباب کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

1۔ **تعصب واقرباء پروری:** قیام عدلِ اجتماعی میں جو امور رکاوٹ ہیں ان میں تعصب کو اولیت حاصل ہے۔ اقرباء پروری، بے جا طرفداری ایسے عناصر ہیں جو سماج میں اجتماعی عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی اس امر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عدل کا سب سے بڑا دشمن اور مقابل تحیز (جنبہ داری) ہے اور یہ انسان کے اس رجحان کا نام ہے جو دو برابر کی چیزوں میں سے کسی ایک کی جانب اس لئے ہو جاتا ہے کہ اس ذریعہ سے وہ اپنے حق سے زیادہ حاصل کرتا ہے اور دوسرے کو اس کے حق سے کم دیتا ہے۔ مثلاً قاضی اور حاکم کا یہ فرض ہے کہ وہ فصل مقدمات میں غنی اور فقیر، کالے اور گورے، ذی وجاہت اور معمولی حیثیت کا امتیاز روانہ رکھے اس لئے کہ اس کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ قانون کو افرادِ متعلقہ پر منطبق کرے اور جبکہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں تو اس کو جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری میں اپنی محبت و دشمنی کو یا فریقین کی مالداری و فقیری کو دخل دے یا اس قسم کے دوسرے امتیازات روا رکھے[۸۱]۔ جیسا کہ سنت نبویہؐ میں یہی حکم دیا گیا ہے

قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے قسم ہے خدا کی! اگر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا﴾[۸۲] کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے۔

امین احسن اصلاحی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: میزانِ عدل صرف لینے کے لئے ہی نہیں بلکہ دینے کے لئے بھی ہے۔ اگر اس کا فیصلہ کسی معاملے میں تمہارے، تمہارے والدین کے اور تمہارے اقرباء کے خلاف ہو جب بھی تمہیں اسی پر قائم رہنا ہے اور اسی کی گواہی دینی ہے۔[۸۳]

Marfat.com

2۔ عادل قیادت کا فقدان: اجتماعی عدل کے قیام کے لئے ایسی طاقت کا ہونا ضروری ہے جو وسیع پیمانے پر عدل کے نفاذ کا اہتمام کر سکے اور اس کو استحکام بخش سکے۔ اہلِ اقتدار و خلیفہ اسلام کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ عدلِ اجتماعی کا اہتمام کرے۔ نا اہل قیادت نفاذ عدل میں رکاوٹ ہے، امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین میں اقتدار بخشا ہے ان پر اولین ذمہ داری جو عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں کو عدل وانصاف سے چکائیں۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ قانون کی نگاہ میں امیر و غریب، شریف و رذیل، کالے اور گورے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ انصاف خریدنی و فروختنی چیز نہ بننے پائے، اس میں کسی جانب داری، کسی عصبیت، کسی سہل انگاری کو راہ نہ مل سکے، کسی دباؤ، کسی زور و اثر اور کسی خوف و طمع کو اس پر اثر انداز ہونے کا موقع نہ ملے۔ جن کو بھی اللہ تعالیٰ اس زمین میں اقتدار بخشا ہے اسی عدل کے لئے بخشا ہے۔ اس وجہ سے سب سے بڑی ذمہ داری اسی چیز کے لئے ہے۔ خدا کے ہاں عادل حکمران کا اجر بھی بہت ہے اور غیر عادل کی سزا بھی بہت سخت ہے۔(۸۳)

2۔ اقتصادی و مالی نظام کا عدم توازن: معاشی مسئلہ ہر فرد کا ذاتی مسئلہ بھی ہے اور اجتماعی سطح پر بھی یہ اسی اہمیت کا حامل ہے۔ جو قوم معاشی لحاظ سے مضبوط ہوتی ہے وہ دوسری اقوام کو مرعوب و متاثر کرتی ہے۔ نفاذِ عدلِ اجتماعی میں ایک اہم رکاوٹ اقتصادی نظام کا غیر متوازن ہونا ہے۔ اجتماعی سطح پر جو افراد اس کے قیام کے ذمہ دار ہیں مثلاً قاضی، مفتی اور عدالتی نظام کے منتظمین ان کو معاشی طور سے اس قدر فراغت میسر ہونی چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داری مکمل طور سے ادا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کیا اور سب سے پہلے آپؓ نے مختلف دفاتر قائم کر کے اسلامی حکومت کو منظم بنیادوں پر استوار کیا۔ چنانچہ آپؓ نے قاضی سلیمان بن ربیعہ باہلی کی تنخواہ پانچ سو درہم ماہانہ اور قاضی شریح کی تنخواہ سو درہم ماہانہ مقرر کی تھی۔

"عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حُجَيْرَةَ الْخَوْلَانِيُّ الْمِصْرِيُّ " وَكَانَ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مَرْوَانَ أَمِيرُ مِصْرَ قَدْ جَمَعَ لَهُ بَيْنَ الْقَضَاءِ وَالْقَصَصِ وَبَيْتِ الْمَالِ، وَكَانَ رِزْقُهُ فِي الْعَامِ أَلْفَ دِينَارٍ، وَكَانَ لَا يَدَّخِرُ مِنْهَا شَيْئًا.(۸۵)

امیر مصر عبد العزیز بن مروان نے عبد الرحمٰن بن حجیرۃ الخولانی المصری کو قضاء، دستاویز نویسی اور بیت المال کے مناصب پر فائز رکھا تھا اور اس کی ایک سال کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی، اور وہ اس میں سے کچھ بھی بچا کر نہ رکھتا تھا۔

یعنی اسے فارغ البالی میسر تھی اور اس وقت کے لحاظ سے وہ اپنی خدمات کے عوض معقول معاوضہ وصول کرتا تھا۔

4۔ جہالت و ناقص شرح خواندگی: جہالت، ناواقفیت اور تعلیم کا نہ ہونا بھی عدلِ اجتماعی کے بگاڑ کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔(۸۶) علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم کا حاصل نہ کرنا ایک تو اپنے فرض سے غفلت اور دوسرا معاشرتی بگاڑ کا سبب ہے۔ ایک جاہل شخص یا جاہل طبقہ نہ تو دین سے واقف ہوتا ہے اور نہ ہی دنیاوی امور کی بابت کوئی شعور رکھتا ہے۔ اسی طرح ایسا شخص اپنی رائے کا صحیح استعمال نہیں کر سکتا اور نہ اپنے مؤقف کے عمدہ طریقے سے بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی عالم اور بے علم میں فرق کیا ہے، فرمایا: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾(۸۷) علم والے اور بے علم کیا برابر ہیں۔

متعدد احادیث میں عالم کی فضیلت و اہمیت دیگر انسانوں حتیٰ کہ عابدین پر زیادہ بتائی گئی ہے۔

Marfat.com

5۔ طبقاتی کشمکش: معاشرے میں دولت کی بناء پر طبقات کی غیر منصفانہ تقسیم بھی عدلِ اجتماعی کے استحکام و نفاذ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اسلام میں فضیلت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے جو اللہ نے ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾(۸۸) میں واضح کر دیا۔ اس کے علاوہ جس بناء پر بھی طبقات کی تقسیم کی جائے گی وہ محض بگاڑ کے علاوہ کسی چیز کو فروغ نہیں دے گی جیسا کہ آج مختلف نظاموں جاگیر داری، سرمایہ داری، اشتراکیت و فاشزم کے تحت ہونے والی طبقاتی تقسیم نے ثابت کر دیا۔

6۔ اسوۂ رسولؐ اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت: قیامِ عدلِ اجتماعی کے بگاڑ کے باب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسوۂ رسولؐ اور تاریخ اسلام سے لاعلمی و بے اعتنائی برتی جائے۔ سیرت النبیؐ سے متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جو اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ رسولؐ نے اجتماعی طور پر ایسی فضاء قائم کی کہ ہر شخص جرم ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیتا تھا۔ غامدیہؓ عورت اور ماعز اسلمیؓ کی مثال روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور عدلِ اجتماعی کی فضاء کا منہ بولتا ثبوت بھی جہاں ضمیر اور قانون دونوں کام کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے عدالتی فیصلے اور انکی اپنے عمال کو نصائح وہدایات عدل اجتماعی کی عملی مثال ہیں اور آج بھی اس کے نفاذ میں مدو معاون ہوسکتے ہیں۔

نتیجۃ البحث

موضوع زیرِ بحث "عدلِ اجتماعی کا تصور و اہمیت۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں" پر قرآن و سنت کی روشنی میں تحقیق کے حاصل کو نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسلام کا تصورِ عدلِ اجتماعی محض معاشی عدل یا معاشی مساوات نہیں بلکہ ایک وسیع اصطلاح ہے جو تمام اخلاقی و مادی اقدار کی جامع ہے۔

۲۔ قرآن وسنت سے ثابت ہوتا ہے کہ افراد، خاندان، معاشرہ اور پھر حکومت سب اپنے اپنے دائرہ میں عدلِ اجتماعی کے قیام و استحکام کے ذمہ دار ہیں۔

۳۔ انبیاء کے مقاصد بعثت میں سے ایک اہم مقصد عدل کا قیام ہے اور انسانی کردار و فقہی قوانین عدل کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

۴۔ اسلام کا تصورِ عدلِ اجتماعی مداومت، برتری، تصورِ آخرت اور عبرت جیسے خصائص کا حامل ہے۔

۵۔ بیداری و آزادیٔ ضمیر، مساواتِ انسانی اور باہمی کفالت "عدلِ اجتماعی" کے بنیادی اثرات ہیں۔

۶۔ سرکاری طور پر نفاذِ عدل کے لیے حکومتی اداروں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

۷۔ نفاذ و قیامِ عدلِ اجتماعی میں نظامِ حکومت، معاشی قوانین اور فکر و ادبِ اسلامی کا فروغ و ترویج اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۸۔ اسی طرح عدلِ اجتماعی کے بگاڑ کے داخلی و خارجی اسباب میں تعصب و ناقص معاشی اصول، غیر عادل حکومت، طبقاتی درجہ بندی و شریعتِ اسلامیہ سے بے اعتنائی سرِ فہرست ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) الرحمٰن ۵۵:۷۔ (۲) النازعات ۷۹:۳۸۔ (۳) الانفطار ۸۲:۷۔ (۴) الزبیدی، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، دارالھدایۃ

Marfat.com

بیروت، س۔ن، بذیل مادہ ع دل۔ (۵)الافریقی، محمد بن مکرم بن منظور، لسان العرب، دار الآفاق العربیہ، مصر، ۱۴۲۲ھ، بذیل مادہ ع دل۔ (۶)الاصفہانی، اَبی القاسم
الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القران، نور محمد کارخانہ بازار کراچی، س۔ن، بذیل مادہ ع دل۔ (۷)وحید الزماں علامہ، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات انار کلی
لاہور، س۔ن، بذیل مادہ ع دل۔ (۸)الفیومی، أحمد بن محمد بن علي المقري، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير للرافعي، المكتبة العلمية، بیروت، س۔ن، بذیل
مادہ ج م ع۔ (۹)وحید الزماں علامہ، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور، س۔ن، بذیل مادہ ج م ع۔ (۱۰)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک
پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ۹۷۔ (۱۱)سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ۳۷۶۔۳۷۷۔ (۱۲)آل عمران ۳:۱۸۔ (۱۳)النحل
۱۶:۹۰۔ (۱۴)مودودی، ابو الاعلیٰ، سیّد، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، /۵۶۴۔۵۶۵۔ (۱۵)قطب شہید، سیّد، فی ظلال القرآن، اسلامی اکادمی
لاہور، ۱۹۸۹ء، ۵/۳۶۶۔ (۱۶)قطب شہید، سیّد، فی ظلال القرآن، ۲/۳۱۳۔ (۱۷)النساء ۴:۱۳۵۔ (۱۸)قطب شہید، سیّد، فی ظلال القرآن، ۲/۴۰۲۔
(۱۹)ص ۳۸:۲۶۔ (۲۰)النساء ۴:۵۸۔ (۲۱)الشوریٰ ۴۲:۱۵،۱۶،۱۷۔ (۲۲)الحدید ۵۷:۲۵۔ (۲۳)المائدہ ۵:۴۸۔ (۲۴)الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، الموسوعۃ
الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی امام العادل، رقم الحدیث ۱۳۲۹۔ (۲۵)مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، الموسوعۃ
الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر، رقم ۱۴۲۔ (۲۶)ابنِ ماجہ، اَبو عبد اللہ محمد بن یزید
القزوینی، السنن، الموسوعۃ الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، کتاب الصوم، باب فی الصائم لاتردد دعوتہ، رقم الحدیث ۱۷۴۲۔ (۲۷)بخاری، محمد بن
اسماعیل، الجامع، الموسوعۃ الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، باب الاشھاد فی الھبۃ، رقم الحدیث ۲۵۸۷۔
(۲۸)بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، رقم الحدیث ۵۹۷۴۔ (۲۹)مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، کتاب الامارۃ،
باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر، رقم الحدیث ۱۸۲۷۔ (۳۰)مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من
المعروف، رقم الحدیث ۱۰۰۹۔ (۳۱)ابنِ کثیر، عماد الدین اَبي الفداء اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، ھجر للطباعۃ والنشر، الجیزۃ، 1417ھ، 8/89-90۔
(۳۲)مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، کتاب المساجد، باب نھی من اکل ثوما او بصلا او کراثا۔۔۔۔۔واخراجہ من المسجد، رقم الحدیث ۵۶۷۔ (۳۳)ابوداؤد، سلیمان بن
اشعث، السنن، الموسوعۃ الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، کتاب القضاء، باب کیف القضاء، رقم الحدیث ۳۵۸۲۔ (۳۴)الحدید ۵۷:۲۵۔
(۳۵)النحل ۱۶:۹۰۔ (۳۶)الحجرات ۴۹:۹۔ (۳۷)ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، مکتبہ مصدر الاسلام، کویت، س۔ن، باب العدل بالسیاسہ، ۶/۲۷۔
(۳۸)النساء ۴:۱۳۵۔ (۳۹)طوسی، نظام الملک حسین، سیاست نامہ اَو سیر الملوک، ۱۴۰۷ھ، مکان النشر قطر، ۱/۴۸۔ (۴۰)النساء ۴:۵۸۔ (۴۱)عثمانی، شبیر احمد، علامہ،
فوائد القرآن، دار التصنیف لمیٹڈ، کراچی، س۔ن، النساء ۴:۵۸۔ (۴۲)فاطر ۳۵:۱۸۔ (۴۳)الحجرات ۴۹:۱۳۔ (۴۴)الزلزال ۹۹:۷، ۸۔ (۴۵)شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ
البالغہ، مکتبہ سلفیہ، لاہور ۱۹۷۵، ۲/۵۸۔ (۴۶)النور ۲۴:۲۔ (۴۷)بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، رقم
الحدیث ۷۱۴۹۔ (۴۸)ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب القضاء، باب فی طلب القضاء، رقم الحدیث ۳۵۷۱۔ (۴۹)الطلاق ۶۵:۲۔ (۵۰)بخاری، محمد بن اسماعیل،
الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، رقم الحدیث ۵۹۷۴۔ (۵۱)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل اجتماعی، ۱۲۱۔ (۵۲)التوبہ ۹:۵۱۔
(۵۳)العنکبوت ۲۹:۶۰۔ (۵۴)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل اجتماعی، ۱۴۴۔۱۴۵۔ (۵۵)ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الادب، باب فی التفاخر
بالاحساب، رقم الحدیث ۵۱۱۶۔ (۵۶)النساء ۴:۱۔ (۵۷)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل اجتماعی، ۱۶۵۔ (۵۸)بنی اسرائیل ۱۷،۲۴:۲۳۔ (۵۹)الترمذی، محمد بن عیسیٰ،
الجامع، الموسوعۃ الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، ابواب الفتن، باب منہ، رقم الحدیث ۲۱۷۳۔ (۶۰)ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب
الزکاۃ، باب فی حقوق المال، رقم الحدیث ۱۶۶۳۔ (۶۱)بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، رقم الحدیث ۶۰۱۱۔ (۶۲)شاہ ولی اللہ،
حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ۲/۹۴۔ (۶۳)ابن خلدون، المقدمہ، مطبعہ الجنۃ البیان العربی، کویت، ۱۹۹۷ء، ۲/۳۵۷۔ (۶۴)الجصاص، ابو بکر احمد بن
علی الرازی، شرح ادب القاضی، مجمع البحوث الاسلامیہ التالیہ، پاکستان، س۔ن، ۲/۹۴۔ (۶۵)النساء ۴:۵۹۔ (۶۶)ابنِ سینا، الشفاء، موقع الفلسفۃ الاسلامیہ،
کویت، س۔ن، فصل عقد المدینۃ وعقد البیت، ۴۰۵۔ (۶۷)البیتي، عبد الرحمٰن بن حسن، أهمية الحسبة في النظام الإسلامي، دار النشر بیروت، س۔ن، ۴۔
(۶۸)الماوردی، ابوالحسن، الأحکام السلطانیہ، دار صادر بیروت، س۔ن، ۱۳۳۔ (۶۹)الانفال ۸:۶۰۔ (۷۰)الصنعاني، اَبو بکر عبد الرزاق بن ھمام، مصنف عبد
الرزاق، المکتب الإسلامي، بیروت، ۱۴۰۳ھ، باب شہادۃ اہل الکتاب بعضہم علی بعض، ۶/۱۳۰۔ (۷۱)النساء ۴:۵۸۔ (۷۲)النساء ۴:۵۹۔ (۷۳)بخاری، محمد بن اسماعیل،
الجامع الصحیح، کتاب الجهاد، باب السمع والطاعۃ للامام، رقم الحدیث ۲۹۵۵۔ (۷۴)آل عمران ۳:۱۵۹۔ (۷۵)الشوریٰ ۴۲:۳۸۔ (۷۶)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل
اجتماعی، ۲۷۳۔۲۷۴۔ (۷۷)النساء ۴:۳۲۔ (۷۸)الذاریات ۵۱:۱۹۔ (۷۹)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل اجتماعی، ۵۳۶۔ (۸۰)قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل
اجتماعی، ۵۳۹۔ (۸۱)سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، مولانا، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ۳۷۳۔۳۷۴۔ (۸۲)المائدہ ۵:۸۔ (۸۳)اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ۲/۴۰۶۔
(۸۴)اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ۲/۳۲۳۔ (۸۵)ابن کثیر، عماد الدین اَبو الفداء اسماعیل بن عمر القرشي الدمشقي، البدایہ والنہایہ، ھجر للطباعۃ
والنشر، الجیزۃ، ۱۴۱۷ھ، ۱۲/۳۴۶۔ (۸۶)ابن ماجۃ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، الموسوعۃ الحدیث الشریف، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ، کتاب
السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث ۲۲۴۔ (۸۷)الزمر ۳۹:۹۔ (۸۸)الحجرات ۴۹:۱۳۔

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مبشرہ ثانی - کراچی

مرا پیمبرؐ عظیم تر ہے — کمالِ خلاق ذات اُس کی
جمالِ ہستی حیات اُس کی — شعور لایا، کتاب لایا
وہ حشر تک کا نصاب لایا — دیا بھی کامل نظام اس نے
اور آپ ہی انقلاب لایا — وہ علم کی اور عمل کی حد بھی
ازل بھی اُس کا ہے اور ابد بھی — وہ ہر زمانے کا راہبر ہے(۱)

ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسے وقت جب کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا، دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ ہلاکت کے مہیب اور عمیق غار میں گرنے والی تھی، عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے محسنِ انسانیت کو مبعوث فرمایا کہ آپؐ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾(۲) ''یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے، تاکہ تم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ، اس خدا کے راستے کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا گیا: ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(۳)

وہ (محمد رسول اللہ ﷺ) ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، بُرائی سے روکتے ہیں، پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں، گندی چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں، اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے، ان پھندوں سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔آپ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نئی اور مثالی تہذیب، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا۔(۴)

مولانا سیّدابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: ''آپؐ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خداطلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہوجاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور در و دیوار پر سبزہ اُگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدیؐ کے بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوگئی۔یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ اور آپؐ کی رحمۃ للعالمینیؐ کا کرشمہ ہے۔''(۵)

Marfat.com

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

آپؐ دنیا میں جب جلوہ فرما ہوئے، زندگی مستند، معتبر ہوگئی
تب گریبانِ شب چاک ہونے لگا، آسماں مسکرایا، سحر ہوگئی
ذرّے ذرّے کا چہرہ دمکنے لگا، پتّے پتّے سے موجِ بہاراں اٹھی
رُخ سے پردہ اٹھا کر جدھر آگئے، صبحِ محشر ادھر جلوہ گر ہوگئی
کیا عرب کی زمیں، کیا عجم کی زمیں، احتشامِ مقدر میں کچھ کم نہیں
پھول ہی پھول کھلنے لگے جس طرف اُن کی رحمت میں ڈوبی نظر ہوگئی(۶)

آپؐ نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا، اس میں خدا کی مدد سے ایمان وعقیدہ پیدا فرما دیا، زندگی کی نئی رُوح پھونک دی، دبی ہوئی صلاحیتیں ابھاردیں، وہ بے جان پتھر تھا اب وہ ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا، وہ بے حس وحرکت مُردہ تھا، اب وہ زندہ ہوکر دنیا پر حکومت کرنے لگا، پہلے نابینا تھا جس کو خود رستہ کا پتہ نہ تھا، اب ساری دنیا کا رہبر و رہنما بن گیا۔(۷) آپؐ کی توجہ وتعلیم سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایسا انقلاب رونما ہوا کہ دنیا نے تھوڑی ہی عرصہ میں وہ عظیم الشان شخصیتیں دیکھیں جو عجوبۂ روزگار اور دنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں۔(۸) رسولِ اکرم ﷺ نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا اس کا سب سے مرکزی نکتہ انسانیت کو توحید کے نور سے منور کرنا تھا۔ جب کہ دوسرا نکتہ انسانیت کو عدل و مساوات، احترام انسانیت، انسان دوستی اور عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر کاربند کرنا تھا۔

مشہور مغربی مورخ Edward A. Freeman اپنی کتاب "The History and Conquests of the Saracens" میں اعترافِ حقیقت کے طور پر لکھتا ہے:

''حضرت محمد اوہ عظیم مقنن تھے جن کی قسمت میں اپنے عہد کی دنیا کو مکمل طور پر بدل ڈالنا اور آنے والے تمام زمانوں میں دنیا پر اہم اثر مرتب لکھ دیا گیا تھا۔''

عدل کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

''العدل'' عین کے کسرہ سے جانور کی پیٹھ پر لدے ہوئے ایک طرف کے بوجھ کو کہتے ہیں، جو دوسری طرف کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے۔ امرِ متوسط اور معتدل کو بھی عدل کہتے ہیں۔ موسمِ ربیع اور موسمِ خریف میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ اس لیے عربی میں ان کے لیے ''الاعتدال الربیعی اور الاعتدال الخریفی'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ تو عدل کے اصلی معنیٰ ہیں مساوی اور برابر ہونا، اس لیے تنازعات میں انصاف و مساوات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کو عدالت کہا جاتا ہے۔ ''عدل'' کے معنیٰ میں ذرا وسعت دی جائے تو تناسب وتوازن کا قرار اس ضمن میں آئے گا۔ امام راغب اصفہانیؒ کا قول ہے: مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے۔(۱۰)

عدل اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظیم ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں، جو فی الحقیقت صفاتِ باری تعالیٰ ہیں۔ ان میں ایک نام یا صفت ''عدل'' بھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔

Marfat.com

ابن العربی عدل کے دائرۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عدل کا دائرہ بندہ و خدا، انسان اور اس کی ذات، انسان اور مخلوقِ خدا تک وسیع ہے، بندۂ خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے حق اور اس کی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصوّر کرے، خدا کے ہر حکم پر عمل اور ہر نہی سے اجتناب کو اپنا مقصدِ زندگی سمجھے، انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ کے خدائی حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنائے اور انسان اور مخلوقِ خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسانیت کی خیرخواہی اختیار کرے، خیانت سے اجتناب کرے، دوسرے کے لیے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے، بُرائی سے ہر حالت میں بچے، خواہ وہ قولاً ہو فعلاً، سراً ہو یا جہراً، مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔''(۱۱)

ابوالبرکات النسفی ''مدارك التنزيل'' میں لکھتے ہیں: ''عدل'' باہمی حقوق میں انصاف، برابری، ظلم کے سدباب اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچانے کا نام ہے۔(۱۲)

''لسان العرب'' کے مؤلف ابن منظور الافریقی کے بقول ''عدل'' حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے۔(۱۳)

علامہ آلوسی ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:

''عدل'' افراط و تفریط کی دونوں جانبوں کے درمیان توازن کی رعایت کا نام ہے۔

''العدل: مراعاة التوسط بين طرفي الافراط والتفريط وهو رأس الفضائل كُلها يندرج تحته فضيلة القوة العقلية الملكية...... وقيل: العدل ان يّنصف و ينتصف.''(۱۴)

مختصر یہ کہ ''عدل'' کے معنی عربی لغت میں ''تسوية العدلين'' کے ہیں۔ یعنی کسی وزن اور قیمت کا دو برابر حصّوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ دونوں میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ دونوں حصّے بالکل برابر ہوں۔ قرآنی اصطلاح میں ''عدل'' کہتے ہیں کہ جو کام ہم کریں، اس میں سچائی کی میزان کا پلڑا کسی طرف ذرا بھی جھکنے نہ پائے، وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے، جو سچائی کی ترازو پر پورا اور انصاف کی کسوٹی پر کھرا اترے۔ اسلامی نظام اور مسلم تہذیب و اخلاق کی اہم خصوصیت اور اس کا بڑا حصّہ ''عدل'' ہی ہے۔ اس کے بغیر اخلاق ایک بے معنیٰ شے ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۵)

البتہ ہم نے اپنے رسول، کُھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تا کہ لوگ اپنے (تمام معاملات میں) عدل قائم کریں۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسولوں کی بعثت اور کتاب اور میزان کے ساتھ نزول کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا جائے۔

عدل: انسانی فطرت اور شریعت کا بنیادی تقاضا:

انسانی زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف کی ضرورت ہے، عدل، نظامِ حکومت کے لیے تو روح کی حیثیت رکھتا ہے، پورا نظامِ عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے۔

Marfat.com

تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد میں باہمی توازن، تناسب ترتیب اور تدریج قائم کرنا عدل ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں خواہ وہ اخلاقی ہو یا معاشرتی۔ قانونی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا تمدنی ہر طرح کے حقوق و فرائض پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ ادا کرنا اور ان میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا ''عدلِ اجتماعی'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع قرآنی آیت میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۱۶) بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور نیکی اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدلِ اجتماعی کی تعریف اور اس کا معنیٰ و مفہوم:

''عدلِ اجتماعی'' کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

''عدلِ اجتماعی'' کی یہ بیان کی گئی ہے کہ "التقدير الصحيح والاعتراف الكامل بحقوق وجدارة كل فرد واحترامها"۔(۱۷)

ابونصر فارابی نے ''عدلِ اجتماعی'' کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"العدل اوّلاً يكون في قسمة الخيرات المشتركة اللّتي لأهل المدينة علىٰ جميعهم...... فانّ لكلّ واحد من اهل المدينة قسطاً من هٰذه الخيرات مساوياً لاستنهاله، فنقصةٌ عن ذٰلك وزيادته جور."(۱۸)

''عدلِ اجتماعی'' درحقیقت جس چیز کا نام ہے، وہ یہ کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور گروہوں سے وہ خدمت بھی لی جاسکے، جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔(۱۹)

عدلِ اجتماعی کا اسلامی تصوّر اور اس کی اہمیت:

سید قطب شہید لکھتے ہیں: ''اسلام میں ''عدلِ اجتماعی'' کے تصور سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آگاہ ہوسکتے ہیں، جب الوہیت، کائنات، زندگی اور انسان کے متعلق اسلامی فکر اور نظریے کو اجمالی طور پر سمجھ لیں، کیوں کہ عدلِ اجتماعی کا اسلامی نظریہ اسی اصول اور بنیادی فکر کی ایک شاخ ہے، جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع و منبع ہے۔ اسلام کے پاس الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصوّر اور ایک مکمل نظریہ ہے، اس کی تمام فروع اور جزئیات اسی نظریے سے نکلی ہیں، اس کے نظریات و قوانین اس کی متعین کردہ حدود، عبادات اور معاملات کے باب میں اس کی ہدایات تمام اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔(۲۰)

اسلام عبادات، کاروبارِ زندگی، عقیدہ و عمل، روحانیت اور مادیت، معاشی قدروں اور معنوی قدروں، دنیا و آخرت، زمین و آسمان سب کے درمیان وحدت کا قائل ہے۔ اسی عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض و قوانین، ہدایات و تعلیمات اور سیاسی و معاشی امور میں اس کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ حقوق و فرائض متعین کرتا اور نفع و نقصان کی تقسیم عمل میں لاتا ہے۔ کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرزِ فکر کی یہ اساس اگر ہماری سمجھ میں پوری طرح آجائے تو اسلام میں

Marfat.com

''عدلِ اجتماعی'' کے بنیادی خطوط خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔(۲۱)

عدلِ اجتماعی کا اسلامی تصوّر اور اس کا امتیاز:

''عدلِ اجتماعی'' کے اسلامی تصوّر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محدود معنیٰ میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ یہ فکر و عمل، ضمیر اور وجدان سب پر حاوی ہے، اس کا انحصار صرف معاشی قدروں پر نہیں، یہ وسیع تر تصوّر کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں، یہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔(۲۲)

''عدلِ اجتماعی'' کے قیام میں اسلام انسانی فطرت کے بنیادی عناصر کا لحاظ رکھتا ہے، انسانی صلاحیتوں کو بھی پوری طرح پیشِ نظر رکھتا ہے۔(۲۳)

اسلام کی نظر میں عدل، انسانی مساوات کا نام ہے، تمام اقدارِ حیات کی متوازن اور ہم آہنگ تحصیلِ عدل میں آتی ہے، ان اقدار میں خالص معاشی اقدار بھی شامل ہیں۔(۲۴)

''عدلِ اجتماعی'' کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

(۱)......مطلق اور مکمل آزادیِ ضمیر۔

(۲)......کامل انسانی مساوات۔

(۳)......ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل۔(۲۵)

اسلام میں ''عدلِ اجتماعی'' کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے، آزادیِ ضمیر انہی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے، بلکہ یہی وہ اوّلین بنیاد ہے، جس پر دوسری بنیادیں قائم ہیں۔(۲۶)

مختصر یہ کہ مکمل آزادیِ ضمیر، کامل انسانی مساوات اور ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل انہی تین بنیادوں پر ''عدلِ اجتماعی'' کی عمارت قائم ہوتی اور انسانی عدل کا نظریہ عمل کا جامہ پہنتا ہے۔(۲۷)

اسلام اور عدلِ اجتماعی کے تصورات:

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینِ اسلام ہی دراصل ''عدلِ اجتماعی'' کا حقیقی مظہر ہے، چنانچہ اسلام جس طرح ایک کامل و مکمل نظامِ زندگی اور ابدی ضابطۂ حیات ہے، اسی طرح یہ ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاقیات، اقتصادیات، معاشیات، معاشرت، آدابِ زندگی اور دستورِ حیات کے حوالے سے ''عدلِ اجتماعی'' کا مظہر ہے۔ دینِ اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے، لہٰذا اس کا پورا نظام اور اسلامی تعلیمات ہر لحاظ سے عدلِ اجتماعی کی مظہر ہیں۔ خود کائنات اور نظامِ کائنات جس طرح قدرت کا تخلیقی شاہکار ہیں، بالکل اسی طرح کائنات کا مربوط نظام اور نظامِ قدرت ''عدلِ اجتماعی'' کا عملی اظہار ہیں۔

اسلام وہ دینِ حق ہے، جو خالقِ کائنات اور ربِّ کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے، چنانچہ انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے، دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا حصار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ حقیقی

Marfat.com

عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیارِ عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو، کائنات میں اس کی حیثیت اللہ کی مخلوق اور رعیت کی ہے، اس لیے معیارِ عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں، بلکہ اس کے مالکِ حقیقی اور فرماں روا کا کام ہے...... حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہو سکتا ہے، جو ایک عالم الغیب والشہادۃ اور سبوح و قدوس ہستی نے بنایا ہے۔(۲۸)

عدلِ اجتماعی: اسلامی شریعت اور نظامِ مملکت کی بنیاد:

اسلام کے نزدیک اسلامی ریاست کا ایک بنیادی عنصر عدل ہے: ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۲۹)

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو تمہارا فیصلہ عدل کے ماتحت ہونا چاہیے۔''

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾(۳۰)

''اور جب کہو، انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتے دار ہی کا کیوں نہ ہو۔''

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۳۱)

''اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔''

اسلام میں عدلِ اجتماعی کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ الٰہی (یعنی قرآن و سنت کے احکامات) سب کے لیے یکساں ہیں اور اسے مملکت کے ادنیٰ شخص سے لے کر اعلیٰ شخص (مع سربراہ) سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیے۔ قانونِ الٰہی میں کسی بھی شخص کے لیے کسی امتیازی سلوک یا رعایت کی گنجائش نہیں، کسی کے حق کی ادائیگی میں کسی قسم کا تعصب یا عصبیت آڑے نہیں آنی چاہیے۔ انصاف کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ باعتبارِ انسان سب کے حقوق یکساں ہیں۔ قانونِ الٰہی اور اس کی ہمہ گیری سے خواص تو کیا خود رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔''(۳۲)

غرض اسلام ایک ایسے ہمہ گیر عدل کی دعوت دیتا ہے، جو تمام انسانوں کے لیے یکساں ہے۔ وہ سیاستِ شرعیہ (یا دینی حکومت) کی بنیاد عدل پر رکھتا ہے اور اسے حکومت کی ایک بہت ہی اہم بنیاد اور عنصر قرار دیتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ(۳۳) ''اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔''

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ(۳۴) ''بے شک، اللہ انصاف کا حکم دیتا ہے۔''

ایک موقع پر فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۳۵)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو۔ خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے

Marfat.com

ماں باپ اور رشتے داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر یا فقیر ہو تو خدا ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچدار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔''

امام ابن قیم کا قول:

اللہ عدل کے طریقوں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عدل کے طریقے مقرر کرے، عدل کے نشانات کا تعین کرے اور ان کے جھنڈے اور علامات کا تعین کرے اور اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے نشاناتِ راہ سے دوبارہ ظاہر اور واضح چیزوں کو دائرۂ عدل سے نکال لے اور ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی شرعی فیصلہ ان کے مطابق نہ دے۔ یعنی کوئی اصول بظاہر عدل نظر آئے، مگر شریعت اسے عدل قرار نہ دے..... '' بلکہ اللہ رب العزت نے جو شریعت ہمیں دی ہے، اس کا مقصد ہی بندوں کے درمیان قیامِ عدل اور لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنا ہے۔ عدل و انصاف جس طریقے پر بھی قائم ہوسکتا ہو، وہ طریقہ دین کے مخالف نہیں، بلکہ وہ دین ہی ہے، یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عادلانہ سیاست شریعت کے خلاف ہے، بلکہ وہ نہ صرف شریعت کے مطابق ہے، بلکہ شریعت کا جزء ہے۔ درحقیقت عادلانہ سیاست بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عادلانہ نظام ہی ہے، لیکن ہم اسے آج کی اصطلاح میں سیاست کا نام دے دیتے ہیں۔(۳۶)

امام ابن تیمیہؒ کی رائے:

عدل کی قیمت کا تعین امام ابنِ تیمیہؒ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ ہی درست رہ سکتے ہیں، خواہ قیامِ عدل کے ساتھ اس میں دیگر گناہوں کا ارتکاب بھی ہو، لیکن اگر دیگر گناہ نہ بھی ہوں، لیکن حقوق تلفی اور ظلم کا دور دورہ ہو تو پھر معاملات کا پہلی صورت کے مقابلے میں درست رہنا زیادہ دشوار ہے..... اللہ تعالیٰ ایک عادل حکومت کو قائم رکھتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لیکن ظالم حکومت کو مٹا دیتا ہے، خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت ہی کیوں نہ ہو..... دنیا عدل اور کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔(۳۷)

عدل مختلف اور متعدد میدانوں میں ہوسکتا ہے:

(ا) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے عدل: اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾(۳۸)

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔''

اسے اخروی عدل کہتے ہیں، یہ اعلیٰ معیار کا عدل ہوگا۔

اسلام میں عدل کا تصور و اہمیت اور عدلِ اجتماعی کا فلسفہ:

اسلام نے دینِ فطرت ہوتے ہوئے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیوں کہ اعتدال اور عدلِ اجتماعی خالقِ کائنات کے آئین قدرت کی شرط اول ہے، جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ توازن نہ رہے تو نظامِ کائنات ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کیوں کہ یہی نظامِ عالم کی اساس

Marfat.com

ہے۔قرآن نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ (۳۹)

اور آپ کے رب کی ہر بات واقعیت اور اعتدال کی بنیاد پر پایۂ تکمیل کو پہنچی، اس لیے کہ کائنات میں اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

پھر اس توازن و اعتدال کی خاطر اللہ نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ فرما دیا کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن طریقے سے جاری و ساری رہے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ:

نبی کریم ﷺ نے ایک فرد سے لے کر جماعت تک زندگی کے ہر شعبے میں عدل قائم کرنے کی تعلیم دی۔ کیوں کہ ہر زاویۂ حیات میں اسلامی فکر کی اصل الاصول بات یہی ہے۔ اسلامی معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون کے پس منظر میں بھی یہی مرکزی تصور کارگر ہے اور دینِ کامل کے سارے ضابطے اسی پر قائم ہیں۔

اس بناء پر حضور اکرم ﷺ نے جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو انتہائی راہوں کو چھوڑ کر انفاق فی سبیل اللہ کا معتدل راستہ دکھایا وہاں پر سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام تجویز فرمایا۔ اسی طرح جہاں پر رہبانیت اور قارونیت کی افراط و تفریط سے نجات دلائی، وہاں پر اعتدال اور توازن پر مبنی عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کو پیش فرمایا۔

محسنِ انسانیت ﷺ کا فلسفۂ عدل و مساوات اور عدلِ اجتماعی:

مغربی فلسفۂ قانون کا ایک اصول یہ ہے کہ صدرِ ریاست حکومتی عدالتوں میں جوابدہ نہیں ہوتا، اسلامی نظام میں کسی فرد کو خواہ وہ ریاست کا سربراہ ہی کیوں نہ ہو، قانون سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے خلاف ضمان (Tart) اور دیوانی دونوں قسم کے دعوے سن کر مدعیوں کے حق میں فیصلے دیے۔ اس قسم کے فیصلے قانون کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ انہی نظیروں کی وجہ سے عہدِ خلافتِ راشدہؓ میں خلیفۂ وقت کو بھی قاضی ایک معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے طلب کر لیتا تھا اور اسے حاضر ہو کر جوابدہی کرنی پڑتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا:

> ايّها النّاس! انّما اهلك الّذين قبلكُم انّهم كانُوا اذا سرق فيهم الشّريف تركُوهُ واذا سرق فيهم الضّعيف اقامُوا عليه الحدّ وايم اللّٰه لو انّ فاطمة بنتِ محمّدٍ سرقت لقطعتُ يدها(۴۰)
>
> ”لوگو! تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئی ہیں کہ ان میں سے جب کوئی صاحبِ حیثیت آدمی چوری کرتا تھا، تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور آدمی چوری کرتا، تو اسے سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم، اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔“

نبی اکرم ﷺ نے ”حجۃ الوداع“ کے موقع پر اپنے تاریخ ساز اور مشہور خطبے میں جو تصریحات فرمائیں، یہ تاریخ میں منشورِ انسانیت کے مترادف ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کے بنیادی حقوق، یعنی جان و مال و آبرو محفوظ اور قابلِ احترام ہیں۔

Marfat.com

امانت کی واپسی اور قرض کی ادائیگی فرائض میں شامل ہے۔ رِبا لینے یا دینے کی قطعی ممانعت کی گئی اور ارشاد ہوا کہ قرض خواہ کو صرف اصل رقم واپس ہوگی۔ قتلِ عمد کے لیے قصاص اور شبہ عمد کے لیے دیت ہوگی۔ زوجین کے لیے ایک دوسرے پر حقوق کی صراحت کی گئی۔ کسی کا مال غصب کرنے اور کسی مسلمان بھائی سے لڑائی کے خلاف سخت تہدید کی گئی، احترامِ فرد کا معیار رنگ ونسل کی اضافی قدروں کی بجائے تقویٰ قرار دیا گیا۔(۴۱)

اسلام انسانیت کو خیر کا پیغام دیتا ہے کہ عدل و انصاف کا نظام ساری انسانیت کے لیے ہے، نہ صرف عرب اور نہ ہی صرف مسلم اُمّت کے لیے خاص اور نہ صرف اسی تک محدود رکھا جاسکتا ہے، بلکہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، سب کے لیے عدل کی میزان ایک ہی ہے۔ اللہ رب العزّت اپنے انبیاءؑ کی بعثت کے مقاصد بیان فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۴۲)

عدل کی اس طرح وضاحت فرمائی گئی کہ انبیائے کرامؑ کی دلائل اور نشانیوں کے ساتھ بعثت اور کتابوں نیز میزان کے نازل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل قائم کریں، تاکہ معاشرہ پُرامن اور پُرسکون رہے اور عدل یہی ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے۔ پھر یہ بھی حکم ہوا:

علامہ الیوسف القرضاوی کی رائے:

عرب دنیا کے نامور محقق، معروف مذہبی اسکالر ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی اپنی کتاب "کیف نتعامل مع القرآن" میں لکھتے ہیں:

ان احکام میں عمومیت ہے، اوّل تو یہ کہ امانتیں ان کے مالکان کو واپس دی جائیں اور جب بھی تمہیں منصف بنایا جائے تو تم لوگوں کے معاملات کا عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، کسی کے دباؤ میں آکر یا رشوت کی لالچ میں انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑو۔ عمومیت احکامِ الٰہی میں اس لیے کہا کہ رب العالمین نے (بین الناس) فرمایا۔ صرف (بین المسلمین) نہیں فرمایا۔ لہٰذا یہ عدل صرف اپنی برادری یا مسلمان ہی کا حق نہیں بلکہ ایک کافر بھی تم سے فریاد کرے تو تم اس کی فریاد رسی عدل کے ساتھ کرو۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے، جس کی کہیں بھی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایک یہودی کا معاملہ تھا، چند مسلمانوں اور منافقین نے مل کر ایک یہودی پر زرہ کی چوری کا الزام لگایا، حالانکہ یہودی اس سے بری تھا، مقدمہ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں پیش کیا گیا۔ غالباً مسلمانوں کو یہ گمان تھا کہ حضور اکرم ﷺ ان کی بات یہودی کے مقابلے میں سچ تسلیم فرمائیں گے، لیکن اس سے قبل کہ حضور اکرم ﷺ اس یہودی کے خلاف کوئی فیصلہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی کے ذریعے اپنے رسول اکرم ﷺ پر حق واضح فرما دیا، آپ کو بے انصافی سے بچا لیا۔ یہاں بھی یہ حقیقت ثابت ہوجاتی ہے کہ کتابِ الٰہی ساری انسانیت کے لیے کتابِ رحمت ہے۔

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا﴾(۴۳)

اے نبیؐ! ہم نے یہ کتاب آپؐ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے، تاکہ جو راہِ راست اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی ہے، اسی کے مطابق آپؐ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور آپؐ بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے نہ بنیں۔(۴۴)

عدلِ اجتماعی کے حوالے سے بے لاگ عدل کا اسلامی فلسفہ اور اس کے ہمہ گیر اثرات:

عہدِ فاروقیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک مصری قبطی کے منہ پر یہ کہتے ہوئے

Marfat.com

طمانچہ مارا کہ (لے، یہ گورنر کے بیٹے کا طمانچہ ہے) اس مظلوم نے عدلِ فاروقی پر یقین کے ساتھ فسطاط (مصر) سے حجاز کے سفر کی مشقتیں اٹھائیں، جب کہ اس دور میں سفر آسان نہ تھا، وہ قبطی جو پہلے رومی عیسائی تھا اور اس کے ملک میں انصاف تو کجا کوئی فریاد سننے والا نہ تھا۔

اس غریب نے اپنے وطن میں ظلم کی انتہا دیکھی تھی کہ عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے، ان کو بلاوجہ سولی پر چڑھا دیا جاتا تھا اور مظلوم سر نہیں اٹھا سکتا تھا، قبطی کو یقین تھا کہ عدلِ فاروقی اسے پناہ دے گا، مدینہ آ کر اس نے امیرالمومنینؓ سے گورنر زادے کی شکایت کردی۔ آپ نے سارا واقعہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کو طلب کرلیا اور قبطی کو حکم دیا کہ "اس گورنر زادے کے منہ پر اسی طرح طمانچہ مارو، جس طرح اس نے تمہارے گال پر مارا تھا۔"

یہی نہیں، بلکہ پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا، جو جدید دور کے دستور اور عہد ناموں کا آغاز ہونا چاہیے۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

"متیٰ استعبدتُم النّاس وقدولدتھُم اُمّھُم احراراً۔"

(عمرو بن العاص) تم نے اللہ کے بندوں کو کب سے اپنا غلام بنا لیا ہے؟ جب کہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔

ایک موقع پر کسی نصرانی نے حضرت علیؓ کے خلاف قاضی شریح سے شکایت کی، قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کو اپنی عدالت میں طلب کرلیا، حضرت علیؓ کے پاس اپنی برأت کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔ نصرانی نے یہ دیکھا تو اسلامی عدل کی شان کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا اور پکار اٹھا کہ "ایسے فیصلے تو انبیائے کرام کیا کرتے تھے۔" اور بھرے مجمع میں خود اعتراف کرتے ہوئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، اسلام قبول کرلیا۔ ماضی کی تاریخ ان واقعات سے معمور ہے، لیکن موجودہ اسلامی دور میں شاذ و نادر ہی عدل کی ایسی مثالیں ملتی ہوں گی۔ (۴۵)

محسنِ انسانیت ﷺ کی آمد سے قبل عدلِ اجتماعی کا تصور:

آپؐ کی بعثت سے قبل انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل SALE جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے ہیں، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا، رشوت و خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی۔ گبن کہتا ہے "چھٹی صدی عیسوی میں سلطنت کا زوال اور اس کی پستی انتہا پر تھی، اس کی مثال اس بڑے تناور اور گھنے درخت کی تھی جس کے سائے میں دنیا کی قومیں کبھی پناہ لیتی تھیں اور اب اس کا صرف تنا رہ گیا ہو، جو روز بروز سوکھتا جا رہا ہو۔" (۴۶)

مشہور مغربی مصنف رابرٹ بریفالٹ Robert Briffault لکھتا ہے:

> From the fifth to tenth century Europe lay sunk in a night of barbarism which grew darker and darker. It was a barbarism for more awful and horrible than that of the primitive savage, for it was the decomposing body of what had once been a great civilization. The eatures and

Marfat.com

impress that civilization were all but completely affected. When its development had been fullest, e.g., in Italy and Gaul, all was ruin squalor, dissolution.(۴۷)

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانۂ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیوں کہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی و فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''(۴۸)

عہد جاہلیت کے عرب معاشرے میں ظلم و ناانصافی اور عدل اجتماعی سے انحراف:

ڈاکٹر صبحی محمصانی اس عہد کے نظامِ عدل و انصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس، انفرادی اقتدار پر بھی۔(۴۹)

زمانۂ جاہلیت میں جزیرہ نمائے عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی، لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی کے پاس جا کر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم کیا کرے ''دست خود دھان خود'' ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لے گا۔ اگر ظالم کمزور ہوتو بدلہ آسان تھا لیکن اگر ظالم قوی تر ہوتو کمزور کے لیے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کر سکے۔(۵۰)

ہر فرد اپنے قبیلے سے وابستہ تھا، خواہ قرابت داری کے ذریعہ ہو یا باہمی عہد و پیمان کے واسطے سے۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلے کی جانب داری کرتا تھا۔ قبائل اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جتھ بندی عرب میں بڑی سخت تھی اور اس عصبیت کی بنیاد جاہلی مزاج تھا، جس کی روح اس مشہور جملے سے شروع ہوتی ہے! ''انصر اخاك ظالماً اومظلوما'' اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل۔

بعثتِ نبویؐ کے وقت پوری انسانی دنیا میں شرافت و اخلاق کی اعلیٰ اقدار اور عدل و انصاف کے فقدان کا یہی عالم تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس تاریخی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

''خلاصہ یہ ہے کہ اس صدی میں روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت و اخلاق کے اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو۔(۵۱) چنانچہ ''قصاص'' کے معاملے میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ معزز شریف اور قابلِ حیثیت رتبے کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی رزیل (نچلے طبقہ کا فرد) ہوتا تو قاتل کے خاندان سے مقتول کا ہم رتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا۔

Marfat.com

ان کا نظریہ تھا! شریف اور معزز آدمی کا خون اسی کے ہم مرتبہ شریف (معزز) آدمی کے خون سے دھویا جاسکتا ہے۔(۵۲)

آزاد فرد کا قاتل اگر غلام ہوتا تو غلام سے قصاص لینا ناکافی سمجھا جاتا اور غلام کے مالک یا کسی اور آزاد رشتے دار کا سر مانگا جاتا، یا کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کرتا تو قاتل کا قصاص گوارا نہ کیا جاتا بلکہ کمتر معاوضہ دیا جاتا۔(۵۳)

قصاص کی طرح دیت میں بھی عدم مساوات کا یہ اصول کارفرما تھا، چنانچہ انسانی برادری میں تفاوت اور عدم مساوات اس درجے تھی کہ عرب قبائل کے سرداروں اور معزز افراد کی دیت (خون بہا) کمتر درجہ اور کم حیثیت لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ سب سے زیادہ دیت حکمرانوں اور بادشاہوں کی ایک ہزار اونٹ تھی، اس کے بعد درجہ بدرجہ شرفائے قوم اور قبائل کے سرداروں کی، اس کے بعد کمزوروں، معاشرے کے کم حیثیت کم تر افراد اور غلاموں کی، حتیٰ کہ بعض مقتولین کی ''دیت'' صرف پانچ اونٹ، اور بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتی۔ اس نظریئے کو قیدیوں کے ''فدیہ'' میں بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔(۵۴)

بے لاگ عدل کا اسلامی فلسفہ اور محسنِ انسانیت ﷺ کا تاریخ ساز کردار:

پیغمبر رحمت، محسنِ انسانیت، سرورِ کائنات، حضرت محمد ﷺ نے انسانی تاریخ کے اس غیر عادلانہ اور جبر واستحصال، ظلم واستبداد اور طبقاتی تقسیم کے اس تاریک دور میں جو مثالی نظریہ عدل و مساوات متعارف فرمایا اس میں بادشاہ وفقیر، وزیر وامیر، دولتمند و حاجتمند، غنی وگدا، تاجدار و چوبدار، فرماں روا و بے نوا، قوم وقبیلہ، خاندان، رنگ ونسل، امیر وغریب، حاکم ومحکوم کا کوئی امتیاز نہیں اور بقول اقبال! ''خونِ شہ رنگین تراز معمار نیست'' بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین تو نہیں ہوتا کا مثالی اور عادلانہ نظام متعارف فرمایا۔

عہدِ نبویؐ میں ذاتِ اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ (ضمان) کے جو مقدمات دائر ہوئے نظائر کی موجودگی میں کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے ''KING CAN DO NOT WRONG'' بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کے نظریئے کو مسترد کر دیا۔(۵۵)

عدل اجتماعی: اسلامی ریاست اور معاشرے کا ایک ناگزیر تقاضا:

قرآن کریم کی روشنی میں مختصر جائزہ:

عدلِ اجتماعی کی بدولت نظام عالم قائم ہے، اگر عدل و انصاف ختم ہوجائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے اور یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ 'اسلام نے جس تفصیل سے 'عدل' کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا ہے، اس کی مثال دیگر مذاہب میں نہیں ملتی۔ اسلامی عقیدے کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے، وہ اپنے عدل ہی سے کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے:

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۵۶)

تحقیق ہم نے پیغمبروں کو کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان کی معرفت کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

Marfat.com

قرآنِ کریم کے نزول کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے، رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾(۵۷)

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپؐ پر اتاری تاکہ جیسا آپ کو خدا نے سمجھایا ہے، اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کریں، اور دغا بازوں کے حامی نہ بنیں۔

اللہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۵۸)

اور جب فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۵۹)

اور انصاف کو ملحوظ رکھو، بے شک، اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۶۰) بے شک، اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اور (گواہی یا فیصلے میں) جب بات کہو تو خواہ قرابت مند ہی کے مقابلے میں ہو، انصاف کا لحاظ رکھو۔

اپنی ذات اور والدین کے معاملے میں بھی شہادت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۶۱)

مسلمانو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ یہ گواہی تمہاری ذات یا ماں باپ اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے، اگر ان میں کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے تو تم انصاف کرنے میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے انحراف کرنے لگے اور اگر دبی زبان سے گواہی دو گے یا گواہی سے پہلو تہی کرو گے، تو جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے واقف ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾(۶۲)

اور مسلمانو! بعض لوگوں نے تمھیں حرمت والی مسجد (خانہ کعبہ) سے روکا ہے، تو یہ عداوت تمہارے لیے زیادتی کرنے کا باعث نہ ہو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مددگار نہ بنو اور اللہ سے ڈرو، کیوں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

عدل و انصاف رحم و کرم، عفو و درگزر اور احسان و سلوک سے جس طرح انسان سنورتا ہے، دنیا شادوآباد ہوتی ہے، اسی طرح ظلم سے انسانی فطرت مسخ ہوجاتی ہے، اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور دنیا ویران ہوجاتی ہے، اس لیے قرآن کریم

Marfat.com

میں جتنی عدل و احسان کی توصیف و قیامِ عدل کی تاکید ہے، اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

اللہ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں فرمایا گیا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۶۳) اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

ظالم ہدایت الٰہی سے محروم ہیں:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۶۴)

تعلیمات نبویؐ میں عدلِ اجتماعی کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جس نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اس کے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ، اس کے لیے جنت ہے اور اگر اس کا الٹا ہوا تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''(۶۵)

نیز فرمایا کہ جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

یہ بھی فرمایا گیا:

"یا اباھریرة جور ساعة فی حکم اشدّ واعظم عند اللّٰہ من معاصی ستّین سنة وعدل ساعة خیرٌ من عبادة ستین سنة قیام لیلھا وصیام نھارھا."(۶۶)

اے ابوہریرہ، ایک گھڑی کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی معصیت سے بڑھا ہوا اور زیادہ سخت ہے جب کہ ایک گھڑی کا انصاف ان ساٹھ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں۔

عدل و انصاف کی فضیلت کے بیان میں فرمایا گیا:

"ثلاثةٌ لا تردّ دعوتھم الصّائم حین یفطر والامام العادل والمظلوم."(۶۷)

تین شخصوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ روزے دار کی بوقت افطار، منصف حاکم کی اور مظلوم کی۔

بے لاگ عدل کا فلسفہ اور اسوۂ نبویؐ:

حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھا دیا اور اپنے اسوۂ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق عدل و انصاف کی حکمرانی نظر آئے گی۔ جس میں چھوٹے بڑے، امیر وفقیر، شریف و وضیع اور سلطان وگدا کی کوئی تمیز باقی نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔(۶۸)

احادیث میں مختلف عنوانات سے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور ظالموں کے لیے بڑی وعید آئی ہے۔ مسلم کی ایک طویل حدیث قدسی کا ٹکڑا ہے:

"یاعبادی انّی حرّمتُ الظّلم علیٰ نفسی وجعلته بینکم محرماً فلا تظالموا."(۶۹)

Marfat.com

اے میرے بندو، میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کرلیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے، اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

عدلِ اجتماعی کا تصوّر اور اس کی اہمیت۔ احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں:

''حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قاضی (منصف) تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم جنّت میں جائیگی اور دو قسمیں دوزخ میں۔ جنت کا حق دار وہ شخص ہے، جس نے حق کو پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ کیا اور جس شخص نے حق کو پہچان کر فیصلہ کرنے میں ظلم کیا، وہ دوزخ میں ہے۔ اسی طرح جس شخص نے جہالت میں لوگوں کے فیصلے کیے، وہ بھی دوزخ میں ہوگا۔''(۷۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگوں کے درمیان (فیصلہ کرنے کے لیے) قاضی بنایا گیا، وہ گویا چھری کے بغیر ہی ذبح کردیا گیا۔''(۷۱)

یعنی قضا کا منصب انتہائی نازک ذمہ داری کا منصب ہے۔ اگر قاضی غیر منصفانہ روش اختیار کرتا ہے تو خدا کے ہاں پکڑا جائے گا اور اگر انصاف کی راہ پر چلتا ہے تو با اثر مجرموں کی دشمنی کا نشانہ بنتا ہے۔

''حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سے قریب والوں اور دور والوں پر (یکساں) حد جاری کرو۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی تمہیں پروا نہیں ہونی چاہیے۔''(۷۲)

اسلامی ریاست مدینہ کے قائد و حاکم، امام الانبیاء، تاجدارِ عالم، سیّد عرب و عجم، ہادیِ اعظم، حضرت محمد ﷺ نے انسانی تاریخ میں بے لاگ عدل کا مثالی تصوّر پیش کیا، عدل کی بالادستی اور انصاف کی فراہمی میں عدل اجتماعی کا نظریہ اس طرح متعارف کرایا کہ حاکم وقت اور ریاست کے عام فرد کے درمیان طبقاتی تقسیم اور تمام امتیازات کا خاتمہ فرما کر معاشرے میں عدلِ اجتماعی کو یقینی بنایا۔

دربارِ نبویؐ سے عدل و مساوات اور عدل اجتماعی کا تاریخ ساز فیصلہ:

آپؐ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو شریف اور اونچے خاندان کی تھی، قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ کون شخص ایسا ہوسکتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر طے پایا کہ اس کی جرأت صرف اسامہ بن زیدؓ ہی کرسکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ آپ کے بڑے چہیتے ہیں۔ لوگوں کے اصرار پر حضرت اسامہؓ نے لب کشائی کی جسارت کی۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''انّما هلك من كان قبلكُم انّهُم كانُوا يقيمون الحدّ علىٰ الوضيع ويتركون الشّريف، والّذى نفسى بيدهٖ لو فاطمة فعلت ذٰلك لقطعتُ يدها''
>
> تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا کمزور لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہؓ میری بیٹی وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔(۷۳)

ظلمتیں کافور ہوجائیں فضائے دہر سے　　　اس طرح پھیلے رُخِ شاہِ ہدیٰ کی روشنی

Marfat.com

اسوۂ خیرالبشرؐ کے نور سے ہو مستنیر دہر میں چمکے اسی اک نقشِ پا کی روشنی (۷۴)

تعلیماتِ نبویؐ میں عدلِ اجتماعی کا تصور:

بعثتِ نبویؐ سے قبل عالمگیر جہالت و تاریکی اور ظلم و ناانصافی کا دور دورہ:

انسانی تاریخ کے جس دور میں فخر بنی نوعِ آدم، سرورِ کائنات، محسنِ انسانیت، حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، سارا عالم ظلم و استبداد کے عذاب میں مبتلا تھا۔ وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا۔ بہیمانہ طاقت کی حکومت تھی۔ میزان عدل ٹوٹ چکا تھا۔ انسانیت زخموں سے چُور چُور تھی۔ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، بے رحم بادشاہت تھی، ظالم امارت تھی، ان کے خونیں ہاتھوں نے اطاعت گزاروں کی گردنیں دبوچی ہوئی تھیں، حاکم بے ضمیر تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد نفس پرستی اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ نسلِ انسانی گرفتار بلا و عذاب تھی، عقل گرفتار تھی۔ جسم گرفتار تھا، غاصبانہ ذہنیت، غلامانہ عقیدت تھی۔ بادشاہ اور رؤسا اپنی اپنی استحصالی اور استبدادی کارروائیوں میں جھوٹے خداؤں کا رُوپ دھار رہے تھے۔ وہ زمین پر خدا بنے بیٹھے تھے۔ ان کے وحشیانہ چُنگل میں عوام بالکل بے بس اور مجبور تھے۔ اللہ کی اطاعت نابود تھی۔ ایمان و صداقت کا تصور مفقود تھا۔ واقعات اور مقدمات کا فیصلہ سلاطین اور امراء کے محض اشاروں پر ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بادشاہ کی ذات ہر عیب سے پاک سمجھی جاتی تھی۔ وہ قانون اور اخلاق سے بالاتر ہوتا تھا۔ فراعنۂ مصر کو تو دیوتا تصور کیا جاتا تھا۔ روم کے قیصر اور ایران کے کسریٰ بھی مافوق البشر شمار کیے جاتے تھے۔(۷۵)

ایسے تاریک دور میں اسلام کا آفتاب عالم طلوع ہوا، جس کی نورانی کرنوں سے دیکھتے ہی دیکھتے سارا عالم روشن ہوگیا۔ بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی۔ ظلم وجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹ گیا اور سسکتی، دم توڑتی انسانیت میں جان آگئی، جو لوگ کل تک سہمے ہوئے تھے اور مظالم کے اندر دب چکے تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور دینِ اسلام کے ہمہ گیر سائے تلے سکھ کا سانس لینے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نبی اکرم ﷺ نے کائناتِ انسانی کو اسلام کے ایسے منصفانہ اور عادلانہ قوانین عطا فرمائے، جو باہمی ہمدردی، حسن سلوک، اخوت و مروت اور عدل و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں، جن سے دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور کامل نظام زندگی بن کر دنیا والوں کے سامنے اس طرح اجاگر ہوا کہ چہار دانگ عالم پر چھا گیا۔(۷۶)

اسلام میں قانون کی نظر میں امیر، غریب، بلاتفریق مذہب و ملّت مسلم یا غیر مسلم سب برابر ہیں۔ جرم کی سزا میں کسی کی رعایت نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾(۷۷)

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو۔ انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر سچی گواہی دو، اگرچہ اس کے نتیجے میں اس کا نقصان تمہاری ذات کو کیوں نہ پہنچے، یا تمہارے والدین یا اقربا ہی کو کیوں نہ پہنچے۔

دوسری جگہ آتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾(۷۸)

Marfat.com

اے ایمان والو، بوقت گواہی انصاف پر ڈٹے رہو۔ کسی قوم سے دشمنی کی وجہ سے انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دو، عدل کرو، یہی عمل تقویٰ کی جان ہے۔

فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاولی بان کا اعترافِ حقیقت:

اسلامی نظامِ عدل میں فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاوَلی بان عدل کی برتری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لیے تھا۔ حضرت علیؓ بنفس نفیس عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے اور ایک شخص پر دعویٰ کیا، جس نے آپ کی زرہ چُرائی تھی۔''(۷۹)

آگے چل کر وہ غستان کے نصرانی بادشاہ کا مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر حضرت عمرؓ کا وہ جواب جو انہوں نے بادشاہ کو دیا۔ یوں تحریر کرتا ہے:

''اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ کسی رُتبے کی وجہ سے عزّت ہے، نہ ذات کی، کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اسی لیے ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی۔''(۸۰)

ان حقائق سے واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظام عدل کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں انسانوں کا بنایا ہوا نہیں، بلکہ رب العالمین کا دیا ہوا قانون نافذ ہوتا ہے۔ جس میں نہ کوئی افراط وتفریط ہے اور نہ ہی کسی کے لیے خاص امتیاز وتفریق جو قانون عام فرد کے لیے ہے، وہی بادشاہ کے لیے بھی ہے اور جو آئین سرمایہ دار کے لیے ہے، وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لیے بھی۔ ایسے ہی جو قوانین اپنوں کے لیے ہیں، وہی غیروں کے لیے بھی یہاں تک کہ حاکم و محکوم میں سے کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں، گویا کہ یہاں صحیح معنوں میں عدل کی حکومت یعنی Rule of Justice ہے۔(۸۱)

دینِ فطرت اور نظام قدرت وعدلِ اجتماعی کا شاہکار:

اللہ تعالیٰ نے نظامِ کائنات کے قیام وقرار میں بھی عدل کے اصول کو کارفرما رکھا ہے۔''عدل'' یعنی ترتیب وتوازن ایسا آفاقی اصول ہے کہ مادہ کی نامیاتی (Organic) یا غیر نامیاتی (InOrganic) اشکال بھی اس اصول کے تحت اپنی بقا اور وجود کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ پانی اور ہوا جو کہ قدرت کے بیش قیمت انعامات ہیں، ان کا کیمیائی تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ وہاں بھی توازن موجود ہے، جب کہ ہائیڈروجن کے دو سالمے (Molecules) آکسیجن کے ایک سالمہ کے ساتھ مخصوص حالت میں نہ ملائے جائیں، تو پانی وجود میں نہیں آسکتا۔ ایسی ہی مثال ہوا کی ہے، اس میں بھی مختلف عناصر یعنی آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ میں خاص تناسب موجود ہے۔ جو نہ صرف حیاتِ انسانی کے لیے اہم ہے، بلکہ نباتات وحیوانات کے لیے بھی اہم ہے۔ اگر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار زیادہ ہوجائے تو زندگی ناممکن ہوجائے۔ انسانی جسم میں مختلف عناصر کی کی بیشی سے مختلف عوارض اور امراض پیدا ہوتے ہیں۔

قصہ مختصر کارخانۂ ہستی کا سارا نظامِ اعتدال وتوازن پر قائم ہے۔ حسن و جمال کیا ہے، تناسب واعتدال میں ایک کیفیت ہے، اگر انسان میں ہے تو وہ خوبصورت انسان ہے، نباتات میں ہے تو وہ پھول ہے۔ عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت

Marfat.com

کیا ہے، سُروں کی ترکیب و اعتدال ایک سُر بھی بے محل ہو تو نغمے کی کیفیت جاتی رہے۔(۸۲)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح کائنات کی بنیاد توازن عدل پر قائم کی ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ موقع بخشا کہ وہ مظاہر فطرت سے از خود سبق سیکھ کر اپنی معاشرتی، سیاسی، معاشی زندگی کی اساس بھی اسی اصول کے تابع کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ﴾(۸۳)

وہ ذات، جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے، تم رحمٰن کی (کسی) تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔

نظامِ کائنات میں اہتمامِ عدل و توازن کی جانب توجہ دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو کہا کہ وہ اپنے معاملات کی بنیاد بھی اسی اصول پر قائم کرے۔ ارشاد ہوا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۸۴) بے شک، اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عدل و احسان کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے، اس لیے کہ اس ذات میں یہ دونوں صفات موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان صفات کا جلوہ اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے۔(۸۵)

ساری کائنات ایک میزانِ عدل پر قائم ہے۔ تمام مظاہرِ فطرت ایک عادلانہ نظام کے پابند ہیں، سورج، چاند اور ستارے ایک خاص نظام کے تحت، گردش کر رہے ہیں، جمادات و نباتات، صحرا و دریا، پرند و چرند، سب نے اسی نظام کے آگے سر جھکا دیا ہے۔ یہ فطری نظام قدیم ہے، اللہ نے جب آسمان کو پیدا کیا تو اسی وقت ایک میزانِ عدل بھی قائم کر دیا۔

انسان فطرت کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ اس لیے خدا کی تمام مخلوقات کی طرح اپنی فلاح اور بقا کے لیے اسی فطری نظام عدل کا پابند ہے۔ لیکن وہ تو تمام مخلوقات میں اشرف ہے۔ اس سبب سے اللہ کے نظامِ عدل کا بھی اسے سب سے زیادہ پابند ہونا چاہیے۔

اسلامی ضابطۂ حیات اور اسلامی تعلیمات، عدلِ اجتماعی کی میزان:

دینِ اسلام ایک معتدل اور سیدھا مذہب ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙۗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾(۸۵)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت صحیح پر پیدا کیا اور اس اصلی اور جبلی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی دین اسلام سیدھا دین ہے کہ جو اس اصلی فطرت کے مطابق ہے، اکثر لوگ جانتے نہیں۔

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا﴾ (۸۶) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امّت وسط بنایا ہے، تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان درحقیقت امّت محمد کی امامت کا اعلان تھا، اسی طرح کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی اس راہ نمائی کی طرف بھی تھا،

Marfat.com

جس سے رسول اکرم ﷺ کی پیروی قبول کرنے والوں کو سیدھی راہ ''صراطِ مستقیم'' معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے کرتے اس مرتبے پر پہنچے کہ ''امتِ وسط'' قرار دیئے گئے۔(۸۷)

مفسرین کے مطابق ''امّتِ وسط کا لفظ اپنے اندر اس قدر وسیع معنویت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ و اشرف گروہ ہے، جو عدل و انصاف اور توسط و اعتدال کی راہ پر قائم ہو جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا ہو، اور ناحق اور ناروا تعلق کسی سے نہ ہو، چنانچہ اس آیتِ مبارکہ میں جہاں امّت محمدؐ کی فضیلت و سرفرازی کا تذکرہ ہے، وہیں اس پر ذمّے داری کا بہت بڑا بار بھی ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس طرح رسولِ اکرم ﷺ امّت کے لیے خدا ترسی، راست روی، اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس امّت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا ہے، اپنا قائدانہ کردار ادا کرنا ہے، حتیٰ کہ اس کے قول وعمل، سیرت و کردار اور حسنِ سلوک کو دیکھ کر دنیا جان لے کہ خدا ترسی اسی کا نام ہے۔ راست روی یہ ہے، عدل اسے کہتے ہیں، حق پرستی ایسی ہوتی ہے اور اسلام دنیا بھر کے انسانوں کو کچھ بتانے اور پیغام دینے آیا ہے۔''(۸۸)

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں عدلِ اجتماعی کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾(۸۹)

''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول دے کہ تُو بیٹھ جائے ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا۔''

عبادات میں عدلِ اجتماعی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

شریعتِ اسلامی نے عبادات میں بھی عدلِ اجتماعی یعنی اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔ دعا یا نماز میں ایک مسلمان کی آواز معتدل ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾(۹۰)

''اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ کی راہ''۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم، میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر پاسداری کرتا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار (ناغہ) بھی کرتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی میری سنّت ہے، پس جو میری سنّت سے گریز کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''(۹۱)

نیک اعمال میں عدلِ اجتماعی کی تعلیم دی گئی، حدیث نبویؐ ہے:

''خیرُ الاُمور اوسطُھا''(۹۲) ''تمام امور میں بہترین وہ ہے، جو اعتدال پر ہو۔''

ایک حدیث میں آیا ہے:

''والاقتصاد جزء من خمسة و عشرين جزأً من النبوّة''(۹۳) ترجمہ: ''اعتدال نبوت کا پچیسواں جز ہے۔''

آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے: اے لوگو! ایسے اعمال اختیار کرو، جن کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ عمل سے نہیں تھکتا، البتہ تم تھک

Marfat.com

جاتے ہو، سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے، جس پر آدمی ہمیشہ قائم رہے خواہ تھوڑا ہو۔(۹۴)

مال خرچ کرنے میں عدل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾(۹۵)

''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے، ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا۔''

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾(۹۶)

''اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ میں ایک سیدھی گزران۔''

حدیث نبویؐ ہے ''کھاؤ پیو، پہنو اور صدقہ کرو، مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔ اور ابنِ عباسؓ نے کہا ہے، اسراف اور گھمنڈ سے بچتے ہوئے، جو جی چاہے اور جو جی چاہو پہنو۔''(۹۷)

''اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تو تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے، جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے بے دخل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی، ان سے جو شخص دوستی کرے، وہی ظالم ہے۔''(۹۸)

علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کسی بھی دین و ملت کے وہ افراد جو برسر جنگ نہ ہوں، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن سلوک کیا جائے گا۔(۹۹)

نامور اسکالر علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں: ''اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں، وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے، خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر۔''(۱۰۰)

حقوق العباد کی ادائیگی دین کا اہم شعبہ ہے، شریعت اور دین کا خلاصہ ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ ان میں محسنِ انسانیت ﷺ نے عدل و احسان، مساوات، اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً بڑوں اور چھوٹوں سے متعلق ارشاد فرمایا:

''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے، اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔''(۱۰۱)

بقول علامہ سیّد سلیمان ندوی: ''حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں اور بڑوں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں، نوکروں اور بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے، جب کبھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آتی ہے، تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہتا ہے۔''(۱۰۲)

اسلام کا معاشی و اقتصادی نظام اور عدلِ اجتماعی:

حضرت علیؓ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے، جو غربا کے لیے کافی

Marfat.com

ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔''

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے، اس میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اے لوگو! صدقہ دو، کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لیے لیے پھرے گا، مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا، جو اسے قبول کرے۔'' (یعنی اس کا حاجت مند ہو)۔

چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مثالی دور حکومت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ/۷۱۷ء تا ۷۱۹ء) میں لوگوں کو اس حد تک فراخی نصیب ہوگئی تھی کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لیے پھرتے تھے اور کوئی انہیں وصول کرنے والا نہیں تھا۔ یحییٰ بن سعد کا بیان ہے:

''مجھے امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے افریقہ صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا، میں نے صدقات اکٹھے کیے اور ایسے لوگوں کو تلاش کیا جنہیں زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرسکوں مگر ایسا کوئی شخص نہ ملا جو زکوٰۃ قبول کرلے، بالآخر زکوٰۃ کی اس رقم سے غلام خرید کر آزاد کیے۔ (۱۰۳)

اسلام اقتصادی اور معاشی معاملات میں ''عدلِ اجتماعی'' کا درس دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے معاشی عدل اور اس مسئلے کے حل کے لیے زندگی کے فطری اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے، آپؐ کی معاشی اصلاحات کے چار ستون ہیں، جو عدلِ اجتماعی کا حقیقی مظہر ہیں:

(۱) زندگی کے فطری اصولوں کو درہم برہم نہ کیا جائے، البتہ فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے، وہیں سے اسے موڑ کر فطرت ہی کے راستے پر ڈال دیا جائے۔

(۲) اس کے لیے خارجی طور پر نظامِ تمدن میں قوانین نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر پورا زور صرف کیا جائے اور نفس انسانی کی تطہیر کی جائے۔

(۳) حکومتی طاقت کو اس معاملے میں صرف ناگزیر صورتوں میں استعمال کیا جائے۔

(۴) انسانوں کے درمیان صلاحیتوں اور قابلیتوں کا جو تفاوت موجود ہوتا ہے، اسے حد فطرت سے تجاوز کر کے ظلم و ناانصافی کا سبب نہ بننے دیا جائے۔ (۱۰۴)

دولت میں بھی عدل ہونا چاہیے، بخل درست ہے، نہ فضول خرچی۔ قرآن حکیم نے بخیل کا انجام یوں بیان کیا ہے۔

﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ﴾ (۱۰۵)

جس نے گن گن کر مال کو اکٹھا، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ ہرگز نہیں، وہ تو ضرور چکنا چور کرنے والی جگہ (دوزخ) میں ڈالا جائے گا۔

فضول خرچی کی ان الفاظ میں مذمت ہے:

Marfat.com

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًاO اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾(۱۰۶)

دولت کو بے جا مت اڑاؤ، کیوں کہ دولت کو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بخل و اسراف کے درمیان اقتصاد اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾(۱۰۷)

نہ اپنے ہاتھوں کو گردن تک باندھ لو، نہ بالکل چھوڑ دو۔

کسبِ معاش کے دوران فریق معاملہ کے ساتھ ایک مسلمان کو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہیے اور جذبہ خیر سگالی، خیر خواہی سے کام لینا چاہیے، تول اور وزن تک یہ اصول کارفرما رہتا ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَO الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَO وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَO اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ O لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾(۱۰۸)

ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ تول کرلیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ناپ تول کردیں تو کم دیں، کیا وہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ قیامت کے روز انہیں پیش ہونا ہے۔''

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جب دوسروں سے کوئی چیز خریدے تو مقدار اور وزن میں قدرے کمی گوارا کرے، لیکن جب فروخت کرے تو قدرے زیادہ دے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ کوئی چیز خریدی اور وزن کرنے والے سے فرمایا: ''تول کر دو اور جھکتا دو۔''

کفالتِ عامہ اور عدلِ اجتماعی:

سیدنا عمر بن خطابؓ جن کا عہدِ خلافت پوری اسلامی تاریخ میں مثالی حیثیت کا حامل ہے، آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

''میری یہ خواہش رہتی ہے کہ کسی کی کوئی حاجت دیکھوں تو اسے فوراً پورا کردوں۔ جہاں تک ہوسکے، ہم ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت کریں اور جب ہم تنہا ایسا کرنے سے عاجز آجائیں، تو پھر مل کر کریں۔ یہاں تک کہ ہم سب کا معیار زندگی برابر ہوجائے۔ کاش کہ تمہیں پتہ چل جاتا کہ تمہارے بارے میں میرے دل میں کیا جذبات ہیں۔لیکن میں تو انہیں صرف عمل کے ذریعے تمہیں بتانا چاہتا ہوں، اللہ کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا غلام بنائے رکھوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، جس پر خلافت کی امانت مسلط کردی گئی ہے، مجھے چاہیے کہ میں اسے پورا کردوں اور پھر اسے تمہیں واپس کردوں۔ اس صورت میں تمہاری ضروریات کے پیچھے چلوں، یہاں تک کہ تم سیر ہوکر اپنے گھروں میں سوجاؤ اور اس طرح میں تمہارے معاملے میں سعادت مند ہوجاؤں اور اگر میں امانت کو اٹھا تو لوں، مگر تمہیں مجبور کردوں کہ تم اپنی ضروریات کے ساتھ میرے گھر تک آؤ، تو اس صورت میں تمہارے معاملے میں بدبخت بن جاؤں گا۔ پھر کیا ہوگا، چند دن عیش کرلوں گا، مگر ایک لمبی مدت تک غم اور افسوس کرتا رہوں گا اور میرا یہ حال ہوگا کہ نہ کچھ کہہ سکوں گا اور نہ مجھے جواب دیا جائے گا۔''(۱۰۹)

قرآن کریم: عدلِ اجتماعی کی میزان:

ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۱۱۰)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو (فریق معاملہ) خواہ مال دار ہو یا غریب، تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہشوں کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۱۱۱)

بے شک، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

ایک موقع پر فرمایا گیا:

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾(۱۱۲) اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (۱۱۳) جب بات کہو تو انصاف کرو خواہ (فریق مقدمہ اپنا) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

قرآنِ کریم کی طرح آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ نبویؐ میں بھی ''عدلِ اجتماعی'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس سلسلے میں ام المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

ان اسامة حكم النبیؐ عن امرأة فقال: انّما هلكَ من كان قبلكُم انّهم كانوا يقيمون الحدّ علىٰ الوضيع ويتركون الشّريف والّذى نفسى بيدهٖ لو فاطمة (بنتِ محمد رسول اللّٰه) فعلت ذٰلك لقطعت يُدها(۱۱۴)

ضرت اُسامہ بن زیدؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا: تم سے جو پہلی اُمتیں گزری ہیں، وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے، قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہؓ (بنتِ محمدؐ) بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔

حضور اکرم ﷺ نے سات آدمیوں کا ذکر فرمایا ہے، جنہیں قیامت کے دن خدا کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے ایک عادل حاکم بھی ہے۔

ان آیات واحادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست پر عدلِ اجتماعی کی کتنی ذمے داری ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے قرآن وسنّت نے کتنا زور دیا ہے۔ اسلامی ریاست نظری اور عملی لحاظ سے عدلِ جتماعی کی بہترین مثال ہے۔ مسلمان معاشرے اسی لیے فساد کا شکا ہوگئے کہ ان کی ریاستیں عدلِ اجتماعی کے قیام کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اسلامی

Marfat.com

ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو وہ اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں۔(۱۱۵)

تاج دارِ عدل و انصاف کا فلسفۂ عدل اجتماعی:

کائنات کا نظام عدل و انصاف ہی پر قائم ہے۔ انبیائے کرامؑ کی بعثت بھی قیامِ عدل وحق ہی کے لیے ہوئی۔ دنیا کی ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر کردی ہیں، جب بھی کوئی چیز اپنی مقررہ حدود سے متجاوز ہوجاتی ہے، فساد رونما ہوجاتا ہے۔ اس فساد کا ازالہ کرنا انبیائے کرامؑ کی بعثت کی غرض و غایت ہے۔ چنانچہ ان کے دنیا میں تشریف لانے سے انسانوں کی سرکشی، اطاعت اور بندگی میں بدل جاتی ہے۔ انسان کا ایک دوسرے پر ظلم، عدل و انصاف میں بدل جاتا ہے اور حقوق و فرائض میں مساوات کی ایک ایسی فضا پیدا ہوجاتی ہے کہ انسانی معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

ایسا ہمہ گیر نظامِ عدل صرف رسولِ اکرم حضرت محمد ﷺ ہی نے عطا فرمایا کہ جو صرف قانون کا اقتضا ہی پورا نہیں کرتا، بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اس نظام سے انسانی اعمال و کردار کے لیے ایسی میزان قائم ہوگئی کہ نقطۂ عدل سے انحراف کی نشان دہی آسان ہوگئی۔ اس لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر کہیں بھی ظلم کا نام و نشان پایا جائے تو اسے اسلامی نظامِ عدل کے ذریعے مٹایا جاسکتا ہے۔ دنیا کو یہ اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ آپؐ کی نگاہ میں عدل و انصاف کے معاملے میں دوست و دشمن، امیر و غریب سب برابر ہیں۔ آپؐ نے کسی شخص کو اس کی دشمنی کی بناء پر کبھی عدل و انصاف سے محروم نہیں فرمایا، نہ کبھی آپؐ نے کسی جھگڑے میں جانب داری سے کام لیا۔ جو حق تھا، وہی ارشاد فرمایا اور جو انصاف کا تقاضا تھا، اسے پورا کیا۔ آپؐ کے بے لاگ انصاف اور حقیقی عدل پر سب کو اعتماد تھا۔ ظلم سے آپؐ کو بے حد نفرت تھی۔ آپؐ مظلوموں کے سب سے بڑے حامی و ناصر اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔

آپؐ نے عدل و انصاف کی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کو دُور فرمایا۔ پست و بلند کا فرق مٹایا۔ اپنے اور بیگانے کا امتیاز ختم کیا۔ مجرم کو اس کی جگہ پر رکھا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا، جس کا وہ قانون عدل کی رو سے مستحق تھا۔ آپؐ نے اپنے حقیقی عدل و انصاف، عدلِ اجتماعی اور بے لاگ فیصلوں سے یہ ثابت کردیا کہ اللہ کا قانون سب کے لیے یکساں ہے اور دنیا میں قیامِ عدل کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ بلاخوف و امتیاز اس کا مکمل قانون نافذ ہو۔ ہر فرد کو اس کا حق ملے، کسی کو اس وجہ سے عدل و انصاف سے محروم نہ رکھا جائے کہ وہ کمزور طبقے کا فرد ہے۔ آپؐ کی سیرتِ طیّبہ اور تعلیمات میں حقیقی عدل و انصاف کے بے شمار شواہد ملتے ہیں، ان کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے نظامِ عدل کو اپنے عملی نمونوں سے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ انصاف کی تاریخ میں ان کی کہیں اور نظیر نہیں ملتی۔(۱۱۶)

تو نے ہر گام پہ چھوڑے ہیں نقوشِ تاباں — راہ نما ایک زمانے کی ہے سیرت تیری
ہر عمل تیرا، ہر اک دور کا رہبر ٹھہرا — ہر زمانے میں مسلّم ہے امام تری (۱۱۷)

عدلِ اجتماعی کا تاریخ ساز منشور...... میثاقِ مدینہ:

''میثاقِ مدینہ'' میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اس امر کی صراحت کردی گئی کہ غیر مسلم یہودیوں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہوگی، چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ ہیں: ''للمسلمین دینھم ولليھود دینھم'' یعنی مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین

Marfat.com

اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔ مدینے میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔(۱۱۸)

اس تاریخ ساز معاہدے کی بدولت عدلِ اجتماعی کی بنیاد پر مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہوسکتا ہے، ان کی نشان دہی ہوئی۔(۱۱۹)

ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ''میثاقِ مدینہ'' دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(۱۲۰)

چنانچہ موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب (The First Written Constitution in the World) لکھی، جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

''میثاقِ مدینہ'' رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن و سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کے ہر جوہر سے مزیّن ہے، یہ وہ تاریخی منشور ہے، جس کی بدولت رسول اکرم ﷺ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب پر اسلام کے فلسفۂ عدل و انصاف کی بناء پر آزادی اور حصولِ انصاف کا حق حاصل ہوا، رواداری اور مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا۔ ہر قسم کے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہوا۔ رواداری، امن و سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

☆...... اس معاہدے کی بدولت مدینۂ منورہ کی شہری ریاست کا آغاز ہوا اور آنحضرت ﷺ مخالفین و لواحقین دونوں کی طرف سے اس ریاست کے سربراہ تسلیم کرلیے گئے اور اس طرح آپؐ عدل اجتماعی پر مبنی ایک بین الاقوامی معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف ہوگئے۔

☆...... اس معاہدے کی بدولت بقول سرولیم میور، آپؐ نے ایک عظیم مدبّر حکومت اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال، مختلف العقیدہ اور آپس میں منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے سرانجام دیا، آپؐ ایک ایسی ریاست اور ایک ایسے معاشرے کا آغاز کرنے میں کامیاب ہوگئے، جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔

☆...... اسی معاہدے نے ظلم، نا انصافی، عدم مساوات اور ایسی ہی دیگر خرابیوں کا سدباب کیا۔ عربوں کے قتل کا بدلہ لینے کا پرانا انفرادی طریقہ ختم کرکے اسے اجتماعی فریضہ قرار دیا، کمزوروں، ناداروں اور مظلوموں کی دادرسی کا پورا پورا اہتمام بھی اسی معاہدے کی رو سے ہوا۔

☆...... اسی معاہدے نے شہریوں کے اندر قانون، اخلاق، مذہب اور انسانی قدروں کے احترام کا بھرپور جذبہ پیدا کیا۔

☆...... آنحضرت ﷺ کے جاری کردہ اسی نظام کی بدولت عدلِ اجتماعی پر مبنی ایک مضبوط اسلامی ریاست اور صالح معاشرہ معرضِ وجود میں آیا۔

خطبۂ حجۃ الوداع: عدلِ اجتماعی کا ابدی پیغام:

اس موقع پر آپؐ نے فرمایا:

''الیوم استدار الزّمان کھیئتہ یوم خلق اللہ السّموات والارض''(۱۲۱)

Marfat.com

''آج زمانہ ہر پھر کر اسی مرکز پر آ گیا جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا''۔

یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا جس نے تمام خود ساختہ قوانین، سیاسی تکلفات اور مظالم سے لبریز شاہانہ نظام ہائے سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔

اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون' جس کی حکومت خدا کی حکومت، اور جس میں ہر فرد ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔

اسی کا اعتراف ''THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENSE'' کا مصنف مغربی مورخ ایڈورڈ اے۔ فری مین کرتے ہوئے لکھتا ہے!

''محمد ﷺ وہ عظیم مقنن تھے جن کی قسمت میں اپنے عہد کی دنیا کو مکمل طور پر بدل ڈالنا اور آنے والے تمام زمانوں میں دنیا پر اہم اثرات مرتب کرنا لکھ دیا گیا تھا''۔(۱۲۲)

اور تمام آثار جاہلیت خون بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں، البتہ بیت اللہ کی نگہبانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا۔ اور قتل عمد جان بوجھ کر قتل پر قصاص ہے، اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے اس میں سو اونٹ کی دیت ہے۔ اور جس نے زیادتی کی (قصاص و دیت میں عدم مساوات/ عدل و انصاف سے انحراف) وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔ سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ۔ ...... اے اہلِ قریش! اللہ نے تم کو جاہلیت کی نحوست اور غرور نسب سے پاک کردیا۔ لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدم کی اولاد ہو) اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے (پیدا کیا گیا ہے) (پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی)!

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے۔ بلاشبہ اللہ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے''۔

نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سرخ فام سیاہ فام پر۔ فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے...... غور سے سنو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے۔ خبردار! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو، اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے باپ پر ہو...... اور حق تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بھی باز پرس ہوگی اور تم سے بھی۔(۱۲۳)

اسوۂ رسولؐ اور تعلیماتِ نبویؐ میں عدلِ اجتماعی کے تابندہ نقوش:

پیغمبر صادق و امین ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا مظہر تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرہ نمائے عرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمّے داری آپؐ پر آ پڑی تھی۔ آپؐ اذیت و مصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے، ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپؐ منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے، لیکن آپؐ کے حُسنِ اخلاق نے عدل و انصاف کی

Marfat.com

شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔ آنحضور ﷺ کے سامنے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم رہا جس میں عدل قائم کرنے کے لیے کہا گیا۔

ارشادِ باری ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(۱۲۴)

''اے ایمان والو، اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ عدل چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو کہ یہی حق کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔''

آپؐ کے فیصلوں اور آپؐ کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے کبھی عدل و انصاف (اور عدلِ اجتماعی) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا، جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے وہ روایت کافی ہے، جسے ابنِ ہشام نے نقل کیا ہے۔

اسوۂ نبویؐ اور بے لاگ عدل کی ایک روشن مثال:

آپؐ نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اعلان کیا کہ اگر میرے ذمّے کسی کا قرض آتا ہو، یا میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو، تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا، جو اسے دلوا دیے گئے۔(۱۲۵)

منارِ رُشد و ہدایت، سحابِ رحمت وجود   مرے رسول کا اُسوہ، مرے نبی کا وجود

(حفیظ تائب)

عدل کی بالادستی کا ایک تاریخ ساز واقعہ:

اہلِ طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں ایک عرب سردار صخرؓ کا خاص کارنامہ ہے کہ اس نے محاصرہ کرکے انہیں اس صلح پر تیار کیا، لیکن اسی صخرؓ کے خلاف دو شکایتوں پر آپؐ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ نے شکایت کی کہ اس کی پھوپھی، صخرؓ کے قبضے میں ہے۔ آپؐ نے اسے نہ صرف چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ اسے گھر پہنچا آو۔ اس کے بعد بنو سلیم نے کہا کہ جس زمانے میں ہم کافر تھے، صخرؓ نے ہمارے چشمے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اب ہم اسلام لے آئے، ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ آپؐ نے صخرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہوجاتی ہے۔ اس لیے ان کو ان کا چشمہ واپس دے دو۔ صخرؓ کو منظور کرنا پڑا راوی کا بیان ہے کہ جب صخرؓ نے آنحضور ﷺ کے دونوں احکام منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ:

''وجهُ رسول الله ﷺ يتغيّر عند ذٰلك حُمرةً حياءً'' رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک حیا کے باعث سرخ ہوگیا۔(۱۲۶)

آپؐ نے عادلانہ فیصلے میں اس کے کارنامے کا لحاظ بھی نہ کیا۔ وہ شخص جو عام حالات میں صلہ کا مستحق تھا۔ آپؐ نے دونوں حکم اس کے خلاف دیے۔(۱۲۷)

Marfat.com

عدلِ اجتماعی کے تاریخی فیصلے:

☆...... اسی طرح فاطمہ مخزومیہ کا واقعہ مشہور ہے۔ آپؐ نے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کے خلاف سزا کا فیصلہ دیا، تو آپؐ کے محبوبِ خاص اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی جس پر آپ کو غصہ آیا اور فرمایا:

"انما اَھلکَ الذّین من قبلکُم انّھُم کانُوا اذا سَرقَ فِیھم الشّریف ترکُوہُ واذا سَرقَ فِیھم الضّعیف اقامُوا علیہ الحدّ."(۱۲۸)

"تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اس لیے تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔"

☆...... دارقطنی نے ایک قافلے سے سرخ اونٹ لینے والا واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ دوسرے دن یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو آنحضورﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ طارق محاربی کہتے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہﷺ یہ لوگ قبیلہ بنو ثعلبہ سے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا، اس کے بدلے ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا:

"الاَ لاَ یجنی والدٌ علیٰ ولدہٖ."(۱۲۹) "باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔"

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں، جو آنحضورﷺ کی صفت عدل کو واضح کرتی ہیں۔(۱۳۰)

جب Rule of Law یعنی قانون کی بالادستی کی بات کی جاتی ہے تو اس سلوگن یا ماٹو کے لوازم میں یہ چیزیں از خود شامل ہوجاتی ہیں اور ہونی چاہئیں کہ جرم جرم ہے، خواہ کسی سے سرزد ہو، جرم کے ارتکاب کے بعد کوئی بڑے سے بڑا اور معزز سے معزز آدمی قابلِ رعایت اور ذی وجاہت نہیں رہتا، عزّت و وجاہت صرف پاک صاف اور باکردار آدمی کے لیے ہے۔ مجرم کو بچانے کے لیے سفارش ڈھونڈنا گویا قانون کو بالادست نہیں بلکہ زیردست کرنے کا حربہ ہے، قانون کا نفاذ علیٰ الاطلاق ہو تو اس کی بالادستی کا اقرار بھی ہوتا ہے اور اظہار بھی، خوف اور رعایت جیسے دو عناصر قانون کی بالادستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ قانون کسی کی شکل، نسل، رنگ، زبان، قد، شجرۂ نسب، مال اور عہدہ دیکھ کر حرکت نہ کرے، یہ ہے قانون کی حرمت اور اس کی بالادستی کا تصوّر، خواہ وہ قانون God Made ہو یا Man Made، انسان کے بنے ہوئے قانون میں تو ایسے خلاء ممکن ہیں، جو مجرم کے لیے رعایت نکالیں، یا اس میں ایسے چور دروازے ہوں، جن سے مجرم نکل جائے، کیوں کہ انسان اپنے گردو پیش، مستقبل کے خدشات، دوستوں اور رشتہ داروں کے مفادات و جذبات سے ضرور متاثر ہوتا ہے، شاید انسان پہلے ہی کچھ ایسی شقیں رکھ دے، جو قانون کے نفاذ کے معاملے میں شاہ و گدا میں تمیز کرتی ہوں، امیر اور غریب میں فرق رکھتی ہوں اور قوی اور کمزور میں امتیاز برتتی ہوں، لیکن اللہ کے دیے قانون میں ایسا کوئی عیب، سقم اور خلاء نہیں، کیوں کہ اللہ "الم یلد اور ولم یُولد" ہے، اس کی کوئی برادری اور رشتہ داری نہیں، وہ مستقبل کے کسی اندیشے اور وسوسے سے دوچار نہیں، اس کا کوئی سگا یا سوتیلا نہیں، وہ کسی کی موافقت اور مخالفت سے ماوراء اور بے نیاز ہے، اس لیے اس نے جو کہا اور جو دیا، وہ جامع بھی ہے، محکم بھی، واضح بھی ہے اور اٹل بھی ہے۔(۱۳۱)

Marfat.com

معاہدۂ حلف الفضول جس نے دورِ جاہلیت کے عرب معاشرے میں عدلِ اجتماعی کی ضمانت فراہم کی:

''معاہدہ حلف الفضول'' سرزمین عرب بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیامِ امن، بنیادی انسانی حقوق، مظلوموں اور بے کسوں کی داد رسی کا پہلا تاریخ ساز معاہدہ ہے جس میں شریک ہونے والے رضا کار متحدہ طور سے اپنے شہر مکہ میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کا حق دلاتے۔(۱۳۲)

بیشتر مورخین اور سیرت نگار معاہدہ حلف الفضول کا محرک عہد جاہلیت کے ایک مخصوص واقعہ کو قرار دیتے ہیں وہ یہ کہ بنوزبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض تجارت لایا جسے عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن اس کی قیمت ادا نہ کی وہ داد رسی کی غرض سے مدعی بن کر قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا، مگر عاص بن وائل نے وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک صبح جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے تو اس تاجر نے چند شاکیانہ اور دردمندانہ اشعار پڑھ کر اپنی بےبسی ظاہر کی جس کے نتیجے میں معاہدہ ''حلف الفضول'' عمل میں آیا۔(۱۳۳)ﷺ

جب کہ سید امیر علی نے ایک اور واقعہ کو اس کا سبب قرار دیا ہے! جس میں قبیلہ بنی قین کا مشہور شاعر حنظلہ اگرچہ ایک ہی مرتبہ قریش کے عبداللہ بن جدعان کے زیرِ حمایت مکہ آیا لیکن اس کے باوجود سر بازار لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایک اور واقعہ نے ایسی نازک صورتحال اختیار کر لی کہ اس کا تدارک ضروری ہوگیا۔(۱۳۴)

چنانچہ انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ کی تحریک اور کوششوں کے نتیجے میں بنوہاشم، بنوعبدالمطلب، بنو اسد بن العزیٰ، بنو زہرہ بن کلاب اور بنوتیم بن مرہ عبداللہ بن جدعان جو اپنی قوم کے سردار تھے ان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ ''حلف الفضول'' طے پایا۔(۱۳۵)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: اس معاہدہ ''حلف الفضول'' میں ایک رضا کار جماعت شریک ہوئی جس کا مقصد تھا حدودِ شہر میں ہر مظلوم کی خواہ وہ شہری ہو یا کہ اجنبی، مدد کرنا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنا جب تک ظالم حق رسانی نہ کرے۔(۱۳۶)

الٰہی محبوبِ کل جہاں کو دل و جگر کا سلام پہنچے — نفس نفس کا درود پہنچے، نظر نظر کا سلام پہنچے
بساطِ عالم کی وسعتوں سے، جہانِ بالا کی رفعتوں سے — ملک ملک کا درود اترے، بشر بشر کا سلام پہنچے
زبانِ فطرت ہے اس پہ ناطق، ببارگاہِ نبی صادق — شجر شجر کا درود جائے، حجر حجر کا سلام پہنچے
رسولِ رحمت کا بارِ احساں، تمام خلقت کے دوش پر ہے — تو ایسے محسن کو بستی بستی، نگر نگر کا سلام پہنچے
مرا قلم بھی ہے اُن کا صدقہ، مرے ہنر پر ان کا سایہ — حضورِ خواجہ، مرے قلم کا مرے ہنر کا سلام پہنچے(۱۳۷)

حواشی وحوالہ جات

(۱) محمد متین خالد/ مرا پیمبر عظیم تر ہے، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۱۷۵...... (۲) ابراہیم/۱...... (۳) الاعراف/ ۱۵۷...... (۴) ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۸۶...... (۵) ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۱۳۸...... (۶) بحوالہ: محمد متین خالد/ مرا پیمبر عظیم تر ہے، ص ۱۸۵...... (۷) ایضاً ص ۱۲۷...... (۸) ایضاً ص ۱۲۷...... (۹) مسلمان عربوں کی تاریخ اور فتوحات، ص ۳۱، لندن ۱۸۷۷ء...... (۱۰) راغب اصفہانی/ المفردات فی غریب القرآن، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۶۱ء، ص ۳۲۵...... (۱۱) قرطبی، ابو عبداللہ، محمد الانصاری/ الجامع لاحکام القرآن، بیروت، ۱/۱۶۶...... (۱۲) النسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود/ مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) بیروت، دارالاحیاء الکتب العربیۃ،

Marfat.com

۲/۲۹۷...... (۱۳)ابن منظور الافریقی/لسان العرب، طبعۃ ایران، قم،۱۴۰۵ھ۔ ۱۱/۴۳۱...... (۱۴)آلوسی/روح المعانی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ۱۵/۲۱۷)...... (۱۵)الحدید/۲۵...... (۱۶)النحل/۹۰...... (۱۷)دکتور محمد عمارۃ/ العدل الاجتماعی، ص۲/ نیز دیکھیے: عبدالرزاق کمونۃ الحسینی/ العدل الاجتماعی فی الاسلام، بیروت، مؤسسۃ الاعلیٰ، ص ۱۶...... (۱۸)ابو نصر الفارابی/تحقیق فوزی متری نجار، بیروت، دارالمشرق، ۱۹۲۱ء، العدل الاجتماعی، نیز دیکھیے: عبدالرزاق کمونۃ الحسینی/ العدل الاجتماعی فی الاسلام، ص ۱۶...... (۱۹)مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ/ اسلام اور عدل اجتماعی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳...... (۲۰)قطب شہید/اسلام میں عدلِ اجتماعی، ترجمہ ''العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، مترجم: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص۸۳...... (۲۱)ایضاً ص ۹۷...... (۲۲)سیّد قطب شہید/ اسلام میں عدلِ اجتماعی، ص ۹۷...... (۲۳)ایضاً ص ۹۸...... (۲۴)ایضاً ص ۱۰...... (۲۵)ایضاً ص ۱۱...... (۲۶)ایضاً ص ۱۳۲...... (۲۷)ایضاً ص ۱۹۵...... (۲۸)مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ/ اسلام اور عدلِ اجتماعی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۸...... (۲۹)النساء/ ۵۸...... (۳۰)الانعام/۱۵۲...... (۳۱)المائدہ/ ۸...... (۳۲) قاضی ابویوسف، کتاب الخراج/ مطبوعہ بیروت، ص ۱۱۶...... (۳۳)النساء/ ۵۸...... (۳۴)النحل/۹۰...... (۳۵) النساء/۱۳۵...... (۳۶)ابنِ قیم/ اعلام الموقعین، بیروت، ۳/۱۲۔۱۳...... (۳۷)ابن تیمیہ/الحسبہ، مطبوعات الشعب، ص ۹...... (۳۸)الانبیاء/ ۴۷...... (۳۹)الانعام/ ۱۱۵...... (۴۰)مسلم/الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب قطع السارق وغیرہ والنھی عن الشفاعۃ فی الحدود، ۵/۱۱۴...... (۴۱)ابوداؤد/السنن، کتاب الاقضیۃ، باب فی طلب القضاء ۴/۸، بحوالہ: خالد علوی، ڈاکٹر/ انسان کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۲ء، ص ۴۷۲...... (۴۲) الحدید: ۲۵...... (۴۳)النساء:۱۰۵...... (۴۴)قرضاوی، ڈاکٹر محمد یوسف/کیف نتعامل مع القرآن، ترجمہ: قرآن حکیم اور ہماری زندگی، ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب، لاہور، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۳...... (۴۵)محمد عبدالجبار شیخ/ سیرت مجمع کمالات،ص ۱۵۴، ۱۵۵...... (۴۶)ابوالحسن علی ندوی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلسِ نشریات اسلام، ص ۳۷...... (۴۷) (Robert Briffault) The making of humanity Oxford...... (۴۸)ابوالحسن علی ندوی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلسِ نشریات اسلام، ص ۳۱۔۳۲...... (۴۹) ڈاکٹر صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام ص۶، مترجم محمد احمد رضوی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۵ء...... (۵۰) ڈاکٹر محمد حمیداللہ، خطبات بہاولپور ص ۳۴۱، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۲ء...... (۵۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۹۸، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۴ء...... (۵۲) ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۴/۴۴۵...... (۵۳) ڈاکٹر محمد حمیداللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۱۵۱...... (۵۴) ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۴/۴۴۵...... (۵۵) ڈاکٹر محمد حمیداللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص۸۲، ص۸۳...... (۵۶)الحدید:/۲۵...... (۵۷) النساء /۱۰۵...... (۵۸)المائدہ/۴۲...... (۵۹)الحجرات:/۹...... (۶۰)النحل/۹۰...... (۶۱)النساء/۱۳۵...... (۶۲)المائدہ/۲...... (۶۳)آل عمران/۵۷...... (۶۴)البقرہ: /۲۵۸...... (۶۵)منذری/ الترغیب والترھیب، ص ۲۰۶...... (۶۶)ایضاً ص ۲۰۶...... (۶۷)حوالہ سابقہ، ص ۲۰۶...... (۶۸)محمد عبدالجبار شیخ/ سیرت مجمع کمالاتؐ ص ۲۹۰...... (۶۹)مسلم/ الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب باب تحریم الظلم...... (۷۰)مشکوٰۃ/ باب العمل فی القضاء...... (۷۱)مشکوٰۃ/ باب العمل فی القضاء...... (۷۲)مشکوٰۃ/ کتاب الحدود...... (۷۳)عبدالجبار شیخ، پروفیسر/ سیرت مجمع کمالاتؐ، سیالکوٹ، ادارہ تعلیماتِ سیرتؐ، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۹...... (۷۴)بحوالہ: عزیز احسن/نعت رنگ، اگست، ۲۰۱۲ء...... (۷۵)سیّد واجد رضوی/ پیغمبر رحمتؐ اور انسان کے بنیادی مسائل، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳...... (۷۶)سیرتِ مجمع کمالاتؐ، ص ۶۷۲...... (۷۷)النساء/ ۱۳۵...... (۷۸)المائدہ/ ۸...... (۷۹) گستاولی بان/ تمدن عرب، مترجم سید علی بلگرامی، ص ۱۲۲...... (۸۰) تمدن عرب، ص ۴۲۱...... (۸۱)بحوالہ: محمد عبدالجبار شیخ، پروفیسر/ سیرت مجمع کمالاتؐ، ص ۳۸۲، ۴۸۲...... (۸۲) تفسیر ام

Marfat.com

الکتاب/مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۱۲۷...... (۸۳)الملک/۳ ...... (۸۴)النحل/۹۰...... (۸۵)الروم/ ۳۰...... (۸۶)البقرہ/۱۴۳...... (۸۷)ابن جریر الطبری/تفسیر الطبری، بیروت، داراحیاء التراث لعربی، ۴۲۱۔امام فخرالرازی/التفسیر الکبیر، تہران، مکتبۃ العلوم الاسلامی، مودودی، سیدابوالاعلیٰ/سیرت سرور عالمؐ، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء، ۴۵۹/۲...... (۸۸)مودودی، سیدابوالاعلیٰ/سیرت سرور عالمؐ ۴۶۰/۲...... (۸۹)بنی اسرائیل/۲۹...... (۹۰)سورۃ بنی اسرائیل/۱۱۰...... (۹۱)البخاری، محمد بن اسماعیل/الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح...... (۹۲)ابنِ اثیر/جامع الاصول، ۳۲۳...... (۹۳)ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث/ السنن، کتاب الادب، باب فی الوقار...... (۹۴)ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث/ السنن، کتاب الصلوٰۃ...... (۹۵)سورۃ بنی اسرائیل/۲۹...... (۹۶)سورہ الفرقان/۶۷...... (۹۷)البخاری، محمد بن اسماعیل/الجامع الصحیح، کتاب اللباس...... (۹۸)الممتحنۃ/۸، ۹...... (۹۹)ابن جریر طبری/جامع البیان، قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ ۲۲۔۶۶...... (۱۰۰)یوسف القرضاوی/الحلال و الحرام فی الاسلام۔ ص ۲۲۴...... (۱۰۱)الترمذی، الجامع، ابواب البر و الصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان...... (۱۰۲)ندوی/ سیّد سلیمان، سیرۃ النبیﷺ، ج ۶، ص ۲۳۰...... (۱۰۳)ابن عبدالحکیم/ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، بیروت، ۱۳۸۷ھ، ص ۶۹...... (۱۰۴)سیّد واجد رضوی/ پیغمبر رحمتؐ اور انسان کے بنیادی مسائل، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۴۵...... (۱۰۵)الھمزہ/ ۳، ۴...... (۱۰۶)بنی اسرائیل/۲۶، ۲۷...... (۱۰۷)بنی اسرائیل ۲۹...... (۱۰۸)المطففین، ۱ تا ۵...... (۱۰۹)ابن کثیر/البدایہ والنہایہ ۴۵/۷۔ نیز دیکھیے ابو عبید/ کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۲۳۸...... (۱۱۰)النساء ۱۳۵...... (۱۱۱)النساء:۵۸...... (۱۱۲)الانعام/۱۵۲...... (۱۱۳)الانعام/۱۵۲...... (۱۱۴)بخاری/کتاب الحدود ...... (۱۱۵)خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۲۸۹، ۲۹۰...... (۱۱۶)حکیم محمد سعید/ دانائے سبلؐ، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۴، ۱۰۵...... (۱۱۷)حافظ لدھیانوی/نعت رنگ، کراچی، اگست ۲۱۱۲ء، ص ۳۶...... (۱۱۸)محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/ عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۱۰۶...... (۱۱۹) محمد رسول اللہؐ (مقالاتِ سیرت النبیؐ) لاہور، مطبوعہ شعبہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۷...... (۱۲۰)محمد حمیداللہ، ڈاکٹر/ عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص ۶۷۔ایضاً، رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۵۔ ایضاً، خطباتِ بہاول پور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۳۶...... (۱۲۱) ابن حجر عسقلانی/ فتح الباری ۴۹/۸، دارالمعرفۃ بیروت...... (۱۲۲) EDWARD A. FREEMAN/ THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENS, P.31, LONDON. 1871...... (۱۲۳) علی متقی الھندی/ کنزالعمال ۱۵۹/۵۔ ۱۶۶، دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء...... (۱۲۴)المائدہ/۸...... (۱۲۵)ابنِ کثیر/ السیرۃ النبویہ، بیروت، ۱۹۷۸ء، ۴/ ۴۵۷...... (۱۲۶)ابوداؤد/ السنن، کتاب الخراج، ۳/ ۴۴۸، ۴۵۰...... (۱۲۷)خالد علوی، ڈاکٹر/ خلق عظیمؐ، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۹، ۱۲۰...... (۱۲۸)ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی کراہیۃ ان یشفع فی الحدود ۳۸/۴، ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الشفاعہ فی الحدود، ۸۵۱/۲...... (۱۲۹)دارقطنی/ سنن، کتاب البیوع، ۴۵/۳...... (۱۳۰)خالد علوی، ڈاکٹر/ انسان کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۶۴۹، ۶۵۰...... (۱۳۱)خورشید گیلانی/ الہدیٰ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۴۱، ۴۲...... (۱۳۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ص ۵۸...... (۱۳۳) ڈاکٹر عمر فروخ/ تاریخ الجاھلیۃ ص ۱۳۲، دارالعلم بیروت ۱۹۶۴ء...... (۱۳۴) سید امیر علی/ روح اسلام ص ۸۷، مترجم محمد ہادی حسین، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۲ء...... (۱۳۵) ابن سعد/ الطبقات ۱۲۸/۱، ۱۲۹، دارصادر بیروت، نیز دیکھیے! ڈاکٹر عمر فروخ/ تاریخ الجاھلیۃ ص ۱۳۲،...... (۱۳۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۱۴۴، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۸۷ء...... (۱۳۷)سید نفیس الحسینی/ بحوالہ: محمد متین خالد/ مرا پیمبر عظیم تر ہے، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۵)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

سعدیہ جبیں۔ پشاور

کائنات بے شمار رنگوں کا مجموعہ ہے خالق کائنات کی جہاں اتنی بے شمار تخلیق ہیں وہاں اس کی تمام تخلیقات میں سے ایک انسان بھی ہے جو اس کائنات کی ہر شے کو تسخیر کر سکنے کی اہلیت رکھتا ہے، کیونکہ اللہ نے انسان کو بے پناہ خوبیوں سے مزین کیا ہوا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح اور اٹل ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ اجتماعی زندگی کا محتاج ہے کیونکہ انسانیت ایک اکائی ہے۔ جیسے فرد سے خاندان، خاندان سے قبیلے اور اقوام بنتی گئیں تو مختلف اقوام کے یکجا ہونے سے ان کی زندگیاں مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے باہمی مربوط ہوتی گئیں تو یہ کیفیت افراد کی اجتماعی زندگی کہلائی۔ ابن خلدون معاشرے کا تصور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ان الاجتماع الانسانی ضروری" (۱)۔

انسان کی تاریخ یہی ہے کہ وہ پہلے منفرد تھا پھر وہ انفرادیت سے اجتماعیت میں بدلتا چلا گیا انسان اپنی طبیعت سے تمدن پسند ہے، تمدن نام ہے انسانی اجتماع کا، جب تک انسانوں کا آپس میں مربوط و منظم تعلق نہیں ہوگا تب تک انسان ایک بہتر نظام کی تشکیل میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتا۔

کائنات کی تخلیق میں عدلِ اجتماعی

اللہ تعالیٰ کے عدل کی تکوینی صفت کا اظہار تمام کائنات میں ہے۔ نظامِ کائنات کی ترتیب سے بدنظمی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تعدیل کے ساتھ پیدا کیا ہے، تو اسکا فرض ہے کہ وہ عدل کو اپنا وطیرہ بنائے۔ اصلاح انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اس طرح بنی نوع انسان کے اجتماعی امن کے لیے خالقِ انسان کا پسندیدہ نظام زندگی ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (۲) قائم ہوا۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے احکامات میں ایسا ضابطہء حیات وعتدال تھا جس کی بنیاد فطرت پر تھی۔ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (۳) یہ وہ فطرت صالح ہے جو انسان کو برائی (منکر) سے دور رکھتی ہے اور نیکی (معروف) سے اسے قریب کیے رکھتی ہے یہی وہ نعمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے "﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (۴) میں بطور احسان فرمایا ہے۔ اسلئے انسان کو چاہیئے کہ خلیفہ کی حیثیت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نظام عدل اجتماعی کو قائم کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ (۵) ''یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے'' خالق کائنات نے صاحب کلام کے ذریعے مکمل نقشہ انسانوں تک پہنچا دیا ہے۔ تا کہ انسان اس کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔ اس تناظر میں درج ذیل آیتِ قرانی کو حکم کے طور پر لیا جا سکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (۶)

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ تم لوگوں میں اس چیز کے

Marfat.com

مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے''۔

اسلام کا اجتماعی زندگی کے بغیر کوئی وجود نہیں۔کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرزِ فکر کی اساس اسلام میں اجتماعی عدل کے لئے بنیادی خطوط کو واضح کرتی ہے۔اجتماعی زندگی قیادت کے بغیر ممکن نہیں اور قیادت اطاعتِ خداوندی کے بغیر قائم نہیں رہتی۔مقالہ ہذا کے پہلے حصہ کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرزِ فکر کی اساس اسلام میں اجتماعی عدل کے لئے بنیادی خطوط کو واضح کیا گیا کہ عدلِ اجتماعی کا ارتقاء کیسے ہوا؟ جبکہ دوسرے حصہ میں اسلامی عدلِ اجتماعی اور اس کے بنیادی نظریے کی وضاحت کی گئی ہے جبکہ تیسرے حصہ میں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں عدلِ اجتماعی کو مثالوں کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔مقالہ کے آخری حصہ میں اسلامی عدلِ اجتماعی کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔نیز آج کے دور میں عدلِ اجتماعی کے حصول کے تعلیماتِ نبوی ﷺ سے کیسے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔مقالہ ہذا سیرت نگاری کے معروف منہج اور بیانیہ اسلوبِ تحقیق کا امتزاج ہے۔حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ اصلی مصادر سے استفادہ کیا جائے۔جس جگہ ضروری ہوا وہاں پر تشریح وتعبیر کے لیے معاصر کتب سے بھی مدد لی گی ہے۔

1.1 عدل کی لغوی واصطلاحی تعریف

(الف) عدل: عدل مصدر ہے اور اسکا مادہ ع۔د۔ل ہے،عدل اصل میں عربی لفظ ہے۔اردو میں اس کا ہم معنی ہے''انصاف اور برابری'' لسان العرب میں ہے:

> ''عدل، انه مستقیم و هو ضدّ الجور، العدل: من اسماء الله هو الذی لا یمیل به الهوىٰ، العدل الحکم بالحق''(۷)

> ''عدل،اسکا معنی سیدھا اور یہ جور کی ضد ہے،عدل اللہ کے ناموں میں سے ہے یعنی وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا،عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں''

عدل کا لغوی مفہوم ترازو کے دونوں پلڑے برابر کرنا ہے، قائم کرنا یا امور کے درمیان درمیانی راہ کی رعایت کرنے کے ہیں(۸)

> "Justice is a central moral standard in social life, is generally held to have a prominent role in social theory and social action".(9)

(ب) اجتماع: اجتماع سے مراد یکجائی،میل جول،جمع یا اکٹھا کرنا یا ہونا،گروہ،جماعت،معاشرہ (۱۰)

1.2 عدلِ اجتماعی تعریف ومتبادل اصطلاحات

انگریزی میں عدل کو''Social Justice'' کہا جاتا ہے۔اس اصطلاح کو Jesuit Luigi Taparelli نے 1840 میں استعمال کیا۔''عدل اجتماعی سماجی امکانات کی عادلانہ تقسیم اور ثقافتی،علمی، اقتصادی اور فلاحی امکانات اور وسائل کے سلسلہ میں لوگوں کا مساوی استفادہ کرنے کے معنی میں ہے۔''(۱۱) زندگی کے مختلف شعبوں میں مجموعی طور پر اختیار کیا جاتا ہے،زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں وہ فکر اور عمل،ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔(۱۲)

Marfat.com

هو تحقیق الکفایة للجمیع البشر (۱۳) ''تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنا عدل اجتماعی ہے۔''

"An interactive process whereby members of a community are concerned for the equality and rights of all."(14)

عدل کا لفظ قرآن کریم میں 13 مرتبہ وارد ہوا ہے (۱۵) عدل کے لئے کئی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قضا: عدل کو عربی زبان میں 'قضا' کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ﴾ (۱۶) ''اور اللہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے''. قضا کے نقطۂ نظر سے عدل کرنے کا مفہوم عموماً یہ بھی لیا جاتا ہے کہ حکومت کے معینہ ادارے کی طرف سے قرآن وسنت اور شرعی احکام کی روشنی میں عامۃ الناس کے باہمی تنازعات کا تصفیہ کر دیا جائے'' (۱۷)

ایڈورڈ ولیم لین کے مطابق امورِ معاملاتِ قضا میں درست اور برابری کا رویہ اختیار کرنے کو عدل کہتے ہیں (۱۸)

۲۔ قسط: قسط کا لفظ قرآن کریم میں 15 مرتبہ وارد ہوا ہے (۱۹) قسط و عدل کو انبیاء کی بعثت کے لیے ایک اہم مقصد جانا گیا ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۰) ''اور ماپ اور تول انصاف کیساتھ پوری پوری کیا کرو''۔

قسط کے معنی ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق اس کا حصہ مل جانا ہے۔ یعنی عدل کی وہ کامل شکل جس مین باریک بینی سے حقوق کی ایسی تقسیم ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق اس کا حصہ مل جاتا ہے (۲۱) دوسرے مواقع پر ان تمام معانی کے لیے ایک جامع معنی اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: ''ہر چیز اپنی مناسب جگہ پر اس طرح سے ہو کہ وہ کمالات میں سے وہ حصہ جس کی وہ صلاحیت رکھتی ہو اسے لے لے۔''

۳۔ میزان: عدل اور اس کا قیام ہی وہ محور ہے جس کے گرد زندگی کا پورا نظام گردش کرتا ہے اور کائنات کو تخلیق کا مرکزی نکتہ بھی میزان ہی کا قیام ہے۔ یہ لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۲)

''یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں''

اس آیت میں میزان سے مراد عدل ہے جیسا کہ مجاہد اور قتادہ وغیرہ مفسرین نے کہا ہے۔ (۲۳)

۴۔ عدالت: عدالت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، دوسروں کے حقوق ادا کرنا اور اپنے حقوق کا لینا عدل ہے، عدل افراط اور تفریط کی درمیانی حالت ہے۔ قرآن کریم عدل کی جامع اور مثبت اصطلاح کو ظلم، فساد، عدوان اور طاغوت کی اصطلاحات کی مخالف اصطلاح کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جو لوگ زمین میں فساد اور ظلم پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عادل، مطیع اور متقی بندوں کے ذریعے تبدیل کرتا ہے تاکہ زمین میں قیام عدل ہو اور انسان افراط و تفریط

Marfat.com

کی جگہ متوازن طرزِ حیات اختیار کرسکیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں: ''عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے ہے: ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو، دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے.....''۔ یہ ہے وہ عالی قدر نمونہ کہ اگر مجرم اپنی اولاد بھی ہو تو اسے معاف نہ کیا جائے۔(۲۴)

مختلف تعریفوں کی روشنی میں عدل اجتماعی کی متفقہ تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ عامۃ الناس کے باہمی تنازعات کا عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے، دوسروں کے حقوق ادا کرنے اور افراط اور تفریط کی درمیانی حالت کا نام ہے۔

1.3) عدلِ اجتماعی کا تاریخی ارتقاء

اسلام سے قبل معاشرے کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف معاشرے معاشی اور سماجی تفاوت میں انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے جیسا کہ ایران طبقات میں بٹا ہوا تھا، یونانی اور رومن معاشرے کے حالات بھی ایران سے مختلف نہ تھے۔قدیم ترین قوم ایروکیز Iroqueis جو کہ جنگی قیدیوں کو کھا جاتے تھے ان کے عدل و انصاف کا تصور صرف اسی حد تک تھا کہ قدرت نے انہیں سب سے بہتر بنایا تھا اور وہ زمین کے سردار Lords ہیں اور یہ کہ غیر یونانیوں کا حق صرف یہ ہے کہ وہ یونانیوں کی غلامی کریں۔یونانی غیر یونانیوں کو باربارین Barbarian کہتے تھے یونان کا سب سے بڑا فلسفی ارسطو غیر یونانیوں کے بارے میں یہ فیصلہ دیتا ہے کہ: "Nature intended barbarians to be slaves"(۲۵) ''فطرت نے انہیں یونانیوں کا غلام بننے کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے متعلق یونانی اپنی صوابدید پر جو چاہے عمل کرسکتا ہے''۔

جب رومی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تو بادشاہ جسٹینین نے قوانین کا ایک مجموعہ مدون کروایا جو Justinian Codes کے نام سے معروف ہوگیا۔ رومی قوانین کے مطابق جس ریاست کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات نہ ہوتے ان کے باشندوں میں سفراء کے علاوہ باقیوں کو غلام بنانا اور ان کی جائیداد چھین لینا جائز اور درست تھا۔(۲۶) روم کے وحشی فاتحین نے ایک ہی لمحے میں پشتوں سے جمع خزائن پر قبضہ کرلیا.......... رکنِ مجلس قانون ساز کا پہلا اقدام یہ تھا کہ وہ قیامِ امن و انصاف سے قبل عمارات گرا دے۔(۲۷)

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ عدلِ اجتماعی کا تصور تاریخ میں نہیں تھا۔ان پر پیچ مسائل پر قابو پانے اور حالات کا رخ موڑ دینے کے لئے آنحضرت ﷺ نے دنیا کے سامنے نسلِ انسانی کی وحدت کا انقلابی نظریہ اس وقت پیش کیا جب انسان قبائل و اقوام کے اونچے نیچے طبقات میں بٹا ہوا تھا اور ان طبقات کا باہمی فرق ایسا ا تھا جتنا انسان و حیوان، آزاد و غلام کا فرق ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے قومی، لسانی اور نسلی امتیازات کا خاتمہ کرتے ہوئے نہ صرف عدلِ اجتماعی کے لئے حقوق متعین کیے بلکہ ان کا تحفظ بھی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے علاقائی، لسانی اور نسلی قوموں کی بجائے ایک بین الانسانی اور عالمگیر امت کا تصور پیش کیا ہے اور کسی خاص فرد یا نسل کے تقدس کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا اس کے برعکس قرآن نے تمام بنی نوع انسان کی بلاتفریق مذہب و ملت تکریم و تقدیس کا اعلان کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾(۲۸) ''یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی

Marfat.com

پیغمبر اسلام ﷺ چونکہ اسلام کی عادلانہ فکر کے داعی تھے اور یہ حقیقت ہے کہ سیرت طیبہ کو جس قدر اپنایا جائے گا انسان کے اندر اتنی ہی وسعت قلبی اور عالی ظرفی پیدا ہو گی. عدلِ اجتماعی کی بدولت معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے اور سوسائٹی جذبہ خیر کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (۲۹)۔

1.4) عدلِ اجتماعی کی اہمیت، قرآنی دلائل کی روشنی میں

''العدل'' اللہ کے ناموں سے ہے۔(۳۰) یعنی وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا، سراپاء عدل اور مجسم انصاف، عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں تاہم متعدد آیات میں اس کی شان کا ذکر موجود ہے۔

اسلام کے پاس حقیقی اور مکمل فکر موجود ہے۔ اس کے فکری مآخذ قران حکیم، حدیث نبوی اور اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتماعی خالق ومخلوق، کائنات، حیات، انسان کی انفرادی زندگی، اجتماعی اور قومی زندگی، ریاست، بین الاقوامی زندگی، موجودہ اور آئندہ نسلوں کے باہمی تعلقات کی بحالی کا ضامن ہے۔ کائنات کا نظام ہو یا انسان کی روحانی یا عملی اصلاح کا نظام، ان سب کی بنیاد عدل پر ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے تقویٰ کا راستہ عدل کو قرار دیا۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۳۱)

''اور کسی قوم کی سخت دشمنی بھی تمھیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو، عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے''۔

عدل کا محض ایک لفظ تعلیماتِ اسلامی کی اساس پر محیط ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے، بے شمار آیتوں میں عدل کا ایک واضح تصور پیش کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیلات قرآن مجید کی متعدد آیات میں ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۳۲)

''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو''۔

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُم ﴾ (۳۳) ''مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔

اسی لیے اللہ نے عدل کا حکم دیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۳۴) '' بے شک اللہ عدل (انصاف) اور احسان (نیکی) کا حکم دیتا ہے''۔ ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ﴾ (۳۵) ''اور کہہ دے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے''۔ قرآن مجید نے رسولوں کو مبعوث فرمانے اور آسمانی کتابوں کو نزل فرمانے کا اصل مقصد ''قیام عدلِ اجتماعی'' قرار دیا۔

1.5) عدلِ اجتماعی کی بنیادیں احادیث نبویؐ کی روشنی میں

احادیث نبویؐ میں بھی عدلِ اجتماعی کی بہت زیادہ اہمیت آئی ہے۔ جیسا کہ مقالہ کے پہلے حصہ میں اجتماعیت کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کے کام کرنا اور امور خیر میں تعاون کرنا انسانی معاشرے کی فلاح کے لیے ضروری ہے۔

Marfat.com

آپؐ نے ان کے اتحاد کی مثال بیان فرمائی: ''المؤمن للمؤمنين كالبيان يشد بعضه بعضا''. (۳۶) پھر اسکو جومانی اعضاء کی تشبیہ دے کر معاشرے کو انسانیت کی نزاکتیں سمجھائیں کہ گویا پورا معاشرہ بھی ایک فرد سے اس کے ساتھ خدمت کا تعلق بتاؤ، مخاصمت کا نہیں۔

''مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكىٰ منه عضوا تداعىٰ له سائر الجسد بالسهر والحمىٰ))(۳۷)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایک عمارت کی مانند ہیں۔ اس ایک کا حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔

((فان عدلوا فالى نفسهم و ان ظلموا فعليها)) (۳۸)

''اگر وہ انصاف کریں تو ان کے لئے فائدہ مند ہے اور اگر ظلم کریں تو ان کے لئے وبالِ جان ہے''

حدیثِ مبارکہ ہے ''ليس منا من دعا الى عصبية و ليس منا من قاتل علي عصبية و ليس منا من مات علي عصبية''(۳۹) (وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کی دعوت دی اور وہ ہم میں سے نہیں، جوعصبیت پر لڑا، وہ ہم میں سے نہیں، جوعصبیت پر مرا)۔

استفسار کرنے پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ان تعين قومك على الظلم'' (۴۰) (کہ تم ظلم میں اپنی قوم کی اعانت کرنے لگو)

اس حدیث پر عمل کے نتیجے میں جو مزاج بنتا ہے وہ عدلِ اجتماعی کا مزاج ہے، ہر ایک سے بھلائی کرتے رہنا، یہ سب جذبہ عدلِ اجتماعی کی ہی تشریح وتوضیح ہے۔ اس کا نازل کردہ قانون (شریعت محمدیہ) سراپا عدل ہے۔ عدلِ اجتماعی کی اہمیت قرآن واحادیثِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی ریاست عدلِ اجتماعی کا قیام کس طرح انجام دیتی ہے اور اس کے قیام کی صحیح صورت کیا ہے اور وہ کون کون سے عناصر ہیں جو درحقیقت اپنے دامن میں چند مستقل اور پائدار فوائد و مصالح لئے ہوئے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل اور اس کے مندرجات کی وضاحت مندرجہ ذیل نکات کے تحت کی جا سکتی ہے۔

2. اسلامی ریاست کا مقصدِ وجود

انسانی معاشرت کے تمام بنیادی اداروں میں ریاست کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ ریاست انسان کی اجتماعی قیادت کا نام ہے۔ کیونکہ کسی معاشرے کی اجتماعی اقدار اس کی سالمیت کا تحفظ، امن وسلامتی اور نظم وضبط کی تمام تر ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ ریاست کسی خطہ زمین پر رہنے والے افراد کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کو منضبط اور ان کے مفادات و مقاصد کو ہم آہنگ کرتی ہے۔ اسلام ایک دین کی حیثیت سے ریاست کے لئے چند خاص اصول رکھتا ہے۔ یہ کہ انسانی زندگی میں عدل اجتماعی قائم ہو اور ظلم وجور ختم ہو جائے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾(۴۱)

Marfat.com

''محض امن کا قیام، قومی سرحدوں کی حفاظت، عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا ریاست کا آخری اور انتہائی مقصد نہیں ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیت جو اسے غیر مسلم ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرے جن سے اسلام انسانیت کو آراستہ کرنا چاہتا ہے۔ اور ان برائیوں کو مٹانے اور دبانے میں اپنی ساری طاقت خرچ کردے جن سے اسلام انسانیت کو پاک کرنا چاہتا ہے۔''(۴۲)

''ایک اسلامی ریاست اپنے ہر شہری سے خدا اور رسول کی وفاداری کا حلف لے کر اس کو شہری حقوق کی ضمانت دیتی ہے۔ اور ایک لادینی جمہوریہ خدا اور رسول کے بجائے ملک، قوم اور دستور کی وفاداری کے عہد بدلے میں شہری حقوق بخشتی ہے۔ دونوں میں وفاداری کا محور الگ الگ ضرور ہیں۔ ایک میں وفاداری کے محور قوم اور دستور ہیں۔ دوسرے میں اللہ، رسول اور قرآن۔ لیکن یہ فرق تو محض ظاہری فرق ہے۔ اصلی چیز تو ایک مشترک اور بالاتر وفاداری ہے جو اجتماعی نظام کے لیے سنگِ بنیاد کا کام دے سکے۔ اور یہ چیز دونوں نظاموں کے اندر بالکل ایک ہی درجہ کی اہمیت کے ساتھ یکساں طور پر موجود ہے۔(۴۳)

جدید ریاست کے سیاسی مفہوم کے اعتبار سے عدالت وقضاء کے حوالہ سے یہ امر انتہائی اہمیت رکھتا تھا کہ وہاں امن و امان کی صورت حال بہتر بنائی جائے اور مختلف رنگ ونسل اور عقیدہ کے حامل طبقات میں تقارب واستحکام پیدا کیا جائے۔(۴۴)

جیسا کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو ''ذمی'' ہونے کی حیثیت سے کئی امتیازات دیئے ہیں۔ انھیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے استثناء حاصل ہے۔ وہ دفاعی خدمات سرانجام دینے کے پابند نہیں ہیں۔ انھیں معمولی شرح سے جزیہ ادا کرنا ہوگا اور اگر اسلامی حکومت چاہے تو اسے معاف بھی کرسکتی ہے۔ جزیہ وخراج کے معاملہ میں ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوں ہے۔ ان کے ساتھ نرمی اور رفق کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر ایسا بار ڈالنے سے منع کیا گیا ہے جسے اٹھانے کی اُن میں قدرت نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ: ''لا یکلفوا فوق طاقتھم''(۴۵) ''جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو اس کے ادا کرنے کی انہیں تکلیف نہ دی جائے''۔

یہ اجتماعی شیرازہ بندی ہی ہے جس پر دنیا کی تعمیر اور خلافت وریاست کا دارومدار ہے۔ اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر شہری کو ہر قسم کے ظلم وتعدی سے بچاتے ہوئے عدلِ اجتماعی کا قیام ممکن بنائے۔ جس طرح ریاست کو افراد سے اپنے حقوق وصول کرنے کا اختیار ہے ہیں اسی طرح ریاست پر بھی لازم ہے کہ افراد کے حقوق انہیں ادا کرے۔ اس مستقل دستور کو اگر عملاً نافذ کر دیا جائے تو عدلِ اجتماعی قائم ہوتا ہے۔

سیاست شرعیہ کے اہداف کا حصول

انسان کا دنیا سے گہرا تعلق ہے۔ اور دنیا کی اصلاح فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسان بہتری کے لئے کیا کام کرتا ہے، امام غزالی کے نزدیک:

''ہر فرد انسانی تخلیق کی رو سے تنہا نہیں رہ سکتا بلکہ اجتماعی نظام بنانے پر مجبور ہے، یہ نظام فرد سے شروع ہوکر امت اور حکومت کے نظم پر ختم ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ شہری نظم، ارضی بندوبست، عدالت، فوج، قانون جیسے سیاسی امور کو تعلق ہے۔''(۴۶)

اسلامی نظامِ حکومت میں عدل جزو لانفیک کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ دینی سیاست کے اندر اہداف کے حصول پر نگاہ

Marfat.com

ہوتی ہے لیکن اس کا عملی طریقہ خلاف شریعت نہیں ہوتا۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾(۴۷)
علامہ ابن قیم کہتے ہیں۔

''ان مقصوده اقامة العدل بين عباده وقيام الناس بالقسط فأ ى طريق استخرج به العدل والقسط فهه من الدين ليست مخالفة له''(۴۸)

''اللہ تعالیٰ کا مقصود بندوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور انصاف پر لوگوں کو مضبوط کرنا ہے اور وہ طریقہ جس سے عدل و انصاف کی نمو ہو گی وہ صرف دین ہے۔ اس سے ہٹ کر نہیں،اب جس طریقے سے بھی عدل و انصاف کی نمو ہو گی وہ دین سے ہو گا، دین کے خلاف نہ ہو گا''۔

اور پھر عدل کو تقویٰ کا مختصر ترین راستہ قرار دیا﴿اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (۴۹)

عدل ایک تو عدالتی معاملات میں ہے اور ایک عدل،عدلِ اجتماعی ہے کہ جس کا جو اور جتنا حق بنتا ہے اسے لوٹا دیا جائے۔ امت محمدیہ کے تو وجود کا مقصد ہی ''دعوت الی الخیر'' ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر والی امت قرار دیا اور خیر والی امت کے بارے میں قرآن حکیم کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے:﴿کُنتُم خَيرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاس﴾(۵۰)''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔'' سیاسی سطح پر عدلِ اجتماعی کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔یہ اپنوں اور غیروں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

(ب) قیام عدل اور حاکمِ وقت کا کردار

انسان کی معاشرتی زندگی کے آغاز ہی سے قیادت اور اختیار و اقتدار کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ قائم رہا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے عدل کے قیام کی اجتماعی ذمہ داری حاکمِ وقت پر ڈالی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((من ولي عن امر الناس شيئاً ثم اغلق بابه دون المسلمين او المظلوم أو ذي الحاجة أغلق الله دونه ابواب رحمته عند حاجته وفقره أفقر ما يكون إليه))(۵۱)

''لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مند انسانوں پر بند کرے تو اللہ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازوں کو اس کی اس ضرورت اور محتاجی پر بند کر لیتا ہے جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر ہوتا ہے۔''

''اسلامی اصول ملکیت کے مطابق اسلامی ریاست کا تمام علاقہ مسلمانوں کے امام (حکمران) کے اختیار میں داخل ہے اور اس کا یہ اختیار امت مسلمہ کا اجتماعی اختیار ہے''۔(۵۲)اسلامی قوانین پر ریاست میں مکمل طور پر عمل کروانا حاکمِ وقت پر لازم ہے اور مملکت کے تمام لوگوں کو انصاف کی فراہمی مسلمان حاکمِ وقت کی ذمہ داری ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہریوں کہ اس حق کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

''والله ما فيكم اقوى عندى من الضعيف حتى آخذ له الحق ولا الضعيف عندى من القوى حتى اخذ الحق منه'' (۵۳)

Marfat.com

''اللہ کی قسم میری حکومت میں ایک بے اثر سے زیادہ با اثر کوئی نہیں ہے جب تک میں اس کو اس کا حق نہ دلوا دوں اور ایک با اثر سے زیادہ بے اثر نہیں ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں۔''

اسلامی قانون کی رو سے اگر کوئی سربراہ حکومت اپنی شخصی حیثیت میں غلطی کرے گا تو اس سے قانون کے مطابق ایسا ہی سلوک ہو گا جیسا کہ کسی دوسرے عام شہری سے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں کئی مثالیں قائم کی ہیں۔ آپ نے ذاتی معاملات میں اپنی ذات کو قصاص کے لیے پیش کیا۔ آپ کی اس سنت پر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور دوسرے کئی خلفاء نے بھی عمل کیا۔ خلفاء اسلام اور مسلمان حکمرانوں کے اسی طرز عمل سے فقہاء نے یہ اصول اخذ کیا کہ:

''ان الإمام لا یکون قاضیا فی حق نفسه'' (۵۴) ''کہ حکمران اپنے حق میں قاضی نہیں ہو سکتا''۔

خلفاء راشدین کے علاوہ عباسی خلیفہ منصور اور اندلسی خلفاء نے مختلف مواقعوں پر عام عدالتوں کے سامنے خلیفہ ہونے کے باوجود پیش ہوتے رہے اور عدالتوں میں سربراہ حکومت ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ کوئی استثنائی سلوک نہیں کیا جاتا تھا (۵۵)۔

اسلام کی رو سے حاکم حقیقی اعتبار سے اللہ ہی ہے انسان کو فقط نیابتِ الٰہی کا حق دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ ہر حال میں عدل و انصاف کو قائم رکھیں۔ نظام عالم کے لیے عدل و انصاف سے بڑھ کر اور کوئی چیز ضروری نہیں، بلاشبہ حاکم عادل کا وجود اس عالم کے لیے سایۂ رحمت الٰہی ہے اور اسکی عدل کش حاکم کا تسلط عذاب الٰہی ہے جو بندوں کی نافرمانیوں کی پاداش میں ان پر نازل کیا جاتا ہے۔

(ج) امر بالمعروف والنہی عن المنکر

اللہ کی زمین پر اس کا حکم اور نظام قائم کرنے کے لیے اہل ایمان میں ایک ایسی منظم جماعت ضروری ہے جس کا ہدف صرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کا نافذ کرنا ہو۔ اس جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے أُمَّةً وَّسَطًا انسان پر شہادت کا یہ فریضہ مطالبہ کرتا ہے۔ گویا نظام عدل کے قیام کے لیے ایک ایسی امت وسط کی ضرورت ہے۔ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حصول ممکن بنائے۔ کیونکہ اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد اقامتِ دین ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (۵۶)

گویا قرآن مجید نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ اقامتِ دین کے دو پہلو ہیں امر بالمعروف (نیکیوں کا حکم) اور نہی عن المنکر (برائیوں کا سدِ باب) قرآنی آیت سے استنباط کرتے ہوئے بالشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام اجتماعی اداروں کی غرض و غایت بھی امر و نہی ہے۔ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ملت اسلامیہ کی بنیادی اخلاقی قدر ہے کیونکہ اس کا مقصد عدلِ اجتماعی کا قیام ہے۔'' (۵۷)

انسان اجتماعیت کے رشتے میں منسلک ہے اس لئے اسلامی حکومت کے لئے ضروری ہے کہ عدلِ اجتماعی کو حرزِ جان بنایا جائے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور عدل احتساب کی کڑیاں ہیں جو باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ احتساب دراصل حساب لینے والا، خلافِ شرح باتوں کی ممانعت کرنے والا حاکم، کوتوال جو اوزان اور پیمانوں کی پڑتال کرے اور خلافِ شرح باتوں کو روکے۔ (۵۸)

Marfat.com

عدلِ اجتماعی کے اسی تصور یعنی یکساں عدل وانصاف پر اسلامی ریاست کی اساس استوار ہوتی ہے۔

(د) نظام شوریٰ کا قیام

اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سربراہِ ریاست مسلمانوں کے مشورے اور ان کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہئے۔اور اسے حکومت کا نظام بھی مشورے سے چلانا چاہئے۔(۵۹)

Shura is the "basic Spirit of Islamic Society which runes through its veins,its organs,instituations and associations in general".(60)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾(۶۱)

جن امور میں وحی میں رہنمائی نہیں کی گئی ان میں نبی ﷺ صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔مثلاً میدانِ جنگ اور متعلقہ امور،غزوہ ء بدر کے موقع پر چشمہء بدر پر ڈیرے ڈالنا۔(۶۲) خندق کھودنے میں مسلمانوں کی رائے(۶۳) قرآن مجید نے اربابِ اختیار (سربراہِ ریاست) کے لئے اولی الامر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۶۴)

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں صاحب اقتدار ہیں''

اولی الامر سے مراد اسلامی ریاست کا بلند ترین منصب ہے۔ علامہ طنطاوی نے اولی الامر سے مراد مسلمانوں کی اہل وعقد کی جماعت لی ہے(۶۵)۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت کا نظام باہم مشورے سے چلایا جائے۔یہ بڑے وسیع اختیارات ہیں جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں انہی اختیارات کے اندر عدل اجتماعی کی ضمانت بھی مضمر ہے۔رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عدل کی اصطلاح میں جب توسیع ہوئی اور معاشرتی اور معاشی انصاف کا مفہوم بھی شامل ہو گیا تو یہ کسی فردِ واحد کی کیفیتِ عدلیہ تک محدود نہ رہا، بلکہ اجتماعی حالت عدل بھی اس میں داخل ہوگئی۔

2.2) معاشی عدلِ اجتماعی

اسلام ایسے معاشی نظام کا خواہاں ہے جس میں انسان کی بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں۔اسلامی ریاست نے معاشی عدل اجتماعی کا ایک مثبت تصور پیش کیا ہے۔جس کا بنیادی مفہوم سوسائٹی میں تقسیم دولت اور معاشی دونوں ضرورتوں کو پورا کرنا۔''تا کہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے''(۶۶)۔

(الف) بیت المال کا قیام

معاشی عدل اجتماعی کو قائم کرنے اور مضبوط رکھنے کے لئے بیت المال کو قائم کیا گیا یہ ادارہ معشیتِ اسلامی اور اجتماعی کفالت کا بندوبست کرنے کے لئے بہترین نظام ہے کیونکہ اس سے اسلامی حکومت کے معاشی مسائل حل ہوتے ہیں۔اسلام نے زکوٰۃ،عشر،خمس،جزیہ،صدقات اور اوقاف کا ایک بے مثال نظام پیش کیا ہے۔یہ نظام معاشی توازن قائم رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔اس طرح زکوٰۃ عالمی فلاح کی ایک سکیم ہے۔زکوٰۃ ارتکازِ دولت کی حوصلہ شکنی اور دولت کی منصفانہ تقسیم

Marfat.com

ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ﴾(۶۷)

اور آپ ﷺ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرمادیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کردو)۔

مطلب یہ کہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تمام افراد کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتیں رہیں۔مصارفِ زکوٰۃ میں انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں اسلامی ریاست کے معاشی وسائل میں اضافہ ہا تو آپ نے نئے طبقات کو ریاست کی طرف سے (بیت المال) سے امداد فراہم کی۔

''اگر کوئی بوڑھا آدمی کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آ پڑے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کے اہل وعیال کو مسلمانوں کے بیت المال سے مدد دی جائے گی۔''(۶۸)

''حکومت کی طاقت اور وسائل سے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے جو دنیا میں اسلام کے آنے کا اصل مقصد ہے،اور برائی کو دبایا جائے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض ہے۔''(۶۹)

تاریخ انسانی کے موجودہ دور کو بجا طور پر معاشیات و اقتصادیات کا دور کہا جا سکتا ہے۔زکوٰۃ عشر کی صحیح اور منصفانہ تقسیم معاشی عدم توازن کو جڑ سے اکھاڑنے میں انتہائی مؤثر ثابت ہوتی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے فئی کے مال میں ناداروں کو برابر حصے دار ٹھہرایا گیا اور صدقات کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾(۷۰)

اسلامی مالیاتی نظام میں ٹیکس کے ذریعے معاشی اور معاشرتی دونوں ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔یعنی ایک طرف ریاست کی آمدنی ہوتی ہے تو دوسری طرف اونچ نیچ کا خاتمہ،سید قطب شہید نے معاشی عدل اجتماعی کی وضاعت ان الفاظ سے کی ہے:

''اجتماعی عدل محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔وہ فکر اور عمل،ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔اس کا انحصار معاشی ضرورتوں پر نہیں وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔وہ مادی،معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش امتزاج کا نام ہے''۔(۷۱)

دولت کا استعمال اللہ کے قانون کے تابع ہو جائے یہ قانون فرد اور جماعت دونوں کے مصالح کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتا ہے جس میں نہ فرد کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ جماعت کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔(۷۲)

دینِ اسلام کا مزاج اجتماعی ہے،زکوٰۃ، مالِ فئی اور مالِ غنیمت اجتماعیت لئے ہوئے ہیں یہ اموال جمع بھی اجتماعی طور پر ہوتے ہیں اور خرچ بھی اجتماعی طور پر ہوتے ہیں،اپنی وسعت کے اعتبار سے عدل بھی متنوع المظاہر ہے، اجتماعی عدل میں معاشی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی اور قانونی وغیرہ سب پہلو شامل ہوتے ہیں۔اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی عدیم النظیر مثالیں موجود ہیں۔

Marfat.com

3. سیرت طیبہؐ سے عدلِ اجتماعی کی مثالیں

نبی کریم کی پوری زندگی عدلِ کامل کی آئینہ دار تھی۔ میثاق مدینہ کی رو سے ریاست کے تینوں ستونوں عدلیہ (Jodiciary)، مقننہ (Legeslative) اور انتظامیہ (Executive) کے ذمہ دار اور سربراہ نبی اکرم ﷺ تھے۔

(الف) میثاقِ مدینہ

رسول اکرمؐ نے کمال تدبر کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کیا کہ جس میں "عدلِ اجتماعی" کی روح کارفرما تھی اور فریق ثانی کو یقین ہو گیا کہ ان کے مفادات اور مذہبی معاملات کا خیال رکھا جائے گا۔ میثاقِ مدینہ کی موضوع سے متعلقہ شقیں ملاحظہ ہوں؛

(الف) امت کے غیر مسلم طبقات کو بھی سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔

(ب) دونوں فریق ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں اور ان میں باہمی وفاشعاری ہو گی نہ کہ عہد شکنی۔

(ج) اہل ایمان ہر سرکش اور استحصال بالجبر کرنے والے کو روکیں گے۔

(د) امت کے ہر گروہ کو اندرونی خود مختاری اور مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔(۷۳)

یہودیوں کے ساتھ اس معروف سیرت نگار، محمد حسین ہیکل اس معاہدہ پر تبصرہ کرتے ہیں:

"یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمدؐ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی"۔(۷۴)

(ب) غیر مسلموں کے عدالتی معاملات

میثاقِ مدینہ نے جہاں یہود کے پرسنل لا میں عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کر کے عدل و انصاف کا بول بالا کیا تھا۔ وہاں دستور مدینہ نے انہیں اس بات کا اختیار بھی دیا تھا کہ وہ اپنے معاملات اسلامی عدالت میں لا کر اسلامی نظام عدل سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس امر کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے بعض افراد نے اسلامی عدالت کی طرف بھی رجوع کیا بالخصوص دیت کے معاملے میں یہود کے کمزور طبقات کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا کیونکہ ان کے سابقہ نظام دیت میں بنو نضیر کے مقتولین کو بنو قریظہ کے مقتولین پر برتری حاصل تھی بنو قریظہ کا کوئی شخص اگر بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اس کی پوری دیت ادا کی جاتی جبکہ بنو نضیر کا کوئی فرد بنو قریظہ کے کسی فرد کو قتل کرتا تو مقتول کی دیت نصف ہوتی تھی۔(۷۵) نبی اکرم ﷺ نے ان کے مابین عادلانہ تحکیم فرمائی اور فریقین میں دیت کو یکساں کر دیا۔(۷۶)

آپ نے امن و اختلاف ہر دو صورتوں میں عدالتی بالادستی کو تسلیم کیا، یہودیوں نے بھی اسلامی ریاست کے شہریوں کی حیثیت سے تمام اہل مدینہ (جن میں وہ خود بھی شامل تھے) پر آپ ﷺ کی اتھارٹی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے خصومات میں آپ ﷺ کو حکم بنایا۔(۷۷) مدینہ میں ہونے والے تمام عسکری معاملات میں بھی صوابدیدی اختیارات نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے ہر شخص کو اپنی آزادی رائے رکھنے کی اجازت فراہم کی ہے۔ بشرطیکہ وہ اختلاف رائے کو خون ریزی اور فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنائے۔

Marfat.com

(ج) نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاملہ

نجران کے عیسائیوں کو رحمۃ للعالمین نے جو حقوق دیے وہ عدلِ اجتماعی کی عدیم النظیر مثالوں میں سے ہے۔

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں ان کا مذہب ان کی زمینیں ان کا مال ان کی حاضر و غائب، ان کے وفد، ان کے قاصد ان کی عورتیں، اللہ کی امان اور اس کے رسولؐ کی امان میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا، اور نہ ان کا حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی، اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے، نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسی طرح رہے گا، ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا ورنہ ان پر ظلم ہوگا"۔(۷۸)

اسی طرح آپ ﷺ نے انسان کی رائے اور مسلک کی آزادی کا حق فراہم کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ (۷۹) "دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے"۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ "اسلام کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے اسلامی نظام کے اندر مسلک و مذہب اور فکر و رائے کی آزادی کے لیے ہر شہری کو ایک بڑا وسیع میدان ملتا ہے"۔(۸۰)

(د) اقلیتوں کا دفاع اسلامی حکومت کی ذمہ داری

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو دفاعی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کا دفاع اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی۔(۸۱) اسلام کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ جرم کا ارتکاب ثابت ہونے پر کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتا۔

"ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الکتاب فرفع الیٰ النبی ﷺ: فقال رسول اللہ ﷺ أنا أحق من وفی بذمته ثم أمر به فقتل"(۸۲)

"یعنی ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کردیا اور وہ مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں چنانچہ آپؐ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کردیا گیا"

اسلامی ریاست میں جس طرح مسلمانوں کے مسلمانوں پر یکساں حقوق کا اعلان کیا ہے اسی طرح غیر مسلموں کی جان اور مال کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی اہل کتاب کو قتل کردیا، رسول اللہ کے سامنے معاملہ پیش ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی ذمہ داری ہے اور مسلمان کو قصاص میں قتل کرادیا۔(۸۳)

اسلام کے اجتماعی نظام نے اقلیتوں کے مذہبی عقیدے کے توازن کے لیے نظام عدل کا قیام انتہائی ناگزیر قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے اور پھر رسول کریم ﷺ کے ارشادات و عمل سے اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان، حسنِ سلوک، ہمدردی اور غم خواری کے ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں۔

Marfat.com

(ھ) قضا کی ذمہ داری میں عدلِ اجتماعی کے عملی مظاہر

حضرت علیؓ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا اور ان سے قبل آپ ﷺ خالدؓ بن ولید کو یمن دعوت و تبلیغ کے لیے بھیج چکے تھے لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی کہ وہ خالدؓ اور ان کے اصحاب کی وجہ سے (اہلِ یمن کے ساتھ) ہونے والی بدسلوکی اور نقصان کا تاوان ادا کریں (ان لوگوں سے نرمی کریں) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔'' (۸۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا اعتراف اعداء بھی کرتے تھے۔ ربیع بن خثیم سے روایت ہے کہ بعثت سے پیشتر بھی لوگ اپنے مقدمات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں فیصلہ کے لیے لایا کرتے تھے۔ (۸۵)

(ء) قانونی مساوات کا حق

رحمت للعالمین ﷺ نے انسان کو اس کا قانونی مساوات کا حق دیا ہے آپ ﷺ کا پاکیزہ اسوہ اس جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے، آپؐ اپنی تمام تر رحمت اور الفت کے باوجود حدوداللہ کے معاملے میں کسی کی پروا نہ فرماتے تھے چنانچہ جب حضرت اسامہ نے ایک بارسوخ عورت کی چوری کی سزا معاف کرنے کی سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا:

((فقال: یا ایها الناس انما ضل من کان قبلکم، انهم کانوا اذا سرق الضعیف فیهم اقاموا علیه الحد، وایم الله، لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدیها)) (۸۶)

الغرض آپ ﷺ نے انسان کے جملہ حقوق کا تحفظ فرمایا ہے۔ جو عدلِ اجتماعی کی بنیاد ہے۔ مسجد نبوی کی جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، آپ نے اس وقت تک اس کی بنیاد نہ رکھی جب تک اس کی قیمت ادا نہ کر دی۔ اگر آپ چاہتے تو بلا قیمت واجازت مسجد تعمیر کر سکتے تھے۔ لیکن یہ پیکرِ عدل و انصاف کی شان کے خلاف تھا۔ (۸۷)

(ی) فتح مکہ کے موقع پر عدلِ اجتماعی

پیغمبر اسلام ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر رہنما اوصاف اور کمالات کے پیشِ نظر ایک واضح لائحہ عمل کا درس دیتے ہوئے کل انسانیت کی وحدت اور اجتماعیت کے لئے فرمایا: ''اے لوگو اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر دور کر دیا ہے۔ پس اب دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک نیک متقی شخص جو اللہ کے ہاں معزز ہے اور ایک بدکار بد بخت جو اللہ کے ہاں ذلیل وخوار ہے۔ تمام لوگ آدم علیہ اسلام کی اولاد ہیں۔ اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔'' (۸۸)

اس وحدت نسل انسانی کے عالمگیر اعلان پر پیغمبر اسلام ﷺ نے تمام گروہی، نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کو کالعدم قرار دیتے ہوئے انسانی معاشرہ کی اساس شرف وتکریم انسانیت کے تصور پر قائم فرما دی اور دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾ (۸۹) ہر ایک کے لیے دامن رحمت کا وسیع وعام ہونا در اصل عدلِ اجتماعی کے عملی مظاہر ہیں۔ رسول اللہ کی آپ ﷺ نے کبھی کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقصد کا بے جا استعمال نہیں کیا سیرت طیبہ میں ایسے کتنے ہی واقعات موجود ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدلِ اجتماعی کے تقاضے پورا کرنے میں کسی اہم ترین شخصیت کو استثنیٰ نہ دیا۔ چنانچہ

Marfat.com

آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ایک مثال بھی خلافِ عدل نہیں ملتی۔آپ ﷺ کو ہر حال میں عدل برتنے کا الہامی حکم ملا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت مبارکہ انسانی زندگی کی تمام جہات کے لئے ایک بے مثل نمونہ ہے۔

4. عدل کی اہمیت

انصاف کے تقاضہ کے لیے عدل ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے لہذا کسی معاشرے میں عدل و انصاف کی اہمیت نہیں تو وہ معاشرہ نہ صرف افراط تفریق کا شکار ہو جاتا بلکہ تمام ضابطہ اخلاق بھی مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں اور ایسے میں بالخصوص اسلامی ریاست میں قانون شریعت کا مقصد جو کہ عدل کی بنیاد پر بلا تفریق اور تقسیم قائم ہونا چاہیئے معاشرہ میں موجود افراد اس سے بھی محروم رہ جاتے ہیں قرآن کریم نے زمین پر خلافت الٰہیہ کے قیام کو ان افراد سے وابستہ ومشروط کر دیا ہے جو خود عدل وتوازن پر قائم ہوں۔اسی بنا پر تخلیق انسان کے حوالے سے قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انسان کو بنانے کے بعد اور صحیح شکل وصورت دینے کے بعد اسے ہر لحاظ سے متوازن ومعتدل بنایا گیا ہے۔

قرآن وسنت کے فکری اور نظریاتی وحدت کے تصور پر مبنی اجتماعی اور قومی وحدت کے قیام پر یقین رکھتا ہے جس کے تحت عملی پالیسیوں کی تشکیل ضروری ہے، قرآن وسنت سے انحراف پر مبنی قومی پالیسیاں بنانا، امن عالم اور اسلامی عدل اجتماعی کے منافی ہیں۔اسلامی عدل اجتماعی ایک کامل فکر اور فلسفہ ہے، جس کا صحیح فہم، اسلامی قوانین، قواعد اور ضوابط میں پنہاں حقیقت کو سمجھنے میں ممدومعاون ہوتا ہے۔عوام الناس کو اسلامی عدل اجتماعی کی برکات وفیوضات سے حقیقی معنوں میں بہرہ ور کرانے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف قانون ساز اداروں سے وابستہ افراد اس طرح روحانی الذہن ہوں کہ وہ نظریہ کائنات اور عدل اجتماعی میں کامل انہماک رکھتے ہوں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو معتدل بنا کر نظامِ عدل کے قیام کے لیے قرآن وسنت سے جو اصول، لوازمات اور لائحہ عمل بتائے ہیں۔انھیں جب اور جہاں کہیں اختیار کیا جائے گا معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام کے راستے کشادہ ہو جائیں گے اور جب اور جہاں کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف کیا جائے گا متضاد نتائج سامنے آئینگے۔اگر غور کیا جائے تو نظام عدالت ہو، عدالت میں گواہی ہو، یا خاندانی معاملات میں کسی دو افراد کا گواہ بنانا ہو، ان سب کا قریبی تعلق اس مجموعیت نظام کے ساتھ ہے جس کا قیام اور جس کے لیے جدوجہد کو انسان کا مقصد تخلیق قرار دیا گیا ہے۔مسلمانوں کو اپنے قومی معاملات میں بھی اور بین الاقوامی تعلقات میں بھی عدل وانصاف کو ایک بنیادی اصول کے طور پر اختیار کرنا چاہیے وہ اس رویے کو اس سطح تک لے جائیں کہ اپنی قوم کی حمیت بھی انہیں عدل سے ہٹنے نہ دے اور دوسری قوم کی دشمنی بھی انہیں عدل سے پھرنے نہ دے۔

عدل چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی جگہ پر، ہر جگہ اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے۔کسی بھی ملک یا معاشرے سے عدل کو ختم کر دیا جائے تو اس کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے اور وہ معاشرہ اندرونی بدامنی اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

عدل اجتماعی کی بنیادیں

عدل اجتماعی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار پایا جاتا ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی

Marfat.com

حاکمیت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اپنے معاشی، سیاسی، معاشرتی اور قانونی مسائل کو صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت وفرمان کا تابع کر دیا جائے۔ گویا اسلامی عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد توحید خالص ہے۔ اسلامی عدل اجتماعی ہر فرد کو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ اجتماع دے کر معروف و منکر کی آفاقی بنیادوں کی روشنی میں کسی عمل کو اختیار کرنے یا رَدّ کرنے کا پورا حق دیتا ہے۔

اسلامی عدل اجتماعی تمام انسانوں کو بحیثیت انسان یکساں قرار دیتا ہے۔ البتہ عقل کا مطالبہ ہے کہ اپنے وظیفۂ حیات اور تقسیم کار کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری اور جواب دہی یکساں نہ ہو۔ اس لیے بحیثیت انسان ان کے حقوق وہی ہیں جو ایک مومن اور مسلمان کے، لیکن اپنی ذمہ داری، صلاحیت اور کارکردگی کے لحاظ سے ان کا معاوضہ مختلف ہونا ایک فطری تقاضائے عدل ہے۔

اسلام کے عدل اجتماعی میں تقسیم دولت کی بنیاد استطاعت، صلاحیت اور ضرورت کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایک شخص استطاعت رکھتا ہو لیکن سعی نہ کرے، صلاحیت رکھتا ہو لیکن اپنے اختیار کو استعمال نہ کرے، تو وہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو اپنی صلاحیت اور ذمہ داری کو عدل کے ساتھ ادا کر رہا ہو۔ گویا یہاں بنیاد نہ طبقاتی نظام ہے نہ زیادہ مال اور وسائل رکھنے والوں کی حکمرانی و برتری۔ یہ صلاحیت پر مبنی ایک ایسا نظام امانت ہے جس میں امانتیں صرف ان کے اہل کو ہی دی جاسکتی ہیں۔

> ''اسلام تمام انسانوں کو جدوجہد اور اکتسابِ رزق کے مناسب مواقع کی فراہمی کو بھی معاشرے میں اجتماعی عدل کے قیام کے لیے ضروری قرار دیتا ہے، اور یہ ذمہ داری معاشرے اور حکومت کو سونپتا ہے کہ سب کے لیے مواقع کی فراہمی کو یقینی بنائیں''۔(۹۰)

دولت کی گردش کو برقرار رکھنے کے لیے اسلامی عدل اجتماعی زکوٰۃ، انفاق اور صدقات کے نظام کو مستحکم کرتا ہے جس کے نتیجے میں معاشی طور پر پس ماندہ افراد کو سہارا دے کر خود انحصاری کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی عدل اجتماعی میں تکافل اجتماعی (انسانی ہمدردی اور تعاون کی بنیاد پر) کا تصور اسلامی معاشرے کے قیام کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا۔ دائمی عدل کے اس اصول پر نبی کریم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی یہی اصول آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام (Establishement of World Demoracy) کا باعث بنا۔

عدل اجتماعی کے حصول کے لئے امن پسندانہ رویہ

زمانے کے ہر دور میں انسان کو دنیا میں امن سے رہنے کی فطری خواہش رہی ہے۔ قانون فطرت کے اِتباع میں قرآن اور سنت نے اسلامی طرز حیات کے لیے قواعد وضوابط کا تعین کیا ہے۔ امن، عدل اجتماعی سے قائم ہوتا ہے، جس کا انحصار انسان کے فرائض کی ادائیگی اور ایتائے حقوق کے نظام کے قیام پر ہے۔ انسان کے اخلاقی کمال کا معیار رضائے الٰہی کا حصول ہو، جب ایسے معاشرے کا قیام عمل میں آئے گا، تو ظاہر ہے ہر شخص اس عدل اجتماعی کے تحت امن اور سلامتی سے رہے گا۔

ظلم وعدوان کے خلاف جدوجہد کرنا کا معاملہ بھی بہت اہم ہے ایک پہلو سے دیکھیں تو اسلام کا پیغام ہی امن وسلامتی ہے وہ دنیا سے ظلم وزیادتی کے ہر عنصر کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہے انسانی زندگی کی نشوونما کی بنیاد جان ومال اور آبرو کی حفاظت پر ہے اسلام ان معاملات میں فرد یا اجتماع کی ہر تعدی اور ہر ظلم کو روکتا ہے۔ عدلِ اجتماعی امن پسندانہ رویے کا نام ہے اور اس سے انسان کے اندر ایک خاص وسعت، توازن اور مخلوق خدا کے ساتھ ایک مشفقانہ رویہ پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ اخلاقی طور پر آگے

Marfat.com

بڑھتا ہے اور انسانیت مجموعی حیثیت سے ترقی کرتی ہے۔

حاصل بحث

اس مقالہ میں نبی کریم کی سیرتِ طیبہ سے عدل اجتماعی کے چند گوشوں کو واضح کر کے ان سے نورِ ہدایت اخذ کرنے کی سعی کی گئی ہے، جو اس حقیقت کو واضح کرنے میں ممدومعاون ہوگی کہ انسانیت کے لئے بہترین نمونۂ عمل حضور اکرم ﷺ کی شخصیت سے ہے میسر آسکتا ہے۔ آپؐ کا اسوہ حسنہ، عالم گیر اس لیے آپؐ کی تعلیمات میں ان پیش آمدہ مسائل کے حل کی بنیادیں فراہم کی گئی ہیں۔ دنیا کو اس وقت بالعموم اور وطن عزیز کو بالخصوص جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل سیرت طیبہ کے اندر موجود ہے۔ پاکستان میں اسلام کے عطا کردہ نظام عدل اجتماعی کے قیام کی شدید ضرورت ہے تا کہ پاکستانی معاشرے سے ظلم و جبر کا خاتمہ کیا جا سکے۔ عدل اجتماعی کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کو نظامِ مصطفیٰ کے ہر گوشہ اور پہلو سے بخوبی واقف کرایا جائے۔ تاکہ انسانیت آنے والی عظیم تباہی سے بچ سکے۔ لوگوں کے تمام مسائل صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں حل کیے جائیں کسی خطہ ومقام وقوم کی کوئی قید نہیں۔

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (۹۱)

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے''

دور حاضر نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا یہ عملی پہلو یعنی ہماری زندگی کے لئے ہر پہلو سے نمونۂ عمل ہے خصوصاً آج کے حالات میں اجتماعی سطح پر عالمی صورتحال کے حوالے سے ہمیں اپنی حکمت عملی کو از سرنو متعین کرنا چاہیئے، اسلامی زندگی دراصل اجتماعی زندگی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن خلدون، عبد الرحمان'' المقدمة، اردو ترجمہ، راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی کراچی (س ن)، ص۱/۳۴...... ۲۔ القرآن، آل عمران۳:۱۹...... ۳۔ الروم۲۱:۳۰...... ۴۔ الاعراف ۹:۱۷۲...... ۵۔ فاطر ۳۵: ۱۳...... ۶۔ النساء۴: ۵۰...... ۷۔ ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری (۶۳۰۔۵۱۱ھ) لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ مادہ عدل...... ۸۔ اصفہانی، راغب، امام، مفردات القرآن (دارالمعرفۃ بیروت، س ن) (بذیل مادہ) ص ۳۲۵...... ۹۔ http://www.encyclopedia.com/topic/Social_justice.aspx(As accessed on 19/8/2012۔ Mayer,P.Socialization:The Approch from social Anthropology,London,Tavistock Publication(ed.)11970. ...... ۱۰۔...... ۱۱۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Social_justice (As accessed on 19/8/2012 ...... ۱۲۔ سید قطب شہید، العدلۃ الاجتماعیہ فی الاسلام (دارالشروف، ۱۹۹۳ء) ص ۱۷۰ ...... ۱۳۔ السید عبدالرزاق الحسینی، العدل الاجتماعی فی الاسلام (موسۃ العلمی، للمطبوعات، بیروت. لبنان، ۱۹۸۱ء) ص۵...... ۱۴۔ http://www.websters-dictionary-online.org/definitions/ Social+justice(As accessed on 19/8/2012) ...... ۱۵۔ محمد فواد، عبدالباقی، المعجم المفہرس لا لفاظ القرآن الکریم، (بذیل مادہ عدل) (طبع انتشارات اسلامی، تہران)...... ۱۶۔ المومن۴۰:۴۰...... ۱۷۔ ابنِ تیمیۃ، شیخ الاسلام، السیاسیہ الشرعیۃ (الجامعۃ الاسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ) (س ن) ص۷...... ۱۸۔ Adward William Lane,An Arabic English Lexicon,1/1972 ...... ۱۹۔ معجم المفہرس لا لفاظ القرآن الکریم۔ (بذیل مادہ قسط)...... ۲۰۔ البقرۃ۲:۱۵۲...... غازی، احمد محمود، ڈاکٹر، ادب القاضی (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد ۱۹۹۳ء) ص:۷۶...... ۲۲۔ الحدید ۲۵:۵۷...... ۲۳۔ ابن کثیر، (ابو الفدا اسماعیل بن کثیر) تفسیر القرآن العظیم، (ط، مکتبۃ المعارف بیروت ۱۹۶۶) ص۴/۳۱۴ ...... ۲۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، معاشیاتِ

Marfat.com

اسلام(اسلامک پبلیکیشنز،لاہور،۱۹۹۴ء)ص۳۷۵...... ۲۵۔ Hamidullah Muhammad, "Muslim Conduct of State", P.49 ......
۲۶۔حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر،رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی(دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء)ص ۲۹...... ۲۷۔ Adward Gibbon,Decline and Fall of
Roman Empire,New York:Everman's Library,1910,pp.,47 ...... ۲۸. بنی اسرآئیل ۱۷: ۷۰...... ۲۹۔البقرۃ ۲:۱۴۸...... ۳۰۔ابن
منظور،لسان العرب،مادہ عدل...... ۳۱.المائدہ:۵:۸...... ۳۲۔النساء۴:۵۸...... ۳۳۔شوریٰ۴۲:۵...... ۳۴. الصّف۶۱:۹۰...... ۳۵۔الاعراف۷:۲۹...... ۳۶۔ابوعبداللہ
محمد بن اسماعیل بن ابراہیم(م ۲۵۶ ھ)،الجامع الصحیح البخاری(دارالقلم،دمشق،بیروت، ۱۹۸۱ء)کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین بعضھم بعضاً
(۶۰۲۶) ...... ۳۷. مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح المسلم مع شرحہ الکامل للنووی(کراچی،اصح المطابع،۱۳۴۹ھ)کتاب البروالصلہ، باب تراحم المؤمنین و
تعاطفھم،(۲۵۸۶) ...... ۳۸۔ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث السجستانی،سنن ابو داؤد، کتاب القضاء ,ح ۱۵۸۸...... ۳۹. ابو داؤد،باب عن جبیر بن معطم،ح
۱۴۰۲...... ۴۰ .الفارابی،ابو النصر محمد بن محمد(م ۳۳۹ھ)،فصول المدنیہ،(دائرہ المعارف العثمانیہ،حیدر آباد،۱۳۴۶ھ)فصل ۵۷،ص۱۲۸...... ۴۱۔الحج ۲۲:۴۱......۴۲.
مودودی، ابوالاعلیٰ،مولانا، اسلامی ریاست (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز،طبع نہم۱۹۸۲ء)ص:۲۱۱۔۲۱۲......۴۳۔ اصلاحی، احسن،مولانا امین، اسلامی ریاست،(لاہور،مکتبہ
مرکزی انجمن خدام القرآن،۱۹۷۷ء)ص۱۲۴/تقی الدین النبھانی، الدولۃ الاسلامیۃ (بیروت: دار الأمۃ، ۱۹۹۷ء) ص۸۷......۴۴۔جمال الدین، نظام الجنسۃ
فی الشریعۃ الإسلامیۃ،(س ن) ص: ۱۶۔۱۷...... ۴۵. أبویوسف(یعقوب بن ابراہیم م۱۸۳ھ)،کتاب الخراج،(القاھرۃ: المطبعۃ السلفیۃ، ۱۳۹۶ ھ)
ص:۱۱۴...... ۴۶۔امام غزالی،احیاء العلوم،مولانا محمد احسن نانوتوی(مکتبہ رحمانیہ،لاہور)(س ن)۳ /۳۲۱...... ۴۷۔الشوریٰ ۴۲:۱۵...... ۴۸. ابن قیم،محمد بن قیم
الجوزیۃ،اعلام الموقعین (احیاء التراث، بیروت) (س ن)۳/۴۳...... ۴۹۔ المائدہ ۵:۸...... ۵۰۔آل عمران۳:۱۱۰...... ۵۱۔مشکوٰۃ،کتاب الامارۃ،......
۵۲۔الماوردی(ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی)الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ (القاھرۃ: المطبعۃ المحمودیۃ،۱۹۷۳ء)،ص:۱۸......۵۳۔امین احسن
اصلاحی، اسلامی ریاست،ص:۱۴۳۔۱۴۴......۵۴۔السرخسی، المبسوط (مطبعۃ السعادۃ، مصر۱۳۲۴ھ) ۱۴/۷۳...... ۵۵ Hamidullah, "Muslim
Conduct of State", P.135-138...... ۵۶۔آل عمران ۳: ۱۱۰...... ۵۷.ابن تیمیہ(م۷۲۸ھ) تقی الدین ابوالعباس احمد الحسبہ فی السلام،(المدینۃ
المنورہ،الجامعہ الاسلامیہ(ت ن)ص۵...... ۵۸۔ بدخشانی،مقبول بیگ مرزا(علمی اردو لغت،لاہور ۱۹۶۹ء)ص۸۱......
۵۹۔ Sulaiman,S.J,.1998,Dmocracy and Shura In Kurzman,C.(Ed)Liberal Islam:Oxford University
Press.New York,PP:98...... ۶۰۔ http://www.islam101.com/politics/politicalsystem.htm.(As accessed on
29/8/2012)...... ۶۱۔الشوریٰ۴۲:۳۸...... ۶۲۔ابن خلدون،تاریخ،۲/۵۶۹...... ۶۳۔الطبری ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (دارالفکر طباعۃ والنشر)،
۱۹۴۷ء،ص ۲/ ۵۶۶...... ۶۴.۱ لنساء۴: ۵۹...... ۶۵۔ طنطاوی،علی،الحسبۃ فی السلام(المدینۃ المنورہ،الجامعہ الاسلامیہ(ت ن)ص۵...... ۶۶۔الحشر۵۹:۲۹ ......
۶۷.۱ لبقرۃ۲:۲۱۹...... ۶۸۔تقی امینی،احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت (مطبوعہ لاہور)(س ن)ص۲۲...... ۶۹۔مودودی،خلافت وملوکیت(ادارہ ترجمان
القرآن،لاہور،جنوری:۲۰۱۱ء) ص۴۳۔۴۴...... ۷۰. الذاریات۵۱:۱۹...... ۷۱۔سید قطب،العدلۃ الاجتماعیہ فی الاسلام،ص۹۷...... ۷۲۔ایضاً،ص۲۷۴...... ۷۳۔محمد
حمیداللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی،(اردو اکیڈمی، سندھ کراچی۱۹۸۷ء) ص:۱۰۳۔۱۰۴...... ۷۴۔حسین ہیکل،حیاۃ محمدؐ (عربي)(مطبعۃ النھضۃ
العصریۃ،القاھرۃ)۷/ ۲۲۷...... ۷۵.ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء، باب الحکم بین اھل الذمۃ، حدیث نمبر (۳۵۹۱) نیز کتاب الحدود، باب فی رجم
الیھودیین، حدیث نمبر(۳۵۹۱)...... ۷۶۔الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی،(احکام القرآن،سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان،(س ن) ۲/۴۳۵...... ۷۷.ابو داؤد،
السنن، کتاب الحدود، باب فی رجم الیھودیین، حدیث نمبر (۴۴۴۶) نیز باب الحکم بین اھل الذمہ، حدیث نمبر ۳۵۹۱...... ۷۸.البلاذری، فتوح
البلدان(دار النشر القاھرہ، ۱۹۵۷ء) ص:۲۰۷، نیز دیکھیے الوثائق السیاسیہ فی العھد النبویؐ،(مطبعۃ الجنۃ التالیف والترجمۃ القاھرۃ، ۱۹۴۱ء)ص:۸۰...... ۷۹۔
البقرۃ۲:۲۵۶ ...... ۸۰۔ اصلاحی، احسن،مولانا امین، اسلامی ریاست،ص ۱۲۵...... ۸۱۔ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، طبعۃ دوم(دار
الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۷۴ء)۷،ص،۱۱۱...... ۸۲. أبو یوسف،کتاب الخراج،ص:۷۶...... ۸۳۔بیہقی، السنن الکبریٰ(مکتبہ المنار،بیروت،۱۹۷۸ء)۸/۳۰......
۸۴۔ابن اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم، الکامل فی التاریخ(دارالکتب العربی، بیروت، ۱۹۶۷ء) ص۲/۲۰۵...... ۸۵۔القاضی أبو الفضل عیاض بن موسی المالکی، الشفا
بتعریف حقوق المصطفی ﷺ (القاھرۃ، دار الحدیث، ۲۰۰۴،) ص ۱ /۱۵...... ۸۶. صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کراھۃ الشفاعۃ،
حدیث(۳۴۷۵)...... ۸۷۔سیرت ابن ہشام: ج/۳۳۷...... ۸۸۔ الترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، الجامع الصحیح، (داراحیاء التراث العربی،
بیروت) حدیث نمبر۳۲۷۰...... ۸۹. یوسف۱۲:۹۲...... ۹۰۔ Fortees,M.,Rules and Emergence of Society,Royal Anthroplogical
Institue of Great Britian:1983,London,pp75...... ۹۱۔النساء۴: ۱۰۵۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

کیپٹن قرۃ العین حیدر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین. اما بعد!

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔(۱)

''عدل'' دین اسلام کا بنیادی ستون اور زریں رُخ ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور سیرت النبی ﷺ کی جامعیت و اکملیت کے چراغ رہتی دنیا تک فروزاں رہیں گے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں واضح اور جامع ہدایات و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی اور تعلقات کے مابین انفرادی اور اجتماعی سطح پر عدل اور عدل اجتماعی کا درس دیتا ہے۔

اسلام میں ایمانیات کا حاصل اور مقصد جو متعین کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے تعلقات کی دنیا صحیح نہج پر استوار ہو جائے۔ کیونکہ انسان کی زندگی فی الحقیقت تعلقات سے ہی عبارت ہے۔ دنیا میں انسان کے تمام اعمال کا دار و مدار اس کے بنیادی خیالات اور تصورات پر ہے۔ یہی بنیادی خیالات اور تصورات اس کی پوری زندگی پر حکمرانی کرتے ہیں۔ جن کو ہم اپنی عام زبان میں بنیادی خیالات یا افکار کا نام دیتے ہیں۔ ان کو شریعت کی زبان میں عقائد کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہ عقائد جب انسان کے دل و دماغ کا حصہ بن جاتے ہیں تو ہم اسے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔

مخلوق کی حیثیت سے بندے کا تعلق اپنے خالق سے ہے بعد اس کے تعلقات کی ایک دنیا بندوں اور دیگر مخلوقات کے حوالے سے بھی وجود میں آتی ہے جس میں اس کا کہیں تعلق ماں باپ، اہل وعیال، عزیز و رشتہ دار اور دوست احباب سے ہے اور کہیں ہمسایوں، بیماروں، ضرورت مندوں، مسافروں، یتیموں اور مسکینوں سے ہے، حتیٰ کہ کبھی اس تعلق کی وسعتوں میں غیر مسلم، دشمن، بیگانے، حیوانات اور راستے تک شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ انہی تعلقات کو بحسن و عدل انجام دینے پر اس کی زندگی کی خوشیوں اور خوشحالیوں کا دار و مدار ہے۔

عبادات کی ادائیگی اللہ سے تعلق کے اظہار کی ایک صورت ہے اور جہاں تک بندوں سے تعلق کا معاملہ ہے، ان تعلقات کی ادائیگی کے لیے حقوق و فرائض کی ایک دنیا وجود میں آتی ہے جس میں ایک کا حق دوسرے کا فرض اور ایک کا فرض دوسرے کا حق بن جاتا ہے اور ان کے درمیان ہم آہنگی اور انصاف ''عدل'' کی بنیاد ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دو سرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا(۲)

Marfat.com

عدل کے معانی ومفہوم

عدل کے معنی برابری کے ہیں۔ عدل کا متضاد ظلم ہے جس کے معانی ہیں وضع الشئ فی غیر موضعه (یعنی کسی چیز کا اس کے اصلی مقام یا حقدار سے دوسری جگہ رکھنا (یا دینا)(۳) اسلام ظلم کو اس کی ادنیٰ ترین شکل میں بھی گوارہ نہیں کرتا اور اس کا خاتمہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ کریم کا ارشاد یوں نقل فرمایا۔

ترجمہ: ''اے میرے بندو! میں نے کسی پر ظلم کرنا اپنی ذات کے لیے بھی حرام کر دیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنا تمہارے درمیان بھی حرام ٹھہرا دیا ہے۔ لہذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو''۔(۴)

آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں عدل قائم کیا اور ظلم کا خاتمہ کیا اور امت کو یہ سبق ہمیشہ کے لیے سکھا گئے کہ اس کی تمام جدوجہد اور قربانیوں کا مقصد مخلوق خدا کو دنیا کے نظاموں کے ظلم سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لانا ہے۔ یہی وہ درس تھا جس کا اعادہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایران کے بادشاہ یزدجرد کے دربار میں کیا۔

ترجمہ: ''اللہ کریم نے ہمیں بھیجا ہی اس لیے ہے کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اکیلے اللہ کریم کی بندگی میں داخل کردیں۔ انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت میں لے جائیں اور مختلف ادیان اور نظاموں کے ظلم سے چھڑا کر اسلام کے عدل کی طرف پھیر دیں۔(۵)

اسلام نے زندگی کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کو عدل و انصاف کی برکتوں سے مالا مال کیا ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے زمانے کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔ آپ ﷺ نے رحمۃ للعالمین ہونے کے ناطے ہر معاملے میں عدل کا پرچار کیا۔

خطاکار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا
حقیقت کا گر ان کو ایک اک بتایا

زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا
بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھا کر(۶)

حقیقت عدل اور مفہوم اجتماعی عدل

تمام مخلوقات کے وجود و بقاء اور ان کی صلاحیت کار پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تمام تر دارو مدار حقیقت عدل پر ہے جو افراط و تفریط اور میل و انحراف کی ضد ہے۔ یہ ایک ایسی اعتدالی کیفیت کا نام ہے جس میں انتہا

Marfat.com

درجے کا توازن اور تناسب ہے اور جس میں کہیں کی بیشی نہیں ہو گی اور اگر کی بیشی ہوگی تو توازن اور تناسب، یعنی اعتدال نہیں ہوگا۔ ان میں باہمی ضدین کا رشتہ ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اعتدال صرف وجود بقاء کا راز ہی نہیں بلکہ کارخانۂ ہستی میں جہاں کہیں بھی بناؤ اور خوبی کے جس قدر مظاہر ہیں وہ سب اسی لیے وجود میں آئے ہیں مثلاً وجود ہی کو لے لیجئے یہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے۔ اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے تو وجود کی نمو معدوم ہوجائے۔ خود انسان کا جسم اپنی اصلی حالت میں اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اس کا ہر جزو اعتدال کی صفت کے ساتھ متصف ہے اور اگر ذرا سی اس میں کی بیشی ہو جائے تو جسم کی ہیئت ترکیبی بگڑ جائے۔ تمام مخلوقات کی صحت اور تندرستی کا راز اخلاط کا اعتدال ہے۔ جہاں اس کا قوام بگڑا صحت تباہ ہوگئی۔ زندگی اس وقت تک ہے جب تک اس کے عناصر میں ترکیب کا اعتدال پایا جاتا ہے اور جب اس ترکیب میں انتشار پیدا ہو جائے تو موت واقع ہو جائے گی۔ خود حسن و جمال تناسب اور اعتدال کی ایک کیفیت ہے۔

یہ حقیقت اشیاء او راجسام تک ہی محدود ہی نہیں بلکہ کارخانۂ ہستی کا تمام نظام ہی اعتدال و توازن پر قائم ہے۔ اگر ایک لحہ کے لیے یہ حقیقت معدوم ہو جائے تو تمام نظام عالم برہم ہو جائے۔ نظام شمسی کا ہر کرہ اپنی اپنی جگہ معلق ہے۔ اپنے اپنے دائرے میں حرکت کر رہا ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف واقع ہو۔ یہی عدل کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔ جس طرح تمام اشیاء و اجسام اور کارخانۂ ہستی کا تمام نظام اس عدل، اعتدال اور نظام عدالت کی وجہ سے باقی ہے اور اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے، ٹھیک اسی طرح انسان کا جسمانی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی نظام بھی اس اصول پر قائم و دائم ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے بار بار ہمیں عدل کا حکم دیا ہے۔

چنانچہ افراد کے درمیان باہمی عدل، ریاست اور افراد کے درمیان عدل، قوموں کے اجتماعی معاملات میں عدل، جس کو ہم عدل، اجتماعی کہتے ہیں اسی پر فرد سے لے کر اقوام تک کی بقاء اور فرض منصبی کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو چیزیں انسان کی ناکامی اور خسران کا باعث ہیں یا جن سے بدعملی اور برائی جنم لیتی ہے، وہ تمام عدل سے انحراف ہی کا دوسرا نام ہیں۔ جن کو ظلم، طغیان، اسراف، تبذیر، فساد، اعتداء اور عدوان وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ظلم: ظلم کے معنی وضع الشیء فی غیو موضعه کے ہیں۔ یعنی جو بات جس جگہ ہونی چاہیے وہاں نہ ہو، بے محل ہو، تو لغت میں اس حالت کو ظلم کہیں گے۔ اسی لیے قرآن کریم نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ طغیان: طغیان کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی حد سے گزر جانا۔ ظاہر ہے کہ جس سے تجاوز عین عدالت کی ضد ہے۔ اسراف: سرف سے ہے۔ سرف کے معنی جو چیز جتنی مقدار میں جہاں خرچ ہونی چاہیے اس سے زیادہ خرچ کر دی جائے۔

تبذیر: تبذیر کے معنی کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ اسراف اور تبذیر میں مقدار اور محل کا فرق ہوا۔ دونوں صورتیں عدالت کے منافی ہیں کیونکہ حقیقت عدل، مقدار اور محل دونوں میں تناسب چاہتی ہیں۔ فساد: کے معنی ہی کسی چیز کا حالت اعتدال سے باہر ہونا ہے۔ اعتدا اور عدوان: ایک ہی مادہ سے ہیں اور دونوں کے معنی حد سے گزر جانا ہے۔ (۷) اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ کائنات کی دیگر مخلوقات کی طرح انسان کے وجود و بقاء اور اس کی اجتماعی زندگی میں

Marfat.com

عدل کا قیام اور اعتدالی کیفیت کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ انسان بالعموم اس قدر اہم حقیقت یعنی عدل اور اجتماعی عدل کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھا جاتا ہے۔

تصورِ عدل/ اجتماعی عدل کی گہرائی و ہمہ گیری

اردو زبان میں عدل کو انصاف کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے اور اسی لفظ سے غلط مفہوم پیدا ہوا۔ اس سے یہ تصور پیدا ہوا کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ کیونکہ برابری اور مساوات بعض حیثیت سے تو بے شک ضروری ہوتی ہے اور دل کا تقاضا ہے مثلاً حقوق شہریت میں برابری مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ ظاہر ہے کہ ایسی مساوات کی کسی فطری مذہب میں گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اسلام جس چیز کا حکم دیتا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن اور تناسب جو کہ عدل کا حقیقی تصور اور رخ ہے۔ یعنی وہ چاہتا ہے کہ حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو اور دوسری یہ بات کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے، یہ مقام عدل و عدل اجتماعی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق پوری پوری ایمان داری سے ادا کیے جائیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں انسانی معاشرے میں ایک توازن اور تناسب پیدا کیا جاسکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک خوشگوار زندگی وجود میں آتی ہے۔ اسلام چونکہ اللہ کا دیا ہوا ایک فطری دین ہے، وہ انسانی احساسات اور انفعالات کو بھی سمجھتا ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ عدل کا نفوذ جہاں اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ملک میں قانون اسلامی کی حکومت ہو۔ صالح ہاتھوں سے اسے نافذ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں بے لاگ طریقے سے ہر ایک کو اس کے حقوق ملیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو یہ بھی احساس ہے کہ حقوق کی ادائیگی صرف قوانین کے زور سے ہی ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ حقوق ادا کرنے والوں کو اپنے فرائض کا بھی گہرا احساس ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق کے معاملے میں اسلام اپنے حقوق حاصل کرنے پر اتنا ہی زور دیتا ہے جتنا وہ اپنے فرائض کے احساس پر زور دیتا ہے۔ اس لیے کہ جب آدمی اپنا فرض پورا کرے گا تو دوسرے کا حق خود بخود ادا ہو جائے گا اور بالآخر دوسری طرف سے اسی احساس کے نتیجے میں اس کا حق بھی اسے مل جائے گا۔

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت — سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت
نچی اور تلی دشمنی اور محبت — نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی — رکا حق سے جو رک گئے اس وہ بھی(۸)

اسلام اور عدل اجتماعی:

باہمی تعلقات کے حوالے سے پیدا ہونے والی ذمہ داریوں کو باحسن طریق اور عدل سے انجام دینے کی صورت کیا ہونی چاہیے۔ ہماری انسانی تاریخ اس کا جواب دینے سے آج تک قاصر ہے کہ انسانوں نے حقوق او راختیارات کا راز کب پایا اور کب اور کس طرح انہوں نے باہمی حقوق و اختیارات کا تعین کیا۔ بعض ماہرین عمرانیات نے یہ کہا کہ انسان کو جو حقوق ملے

Marfat.com

ہیں، وہ اسے فطرت نے عطا کیے۔ اس لیے ان کو فطری حقوق (Natural Rights) کا نام دیا گیا۔ پھر ان حقوق کو قانونی حیثیت دینے اور معاشرہ کی منظوری حاصل کرنے کیلیے معاہدہ عمرانی (Social Contract) کا نظریہ پیش کیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ چونکہ ریاست کا وجود اسی معاہدہ کا مرہون منت ہے، اس لیے حکمرانوں کے اختیارات اور شہریوں کے حقوق کا اصل سرچشمہ اور عدل کی بنیاد یہی ہے۔

اسلام نے صرف حقوق و فرائض کے تعین کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اس نے اقتدار اعلیٰ کے معاملہ کو حل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ شعور بھی دیا کہ ہمارا مقتدر اعلیٰ وہ ہے جو ہمارے ظاہر و باطن کو یعنی غیب اور شہادت کو یکساں طور پر جانتا ہے اور وہی ہم سے ایک دن بازپرس بھی کرے گا اور اسلام نے اس شعور کو گہرا کرنے بلکہ اس کو رویے میں تبدیل کرنے کے لیے نیکی کو خلق کا نام دیا اور اچھا انسان اسے ٹھہرایا جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ یعنی صرف یہ بات کافی نہیں کہ ہم دوسروں کے حقوق (جو ہمارے فرائض ہیں) کی ادائیگی کہاں تک کرتے ہیں بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ ہم حقوق کی ادائیگی کس طریقے اور کس جذبے سے کرتے ہیں اور کیا یہ حقوق کی ادائیگی محض قانون کی اطاعت کی حد ہے یا یہ ہماری طبیعت ثانیہ اور عادتِ مستمرہ بن گئی ہے۔ زندگی کی وہ قدریں اور وہ معنوی زریں اصول جن پر انسان کی عمومی اور اجتماعی زندگی کا دارومدار ہے۔ مثلاً سچ، عفو و درگزر، عدل و احسان، صبر اور توکل وغیرہ۔ ان کو رذیل اخلاق کا نام دیا جاتا ہے۔

تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں(۹)

اسلام چونکہ فطرت اور فطری داعیات کا لحاظ رکھنے والا دین ہے، اس لیے وہ ان فطری داعیات کو نظر انداز نہیں کرتا۔ البتہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ چیزیں کسی عمل یا کسی اخلاق کو بروئے کار لانے کے لیے مستقل محرک نہیں ہیں۔ تقویٰ اسلام کی روح ہے۔ قرآن کریم نے جہاں ایمان اور عبادات کو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا وہاں عدل و انصاف کو بھی اس کا حاصل کرنے کا لازمی جزو قرار دیا۔ اسی طرح مومنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں جابجا ہمیں عدل اور اجتماعی عدل کا ذکر ملتا ہے۔

عدل اور عدل اجتماعی کی مختلف صورتیں

اسلام نے معاشرے میں عدل کو مختلف صورتوں میں متعارف و نافذ کیا اور زندگی کے ہر معاملے کو تصور عدل کے ساتھ مربوط کر دیا۔ عدل اور عدل اجتماعی کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(أ) عدل اور احسان

اسلام نے صرف عدل ہی کا حکم نہیں دیا بلکہ وہ احسان کا بھی حکم دیتا ہے۔ احسان سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری اور خوش اخلاقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینا، اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا، یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کو دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے

Marfat.com

وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔

یعنی عدل یہ ہے کہ فرائض بندگی کی ادائیگی میں ہر مسلمان کو یہ احساس دامن گیر رہے کہ میں اپنے مالک کے حضور میں حاضر ہوں اور اسے دیکھ رہا ہوں اگر یہ مقام میسر نہ ہو تو یہ کیفیت تو بہرصورت ہونی چاہیے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے اس سے عمل میں حسن پیدا کرنے اور اسے بہتر سے بہتر بنانے کی ایک مضبوط بنیاد ہاتھ آ جاتی ہے۔

(ب) عدل اور حسن سلوک

عدل کی دوسری صورت حسن سلوک کرنا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس حسن سلوک کا حکم ہر اس جگہ دیا گیا ہے جو اسلامی معاشرت کے حوالے سے نہایت اہمیت کی جگہ ہے کہ جس میں صرف حقوق کی ادائیگی نہیں بلکہ حسن سلوک کی بھی انتہائی ضرورت ہے۔

مسلماں کے لہو سے ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالم گیر ہے مردانِ غازی کا(۱۰)

وہ تمام مواقع جنہیں آدمی کا اعتدال پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے، ان میں سے ہر موقع پر نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو عدل و احسان یعنی حسن سلوک اور فیاضانہ رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب کوئی آدمی کسی پر مسلسل زیادتیاں کرتا ہے تو زیادتیوں کا شکار ہونے والا شخص کبھی کبھی احتیاط کا دامن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اب میں بھی اس زیادتی کا جواب زیادتی سے دوں۔ اسلام نے اگرچہ اس کی اجازت دے دی لیکن معاشرے میں اگر انتقام کا یہ سلسلہ چلتا رہے تو وہ خوش اسلوبی اور خوشگواری جو معاشرے کو اخوت کے روابط میں جکڑ کر مضبوط اور مستحکم بناتی ہے وہ کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس لیے برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینے کی اجازت تو دی لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اگر ہم ایسے معاملات میں صبر کریں یعنی برائی کا بدلہ برائی سے دینے کے بجائے درگزر کریں تو یہ وہ مقام احسان ہے جس کے نتیجے میں ہم اللہ کی محبت کے حقدار ٹھہریں گے اور درجہ عدل حاصل ہوگا۔ فرمایا: ترجمہ: ''اور ایسے لوگوں کو معاف کردو اور درگزر کرو اور یہی احسان کا تقاضا ہے''۔(۱۱)

(ج) عدل اور انعام

عدل کا ایک تیسرا رخ ہے انعام کرنا۔ یعنی دوسرے کو حق سے زیادہ دینے اور خود حق سے کم لینے پر راضی ہوجانا اس کی مثالیں بھی ہمیں جابجا قرآن کریم، سیرت طیبہؐ اور آثار صحابہؓ سے ملتی ہیں۔ اس جذبہ عدل و احسان و انعام کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی نہ صرف اللہ کی رضا اور اس کی محبت کے حصول کے لیے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرے اور ہر ممکن طریقے سے ان کے ساتھ حسن سلوک سیل پیش آئے بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی اگر وہ برائی بھی کریں تو بہتر سے بہتر سلوک کرنے کی کوشش کرے۔ ترجمہ: ''کہ اللہ کے بندے جو اللہ کے یہاں قابل قدر ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو محض اللہ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں اور پھر ان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم محض اللہ کی رضا کے لیے تمہیں کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلے اور کسی شکر گزاری کا مطالبہ نہیں کرتے''۔(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

ترجمہ: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لیے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے، نہ دوسروں کا نشانہ بننے کے لیے اس کو بے مدد چھوڑے۔ (یعنی دوسرے کے ظلم سے بچانے کے لیے اس کی مدد کرے) اور جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا۔ اور کسی مسلمان کو تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی مصیبت سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا''۔ (۱۳)

امیروں کو کی تنبیہ اس طرح پر
کہ ہیں تم میں جو اغنیا اور تونگر
اگر اپنے طبقہ میں ہوں سب سے بہتر
بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور (۱۴)

عدل اور فروغ اسلام

اسلام دین عدل و انصاف ہے اور ہر صورت میں عدل کے قیام و فروغ پر زور دیتا ہے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر حکم دیا۔ ترجمہ: ''مسلمانو! تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل چھوڑ بیٹھو! عدل اور انصاف کرو۔ یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔ (۱۵)

آیت کا مطلب واضح ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی ہو رہا ہو تب بھی مسلمانوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ کبھی عدل کا دامن چھوڑ دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ عدل فاروقیؓ کی درخشندہ مثالیں ہر عہد کے لیے مشعل راہ ہیں۔ خلافتِ راشدہ میں جب فوجیں روانہ کی جاتی تھیں تو اس میں انصاف اور عدل کا بطور خاص حکم دیا جاتا تھا۔

ترکستان کا علاقہ جس میں تاشقند واقع ہے جسے قتیبہ بن مسلم نے فتح کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اس علاقے کے غیر مسلم مذہبی رہنماؤں نے ایک عرضداشت بھیجی جس میں شکایت کی گئی کہ مسلمانوں نے جب اس علاقے پر حملہ کیا ہے تو انہوں نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا اور خود آپ کے پیغمبر ﷺ نے آپ کو فوج کشی کے جو آداب سکھائے ہیں ان کو بروئے کار لایا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر پورا علاقہ خالی کر دیا گیا۔ فوج اتنی دور نکل گئی کہ اس علاقے کے لوگ اگر چاہیں تو بڑی آسانی سے اس علاقے کا دفاع کر سکیں۔ عدل اور قانون کی حکمرانی کو دیکھ کر وہ لوگ نا صرف اپنی شکایت سے دستبردار ہو گئے بلکہ انہوں نے فوج در فوج اسلام قبول کر کے آغوش اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا یہ عدل کی فتح ہے۔ (۱۶)

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی (۱۷)

اسلام اور نظام عدل و انصاف

اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے نظام عدل و انصاف کی بنیاد احکام الٰہیہ یا آئین

Marfat.com

قرآن پر استوار کی۔ یہ ایک تاریخ ساز و انقلاب آفرین اقدام تھا۔ چنانچہ احکام الٰہیہ کی رو سے جملہ افراد معاشرہ کو عدل و انصاف مفتی و بلاتاخیر ملتا تھا اور وہ سب بلاامتیاز مرتبت وثروت قانون کے سامنے جوابدہ اور اس کی نظر میں مساوی حیثیت رکھتے تھے۔

ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت جن پر احکام الٰہیہ کا اطلاق نہ ہوتا ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی رہنمائی نہ ملتی ہو قضاۃ اور حکام کو اپنی فکر و نظر اور عقل سلیم سے کام لینے یا اجتہاد کرنے کی رخصت تھی۔ شہادت قبول کرنے کی ایک شرط یہ تھی کہ گواہ معتبر اور سچ بولنے والے ہوں، جھوٹ بولنے والے یا ضمیر فروش نہ ہوں، نیز شہادت سے متعلق احکام الٰہیہ پر سختی سے عمل درآمد ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا نظام شورائی تھا، ہامانی نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ کہ مہماتِ مسائل میں بالخصوص متقی و صالح، اہل علم و الوالالباب اور آزاد افراد معاشرے سے مشورہ لینا آپ ﷺ کی سنت حسنہ تھی۔

نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اٹھاتے نہ ہوں بے دھڑک گام ہرگز (۱۸)

آپ ﷺ سب کے لیے یکساں عدل و عدلیہ کے بانی ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک نظام عدل کئی اقوام پر نافذ کر دیا اور یوں ایک جغرافیائی وحدت و اکائی کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ نظام عدل ہر زمانے اور دور کے لیے قابل عمل ہے۔

عدل اور اجتماعی عدل کے چند اہم پہلو

(أ) عدل۔ منصفانہ فیصلہ

مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کس طرح فیصلے کرنے چاہیں۔ ترجمہ: ''مسلمانو! اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا اور قرابت والوں کو (مالی امداد) دینے کا اور بے حیائی (کے کاموں) اور ناشائستہ حرکتوں اور (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے، تم لوگوں کو نصیحتیں کرتا ہے کہ تم ایسی باتوں کا خیال رکھو''۔ (۱۹) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ''اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصلے کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اللہ جو تم کو نصیحت کرتا ہے۔ (تمہارے حق میں) بہت اچھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے''۔ (۲۰)

(ب) عدل۔ باہمی جھگڑوں کا سدباب

ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ: ''اے پیغمبر ﷺ! ہم نے (جو) کتاب برحق تم پر نازل کی ہے (تو اس لیے) کہ جیسا تم کو اللہ نے بتا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دو''۔ (۲۱) مسلمان آپس میں کون ہیں اور دو مسلمانوں میں لڑائی ہو تو کیا کرنا چاہیے۔ ترجمہ: ''مسلمان تو بس (آپس میں) بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو اور اللہ کے (غضب) سے ڈرتے رہو کہ (اللہ کی طرف سے) تم پر رحم کیا جائے''۔ (۲۲) مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو کیا کرنا چاہیے۔

ترجمہ: ''اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ آپس میں جھگڑا (کرنے سے) تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور لڑائی کی (تکلیفوں پر) صبر کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ (۲۳)

Marfat.com

ظلم اللہ تعالیٰ کے نظام سے باہر ہے اس لیے ظالموں کو ہدایت کی توفیق بھی نہ ہوگی کلام مجید میں سب سے بڑی تعلیم عدل و انصاف کی ہے۔ ترجمہ: ''جو لوگ اپنے ہم جنسوں کی خیانت کرتے ہیں ان کی طرف سے بحث نہ کرنا کیونکہ اللہ خائن اور مجرموں کو دوست نہیں رکھتا۔ خائن کی طرف داری سے اللہ کی محبت زائل ہوتی ہے''۔ (۲۴) جو جرائم معاشرے میں ابتری اور اختلال پھیلاتے ہیں ان کے متعلق سخت سزائیں دی گئی ہیں تاکہ معاشرے کے نظام میں گڑبڑ نہ پھیلے۔ ترجمہ: ''اور ہم نے ان لوگوں کے لیے (تورات میں حکم لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلے میں معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں''۔ (۲۵)

(ج) عدل۔ظلم کا خاتمہ

اسلام جیسا کہ اپنے نام سے ظاہر ہے سلامتی اور امن کا مذہب ہے۔ سلامتی اور امن کا قیام عدل و انصاف کی ترویج اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی سے ہی ممکن ہے۔ اس لیے اسلام نے ہمیشہ عدل و انصاف کی اشاعت اور ظلم کے خاتمہ پر زور دیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں بے شمار مواقع پر عدل و انصاف کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں آحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ کا ایک اہم مقصد اللہ کریم کے بندوں کے درمیان عدل کا قیام بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ ترجمہ: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں'' (۲۶) ایک دوسرے موقع پر قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ سے ارشاد کروایا ہے۔ ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے''۔ (۲۷) عدل کا قیام مقصد نبوت ہے مگر اس کی ترویج خلیفہ وقت کے ذریعے ہوگی۔

(د) عدل۔ سماجی، معاشی و معاشرتی تقسیم

اسلام نے ایک فرد کو کمانے اور خرچ کرنے، دونوں کے بارے میں عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: ترجمہ: ''یقیناً کوئی جی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ اپنا مقرر حصہ رزق پورا نہیں کر لیتا۔ لہٰذا تم رزق کی طلب میں اچھا طریقہ اختیار کرو اور ہر حال میں اس اللہ کریم کی ذات پر توکل کرتے رہو''۔ (۲۸) بخل اور فضول خرچی دونوں اپنی ذات سے عدل و انصاف کے خلاف ہیں۔ اسلام نے ان دونوں کی حوصلہ شکنی فرمائی اور عدل کی راہ اعتدال کی وصیت فرمائی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ''اور ایمان والے تو ہوتے ہی ایسے ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کی درمیانی راہ (اعتدال) اختیار کرتے ہیں''۔ (۲۹) فرد کے مال اور اس کی کمائی میں معاشرہ کے حقوق بھی ہیں جو عدل کے بول بالا کے لیے ضروری ہیں۔ ترجمہ: ''اور دیا کرو مال اس (اللہ کریم) کی محبت پر رشتہ داروں اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں''۔ (۳۰) معاشرہ میں معاشی عدل کو ایک حقیقت بنانے کے لیے اسلام ان تمام ذرائع کا قلع قمع کر دیتا ہے جو افراد امت کے معاشی استحصال کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً سود، جوا، لاٹری، ذخیرہ اندوزی، اجارہ داری، ماپ تول کی کمی وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی ان تمام شکلوں کو محو کر دیا جن میں جوا کے عناصر پائے جاتے تھے۔ مثلاً: ''بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع حصاۃ، بیع محاقلہ، بیع مزابنہ، بیع مخابرہ وغیرہ''۔ (۳۱)

Marfat.com

(ر) عدل۔ بین الاقوامی سطح پر

اسلام تمام انسانوں کے لیے پیغام رحمت وعدل ہے۔ اس کی نگاہ میں ساری مخلوق اللہ کی ہے اور تمام انسان اللہ کریم کے بندے اور آپس میں بھائی ہیں۔ تمام انسان درجات و حاجات میں برابر ہیں اور کسی امیر کو کسی غریب پر کوئی برتری نہیں۔ اسلام کا نظام عدل تمام ملکوں، قوموں اور انسانوں کو دوسروں کے ساتھ عدل، انصاف، ہمدردی اور خیر خواہی کی تعلیم دیتا ہے۔ داعی عدل و انصاف پیغمبرﷺ کا ارشاد ہے۔ ترجمہ: ''ساری مخلوق اللہ کریم کا کنبہ ہے لہذا اللہ کریم کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کریم کے کنبہ سے زیادہ حسن سلوک کرے''۔ (۳۲)

عدل۔ عادلانہ معاملہ

انسانی معاشرے کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لیے عادلانہ معاملہ کا اصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا عمل دخل زندگی کے تمام معاملات پر ہونا ضروری ہے۔ چاہے ان کا تعلق اخلاق و معاملات سے ہو یا معیشت و معاشرے سے یا پھر سیاست اور حکمرانی سے اسی طرح جہاں معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے کہ زندگی کے امور میں عدل و انصاف کے دامن کو تھامے وہاں اجتماعی معاشرے اور انتظامی عہدیداروں اور عدلیہ کا بھی فریضہ ہے کہ ان کے تمام فیصلے انصاف پر مبنی ہوں اور عدل کا ترازو قائم رہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو عدل کا حکم دیا ہے اور خصوصی طور پر اپنی ذات کے محاسبے کے لیے تیار رہنے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ترجمہ: ''اور کسی قوم کی عداوت تمہیں ظلم کرنے پر آمادہ نہ کردے''۔ (۳۳)

درحقیقت عادلانہ معاملہ (Just Action Dealing) ایک جامع ترین صفت ہے اور اس کا دائرہ کار وسیع تر ہے، جس کے اثرات نمایاں شکل میں معاشرے کے تمام افراد پر انفرادی طور پر اور پورے معاشرے پر اجتماعی طور پر مرتب ہوتے ہیں۔

کمال صدق ومروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں (۳۴)

اس طرح خیر کو فروغ دینا اور نیکی کو عام کرنا ہر مسلمان کا فرض منصبی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا۔ ترجمہ: ''نیکی و پرہیزگاری میں دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ و زیادتی (کے معاملے) میں عدم تعاون کا رویہ اپناؤ''۔ (۳۵)

اس آیت کریمہ کی روشنی میں عدل و انصاف کی جولان گاہ اور دائرہ عمل کی تحدید وضاحت کر دی گئی ہے۔ عربوں کے ہاں ایک مقولہ تھا، جس کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے کہ ''تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہے یا مظلوم''۔ حضور اکرمﷺ نے اس مقولے کے الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا مفہوم و ترجمانی عدل کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یوں کی کہ ''مظلوم بھائی کی مدد کرنا تو واضح ہے، اس سے ظلم وزیادتی کو دور کرنا ہے جبکہ ظالم بھائی کی مدد اسے ظلم کرنے سے منع کرنا اور زیادتی سے روکنا ہے''۔ (۳۶)

رویہ عدل اور مسلمانوں کے عادلانہ معاملہ و عدالتی نظام نے امت مسلمہ کو چار چاند لگا دیئے۔ اس نظام کی بدولت مسلمان قاضیوں نے عدل و انصاف کی ایسی عظیم مثالیں پیش کیں کہ دنیا ورطۂ حیرت میں پڑ گئی۔ اس سلسلے میں خلفائے راشدینؓ کا دور تو خاص شہرت رکھتا ہے۔ خلفائے راشدینؓ سے بعد کے ادوار میں بھی ہمیں میدانِ قضاۃ میں مسلسل عدل گستری کی بڑی

Marfat.com

بڑی روشن قندیلیں صنوبر یز نظر آتی ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ عدل و انصاف قائم کرنے والی قوم کو عزت و رفعت اور شان و شوکت سے ہمکنار کرتا ہے جبکہ کمزوروں کے ساتھ ظلم و ناانصافی کرنے والی قوم کو ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیا کرتا ہے۔ گویا کہ معاشرے میں عادلانہ معاملہ کا قیام اور عدل کرنا خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے اور سماجی، معاشی و معاشرتی فلاح و ترقی کی ضمانت عدل کے ذریعہ ممکن ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: ''انصاف پسند امام کا ایک دن بہتر یا بھلا ہے ساٹھ سالہ عبادت سے اور اللہ کی سرزمین پر اس کی حدود میں سے ایک کو قائم کرنا چالیس سالہ بارش سے افضل ہے''۔(۳۷)

عدل/ عدل اجتماعی اور انسانی فطرت

بارگاہ ایزدی کا آئین ہے کہ بدی کی سزا بدی کے بقدر اور نیکی کی جزا دس گنا دی جاتی ہے لیکن انسانی فطرت کا قانون اس کے برعکس ہے۔ ایک انسان نیکی کا بدلہ اگر دیتا ہے تو نیکی کے بقدر لیکن بدی کا بدلہ دس گنا زیادہ لینا چاہتا ہے۔ انتظام لینے کی طرف انسان کو بالطبع میلان ہے اور میال بھی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا میلان ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس کی روک تھام میں سب سے زیادہ اہتمام چاہیے۔

ترجمہ: ''اور اگر (تم) مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں ایک (فریق) دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو جو زیادتی کرتا ہے (تم بھی) اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائے پھر جب رجوع لے آئے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرو اور انصاف کو ملحوظ رکھو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔(۳۸)

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبرؐ
کہ ''ہیں سب مسلماں باہم برادر''
برادر ہے جب تک برادر کا یاور
معین اس کا ہے خود خداوند داور(۳۹)

عدل اور قانون جزا وسزا

عدل اور عدل اجتماعی کے حوالے سے اسلام کا قانون جزاء وسزا عالم انسانیت کا ایک زریں باب ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ: ''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو انکا فائدہ ملے گا اور برے کام کرے گا تو اس کا نقصان پہنچے گا''۔(۴۰) گناہ کی ذمہ داری شخصی اور ذاتی ہے۔ باپ کا گناہ بیٹے پر اثر انداز نہ ہوگا اور علیٰ ہذا۔

ترجمہ: ''جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے اور برے کام کرے گا تو ان کا ضرر خود اسی کو ہوگا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جاؤ گے''۔(۴۱) اس طرح جو لوگ دنیا اور آخرت دونوں کو نظر میں رکھ کر اپنی زندگی گزارتے ہیں ان کے لیے دونوں جگہ کا ثواب ہے اور یہ بالکل مقام عدل و انصاف ہے۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے، بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا اور بخشنے والا مہربان ہے''۔(۴۲) جس طرح افراد کے اعمال پر اللہ سمیع و بصیر کی نظر ہے ویسے ہی بستیوں یعنی سوسائٹیوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا

Marfat.com

ہے۔ ترجمہ: ''اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور سخت ہے''۔(۴۳)

اسلامی معاشرے میں قیام عدل/ اجتماعی عدل

اسلام اپنے عدالتی نظام کے نفاذ سے پہلے عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ تیار کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے میں جرائم و تنازعات کی شرح خود بخود کم ہو جاتی ہے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ افراد معاشرہ میں نہ صرف یہ کہ عدل قائم کرے بلکہ دیکھنے والوں کو اس طرح کے طریق کار میں عملاً (Practically) بھی نظر آئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مختلف اسلامی ادوار میں جو بھی طریق کار اختیار کیے گئے۔ ان میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا کہ صرف عدل ہی قائم نہ ہو بلکہ اس کے قیام کا عمل دیکھنے والوں کو نظر بھی آئے۔ اسلامی معاشرے کے عدالتی نظام کو کامیابی سے چلانے کے لیے مسلمانوں میں تقویٰ کی صفت کو لازمی قرار دیا گیا اور تقویٰ کا یہ تقاضا تھا کہ دوست اور دشمن دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیا جائے اس بارے میں ارشاد ربانی ہے: ترجمہ: ''تمہیں ہر حال میں عدل کرنا چاہیے، جو تقویٰ کا تقاضا ہے''۔(۴۴)

قیام و ترویج عدل اور مملکتِ پاکستان

آج کل وطن عزیز پاکستان میں ہر طرف عدل و انصاف اور احتساب کا تذکرہ ہے۔ عدل و احتساب کی ضرورت و اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا یہ ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> ''عدل او احتساب ایک سنہری زنجیر ہے، جس میں تمدن، اخلاق، مذہب اور معاشرت کی تمام جزئیات جکڑی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے تو دفعتاً نظام عالم کی ایک ایک کڑی درہم برہم ہوجائے۔ اس غرض سے دنیا نے عدل کو مختلف صورتوں میں قائم رکھا، خاندانوں اور کنبوں نے مختلف رسم ورواج اختیار کیے، جن کی خلاف ورزی موجب ملامت بلکہ بعض اوقات قومی جرم خیال کی جاتی ہے، سلطنتوں نے قوانین بنائے جو انسان کو ایک خاص نظام کے تحت ہر قسم کی مادی، اخلاقی اور مذہبی ترقی کرنے کا موقع دیتے ہیں، حکماء نے فلسفہ اخلاق ایجاد کیا جو اخلاقی قوانین کی پیروی پر جمعیت بشری کو مجبور کرتا ہے''۔(۴۵)

پس ہر متحرک، فعال اور مستحکم معاشرے میں عدل و احتساب کی ضرورت ہوتی ہے۔ عدل ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ جس کے کامیاب نفاذ کے لیے اس کا منصفانہ اور عادلانہ ہونا ضروری ہے۔ عدل کے قیام کے لیے قوانین کا بلاامتیاز نفاذ اور ان پر بلاتخصیص عملدرآمد بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

رسول کریم ﷺ نے قوانین کے بلا امتیاز نفاذ کے سلسلے میں ہمیشہ اہم اقدامات کیے اور ریاست کے تمام اراکین پر بغیر تخصیص کے انہیں لاگو کیا اور اس سلسلے میں نہ کسی کی سفارش قبول کی نہ کسی رورعایت سے کام لیا۔ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکب کیا، پھر وہ گرفتار ہوگئی۔ چونکہ اس کا تعلق بڑے گھرانے سے تھا اس لیے یہ کوشش کی گئی کہ اس پر چوری کی حد جاری نہ ہو۔ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے سفارش کرائی مگر آپ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق خاطر کے باوجود نہ صرف ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے ان پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

''اے اسامہ کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو''۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا: ''تم سے پہلی امتیں اس لیے تباہ ہو گئیں کہ جب کوئی معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو درگزر کرتے اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا آدمی جرم کر بیٹھتا تو اس کو سزا دیتے۔ خدا کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمدؐ اس کا بھی ہاتھ کاٹتا''۔(۴۶)

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کے اس نظام عدل و انصاف کو اس کی اصل شکل میں تمام لوازمات کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ عدل کے فروغ سے ہی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون — چلنے نہ دیا باطل کا کوئی افسوں
پھر آپ پرکھا اس کو کسوٹی پر رکھ کر — دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا — مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا — ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا(۴۷)

عدل آئین وقوانین پاکستان اور غیر مسلم

مملکت پاکستان میں آئین وقوانین، حقوق وانصاف کے مآخذ اسلامی تعلیمات ہیں۔ یہ قوانین مسلم اور غیر مسلم میں عدل وانصاف کا پیمانہ قائم رکھتے ہیں۔ غیر مسلم کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرے گا تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح مسلمان کے قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا تو آپ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں''۔(۴۸)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حکم دیا گیا کہ قاتل کو مقتول کے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارثوں کو دے دیا گیا۔(۴۹) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک مسلمان ایک غیر مسلم کے قتل میں ماخوذ ہوا۔ ثبوت مکمل ہونے کے بعد آپؓ نے قصاص کا حکم دے دیا۔ مقتول کے بھائی نے آ کر عرض کیا ''میں نے خون معاف کیا'' مگر آپؓ مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا: شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے کہا نہیں مجھے خون بہا مل چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے قتل سے میرا بھائی واپس نہیں آ جائے گا۔ تب آپؓ نے قاتل کو رہا کیا اور فرمایا کہ ''جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے''۔(۵۰)

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں — ہو گلہ کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں — نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی — زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی(۵۱)

مادر وطن میں غیر مسلموں کے لیے قوانین اسلام کے بتائے ہوئے نظام عدل کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ عدل کا قیام و پرچار ان قوانین کی بنیاد ہے۔

Marfat.com

الف- فوجداری قوانین

تعزیرات کا قانون غیر مسلم اور مسلمان کے لیے یکساں ہے اور اس میں دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ البتہ شراب کا معاملہ میں غیر مسلموں کے لیے استثناء ہے۔ یہ عدل کا اعلیٰ مقام ہے۔(۵۲)

ب- دیوانی قوانین

دیوانی قانون بھی غیر مسلم اور مسلمان کے لیے یکساں ہے اور دونوں کے درمیان کامل عدل و مساوات ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد اموالھم کاموالنا کے معنی یہی ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت کی جائے گی جیسی مسلمان کے مال کی ہوتی ہے۔(۵۳)

ج- تحفظ عزت:

غیر مسلم شہری کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا، پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا، اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں یہ افعال ناجائز ہیں۔ دارالمختار میں ہے اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے۔(۵۴)

ر- شخصی معاملات

ذمیوں کے شخصی معاملات ان کی اپنی ملت کے قانون (Personal Law) کے مطابق طے کیے جائیں گے۔ اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے لیے شخصی معاملات میں جو کچھ ناجائز ہے، وہ اگر ان کے مذہبی وقومی قانون میں جائز ہو تو اسلامی عدالت میں ان کے قانون ہی کے مطابق فیصلہ کرے گی۔(۵۵) معاشرتی تعلقات کی ناہمواری کے باعث بعض دفعہ کوئی بھی شخص عدالت تک جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ غیر مسلموں کے ساتھ قانونی مساوات، عدل و انصاف اور رواداری کا مکمل ثبوت دینا ہوگا۔

مسلمان نا صرف غیر مسلموں کے ساتھ انصاف اور عدل سے کام لیتے تھے بلکہ اس معاملے میں نہایت حساس بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک یہودی آیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف امیر المومنین حضت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں شکایت کرنا چاہی۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا: ابوالحسن اٹھ کر یہودی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور یہودی کا نام لے کر اسے کھڑے ہونے کو کہا۔ حضرت علیؓ جب اس کے برابر کھڑے ہونے کے لیے اٹھے تو چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔ امیر المومنین نے معاملہ سنا اور فیصلہ دے دیا۔ یہودی چلا گیا تو آپؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ میں نے آپؓ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھ کر اندازہ لگایا ہے کہ آپؓ کو یہودی کے برابر کھڑا ہونا شاید ناگوار گزرا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا امیر المومنینؓ ناگواری کی وجہ یہ نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ آپؓ نے مجھے تو ابوالحسن یعنی کنیت سے پکارا اور یہودی کو نام لے کر اسے کھڑا ہونے کو کہا۔ عربوں میں کنیت سے پکارنا ایک طرح کا ادب اور لحاظ سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس طرح سے فریقین کے ساتھ سلوک میں برابری نہیں رہی۔ یہ وہ بات ہے جسے میں نے محسوس کیا کہ یہ کافر شاید ہی سمجھے کہ مسلمان عدل اور انصاف

Marfat.com

کرتے ہوئے مسلم اور غیر مسلم میں فرق روا رکھتے ہیں۔(۵۶)

تجزیہ ونتائج:

اس بحث کے نتائج کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ عدل اور انسان کے بنیادی حقوق وفرائض اور تعلقات کا دائرہ عمل بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے جس سے انسانی زندگی کے تمام پہلو یکساں اثر پذیر ہوتے ہیں۔

۲۔ عدل، احترام انسانیت اور شرف انسانی پر مبنی ہے اور انسانی جان کی حرمت اور اس کی عزت و آبرو کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔

۳۔ عدل کے قیام کے لیے انسان کے بنیادی حقوق کا دائرہ کار معاشرے کے استحکام اور فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

۴۔ اسلام نے انسان کو جان و مال کا تحفظ دیا ہے اور اس کی جائیداد اور وسائل و ذرائع کو محفوظ قرار دے کر عدل کو فروغ دیا ہے۔

۵۔ ترویج و اشاعت عدل کے لیے اسلامی تعلیمات میں انسان کی نجی زندگی کو محفوظ کر دیا گیا ہے نیز انسان کو اجتماعیت کے حقوق سے سرفراز کیا ہے۔

۶۔ اسلام معاشرے کے تمام افراد سے عادلانہ معاملہ کرتا ہے اور عدل و انصاف کو زندگی کے تمام شعبوں میں عملاً نافذ کرتا ہے۔

۷۔ اجتماعی آزادیوں کے ساتھ اسلام فرد کی حریت اور معاشی، سماجی و سیاسی حقوق کا تحفظ بھی کرتا ہے اور اسے ووٹ کے حق، مشورے کی اہلیت کا حق، احتساب کا حق، خلیفہ کی برطرفی کا حق، کسی عہدے کی امیدواری کا حق اور عام ملازمتوں کو اختیار کرنے کا حق عطا کر کے عدل کی مثالیں قائم کرتا ہے۔

تجاویز وسفارشات:

عدل کی ترویج و قیام کے لیے مندرجہ ذیل کا قیام ضروری ہے:

۱۔ ملک سے تمام معاشی، سماجی، اخلاقی و معاشرتی بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا جائے۔

۲۔ معاشی عدل، سماجی، سیاسی اور معاشرتی عدل کے لیے پرامن حالات پیدا کیے جائیں۔

۳۔ معاشی استحصال کے خاتمہ کے لیے اسلام کے بتائے گئے عدل کے اصولوں کو رواج دیا جائے۔

۴۔ عدل کے قائم کرنے کے لیے شرعی قوانین کا سہارا لیا جائے۔

۵۔ دولت اور ذرائع پیداوار کی عادلانہ و منصفانہ تقسیم کے لیے جدوجہد کی جائے۔

۶۔ کام کے اہل افراد کو ان کی تعلیمی لیاقت اور ہنرمندی کے مطابق روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

۷۔ معذوروں، محتاجوں اور مساکین کی کفالت کی جائے۔

۸۔ عدل کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھا جائے اور اصل معنی و مفہوم میں لاگو کیا جائے۔

۹۔ عادلانہ نظام عدل و انصاف و عدلیہ کا بول بالا کیا جائے۔

۱۰۔ اقتدارِ الٰہی کسی فردِ واحد کو حاصل نہیں بلکہ پوری ملت صالحہ کو حاصل ہے۔ ہر مسلمان مساوی حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔

۱۱۔ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے تمام منصب مقدس امانت ہیں اور جذبہ اعتماد سے ان سے عہدہ برآ ہونا چاہیے۔

Marfat.com

۱۲- انفرادی فوائد کو بہرصورت مفاد عامہ کے تابع رہنا چاہیے۔

۱۳- صلاح مشورے اور عدل کے طریق کار کو حکومت کے تمام دوسرے طریقوں پر ترجیح ہونا چاہیے۔

۱۴- اسلامی ریاست نہ دوسری ریاستوں کو فریب دینے کی کوشش کرے نہ ایسی ذمہ داریاں قبول کرے جن سے عہدہ برآ ہونے کی نیت نہ رکھے۔

۱۵- ایک آدمی کا انتقامی اور ذاتی نفرت کا جذبہ دشمنی کو طول دیتا ہے اور آنے والی مشکلات کا بیج بوتا ہے لہذا ہر معاملے میں اور ہر سطح پر مفاہمت عدل اور میانہ روی سے کام لینا چاہیے۔

۱۶- کوئی قوم اور جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ برضا و رغبت ان قوانین کی پابندی نہ کرے جو حکومت نے قوم کے اختیار کردہ نظریہ حیات کے نفاذ کے لیے وضع کیے ہوں۔ ان قوانین پر عمل درآمد ہر ایک کے لیے لازم ہونا چاہیے۔

۱۷- ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔

۱۸- نمونۂ عدل وانصاف نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت طیبہ سے استفادہ کیا جائے۔

وہ صاحب ''تحفۃ العراقین''
ارباب نظر کا قرۃ العین
ہے پردہ شگاف اس کا ادراک
پردے ہیں تمام چاک در چاک(۵۷)

حاصل کلام:

ہر انسان کا دوسرے انسان سے ایک رشتہ ہے۔ اس انسانی رشتے کے باعث ہر انسان دوسرے انسان سے دوگنا تعلق رکھتا ہے۔ کبھی وہ فائدہ پہنچاتا ہے، کبھی فائدہ حاصل کرتا ہے۔ کبھی مدد دیتا ہے، کبھی مدد لیتا ہے، کبھی راہنمائی مہیا کرتا ہے، کبھی رہنمائی کے حصول کی درخواست کرتا ہے۔ کبھی وہ معلم ہوتا ہے، کبھی متعلق بنتا ہے۔ کبھی وہ اثر انداز ہوتا ہے، کبھی وہ اثر قبول کرتا ہے۔ جانبین کا یہ رشتہ قطع نظر اس کے کہ دونوں میں سے کسی کا مذہب کیا ہے؟ کسی کے خیالات کیا ہیں؟ سراسر ایک انسانی رشتہ ہے جس کی اسلام نے نا صرف قدر کی ہے بلکہ پذیرائی بھی کی ہے۔ وہ ہر انسان کو اس لحاظ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے جس کو خود حدیث پاک میں ''الخلق عیال اللہ'' یعنی مخلوق کو اللہ کا کنبہ کہا گیا ہے۔''(۵۸) حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ''پس اللہ کا زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور اچھا برتاؤ کرے''۔(۵۹) ان تمام حقوق کو جو مسلمانوں کے باہمی خیر خواہی، عدل و احسان اور باہمی رشتہ اخوت کے لیے ضروری ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے معجزانہ بلاغت کے ساتھ ایک مختصر حدیث میں اس طرح بیان کر دیا ہے۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس

Marfat.com

کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک سچا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہو"۔(۶۰) پس عصر حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم روزمرہ انفرادی و اجتماعی معاملات و تعلقات میں تصور عدل و عدل اجتماعی پر اس کی حقیقی صورت میں عمل پیرا ہوں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم باہم مل کر اسلامی تعلیمات کی اصل روح کو زندہ رکھیں اور ہر سطح پر ہر قسم کے اختلافات بھلا کر عدل و انصاف کی فضا قائم کریں۔

اٹھ کر ظلمت ہوئی پیدا افق خاور پر | بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کردیں
ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط | اسی ہنگامے سے محفل تہہ و بالا کردیں
اس چمن کو سبق آئین نمو کا دے کر | قطرۂ شبنم مایہ کو دریا کر دیں(۶۱)

حواشی و حوالہ جات

۱- القرآن، سورۃ النحل، آیت ۹۰۔ ۲- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۵۱۔ ۳- نور محمد غفاری، پروفیسر ڈاکٹر، اسلام کا معاشی نظام، دولت اور تقسیم دولت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۷۔ ۴- رواہ مسلم عن ابی ذرؓ، بحوالہ امام نووی، اربعین، حدیث نمبر ۲۴۔ ۵- الندوی، ابوالحسن علی الحسنی، ماذا خسر العلم بانحطاط المسلمین، دارالسلام حلب، بیروت ۱۹۷۸ء، ص ۱۲۷۔ ۶- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲-۲۲۔ ۷- محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، شعور زندگی، سعد پبلی کیشنز، میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۴-۲۳۔ ۸- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۔ ۹- اقبال، کلیاتِ اقبال، الحمرا پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۳۸۴۔ ۱۰- اقبال، کلیاتِ اقبال، الحمرا پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۴۶۱۔ ۱۱- القرآن، سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۹۔ ۱۲- القرآن سورۃ الدھر، آیت ۹،۸۔ ۱۳- مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، ص ۴۲۲۔ ۱۴- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۷۔ ۱۵- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸۔ ۱۶- محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، شعورِ زندگی، سعد پبلی کیشنز، میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۰۹۔ ۱۷- اقبال، کلیاتِ اقبال، الحمرا پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۳۸۲۔ ۱۸- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۷۔ ۱۹- القرآن، سورۃ النحل، آیت ۹۰۔ ۲۰- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۸۔ ۲۱- القرآن، سورۃ النساء، آیت ۱۰۵۔ ۲۲- القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۱۰۔ ۲۳- القرآن، سورۃ الانفال، آیت ۴۶۔ ۲۴- القرآن سورۃ النساء، آیت ۱۰۷۔ ۲۵- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۴۵۔ ۲۶- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۴۲۔ ۲۷- القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۲۹۔ ۲۸- سنن ابن ماجہ، باب التجارۃ، حدیث نمبر ۸۔ ۲۹- القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۶۷۔ ۳۰- القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۷۔ ۳۱- نور محمد غفاری، پروفیسر ڈاکٹر، اسلام کا معاشی نظام، دولت اور تقسیم دولت، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۰۱-۳۰۰۔ ۳۲- مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، حدیث نمبر ۵۲۔ ۳۳- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸۔ ۳۴- اقبال، کلیاتِ اقبال، الحمرا پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص

Marfat.com

۸۶۰۔ ۳۵- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۲۔ ۳۶- عمر فاروق غازی، ڈاکٹر کرنل (ر)، بنیادی انسانی حقوق کا تنقیدی جائزہ، سید مودودی انسٹی ٹیوٹ، وحدت روڈ، لاہور، ۲۰۰۲ء ص ۲۸۔ ۳۷- حسن عبداللہ، آل شیخ، سعودی عرب کا عدالتی نظام، بہ حوالہ طبرانیو بیہقی، اعلام المعوفین، ابن قیتم، ج ا، ص ۸۶-۸۵۔ ۳۸- القرآن، سورۃ الحجرات، آیت ۹۔ ۳۹- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۵۹۔ ۴۰- القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۶۔ ۴۱- القرآن، سورۃ الجاثیہ، آیت ۱۵۔ ۴۲- القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۲۶۔ ۴۳- القرآن، سورۃ ہود، آیت ۱۰۲۔ ۴۴- القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۸۔ ۴۵- سید فضل الرحمٰن، ششماہی السیر، عالمی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ناظم آباد، کراچی ۲۰۰۰ء۔ ص ۱۴-۱۳۔ ۴۶- بخاری، الصحیح، مصطفی البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۳ء، ج ۴، ص ۱۲۳، دارمی السنن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ج ۲، رقم ۲۳۰۲، ص ۲۳۷۔ ۴۷- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۳۶۔ ۴۸- محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، شعور زندگی، سعد پبلی کیشنز، میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۰۲۔ ۴۹- محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، شعور زندگی، سعد پبلی کیشنز، میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۰۲۔ ۵۰- ایضاً، ص ۳۰۳-۳۰۲۔ ۵۱- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، تعریف پرنٹرز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۔ ۵۲- محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، شعور زندگی، سعد پبلی کیشنز، میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۰۳۔ ۵۳- ایضاً، ص ۳۰۴-۳۰۳۔ ۵۴- ایضاً، ص ۳۰۴۔ ۵۵- ایضاً ص ۳۰۵-۳۰۴۔ ۵۶- ایضاً، ص ۳۰۸۔ ۵۷- اقبال، کلیات اقبال، الحمرا پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۴۔ ۵۸- محمد اسلم صدیقی، ڈاکٹر، شعور زندگی، سعد پبلی کیشنز، میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۹۷۔ ۵۹- مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، ص ۴۲۲۔ ۶۱- اقبال، کلیاتِ اقبال، الحمرا پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص ۱۸۸۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مس ذکیہ نذیر۔ کوئٹہ

عدل کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا، برابر کرنا، افراط وتفریط کے درمیان توازن قائم کرنا، اصطلاح میں عدل کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا برابر بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔ عدل جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ ''انصاف'' سے ادا کیا جاتا ہے۔

مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اس سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں۔ جو سراسر فطرت کے خلاف ہے دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ توازن اور تناسب ہے۔ نہ کہ برابری، بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔ مثلاً حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی واخلاقی مساوات، اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے۔ وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن وتناسب ہے۔

نظام عدل کو قرآن میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو حکماً اپنے معاملات عدل کے ساتھ درست کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۱) ترجمہ: (یقیناً اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)

''عدل'' (انصاف) یا اچھائی کے بدلے اچھائی اور ''احسان'' (نیکی) یا خود اچھائی اسلامی تصور عدل کی بنیادی عدالتی اصطلاحات ہیں انصاف کا ادنی درجہ ''عدل'' ہے اور اعلیٰ درجہ ''احسان'' ہے۔

عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جن روایتوں میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام گنائے گئے ہیں۔ ان میں ایک عدلؔ (عدل کرنے والا) بھی ہے۔ علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ ''اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے''۔ قرآن پاک میں کئی دفعہ یہ حقیقت مختلف لفظوں میں دہرائی گئی ہے۔ فرمایا! ﴿وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ﴾ (۲) (ترجمہ: اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے)۔ یہ عدل عملی کی طرف اشارہ ہے۔

دوسری آیت میں ﴿وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ (۳) ترجمہ:۔ اور اللہ حق بات کہتا ہے۔

Marfat.com

یہ اللہ تعالیٰ کے عدل قولی کو ظاہر کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں قرآن پاک کی ذیل کی آیت میں یکجا ہیں۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام: ۱۱۵)

ترجمہ: اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگی۔

اسلام میں عدل کا مرکزی اور اولین ماخذ قرآن ہے یہ اس کا مصدر اور سرچشمہ ہے

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (۴)

ترجمہ:۔ یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقہ سے عدل کرسکو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے۔

اس الٰہی دستوری قانون کے مطابق رسول ﷺ نے مندرجہ ذیل ضابطہ بتایا

''کوئی مکان یا زمین جو دور جاہلیت میں تقسیم کی گئی تھی۔ اس تقسیم جاہلیت کے مطابق منقسم رہے گی۔ کوئی مکان یا زمین جو طلوع اسلام تک تقسیم نہیں ہوئی تھی اسلامی قانون تقسیم کے مطابق ہوگی'' (۵)

دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات میں اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے۔

اسلام میں عدل اجتماعی کے مزاج سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آشنا ہوسکتے ہیں۔ جب الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ لیں۔ کیونکہ عدل اجتماعی کا اسلامی نظریہ اسی اصول اور بنیادی فکر کی ایک فرع ہے جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع ومنبع ہے۔ یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع انسانی عدل بنا کر پیش کرتا ہے۔ جو مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں۔ اس کے نزدیک زندگی کی حقیقی قدریں بیک وقت مادی بھی ہیں اور معنوی بھی۔ دونوں میں تفریق صحیح نہیں۔ انسانیت ایک جامع وحدت ہے۔ جس کے مختلف عناصر باہم مربوط وہم آہنگ اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں یہ باہم نفرت اور دشمنی رکھنے والے مختلف گروہوں کا مجموعہ نہیں۔ کبھی کبھی ایسا گمان ہونے لگتا ہے کہ حقیقت واقعہ اسلام کے اس بنیادی فکر کے خلاف ہے۔

اللہ نے انسان کو جس احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔ اس کے عجیب کرشموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عریاں فساد اور بے نقاب فتنے کی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے۔ اور اس بناء پر شیطان اکثر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے فتنہ وفساد کو کسی نہ کسی طرح صلاح وخیر کا دھوکہ دینے والا لباس پہنا کر اس کے سامنے لائے۔ جنت میں آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر شیطان ہرگز دھوکا نہ دے سکتا تھا کہ میں تم سے خدا کی نافرمانی کرانا چاہتا ہوں تاکہ تم جنت سے نکال دیئے جاؤ۔ بلکہ اس نے یہ کہہ کر انہیں دھوکا دیا کہ

﴿هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۰)

ترجمہ: کیا میں تمہیں وہ درخت بتاؤں جو حیات ابدی اور لازوال بادشاہی کا درخت ہے۔

اسلام جس کو حقیقت واقعہ کا درجہ دیتا ہے۔ وہ کسی ایک فرد یا قوم یا نسل کی تاریخ نہیں کیونکہ ایسی تاریخ زمان ومکان کی پابند ایک محدود سی صورت واقعہ کا نام ہے۔ فانی انسانوں کا کوتاہ بین فہم ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی انسانی زندگی سے ابھرنے

Marfat.com

والے عظیم حقائق کو بھول کر انہی تاریخوں کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔اسلام اس کوتاہ بینی کا قائل نہیں وہ تمام گوشوں پر نگاہ ڈالتا ہے۔ ہر طرح کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے۔ اور ایسے مقاصد کو اپناہدف بناتا ہے۔ جس سے ازل تا ابد ساری انسانیت کو یکساں تعلق ہے۔یہی دُوررس بنیادی اور کُلی فکر جو عدل اجتماعی کے اعلیٰ مقاصد کا ضامن ہے۔ اسلام کے تفصیلی احکام وضوابط کے سمجھنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔جن ضوابط کی علیحدہ علیحدہ توجیہ مشکل نظر آتی ہے۔وہ اِس اصل کی روشنی میں حکمتوں سے پُر نظر آنے لگتے ہیں۔

(1) عدل اجتماعی کا اسلامی نظام

تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے: 1۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر، 2۔کامل انسانی مساوات، 3۔ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل

1۔ مطلق اور مکمل آزادی ضمیر

اجتماعی عدل کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔نہ اُسے اُس وقت تک قیام و بقانصیب ہوسکتا ہے۔ جب تک کہ اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور نہ موجود ہو۔ پھر یہ یقین بھی ضروری ہے کہ اسی طرح ایک اعلیٰ انسانی مقصد تک پہنچنا ممکن ہوسکے گا۔ ساتھ ہی مادی حالات ایسے ہونے چاہیں کہ فرد اس نظام عدل سے وابستہ رہنے۔ اس کی حفاظت کرنے اور اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے پر آمادہ ہوجائے۔فرد کو اس ضرورت کا احساس نہ وہ اور وہ شعور کو ہمیشہ تازہ رکھنے کا عملاً اہتمام نہ کرے تو محض قانون سازی کے ذریعہ اس طرح کا عدل قائم کرنا مشکل ہے۔ایسی قانون سازی اگر عمل میں بھی آجائے تو سماج ان قوانین کے برقرار رکھنے اور انہیں پوری طرح نافذ کرنے پر قادر نہ ہوسکے گا۔ضروری ہے کہ افراد کے داخل میں ایسے عقائد موجود ہوں جو اس اجتماعی عدل کی تائید کریں اور خارجی حالات بھی ایسے ہوں کہ اس کا قیام عملاً ممکن ہوسکے۔اس نکتہ کو اسلام اوّل دن سے سمجھتا ہے اور اسے اس نے اپنی قانون سازی اور ہدایت وتلقین دونوں میں ہمیشہ سامنے رکھا ہے۔کلیسا اور مقدس کانفرنسوں کی بگاڑی ہوئی عیسائیت اور اسی طرح بدھ مت کے نزدیک دینوی زندگی کے لذائذ ومرغوبات سے بے نیازی اللہ کے کرشموں سے پُر آسمانی دنیا کی طرف توجہ، اورترک دنیا انسان کو آزادی عطا کرنے اور فلاح وسعادت سے بہرہ یاب کرنے کے لئے کافی ہے۔ بات سچی ہے لیکن ایک حد تک، کیونکہ زندگی کے تقاضوں کو ہر حال میں پس پشت ڈال دینا ممکن نہیں ہوتا۔نہ ہی ضروریات زندگی کو ہمیشہ دبائے رکھنا ممکن ہے۔ موزوں اور معقول صورت وہ ہوگی جس میں انسان کی قوتوں اور صلاحتوں کو نشوونما کا پورا موقع ملے اور ساتھ ہی وہ ضروریات کی توہین آمیز حد تک غلامی سے بچارہے اسلام کو ایسی ہی شکل مطلوب تھی اور اُس نے جسمانی ضروریات اور روحانی میلانات دونوں کے لئے ایک ایسا ہی نظام تجویز کیا ہے۔اس نے آزادی ضمیر کی خاطر داخل میں شعور واحساس بھی پیدا کیا اور خارجی حالات کو بھی سازگار بنایا۔

اسلام کا نقطہ نظر آغاضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت وفرماں برداری سے آزاد کراتا ہے۔اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اسے مارتا اور جلاتا ہو آسمان وزمین میں بس وہی ایک ذات ہے جو انسان کو رزق عطا کرتی ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ O اَللّٰهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾(٦)

Marfat.com

ترجمہ: کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے (سورۃ اخلاص)

اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی بابت فرماتا ہے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾(۷)

ترجمہ: محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا وہ مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

عیسیٰ ابن مریمؑ کو خدا بنا لینے والوں کا ذکر کرتا ہے تو انہیں ذلت پسندی کفر شعاری کا مجرم گردانتا ہے۔ مقام ومنزلت کے چھن جانے کا خوف بھی موت اور مصیبت اور فقروفاقہ کے خوف کا ہم پلہ ہوجاتا ہے۔ اسی لئے اسلام چاہتا ہے کہ فرد کو اس خوف سے بھی نجات دلائی جائے کہ اس معاملہ میں بھی کوئی بندہ کسی بندہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تقدس سے مرعوبیت یا جان ومال اور مقام ومنزلت کے بارے میں اندیشوں اور ان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی غلامانہ ذہنیت سے تو انسان جلد آزاد ہوجاتا ہے۔ لیکن ان اجتماعی قدروں کی پرستش سے بچنا بڑا مشکل ہے۔ جو مال ودولت، جاہ وحشمت اور حسب ونسب پر مبنی ہوتی ہے خواہ وہ انسان کو نہ فائدہ پہنچا سکتی ہوں نہ نقصان چنانچہ جب وجدان ان اقدار میں سے کسی سے مرعوب ومتاثر ہوجاتا ہے تو اسی تاثیر کی حد تک اس کی آزادی بھی چھن جاتی ہے۔ اور جن لوگوں کو یہ چیزوں حاصل ہوتی ہیں ان کے سامنے وہ حقیقی مساوات کے شعور سے محروم ہوجاتا ہے یہاں اسلام آگے بڑھتا ہے اور بلا کسی افراط وتفریط کے ان تمام اقدار کو اُن کے اس مقام پر رکھتا ہے جو انہیں زندگی میں واقعۃً حاصل ہونا چاہیے۔ غرض یہ کہ اسلام معاملہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتا ہے اور اس کے ہر گوشہ کی طرف توجہ کرکے شعور وجدان کو ایسی مکمل آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ جو نہ صرف تصورات اور نظری قدروں پر مبنی ہے نہ اس کا واحد سہارا اقتصادی اور مادی انتظامات ہیں۔ بلکہ وہ بیک وقت ان دونوں بنیادوں پر قائم ہے۔ اسلام میں اجتماعی عدل کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ آزادی انہی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔ بلکہ یہی وہ اولین بنیاد ہے جس پر دوسری بنیادیں قائم ہیں۔

2۔ ''کامل انسانی مساوات''

حقیقی مساوات کے سارے لوازم ایک ایک کرکے اکھٹا ہوگئے۔ انسان کا ضمیر ووجدان پوری طرح آزاد ہوگیا اور غلامانہ ذہنیت کے ہر شائبہ سے بری ہوا۔ انسان غربت وذلت، تکلیف ومصیبت اور موت کے اندیشوں سے یہ سمجھ کر بے نیاز ہوگیا کہ کوئی بات اذن خداوندی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ سماجی اور اقتصادی قدروں کے دباؤ سے بھی نکل آیا اور دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے بھی بچ گیا۔ خود اپنی خواہشات وہوا سے بھی بلند ہو کر اس یکتا اور منفرد خالق کی طرف متوجہ ہوا جس کی طرف بلا تمیز بندہ وآقا سارے انسان رخ کرتے ہیں۔ ان باتوں کے پہلو بہ پہلو ہر فرد کو بقدر کفایت ضروریات زندگی بھی میسر آگئیں۔ اب حقیقی مساوات کے سارے لوازم مہیا ہوگئے اور مساوات انسان کی رگ وپے میں سرایت کرگئی۔ انسانی ضمیر اب اس کا محتاج نہیں رہا کہ کوئی اس کے لئے مساوات کے لفظی نعرے بھی بلند کرے کیونکہ ایسا مزاج بن جانے کے بعد اب وہ ان

Marfat.com

امتیازات کو برداشت کرنے سے انکار کردے گا۔ جو صرف معاشرتی اور معاشی بنیادوں پر قائم ہیں۔ مساوات کے اس تصور کے تحت اب وہ اپنے حقوق کا طالب بن کر اٹھے گا اور جب ان حقوق کو حاصل کرلے گا تو ان کے تحفظ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گا۔ اس مساوات کا تصور ہر ہر دل میں گھر کر چکا ہوگا۔ اس کی پشت پر ہر فرد کو بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی قانونی ضمانت بھی حاصل ہوگی۔ اس لئے اس کے طالب و حامی صرف کمزور اور غریب لوگ نہ ہوں گے بلکہ وہ اصحاب ثروت بھی اس کی پشت پناہی کریں گے۔ جن کے دل اسلامی تعلیمات سے منور ہوں جب اسلام کی دعوت بلند کی گئی تو انسانیت لفظ مساوات سے ناآشنا تھی۔ کوئی اس بات کا دعوے دار تھا کہ وہ دیوتاؤں کی نسل ہے اور کوئی اس زعم میں مبتلا تھا کہ اس کی رگوں میں عام لوگوں کی طرح کا معمولی خون نہیں بلکہ صاف، خالص اور شاہانہ خون رواں ہے۔ عورتوں کے بارے میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ان کے جسم میں روح بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ آقاؤں کے لئے بالکل جائز حق تھا کہ غلاموں کو درد ناک سزائیں دیں۔ یا قتل کرڈالیں۔ ایسے حالات میں اسلام آیا اور اس نے مساوات کا درس دیا۔ قانون کو سامنے اور اللہ کے حضور، دنیا اور آخرت میں، غرض ہر جگہ ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا۔ بتایا کہ عمل صالح کے سوا فضیلت وامتیاز کا کوئی اور معیار نہیں۔ عزت وشرف اگر ہے تو ان کے لئے جو زیادہ متقی اور پاک باز ہوں۔ یہ انسانیت کی ایک ایسی جست تھی جس کی تاریخ میں کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی اور اب بھی یہ وہ چوٹی ہے جس کی بلندیوں کو انسان کبھی نہ چھوسکا۔ بلکہ یہ انسانیت کی میلاد ثانی تھی جس میں ایک بلند تر انسان نے جنم لیا۔ شاہانہ خون کا دعویٰ بھی باطل ہے۔ شاہانہ خون اور تمام خون کی تقسیم محض ایک افسانہ ہے۔ اور اسی طرح یہ بات کہ کسی کو سر سے پیدا کیا اور کسی کو پیر سے

﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍO فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍO اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍO فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ﴾(۸)

ترجمہ: کیا ہم نے تم سب کو ایک حقیر پانی سے نہیں بنایا؟ پھر ہم نے اسے ایک جائے قرار میں ایک متعین مدت تک رکھا۔ پھر ہم نے مزید تعین کی اور ہم بہت صحیح تعین کرنے والے ہیں۔

اب اس حقیقت سے کیسے انکار ہوگا کہ اسلام قبیلہ ونسل اور مذہب ومسلک ہر طرح کے تعصبات سے بری ہے اور اس سلسلہ میں اتنے بلند مقام تک پہنچ گیا ہے۔ جہاں پہنچنا مغربی تہذیب کو آج تک نہیں نصیب ہوسکا۔ نبی ﷺ کی مثال لیجیے۔ آپؐ نبی تھے قوم کے چہیتے تھے اور قوم کے دل میں آپؐ کی عزت وعظمت جاگزین تھی۔ اندیشہ تھا کہ یہ محبت وتنظیم غیر معمولی فضیلت وبرتری دے دینے کی شکل نہ اختیار کرلے۔ اسی اندیشہ کے تحت آپ ﷺ قوم کو نصیحت فرماتے ہیں۔

''میری تعریف میں اِس طرح کا غلو نہ کرنا جس کا غلو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی تعریف میں کیا۔ کیونکہ میں صرف اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں''

اِسی طرح بعض صاحب ثروت اور اعلیٰ حسب ونسب کے لوگ چونکہ غریب مردوں اور عورتوں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ. اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ

Marfat.com

فَضْلِہٖ﴾(۹)

ترجمہ: اپنی بیوہ عورتوں اور صالح غلام اور لونڈیوں کا نکاح کرو۔اگر یہ لوگ مفلس ہوں تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔

اسلام کے لئے یہ کارنامے کیا کم ہیں کہ اس نے عورت کو دین کے معاملے میں برابر کا درجہ دیا۔کسب مال اور ملکیت میں اسے مساوات عطا فرمائی۔ پھر اس نے اس کو اِس بات کی ضمانت دی کہ نکاح اس کے اذن سے ہوسکے گا۔ مادہ پرست مغرب نے عورت کو جو آزادی دی ہے۔اس کا چشمہ خالص اور پاک انسانی منبع سے نہیں پھوٹتا اور نہ اس کی پشت پر وہ بے لوث اور مخلصانہ محرکات رہے ہیں۔ جو اسلام میں حریت ومساوات عطا کرنے کے باعث بنے۔اسی طرح اسلام زندگی کے ہر پہلو کو لیتا ہے۔اجتماعی شعبوں کو بھی اور ضمیر ووجدان کے گوشوں کو بھی اور ہر جگہ پوری پوری مساوات قائم کرتا ہے۔

3۔ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل

ایسی زندگی کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی جس میں ہر فرد بے قید آزادی کے ساتھ ساتھ دھوکر نفع اندوزی اور لذت طلبی کے پیچھے پڑجائے اور جب اس آزادی کے پیچھے مساوات مطلق کا تصور بھی موجود ہو تو نتائج اور مہلک ہوں گے اور فرد وسماج دونوں تباہ وبرباد ہوکر رہ جائیں گے۔ ہر سماج کی ایک کلی مصلحت ہوتی ہے۔ جسے انفرادی آزادیوں کی حد سمجھنا چاہیے۔ خود فرد کی اپنی بھلائی بھی اس میں مضمر ہوتی ہے کہ اپنی آزادی سے فائدہ اٹھانے میں وہ بعض حدُود پر آکر رُک جائے اور ان سے تجاوز نہ کرے۔ ورنہ لذت طلبی اور ہوا وخواہشات اسے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیں گئے۔ یا اس کی آزادی دوسرے افراد کی آزادی سے ٹکرا جائے گی اور ایسے ایسے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں گئے جو پھر ختم ہونے کا نام نہ لیں گے۔ایسی آزادی ایک وبال بن کر رہ جائے گی۔ زندگی کی ترقی اور بلندی اور کمال کی جانب اس کا اقدام عارضی اور حقیر ذاتی مفادات کی حدود میں آکر رک جائے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی''آزادی''میں یہی ہوا اور ساتھ ہی آزاد شہوت رانی کے حیوانی نظریات نے بھی جنم لیا۔اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل میں عطا کرتا ہے اور اعلیٰ ترین معنیٰ میں انسانی مساوات برپا کرتا ہے لیکن ان دونوں کو بے قید و بے لگام نہیں چھوڑتا۔ایک طرف سماج کا مفاد اور اس کا حق ہے۔دوسری طرف انسانیت کے مصالح اور اس کے تقاضوں کا پاس ولحاظ ہے اور ساتھ ہی دین کے بلند تر مفاد کی قدرو قیمت بھی سامنے ہے۔اس لئے اسلام انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اُصول پیش کرتا ہے۔اور اُس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے۔اسی ذمہ داری کو ہم ''اجتماعی تکافل'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اسلام نے اجتماعی تکافل کا اصول پوری تفصیل کے ساتھ سامنے رکھا ہے۔فرد اور اُس کی ذات، فرد اور اس کا قریبی خاندان، فرد اور جماعت، ایک قوم اور دوسری قوموں، ایک نسل اور آگے آنے والی نسلوں سب کے مابین اجتماعی تکافل کا یہ اصول کار فرما ہے۔ ذمہ داریوں کا یہ اشتراک فرد اور اس کی اپنی ذات کے درمیان بھی مطلوب ہے۔فرد اس بات کا مکلّف ہے کہ نفس کو اس کی بے لگام خواہشات سے باز رکھے۔اسے ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کرکے اس کا تزکیہ کرلے۔اسے لے کر صلاح وکامرانی اور نجات کی راہ پر پیش قدمی کرے اور اسے ہلاکت کے منہ میں نہ جھونک دے۔

Marfat.com

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰیO وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاO فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی﴾ (۱۰)

ترجمہ: جس نے سرکشی کی روش اختیار کی اور حیات دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جنم ہے۔

اس طرح فرد کو مکمل آزادی ضمیر اور کامل انسانی مساوات عطا کرنے کے ساتھ ہی اسلام ہر فرد میں دو شخصیتیں پیدا کر دیتا ہے۔ جو ہمہ وقت ایک دوسرے پر نظر رکھتی ہیں اور بھلائی برائی میں ایک دوسرے میں تعاون کرنے یا ہاتھ پکڑنے کا فرض بھی ادا کرتی ہیں۔ فرد اور اس کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے مابین بھی تکافل کا اصول کارفرما ہے۔

﴿وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (۱۱) ترجمہ: اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

خاندان میں کفالت باہمی کی اہمیت کے بارے میں بس یہی کیا جاسکتا ہے کہ یہی اس ادارہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اُصول ہے۔

امت اسلامیہ جسد واحد کی مانند ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی تصویر کشی اِن الفاظ میں کی ہے۔

''باہم لطف وکرم اور انس ومحبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا عضو عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعہ اس کا شریک غم بن جاتا ہے''

اسلام کے اجتماعی تکافل کو اس کی تمام ممکن شکلوں کے ساتھ قائم کرتا ہے ان تین بنیادوں پر اجتماعی عدل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور انسانی عدل کا نظریہ عمل کا جامہ پہنتا ہے۔

2۔ رسول ﷺ کے عہد میں عدل اجتماعی کی تابناک دلیلیں

حضور ﷺ نے واضح فرمادیا کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے امیر اور غریب میں امتیاز نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اسے سزا دیتے تھے۔ قسم ہے خدا کی اگر فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ اس خطبہ کا ذکر بخاری اور مسلم دونوں نے کیا ہے۔ رسول ﷺ کے زیر ہدایت شک کا فائدہ ملزم کو دیا جانے لگا'' آپؐ کا قول ہے۔ شہادت کی موجودگی میں سزاؤں سے درگزر کرو' (ترمذی) (۱۲)

حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کا فرمان مروی ہے کہ مسلمان سے جہاں تک ہو حدود کو دور کرو اور اگر ذرا سا موقع بچاؤ کا نکل آئے تو اُس کو چھوڑ دو۔ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا۔ یعنی معافی دینے میں خطا کرنا بہتر ہے۔ بہ نسبت سزا دینے میں غلطی کرنے سے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے لوگوں کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ نے ہم کو بھیجا۔ میں ایک شخص کے مقابلہ پر آیا اور اس پر نیزہ سے حملہ کرنا چاہا رہا تھا کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ میں نے اس کو نیزے سے مار ڈالا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا جب اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا تو پھر تم نے اسے کیوں قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو اپنے آپ کو بچانے کے لئے کلمہ پڑھ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہم ظاہر پر فیصلہ کرتے ہیں اور نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ ظاہر واقعات اور

Marfat.com

قرآئن پر انحصار کا اصول ایک اور مخاصمہ سے روشن ہوتا ہے۔ جو حضورؐ نے فیصلہ فرمایا۔ ایک جانور کی ملکیت کے متضاد زبانی دعوؤں کی صورت میں حضورؐ نے فیصلہ اس شخص کے حق میں کیا۔ جس کے قبضہ میں وہ جانور تھا۔ جدید اصول قانون کا مقولہ بھی یہی ہے کہ قبضہ قانون کا 9/10 حصہ ہے۔

قتل کے مقدمہ میں عدم شہادت کی صورت میں حضورؐ نے قسامت یعنی جماعتی قسم کا قاعدہ استعمال فرمایا اور جہاں فریقین سے کوئی جماعت قسم کھانے کو تیار نہ ہوئی تو حضورﷺ نے دیت بیت المال سے دلوادی۔ بعض نظیروں سے مترشح ہے کہ حضورﷺ نے فوجداری نوعیت کے مقدموں میں ملزم کو تحقیقات تک اور مدیون کو قرض کی ادائی کے لئے حوالات میں محبوس رکھا۔

مغربی قانون فلسفہ کا ایک اُصول یہ ہے کہ صدر ریاست دولتی عدالتوں میں جواب دہ نہیں ہوسکتا۔

اسلامی نظام میں کسی فرد کو خواہ وہ ریاست کا سربراہ ہی کیوں نہ ہو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے خلاف ضمان یعنی ٹارٹ اور دیوانی، دونوں قسم کے دعوے سُن کر مدعیوں کے حق میں فیصلے دیئے۔ اس قسم کے فیصلے قانون کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں انہی نظیروں کی وجہ سے عہد خلافت راشدہ میں خلفیہ وقت کو بھی قاضی ایک معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے طلب کرلیتا تھا اور اُسے حاضر ہوکر جواب دہی کرنی پڑتی تھی۔ قضاء کی اہمیت حضورﷺ کے ایک اور قول سے بھی واضح ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ دو فریقوں کے کسی جھگڑے کا عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا صدقہ ہے۔ شہادت کی پرکھ کی نسبت حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ خائن مرد اور خائنہ عورت زانی مرد اور زانیہ عورت کی شہادت مقبول نہیں۔ جو شخص کسی کی نسبت دل میں کینہ رکھتا ہے۔ یا کھانے پینے میں کسی کا طفیلی ہے۔ اس کی شہادت بھی اُس کے حق میں جس کا وہ طفیلی ہے قابل پذیرائی نہیں مقدمہ بازی کو حضورؐ نے عمومی طور پر مذموم قرار دیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جھگڑالو اور مقدمہ باز شخص کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔ نفع یا نقصان کے اثبات نفی کا پیمانہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق عرف عام ہے۔ اس کی مثال برا ابن غازب کا مقدمہ ہے۔

ایک بنیادی جامع بالغ اُصول حضورؐ نے ''الخراج بالضمان'' کہہ کر قائم فرمایا۔ یعنی کسی چیز کی حاصل یا پیداوار کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو اس کے وجود اور بقا کا ذمہ دار ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی چیز کا تاوان برداشت کرتا ہے۔ اس کو اِس سے فائدہ اٹھانے کا بھی حق ہے۔ معاہدات کے متعلق حضورؐ نے یہ کلیہ بیان فرمایا کہ مسلمانوں نے آپس میں جن شرطوں کا التزام کیا ہو۔ ان کی پابندی لازم ہے۔ الا یہ کہ انہوں نے کوئی شرط عائد کی ہو جس کی وجہ سے حرام حلال ہوجائے یا حلال کو حرام سمجھنا پڑے۔ بعض خصوصیات میں تسویے کے لئے ماہرین کی امداد حاصل کرنے کی مثالیں بھی عہد نبویؐ سے ملتی نہیں ہیں۔ تعمیرات، غلے یا دیگر زرعی پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے آنحضرتﷺ نے ماہر برسر موقع تفتیش کے لئے مامور فرمائے۔ قیافہ شناس کی بشارت بطور قرائن کے مقبول کئے جانے کی نظر میں تاریخ عہد نبویؐ میں مذکور ہے۔

''حقوق شہرت کا منشور اعظم''

نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع (10ھ) جبل الرحمۃ کے مشہور خطبے میں جو تصریحات فرمائیں تاریخ میں منشور انسانیت کے مترادف ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کے بنیادی حقوق یعنی جان، مال آبرو محفوظ اور قابل احترام ہیں۔ امانت

Marfat.com

کی واپسی اور قرض کی ادائیگی فرائض میں شامل ہے۔ ربا لینے دینے کی قطعی ممانعت کی گئی اور ارشاد ہوا کہ قرض خواہ کو صرف اصل رقم واپس ہوگی۔ قتل عمد کے لئے قصاص اور رشبہ عمد کے لئے دیت ہوگی۔ زوجین کے ایک دوسرے پر حقوق کی صراحت کی گئی۔ کسی کا مال غصب کرنے اور کسی مسلمان بھائی سے لڑائی کے خلاف سخت تہدید کی گئی۔ احترام فرد کا معیار نسل ورنگ کی اضافی قدروں کی بجائے ارتقا یعنی خوف خدا قرار دیا گیا۔ وراثت میں قرآنی حصص کی پابندی کی تاکید ہوئی اور وصیت کی تہائی مال تک تجدید کی گئی۔

حضورعلیہ السلام کے قول، فعل اور تقریر میں کئی مسائل پر ہمیں رہنمائی مل سکتی ہے۔ لیکن یہ مقالہ اُن سب کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

اسلامی نظام جس کی داغ بیل حضور رسالت مآب نے ڈالی تھی قانون کا احترام محض جسمانی یا مالی مواخذہ کے خوف سے وابستہ نہیں کرتا بلکہ افراد اور جماعتوں کے اخلاقی شعور کو بیدار کر کے ایسا نصب العین ان کے سامنے رکھتا ہے۔ جس کے زیر اثر قانون کے تقاضوں سے گریز یا فرار کی کم سے کم گنجائش رہے یہ حضورعلیہ السلام کا ہی فیض ہے کہ ہمارے پاس ایک ایسا نظام شریعت موجود ہے، جس کی تحسین اعلام الموقعین میں ابن قیم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

> ''شریعت کی اساس و بنیاد حکمت پر اور بندوں کے معاشی و معاذی مفادات پر قائم ہے۔ شریعت کلیۂ عدل ہمہ تن رحمت اور سراپا حکمت ہے۔ پس جو مسئلہ بھی عدل سے نکل کر ظلم کی طرف باررحمت سے عدم رحمت کی طرف یا صلاح سے فساد کی طرف یا حکمت سے نامعقولیت کی طرف جارہا ہو وہ شریعت ہی نہیں اگرچہ اسے بہ دلائل داخل شریعت کر دیا گیا ہو'' (۱۳)

3۔ اسلام میں اجتماعی عدل کے قیام کے ذرائع

اسلام اپنے کام کا آغاز خارج سے نہیں داخل سے کرتا ہے۔ اور اپنی اصلاحی کوششوں کو سطح تک محدود رکھنے کے بجائے قلب وضمیر کی گہرائیوں کو ان کا اصلی ہدف قرار دیتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ کبھی بھی زندگی کی واقعتی صورت حال سے غفلت نہیں برتتا۔ وہ نہ تو نفس انسانی کی حقیقت اور اس پر طاری ہونے والی مدوجزر اور قبض وسبط کی مختلف کیفیات کو نظر انداز کرتا ہے نہ اس حقیقت کو کہ ایک طرف بلند پرواز، نیک ارادے اور جذبات عالیہ ہیں تو دوسری طرف پاؤں میں زنجیر بھی ہے۔ انسان کی پرواز کتنی ہی بلند ہو یہ جان ناتواں کمال ومطلق تک پہنچنے سے قاصر ہی رہتی ہے۔ نفس انسانی کی گہرائیوں کی بابت اپنے اتھاہ علم کی رہنمائی میں اسلام قانون بھی بناتا ہے۔ اور ترغیب وتلقین کا فرض بھی انجام دیتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ کچھ کاموں کا حکم دیتا اور کچھ چیزوں سے روکتا ہے۔ اس دین میں جو فرائض عائد کئے گئے ہیں ان کو نافذ کر دینے سے بھی زندگی کی گاڑی نہ صرف یہ کہ چل پڑتی ہے بلکہ انسانی زندگی میں موزونیت ومصالحیت بھی آجاتی ہے۔ لیکن طبیعت کے علو، قلب ونظر کی وسعت اور نیکی کے کاموں میں مسابقت کی اس اسپرٹ کو اپنایا جائے جس کے لئے اسلام انسانی ضمیر کو ابھارتا ہے تو مسلمان کی شخصیت کمال کے مدارج بھی طے کر سکتی ہے۔

اسلام کے پیش نظر چونکہ کامل اجتماعی عدل کا قیام تھا لہذا اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض اقتصادی عدل کا محدود نظام بن کر رہ جائے اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کر قانونی ذمہ داری ہی اس عدل کے قیام کا واحد سہارا ہو۔ چنانچہ اسلام نے اس

Marfat.com

نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر انسانی نظام عدل کی شکل دی اور اسے دو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ فرد کے داخل میں انسانی ضمیر اور سماج کی خارجی دنیا میں قانونی ضابطہ بندی۔

جیسا کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ صاحب امر کے ذریعہ انہیں اس سے زیادہ اصلاح و درستگی کر دیتا ہے جتنی قرآن کے ذریعہ کرتا ہے۔ (یزع اللہ بالسلطان اکثر مما یزع بالقرآن) جو شخص بھی اس دین پر تحقیق کی خاطر انصاف کی نظر ڈالے گا یہ محسوس کرے گا کہ اُس نے تہذیب نفس کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔ ہر پہلو سے ہر معاملہ میں نفس کی اصلاح و درستگی پر بہت زیادہ کوششیں صرف کی ہیں۔ چنانچہ اِس دین نے اپنے نبی ﷺ کی جو سب سے اونچی تعریف کی وہ یہ ہے کہ ''واقعی آپؐ بلند ترین اخلاق کے حامل ہیں'' ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم : ۴) کیونکہ حسن اخلاق ہی در اصل ٹھوس اور پائدار سماج کی عمارت کا پہلا ستون ہے۔ اِسی پر اس فانی اور محدود انسان کے ضمیر میں زمین کے آسمان سے تعلق جوڑنے اور فنا کے خلود سے رشتہ قائم کرنے کا انحصار ہے۔ اسلام انسانی ضمیر پر ان حدود کے سلسلے میں بھی اعتماد کر لیتا ہے جن میں سزا کوڑوں اور سنگساری تک جا پہنچتی ہے اسلام نے اِنسان کو حسن عمل پر حسن انجام کی بشارت بھی دی، اسے بد اعمالیوں کے انجام بد سے ڈرایا بھی۔

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ (۱۴)

ترجمہ: قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور اس ترازو کی تول میں کسی پر کوئی زیادتی نہ ہوگی

اسلام نے ضمیر کی نگرانی کے لئے خشیت وتقویٰ کی چوکی بٹھا دی ہے اور اس طور پر اس کو حدود دین کے قیام کی ذمہ داری اور قوانین شرعی کے نفاذ کی دیکھ بھال کے عظیم منصب سے عہدہ برہ ہونے کے لئے تیار کیا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کو صاحب استطاعت لوگوں کے مال میں ضرورت مند لوگوں کے حق کے طور پر قرض قرار دیا ہے۔ اُس نے اس حق کو شرعاً واجب الوصول قرار دیا ہے جسے اسلامی ریاست بجبر وصول کر سکتی ہے لیکن ساتھ ہی اس نے اس حق کی ادائیگی پر انسانی شعور وجدان کو بھی ابھارا اور داخل میں یہ تحریک پیدا کی کہ اصحاب استطاعت خود ہی بطوع ورغبت اس کی ادائیگی میں پیش قدمی کریں۔ چنانچہ اُس نے واضح کیا کہ زکوٰۃ عمارت اسلام کے ستونوں میں سے ایک اہم ستون اور ضروریات ایمان میں ایک اہم ضرورت ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ (۱۵)

ترجمہ: ایسے مومنین کی کامیابی یقینی ہے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ غلط اعمال واقوال سے دور رہتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔

زکوٰۃ ایک شرعی فریضہ ہے۔ جو ایک متعین شرح کے مطابق مال پر عائد ہوتا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو صدقہ ہے۔ جس کی کوئی حد یا شرح نہیں مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے فرد کے ضمیر پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایثار کی ایک اور حسین اور دل کش تصویر ان اہل مدینہ کے سامنے لا کر کھینچی گئی ہے۔ جنہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کیا پوری فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ان کو ٹھکانا دیا اور اپنے گھر بار اور مال و دولت میں ان کو حصہ دار بنایا۔ صدقہ اللہ کو دیا جانے والا قرض ہے۔ جس سے نفس کی بھی تطہیر

Marfat.com

ہوتی ہے۔ اور مال کی بھی۔ انفاق کا جذبہ اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کی تکمیل کرنے،اس کی خشیت میں ڈوبے رہنے اور بُرے انجام سے ڈرتے رہنے کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہ فہم وتدبر کی دلیل بھی ہے۔

حضرت بلالؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو رزق تجھے عطا کیا گیا ہے۔اُسے چھپا کر نہ رکھ اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے اس میں بخل سے کام نہ لے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ یہ کیسے ہوسکے گا؟ آپؐ نے فرمایا یا تو یہ روش اختیار کرنی ہوگی یا جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔

4۔سماجی انصاف کا روشن پہلو سرور کونین ﷺ کی نظر میں

سماجی انصاف مسلم معاشرے کا طرہ امتیاز رہا ہے۔تاریخی واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہرزمانے میں اسلام کے فرزندوں نے سماجی انصاف کا بول بالا کیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو سماجی انصاف اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ اسلام کے معنی ہیں اللہ پروردگار کے آگے سر جھکا دینا۔حق کے آگے چون وچرانہ کرنا۔مسلمان وہ ہے جو اپنے حقوق کو دوسروں کے لئے قربان کردے۔آج سے تقریباً چودہ سو برس بیشتر پیغمبر ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تاکہ دنیا میں سماجی انصاف قائم ہو۔کوئی شخص کسی شخص پر ظلم نہ ڈھائے،زور آور کمزور کو آنکھیں نہ دکھائے،مالدار مفلس کو ذلیل نہ سمجھے،طاقت اور مال ودولت کی میزان پر انصاف کو تو لا نہیں جاسکتا۔آج کی طرح اُس دور کی دنیا میں بھی طاقت ودولت کی بنیاد پر طبقات قائم تھے۔وہ ملک جس سے آپؐ کو پیار تھا جہالت اور توہمات کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور آپؐ کے ہم وطن عرب جن میں اگرچہ شجاعت،بہادر اور جنگ جوئی کی خوبیاں تھیں قانون شکن ظالم اور بے رحم تھے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کو نبوت سے پہلے زندگی کا جو ماحول ملا وہ سماجی اعتبار سے زمانہ ماقبل تہذیب جیسا تھا۔نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے سماجی انصاف کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے۔جب خانہ کعبہ کو منہدم کرکے اس کی دوبارہ تعمیر کا مرحلہ آیا سنگ اسود کو جو اکھاڑا جاچکا تھا۔خانہ کعبہ کی دیوار میں اپنی اصل جگہ رکھنے کے سوال پر مکہ کے عرب قبائل میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوگا۔وہی اس تنازعے کو حل کرے گا۔

آپ ﷺ سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔چنانچہ آپ کو ہی ثالث بننا پڑا۔آپؐ نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہوگئے۔

عرب میں علم وتہذیب نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ بدنظمی تھی۔ ایسے پُر آشوب زمانے میں پیغمبر اسلام رحمت بن کر مبعوث ہوئے۔سینکڑوں بتوں کی عبادت کی جگہ ایک رب العلمین کی عبادت کی تلقین کی اللہ کا کلام قرآن پاک پڑھ کر سنایا قریش اور مکہ کے لوگوں کو اپنی صداقت وامانت کا واسطہ دے کر اپنی رسالت کا یقین دلایا۔وہ لوگ جنہیں دولت وثروت اور طاقت کا نشہ تھا۔آپؐ سے برگشتہ ہوگئے،غریب،مفلوک الحال،غلام اور کمزور آپؐ کے گرد جمع ہوگئے اور آپؐ کی تعلیم کے مطابق آپس میں مساوات،اخوت،اخلاص ومحبت،عدل وانصاف اور ایثار وقربانی کا عملہ مظاہرہ کرنے لگے۔کچھ مالدار شخصیتیں جو ایمان نور سے چمکیں۔ انہوں نے بھاری قیمتیں ادا کرکے اپنے غلام مسلمان بھائیوں کو خرید کر آزاد کیا۔حسن سلوک،محبت وخلوص کا بدلہ اسلام کے فرزندوں کو دشمنی وعلاوت سے ملا۔مجبوراً مسلمانوں کو مکہ سے یثرب کی جانب ہجرت کرنی پڑی۔ مدینہ پہنچ کر رحمت

Marfat.com

عالم کو قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کرنے میں بڑی سہولت ہوگئی۔ اور امن وامان کے ساتھ مدینہ منورہ کے مختلف قسم کے باشندوں کو جن میں یہود ونصاریٰ، اوس وخزرج کے وہ سارے افراد بھی تھے۔ جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ان سب کو آپؐ نے ایک معاہدہ کے ذریعے متحد کردیا اور یہ لوگ ایک عرصے تک اسی معاہدے کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے محدو معاون بنے رہے۔آپ ﷺ نے انہیں بھی اس اجتماعی نظام میں شمولیت کی دعوت دی تو ان کے لئے بقاء اور سلامتی کی خاطر اس سے انکار کرنا ممکن نہ رہا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے مدینے پہنچ کر ہجرت کے پہلے سال سے مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کرلیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی قومیت کی وحدت قائم رہے اور سب کو تہذیب وتمدن میں ایک دوسرے سے اعانت رہے''(۱۶)

البتہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور ان کی خوشحالی یہود ونصاریٰ نہ دیکھ سکے اور وقتاً فوقتاً فرزندانِ اسلام کے خلاف بدعہدی اور بغاوت کا مظاہرہ کرتے رہے اور آخر کار بے وفائی کے نتیجے میں مدینہ منورہ سے نکالے گئے۔یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد عرب قبائل کے اخلاق وعادات میں نمایاں فرق رونما ہوا۔ اسلام نے اولین بار ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جو صراط مستقیم اور راہ اعتدال پر گامزن رہا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا فرض منصبی بنا کر اسلامی معاشرہ ''اُمتِ وسط'' کے لقب کا مستحق ہوا۔دنیا میں عدل اسی طرح قائم ہوسکتا ہے کہ برائی کو روک دیا جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾(۱۷)

ترجمہ: کھاؤ، پیو لیکن اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

''واقعہ''

ایک دفعہ پیغمبر عالم ﷺ نے ایک اعرابی سے کچھ قرض لیا اور اُس کو ایک معین وقت میں ادائیگی کے لئے بلایا۔اتفاق یہ ہوا کہ معیاد پوری ہونے پر جب وہ اعرابی آپؐ کے پاس آیا اور اپنے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا تو آپؐ نے مزید مہلت چاہی۔ اعرابی کو آپؐ پر طیش آگیا اور بے ادبی کی باتیں کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو پکڑ لیا اور چاہتے تھے کہ اس کو زیادتی کا مزہ چکھائیں کہ خود آپ ﷺ نے بڑھ کر حضرت عمرؓ کو روکا اور کہا کہ میں مقروض ہوں اور اس کا حق مجھ پر ہے۔ اس لئے صبر وتحمل کی ضرورت ہے۔ آخر آپؐ نے ایک دوسرے صحابیؓ سے لیکر قرض ادا کیا۔ اعرابی پر آپ ﷺ کے انصاف اور صبر وتحمل کا بڑا اثر ہوا اور وہ ایمان لے آیا۔

غزوہ خندق میں جب مدینہ کے ایک جانب کھائی کھودنے کا فیصلہ ہوا تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی خندق کھودنے اور مٹی ہٹانے میں برابر کے شریک تھے۔ لگان وخراج کی رقمیں اور اشیاء لوگوں میں آپؐ سب سے پہلے تقسیم کردیتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے لئے کچھ نہ چھوڑتے تھے۔چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعض اوقات تین تین روز تک گھر میں آگ نہ جلتی نبی رحمت ﷺ نے مکہ میں داخل ہوتے وقت فرمان رحمت جاری کیا اور نظر رحمت فرماتے ہوئے اعلان عام کیا۔ ''جاؤ آج میری طرف سے کوئی گرفت نہیں عام معافی ہے تم سب آزاد ہو''۔

Marfat.com

ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اپنی سیرت کی کتاب رسول اللہ ﷺ میں فرماتے ہیں:

''تاریخ عالم میں اوراق کھنگال ڈالیے۔ اِس کمال حُسن سلوک کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ یہ عفو عام ان لوگوں کے لئے تھا۔ جو کئی برسوں تک حضور ﷺ اور آپؐ کے پیروں کے خلاف اذیتوں، دکھوں اور مصیبتوں کے وہ تمام طوفان برابر برپا کرتے رہے تھے۔ جو ان کے بس میں تھے۔ اُن کی تلواریں ان کی برچھیاں، اُن کے تیر مسلسل آپ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں پر برستے رہے۔ مظلومی میں صبر و مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت واختیار میں درگزر، تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں۔ جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ یہی اُسوہ حسنہ قیامت تک کے لئے دنیا وآخرت میں فوز وفلاح کی ابدی دستاویز ہیں'' (۱۸)

S.P Scott لکھتے ہیں

His Magnanimity and the Profound Knowledge of human Hearts, which Stamped him a leader of men were evident by his noble Conduct and princely Liberation to the Quraish After the Conguest of mekk!(19)

اسلامی سماجی دنیا کی تاریخ میں اولین مثال ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں ہر کیش وملت کے لوگ صلح وآشتی اور امن وامان کے ساتھ بستے تھے اور سب کو مساویانہ شہری حقوق حاصل تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے ہر فرد کے لئے آذوقہ مقرر کیا تو غیر مسلم فقیر محتاج کو دست سوال بڑھانے کے لئے نہیں چھوڑا۔ ان کے لئے بھی روزینے مقرر کردیئے۔ معاملات اور تجارتی لین دین میں کمی بیشی کرنے سے اسلام نے سختی سے منع کر دیا۔ قیمتوں پر کنٹرول کرنے کے لئے اشیاء کو بازار سے ناپید کر دینا سخت گناہ قرار پایا گیا۔ گرانی بڑھانے کے لئے چیزوں کو خریدنا فساد برپا کرنے کے مترادف بتایا گیا۔

﴿وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ (۲۰)

ترجمہ: اے قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرتے پھیرو۔

اسلام نے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ وہ اِسی سماجی انصاف کے پیش نظر مشروع ہے۔ غیر اسلامی ثقافت کے غلبے کے باعث آج کے مہذب سماج میں البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوشش کرنے والوں کو کہا جاتا ہے ''دوسروں کے امور میں مداخلت نہ کرو اور اپنی راہ لو''۔ سماجی انصاف کے پیش نظر اسلام نے جہاد کا حکم دیا ہے اور پیہم کوشش کرنے کی تلقین کی ہے۔ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا فریضہ تھا کہ اپنے ملک، وطن اور ہر ہم قوم کی فلاح وبہبود کے لئے کوشش میں لگے رہنا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک طرف 17 سالہ سپہ سالار محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہے۔ اور

Marfat.com

مسلمان قیدی عورتوں کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑاتا ہے۔ دوسری جانب موسیٰ ابن نصیر 70 سال کی عمر ہونے جانے پر بھی بحر اٹلانٹک کے کنارے پانی میں گھوڑے ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے۔ اے آسمان اور اے بحر بیکراں اگر اس سے پرے بھی کوئی خطہ زمین میرے علم میں ہوتا تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وہاں بھی پہنچنے کی کوشش کرتا۔

5۔رسول ﷺ کے عہد کا اقتصادی اور معاشی نظام

ہمارے آقا سید الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد ﷺ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری رسول اور نبوت کا معراج تام ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کا دائرہ ہر زمان ومکان کو اپنے دائرہ عمل حیطہ اختیار ونفوذ میں لئے ہوئے ہے۔ آپؐ جملہ انبیاءؑ کے سردار، اپنی تکمیل وجامعیت میں ممتاز، گلشن نبوت کے گل سرسبز اور باعث آفرینش وحاصل کائنات ہیں۔

''عادلانہ نظام''

انسان چونکہ خلیفہ الٰہی ہے اس لئے اس کے خلافت کے جواہر وخصائص اور کمالات کی بقا کو اس نظام معاش واقتصاد میں اس کے حیوانی تقاضوں سے بڑھ کر اہمیت دی گئی ہے۔ خلافت کے جواہر سے ہماری مراد انسان کی وہ اعلیٰ اقدار ہیں۔ جو اخلاق فاضلہ رحم وکرم، صبر وشکر، قربانی وایثار، اخلاص وبے نفس، غمگساری وچارہ سازی، محبت والفت وغیرہ وغیرہ اوصاف حمیدہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے انسان اور حیوان میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ ان جواہر کی بقا اور آخرت کی زندگی کے بناؤ کے لئے مختلف ومتضادات صلاحیتوں کے انسانوں کے لئے محمد ﷺ نے ایسا منصفانہ اور عادلانہ نظام معیشت واقتصاد پیش کیا۔ جس میں ہر فرد وطبقہ اپنی جملہ صلاحیتوں کو بطریق احسن بروئے کار لاسکے۔ اس کی دنیاوی اور معاشی حاجتیں کما حقہ پوری ہوجائیں۔ اور اس کے اخلاق فاضلہ کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے۔ بلکہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کا انسان اس نظام معاش واقتصاد میں محبت و چین سکون واطمینان اور بھائی چارے کی زندگی گزار سکے۔ جس میں طبقاتی کش مکش، گروہی کشاکش اور باہمی جنگ وجدل، کارفرما نہ ہوں۔ بلکہ ہر طبقہ انسانی دوسرے طبقہ کا ہمدرد وغمگسار، معاون ومددگار، خیر خواہ وخدمت گار بن کر زندگی گزارنے کو اپنی نجات وکامیابی کا ذریعہ سمجھے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

''کونوا عباد اللّٰہ اخوانا'' (بخاری) (۲۱) اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو''

کہ تمہارے ایمان کا نشان یہ بھی ہے کہ جو بھلائی اپنے لئے چاہتے ہو۔ دوسرے انسانوں کے لئے چاہو۔ اس لئے حضرت محمد ﷺ نے جو نظام معاش واقتصاد دیا اس میں مزدور کے مفادات کی نگہداشت کو سرمایہ دار کا دین بنا دیا گیا۔ کاشتکار کے حقوق کی ادائیگی زمیندار کا مذہب قرار دیا گیا۔ مالدار کی جائز حاجتوں کو پورا کرنا مزدور کے لئے عبادت ٹھہری اور زمیندار کے حقوق کی ادائیگی کاشتکاروں کے لئے نیکی بنادی گئی۔ ہر طبقہ و ہر گروہ کے مفادات کو آپس میں ٹکرایا نہیں بلکہ انہیں آپس میں ایک جسد واحد کی طرح جوڑ دیا کہ رب العالمین کے فرستادہ رحمۃ امین انسانوں میں منافرت وحقارت، جنگ وجدل کے جذبات کو سازشوں یا انقلابی دعوتوں کے ذریعے بھڑکانے نہیں آئے تھے بلکہ آپ ﷺ کا پیغام باہمی محبت الفت پر مبنی تھا۔

''سرمایہ دارانہ نظام''

دنیا میں عموماً معاشی بحران اور اقتصادی فساد جن وجوہ سے پھیلتا ہے ان میں پہلی وجہ سرمایہ داری کا وہ ظالمانہ نظام

Marfat.com

ہے جسے قرآن نے قارونیت و اکتنازیت کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کی بنیاد شخصی یا طبقاتی فوائد (Vested Interest) خودغرضی اور ذاتی منافع پر ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار دولت وزمین کو اپنی پیدا کردہ ذاتی ملکیت سمجھتا ہے اور اس کے تعرف ونمو کا اپنے کو مختار مطلق گردانتا ہے۔ جس میں وہ کسی اخلاقی ضابطہ یا حقیقی اقدار کا پابند نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نے سرمایہ دار کے اس ذہن کا اشارہ قارون اور قوم شعیبؑ کے الفاظ میں بالترتیب اس طرح فرمایا۔ قارون کہتا ہے۔

ترجمہ: ''قارون نے کہا یہ سب مال ودولت مجھے اپنی ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔ اس لئے میں اس کا حقیقی مالک ہوں اور اس لئے مجھے اس پر ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے۔''

ترجمہ: ''کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے۔ کہ ہم باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کردیں''

سرمایہ داری کی بنیاد جن بڑے بڑے ستونوں پر ہے۔ وہ بے لگام آزاد وباطل نجی ملکیت اور اس کے علاوہ سود، قمار، ذخیرہ اندوزی رشوت اور دیگر ناجائز آمدنیاں ہیں۔

''اشتراکی نظام''

سرمایہ دارانہ نظام میں ''دولت'' کی ناجائز وغلط لوٹ کھسوٹ کے ردعمل میں وہ منفی نظام جسے اشتراکیت انقلابی سوشلزم وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر اس دور میں وجود میں آتا رہا۔ چنانچہ مصر قدیم میں فراعنہ کے عہد میں اس کے نقوش ملتے ہیں۔ افلاطون نے نظریاتی طور پر اسے کسی حد تک پیش کیا۔ ایران قدیم میں مزدک نے زن، زر، زمین کے عام ہونے کا نعرہ لگایا۔ انیسویں صدی کے یورپ کے حالات نے اس ذہن کو جلا بخشی جس کا سب سے بڑا نمائندہ کارل مارکس ہے۔ اسلام نے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے ردعمل، غیر فطری وباطل اشتراکی نظام کے مقابلہ میں جو نظام اقتصاد ومعاشیات دیا وہ انسانی فطرت کے عین تقاضوں کے مطابق ہے۔

''حدود الٰہی''

حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا نظام اقتصاد ومعیشت کی بنیاد چونکہ اللہ تعالیٰ کے تصور ربوبیت، مالکیت وحاکمیت وغیرہ پر ہے۔ اس لئے اسلام میں اصلاً کوئی انسان کسی چیز کا حقیقی مالک اور مصرف نہیں ہوسکتا۔ سب چیزوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ﴿الْاَرْضُ لِلّٰہِ﴾ ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ﴿لِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ لیکن اُس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر مجازی طور پر اپنے احکام اور نازل کردہ حدود قیود کی پابندی کے ساتھ مختلف طبقات انسانیہ کو ان کے مفادات کی رعایت کرتے ہوئے اور اُن کی صلاحیتوں کو روبکار لانے کے لئے جتنا مناسب سمجھا زمین ودولت کا مالک بنادیا۔

6۔ رسول اعظم ﷺ بحیثیت (قانون دان) قاضی

رسول اللہ ﷺ کے فرائض

رسول اللہ ﷺ کو اعلیٰ ترین انتظامی اور آئینی اختیارات سونپتے ہوئے قرآن نے اسلامی ریاست کے سربراہ عدلیہ کی

Marfat.com

حیثیت سے آپؐ کے فرائض بھی مقرر کیے ہیں۔ آپؐ کی سب سے بڑی ذمہ داری وحیٔ الٰہی کے مطابق نظام عدل قائم کرنا ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾(۲۲)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔

آپؐ کے انتظامی، قانونی اور عدالتی اختیارات کا واحد ماخذ قرآن ہے، آپؐ کی ذاتی حیثیت اور آپؐ کی رسالت کی حیثیت میں واضح فرق بیان ہوا ہے۔

ترجمہ: ''کہہ دیجے میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے''

رسول اللہ کا کام اللہ کی مرضی کے سامنے اپنا سر تسلیم کرنا ہے۔ اور متنازعہ مقدمات میں احکامات الٰہی کا اطلاق ہے۔ اور اپنی نفسانی خواہشات اور بشریٰ اغراض کی طرف رجوع کرنا نہیں۔ قرآنی دستور کی ان بنیادی دفعات سے چند اہم ترین آئینی اصول وضع ہوتے ہیں۔

اول: امت مسلمہ میں کوئی شخص دینی اور سیاسی حیثیت میں رسول اللہ ﷺ سے بڑے مرتبے کا نہیں ہوسکتا۔

دوئم: اپنی اعلیٰ ترین اور افضل ترین حیثیت کے باوجود آپ کو قرآن دستور میں کمی بیشی یا ردو بدل کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

سوم: آپؐ دستور کو کسی بھی ہنگامی صورت حال اور سنگین حالات کے باوجود نہ معطل کرسکتے ہیں اور نہ منسوخ۔

چہارم: جب کمی بیشی، ردوبدل، تعطل و تنسیخ کا اختیار خود رسول اللہ کو حاصل نہیں تو آپ ﷺ کے بعد ایسا کرنے کا اختیار کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟

پنجم: اُمتِ مسلمہ میں جو شخص، جو طبقہ یا جو جماعت دستور کو معطل کرلے وہ اللہ، رسولؐ، قرآن کا باغی ہے۔

ششم: قرآنی دستور نے یہ اصول ہمیشہ کیلئے طے کردیا کہ اسلامی ریاست صرف وہ ریاست ہوتی ہے جو آئینی ہو آمریت کی قرآنی دستور میں قطعاً گنجائش نہیں حتیٰ کہ رسول اللہ بھی آئین کے پابند ہیں اور اسلامی ریاست کے آئینی سربراہ ہیں۔

غیر مسلم خودمختاری

دستور مدینہ میں اسلامی ریاست کے حدود میں رہنے والے غیر مسلموں کو مذہبی اور سماجی خودمختاری کی ضمانت دی گئی ہے سیاسی لحاظ سے انہیں اُمت مسلمہ کے ساتھ ایک امت کا درجہ حاصل تھا۔ وہ ایک سیاسی وحدت تھے۔ سیاسی اور بین القبائلی تنازعے، دستور مدینے کے تحت رسول اللہؐ کے سامنے پیش کرنے کی دفعات موجود تھیں۔ قرآنی دستور میں بھی غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔ خاص طور پر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو مذہبی خودمختاری کی ضمانت دی گئی ہے۔

قانون اور انصاف کی بالا دستی

قرآن کے نزدیک مجرموں کے خلاف محض قانون کا نفاذ سب سے کم درجہ میں انصاف کی فراہمی ہے۔ عدل وانصاف کا بلند ترین درجہ تو لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا اور انہیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے اور انہیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں۔ اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر

Marfat.com

کسی دشمن سے بھی کوئی جرم سرزد ہوجائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾(۲۳)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے اللہ کی خاطر حق قائم کرنے والا بنو، انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے۔

دشمنوں کی جارحیت اور تخریب کاری کے مقابلے میں مسلمانوں کو مستقل مزاجی سے معیار انصاف کو قائم رکھنا چاہیے

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۲۴)

ترجمہ: کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے

قرآنی دستور کی یہ دفعہ تاریخ دستور سازی میں تاقیامت روشنی کے مینار ثابت ہورہی ہے۔ یہ مسلمانوں کو پابند کرتی ہے۔ کہ اقوام میں باہم تنازعات کے باوجود عدل کا دامن تھامے رکھنا اسلامی امتیاز ہے۔ ہر قوم دشمنی کے وقت عدل کی جگہ ظلم کو اپنا لیتی ہے۔ یہ دینی اور اخلاقی معیار کی عظمت ہے کہ انسان اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے خلاف گواہی دے۔ قرآنی دستور اِس اصول کو کئی جگہ دہراتا ہے کہ جان، عزت، آبرو، عزیز واقارب ایک طرف اور عدل وانصاف کے قیام کے لئے سچی گواہی دوسری طرف ہو تو سچی گواہی کو ترجیح دی جائے۔

قانون کا علم

''قانون سے لاعلمی کوئی عذر نہیں'' مغرب میں رومن لاء اور کامن لاء کے حامیون کا مقبول عام اُصول ہے۔ قرآن اس اُصول کو مسترد کرتا ہے۔ قرآنی آئین کے مطابق ایک شخص اُسی صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار پائے گا۔ جب قانون اسے مناسب طور پر سمجھا دیا گیا ہے قرآن کا حکم ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾(۲۵)

ترجمہ: ہم اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک ہم ایک پیغمبر نہ بھیج دیں۔

شہادت تمام عدالتی نظاموں کی ریڑھ کی ہڈی ہے بغیر شہادت نہ کوئی حق ثابت ہوتا ہے نہ ہی انصاف قائم ہوسکتا ہے۔

رسول ﷺ کا عدالتی طریقہ کار

1۔ شہادت کی بالادستی

رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ عدالتی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت عدالت میں پیش کی جانے والی شہادت کو حاصل تھی۔ فریقین تنازعہ کو اپنا مقدمہ اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی پوری آزادی دی گئی تھی۔ تفصیلی تحقیق اور تفتیش کے ذریعے جرم سرزد ہونے کے اصل حالات عدالت کے علم میں لائے جاتے۔ مقدمہ کے فیصلہ کا قطعی انحصار ظاہری شہادت پر کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہوتا تو آپؐ جج کا فریضہ سرانجام دیتے۔

2۔ بطور گواہ مسلمانوں میں مساوات

تمام مسلمان بلا لحاظ مذہبی سماجی اور سیاسی مرتبہ کے بطور گواہ برابر ہیں۔ اس جج کی گواہی کو جو واقعہ کا ذاتی شاہد ہو مقدمہ کے فیصلے کے لئے کافی ثبوت نہیں سمجھا جائے گا۔ وہ دوسرے مسلمان کی طرح وہ ایک گواہ تصور کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ

Marfat.com

نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے دریافت کیا کہ اگر آپ ایک مرد کو حد زنا یا سرقہ کا ارتکاب کرتے دیکھیں اور آپؓ امیر ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی شہادت مسلمانوں میں سے ایک مرد کی شہادت تصور ہوگی۔ آپ نے جواب دیا تم نے سچ کہا۔ اس موضوع پر بہترین مثال وہ مقدمہ ہے جس میں رسول اللہؐ ایک بدو کے خلاف خود ایک فریق تھے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں آپؐ سے گواہ پیش کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ جس میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے رسول اللہؐ کی طرف گواہی دی تھی۔ اس مقدمے سے اسلامی نظام عدالت کے اصول وضوابطہ روشن ہوتے ہیں۔

1۔ اس نظام میں سربراہ حکومت وعدلیہ کو آئین اور قانون میں تمام شہریوں میں کوئی امتیاز نہیں۔

2۔ اسلامی ریاست کے تمام شہری سربراہ حکومت کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرسکتے ہیں۔

3۔ سربراہ حکومت کو اپنے خلاف مقدمہ کے دفاع میں وہی طریقہ کار اپنانا پڑیگا جو ایک عام شہری ایک دوسرے عام شہری کیخلاف اپناتا ہے۔

4۔ عدلیہ کا سربراہ اپنے ذاتی علم کو بطور ثبوت دعویٰ تسلیم نہیں کرسکتا۔

5۔ اسلامی نظام عدالت کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر نہیں تھا بلکہ وہ ایک مساویانہ عادلانہ نظام تھا۔

3۔ نااہل گواہ

گواہوں کی دیانت اور ایمان داری اسلامی نظام عدل میں اہم کردار ادا کرتی ہے ایسی کوئی دفعہ شاہد کسی جدید عدالتی نظام میں موجود نہیں۔ قرآن نے جھوٹی شہادت کے لئے ایک موٹا اُصول مقرر کردیا ہے۔

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾(۲۶)

ترجمہ: پس بتوں کی گندگی سے بچو اور غلط بیانی سے بچو۔

جھوٹی شہادت خدا کے ساتھ شریک بنانے کے مترادف قرار دے دی گئی ہے۔

4۔ قرائنی شہادت

رسول اللہؐ کا قائم کردہ نظام عدل بعض جرائم کا ارتکاب ثابت کرنے کے لئے قرائنی شہادت قبول کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کی برأت کے لئے قرآن نے بادشاہ کے خاندان کے ایک رکن کی قرائنی شہادت پیش کرنے کی تجویز دی۔

5۔ عدالتی کارروائی

تفتیشی رپورٹوں اور ابتدائی تحقیقات کی بنا پر مقدمات مناسب تصفیہ کے لئے باضابطہ عدالت میں پیش کردیئے جاتے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عدالت میں جج کے رویہ سے متعلق تفصیلی قواعد وضوابط اور اصول وقوانین دئے ہوئے ہیں۔ جن کا بہترین نمونہ رسول اللہؐ خود تھے۔ فیصلہ کرتے وقت جج کو غصہ کی حالت میں نہیں ہونا چاہیے۔

''رسول اللہ نے فرمایا جو قاضی بنا وہ یقین کرلے کہ وہ بغیر چھری ذبح ہوگیا ہے''(مشکوٰۃ) (۲۷)

6۔ اقبال جرم

رسول اللہؐ کے عدالتی نظام میں ملزم کا قابل جرم مقدمہ کے فیصلہ کے لئے کافی ثبوت سمجھا گیا تھا۔ رسول اللہؐ کے

Marfat.com

روبرو ایک چور لایا گیا چوری کا مال اس کے پاس برآمد نہیں ہوا تھا تاہم اس نے اقبال جرم کیا۔اس پر رسول اللہؐ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم صادر فرمایا۔

7۔عدالتی حکم کا نفاذ

ترقی یافتہ،موثر اور کامیاب ترین عدالتی نظام کے بنیادی اصول مقدمات کا جلد تصفیہ،صحیح فیصلہ اور عدالتی فیصلوں کا نفاذ ہے رسول اللہ ﷺ کا قائم کردہ عدالتی نظام کامیاب ترین اور ترقی یافتہ عدالتی نظام کی شرائط پوری کرتا تھا۔رسول اللہؐ کی قائم کردہ عدلیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی غیر جانب داری تھی۔

نتائج:

(1) عدل وانصاف ہی کسی حکومت کے استحکام کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(2) دنیا میں فساد کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شہادت کو چھپاتی ہیں اور عدل وانصاف کو قائم نہیں کرتیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باطل قوانین مضبوط جڑیں پکڑتی جارہی ہیں۔اور امن کا پودا مرجھاتا چلا جارہا ہے۔

(3) عدل وانصاف خود امن کا ضامن ہے۔جب دنیا میں عدل وانصاف کی حکمرانی ہوگی امن خود بخود قائم ہوجائے گا۔

7۔سیرت پاک ﷺ اور مذاہب عالم کے مابین عدل اجتماعی کا تحقیقی مطالعہ

بین المذاہب اور بین الاقوامی اتحادو یگانگت کی بنیاد کو موثر اور مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے سب سے زیادہ زور بے لاگ اور مساویانہ انصاف پر دیا۔رسول ﷺ نے یہود ونصاریٰ وکفار نیز دیگر غیر مذاہب کی اقوام کے ساتھ تعلقات استوار فرمائے اور معاہدات امن وصلح کیے۔بین الاقوامی معاہدوں کا جو حشر مبینہ متمدن مغربی اقوام کے ہاتھوں ہوتا آیا ہے۔کسی تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں۔رسول اللہؐ نے جس جماعت یا فرد کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا۔خود اُس کی پابندی کی اور اپنے پیروؤں سے پوری دیانتداری کے ساتھ اس پر عمل کروایا۔صلح حدیبیہ اس ضمن میں فقید المثال ہے۔تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ''میثاق مدینہ'' دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ میثاق مدینہ رسول ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حُسن تدبر کا مثالی شاہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری امن وسلامتی،مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے۔یہ وہ تاریخی منشور ہے جس کی بدولت رسول ﷺ نے چودہ سوسال قبل ایک ایسا ضابطہ کار انسانی معاشرے میں قائم فرمایا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ ومذہب پر اسلام کے فلسفہ عدل وانصاف کی بناء پر آزادی حصول انصاف کا حق حاصل ہوا۔رواداری اور آزادی کا اصول واضح ہوا۔رواداری،امن سلامتی مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

نورِ اسلام نے اپنی ظلمت پاش شعاعوں سے حق و باطل،معروف منکر،طاقت ومعصیت،عدل وظلم میں امتیاز پیدا کردیا۔اور اسلام کے عالمگیر ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ''انصاف کرنے والے اللہ کے نزدیک اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے''۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی دریا دلی اور انسانی ضمیر کے گہرے ادراک نے آپ ﷺ کو نوع انسانی کا ممتاز رہبر

Marfat.com

ثابت کر دیا۔ جس پر آپ ﷺ کا شریفانہ کردار اور فتح مکہ کے وقت قریش کے شاہانہ معافی گواہ ہے۔

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے۔ اگر حکومت میں انصاف نہیں ہے تو اس کی عمارت بہت جلد منہدم ہوجاتی ہے ''کفر کے ساتھ تو سلطنت باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی''۔

قیامت کے دن اللہ کے سائے میں سبقت لے جانے والے لوگ عادل ہوں گے۔ عدل وانصاف کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔ اُن کے عدل کی وجہ سے اللہ کی مخلوق نہایت آرام سے اپنی زندگی گزارتی ہے۔ کھانے میں بڑی برکت رہتی ہے، پیداوار میں ترقی ہوتی ہے۔ ''ہر چیز ارزاں وسستی رہتی ہے''۔

حضرت امام بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں ایک حدیث کے ضمن میں بتایا ہے ''میں نے بنی اُمیہ کے گودام میں ایک قسم کا گیہوں پایا جس کا ایک ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا۔ یہ گندم ایک تھیلے میں بند تھا۔ جس کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ یہ گیہوں عدل وانصاف کے زمانہ کی پیداوار ہے''۔

علامہ شبلی نعمانیؒ حضرت عمرؓ کے عدل وانصاف کے بارے میں رقمطراز ہیں

''جس چیز نے حضرت عمرؓ کی حکومت کو مقبول عام بنایا یہ تھی کہ اُن کا عدل وانصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت وشان کا مطلق پاس نہیں کرتے۔ لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل اولاد اور عزیز واقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ ان کے بیٹے ابوشمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے 80 کوڑے مارے اور وہ اِسی صدمے سے بچارے قضا کر گئے'' (۲۸)

معاشرتی عدل کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (۲۹)

ترجمہ: اگر تم اِس بات سے ڈرتے ہو کہ متعدد عورتوں کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو صرف ایک ہی بیوی پر یا ایک باندی پر اکتفا کرو۔

یتیم بچوں کے متولیوں اور سرپرستوں کے لئے بھی عدل وانصاف کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ﴾ (۳۰) ترجمہ: اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرو۔

جب دنیا کے دوسرے مذہب اور دنیاوی تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی مذہب کی موجودہ تعلیم بین الاقوامی عدل وانصاف کی علمبردار نہیں، نہ کسی تحریک کی یہود کہتے کہ صرف یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہی اللہ کو پیاری ہے۔ باقی سب اس کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی طرح تورات کا ایک یہ حکم ہے تو اپنے بھائی سے سود نہ لے (استثناء ۲۳)۔ اگر سُود لینا برا ہے تو غیر یہودیوں سے لینا کیوں کر اچھا ہے یہ تعلیم عدوانصاف کے بنیادی اصولوں کے ہی خلاف ہے۔

ہندو مذہب میں چار ذاتوں کا نظریہ ہی عدل اجتماعی کے سراسر منافی ہے۔ پھر یہ ذات کے متعلق ایسے اصول مقرر

Marfat.com

کر دیئے ہیں جو تفریق اور عداوت پر مبنی ہیں ان اصولوں پر بین الاقوامی عدل وانصاف کی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔

منو کہتا ہے۔''اگر شو درد ھن جمع کرے تو راجہ کا فرض ہے کہ وہ اس سے چھین لے کیونکہ شودر مال دار برہمنوں کو دکھ دیتا ہے''۔عیسائیت کا پیغام یہ ہے کہ شریعت ایک لعنت ہے (گلتیوں باب ۲)۔

اس لعنتی پیغام اور حکم سے دنیا میں عدل اجتماعی قائم نہیں ہوسکتا۔تمام مذاہب اور تحریکوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے۔جو ٹھوس بنیادوں پر بین الاقوامی عدل وانصاف کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔

پیغمبر آخر واعظم کے خطبہ حجۃ الوداع (ذی الحجہ 10ہجری/ مارچ32) کو انسانیت کا منشور اعظم قرار دیا گیا ہے۔یہ محض حقوق انسانی کا بیان ہی نہیں بلکہ یہ ایک مکمل دستاویز ہے۔جس میں بنی نوع انسان کی انسانی زندگی،اجتماعی عدل،حقوق وفرائض اور اسلامی حیات کے چیدہ چیدہ نکات اور تہذیب وتمدن کی بقاکے لئے رہنما اصول دیئے گئے ہیں۔

تعلیمات نبوی ﷺ انسان کو عدل وانصاف،امن وسکون اور عافیت واطمینان کا درس دے کر ایک بے عمل شخص کو باطل بنا کر معرفت الٰہی سے آگاہ کرواتی ہے۔

''ماحصل''

حضرت انور ﷺ کی ذات گرامی ایک ابر رحمت تھا۔جو پیہم موسلادھار بارش کی طرح برستا رہا،گلزار و خارزار،دوست ودشمن اس افادہ رحمت میں برابر کے شریک تھے۔آپ ﷺ ہدایت ربانی کے سب سے بڑے مبلغ اور توحید الٰہی کے داعی اکبر ہیں۔سب جانتے ہیں کہ تبلیغ پھولوں کی سیج نہیں اور کسی آبلہ پا کا اس سے سلامت گزر جانا آسان نہیں۔لیکن رحمۃ للعالمین باوجود ہر قسم کی اذیت وتکلیف سہنے کے سراپا لطف ورحمت،ترقی ملاطفت وعفودرگزر تھے۔

دنیا میں شور بپا ہے کہ عدل اور انصاف کی روشنی ہر جگہ بجھتی نظر آتی ہے یورپ جو اس وقت دنیا میں سب سے بڑا متمدن خطہ ہے وہ ساری ترقی وتہذیب کے باوجود اب تک گورے اور کالے کی تفریق کرتا ہے اور قانون میں جو رعایت گورے کو اس نے دی ہے۔کالے کو اُس سے محروم رکھا ہے اپنوں کے لئے جو لطف وکرم ہے۔غیروں کے لئے نہیں مگر رحمت عالمؐ کا نظام عدل وانصاف ملاحظ فرمایئے۔کہیں اس میں رورعایت نظر نہیں آتی ہے۔نظام مساوات کے ضمن میں آپؐ نے عدل کی جو جلوہ گری دکھائی۔اب غور فرمایئے کہ اپنوں سے نہیں غیروں کے ساتھ عدل وانصاف کا جو برتاؤ روا رکھا گیا ہے۔بڑے بڑے عادل یہاں پہنچ کر جوش عصبیت میں مبہوت نظر آتے ہیں۔اور قوانین میں ہمواری باقی نہیں رکھتے۔مگر رسول اللہؐ نے اپنی زندگی بھر اس میں افراط وتفریط نہیں کی اور دوست ودشمن دونوں کے ساتھ برابر کا سلوک کیا۔عدل وانصاف کے قوانین کا اعلان فرمایا:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ ترجمہ: اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔

جو روتعدی پر جب حالات مجبور کر رہے ہوں انسانی عقل وفہم عدل وانصاف کا ساتھ نہ دے رہی ہو اس وقت بھی حکم ہے کہ انصاف کا سرشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔انصاف کے تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد کبھی معاملہ سنگین آجاتا ہے۔احترام واکرام اور محبت شفقت ارادوں میں جنبش پیدا کردیتی ہے۔اسوقت بھی اجازت نہیں ہے۔عہد نبوی ﷺ اور خلاف راشدہ کے زمانہ کی تاریخ دیکھیں۔وہاں عمل ہی عمل ملیں گے یا رب رحیم ہمیں عدل وانصاف قائم کرنے والا اور رسول اللہؐ کی ہر

Marfat.com

ہر سنت کو زندہ کرنے والا بنا۔ (آمین ثم آمین)

حوالہ جات

1۔ سورۃ النحل آیت نمبر:۹۰۔...... 2۔ سورۃ مومن آیت نمبر: ۲۰۔...... 3۔ سورۃ احزاب آیت نمبر: ۴۔...... 4۔ سورۃ النساء آیت نمبر: ۱۰۵۔...... 5۔ رسول ﷺ نقوش کا رسول نمبر جلد چہارم، ص ۶۸۳۔...... 6۔ سورۃ اخلاص۔...... 7۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر: ۱۴۴۔...... 8۔ سورۃ المرسلات آیت نمبر: ۲۰ تا ۲۳۔...... 9۔ سورۃ النور آیت نمبر: ۳۲۔...... 10۔ سورۃ النازعات آیت نمبر: ۳۷-۳۹۔...... 11۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر: ۲۳۔...... 12۔ حدیث ترمذی۔...... 13۔ ابن قیم، ''اعلام الموقعین''، ص ۴۷۵۔...... 14۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر: ۴۸۔...... 15۔ سورۃ المومنون آیت نمبر: ۱-۴۔...... 16۔ قاضی محمد سلمان منصور پوری، ''تعمیر انسانیت''، ص ۵۴۰۔...... 17۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر: ۳۱۔...... 18۔ ابوالکلام آزاد''سیرت کی کتاب''، ص ۱۹۸۔...... 19۔ S.P.Scoff ''امریکہ کی اسلام دشمنی''، ص ۴۷۔...... 20۔ سورۃ ہود آیت نمبر: ۸۵۔...... 21۔ حدیث بخاری شریف۔...... 22۔ سورۃ النساء آیت نمبر: ۱۰۵۔...... 23۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر: ۸۔...... 24۔ ایضاً۔...... 25۔ سورۃ الاسراء آیت نمبر: ۱۵۔...... 26۔ سورۃ الحج آیت نمبر: ۳۰۔...... ۲۷۔ حدیث مشکوٰۃ۔...... ۲۸۔ سورۃ النساء آیت نمبر: ۳۔...... ۲۹۔ سورۃ النساء آیت نمبر: ۱۲۷۔...... ۳۰۔ علامہ شبلی نعمانیؒ، ''سیرت النبیؐ''، ص ۶۸۷۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

عائشہ صنوبر۔ اسلام آباد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

عدل کا لغوی مفہوم:

عدل عربی زبان کا لفظ ہے۔ عدل یعدل عدلاً، عادل نفوس کے درمیان برابری کرنا، عدل کی ضد جور (ظلم) عدل مختلف مانی کے لیے مستعمل ہے۔ مثلاً برابر کرنا، شہادت (گواہی موازنہ، پیمانہ، انصاف کرنا، دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا، اعتدال، میانہ روی وغیرہ(۱) عدل: ازروئے اشتقاق یہ اصطلاح اسم ذات اور اسم صفت دونوں شکلوں میں استعمال ہوتی ہے لیکن معانی کے اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے عین مطابق نہیں۔ اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی انصاف یا داد رسی ہیں اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی تقسیم منصفانہ اور متوازن کے آتے ہیں، اس طرح اس لفظ کا اطلاق جان دار اور غیر جاندار دونوں پر ہوتا ہے۔ اپنی ان دونوں صورتوں میں یہ لفظ مذہب، حکمت اور قانون کی لغات میں مستعمل ہے۔(۲) عدل کے لیے انگریزی میں Justice کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

> Justice: The maintenance or administration of what is just: impareial adjustment of confliating claims the assignments of merited rewards or punishments: Just treatments(3)

اجتماع کا مفہوم:

اجتماع بروزن باب ''افتعال'' بمعنی مجمع بھیڑ، اکٹھا ہونا، جمع ہونا وغیرہ(۴) اجتماعی منسوب یہ اجتماع پورے طور پر مجموعی طور پر(۵) اجتماعیت سے مراد ایک نظریہ جس کی رو سے ملکیت انفرادی نہیں اجتماعی ہونی چاہیے۔(۶) انگریزی میں اجتماع کے لیے (society) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معروف ماہر عمرانیات لیون ایچ مے ہیو (LeonH. Mayhew) سوسائٹی یا معاشرے کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> "Analytical definations usually treat a society as relatively independent or self-sufficient population characterized by ineternal organization, terrtioriality, cultural distinctivencess, and sequal recruitment.(7)

معاشرہ معنی ومفہوم:

society کثیر التعداد بنی نوع انسان کی وہ جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کے رہنے سہنے اور اپنی ترقی حصول مقصد اور

Marfat.com

فلاح کیلئے دوسروں سے سابقہ پڑتا ہے اور جس سے بشر کو مفر نہیں معاشرہ کہلاتا ہے۔(۸) اسلام ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت رکھتا ہے، جس کے اصول وضوابط مستقل ومحکم ہیں جس کا پورا مزاج عدل و انصاف سے مرکب ہے اور جس کے تمام اجزاء باہم مربوط وہم آہنگ ہیں یہ نظام ایسا جامعہ ہمہ گیر ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں آجاتی ہیں یہ انسان کے قلب وضمیر اور اس کے معاملات زندگی دونوں پر محیط ہے۔(۹)

عدل اجتماعی کی تعریف عدل اجتماعی:

والاسلام دين الوحدة بين العبادة والمعاملة، والعقيدة والشريعة، والروحيات والماديات، والقيم الاقتصادية والقيم المعنوية، والدنيا والآخرة، والارض والسماء، وعن تلك الوحدة الكبرىٰ تصدر تشريعاته و فرائضه وتوجيهاته واحدوده، وقواعده فى سياسة الحكم واسياسة المال، وفي توزيع المغانم والمغارم، وفى الحقوق والواحيات وفى ذلك الاصل الكبير تنطوى سائر الأجزاء والتفصيلات و حين ندرك هذا الشمول فى طبيعة النظرة الاسلامية للألوهية والكون والحياة والانسان ندرك معها الخطوط الأساسية للعدالة الاجتماعية فى الاسلام. فهى قبل كل شئ عدالة انسانية شاملة لكل جوانب الحياة الانسانيه ومقوماتها، وليست مجرد عدالة اقتصادية محدودة وهى اذن تتناول جميع مظاهر الحياة و جوانب النشاط فيها، كمال تتناول الشعور والسلوك، والضمائر والوجدانات. والقيم التى تتناولها هذه العدالة ليست القيم الاقتصادية وحدها، ولست القيم المادية على وجه العموم انما هى هذا ممزجة بها القيم المعنوية والروحية جميعاً. (١٠)

''اسلام عبادت اور کاروبار، عقیدہ اور عمل روحانیت اور مادیت، معاشی قدروں اور معنوی قدروں، دنیا اور آخرت اور زمین و آسمان سب کے درمیان وحدت کا قائل ہے۔ اسی عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض وقوانین، ہدایات و حدود اور سیاسی اور معاشی امور میں اس کی راہیں ابھرتی ہیں۔ اس کی روشنی میں وہ حقوق وفرائض متعین کرتا ہے اور نفع ونقصان کی تقسیم عمل میں لاتا ہے۔ الغرض اس کے سارے اجزاء اور تمام تفصیلات اسی اصل اصول میں پنہاں ہیں۔ کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرز فکر کی یہ اساس اگر ہماری سمجھ میں پوری طرح آ جائے تو اسلام میں اجتماعی عدل کے بنیادی خطوط خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی خصوصیت یہ ہے کہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے، زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے''۔

دور جدید میں اجتماعی عدل کے لیے جدید اصطلاح (Social Justice) ہے۔ Social Justice: a state or dctrine of egatarianism (the cause of human freedom and of social justice.)(11) اسلام میں عدالتِ اجتماعیہ کا دائرہ کار بہت وسیع ہے حیات انسانی کے ہر پہلو میں عدل کا قیام عدل اجتماعی کہلاتا ہے۔''عدالت اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی

Marfat.com

حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔"(۱۲)

بعثت رسول ﷺ سے قبل کے حالات:

ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہونے کے باوجود نسل انسانی قدیم زمانے میں معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئے، الگ الگ بستیوں، شہروں اور ملکوں میں رہنے لگے۔ اسی لیے نبی اور مصلح بھی قومی ہوئے نہ کہ عالمگیر اور بین الاقوامی اور ان کی تعلیمات بھی اپنی اپنی قوموں تک ہی محدود ہوتی تھیں قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ ﴾(۱۳) "اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کو صرف ان کی قوموں کی طرف ہی مبعوث کیا"۔ رہنمایان اقوام اس امر پر متفق ہیں کہ قابل صد احترام جناب عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ۵۷۱ء سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔(۱۴) آل اسماعیل علیہ السلام اور آل اسرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں سے حاصل کی ہوئی عظیم نعمت توحید کو شرک کی نجاستوں سے پراگندہ کر دیا تھا اس طرح جملہ نوع انسانی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے دروازوں پر سجدہ زن تھی اور مختلف معبودوں کی عبادت میں محو تھی۔ کہیں مٹی اور پتھر کی مورتیں کے صانع اپنے ہاتھوں کی ترشیدہ تصویروں کے سامنے ناصیہ فرمائی کر رہے تھے۔ کہیں مرد کو لات و منات اور کہیں صفت نازک کو عزیٰ کی شکل میں پوجا جا رہا تھا کسی نے غلام اللہ کو ابن اللہ اور کسی نے روح اللہ کو ابن اللہ(۱۵) اور کسی نے ملائکہ کو بنات اللہ (نعوذ باللہ) کا نام دے رکھا تھا۔(۱۶) کہیں شمس و قمر، کہیں شجر و حجر، کہیں مزار و مندر اور کہیں ماء نار کو معبود مسجود کا مقام دیا جا رہا تھا۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل اجتماعی حالت ضعف و بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی، جہل اپنی طنابیں تانے ہوئے تھا اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ عورتیں بیچی اور خریدی جاتی تھیں اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پتھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قوم کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے اور حکومتوں کے سارے عزائم اپنی رعایا سے خزانے بھرنے یا مخالفین پر فوج کرنے تک محدود تھے۔(۱۷)

عدل اجتماعی کی ضرورت

جب دنیا بالعموم اور عرب بالخصوص اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی مکمل طور پر بحرانی کیفیت سے دوچار تھے اس وقت یہ احساس ہوا کہ اب نبی بھی مختص المکان اور مختص الزمان ہونے کے بجائے عالمی ہو اور اجتماعی عدل قائم کرے۔ یونان فصاحت و بلاغت کے دریا بہا چکا تھا۔ دنیا کو اس کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لیے حکمت و فصاحت کے ایک بہتر اور بلند تر نمونے کی ضرورت تھی۔ روم نے قانون سازی میں کمال پیدا کیا ہوا تھا اور رسول عربی ﷺ کی پیدائش سے پانچ سال قبل فوت ہونے والے شہنشاہ جسٹینیین نے رومی قوانین کی تدوین کا کارنامہ سرانجام دلا کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر کوئی قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندوؤں، مصریوں اور ایرانیوں نے کچھ ایسے کارنامے چھوڑے تھے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر ان کی برتری مسلّم ہو چکی تھی اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن کی بالیدگی کو کچلنے والے مواقع کو دور کر دیا جائے اور انسان کو عقل، فکر، نظر، بصر سمع تفقہ تدبر شعور اور علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے اس دور کے بین الاقوامی حالات تقاضا کر رہے

Marfat.com

تھے کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم وحوا کی اولاد سے ہیں اور ملک وار، قوم وار نسل وار اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے اور تمام انسانی دنیا کے لیے ایک ایسا بنیادی مذہب پیش کیا جائے جو زماں کے فرق سے بالا اور ذاتوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی غرض و غایت کو پورا کرنے کا انتظام کیا جائے۔(۱۸) بعثت نبوی ﷺ سے قبل پورا معاشرہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس (Might is Right) کے تحت چل رہا تھا لوگ دین حنیف کے قوانین کو فراموش کر کے خود ساختہ خداؤں کے سامنے سربجود تھے۔ انسانیت اس تاریک اندھیرے میں سسک رہی تھی، ایسا معاشرہ جس میں نہ اقدار کی پاسداری تھی اور نہ ہی تکریم انسانیت کا اصول کارفرما تھا۔ غرض اس دور کو ہابز لاک اور روسو کے پیش کردہ معاہدہ عمرانی کے معاشروں سے بھی بدتر کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان معاشروں میں لڑکیوں کو نحوست سمجھ کر دفنایا نہیں جاتا تھا۔ جبکہ عرب کا وہ تاریک معاشرہ اپنی تخلیق کے سامنے سربجود ہونے کے ساتھ اپنی اساس ظن پر رکھتا تھا۔ اسی بنیاد پر صدیوں تک یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے تاریخ اسلام میں اسے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔ جہاں ایک قبیلے نے معمولی بات کی بنیاد پر کئی کئی پشتوں تک جنگ جاری رکھی عربوں کی اکثریت بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی مکہ عربوں کی قومی زندگی کا مرکز تھا۔ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے اور یہ بت ان تمام دیوی دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے تھے جنہیں عربوں میں پرستش کا درجہ حاصل تھا۔ ایسے معاشرے کی اصلاح کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تاکہ ان کی اصلاح واحوال ہوسکیں۔(۱۹)

بعثت رسول اللہ ﷺ اور اجتماعی عدل کا قیام

اسلام کا اولین کام پوری انسانی زندگی کی تشکیل جدید ہے۔ اسلام کا میدان عمل، پوری انسانی زندگی کو گھیرے ہوئے ہے۔ دینی بھی اور دنیاوی بھی روحانی بھی اور مادی بھی ماحول اور سماج سے ہٹ کر دین اپنا صحیح مزاج بلکہ وجود برقرار نہیں رکھ سکتا جو لوگ، یا طبقہ اسلامی احکام کو اپنے اجتماعی نظام سے دور رکھتے ہوں اور اسے صرف عبادت اور حقوق اللہ تک انہوں نے محدود کرلیا ہو۔ ان کا ماحول، معاشرہ اور سماج ''اسلامی سماج'' نہیں کہلا سکتا۔ اسلام سے پہلے کی شریعتیں:

سراپا عدل وقانون	موسوی شریعت،	مجسم اخلاق واحسان	عیسوی شریعت
متوازن شریعت	شریعت محمدی	عدل وقانون	اخلاق واحسان

دونوں کا مجموعہ اور امتزاج

اس بساط خاک کی نشوونما کے واسطے — اک حکیم آب وگل ایک چہرہ خواں درکار تھا
اے زہے تقدیر یہ نکلا محمد کا قیام — کوئی انساں و خدا کے درمیاں درکار تھا
قافلے کو منزل انسانیت کے واسطے — نسل انساں سے امیر کارواں درکار تھا
زندگی پر کیسے کھل جائے رموز زندگی — قول حق کو انکا انداز بیاں درکار تھا

اسلام نے دین فطرت ہوتے ہوئے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی کیونکہ اعتدال خالق کائنات کے آئین قدرت کی شرط اول ہے۔ جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔

Marfat.com

قرآن نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا. لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ (۲۰) ''اور آپ ﷺ کے رب کی ہر بات واقعیت اور اعتدال کی بنیاد پر تکمیل کو پہنچی اس لیے کہ کائنات میں اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں'' پھر اس توازن و اعتدال کی خاطر مالک نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ مقرر فرما دیا کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن طریقے سے جاری و ساری رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (۲۱) ''ہم نے ہر شے کو ایک اندازے کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے'' لیکن جہاں پر عناصر میں اعتدال طبعی و جبری ہیں وہاں اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے حضرت انسان کے لیے اسے انتخابی اور اختیاری شے بنا دیا تا کہ اگر وہ چاہے تو اسے اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کرے اور اگر چاہے تو ترک کر کے دنیا و آخرت کی صعوبتوں کا شکار ہو جائے اس اختیار اور انتخاب کی بنیاد پر انسان کو معاشرے میں نظام عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل و انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی اجتماعی عدل ہی وہ کسوٹی ہے۔ جس پر دنیا کا سارا نظام قائم ہے اگر عدل ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے نبی کریم ﷺ نے اپنی عملی تعلیمات سے عدل کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا۔ اسلامی عقیدہ کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے۔ وہ اپنے عدل ہی سے کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۲) ''اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ کارخانہ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے''۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۳)

''بے شک ہم نے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے ان پر کتابیں اتاریں اور ترازو کو رواج دیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔

قرآن کریم نے نزول کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو حکم جاتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ. وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (۲۴)

''ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری جیسا تم کو خدا نے سمجھایا ہے اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کے حامی نہ ہوں''۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک فرد سے لے کر جماعت زندگی کے ہر شعبہ میں عدل قائم کرنے کی تعلیم دی کیونکہ ہر زاویہ حیات میں اسلامی فکر کی اصل الاصول بات یہی ہے۔ اسلامی معیشت معاشرت، سیاست اور قانون کے پس منظر میں بھی یہی مرکزی تصور کارگر ہے اور دین کامل کے سارے ضابطے اسی پر قائم ہیں۔ اس بناء پر حضور اکرم ﷺ نے جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو انتہائی راہوں کو چھوڑ کر انفاق فی سبیل اللہ کا معتدل راستہ دکھایا وہاں پر سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور

Marfat.com

آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف عادل پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام تجویز فرمایا اسی طرح جہاں پر رہبانیت اور قارونیت کی افراط وتفریط سے نجات دلائی وہاں پر اعتدال اور توازن پر مبنی عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کو پیش فرمایا۔

عدل اجتماعی کے مقاصد:

اسلامی معاشرے میں اجتماعی عدل کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو حاصل ہے، یہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اجتماعی عدل کے درج ذیل مقاصد ہیں:

توحید کا قیام:

نبی اکرم ﷺ نے ساری زندگی توحید کی تعلیم دی۔ توحید اللہ کے ساتھ مخلوق کا عدل ہے۔ اللہ کا حق ہے کہ اسے خالق و مالک مانا جائے اور حق دار کو اس کا حق دینا عدل ہے۔ اس لیے اجتماع عدل کا اولین مقصد توحید ہے۔ ''اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے باوجود اس کے کہ اللہ کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے اصول میں بھی داخل تھا مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مفقود تھی اور یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجے پر ہے آنحضرت محمد ﷺ نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی اور آپ ﷺ نے اس کو نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف وحقائق جسمانی اور اعمال و اخلاق کا سرچشمہ قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے۔ مگر ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جس کو وہ کبھی معاف نہ فرمائے گا'' (۲۵) ''عقیدہ توحید عقل وفرد کو لذت جستجو بخشتا ہے تو قلب و روح کو بھی شوق فراواں سے مالا مال کرتا ہے۔ اس کی تعلیم نے انسان کو خود شناس بھی بنایا اور خدا شناس بھی''۔ (۲۶) دی آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ میں درج ہے:

"Al though Tawhid has traditinary been recongnized as a fundamental doctrine of Islam, its popularity as Islam's defining characterstic as a modern development"(27)

مقاصد شریعت کی تکمیل:

عدل اجتماعی کا مقصد انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہے اور بنیادی طور پر انسان کو پانچ چیزوں کی حفاظت کی ضرورت ہے: ۱- حفظ جان، ۲- حفاظت مال۔ ۳- حفاظت عزت آبرو۔ ۴- حفاظت نسل۔ ۵- حفاظت عقل۔

شریعت اسلامیہ نے بھی ان پانچ اصولوں کی حمایت کی ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ ان کلیات خمسہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نعني بالمصلحة المحافظة على مقصود شرع، ومقصود الشرع من الخلق خمسة وهو ان يحفظ عليهم و دينهم و نفسهم وعقلهم و نسلهم ومالهم، فكل ما يتضمن حفظ هذه الاصول الخمسة فهو مصلحة و كل ما يُفوّت هذه الاصول فهو مفسدة ودفعها مصلحة"۔ (۲۸) ''اسلامی شریعت میں مصلحت، مقاصد شریعت کی حفاظت کا نام ہے اور شرع کا مخلوق کے پانچ امور کی حفاظت مقصود ہے، دین، نفس، عقل، نسل اور مال، پس ہر وہ شے جو ان امور کی حفاظت کرے مصلحت ہے اور جو چیز ان مصالح کے ضیاع وفوات کو متضمن ہو وہ مفسد ہے اور اس کا دفع کرنا مصلحت ہے''۔

Marfat.com

اصلاح معاشرہ:

حضورﷺ کی تیرہ سالہ مکی زندگی اور پھر دس سالہ مدنی زندگی میں عزم وعمل کے جو چراغ روشن ہوئے ان کی روشنی نے زندگی کے ہر گوشے کو بقعۂ نور بنادیا۔ حضورﷺ کے زمانے میں جو مثالی معاشرہ قائم ہوا اس کی نظری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

''حضور نبی اکرمﷺ نے اسلامی معاشرے کی بنیاد خوف خدا پر رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے خوف خدا کو اپنے معاشرے کی اصلاح کیلئے بنیادی ستون قرار دیا ہے۔ آج معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں اور کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں وہ اسلامی تہذیب وثقافت سے دوری کی وجہ سے ہیں''۔(۲۹) اسلام میں حدود کی سزاؤں کا نفاذ انتظام یا بے رحمی کی بناء پر نہیں۔ ان کے نفاذ سے معاشرے میں امن پیدا ہوتا ہے حضورﷺ نے حدود کے نفاذ میں بڑی احتیاط کا حکم دیا کیونکہ ان میں سزا کڑی ہے۔ گواہیاں مضبوط ہوں اچھی طرح چھان بین ہو۔(۳۰) اصلاح معاشرہ کے لیے عدل ناگزیر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۳۱)

فلاح انسانیت:

عدل اجتماعی کا مقصد فلاح انسانیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو عدل کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ (۳۲)

''اے داؤد! ہم نے دنیا میں تجھے خلیفہ بنایا۔ پس لوگوں میں عدل سے فیصلہ کر اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کر''۔

وحدت انسانی:

عدل اجتماعی کا مقصد وحدت انسانی ہے اور توحید الٰہی نسل انسان کے اتحاد کی متقاضی ہے۔ نسل انسانی کی وحدت پر جو توحید کا نتیجہ ہے قرآن نے اس پر بہت زور دیا ہے ارشاد ہوتا ہے: کان الناس امة واحدة یعنی تمام لوگ ایک ہی قوم ہیں پھر فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (۳۳) سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں۔ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''و کان الناس بنو آدم و خلق آدم من التراب'' (۳۴) ''تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے''۔

نیکی کا حکم اور برائی کا خاتمہ:

اسلام کا تصور عدل اجتماعی اسے معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے جو نیکی کے حکم اور برائی کے خاتمے کا مظہر ہو۔ فرمان نبویﷺ ہے: ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اسے روکنے کی کوشش کرے اور یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے اس کے مٹانے کے لیے تڑپے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔(۳۵)

نبی کریمﷺ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے معاشرہ کو پاکیزہ اور معتدل بنا دیا۔

Marfat.com

شرف انسانیت:

عدل اجتماعی کا مقصد اولین شرف انسانیت ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (۳۶)

''ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سواری دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ اور عمدہ رزق عطا فرمایا اور ہم نے ان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت دی''

دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۳۷) ''اور اس نے تم کو مخلوقات پر فضیلت دی ہے''۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (۳۸) ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا'' شرف انسانیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خلق الله آدم علی صورته'' (۳۹) ''اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے'' اللہ نے انسان کو جو عزت وشرف بخشا ہے اس کی وجہ سے ہر انسان کو دوسرے کی عزت وتکریم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله'' (۴۰) ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے۔ جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ: التعظیم لامر الله والشفقة علی عیال الله'' ''اللہ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق سے محبت رکھو''۔

عدل اجتماعی کے بنیادی اصول:

رسول اللہ ﷺ کی صاف ستھری اور پاکیزہ تعلیمات میں ہمیں عدل ومساوات کے اس اصول کا بڑی کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جور وتعدی سے پاک اور عدل ومساوات کے سنہری اصولوں سے مزین اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کیلئے حسب ذیل چار اصول پیش فرمائے ہیں اور انہیں پر اسلامی معاشرے کی اساس رکھی ہے: ۱۔ ہر شخص کے لیے یکساں آزادی وحریت۔ ۲۔ ہر شخص کے لیے یکساں عزت وتکریم۔ ۳۔ حقوق ومراعات میں مساوات۔ ۴۔ معاشرے کے تمام لوگوں کے لیے یکساں مواقع معیشت کا حصول، ان نکات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ہر شخص کے لیے یکساں آزادی وحریت:

جہاں تک پہلے نکتے، یعنی ''آزادی اور حریت میں مساوات کے نظریئے'' کا تعلق ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہی دنیا میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کی آزادی وحریت کا نعرہ بلند کیا اور اپنے ماننے والوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی۔ آنحضور ﷺ جب تشریف لائے تو اس وقت ساری دنیا میں غلامی کا رواج زوروں پر تھا۔ معمولی معمولی جنگوں پر ایک دوسرے کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ ان حالات میں یہ تو ممکن نہ تھا کہ یکبارگی اس نظام کو ختم کر دیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ کی اپنی پاکیزہ تعلیمات میں ''انسداد غلامی'' کے لیے تمام اساسی باتیں موجود ہیں۔

آزادی ضمیر:

اجتماعی عدل کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا نہ اسے اس وقت تک قیام و بقاء نصیب

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔ جب تک اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور نہ موجود ہو۔(۴۲) اس نکتہ کی اہمیت کو نبی کریم ﷺ نے اول دن سے اہمیت دی۔ انسان کی جسمانی ضروریات اور روحانی میلانات دونوں کو یکساں اہمیت دی اور ایک ہی نظام تجویز کیا۔ آزادیٔ ضمیر کی خاطر شعور و احساس بھی پیدا کیا اور خارجی حالات بھی سازگار بنائے۔ آزادیٔ ضمیر کے لیے نبی کریم ﷺ نے توحید کی دعوت دی اور پتھروں کی غلامی سے آزاد کرایا۔

توحید: کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اس میں غیر اللہ کی الوہیت (بندگی) کی نفی کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (۴۳) ''پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''من قال لا الـه الا الله مخلصاً دخل الجنة'' (۴۴) ''جس شخص نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ مخلص وہ ہے جو کلمہ توحید کا فہم حاصل کرے اور اس پر عمل پیرا ہو اور اس سے اپنی دعوت کی ابتداء کرے، اس لیے کہ یہ کلمہ توحید پر مشتمل ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا۔ توحید اللہ کو ذات و صفات میں یکتا ماننے کا نام ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے انکار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قال لا اله الا الله، وكفر بما يعبد من دون الله حرم ماله ودمه، وحسابه على الله عزوجل (۴۵) ''جس نے کہہ دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہر اس چیز کا انکار کیا جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے تو ایسا کرنے سے اس کی جان و مال (کو نقصان پہنچانا) حرام ہوگیا اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔

اللہ کے تمام انبیاء کرام اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ (۴۶) ''محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے''۔ نبی کریم ﷺ نے ذہنوں میں نہ صرف عقیدہ توحید کو راسخ کیا۔ بلکہ اللہ اور بندے کے تعلق مضبوط کیا اور فرد کو یہ احساس دلایا کہ وہ رات کی گھڑیوں اور دن کے اوقات میں ہر وقت اس عظیم بے پایاں قوت سے مدد چاہ سکتا ہے۔ ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ﴾ (۴۷) اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ. اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (۴۸) ''اور اے نبی! میرے بندے اگر میرے متعلق تم سے پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنا دو شاید کہ وہ ہدایت پائیں''۔

بندوں کی غلامی سے نجات

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ (۴۹) ''سو وہ شخص دین کی گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ کسی کی گردن کو غلامی سے چھڑاتا ہے'' اسی طرح قتل خطاء، ظہار اور قسم توڑ دینے وغیرہ کے کفاروں میں غلام کی آزادی کا حکم کیا گیا۔ نیز غلاموں کو ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾ (سو وہ لوگ تم ہی میں سے ہیں) کہہ کر ان کو مسلم معاشرے کا حصہ دار بنا دیا۔(۵۰) اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے: (كل مولود يولد على الفطرة) (۵۱) ''ہر بچہ

Marfat.com

فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے‘‘۔ اس سے اگرچہ یہاں مراد ہر بچے کا باطل مذاہب کی قید سے آزاد ہونا ہے۔ مگر فطرت سلیمہ کی اس خصوصیت میں اس کی آزادی اور حریت بھی شامل ہے۔

ہر شخص کے لیے یکساں عزت و تکریم:

جہاں تک یکساں عزت و تکریم کے اصول کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان، خواہ اس کا تعلق کسی بھی ذات یا رنگ یا نسل یا طبقے سے ہو ایک جیسے ادب و احترام کا مستحق ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (۵۲) ’’اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے‘‘۔ لہٰذا ذات، نسل یا رنگ کی بنیاد پر اگر کوئی شخص دوسرے کی عزت کرتا ہے یا کسی کو نفرت یا حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے تو یہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی نفی ہے۔ ان ہدایات پر پابندی کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں بہت کم جنگوں میں غلامی کا نظام اپنایا۔ زیادہ لڑائیوں میں آپ نے قیدی بنانے کا متوازن اصول قائم کیا اور انہیں مختلف شرائط کے ساتھ ان کے قبیلوں کو واپس کیا۔ وصال کے وقت آپ کے پاس جتنے غلام تھے سب کو آزاد کر دیا۔ اس کے برعکس اسلام نے بڑائی اور فضلیت کی اساس ’’تقویٰ‘‘ اور خوف خداوندی پر رکھی ہے اور اعلان فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (۵۳) ’’اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومی اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم سب سے پرہیز گار تو اللہ کے نزدیک معزز تر ہے‘‘۔ اسلام کی نظروں میں گویا ایک ادنیٰ ذات کا فرد اگر تقویٰ اور پرہیز گاری کے اصول پر عمل پیرا ہے تو اس شخص کی نسبت وہ زیادہ معزز و محترم ہے جو بادشاہ کا بیٹا ہونے کے باوجود ورع و تقویٰ کے اس معیار پر پورا نہیں ہے۔

حقوق و مراعات میں مساوات:

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام سماجی سیاسی اور عائلی معاملات میں ایک دوسرے کے مساوی ہے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ نے تفریق، برتری اور غلبے و استیلا کے وہ تمام نظریئے باطل قرار دیئے جو بعثت نبوی ﷺ سے قبل سماجی جبر و استحصال کا ذریعہ بنے ہوئے تھے چنانچہ قرآن مجید نے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ. بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ (۵۴) ’’اے اہل ایمان کوئی قوم دوسری قوم کا تمسخر نہ کرے ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے تمسخر کریں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے مومن بھائیوں کو عیب نہ لگاؤ نہ ایک دوسرے کا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔‘‘ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر رسول رحمت ﷺ نے ’’حقوق انسانی‘‘ کا جو چارٹر دنیا کے سامنے پیش کیا، اس میں خاص طور پر یہ جملہ بھی تھا: ’’الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لا حمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقویٰ کلکم لآدم

Marfat.com

و آدم من تراب" (۵۵) "یاد رکھو کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، یاد رکھو کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، بجز تقویٰ کے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سماجی اور طبقاتی تفاوت پر مبنی نظام کو لپیٹ کر تمام انسانوں کے ایک ہونے اور حقوق و مراعات میں ان کے یکساں ہونے کا انقلابی نظریہ پیش کیا۔ جو اس وقت اقوام متحدہ کے چارٹر کی اساس ہے۔

مواقع معیشت میں یکسانیت:

مواقع معیشت کے حصول سے مراد یہ ہے کہ ایک علاقے میں رہنے والے تمام لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کی کفالت کے لیے روزی کمانے کی آزادی ہو اور تمام لوگوں کو بلا کسی تفریق کے یکساں مواقع معیشت فراہم کیے جائیں۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ﴾ (۵۶) "اور ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے مواقع معیشت پیدا کیے" اور اگر کسی شخص کے وسائل اس کی ضروریات کی کفالت نہ کریں، تو حکومت اسلامیہ پر اس کی ضروریات کی کفالت کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ "اسلام کی ان تعلیمات نے خیالی نہیں بلکہ حقیقی انقلاب پیدا کیا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی حضرت بلالؓ جیسے آزاد شدہ غلام کو "یاسیدی" (اے میرے سردار) کہہ کر بلاتے تھے اور دور خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ جب شام تشریف لے گئے تو اس شان کے ساتھ کہ غلام اونٹنی پر سوار ہے اور خلیفۃ المسلمین اونٹنی کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہا ہے۔ یہ اسی کا احساس تھا کہ حضرت عمر فاروق بھوکے خاندان کے لیے غلے اور سامان سے بھری ہوئی بوری اپنی کمر پر لاد کر چل رہے ہیں اور آپ کے غلام آپ کے ساتھ خالی جا رہے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ موتہ کے موقع پر قریشی سرداروں کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کی قیادت میں جہاد کے لیے بھیجا اور حیات طیبہ کے آخری معرکے میں جو عظیم الشان لشکر ترتیب دیا، جس میں کبار صحابہؓ بھی شامل تھے۔ اس کی سیادت غلام زادہ حضرت اسامہؓ کو مرحمت فرمائی۔ مگر کسی صحابیؓ نے اس موقع پر ان کی قیادت و سیادت پر اعتراض نہ کیا اور پھر یہ اسی کا اثر تھا کہ مسلمانوں کے آزاد کردہ غلام اور ان کے ہونہار بیٹے تنہا تمام علمی اور فکری دنیا پر چھا گئے اور بڑے بڑے عرب ان کی حاشیہ نشینی کو اپنے لیے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ عدل اجتماعی کے درج ذیل پہلو ہیں:

۱۔ معاشرتی عدل۔ ۲۔ معاشی عدل۔ ۳۔ سیاسی عدل۔ ۴۔ قانونی عدل

معاشرتی عدل، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

معاشرہ کے معنی ہیں ایک سے زائد اشخاص کا مل جل کر زندگی بسر کرنا۔ اصطلاح میں معاشرہ سے مراد ہے ایک ہی قسم کے اوصاف کے حامل یکساں نظریات اور عقائد رکھنے والے افراد کا مخصوص ثقافتی و معاشرتی عادات و اطوار کے مطابق زندگی گزارنا۔ وجہ اشتراک کے بغیر محض افراد کا مجموعہ معاشرہ نہیں کہلاتا۔ ایک اسلامی معاشرے میں لوگوں کی تہذیب، معاملات، تدبیر منزل، حقوق و فرائض، امور سیاست سب ایک اللہ اور اس کے رسول اور قرآن حکیم کے احکام کے تابع ہوتے ہیں۔ جدید سوشیالوجی میں انسان کو معاشرتی حیوان (Social Animal) کہا جاتا ہے۔ اسی باہمی ارتباط سے جو رشتے استوار ہوتے ہیں

Marfat.com

قرآن ان کے لیے رحم کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ معاشرتی نظام میں کنبے اور خاندان سے لے کر مخلوق خدا تک کے حقوق کی پاسبانی اس لفظ کے اندر آ جاتی ہے۔ ''کوئی صرف اپنی ملت یا قوم کے لوگوں کو ہی خوش خلق کا مستحق سمجھتا ہے، جبکہ بعض لوگ اپنی ذاتی خواہشات و مفادات ہی کو اس کا معیار ٹھہرا لیتے ہیں، لیکن تاریخ عالم میں ایک بزرگ ہستی ایسی بھی گزری ہے جس نے پورے انسانی معاشرے کو بحیثیت ایک کنبے، ایک قبیلے اور ایک وحدت کے تصور کیا۔ بنی آدم کو بلاامتیاز رنگ و نسل ان کے جائز اور فطری حقوق عطا کئے۔ ان کی نگاہ میں عربی اور عجمی، کالے اور گورے کی تفریق ہمیشہ بے معنی رہی۔ یہ سرور دو عالم ﷺ کی مبارک و مسعود ہستی ہے''۔(۵۷) حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ اور جمیل طرز معاشرت ہی تھے جنہوں نے معاشرے میں اجتماعی عدل قائم کر کے انسانیت کو متحد کیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ. وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ. فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (۵۸)

''یعنی پس اللہ کی مہربانی سے آپ ﷺ ان (لوگوں) کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ ترش رو، سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے''۔

آپ ﷺ نے خود دور یتیمی گزارا لہٰذا آپ ﷺ کے دکھ درد کا بخوبی اندازہ فرما سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ بیکسوں، مسافروں، بیواؤں اور ضعیفوں کی مدد فرمائی۔ آپ ﷺ نے خود ریزی روکنے اور مظلوموں کی مدد کرنے کے لیے حلف الفضول میں شمولیت اختیار فرمائی۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: دین بھلائی ہے۔(۵۹) حضور ﷺ بیواؤں اور یتیموں سے خصوصی شفقت کی بناء پر فرمایا کرتے تھے کہ جو کوئی کسی بیوہ یا مسکین کی بہترین کے لیے کوشاں رہتا ہے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد یا دن کو روزہ رکھنے اور رات بھر نوافل پڑھنے والے عابد کی طرح ہے۔ ''الساعی علی الارملة والمسکین، کالمجاهد فی سبیل الله، او القائم اللیل الصائم النهار'' (۶۰) اسلام کے معاشرتی نظام میں بھی معاشرتی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں مثلاً ۱۔ خاندان کا ادارہ ۲۔ مکتب۔ ۳۔ مسجد وغیرہ۔

خاندان میں عدل: تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

نکاح: عدل سب سے پہلے خاندان سے شروع کرتے ہیں جو معاشرے کی اکائی ہے۔ نکاح کے ذریعے ایک مرد اور ایک عورت ایک معاہدے کے مطابق ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں اور اس طرح ایک خاندان وجود میں آتا ہے۔ نکاح میں سب سے زیادہ اہمیت باہمی ذمہ داری کی ہوتی ہے۔ مرد اور عورت اس باہمی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے کی خوشی اور مسرت کا سامان بنتے ہیں۔

خواتین کے ساتھ عدل:

حضور ﷺ نے سابقہ عالمی نظام میں خواتین پر روا رکھے گئے تمام مظالم کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایها الناس ان لکم علی نسائکم حقا ولها علیکم حقا.... واستوصوا بالنساء خیرا فاتقوا الله فی نسائکم'' (۶۱) ''اے لوگو! بے شک تمہارے کچھ حقوق

Marfat.com

عورتوں پر واجب ہیں (ان کی پوری حفاظت کرنا، عورتوں سے ہمیشہ بہتر سلوک کرنا اور عورتوں کے حقوق کے معاملے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا)''۔

والدین اور اولاد کے حقوق:

حضور اکرم ﷺ نے ماں باپ کے حقوق پر بہت زور دیا ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (٦٢) ''اللہ نے فیصلہ دے دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہو اور نہ جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو اور ان کے آگے عاجزی سے اپنے کندھے جھکائے رکھو اور کہو کہ اے رب ان پر رحم کر جیسا کہ (محبت سے) انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا''۔ اسی طرح حضور ﷺ نے والدین کو بھی اولاد کے حقوق ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک باپ اپنے بچے کو جو سب سے اچھا تحفہ دے سکتا ہے وہ اچھی تعلیم و تربیت ہے۔ اس اچھی تربیت سے جو بچہ پروان چڑھتا ہے وہ معاشرے کا فعال اور نافع رکن بن جاتا ہے۔

میاں بیوی میں عدل:

اسلام زوجین کے حقوق و فرائض پر بہت زور دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومنو تمہارے حقوق بیویوں پر ہیں اور بیویوں کے حقوق تم پر ہیں، بیویوں کا تم پر حق ہے کہ ان سے اچھا سلوک کرو انہیں وہی کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ جو خود کھاتے پیتے اور پہنتے ہو، تمہارا بیویوں پر حق یہ ہے کہ وہ تمہاری رضا کا خیال رکھیں۔ تمہارے بچوں کی اچھی پرورش کریں اور تمہارے خواب گاہوں میں کسی اور کو نہ آنے دیں (زنا کاری نہ کریں) اسلامی معاشرہ میں عائلی نظام بہت مربوط ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ عدل:

آپ ﷺ نے رشتہ داروں سے حسن سلوک کو کشائش رزق اور درازی عمر کا ذریعہ بیان فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ من أحب أن يبسط له في رزقه، وينسأ له في أثره، فليصل رحمه (٦٣) ''جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں کشادگی پیدا کرے اور اس کی زندگی دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کرے''۔

پڑوسیوں کے ساتھ عدل:

پڑوسیوں کے حقوق کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے: ''واللہ وہ مومن نہیں، واللہ وہ مومن نہیں، واللہ وہ مومن نہیں۔ عرض کیا گیا کہ: کون یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو''۔ (٦٤)

یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ عدل:

''نبی کریم ﷺ نے خود بھی یتیموں کی تربیت فرمائی اور ان کا بن کر دکھایا۔۔۔ ساتھ ہی اپنے ماننے والوں کو بھی بڑے موثر اور دلکش پیرائے میں یتیم پروری کی تعلیم و تلقین فرمائی اور ترغیب دی''۔ (٦٥) حضور ﷺ نے امت کے غریب، بے سہارا، بے آراء، ضرورت مند، مفلوک الحال اور محتاج لوگوں کا ہمیشہ خیال رکھا اور ان کی کفالت فرمائی۔ ایک اسلامی فلاحی

Marfat.com

ریاست قائم فرمائی تاکہ ان کی کفالت ہو۔

عبادات کا معاشرتی عدل میں کردار:

حضور اکرم ﷺ نے عبادات کے نظام کے ذریعے معاشرے کی تطہیر فرمائی۔ نماز کے اخلاقی تمدنی اور معاشرتی فوائد بہت زیادہ ہیں۔ روزے کے ذریعے سے معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کے بھوک کا احساس پیدا ہوتا ہے ''زکوٰۃ کی اہمیت معاشرتی بھی ہے اور مذہبی بھی، نفسیاتی بھی ہے اور معاشی بھی''۔(٦٦) حضور اکرم ﷺ نے زکوٰۃ نافذ فرما کر معاشرے کو سوشل سیکورٹی نظام عطا فرمایا جس سے یتیموں اور بے کسوں کی کفالت ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ نے حب المساکین کو جنت کی کنجی سے تشبیہ دی: لکل شیء مفتاح، مفتاح الجنة حب المساکین والفقراء (٦٧) حج وہ جغرافیائی شیرازہ ہے جس میں ملت کے وہ تمام افراد بندھے ہوئے ہیں جو مختلف ممالک، زبانوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حج کے معاشرتی فوائد کثیر ہیں۔

مساوات:

اسلام مساوات کا درس دیتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں امتیاز تقویٰ کی بناء پر ہے رنگ، زبان، خاندان یا نسل پر نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا: ''کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر۔ ماسوائے تقویٰ کے اور نسبتی بنیادوں پر کوئی فضیلت نہیں''۔(٦٨)

نسلی امتیاز کا خاتمہ:

حضور اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں عملی طور پر مساوات کا درس دیا اور اس پر عمل فرمایا: ''یعنی تم سے پہلے امتیں اس لیے برباد ہوئی تھیں کہ وہ لوگ کمتر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا''۔(٦٩) ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (٧٠) ''اور ہم نے تمہیں مختلف شاخوں اور قبائل میں اس لیے منقسم کیا تاکہ تمہارا آپس میں تعارف ہو سکے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو''۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر ہے تو وہ تقویٰ کے سبب ہے۔

اخوت:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دیکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ ''المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یظلمه، ومن کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة، فرج الله عنه کربة من کرب یوم القیامة، ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة۔(٧١)

اسلامی معاشرے میں ذمیوں کے ساتھ عدل:

حضور اکرم ﷺ نے ذمیوں کے حقوق کی پاسبانی فرمائی۔ ''اگر کسی یہودی پر کوئی ناحق تہمت لگائے تو اس یہودی کو خدا اور حضور ﷺ کی حمایت حاصل ہوگی''۔ میثاق مدینہ کے بارے میں منٹگمری واٹ کو کہنا پڑا: "This treaty helped to

Marfat.com

"maintain peace in the Qasis"(۷۲) نبی اکرم ﷺ نے ذمیوں کو یہ حقوق عطا فرمائے: ۱- سیاسی حقوق۔ ۲- معاشرتی حقوق۔ ۳- معاشی حقوق۔ ۴- قانونی مساوات وغیرہ۔ "Islam, preceeded all" کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ فقید المثال ہے۔ ایک اور محقق رقمطراز ہے:

"International treaties with legislation for full protection, social autonomy, liberty and integriety of all the subjects of the state"(73)

حدود وتعزیرات سے معاشرے کی تطہیر:

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی سزاؤں کے ذریعے معاشرے کی تطہیر فرمائی۔ آپ ﷺ کی تبلیغ کا اثر اس قدر زیادہ تھا کہ جرائم میں انتہا درجہ کی کمی ہوئی اور معاشرہ پاکیزہ بن گیا۔ بعض صورتوں میں ان جرائم میں مجرم کے عادی ہونے کی صورت میں اعضاء کاٹنے کا بھی حکم ہے تاکہ وہ جرم کے قابل نہ رہے۔ اس نظام کے نافذ ہونے سے انسانی زندگی میں عدل قائم ہوتا ہے اور ظلم کی بیخ کنی ہوتی ہے اور لوگوں کے جان و مال عزت کا تحفظ ہوتا ہے، فتنہ دب جاتا ہے اور اس کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ اسلام میں حد کی سزا سب کے لیے یکساں ہے۔ ملک کے ادنیٰ ترین فرد سے لے کر مملکت کے سربراہ تک سب پر یکساں لاگو ہوتی ہے۔ اس میں امتیازی سلوک نہیں۔ حدود کا نفاذ، نسلی، قبائلی اور وطنی عصبیتوں سے بالاتر ہے۔

غلاموں کے ساتھ عدل:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''یہ غلام بھی تمہاری طرح کے انسان اور تمہارے بھائی بند ہیں۔ جن کو خدا نے تمہارا مطیع کر دیا ہے، ان غلاموں کو اپنے جیسا کھانا دو اپنے جیسا کپڑا پہناؤ اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو، اگر ایسی صورت ہو تو پھر خود ان کی مدد کرو'' (۷۴) نبی اکرم ﷺ غلاموں کی آزادی کے نقیب بن کر اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس غلامانہ نظام کا خاتمہ کیا۔ آپ ﷺ نے تدریجی عمل کے ذریعے اس نظام کو ختم کیا۔

معاشی عدل--تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:

بعثت نبوی کے وقت عالم عرب میں جو برائیاں عام تھیں ان میں سے ایک سنگین برائی معیشت کا فاسد نظام تھا۔ معیشت کے وسائل میں سے ایک وسیلہ تجارت کا تھا۔ جس میں سود در سود کے اصول سے کام لیا جاتا تھا۔ دوسرا وسیلہ لوٹ مار کا تھا جو اتنا عام تھا کہ ان کے منظم گروہ ہوتے تھے۔ اس پیشے ہی کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ چوری عام تھی اور اس کو اخلاقی طور پر معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا چوری میں مرد اور عورت دونوں برابر کے شریک ہوا کرتے تھے۔(۷۵)

ایسے حالات میں خالق کائنات نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے حضور ﷺ کو ایک کامل اور جامع رہنما بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبے کی بھی اصلاح فرمائی۔ ایک متوازن معاشی نظام دیا جو سراسر انصاف پر مبنی ہے اور جس میں انسان کے معاشی حقوق میں کوئی اونچ نیچ نہیں اور دولت ومحنت میں ایک عمدہ توازن قائم کر دیا گیا ہے۔

معیشت کی اہمیت:

اسلام میں مال کو اگرچہ امت کے لیے ایک ''فتنہ'' کہا گیا ہے مگر کاروبار زندگی میں اس کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا گیا

Marfat.com

ہے۔ قرآن پاک میں عبادت کے بعد رزق حلال تلاش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (۷۶) ''جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاو اور خدا کا فضل تلاش کرو''۔ دولت اور مال کے لیے قرآن پاک میں ''خیر'' اور ''فضل'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بالترتیب بھلائی اور مہربانی کے ہیں۔ گویا دولت جو جائز طریقے سے حاصل کی جائے اور جو حق کی راہ میں استعمال کی جائے سراسر بھلائی او رفضل اللہ ہے۔ احادیث مبارکہ میں ''کسب'' محنت سے روزی کمانے کی تلقین کی گئی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة'' (۷۷) قرآن پاک نے انسان کے ذہن میں یہ تصور بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کو بس وہی ملے گا جو وہ محنت کرے گا۔ فرمایا: ﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ (۷۸) انسان کو اس کی محنت کے مطابق ثمرہ ملے گا۔ خدائی قانون کے مطابق رزق اور آرام و آسائش عمل و محنت ہی کا نتیجہ ہیں۔ اسلام میں مفت خوری اور سوال کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور محنت و مشقت کر کے رزق تلاش کرنے کی تاکید کی گئی ہے اسی طرح دولت اور حصول دولت کو چند قانونی او راخلاقی ضوابط کا پابند کرتے ہوئے اسلام میں معیشت کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ (۷۹) انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاش کو انسانی زندگی میں ناگزیر حیثیت حاصل ہے۔ حصول دولت کے بعد اس کے جائز مصرف کی نشاندہی کرتے ہوئے ذخیرہ اندوزی اور اکتناز پر قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کرتے ہوئے ناداروں اور کمزوروں کی مالی اعانت کی تلقین کی گئی ہے۔

حق معیشت:

اسلام میں درجات معیشت میں لوگوں کے درمیان فطری تفاوت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی درجات معیشت میں تمام انسان مساوی نہیں ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (۸۰) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان کی معیشت تقسیم کی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر بلند درجات دیئے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ (۸۱) ''اور درحقیقت تیرا رب جسے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ان درجات تفاوت کو ایسے اعتدال پر قائم رکھا ہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن ایسا نہ کہ معیشت لوگوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کرے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے (۸۲)۔ درجات معیشت میں تفاوت کے ساتھ ساتھ اسلام نے ہر ایک کے حق معیشت کو تسلیم کیا ہے یعنی درجات معیشت میں فطری حد تک تفاوت کے باوجود حق معیشت میں تمام کائنات انسانی مساوی اور برابر کی شریک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ. سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ﴾ (۸۳)۔

شخصی ملکیت:

معاش کی اہمیت، حصول معاش کے لیے جدوجہد اور ذرائع معاش میں انسانوں کے درمیان، مساوات کی تعلیم دینے کے بعد اسلام انسانوں کو ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے قرآن پاک میں جگہ جگہ ''اموالکم'' آپ کے مال ''یا اموالھم'' ان کے

Marfat.com

مال کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حلال اور پاکیزہ ذرائع سے دولت کمانے کے بعد اسلام میں انسان کو شخصی ملکیت کا حق حاصل ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (۸۴) ان کے مال سے صدقہ وصول کیجئے۔ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے میں اشیاء منقولہ وغیر منقولہ یا ذرائع پیداوار میں سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان بحیثیت ''نفس ملکیت'' کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔(۸۵)

حصول دولت:

اسلام حصول دولت میں انسانوں کو چند اخلاقی اور قانونی حدود کے اندر بند کر دیتا ہے۔ انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہر ممکنہ ذرائع سے دولت حاصل کرے بلکہ اسلام نے حلال اور حرام کی تمیز پیدا کر دی ہے اور انسان کو حلال اور طیب رزق کے حصول اور حرام سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ اسلام جن ذرائع کو حرام قرار دیتا ہے۔ ان میں اکثر ذرائع ایسے ہیں جن میں دولت کے حصول کا دارومدار دوسرے کے نقصان یا تکلیف یا دھوکے پر ہو۔

سود:

قرض پر دیئے ہوئے مال پر جو زائد رقم ایک خاص مدت کے بعد ایک شرط اور تعین کے ساتھ لی جائے اسے سود کہتے ہیں قرآن پاک میں سود کی حرمت بہت سخت الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (۸۶) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود وصول طلب رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ قبول کرو''۔

جوا اور شراب:

اسلام نے کاروبار کی ایسی تمام شقوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع پیدا کرنے والی اور جس میں نفع ونقصان بالکل بخت اور اتفاق پر مبنی ہو۔ جوئے اور شراب کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے۔ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (۸۷) ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر تو گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو''۔

اس طرح معیشت کے دوسرے باطل طریقوں سے حصول دولت کی نفی کی گئی ہے ان باطل ذرائع میں چوری، لوٹ کھسوٹ، امانت میں خیانت، وزن میں کمی، یتیم میں بے جا تصرف، غصب اور فحش پھیلانے والے ذرائع کاروبار شامل ہیں۔

دولت کا خرچ کرنا:

اسلام جس طرح انسان کو حلال طریقے سے دولت کمانے کی تلقین کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے اس طرح اسے خرچ کرنے کے بارے میں بھی انسان کو ایک خاص اخلاقی ضابطے کا پابند بناتا ہے تاکہ اس سے انسان میں روحی رفعت کے ساتھ ساتھ عام انسانوں میں باہمی تعاون، ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہوں۔ سادہ زندگی گزارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ذاتی اخراجات میں بخل اور فضول خرچی کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ

Marfat.com

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾(۸۸) اپنا ہاتھ نہ تو اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر رہ جاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة''(۸۹) آمد وصرف میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ''قال رسول اللہ ﷺ ان تدع ورثتك اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس فی ایدیهم''(۹۰) رسول اللہ ﷺ نے ایک مالدار کے اس سوال کے جواب میں کہ میں اپنا سارا مال راہ خدا میں دے ڈالنا چاہتا ہوں، فرمایا اپنے ورثا کو صاحب مال چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں۔

مال جمع کرنے کی ممانعت:

اسلام انسان کو حق ملکیت تو دیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ دولت ذخیرہ کرنے سے سختی سے روکتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنے کی شدت سے تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾(۹۱) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خود اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

بخل کی مذمت میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ ''عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ: السخی قریب من اللہ قریب من الجنة قریب من الناس بعید من النار، والبخیل بعید من اللہ بعید من الجنة بعید من الناس قریب من النار، ولجاهل سخی احب الی اللہ من عابد بخیل''(۹۲) سخی آدمی اللہ کے قریب، جنت کے قریب لوگوں کے قریب اور آگ سے دور ہوتا ہے جب کہ بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ سخی جاہل، عابد بخیل کی نسبت اللہ کو زیادہ پسند ہے۔

دولت کی گردش:

دولت کے اکتناز اور ارتکاز کے مقابلے میں اسلام دولت کی تقسیم کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ بلکہ معاشرے کے مختلف افراد میں گردش میں رہے۔ ﴿كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ﴾(۹۳) تاکہ دولت آپ میں بعض مالدار لوگوں تک محدود نہ رہے، تاکہ معاشرے کے کسی فرد کو دولت کے بل بوتے پر استحصال کا موقع نہ ملے۔ اس سلسلے میں اسلام نے نظریئے کے ساتھ عملی اقدامات بھی کیے ہیں مثلاً:

۱- زکوٰۃ: اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور نماز کے ساتھ اس کی ادائیگی کی سخت تاکید کی گئی ہے زکوٰۃ ہر اس مسلمان پر فرض کیا گیا ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت جمع ہو اور سال بھر اس کے پاس محفوظ رہے گویا یہ گردش دولت کی ایک عملی تدبیر ہے اور اس کی تقسیم بھی خاص طبقے میں نہیں کی جا رہی بلکہ آٹھ مختلف مصارف کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

۲- وراثت: دولت کی گردش کے سلسلے میں اسلام کا دوسرا اہم قانون، قانون وراثت ہے۔ اسلام نے جو قانون وراثت دیا ہے۔ وہ دوسرے قوانین وراثت سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں اس دولت کو جو ایک شخص کی زندگی میں جمع ہوئی ہو، اس کے مختلف رشتہ داروں میں ایک خاص تناسب سے پھیلا دیا جاتا ہے۔ یعنی مرتکز رہنے نہیں دیا جاتا

Marfat.com

اس معاملے میں قرآن نے جو اصول اختیار کیا ہے کہ جو مال ایک شخص کی زندگی میں مرتکز ہو گیا ہو، وہ اس کے مرنے کے بعد مرتکز نہ رہنے دیا جائے یہ اصول توریث خلف اکبر (Primo geniture) اور مشترک خاندانی جائیداد (Joint family system) اور ایسے دوسرے طریقوں کے برعکس ہے۔ جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرتکز شدہ دولت مرنے والے کے بعد بھی مرتکز ہی رہے۔(۹۴)

دولت کی تقسیم:

اسلام دولت کی مساوی اور غیر فطری تقسیم کے بجائے منصفانہ تقسیم چاہتا ہے اور ہر انسان کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ آزادانہ طور پر سعی اور جدوجہد کر کے اپنا معاش حاصل کرے اور جائز طریقے سے اپنے لیے دولت کمائے اس جائز کمائی پر کوئی ایسی پابندی نہیں ہے جو اسے کسی حد پر جا کر مزید کمائی سے روک دیتی ہے۔

سرمایہ اور محنت میں توازن:

اسلام نے سرمایہ اور محنت میں ایک ایسا معتدل توازن قائم رکھا ہے۔ اسلام میں جہاں سرمایہ دار کو مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے وہاں مزدور کے لیے بھی یہ حکم موجود ہے کہ وہ اپنا کام مالک کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ خوش اسلوبی سے انجام دے۔ ''اعط الاجیر اجره قبل ان یجف عرقه"(۹۵) حضورﷺ نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کے پسینے خشک ہونے سے قبل ادا کریں مزدور کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''خیر الکسب کسب العامل اذا نصح" (۹۶) بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے۔ بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔ اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں کفالت عامہ اور اصلاح عامہ کا ٹھوس بنیادوں پر اہتمام کیا ہے۔ معاشرے کے وہ افراد جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں یا سعی و جدوجہد کرنے کے باوجود معاشرے میں اپنا پورا حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں اسلامی اقتصادی نظام میں ان کی کفالت کا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ اس انتظام میں ان کی کفالت کی مستقل ذمہ داری زکوۃ کے نفاذ کی شکل میں کی گئی ہے۔ اسلامی ریاست کی دوسری اہم آمدنی مال غنیمت میں ناداروں کو برابر حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (۹۷) اور جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ملتا ہے اس میں اللہ کے لیے، رسول کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتیموں کے لیے، مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے پانچواں حصہ ہے۔ فئی کے مال میں بھی ان کے لیے حصہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾(۹۸) اور جو مال لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے، الغرض تمام اہم آمدنیاں جو ایک اسلامی ریاست کو حاصل ہوتی ہیں ان کے مصارف میں بنیادی عنصر عام غربا کی کفالت ہے۔

توسیع معیشت کے لیے اقدامات:

معیشت کے وسائل میں زراعت، تجارت اور صنعت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ تمام معیشت کی ترقی اور فراوانی

Marfat.com

کا مدار ان تین چیزوں پر ہے۔ ان کی اصلاح کے بغیر کسی بھی معیشت کی ترقی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی اہمیت کا پورا پورا احساس کیا ان پر توجہ دی اور اس سلسلے میں خاص خاص اصلاحات فرمائیں۔ ان کے فروغ کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

زراعت:

نبی کریم ﷺ نے کاشتکاری کی ترغیب ان الفاظ میں دی ہے: ''اطلبوا الرزق فی خبایا الارض''(۹۹) زمین کی پنہائیوں میں رزق تلاش کرو۔

اصلاحات:

بنجر زمینوں کی آبادکاری فرمائی اور بنجر زمین آباد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے طور پر وہ زمینیں ان کو عطا کردیں۔ زمین پر تصرف کی تحدید فرمائی اور یہ احکام صادر فرمائے کہ جو کوئی زمین قبضہ کرنے کے بعد تین سال تک آباد نہیں کرتا۔ وہ اس کی ملکیت سے خارج کر دی جائے گی۔ ''لیس لمحتجر حق بعد ثلاث''(۱۰۰) یعنی ایک کاشتکار کو اتنی زمین دی جتنی وہ بآسانی کاشت کرسکتا تھا۔ اقتصادی بہبود میں تجارت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے تجارت کے بغیر کسی بھی ملک کی معیشت آزاد نہیں ہوسکتی۔

تجارت نبی کریم ﷺ نے تجارت کو بھی فروغ دیا تجارت کرنے کی ترغیب دی تھی تجارتی معاملات میں مفید اصلاحات فرمائیں۔ دھوکہ دہی، بددیانتی اور دیگر تمام بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا اور خود اپنی ذات گرامی سے تجارت کر کے تجارت کے پیشے کو تقدس عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تجارت کرو کیونکہ دس حصوں میں سے نو حصے رزق تجارت میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تجارت میں بھی کسی بھی قسم کے دھوکے کو ناجائز قرار دیا۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک دفعہ بازار سے گزر رہے تھے کہ غلے کا انبار نظر آیا آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی دکاندار سے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کیا تا کہ ہر ایک کو نظر آئے جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں۔(۱۰۱)

قانونی عدل--- تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۱۰۲)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو جان رکھو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے''۔

Marfat.com

بعثت سے پہلے بھی نبی اکرم ﷺ فیصلہ کیا کرتے تھے

چنانچہ جب عرب قبیلوں میں حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا تھا(۱۰۳)۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بعثت سے پہلے بھی کچھ مقدمات پیش کیے گئے تھے(۱۰۴)۔ نظام عدل کا آغاز دور مکی میں ہو چکا تھا اور نظام عدل کے بارے میں پہلی آیت مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی: ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾(۱۰۵) جو نظام عدل کے لیے بیج کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عدالتی امور کی بجا آوری صرف اسلامی ریاست میں ہوسکتی ہے۔

اسلامی ریاست--- قانونی عدل کا قیام:

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی مملکت کا قیام عمل میں لائے اور مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا۔(۱۰۶) پھر آپ نے یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب سے معاہدہ کیا آپ نے ایک ایسا آئین مرتب کیا جو ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے جس میں سیاسی، فوجی اور مالی امور شامل ہیں۔ معاہدہ کرنے والے سب فریق ان امور کی پابند تھے۔(۱۰۷) اس میں اصلاح کے بہت سے پہلو شامل ہیں۔ جن میں نظام عدل کی اصلاح بھی ہے۔ اس معاہدے کی رو سے وہ تمام پرانے اصول اور ضابطہ منسوخ قرار پا گئے تھے۔ جن پر نظام عدل میں عمل کیا جاتا تھا اور ایسے نئے اصول اور ضابطے میسر آ گئے جو انسانیت کے لیے پہلے سے زیادہ اطمینان بخش تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾(۱۰۸)

''تیرے رب کی قسم وہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو ثالث نہ بنائیں۔ پھر آپ جو فیصلہ فرمائیں اس سے ان کے دلوں میں تنگی نہ پیدا ہو اور وہ پورا پورا تسلیم کر لیں''۔

مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ خود نظام عدل قائم فرماتے تھے کیونکہ آپ ﷺ اسلامی مملکت کے نظام عدل کے سربراہ تھے چنانچہ آپ ﷺ نے بے شمار مقدموں اور جھگڑوں کا قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ ان مقدموں کا تعلق فقہی جھگڑوں سے تھا یا سزاؤں سے، سب کا فیصلہ قرآنی احکام کے مطابق کیا گیا۔ جب کوئی نص قرآنی موجود نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ فقہی احکام خود وضع فرمایا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص پیش کیا گیا۔ جس نے صفوان بن امیہ کے کپڑے چوری کیے تھے۔ عدالتی جرح کے نتیجہ میں اس شخص کا جرم ثابت ہو گیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی۔(۱۰۹) اسی طرح فتح مکہ کے وقت نبی اکرم ﷺ نے ایک مالدار عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔(۱۱۰) نیز آپ ﷺ نے اس چور کے ہاتھ کاٹنے کا بھی حکم صادر فرمایا جس نے دوسروں کا مال چرا لیا تھا اور اس نے عدالت کے سامنے اقبال جرم کر لیا تھا۔(۱۱۱) جو شخص زنا کا مرتکب ہوتا تھا۔ اسے رجم کی سزا دی جاتی تھی چنانچہ اسلمی قبیلہ کے ایک شخص کو رجم کیا گیا۔(۱۱۲) ماعز بن مالک کو رجم کیا گیا۔(۱۱۳) اسی طرح ایک حاملہ عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد رجم کیا گیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔(۱۱۴) ایک غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے لگائے گئے جبکہ اس کے خلاف زنا کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔(۱۱۵) نبی اکرم ﷺ نے قتل کا

Marfat.com

قصاص سو اونٹ مقرر فرمایا ہے(۱۱۶)۔ عدالت میں ابو نعیم نامی شخص پیش کیا گیا کیونکہ اس نے شراب پی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے سزا کے طور پر اسے چالیس کوڑے مارنے کا حکم دیا(۱۱۷)۔ جب ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ عدالت میں یہ جرم ثابت کرنے سے قاصر رہے تو انہیں تہمت لگانے کی سزا کے طور پر اسی کوڑے مارے گئے(۱۱۸)۔

قانونی اصلاحات:

اسلام نے دوسرے امور کی طرح قانونی میدان میں بہت سی اصلاحات کیں۔ جن میں شخصی ذمہ داری، عملوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور قانون کی نظر میں انسانی مساوات قابل ذکر اصلاحات ہیں۔

انسانی مساوات:

انفرادی ذمہ داری کے اصول کے تحت ہر شخص اپنے کیے کا پوری طرح ذمہ دار ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسی کو سزا ملتی ہے کسی اور کو نہیں ملتی۔ یہ انفرادیت کسی اور تہذیب میں نہیں ملتی، چاہے وہ ترقی کے کمال تک پہنچ چکی ہو۔ حمورابی قانون جس کے بعض قوانین انسانی حقوق سے متصادم ہیں خاص طور سے قصاص کا قانون، اس میں انتہائی درجے کی شدت پائی جاتی تھی کیونکہ قاتل کی بیٹی کو جارحیت کے ذریعے قتل کر دیا جاتا تھا اور اس سے قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ لڑکی کے بدلے لڑکی کا قتل کرنے کا اصول تورات کے احکام کے منافی تھا(۱۱۹)۔ جیسا کہ اسلام میں بھی ہے کیونکہ ہر اس شخص کو سزا ملتی ہے جس نے جرم کا ارتکاب کیا اور اسی قدر سزا ملتی ہے جس قدر جرم ثابت ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾ (۱۲۰) کسی دوسرے کا بوجھ مت اٹھاؤ اس ذاتی اور انفرادی ذمہ داری کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''الا لا یجنی جان الا علی نفسه''(۱۲۱) کسی جرم کرنے والے کو ہی سزا ملے گی نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے ثابت ہے کہ قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، چاہے وہ کسی بھی نسل، حسب ونسب، قوم، وطن اور علاقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسلام سے پہلے سزاؤں کا نظام افراد اور قبیلوں میں ان کے مرتبہ کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ اس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی بلند مرتبہ انسان چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد عائد کر دیتے تھے۔(۱۲۲) اسلام سے پہلے زنا کے متعلق بھی یہی طریقہ رائج تھا اور بلند مرتبہ اور امیر شخص کے جرم سے چشم پوشی کی جاتی تھی جبکہ کم درجہ اور غریب لوگوں کو فوراً سزا دی جاتی تھی۔(۱۲۳) اسلام سے پہلے قبائل سے پوری دیت وصول کی جاتی تھی۔(۱۲۴) کیونکہ وہ لوگ اس قاعدے کے پابند ہیں کہ بادشاہ معصوم ہوتے ہیں'' اس کے برعکس اسلام نے ہر قسم کی تمیز ختم کر دی اور فکری اور عملی طور مساوات انسانی کا قانون رائج کیا اسلام بورژوائی امتیاز کو قبول نہیں کرتا کیونکہ حقوق کے ضمن میں قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ چنانچہ ہر شخص جانتا ہے کہ خلفائے راشدین عام افراد کی طرح عدالتوں میں پیش ہوئے۔(۱۲۵) سزاؤں کے قانون میں اس اصول کو پیش نظر رکھا گیا: ''انما الاعمال بالنیات'' (۱۲۶)

اعمال کا دارومدار نیتوں:

یہ اعمال قانونی ہوں یا ان کا تعلق جبر و قدر سے ہو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس خاتون کو رجم کی سزا نہیں دی جس

Marfat.com

سے زبردستی زنا کیا گیا تھا(۱۲۷)۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو دیت کی سزا نہیں دی تھی جس نے غلطی سے بلا ارادہ کسی شخص کا دانت توڑ دیا کرتا تھا(۱۲۸)۔ اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے کہ بچے، سونے والے اور پاگل پر کوئی دیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اپنے کاموں میں اپنے ارادے کو بروئے کار لانے سے معذور ہوتے ہیں(۱۲۹)۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے ثابت ہے کہ انسان کے علاوہ باقی تمام مخلوقات اپنے اعمال کے بارے میں جوابدہ نہیں ہیں۔ اس طرح وہ نظام منسوخ کر دیا گیا، جو اسلام سے پہلے رائج تھا اور جس کی رو سے جمادات اور حیوانات کو بھی سزا دی جاتی تھی۔

''گونگوں کو زخم لگانا جبر ہے کنوئیں اور کان کو سزا دینا زبردستی ہے''۔

سیاسی عدل، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

سیاسی عدل، مفہوم:

انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر سب سے زیادہ ظلم کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب معاشرے کا سیاسی انتظام غیر عادل ہاتھوں میں ہوتا ہے کیونکہ ظالم سیاسی نظام افراد معاشرہ سے نہ صرف ان کے حقوق چھینتا ہے بلکہ ان کے امن وسکون کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ قرآن نے قوت اور عدل کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾(۱۳۰) ''اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں''۔ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾(۱۳۱) ''اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس تم لوگوں میں حق اور صداقت سے حکومت کرو اور خواہش کے پیچھے نہ لگ جانا، ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے بھٹکا دے گا''۔ سیاسی عدل کے مفہوم میں انتظامی و تنظیمی ظلم و بگاڑ کو دور کر کے ایسی فضا قائم کرنا ہے کہ کوئی شہری محرومی کا شکار نہ ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق محفوظ نظر آئیں۔ جان و مال، عزت و آبرو اور حریت و اختیار ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ رہیں۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں جو عادلانہ نظام قائم کیا ہے وہ اپنی انفرادیت و افادیت کے باعث آج بھی اسی طرح پر کشش ہے جیسے چودہ سو برس پہلے تھا۔

سیاسی عدل کی ضرورت:

سیاسی عدل اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں معاشرے کا اجتماعی وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے اور معاشرے کی حیثیت ایک جنگل کی سی ہو جاتی ہے جس میں وہی بچ سکتا ہے جو ظالم اور خونخوار ہو۔ سیاسی عدل ہی معاشرے کو متوازن اور مامون زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ قرآن وسنت میں امراء و احکام کی صفات، ذمہ داریوں اور طرز عمل کے بارے میں جو تفصیلات آئی ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کو ختم کرنے اور عدل کو قائم کرنے میں کتنی فضیلت ہے۔ ان تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نازک ذمہ داری کا احساس کس طرح دلایا ہے: ''انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب کے لیے جو ادارے قائم کیے ہیں اس میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے۔ ریاست وہ ہیئت سیاسی ہے جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے

Marfat.com

ہیں۔ انسان نے اپنی تہذیبی زندگی کے آغاز سفر ہی میں اس ادارے کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا اور پوری انسانی تاریخ ریاست کے قیام و استحکام، اس کی تنظیم و تہذیب اور اس کے فروغ و ارتقاء کی تاریخ۔۔۔ اب دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک میں ریاست کا کام محض امن و امان اور نظم و ضبط قائم رکھنا ہی نہیں بلکہ اجتماعی عدل اور سماجی فلاح کا قیام بھی ہے۔ آج ریاست نے ایک مضبوط کردار اختیار کر لیا ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کر رہی ہے''(۱۳۲)۔ اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد انصاف قائم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ شریعت کا نفاذ بھی اس کا بنیادی اور اصل مقصد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ. اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾(۱۳۳) ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے'' حضور اکرم ﷺ نے جب ریاست مدینہ قائم فرمائی تو اس کا مقصد دنیا میں آسمانی نظام سیاست، اخلاق و معاشرت قائم کرنا تھا۔ ﴿كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۱۳۴) ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی (پیدا کی گئی) تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو''۔ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(۱۳۵) ''اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت رہے، وہ بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔ اسلامی ریاست کے مقاصد اور فرائض کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ. وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (۱۳۶) ''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں ملک میں دسترس (اختیار) دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے لیے ہے''۔

سیاسی شعبہ میں قیام عدل کے اصول:

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں درج ذیل ہیں:

الف- حاکمیت الٰہیہ (Sovereignty of God) ب- انصاف کی حکمرانی (Pule of Law) ج- شورائیت (Consultation) د- اطاعت و تعاون (Obedience and cooperation)(۱۳۷)۔

حاکمیت الٰہیہ:

اسلامی نظام قانون میں انسانوں سے متعلق احکام او امر و نواہی (Dos and Donots) کا اصل سرچشمہ منشاء باری تعالیٰ (Divine will) ہے۔ خلق و امر ہر دو کی سزاوار صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾(۱۳۸)۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾(۱۳۹)۔

انصاف کی حکمرانی:

اجتماعی زندگی میں جب حقوق و فرائض میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے، حقوق پامال ہوتے ہیں یا فرد اور اجتماع کے وجود کو خطرات لاحق ہوتے ہیں تو ضوابط و قوانین ہی تحفظ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے آغاز ہی

Marfat.com

سے قوانین و ضوابط کی تشکیل و تنفیذ کا عمل شروع کر دیا تھا۔ فساد و بگاڑ کو امن و استحکام میں بدلنے کے لیے قوانین کا عادلانہ استعمال مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون سازی اور تنفیذ قانون کا ایک طویل عمل ہے جو حیات انسانی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ انسان نے اپنے لیے اپنی عقل، تجربے، مشاہدے اور باہمی مشاورت سے قوانین بنائے اور خالق انسانی نے بھی اپنی حکمت بالغہ کے تحت اسے اصول وضوابط عطا فرمائے انسان کے پاس قوانین کے اصولی اور تشریحی تفاصیل کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود انسانی معاشرے ظلم و ناانصافی کا شکار اور عدل کی برکات سے محروم ہیں اس کا ایک سبب تو عادلانہ قوانین کے شعور کا فقدان ہے اور دوسری وجہ ان قوانین کے درست نفاذ میں کوتاہی ہے۔ قرآن نے حکمت الٰہی سے وہ اصول دیئے ہیں جن کے ادراک اور تعمیل سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے عملی نفاذ کا نمونہ بھی عطا کیا ہے تاکہ اس کی پیروی سے ہر دور میں قیام عدل کا عمل جاری رکھا جاسکے۔ انسانیت بالعموم اور مسلمان بالخصوص کم شعوری اور کوتاہی کے باعث ظلم کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآنی نکتہ سے قیام عدل انبیاء کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ (۱۴۰) ''اللہ تعالیٰ تم کو عدل کے طرز عمل کا حکم دیتا ہے''۔ ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۴۱) ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو'' اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ ظلم معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتا ہے اس لیے اس کی ہر قسم کو ختم کرنا ضروری ہے۔ آنحضور ﷺ نے انسانوں کو ظلم کرنے سے روکا اور فرمایا: ''ان الظلم ظلمات یوم القیامۃ'' (۱۴۲) ''ظلم قیامت کے ان اندھیروں کی مثل ہوگا''۔

شورائی نظام:

اسلام کا نظام سیاست امریت اور موروثی شہنشائیت دونوں کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اسلامی نظام سیاست شورائیت پر قائم ہے۔ یہ ایسا نظم ہے جس کی بنیاد انسانی مساوات اور احترام آدمیت پر ہے۔ اسلام کا نظام سیاست مغربی جمہوری نظام سے مختلف ہے جہاں اکثریت جو چاہے قانون بنالیں اس شورائی نظام میں شریعت کے خلاف قانون سازی نہیں ہوسکتی۔ ﴿وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (۱۴۳)۔

اطاعت وتعاون:

سیاسی نظام کا چوتھا اصول اطاعت و تعاون ہے۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں حصہ لینا اور بقدر استطاعت تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۱۴۴) ''نیکی اور تقویٰ کے معاملات میں تعاون کرو اور برائی اور گناہ کے امور میں ہرگز تعاون نہ کرو''۔ ہجرت نبوی ﷺ کے فوراً بعد مدینہ میں جس مثال معاشرہ اور ریاست کی بنیاد رکھی گئی اس میں خالص جمہوری اقدار کی ترویج کی طرف بھی خصوصی توجہ دیدی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے قرآنی ہدایات کی روشنی میں شوروی نظام کی بنیاد رکھی اس نظام میں جاہلی دور کی طرح عمر، دولت، خاندانی رتبے، رنگ و نسل یا سماجی حیثیت کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ ذاتی محاسن، تقویٰ اور پرہیزگاری اس کیلئے معیار تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے کی مجالس شوریٰ کی تفصیلات بیان کرنا یہاں ممکن نہیں البتہ اس دور کے شوریٰ کے انعقاد کی دو تین مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر شوریٰ منعقد ہوا اور حباب بن منذرؓ کا مشورہ قبول کرلیا گیا۔ (۱۴۵) اس جنگ کے قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ بھی باہمی

Marfat.com

مشوروں سے کیا گیا۔ جنگ خندق کے موقع پر حضرت سلمان الفارسیؓ (جو کہ آزاد کردہ غلام تھے اور جاہلی عہد کے دستور کے مطابق شہریت کے پورے حقوق کے بھی حقدار نہیں تھے) کے مشورہ پر عمل درآمد (۱۴۶) اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی ریاست مکمل سیاسی مساوات کی علمبردار ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاسی معاملات میں بھی کسی کے ساتھ رنگ، نسل زبان یا علاقے کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرتی۔ اس نظام میں اہل حل وعقد اور صاحب فہم و بصیرت مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ اس نظام میں ذمیوں کے حقوق کی پاسبانی کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شہریوں کے ان بنیادی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے: ۱- جان و مال اور عزت کی حفاظت۔ ۲- شخصی آزادی کا حق۔ ۳- رائے اور مسلک کی آزادی۔ ۴- قانونی اور معاشرتی مساوات، اس نظام میں تقویٰ ہی بزرگی اور عزت کا معیار ہے۔ ۵- بے لاگ اور بلامعاوضہ انصاف۔ ۶- ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔ ۷- اجتماعی، تنظیم بندی اور نقل وحرکت کا حق وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ کلام:

آپ ﷺ نے اسلامی سلطنت کی بنیاد واحترام آدمیت اور وحدت انسانیت پر رکھی۔ آپ ﷺ کا احترام آدمیت اور وحدت انسانیت جو رنگ ونسل، لسانیت اور وطنیت کے تمام تعصبات کو ختم کر کے بھائی چارے کی مشترکہ اساس فراہم کرتا ہے۔ ساری خدائی ایک کنبہ ہے اور کنگھی کے دندانوں کی طرح ایک دوسرے سے پیوست ہے۔ انسان کی نباداء آدم علیہ السلام سے ہوئی تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور انہیں مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خاندانوں اور قبیلوں کی حد بندیاں اس لیے قائم کی گئی کہ تعارف میں آسانی رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں، اسی طرح سرخ وسفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو سرخ وسفید پر کوئی فوقیت نہیں'' (۱۴۷) ''آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم سے سود کے نظام کو حرام اور زکوٰۃ کے نظام کا نفاذ کیا'' (۱۴۸) ''زکوٰۃ اغنیاء سے وصول کی جائے اور فقراء پر خرچ کی جائے''۔ (۱۴۹) ''جو کسی مردہ بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ہے'' (۱۵۰)۔ تجارت کے ذریعے معیشت کو ترقی دو آپ ﷺ نے تجارت میں خصوصی دلچسپی فرمائی حدیث کی کتب میں ''کتاب البیوع'' اسی پر شاہد ہے۔ اسلامی اصول کے مطابق تجارت کرنے کو عبادت قرار دیا اور خود بھی تجارت فرما کر اسی پیشے کو شرف بخشا'' (۱۵۱)۔ پھر معاشی مسئلہ کو تنہا قانون ہی کے زور سے نہیں حل کیا گیا بلکہ اخلاق ذرائع سے بھی اسے سلجھانے کی تدبیر کی گئی مدینے کی مرکزی سوسائٹی میں سماجی معاشی مسئلہ کو تنہا قانون ہی کے زور سے نہیں حل کیا گیا بلکہ اخلاقی ذرائع سے بھی اسے سلجھانے کی تدبیر کی گئی۔ مدینے کی مرکزی سوسائٹی میں سماجی مساوات کے ساتھ اقتصادی اخوت (Economic Brother hood) کا انتہائی کامیاب تجربہ محسن انسانیت نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ سارا عرب دیکھ رہا تھا کہ گھروں سے اکھڑے ہوئے لوگ، تہی دست غلام، فاقہ مست بدو اور اللہ مست قسم کے نوجوان جب اسلام کے سایہ رحمت میں چلے جاتے ہیں تو ایک طرف تو وہ بڑے بڑے خاندانی افراد کے ساتھ اس طرح سے شانہ ملا کے کھڑے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ان کی ساری پریشانیوں کا مداوا ہونے لگتا ہے۔ اور اس اخوت کی برکات سے سارا عرب یکساں فیض یاب ہوتا ہے۔ اس سماجی مساوات اور اخوت کے نظام کو عرب کے عوام دور سے اس طرح محسوس کرتے ہوں گے جیسے وہ آسمانی دنیا کی کوئی جنت ہو جس میں عقیدہ توحید کی کنجی سے داخلہ ملتا ہے۔ آخر وہ سماجی اور معاشی

Marfat.com

کبریائی تلے بسنے والے لوگ کیسے ارمان نہ کرتے ہوں گے کہ وہ بھی اس جنت میں جگہ پائیں۔ محسن انسانیت نے عرب کے عام انسان کی مشکلات کو ملحوظ رکھ کر ذاتی طور پر حد درجہ کے جود وسخا کا مظاہرہ کیا۔ بحیثیت صدر ریاست بھی بڑی فراخ دلانہ اور کریمانہ پالیسی اختیار کی۔ ذاتی ملک میں کبھی کوئی مال جمع نہ ہونے دیا بلکہ جلد سے جلد اسے مقامی حاجت مندوں اور بیرونی سائلوں میں تقسیم فرمادیتے۔ حکمران کی حیثیت میں بیت المال میں کبھی کوئی رقم پڑی نہ رہنے دی بلکہ جب کوئی حاجتمند سامنے آیا تو جو کچھ ممکن ہوا اسے دلوادیا۔ آپ ﷺ نے بیع کو انسانی زندگی کے لیے انتہائی ضروری اور سود کو انسانی معاشرے کے لیے ناسور قرار دیا۔ آپ ﷺ کا نظام ریاست مکمل طور پر وحی کے تابع تھا۔ اس کے باوجود نظام حکومت کو چلانے کے لیے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کا حکم ہوا(۱۵۲)۔ مسلمانوں کا طرز حکومت شورائی ہے تاہم اراکین شوریٰ کے لیے اجتہاد کے باب میں عائد کی جانے والی کڑی شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے تاکہ قانون سازی اسلام کے مروجہ اصولوں اور متفقہ قوانین سے متصادم نہ ہو۔ اسلامی ریاست کا دفاع سربراہ ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مناسب فوج اور ضروری ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾(۱۵۳) کے حکم کے تحت آپ ﷺ نے حربی مشقوں اور جدید آلات حرب مثلاً دباب، منجنیق اور حق وغیرہ کا استعمال کیا۔ اور فرمایا: کفر کی بنیاد پر حکومت قائم رہنا ممکن ہے مگر عدل و انصاف سے عاری ریاست زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست میں مسلم، غیر مسلم، امیر، غریب، ادنیٰ، اعلیٰ مرد و عورت، عربی و عجمی سب کے لیے یکساں عدالتی نظام قائم کیا۔ انصاف کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر میری بیٹی بھی چوری کرے گی تو وہ بھی نہیں بخشی جائے گی (۱۵۴)۔ آپ ﷺ کی خارجہ حکمت عملی میں میثاق مدینہ ۶۲۳ء، معاہدہ نجران ۶۲۴ء اور صلح حدیبیہ ۶۲۸ء بڑے اہم ہیں۔ میثاق مدینہ ۱ھ ہجرت کے پہلے سال ہی مدینہ کی جملہ اقوام بالخصوص یہود سے ایک تحریری معاہدہ بین الاقوامی اصولوں پر طے کیا تاکہ نسل و مذہب کا اختلاف نہ ہو اور قومی وحدت تشکیل پائے۔ بعد ازاں صحیفہ مدینہ یا میثاق مدینہ، بنوخمرہ بن بکر بن عبدالمناف و بنو مدلج اور دیگر قبائل کو بھی اس میں شریک کرلیا گیا۔ یہ تحریری معاہدہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حکمت و تدبر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس سے مملکت مدینہ کو دفاعی لحاظ سے بالواسطہ طور پر بہت تقویت حاصل ہوئی (۱۵۵)۔ ۶۲۴ء میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس وفد کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور وہاں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی بھی اجازت دی۔ طویل گفت وشنید کے بعد طے پایا کہ اہل نجران کے تمام باشندوں کو جانی، مذہبی اور معاشی آزادی ہوگی، نہ ان کے کسی اسقف کو ان کے عہدوں سے ہٹایا جائے گا اور نہ کسی راہب کو خانوں سے اٹھایا جائے گا(۱۵۶)۔ صلح حدیبیہ آپ ﷺ کی حکمت و تدبر، سیاسی بصیرت دانائی دور اور معاملہ فہمی کا ایک اور شاہکار ہے۔ یہ معاہدہ آپ ﷺ اور قریش کے درمیان ہوا۔ اس معاہدے کی بدولت قریش نے مسلمانوں کو اپنا مدمقابل تسلیم کرایا اور چند ہی سالوں میں برملا اعتراف شکست کرلیا۔ یہ معاہدہ فتح مکہ کا دیباچہ ثابت ہوا اور فتح مبین قرار پایا(۱۵۷)۔

اس مقالہ کے نتائج کی روشنی میں عدل اجتماعی کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ پوری دنیا کو رسول اللہ ﷺ کے عالمی پیغام سے ادع بالحکمۃ کے اسلوب سے آگاہ کریں۔

Marfat.com

۲- بنیادی ضروریات زندگی میں اسلام کے اصول مساوات کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے ملک پاکستان بلکہ تمام اسلامی دنیا میں تعلیم کا معیار اور نصاب یکساں ہونا چاہیے۔ نیز سستا اور فوری انصاف ہر شخص کو ملنا چاہیے۔

۳- موجودہ امت مسلمہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے اندر اختلافات اور تعصبات کو ختم کریں اور منصفانہ نظام لاکر پوری دنیا کے سامنے مثال بنے۔

۴- امت مسلمہ اجتماعی طور پر پوری دنیا کو ایک ایسی تنظیم بنانے کی دعوت دے جو مذہبی رواداری، برداشت، عدل وانصاف پر مبنی عالمی نظام کو منظم کرے اور انسانیت کی رنگ ونسل زبان و وطن اور مذہب وعقیدہ کے تعصبات سے بالاتر ہو کر خدمت کرے۔

وما علینا الا البلاغ۔

حوالہ جات

۱- ابن منظور (۶۳۰-۷۱۱ھ) لسان العرب، دارالاحیاء الترث العربی بیروت، ۱۹۸۸ء ص ۹/۸۳-۸۸۔ ۲- دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۹ء، ص: ۱۳/۴۔ ۳- Websters New 20th century Dictionary (unbridge 1st Edition 1968, U.S.A)۔ ۴- فیروز اللغات، الحاج، مولوی فیروز، فیروز سنز لمٹیڈ، کراچی ۱۹۶۴ء ص: ۹۹، ۵- ایضاً۔ ۶- ایضاً۔ ۷- The International Encyclopedia of the Social Sciences Ma Millanco, 1972. vol.13&14 p-577، ۸- اردو انسائیکلوپیڈیا، لاہور ۱۹۸۴ء، طبع سوم، فیروز سنز۔ ۹- خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، کراچی ۱۹۶۲ء، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی، ص: ۴۰۸۔ ۱۰- سید قطب، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام، ذرالشرق، بیروت ۱۹۷۴ء، ص: ۲۸۔ ۱۱- Websters New 20th century Dictionary (unbridge 1st Edition 1968. U.S.A) Vol-III, P-2162، ۱۲- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، معاشیات اسلام، معارف اسلامی کراچی (اسلامک پبلکیشنز (پرائیوٹ لمٹیڈ، لاہور ۱۹۹۴)، ص: ۳۸۳، ۱۳- الروم: ۴۷، ۱۴- محاضرات تاریخ الامم اسلامیہ للخضری۔ ۱۵- التوبۃ: ۳۰، ۱۶- النجم: ۲۱۔ ۱۷- صفی الرحمٰن، مبارک پوری، مولانا، الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ، لاہور ۱۹۹۶ء، ص: ۷۱۔ ۱۸- حمید اللہ محمد، رسول ﷺ کی سیاسی زندگی (دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۴ء) ص: ۲۴۔ ۱۹- الشرفی، طاہر محمود محمد، رواداری سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں، عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۷-۱۸۔ ۲۰- الانعام: ۱۱۵، ۲۱- القمر: ۴۹۔ ۲۲- آل عمران: ۱۸۔ ۲۳- الحدید: ۲۵۔ ۲۴- النساء: ۱۰۵، ۲۵- نعمانی، شبلی علامہ، سیرت النبی ﷺ، مکتبہ صدیقیہ، لاہور ۱۹۶۸ء، ص: ۴/۲۲۳۔ ۲۶- الازہری، کرم شاہ محمد، پیر، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۰۰ھ، ص: ۱/۸۔ ۲۷- The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic word, Oxford University Press, New York, Vol4, P-190, Oxford 1995. ۲۸- غزالی، ابو حامد، محمد بن محمد (۵۰۵ھ) المستصفی من علم الاصول، مصر ۱۳۰۶ھ، ص: ۱/۹۔ ۲۹- القادری، طاہر محمد، ڈاکٹر، مدمیۃ سیرۃ الرسول، مطبع منہاج القرآن، پرنٹرز لاہور، ص: ۱۳۳-۱۳۴۔ ۳۰- ابن القیم، احکام اہل ذمہ، دمشق ۱۳۸۱ھ۔ ۳۱- الحجرات: ۹۔ ۳۲- ص: ۶۲۔ ۳۳- یونس: ۱۹۔ ۳۴- ترمذی، ج ۵، حدیث نمبر ۳۲۸۱۔ ۳۵- قطب شہید، سید محمد، فی ظلال

Marfat.com

القرآن (اردو ترجمہ از سید حامد علی)، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۲/۲۵۷-۲۷۸۔ ۳۶- بنی اسرائیل: ۷۰۔
۳۷-الاعراف: ۱۴۰۔ ۳۸- التین: ۴۔ ۳۹- کتاب الادب مشکوٰۃ المصابیح، ۴۰- بیہقی کتاب الایمان۔ ۴۱- ایضاً۔ ۴۲- قطب، سید، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ، لاہور ۱۹۷۹ء، ص:۱۱۱۔ ۴۳- محمد: ۱۹۔ ۴۴- رواہ البزار وصححہ الالبانی فی الجامع الصغیر، رقم الحدیث ۶۴۳۳ ومجمع الزوائل الایمان، باب فیمن شبہان لا الہ الا اللہ، حدیث: ۱۶۔ ۴۵- آل عمران: ۱۴۴۔ ۴۶- الشوریٰ: ۱۹۔ ۴۷- البقرۃ: ۱۸۶۔ ۴۸- البلد: ۱۳۔ ۴۹- النساء: ۲۵۔ ۵۰- البخاری، کتاب التفسیر (تفسیر سورہ الروم) ۵۱- بنی اسرائیل: ۷۰۔ ۵۲- الحجرات: ۱۳۔ ۵۳- الحجرات: ۱۱۔ ۵۴- مسند احمد، ص: ۶/۵۷۰، رقم ۲۲۹۷۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۹۳۔ ۵۵- الاعراف: ۱۰۔ ۵۶- دائرہ معاف اسلامیہ، ص:۹/۱۲۶-۱۲۷۔ ۵۷- آل عمران: ۱۵۹۔ ۵۸-البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۴۵ھ، ص:۱/۲۳۔ ۵۹- الہاشمی، احمد سید، مختار الحدیث النبویۃ والحکم الحمدیہ والحکم الحمدیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱، ص:۱۹۰۔ ۶۰- کاندھلوی، یوسف محمد، حیاۃ الصحابہ، کتب خانہ فیضی لاہور، ص:۳/۵۸۸۔ ۶۱- بنی اسرائیل: ۲۴-۲۳۔ ۶۲- الہاشمی، احمد سید مختار الحدیث النبوۃ والحکم الحمدیہ، ص:۳۱۰۔ ۶۳- البخاری ابوعبداللہ اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالاسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹م، کتاب الأدب، باب: اثم من لایؤمن جارہ بوائقہ، ص:۵۰۹۔ ۶۴- سعداللہ، محمد، غریبوں کے والی دیال سنگھ ٹرسٹ، مرکز تحقیق لاہور، ۱۹۹۴ء، ص:۳۸۰۔
۶۵- The Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic world world, Oxford University press New York/ Oxford, 1995. Vol 4, P-367 ۶۶- الہاشمی، احمد السید، مختار الاحادیث النبویۃ والحکم الحمدیہ، ص:۲۷۰۔ ۶۷- مسند احمد، ص:۶/۵۷۰، رقم الحدیث ۲۲۹۷۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۳م۔ ۶۸- البخاری، ابو عبداللہ اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، ص:۸/۲۸۶۔ ۶۹- الحجرات: ۱۳۔ ۷۰-الہاشمی، مختار الاحادیث النبویۃ والحکم الحمدیہ، ص:۳۴۲۔ ۷۱- صحیح بخاری: ۳/۱۲۸۔ ۷۲- Wath w. Montgomery, Muhammad: {Prophet and Stateman, Oxfored University Press, Oxford 1961, P95-96 ۷۳- Aanwar Ahmad cladsi Islamic jurisprudence in the modern world p.284-285 ۷۴- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن مطبعۃ السادۃ، مصر ۱۹۵۰، ص:۵/۳۶۰۔ ۷۵- سلیمان ندوی، سیدو شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ الفیصل ناشران لاہور، ۱۹۹۱ء، ص:۲۸۰۔ ۷۶- الجمعہ: ۱۰۔ ۷۷- کنز العمال بحوالہ کیمیائے سعادت (غزالی، محمد بن محمد امام ابو حامد (اردو ترجمہ) یمنی مطبع حیدری ۱۲۸۴ھ، ص:۳۳۰۔ ۷۸-النجم: ۳۹۔ ۷۹- الملک: ۱۵۔ ۸۰- الزخرف: ۳۲۔ ۸۱- بنی اسرائیل: ۳۰۔ ۸۲- حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹ء، ص:۴۹۔ ۸۳-حٰم سجدہ: ۱۰۔ ۸۴- التوبۃ: ۱۰۳۔ ۸۵- حفظ الرحمٰن، مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۳-۴۔ ۸۶- البقرۃ: ۲۷۹۔ ۸۷- المائدہ: ۹۰۔ ۸۸- بنی اسرائیل: ۲۹۔ ۸۹- مودودی، ابوالاعلیٰ سید، معاشیات اسلام، لاہور ۱۹۶۹ء، ص:۴۰۔ ۹۰- البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۹۹۹م، کتاب الوصایا، ص:۲۱۹۔ ۹۱- البقرۃ: ۱۹۵۔ ۹۲- مودودی، ابوالاعلیٰ سید، معاشیات اسلام، ص:۱۰۶۔ ۹۳- الحشر: ۷۔ ۹۴- مودودی معاشیات اسلام، ص:۱۰۸۔ ۹۵- البیہقی، احمد بن الحسین بن علی، ابو بکر، السنن الکبریٰ نشر السنۃ، ملتان۔

Marfat.com

۹۶-ابوالاعلیٰ، مودودی، سود، ص: ۲۹۔ ۹۷- الانفال: ۴۱۔ ۹۸- الحشر: ۷۔ ۹۹- حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۱۶۴۔
۱۰۰- ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، قاضی، کتاب الخراج، ص: ۶۵۔ ۱۰۱- نعمانی شبلی، سیرۃ النبی ﷺ، ص: ۱/ ۶۵۔ ۱۰۲- النساء: ۱۳۵۔ ۱۰۳- الطبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریخ الطبری تاریخ الامم والملوک دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۷ء، ص: ۴۱۔
۱۰۴-ابن سعد، محمد بن سعد، ابو عبداللہ، الطبقات الکبریٰ، ص: ۱۰۲۔ ۱۰۵- ص: ۲۰۔ ۱۰۶- الطبقات الکبری، ص: ۱/ ۲۲۶۔
۱۰۷-ابن اثیر، الکامل (سیرت رسول اللہ ﷺ) دائرہ معین المعارف کراچی ۱۹۶۶ء۔ ۱۰۸- النساء: ۶۵۔ ۱۰۹- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث الجستانی، السنن، دارالسلام للنشر والتوزیع، کتاب الحدود، ص: ۱۵۴۰۔ ۱۱۰- البخاری، صحیح بخاری، کتاب الحدود، ص: ۵۶۔ ۱۱۱- ابن ماجہ السنن، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، الریاض، کتاب الحدود، ص: ۲۶۳۹۔ ۱۱۲- الحاکم، النیشاپوری، محمد بن عبداللہ، ابو عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، المکتبہ المعارف، الریاض، ص: ۴/ ۳۷۰۔ ۱۱۳- البخاری، صحیح بخاری کتاب الاحکام، ص: ۵۹۵۔ ۱۱۴- ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۹۹۹ء، ابواب الحدود، ص: ۱۷۹۵۔ ۱۱۵- المستدرک ص: ۱/ ۲۷۰۔ ۱۱۶- السیرۃ النبویۃ، ص: ۴/ ۲۷۵/ ۲۷۶۔ ۱۱۷-مسلم، صحیح مسلم، ص: ۲۰۷۔
۱۱۸- البخاری، صحیح بخاری، کتاب الشہادۃ، ص: ۲۰۳۔ ۱۱۹- Hamidullah Islam Peygaberi,II ۱۲۰- الانعام: ۱۶۴۔
۱۲۱- النسائی، سنن النسائی، دارالسلام للنشر والتوزیع کتاب القسامۃ والعقود، ص: ۲۳۹۱۔ ۱۲۲-سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، ص: ۲۶۳۹ (ح ۲۵۴۷) ۱۲۳- الطبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، القاہرہ، ص: ۶/ ۱۴۰-۱۴۱۔
۱۲۴-السیرۃ النبویۃ ص: ۶/ ۲۱۵۔ ۱۲۵- الطبقات الکبریٰ، ص: ۱/ ۹۷۔ ۱۲۶- البخاری، صحیح بخاری، ص: ۱/ ۱۔ ۱۲۷-سنن ابی داؤد، کتاب لحدود، ص: ۱۵۴۰۔ ۱۲۸-سنن النسائی، کتاب القسامہ، ص: ۲۳۹۱۔ ۱۲۹-سنن ابی داؤد، کتاب لحدود، ص: ۱۵۴۰۔
۱۳۰-ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۲۲۔ ۱۳۱- الحدید: ۲۵۔ ۱۳۲- ص: ۲۶۔ ۱۳۲- مودودی، ابو الاعلیٰ سید، اسلامی ریاست، ۱۹۶۲ء۔ ۱۳۳- البقرہ: ۲۰۸۔ ۱۳۴- آل عمران: ۱۱۰۔ ۱۳۵- آل عمران: ۱۰۴۔ ۱۳۶- الحج: ۴۱۔ ۱۳۷- ڈار، عبدالحمید، پروفیسر، اسلامی معاشیات، علمی کتاب خان، لاہور، ص: ۵۱۵۔ ۱۳۸- الاعراف: ۴۰۔ ۱۳۹- یوسف: ۴۰۔ ۱۴۰- النحل: ۹۰۔
۱۴۱-النساء: ۵۸۔ ۱۴۲- القشیری، مسلم بن الحجاج، ابوالحسین، الجامع الصحیح، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، کتاب البر والصلہ، ص: ۱۱۲۴۔ ۱۴۳- الشوریٰ: ۳۸۔ ۱۴۴- المائدہ: ۲۔ ۱۴۵- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، قاہرہ ۱۹۳۸ء، ص: ۲/ ۲۷۲۔
۱۴۶- ایضاً، ص: ۲۳۵۔ ۱۴۷- مسند احمد بحوالہ، سیرۃ النبی ﷺ، شبلی نعمانی، ص: ۲/ ۹۳، مکتبہ مدینہ لاہور۔ ۱۴۸- کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ص: ۶۵۔ ۱۴۹- صحیح بخاری، ص: ۱/ ۳۱۴۔ ۱۵۰- اطلبوا الرزق فی خبایا الارض۔ ۱۵۱- طبقات ابن سعد، ص: ۱۲۱۔
۱۵۲- آل عمران: ۱۵۹۔ ۱۵۳- النساء: ۷۱۔ ۱۵۴- بخاری، ص: ۱/ ۴۹۴۔ ۱۵۵- تاریخ اسلام، محمد عبداللہ ملک، ص: ۴/ ۷۶۔
۱۵۶- ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا جائے اس سے ریاست کی داخلی کیفیت درست ہوئی ہے اور دشمن کے خلاف دفاعی حیثیت مضبوط ہوتی ہے۔ ۱۵۷- الوثائق السیاسیۃ، ڈاکٹر حمید اللہ، ص: ۱۲۴، مصر ۱۳۶۰ء۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

سعدیہ خالد محمود- لاہور

الحمد لِلّٰه وكفٰى وسلام على عباده الّذين اصطفى أمّا بعد، أشهد أن لاإله إلّاالله وأشهد أنّ محمداً عبده ورسوله ﷺ. اللّهمّ إنّي أسألك خشيتك في الغيب والشهادة وكلمة العدل والحقّ في الغضب والرضا وأسألك القصد في الفقر والغنى. اللّهمّ زيّنّا بزينة الإيمان واجعلنا هداة مهتدين (آمين). أمّا بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. أمّا بعد!

یہ دنیا عرش سے لے کر فرش تک اللہ ربّ العالمین کی تخلیق ہے اِس حقیقت کا ثبوت قرآن کریم اور صحف سماویہ ہی سے نہیں بلکہ فطرت انسانیہ، عقلِ سلیم، تاریخِ انسانی، ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی معلوم کردہ اثریات، ماہرینِ علم نفسیات، اور جدید ترین ایٹمی سائنس کے انکشافات، سب کی سب خالقِ کائنات کی ہستی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اللہ جلّ شانہ العظیم نے تمام کائنات کا نظام اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے۔ اللہ ربّ العالمین کا عطاء کردہ نظام، نظامِ عدل وقسط ہے جس میں ہر چیز کو اُس کے جائز مقام و مرتبہ سے نوازا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس کائنات میں حاکمِ تشریعی بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی اقتضایات کے پیشِ نظر عناصرِ اَرضی وسماوی کو کام پر ہی نہیں لگایا بلکہ انسان کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی زندگی کے لئے مبنی بر عدل نظامِ حیات بھی مرحمت فرمایا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لئے قوانین اور ہدایات موجود ہیں۔ یہ قوانین، کامل ہستی کی جانب سے ہیں لہٰذا نقص وعیب سے مبرّا ہیں۔ تمام کائنات کے حاکمِ اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمت ہیں لہٰذا ہر دور، ہر علاقہ اور ہر نسل سے متعلقہ انسانوں کے لیے یکساں مفید ہیں۔ الغرض اسلام کا عطاء کردہ نظامِ عدل کامل، ہمہ گیر اور عالمگیر صفات وخصوصیات کا آئینہ دار ہے جو محض عقائد وعبادات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہ نظام معاشرتی، معاشی، تعلیمی، عدالتی، عسکری اور سیاسی دائروں کو محیط ہے[1]

اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انسان مدنی الطبع یعنی اجتماعیت پسند ہے۔ تمدنی و اجتماعی زندگی گزارنا پسند کرتا ہے[2] لہٰذا مل جل کر زندگی بسر کرتے ہوئے افرادِ معاشرہ کے باہمی مفادات میں ٹکراؤ اور کشمکش اَمرِ ناگزیر ہے۔ اِس ٹکراؤ اور کشمکش کو عدل کے نظام میں محصور کرنا تا کہ افرادِ معاشرہ کی باہمی کوششیں وکاوشیں بار آور ہوسکیں اور منفی اَثرات سے حتی الامکان بچاؤ ممکن ہو سکے اسلام کے تصورِ عدلِ اجتماعی کا موضوع بنتا ہے۔ یہ تصور تعلیماتِ نبوی ﷺ کے تمام پہلوؤں میں روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقالہ ہٰذا میں اِسی موضوع پر بحث کو مرکوز رکھتے ہوئے جن جہات و نکات پر حقیقتِ حال واضح کی جائے گی وہ درج ذیل ہیں: ۱- عدل اجتماعی سے کیا مراد ہے؟ اور عدلِ اجتماعی کے تصور کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ ۲- کیا اجتماعی زندگی میں افراط وتفریط سے مبرّا تصورِ عدل ممکن ہے؟ اگر ہے تو انتہا پسند مادی نظاموں پر اُس کی وجہِ امتیاز اور علی الحق ہونے کا معیار

Marfat.com

کیا ہے؟ ۳-نیز یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ گلوبل ولیج (Global village) میں ایک سوسائٹی کا درجہ پانے والی اُقوامِ عالم کا عدلِ اجتماعی (social justice) سے منحرف ہو جانا انسانیت کے لیے کن تباہ کن نتائج کا حامل ہے؟ ۴- تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں عصری نظام ہائے حیات کا تقابلی وتنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔کہ کیا عصری، سیاسی، معاشرتی و معاشی نظام (اشتراکیت، سرمایہ داریت، مغربی طرز جمہوریت وغیرہ) عدلِ اجتماعی کے حقیقی تصور اور معیار پر پورا اُترتے ہیں؟ ۵- اور آخر میں یہ جاننے کی سعی کی جائے گی کہ تعلیماتِ نبوی ﷺ میں عدلِ اجتماعی (social justice) کا کون سا منفرد، جامع، کامل، اَبدی اور عالمگیر منشور موجود ہے جس نے تمام بنی نوع انسان کے باہمی اختلافات دور کر کے اُخوت و رواداری کی پرامن فضا کو بحال کیا اور انسانیت کو تباہی کے گڑھے سے بچنے میں معاونت فرمائی ہے۔اور اِس نظام کو نافذ العمل کرنے کے لیے تعلیمات نبوی ﷺ نے کیا حکمتِ عملی عطا فرمائی ہے؟

عدلِ اجتماعی کا معنی و مفہوم:

کسی وجود کے اجزائے ترکیبی میں پائے جانے والے توازن و تناسب اور ہم آہنگی کو عدل کہا جاتا ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی بھی مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ سیاست، معیشت، معاشرت، روحانیت، و اخلاقیات وغیرہ اس کے اُہم اُجزاء ہیں ان میں سے ہر جزو اپنی جگہ، ایک مکمل اور منفرد حیثیت رکھنے کے باوجود دوسرے اُجزاء سے مربوط اور پیوستہ ہے۔ اجتماعی یا معاشرتی عدل اِسی چیز کا نام ہے کہ معاشرتی زندگی کی اِن تمام اُکائیوں میں توازن و تناسب اور ہم آہنگی برقرار رہے، اور کسی ایک شعبہ میں افراد کا استغراق یا دلچسپی حدِّ اعتدال سے تجاوز نہ کر جائے کیونکہ اس میں معاشرتی زندگی کا حسن اور سکون غارت ہو کر رہ جائے گا۔[۳] صاحب ''دلالة الأسماء الحسنى على التنزيه'' رقمطراز ہیں کہ: ''العدل'' اللہ تعالیٰ کے الأسماء الصفات میں سے ایک صفاتی نام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات ((العدل و المقسط)) دیگر الأسماء الحسنی مثلاً الحكيم، الحكم و الفتّاح کے قریب المعنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عدل اور حکمت دونوں کا مفہوم (وضع الأشياء في مواضعها) یعنی اَشیاء کو اُن کے صحیح مقام پر رکھنا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ جو عتاب الٰہی کا مستحق نہیں اُسے زیرِ عتاب نہ لایا جائے اور جو ثواب کا حقدار ہے اُس کو محروم نہ رکھا جائے۔[۴]

راغب اصفہانی: مفردات القرآن میں عدل کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: **فالعدل هو التقسيط على سواء**[۵] یعنی کسی چیز کا اُس کی اپنی جگہ پر ہونا یا کسی بوجھ کو دو برابر حصّوں میں اِس طرح تقسیم کرنا کہ کمی بیشی نہ ہو اُسے عربی زبان میں عدل کہتے ہیں۔ جبکہ راغب اصفہانی ''عدل'' کو مساواۃ کا مترادف بھی مانتے ہیں لہٰذا اُن کے مطابق عدل، مکافاتِ عمل میں برابری کا نام ہے یعنی بھلائی کا بدلہ بھلائی اور شر کا بدلہ شر۔[۶] کائنات کا نظام عدل و توازن پر قائم ہے اور ربُ الکائنات نے انسانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ عدل پر قائم رہیں، اِرشادِ ربانی ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[۷] ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں''۔عام طور پر عدل کو ایک قانونی قدر کہا جاتا ہے اور اسے اخلاقی فضیلت کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا حالانکہ عدل ایک اخلاقی فضیلت ہے اِس کی غیر موجودگی اجتماعی زندگی کو فساد سے دوچار کر دیتی ہے، معاشرہ ظلم کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ عدل ایک ایسی اخلاقی فضیلت ہے جس کا تعلق اجتماعی زندگی

Marfat.com

سے ہے۔عدل، اجتماعی زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔۸ عدلِ اجتماعی کا انگریزی ترجمہ (Social Justice) کیا جاتا ہے جس کے اُردو مترادفات سماجی انصاف اور معاشرتی نظامِ قسط وبسط ہے۔

عدلِ اجتماعی (social justice) کا تصور و اہمیت - تاریخ کے آئینہ میں:

انیسویں صدی میں سوشلزم کے بانی جرمن مفکر کارل مارکس نے ''عدلِ اجتماعی (social justice)'' کے نعرے کے تحت جو نظام متعارف کروایا وہ اس اُصول پر قائم ہے کہ ذرائع پیداوار کو افراد کی نہیں بلکہ معاشرے یا ریاست کی ملکیت ہونا چاہیے، اور ذرائع پیداوار کا پورا انتظام بھی ریاست ہی کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے اِس نظام کی بنیاد اِس خیال پر ہے کہ انسان کی پوری زندگی کا دارومدار معاشیات پر ہے، اور تہذیب ہو یا فلسفہ، شعر و اَدب ہو یا مذہب سب کا تعین معاشی عوامل کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں انسان کے پاس جس قسم کے ذرائع پیداوار ہوں گے، اُس کے مطابق اُس زمانے کا فلسفہ اور تمدن ہوگا یہاں تک کہ مذہب بھی، اسی لئے کارل مارکس کے فلسفہ کو 'جدلیاتی مادیت' بھی کہا جاتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمانے میں معاشرتی طبقے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہے ہیں۔ ہر زمانے میں ذرائع پیداوار کے لحاظ سے ایک طبقے کی حکمرانی ہوتی ہے، اور جب ذرائع پیداوار میں ترقی ہوتی ہے تو حکمراں طبقہ شکست کھا جاتا ہے اور اُس سے نیچے کا طبقہ حکمراں ہو جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے دوران کارل مارکس نے اعلان کیا تھا کہ اب وہ دور آ گیا ہے جب معاشرے میں اقتدار مزدور طبقے کا ہونا چاہیئے۔ انقلابِ روس کے رہنما لینن (ت: ۱۹۲۴ء) نے اِس فلسفے میں یہ اضافہ اور کیا کہ جب مزدوروں کی حکومت پوری طرح مستحکم ہو جائے گی اور طبقاتی کشمکش مٹ جائے گی تو پھر ریاست کی بھی ضرورت نہیں رہے گی، اور آہستہ آہستہ ریاست ''مرجھا کے'' ختم ہو جائے گی۔۹ ''عدلِ اجتماعی'' کا یہ تصور اپنی اَصل میں مادیت پرستی اور مذہب دشمنی پر مبنی تھا۔ اِس نظام کے عمیق مطالعے اور ذاتی مشاہدے کے حامل مسلم دانشور محمد تقی الدین الہلالی فرماتے ہیں: اِس جماعت کے ہر فرد پر لازم تھا کہ وہ تمام اَدیان کا منکر ہو اور کارل مارکس، لینن (ت: ۱۹۲۴ء)، اسٹالین (ت: ۱۹۵۳ء) اور گورباچوف کے اقدامات کو تقدس کا درجہ دے۔۱۰ سید قطب شہید فرماتے ہیں کہ اشتراکی اپنے مذہب میں اتنے متعصب ہوتے ہیں کہ اُن کی نگاہ میں اشتراکیت (کا سیکولر سسٹم) ہی مقصد بن گیا ہے نہ کہ اجتماعی انصاف کو حاصل کرنے کا ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ اُنہیں بس یہی فکر ہے کہ عوام کے سامنے اشتراکیت کے سوا ہر دوسرا راستہ بند کر دیں جو عوام کے لیے حقیقی انصاف کو قائم کر سکے، یہ اِس لیے کہ اشتراکیت کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ باقی ہی نہ رہے۔۱۱

مغربی فکر میں سوشلزم (Socialism)، کمیونزم (Communism)، فاشزم (Fascism) اور مثالیت (Idealism) کے نظریات میں فرد کی انفرادیت کو کچلنا اور معاشرتی اداروں یا حکومت کو فوقیت دینا قدرِ مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ سب نظام افراد کے سیاسی و معاشرتی حقوق، اختیارات اور آزادی کا سرچشمہ ایک پارٹی یا چند اَفراد کی حکومت کو عطا کرتے ہیں۔ "History of political thougt" کے مصنف تمام نظاموں کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> At one extreme is found an individualism that would limit the state to the narrowest exercise of authority and leave to its individual citizens

Marfat.com

the widest possible sphere of free action. At the other extreme is a paternalistic socialism that would extend state action to the widest limits and submerge the individual in the political mass."(12)

یعنی مذہب دشمن اشتراکیوں نے ''عدلِ اجتماعی'' کا نعرہ سرمایہ داریت اور جاگیر دارانہ نظاموں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر ردّ عمل کے طور پر بلند کیا تھا لیکن اگر سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام اُفراط کی انتہا پر تھے تو اشتراکیت اُن کے مدّ مقابل تفریط کی دوسری انتہا کو پہنچ گئی اور یوں دونوں ہی کی طرف سے انسانیت کو ریلیف دینے کے دعوے عملاً ریت پر تحریر ثابت ہوئے۔کیونکہ انسانیت کو مساویانہ بنیادوں پر عدل،آسان اور عام طریق سے فراہم کرنا الحادی،مشرک اور باطل نظاموں کے بس کا روگ نہیں۔

ڈاکٹر خالد محمود نہایت خوبصورت پیرائے میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

Tawheed is all justice and fairness whereas shirk is a serious sin and crime. God has sent His Messengers alongwith the books for dispensation of justice. The concept of justice is very basic in the universe. Tawheed leads to justice and equity, symmetry and order whereas shirk gives birth to injustice, chaos and anarchy.(13)

یعنی عدلِ اجتماعی ایسے عدلِ کُل نظام کا خاصہ ہوسکتا ہے جو تمام عناصر کائنات اورشعبہ ہائے حیات کو وحدانیت کے رنگ میں رنگنے کی خوبی سے متصف ہو اور کسی بھی شعبہ میں استحصال، بے اعتدالی اور ظلم و جور کو رواج دیے بغیر عدل کی فراہمی آسان اور عام کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

اشتراکیت کے ہاں سماجی عدل سے مراد غیر فطری معاشی مساوات ہے جو اپنے زیرنگیں لوگوں کو حقِ ملکیت،حریت فکر وعمل، اور آزادی اظہارِ رائے سے محروم کر دیتی ہے اِس عدلِ اجتماعی کا مزاج فی نفسہٖ غیر فطری اور غیر انسانی تھا کیونکہ اِس ''عدلِ اجتماعی'' کے سلوگن میں حکمرانوں کے تصور عدل کی مثال باپ کے عدل کی سی نہ تھی جو اپنے مفلس و نادار بیٹے کو معاشی استحکام دینے کے لئے دیگر بچوں کی نسبت زیادہ مالی معاونت دیتا ہے بلکہ اِس عدلِ اجتماعی کو اُس بندر بانٹ سے تشبیہ دیا جا سکتا ہے جس میں بندر بطور ثالث فریقین کو مساوی حقوق دینے کی بات کرتا ہے لیکن دونوں کا حصہ ہڑپ کر جاتا ہے۔ صاحب ''الاسلام والمذاهب الاشتراکیة'' ۱۹۵۴ء میں -دیوار برلن کی تعمیر (۱۳/اگست ۱۹۶۱ء) سے قبل- وہاں اپنے ایک سفر کی روداد بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا وہاں میں نے ایک مفلوک الحال بڑھیا کو دیکھا جس کے بارے میں ہوٹل کی مالکہ نے بتایا کہ جنگ عظیم دوئم سے قبل یہ عورت متمول خاتون تھی لیکن جنگ سے شکست کے بعد روسی اشتراکیوں نے ''عدلِ اجتماعی'' کے نام پر اس سے سب کچھ چھین لیا۔(۱۴) محمد تقی الدین الهلالی مزید لکھتے ہیں کہ دیوار برلن کی تعمیر کے بعد مشرقی جرمنی پر روسی قبضے نے امراء شہر کو خودکشیوں پر مجبور کر دیا جس کی وجہ روسیوں کا وہاں اشترکی نظام کو نافذ العمل کرنا تھا جس کے

Marfat.com

تحت (سلب جميع الممتلكات و جميع الحريات والمعتقدات) کو رواج دیا گیا یعنی سب اَموال وجائیدادیں، آزادیاں اور حقوق وعقائد سلب کر لیے گئے اور زرعی اَراضی، جائیدادوں اور فیکٹریوں کے مالکان کو اپنی سلب شدہ جائے ملکیت سے ۳۰ کلومیٹر دور رہائش پزیر ہونے کا حکم تھا۔ اِس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو کڑی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ۱۵؎ ''عدلِ اجتماعی'' کے لیبل تلے معاشی مساوات کا نعرہ لے کر اٹھنے والوں میں عملاً کہیں مساوات نہ تھی۔ محمد تقی الدین الہلالی فرماتے ہیں جرمنی کی شکست کے بعد جب انہیں (محمد تقی الدین الہلالی کو) قیدی بنا کر ماسکو لے جایا گیا تو دو سالہ قید کے اَیام ونہار میں انہوں نے تمام فوج کو مساویانہ بنیادوں پر ایک ہی میس (mess) سے کھانا ملتے نہ دیکھا بلکہ افسروں کے لیے کھانے کا انتظام جس میس (mess) میں ہوتا تھا سپاہیوں کے لیے اُس میس سے کھانا ممنوع تھا حتی کہ کھانے کی میس (mess) اور تقسیم کے حوالے سے فوج پانچ طبقات میں منقسم تھی۔ ۱۶؎

مختصر مذہب دشمن اشتراکیت اپنی فکری بے اعتدالیوں کے سبب دنیا کو ''عدلِ اجتماعی'' کے لیبل کے تحت جو نظام دے گئی وہ جب اپنی رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا تو عملاً ''عدلِ اجتماعی'' کے اپنے دعوے سے منحرف ہو کر انسانیت کے پرخچے اڑانے والا عفریت بن کر چھا گیا۔ اِس کے نفاذ کے کچھ ہی عرصہ بعد دنیا سے اس کا سحر کافور ہو گیا اور انسانیت اپنے سابقہ دکھوں کا مداوا تو کیا ہی کر پاتی وہ اِک نئے عذاب کا شکار ہو کر کرب والم کی تصویر بن گئی۔ بالآخر چشمِ فلک نے مشاہدہ کیا کہ اپنے نفاذ کے چند ہی سالوں بعد ''عدلِ اجتماعی (social justice)'' کے دعوے داروں کو ماسکو میں سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی تھی۔

اِس خدا دشمن نظام نے غریب عوام کو ریلیف کیا ہی دینا تھا، اِس کے نفاذ نے چند کھوکھلی یقین دہانیوں کے عوض اُن کے بنیادی انسانی حقوق تک سلب کر لیے۔ انسان، شرفِ انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے بجائے اجتماعی حکومتی مشینری کا کل پرزہ بن کر رہ گیا جس کی انفرادی زندگی تھی نہ ہی کوئی پہچان و اَہمیت کا اعتراف۔ گویا مقصدیت انسانی زندگی سے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ جان، مال، عزت، خوشیاں ایک طرف سوچ، فکر، عقیدہ اور مذہب تک اپنا نہ رہا تھا، نظامِ فکر کو جہت دینا، نظریہ حیات متعین کرنا اور عقائد و اَفکار کے بارے فیصلے کا اختیار حکومت اور اُس کے نمائندوں کا مقدس حق تھا جس میں کسی خاص و عام کو مداخلت کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ دوسرے لفظوں میں اِس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو کب کیا سوچنا ہے اس بارے میں حکومتی پالیسی سے رہنمائی لینا ہوگی خود سے کچھ ایسا سوچنا جو اشتراکیت کے منشور سے متصادم ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی قرینِ عقل، مطابق فطرت اور عینِ عدل کیوں نہ ہو۔ ممنوع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظام جلد ہی اپنی بنیادوں پر آ رہا اور جس محبت سے اِس کے فروغ میں انسانوں نے قربانیاں پیش کیں تھیں اِس کے زہریلے پھل آتے ہی اُتنی ہی نفرت، اِس نظام کا نصیب ٹھہری۔ اور جلد ہی سلیم الفطرت انسانیت نے اِس غیر فطری، اور غیر انسانی نظام کو مسترد کر دیا اور اِس کے بجائے اُس نظام کی تلاش شروع کر دی جو صحیح معنوں میں ''عدلِ اجتماعی'' کہلانے کا حقدار ہو۔ جو افراط وتفریط سے مبرّا، کامل اور عالمگیر ہو، جس کے تحت اَفرد، خاندان، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اِس کے ساتھ ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو اَفراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جاسکے، جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔ ۱۷؎ لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اجتماعی فلاح پر مبنی جاندار، مؤثر اور کامل نظام دینا خدا

Marfat.com

دشمن، لادین نظاموں کے بس کا روگ نہیں ہے۔

اسلام کا ''تصورِعدلِ اجتماعی'' ہی مادی نظاموں کی اَفراط وتفریط میں حقیقی نقطۂ اعتدال ہے:

سوشلزم نے اپنے جس فلسفہ پر اُٹھان بھری اور اُس فلسفہ کے تحت لوگوں کی شخصی آزادیاں اور حقوق (بشمول حقِ ملکیت) بحقِ سرکار سلب کیے اُس فلسفے کو ''عدلِ اجتماعی'' کی اصطلاح کے تحت متعارف کروانا فی نفسہٖ غلطِ عام فعل ہے۔ اسلام اِس بات کا داعی ہے کہ انسان کو معاشی ترقی کے لیے برابر مواقع ملنے چاہئیں تا کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق پیدائشِ دولت سے استفادہ کر سکے۔ لیکن اسلام حقِ معیشت میں مساوات کے اعتراف کے ساتھ ساتھ معاشی تفاوت سے انکار نہیں کرتا جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے کہ: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ ۱۸ ترجمہ: ''ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کا سامان اُن کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اور بعض کے درجے بعض پر بلند کر دیئے ہیں تا کہ یہ ایک دوسرے سے کام لیں''۔ اگر تمام افراد کو ایک ہی معاشی پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اِسلام نے اِنسانون میں طبعی صلاحیتوں اور استعداد کے اختلاف کے پیشِ نظر معاشی تفاوت سے انکار نہیں کیا۔ یہی تفاوت دنیا کے نظام کی اُساس ہے اگر یہ اُساس ختم کر دی جائے گا تو دنیا کا کاروبارِ زندگی معطل ہو کر رہ جائے اور انسانی سوسائٹی کی صحت مندانہ نشوونما رُک جائے گی۔

عصرِ حاضر کی مادی دنیا پر ''محنت کی اُجرت'' کے متعلق دو نظریے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظریہ اور اشتراکی نظریہ۔ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کی بنیادیں بے لگام انفرادی ملکیت پر ہے۔ سرمایہ دار محنت کی اُجرتیں من مانے طریقہ پر متعین کرتے ہیں اِس وجہ سے اِس نظام میں آجر و اُجیر کے درمیان ایک مستقل جھگڑا رہتا ہے۔ آئے دن ہڑتالیں اور کارخانوں میں آتش زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اِس کے برعکس اشتراکی نظام میں محنت کی اُجرت کی مالک ریاست (State) ہوتی ہے۔ اِس نظام میں تمام محنت کش حکومت کے غلام بن کے رہ جاتے ہیں۔ اِن دونوں نظریات کے خلاف اسلام نے سرمایہ دار کو سکھا دیا ہے کہ مزدور یا ملازم اُس کا بھائی ہے اِس لئے اُس کے ساتھ بھائی کا سا معاملہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنّ إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم ...... الخ)) ترجمہ: ''یہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے تمہارے ماتحت کردیا ہے، لہٰذا جس کسی کا بھائی اُس کے ماتحت ہو وہ اُسے اُس میں سے کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اُسے اُسی سے پہنائے جو خود پہنتا ہے، تم ان سے ایسی مشقت کا بار نہ اٹھواؤ جو انہیں مغلوب کر دے اگر کبھی ایسا بوجھ اٹھوانا ہی پڑ جائے تو ان کی مدد کرو''۔ ۱۹ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''تین آدمیوں سے روزِ قیامت میں خود لڑوں گا (اوّل) وہ جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی، (دوم) وہ جس نے آزاد شخص کو فروخت کر کے اُس کی قیمت کھا لی (سوم) وہ شخص جس نے کام پر مزدور لگایا پھر اس سے پورا کام لیا اور مزدوری نہ دی''۔ ۲۰

سرمایہ داریت اور اشتراکیت کے طالبعلم اِس اَمر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ عصرِ حاضر میں واشنگٹن (جو سرمایہ داریت کا گڑھ ہے) زیادہ سے زیادہ اجتماعی نگرانی اور ماسکو (جو سوشلزم کا مرکز ہے) انفرادی حقوقِ ملکیت کے بارے میں کسی راہ اعتدال کی تلاش میں سرگرداں ہیں لیکن وہ اِس حقیقت سے نا آشنا ہیں کہ نقطۂ اعتدال، مادیت پر مبنی کسی نظام کا نصیب نہیں ہو سکتا

Marfat.com

ہے۔ اسلام دشمنی کی وجہ سے ان کا ہر قدم اُنہیں نقطہء اعتدال سے دور کرتا جا رہا ہے۔ لیکن اِس اُمر سے اختلاف ممکن نہیں کہ اُن کے دکھوں کا صحیح علاج اِسلامی نظام ہی میں ہے کیونکہ اسلام نہ تو مطلق انفرادی ملکیت کا قائل ہے جو اجتماعی زندگی کے تقاضوں سے ٹکراتی ہو، نہ وہ ایسی اجتماعیت کی تعلیم دیتا ہے جو انفرادیت کا گلا گھونٹ دے۔ یہ افراد اور اجتماع دونوں کو مالکانہ حقوق دیتا ہے اور انفرادی مالکانہ حقوق پر ریاست کو اور ریاست کے نظم پر افراد کو نگران مقرر کرتا ہے۔ شریعت اسلامی نے فی الجملہ ایک ایسی اجتماعیت کا تصور پیش کیا ہے جس میں افراد کی انفرادیت پوری طرح محفوظ ہے۔[۲۱] تفاوت عقل و وسائل، تفاوت مواقع و مواہب سے انسان کے معاشی طبقات میں تفاوت اُمرِ ناگزیر ہے، جسے اسلام قبول کرتا ہے اور اِس کا مداوا زکوٰۃ کی فرضیت، بلاسود قرض کی فراہمی، وراثت کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم، ھبہ و نفقات وکفارات کے نظام اور صدقات کی ترغیب کے ذریعے بأحسن وخوبی کرتا ہے[۲۲] اسلام نے افراد کے حقِ ملکیت پر تعداد یا مقدار کے اعتبار سے کسی تحدید کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔ اس نے حصولِ ملکیت کے جائز طریقوں، حق ملکیت سے وابستہ حدود اور ذمہ داریوں اور اجتماعی ضرورت کے لیے افراد سے مال و املاک حاصل کرنے کے مناسب طریقوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان اُصولوں کی روشنی میں مال و املاک سے متعلق انسانی مصالح کا حصول عمل میں لایا جا سکتا ہے[۲۳] لیکن اسلامی ریاست کو کسی صنعت یا کاروباری ادارہ کو انفرادی ملکیت سے نکال کر قومی ملکیت بنا لینے کا اختیار صرف انہی حالات میں ہے جبکہ اجتماعی مصالح کے تحفظ اور ضرر کے ازالہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو یا ملک کی معاشی ترقی اور مفادات کی ترویج کے لیے ایسا کرنا مناسب خیال کیا جائے۔[۲۴] اس کی ایک موزوں مثال انشورنس کے ادارے کی ہے جسے آج کل انشورنس کمپنیاں سودی بنیادوں کے تحت نفع بخش کاروبار کے طور پر چلا رہی ہیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں کے منافی اُمر ہے لہٰذا اسلامی ریاست، معاشرے کو سودی نظام کے ضرر سے بچانے کے لیے تعاون باہمی کی بنیادوں پر ازسرِنو استوار کرے گی تو یہ زیادہ نفع بخش کاروبار نہ رہے گا ایسی صورت میں اگر ریاست اسے اپنی نگرانی میں نہ چلائے تو ملک انشورنس کے اداروں سے محروم ہو جائے گا جو ضررِ عظیم کا باعث ہوگا۔ ریاست اور انشورنس کے کام کے درمیان مناسبت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انشورنس کی بعض قسموں کا کفالتِ عامہ کے اس فریضہ سے بہت قریبی تعلق ہے جسے اسلامی ریاست کو بہر صورت انجام دینا ہوتا ہے۔[۲۵] اسی طرح اسلحہ اور فوجی ضرورت کے بنیادی سامانوں کی تیاری، ایٹمی توانائی اور اُس کے فوجی یا پرامن استعمال سے متعلق صنعتیں، ملک دشمن عناصر کے جاسوسی نظام سے تحفظ کے لیے ڈاک اور تار کا محکمہ، مرکزی بینکنگ، بڑے پیمانہ پر آبپاشی کے لیے بند اور نہروں کی تعمیر، اور ذرائع نقل وحمل مثلاً سڑکوں، پلوں، ریلوے لائنوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں کا انتظام ریاست کو اپنے ہاتھوں میں رکھنا ہوگا۔ ایک اصولی بات یہ ہے کہ یہ اُمور اپنی نوعیت کے اعتبار سے 'کاروبار' کی تعریف میں نہیں آتے بلکہ یہ سماجی خدمت کے وہ ادارے ہیں جن کو نفع آور بنیادوں پر چلانے سے اجتماعی مفاد کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا ان پر اسلامی ریاست کا کنٹرول ناگزیر ہے اگر ان امور کو نفع آور بنیادوں پر چلانے کے لیے افراد کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے تو ضررِ عظیم کا اندیشہ ہے۔[۲۶]

اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا اشتراکی اور سرمایہ داری مادی نظاموں کے تصور عدل پر وجہء امتیاز یہ ہے کہ مؤخر الذکر نظاموں میں انسان کے معاشی مسئلہ کو انسانی زندگی کے مجموعی فریم ورک سے الگ کر کے اُس کا مطالعہ و تجزیہ کیا جاتا ہے اور

Marfat.com

اُسے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اِس بات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا کہ معاشی مسئلہ حل کی کوئی تدبیر حیاتِ اجتماعی کے دوسرے شعبوں پر کیا اثر ڈالتی ہے اِس کے برعکس اسلام انسان کے معاشی مسئلہ کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مجموعی تناظر میں رکھ کر اُس کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور اُس کے حل کی ایسی تدبیر اختیار کرتا ہے جو نہ صرف درپیش معاشی مسئلہ کو حسن و خوبی سے حل کرنے والی ہوں بلکہ اُس سے اجتماعی زندگی کے کسی پہلو پر برے اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔ مثلاً مروجہ معاشی نظاموں میں افراطِ آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے بالعموم خاندانی منصوبہ بندی یعنی ضبطِ ولادت کے طریقوں کو اپنانے پر زور دیا جاتا ہے اور اِس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ان طریقوں کے اختیار کرنے سے بے حیائی و بدکاری کو فروغ ملتا ہے۔ اخلاقی اقدار برباد ہو جاتی ہیں، اور خاندانی نظام برباد ہو جاتا ہے۔ [27] آج پوری دنیا میں روحِ عدل کے منافی یہ فعل (status symbol) کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ اِس خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر ضبط ولادت یا قتلِ اُولاد کا اجتماعی و معاشرتی جرم، اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی میں ﴿خِطْأً كَبِيرًا﴾ [28] سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے وبال کا مشاہدہ کرنا ہو تو وہ فرانس وغیرہ کے ممالک پر نظر ڈالے جنھوں نے مصنوعی ذرائع سے ضبطِ تولید کر کے اپنی تعداد کو گھٹا دیا اور جب جرمن فوجیں اُن پر حملہ آور ہوئیں تو اُن کے پاس ایسے جوانوں کی قلت تھی جو مادرِ وطن کی حفاظت کے لیے میدانِ جنگ میں سینہ سپر ہوسکیں۔ ایسا اقدام جس سے قوم اور وطن کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے۔ اُس کو اگر بڑی غلطی نہ کہا جائے تو کیا اسے دانشمندی کہا جائے۔ [29] اسلام کثرتِ آبادی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے آبادی کو مصنوعی طریقہ سے کنٹرول کرنے کے بجائے اشیاء و خدمات کی پیداوار کو بڑھانے کا طریقہ تجویز کرتا ہے۔ اُس سے معاشرہ افراطِ آبادی کے پیدا کردہ دباؤ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور معاشرتی زندگی کے دیگر شعبے بھی فساد و اختلال سے بچے رہتے ہیں۔ یہ اور اِس جیسی اَن گنت اَمثلہ اِس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اسلام کا عطاء کردہ اجتماعی عدل کا تصور دنیا کا واحد کامل اور مؤثر حل ہے جو انسانیت کو افراط و تفریط پر مبنی مادی نظاموں سے نجات دلا کر اُس کے دکھوں کا مداوا کرنے کا الہامی ذریعہ ہے اِس اَمر میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ یہ دُنیا کا واحد نظام ہے جو ہر غلطی سے مبرا، ہر خطأ سے ماوراء اور عادلِ کُل جہاں کا انسانیت کے لیے بے مثل آسمانی تحفہ ہے۔

گلوبل ویلج (Global village) میں بین الأقوامی سطح پر ''عدلِ اجتماعی'' کی ضرورت و اہمیت:

یونی پولر دنیا میں امریکن کیپیٹلزم کا مقام ایک ایسے بہت بڑے چوہدری وڈیرے یا زمیندار کا ہے جو دنیا کے غریب ممالک میں ہوسِ دولت کا شکار قابلِ فروخت کمزور کردار حکمرانوں کے ذریعے اُن کی اُقوام کو اپنا بے زبان مزارع بنا لیتا ہے جن کی عزتیں بھی بغیر خوف وخطر وہ لوٹ سکتا ہے۔ سورۃ الإسراء میں ارشاد ربانی ہے ''اور جب ہم کسی آبادی کو ہلاک کرنا چاہیں تو وہاں کے عیش پسندوں کو اقتدار دے دیتے ہیں۔ پھر وہ (عدل و انصاف کا خون کرتے ہوئے) اس میں اُدھم مچا دیتے ہیں تو اُس آبادی کے خلاف سزا کا حکم ناگزیر ہو جاتا ہے''۔ [30] آپ پاکستان ہی کی مثال لیجیے 9/11 کے بعد امریکی حکومت نے پاکستانی قیادت کو بے شرمی سے دبوچ کر ڈکٹیٹر کی پیٹھ زمیں پر لگا دی تھی اور امریکہ سے بھی زیادہ امریکہ کے وفادار بن کر پاکستان کے تعیش پرست حکمرانوں نے وہ کچھ کر دکھایا ہے جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اُس وقت واشنگٹن نے غنڈہ گردی کے ذریعے جو مطالبات منوائے وہ عدل وانصاف کے صریحاً منافی اور عالمی قوانین کی دھجیاں اُڑانے والے اہانت آمیز مطالبات

Marfat.com

تھے، جو یہ تھے: ۱- کہ پاکستانی بندرگاہیں، ہوائی اڈے، ائیر سپیسز یا ہوائی راستوں کے علاوہ پاکستان کی سڑکیں بھی امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کے، ہمارے دوست مسلم ہمسایہ ملک افغانستان پر حملے کو کامیاب بنانے کے لئے استعمال ہوں گی۔ ۲- پاکستان میں امریکی سفارتخانے کو غیر معمولی توسیع دی جائے گی (گویا اسلام آباد کے قلب میں منی امریکی قلعہ تعمیر کرنے دیا جائے گا۔) ۳- امریکیوں پر ویزے کی پابندی نہیں ہو گی، امریکیوں کے پاس امریکی ڈرائیونگ لائسنسز کا ہونا ہی کافی گردانا جائے گا۔ ۵- امریکیوں کو پاکستان میں بغیر لائسنس اسلحہ رکھنے، ملک میں بلا اجازت نقل و حرکت کرنے کی اجازت ہو گی ۶- امریکی فوجی باوردی بغیر کلیئرنس کہیں بھی جاسکیں گے۔ ۷- کسی امریکی سے کوئی جرم ہو جائے تو وہ پاکستانی قانون کی زد میں نہ آسکے گا اُس پر مقدمہ (اگر ضروری معلوم ہوا تو) امریکہ میں امریکی قوانین کے مطابق چلایا جائے گا۔ [۳۱] اقوامِ عالم میں کسی ریاست سے یہ اور اِس نوع کے دیگر مطالبات منوانا دوسرے لفظوں میں اُس کو عالمی استعماری طاقت یعنی امریکہ کی کالونی کا درجہ دینے کے مترادف عمل تھا جو اِس گلوبل ویلج (Global village) کی باسی اقوام میں عدلِ اجتماعی (social justice) کی فضا کو سبوتاژ کرنے کی بدترین مثال گردانا جاتا ہے۔

بین الاقوامی امور اور پاکستانی حالات عدلِ اجتماعی کے متقاضی ہیں:

عالم انسانی میں اقوامِ عالم کو عدل سے انحراف کی بھاری قیمت چکانا پڑتی ہے اور ظلم برداشتہ قومیں بالآخر عبرتناک مقام پر آٹھہرتیں ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) دُنیا کو گلوبل ویلج کا درجہ دینے کے دعوے داروں نے پاکستان کی سفارتی تاریخ میں ریمنڈ ڈیوس کا کردار اسٹیج کیا جو بین الاقوامی قوانین (ویانا کنونشن) کی صریحاً خلاف ورزی کرنے اور اقوام عالم سے تعلقات میں عدلِ اجتماعی کی روح پامال کرنے کا مرتکب امریکی مہرہ تھا۔ ۲۷رجنوری ۲۰۱۱ء کو پاکستان میں وارد اِس امریکی اہلکار (جس کی سفارتی حیثیت مشکوک تھی) نے دن دیہاڑے قرطبہ چوک، مزنگ چونگی لاہور میں عالمی سطح پر ممنوعہ گولیوں ''ہالو پوائنٹ'' سے دو پاکستانیوں کو بھون ڈالا اُس کی کال پر مدد کے لئے آنے والی اُمریکی مسلح اَفراد کی گاڑی نے ایک نہتے پاکستانی شہری کو کچل کر ہلاک اور چار کو زخمی کر دیا۔ [۳۲] اِس پر طرّہ پاکستانی حکومت کا بزدلانہ اور ظالمانہ رویہ ہے جو امریکی سپر پاور سے اپنی عوام کو انصاف دلوانے کی یقین دہانی کرانے کے بجائے امریکی حکومت کی نمائندہ ہونے کا حق ادا کر رہی تھی نتیجتاً امریکی حکومت (stick or carrot) کی حکمتِ عملی کے تحت ورثاء کو دیت ادا کرنے کا شاخسانہ چھوڑ کر اپنا کارندہ خصوصی طیارے پر چھڑا لے جانے میں کامیاب ہو گئی جبکہ ہماری عفت مآب بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی امریکی جیلوں میں جرمِ بیگناہی کی سزا کاٹ رہی ہے کیونکہ اُس کی سرزمین کے حکمران، ادارے اور اُس کے ہموطن شکیل آفریدی کے روپ میں ظالم عالمی استعماری قوت کے پنجے مضبوط کرنے میں جتھے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے حکمران گذشتہ ۶ دہائیوں سے مغربی طاقتوں خصوصاً امریکہ کی الفت میں اُسیر اور معاشی دستگیری کے طالب ہیں اور بھیک مانگنے والے کبھی خودمختاری کے دعویدار نہیں ہو سکتے۔ ریمنڈ ڈیوس کی دُوہرے قتل کی واردات پر جائے موقع سے حاصل ہونے والی دستاویزات اور دیگر کئی ثبوت [۳۳] بین الاقوامی قوانین کے مطابق اُسے ہر لحاظ سے دہشت گرد، جاسوس اور پاکستانی قوم کا مجرم ثابت کر رہے ہیں لیکن اُن سب کے باوجود وفاقی حکومتِ پاکستان اور امریکی گورنمنٹ بضد رہی، کہ اُسے سفارتی استثناء حاصل ہے یہ بات ۱۷ کروڑ پاکستانی عوام کی خودمختاری اور آزادی پر شبخون مارنے کے مترادف ہے۔ [۳۴]

Marfat.com

ایسے ملزم کو تحفظ فراہم کرنے سے اقوامِ عالم میں سراسیمگی پھیل جانا قدرتی عمل تھا کیونکہ ریمنڈ ڈیوس جیسے سی آئی اے کے کرائے کے قاتل کو رعایت دینا اُمریکی ایجنٹوں کو پوری دنیا میں کھل کھیلنے کا پروانہ دینے اور اُنہیں اُقوامِ عالم کی خودمختاری وسالمیت کی ردا تار تار کرنے کی ہلہ شیری دینے کے مترادف تھا جو عدل وانصاف کے مدِّمقابل ظلم کو فروغ دینے کا موجب اُمر تھا۔ لہٰذا معروف اخبار گارڈین میں ایک سابق برطانوی سفارت کار کریگ مرے کا مضمون ''سی آئی اے کا یہ ایجنٹ سفارتکار نہیں ہے'' ۳۵؎ شائع ہوا۔ وہ لکھتا ہے: ''میں ریمنڈ ڈیوس کے معاملے پر بات کرتے ہوئے بے حد محتاط رہنا چاہتا ہوں کیوں کہ سی آئی اے کے اِس ایجنٹ پر دہرے قتل کا الزام ہے اور اُسے سزائے موت کا سامنا ہے...... لیکن ایک بات جو میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس نہ تو سفارتکار ہے اور نہ ہی اسے سفارتی استثناء حاصل ہے...... باہمی سفارتی تعلقات میں استثناء نہایت ہی محدود تعداد کے افراد کو حاصل ہوتا ہے۔ مکمل سفارتی استثناء صرف اُن سفارتی اہلکاروں کو حاصل ہوتا ہے جن کا ذکر کنونشن کے آرٹیکل (C) میں کر دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق استثناء کا اہل صرف مشن کا سربراہ یا سفارتی عملہ ہوتا ہے۔ اس سفارتی عملے کی وضاحت بھی اگلے آرٹیکل میں کر دی گئی ہے جس کی رُو سے یہ درجہ بہ درجہ تھرڈ سیکریٹری سے سفیر یا ہائی کمشنر تک جاتا ہے۔ دوسری کیٹگری ''ایڈمنسٹریٹو اینڈ ٹیکنیکل اسٹاف'' کی ہے۔ اس اسٹاف کو محدود استثناء حاصل ہوتا ہے۔ اس استثناء میں وہ کام شامل نہیں جو کوئی شخص اپنی سفارتی ذمہ داریوں کے دائرہ کار سے نکل کر کرتا ہے۔ ڈیوس کے حوالے سے امریکہ کو بتانا ہو گا کہ کیا کوئی سفارتکار اپنی سفارتی ذمہ داریوں کے دوران ایک گلاک ہینڈگن، ماتھے پہ لگانے والی ایک فلیش لائٹ اور دوربین ساتھ رکھتا ہے؟ اور آخری بات یہ کہ ڈپلومیٹک پاسپورٹ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو سفارتی استثناء بھی حاصل ہو جاتا ہے''۔ ۳۶؎

الغرض ریمنڈ ڈیوس نہ صرف ایک قاتل تھا بلکہ وہ پاکستان میں کئی جرائم کا مرتکب تھا جس میں غیر قانونی سرگرمیاں اور شناخت چھپانا بھی شامل ہے لیکن عدلِ اجتماعی کے مفقود ہونے کی وجہ سے کسی مقتول کے ورثاء کو انصاف نہ مل پایا جو بعد ازاں فہیم کی بیوہ شمائلہ کنول کی خودکشی اور پاکستانی عوام کے ذہنی انتشار کا باعث بنا۔ اس واقعے سے پاکستانیوں کو اقوامِ عالم میں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اِسی طرح عالمی استعمار، نا اہل حکمرانوں اور دُشمن ہمسایہ ممالک کی مہربانیوں سے ایک پورا پاکستانی صوبہ، صوبہ بلوچستان ظلم اجتماعی اور مخدوش صورتحال سے دوچار ہے، انسانی حقوق کے عالمی ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق پاکستان کے صوبے بلوچستان میں انسانی حقوق کی صورتحال تشویش ناک ہے اور چند ماہ میں کئی اُساتذہ، صحافی اور وکیل پراسرار طور پر لاپتہ ہوئے ہیں یا انہیں ماورائے عدالت قتل کر دیا گیا ہے ۳۷؎ ادارے کے مطابق بلوچستان میں انسانی بحران کو بڑی حد تک نظر انداز کیا گیا ہے حتی کہ پاکستان کے اندر بھی۔ ۳۸؎ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو پس پشت ڈال کر اپنے نظام کو ظلم و بربریت کی گود میں پھینک دینے والی قوموں کو ہر فورم پر شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ دنیا میں ایک بے اصول اور ضمیر فروخت قوم کے طور پر جانی جاتی ہے ۳۹؎ جسے اُمن واُمان کی مخدوش صورتحال سے سابقہ رہتا ہے اور اقوام عالم اجتماعی عدل سے منحرف قوم سے کوئی بھی ناجائز مطالبہ منوانے سے نہیں جھجکتیں ہیں۔ پھر اس قوم کو عدل سے انحراف کی قیمت کبھی اپنی عفت مآب بیٹیوں (جیسا کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی زندہ مثال ہیں) اور قیمتی بیٹوں سے دستبرداری کی صورت چکانا پڑتی ہے اور کبھی عالمی

Marfat.com

استعمار کی رضا جوئی کے لیے بین الاقوامی قوانین کو سبوتاژ کر کے اپنے دوست مذہبی بھائی ہمسایہ ملک کے سفیر (مُلا ضعیف) کو اس کے دشمن ملک کے حوالے کرنے کا ظالمانہ اقدام اٹھانا پڑتا ہے۔ کبھی اپنے عوام پر اندھی غیر ملکی جارحیت کو ڈرون حملوں کی صورت برداشت کرنا پڑتا ہے اور کبھی سی آئی اے، را اور موساد کے دہشت گردوں کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں ہونے والے خودکش حملوں سے ملکی اُمن و اَمان کا تہہ و تیغ ہونا بھگتنا ہوگا۔ الحفیظ والاَمان۔

عصری عالمی قوتوں کا ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے ذریعے ''عالمی نظامِ عدل کے قیام'' کا دعویٰ - حقیقت اَحوال کی روشنی میں:

روسی سوشلزم ہی نہیں، امریکی کیپٹلزم بھی عدل و انصاف کی داعی ہونے کا زعم رکھتی ہے۔ اِس نے جدید دنیا میں اپنے استعمار کے پنجے مضبوط کرنے کے لیے ''نیو ورلڈ آرڈر'' متعارف کروایا جس کے بظاہر مقاصد انصاف کا بول بالا، حقوق انسانی کی پاسداری، آزادی کا تحفظ، انسانیت کی ترقی اور اُمن عالم کا قیام بتائے گئے، اُن کے مطابق دنیا ''گلوبل ولیج'' کا درجہ اختیار کر گئی ہے اِس دنیا میں عدل وانصاف کی نئی تاریخ رقم کرنے کے لیے اُمریکی قیادت ناگزیر ہے۔ ۶/ اگست ۱۹۹۰ء کو امریکی فوج جب عراق کی طرف بڑھ رہی تھی، جارج بش سینئر نیا عالمی نظام قائم کرنے کی بات کر رہے تھے۔ ۱۱/ ستمبر ۱۹۹۰ء کے کانگریس کے جوائنٹ سیشن میں ''خلیجی بحران'' کے موضوع پر خطاب کے دوران انہوں نے کہا: ''آج ہم لوگ ایک منفرد اور حیرت انگیز دور میں کھڑے ہیں۔ خلیج فارس (Persian Gulf) کا بحران ہمیں غیر معمولی موقع فراہم کر رہا ہے کہ ہم نئے تاریخی دور کی طرف کوچ کریں۔ اِس بے اطمینانی کے دور میں ہمارا پانچواں مقصد ہے ایک ''نیا عالمی نظام'' جو ایک نیا زمانہ ظہور میں لائے گا۔'' اس نئے عالمی نظام کے جو مقاصد بیان کیے گئے تھے بعد کے ماہ و سال نے ثابت کر دیا کہ وہ سب اشتراکیت کے ''عدلِ اجتماعی (social justice)'' کے نعروں اور وعدوں کی طرح حسین لفاظی کے سوا کچھ نہ تھے، جو عملاً نقشِ آب سے بڑھ کر حقیقت نہ پا سکے۔ جارج بش سینئر کے الفاظ میں ان مقاصد کی تفصیل یہ تھی: دہشت کے خطرہ سے آزاد، حصولِ انصاف میں زوردار اور اُمن قائم کرنے کی جدوجہد میں زیادہ محفوظ۔ ایک ایسا زمانہ جس میں دنیا کی قومیں، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ترقی کریں گی، اور ہم آہنگی کے ساتھ زندگی گزاریں گی۔ یکم اکتوبر ۱۹۹۰ء کے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خطاب میں مسٹر بش سینئر نے ''عالمی نظام'' کیلئے نئی پارٹنر شپ (عصری اصطلاح میں نیٹو تنظیم) قائم کرنے کا عندیہ دیا جس کا مقصد انہوں نے ''جمہوریت کا فروغ، ترقی، اُمن اور ہتھیار میں کمی'' بیان کیا۔ ۲۹/ جنوری ۱۹۹۱ء میں ''نئے عالمی نظام'' کی تفصیلات بتاتے ہوئے انہوں نے اس نظام کو ''بہت بڑا اُسلوبِ فکر'' قرار دیا اور اس نظام کو متعارف کروانے کا بنیادی محرک بیان کرتے ہوئے کہا ''آج تیزی سے بدلتی دنیا میں امریکہ کی قیادت ناگزیر ہے۔'' ۶/ مارچ ۱۹۹۱ء کو صدر بش نے خلیجی جنگ کے بعد امریکہ کی پالیسی پر بات کرتے ہوئے نئے عالمی نظام کے مسئلہ کو پھر اٹھایا اور کہا کہ مستحکم اور محفوظ دنیا کا قیام امریکہ کے مفاد کے لیے ضروری ہے۔ (امریکی مفاد کے لیے دنیا کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لیے امریکہ اب تک کئی کمزور ملکوں پر ننگی جارحیت کا مرتکب ہو چکا ہے اور مسلم دنیا کے بقیہ ممالک اور دیگر عالمی معاشی طاقتوں کو اندرونی خلفشار کا شکار کرنے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی بیرونی مداخلت اور ریشہ دوانیاں بھی اب کوئی سربستہ راز نہیں رہا) اس نئے نظام میں سیاسیات، معاشیات، آزادی،

Marfat.com

انسانی حقوق اور جمہوری ادارہ فروغ پائے گا۔ ہماری چند نسلوں نے امریکی values اور Ideals کی قدر کرتے ہوئے نیا بین الاقوامی نظام قائم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ حیرت انگیز اور ناممکن کام کو ممکن بنانا میری مٹھی میں ہے۔'' ۳۹

امریکی values اور Ideals کے فروغ کے لیے جو نیا بین الاقوامی نظام قائم کیا گیا اُس نے اقوام عالم کو ظلم اجتماعی کا شکار بنایا اُن کی آزادیاں رہن رکھ لی گئی۔ داخلی خودمختاری کا تصور گہنا گیا، کبھی شرمناک معاہدوں کی جکڑ بندیوں سے، کبھی معاشی پابندیوں کے طوقوں سے، کہیں انٹیلی جنس کے جال بچھا کے اور کہیں ڈرون حملے کر کے اقوام عالم کو ذلت سے دوچار کیا، اُن کے انسانی حقوق پامال کیے سیاسی اور معاشی فورم پر اسرائیلی غنڈہ ریاست کے جارحانہ عزائم کی پشت پناہی کی اور جمہوری اقدر کی حامل ریاستوں میں انارکی پھیلا کر امریکی مفاد میں کام کرنے والے مقامی ضمیر فروش آمر مسلط کروائے۔ لہٰذا ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا کاشن دیتے وقت امریکی صدر کے یہ الفاظ مبنی بر حقیقت معلوم ہوتے ہیں جن میں مسٹر بش سینئر نے بتایا کہ ہمارا ارادہ صرف یہ نہیں کہ اپنے عوام کو دنیا کے منظر عام پر لائیں اور اپنے مفاد کی تکمیل کریں۔ بلکہ ہمارا اُصل مقصد ایسی دنیا بنانے میں مدد پہنچانا ہے کہ ہماری بنیادی (ننگ آدم ننگ دین) اُقدار نہ صرف یہ کہ زندہ رہیں بلکہ فروغ پائیں۔۴۰ نیا عالمی نظام درحقیقت اقوام عالم کے اجتماعی وجود کو ظلم سے دوچار کرنے کی عالمی امریکی سازش ہے جس کا بنیادی مقصد امریکی چوہدراہٹ کا قیام اور استحکام ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر میں بین الاقوامی عدل، ہم آہنگی، ترقی، انسانی حقوق کا تحفظ اور آزادی کے تصورات ایسے خواب ہیں جن کی عملی زندگی میں کوئی تعبیر نہیں۔ آج امریکہ کی عالمی سازش پر مبنی ''نئے عالمی نظام'' کی خودغرضانہ پالیسی دنیا پر طشت از بام ہو چکی ہے۔ امریکہ اپنی عسکری قوت کے زور پر دہشت گردی کی نام نہاد جنگ کا جھانسہ دے کر دنیا میں اُمن عالم کی ردا تار تار کر رہا ہے۔ وہ خدا اور انسانیت کو درخور اعتنا گردانے کو تیار نہیں نتیجتاً عدل و انصاف اور عالمگیر اخلاقی اقدار خاک و خون میں دھندلا گئی ہیں۔ شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً حتی کہ شش جہاتِ عالم میں ''ترقی'' کے نام پر بے حیائی اور درندگی کا کلچر عام کیا جا رہا ہے امریکی اقدار ونظریات کے تحفظ کے جنون میں اقوام عالم کی داخلی خودمختاری کو روندا جا رہا ہے سفارتکاری کے لبادے میں امریکی (CIA)، بلیک واٹر، اسرائیلی موساد اور انڈین راء ایجنسیوں سے مل کر دنیا بھر میں صیہونی عزائم کی تکمیل میں اپنا جاسوسی نیٹ ورک پھیلا رہی ہے یہ انٹیلی جنس ایجنسیاں خود کو بین الاقوامی قوانین اور عدلِ اجتماعی کے اصولوں سے ماوراء خیال کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی چیرہ دستیوں سے کسی ملک کی عوام اور حکمران محفوظ نہیں امریکہ جب ''عدل وانصاف کے تحت انسانی حقوق'' کی بات کرتا ہے تو اِن حقوق کا عنوان محض امریکی عوام ٹھہرتی ہے وگرنہ دیگر اقوام عالم کو انسانی حقوق عطا کرنا کجا وہ حقوق بھی اُن کا مقدر نہیں گردانے جاتے جو امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک اپنے جانوروں کو عطا کرنے کے لیے شور مچاتے ہیں کشمیر، افغانستان، بوسنیا، چیچنیا، فلسطین کے عوام ایک طرف برما (میانمار) کے مسلمانوں کی تازہ مثال لیجیے جنہیں گاجر، مولی کی طرح کاٹ پھینکا گیا، ان گنت عصمت مآب خواتین کی آبروریزی کی گئی، مسلم بستیاں نذرِ آتش کی گئیں، کاروباری مراکز تباہ کر دیے گئے اور ہزاروں بے گھر مسلمانوں کو مہاجر کیمپوں میں سؤر کھانے اور شراب پینے پر مجبور کیا گیا انہیں کافرانہ مذہب اختیار کرنے کی شرط پر زندہ رہنے کا استحقاق دیا گیا لیکن حقوق انسانی کے عالمی ٹھیکیدار، عدل، امن اور آزادی کے نام نہاد چیمپین صیہونیت زدہ امریکی، برطانوی اور یورپی میڈیا نے اس پر مجرمانہ خاموشی اختیار کیے رکھی۔ یہ وہی میڈیا ہے جو چوہوں، کتوں اور بندروں کے حقوق پر گھنٹوں ڈاکومنٹری فلمیں چلا کر (Wild life)

Marfat.com

بحالی کے ضمن میں اپنی رحمدلی اور انسان دوستی کا ڈرامہ رچاتے ہیں۔ مسلم اُمّہ پر رواں ظلم کے حوالے سے خاموشی اختیار کرنے پر وہ شاعر کے اِس شعر کا مصداق ثابت ہوتے ہیں کہ

ہمیں خبر ہے لُٹیروں کے سب ٹھکانوں کی　　　شریکِ جُرم نہ ہوتے تو مخبری کرتے

نیو ورلڈ آرڈر ۹/۱۱ کے بعد جب نظریاتی لبادے سے نکل کر عملی پیرہن میں جلوہ افروز ہوا تو امریکی قوم کی انسانیت کو درندگی کا روپ دھارنے دیر نہ لگی پوری دنیا امریکی اسلحہ کی مارکیٹ بن گئی کیمیکل اور مہلک ہتھیاروں کے بے دریغ استعمال نے امریکی فوج کے نئے عالمی نظام کے قیام کے حوالے سے عزائم دنیا پر عیاں کر دیے، اقوامِ عالم کے قدرتی وسائل، بندرگاہوں، ہوائی راستوں اور تیل کے کنوؤں پر قبضہ بے لاگ آزادی کے ان متوالوں کا محبوب مشغلہ ٹھہرا۔ سیکولر جمہوریت کے فروغ کے نام پر دنیا کے بڑے مذاہب کو رسمی عبادات تک محدود کرنے کی مذموم سازشیں کی گئیں جس سے اقوام عالم کے مذہبی آزادی کے حق پر کاری ضرب لگی۔

متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اُس کی　　　تو ہراولِ لشکر کلیسا کے سفیر
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام　　　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

جنگی جنون میں مبتلا اِس قوم نے اقوام عالم کی خودمختاری اور سالمیت (integrity) کے چیتھڑے اڑا کر رکھ دیے دنیا پر اپنا تسلط چاہنے والی یہ درندہ صفت قوم اپنے موہوم دشمن کے تعاقب میں مسلم دنیا پر چڑھ دوڑی، اور ظلمِ اجتماعی کی وہ داستانیں تاریخ کا حصّہ بنیں جن کے سامنے فرعون، چنگیز خان، ہلاکو خان اور ہٹلر کی بربریت ہیچ ہو کر رہ گئی۔

عالمگیر نبوی نظامِ عدل میں نظامِ عدلِ اجتماعی کا تصور اور اُس کی ضرورت و اہمیت

اسلام عالمگیر مذہب ہے لہٰذا یہ تمام نسلی، جغرافیائی امتیازات ختم کرتا ہے، اور یہ دنیا کے ہر خطہ کے مظلومین کو انصاف کی فراہمی کا اہتمام کرتا ہے اسلام دینِ رحمت ہے لہٰذا دُنیا میں جہاں کہیں غربت، افلاس، ناداری، بے بسی اور ظلم نظر آئے گا اسلام اپنے متبعین کو وہاں مدد فراہم کرنے کی ہدایات مرحمت فرماتا ہے۔ اسلام نہ تو سوشلزم کے جبر کا حامی ہے نہ ہی کیپٹلزم کی طرح اکتساب دولت میں بے لاگ آزادی کا قائل ہے کیونکہ یہ اکتسابِ دولت میں تمام انسانوں کے لئے یکساں مواقع فراہم کیے جانے کا قائل ہے لہٰذا اسلام اُجارہ داریوں، ناجائز ذرائع سے دولت کمانے اور ناجائز اُمور پر دولت خرچ کرنے پر سخت قیود عائد کرتا ہے اِس طریقِ کار سے اسلام سوشلزم اور کیپٹلزم کے بین بین پوزیشن رکھتا ہے۔ اگر من حیث الکل اسلامی نظام کو دنیا میں نافذ العمل کر دیا جائے تو اسلامی نظام عدل کی برکات سے کوئی بھی فرد محرومی اور افلاس کا شکار نہیں ہو سکتا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ((تصدقوا، فإنّه یأتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقته فلا یجد من یقبلها......)) ترجمہ: ”اے لوگو! صدقہ دو، کیونکہ تمہارے اوپر (اسلامی) نظامِ معیشت کی برکت سے ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لئے لئے پھرے گا مگر وہ ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اُسے قبول کر لے۔ جس شخص کو بھی کہے گا لے لو وہ جواب دے گا تو کل آیا ہوتا تو میں لے لیتا۔ لیکن آج مجھے اِس کی ضرورت نہیں“۔ ۴۲

امریکن کیپٹلزم کے متعارف کردہ ”نئے عالمی نظام“ میں تصور عدل و انصاف کے مقابلے میں اسلام نے دنیا کو چودہ سو

Marfat.com

سال قبل جس عالمگیر نبوی نظام عدل سے متعارف کروایا اُس کی شان یہ تھی کہ دوست تو دوست کسی دشمن گروہ، قبیلے یا ملک کی دشمنی بھی انسان کو اِس بات پر اُبھارنے والی نہ بن جائے کہ وہ عدل نہ کرے (لہٰذا حکماً فرمایا گیا کہ) عدل کرو کہ وہ قرب الٰہی کی معراج یعنی تقویٰ پانے کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ ۴۳۔ اسلامی ریاست دراصل اس بنیاد پر قائم ہوتی ہے کہ وہاں مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا بہترین معاشرہ ہو جس میں انصاف، مساوات، شورائیت، اخلاق اور معاملہ بالمثل کی بنیاد پر معاملات انجام پاتے ہوں۔ اِن معاملات میں وضع داری اور تقویٰ کو ملحوظ رکھا جاتا ہو، نہ صرف مسلمانوں کے بارے میں بلکہ غیر مسلمانوں کے بارے میں بھی۔ اسلام میں تمام انسانی تعلقات انصاف کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کو برابر تصور کیا جاتا ہے۔ قانون کے سامنے کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔ ۴۴

نبی اکرم ﷺ کا عالمگیر نظام عدل، معاشرتی زندگی میں نظامِ عدل کو اِس درجہ اہمیت دیتا ہے کہ مساویانہ بنیادوں پر تمام انسانوں کے جان، مال، اور عزت کو تقدس کا درجہ عطا فرماتا ہے۔ حدیث نبوی ہے: ((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ، وَمَالُهٗ، وَعِرْضُهٗ)) ۴۵ حتیٰ کہ معاہد کے ناحق قتل پر بھی نبی اکرم ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ((مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَاِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا)) ۴۶ ترجمہ: جو کسی معاہد کو (ناحق) قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک محیط ہوتی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں کسی ایک جان کے قتلِ ناحق کو پوری انسانیت کے قتل کے برابر گردانا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ ۴۷ پیر محمد کرم شاہ الأزہری فرماتے ہیں: ''اسلام، معاشرہ کی تعمیر جن عمدہ اور صالح بنیادوں پر کرنا چاہتا تھا اُس میں اِس قسم کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کی گنجائش ہرگز نہ تھی اس لیے اس حکم سے باہمی قتل و غارتگری کے دروازے بند کر دیے گئے اگر کوئی شخص قتل کرتا تو قاتل کی طاقت اور اُس کے قبیلے کی قوت اُس کو قتل کی سزا سے بچا نہیں سکتی تھی بلکہ مقتول کے وارث کو اختیار تھا کہ چاہے وہ قصاص (خون کے بدلہ خون) لے، چاہے دیت (خون بہا) لے کر صلح کرلے۔ مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار دینے کے بعد اُنہیں اِس سے بھی روک دیا کہ وہ قصاص لینے میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیں''۔ ۴۸

''عدلِ اجتماعی'' کی ردا تار تار کرنے والا ایک اور سنگین جرم زنا ہے یہ بین الأقوامی سطح پر معاشرتی بگاڑ کا موجب معمہ ہے جو انسانی نسلوں کو عدل وقسط کی راہوں سے ہٹا کر شیطنت کی گم گشتہ (puzzle) راہوں پر خوار کرتا ہے اور معاشرتی پاکیزگی اور نظر وفکر کی بالیدگی کو فساد کا شکار کر دیتا ہے جس سے قوائے انسانی انتشار کا شکار ہو کر صحت کی نعمت کھو بیٹھتے ہیں، معاشرے میں فتنہ عام ہوتا ہے، جرائم نمو پاتے ہیں، فکر انسانی کا قدرتی ارتقاء رک جاتا ہے، اجتماعی اخلاقیات کا جنازہ نکل جاتا ہے، نوجوان نسل جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ مولانا محمد ظفیر الدین فرماتے ہیں شریعت (محمدیہ) نے اسی وجہ سے ہر اُس طریقہ سے منع کیا ہے جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے کسی فتنہ وفساد یا گناہ اور معصیت کا اندیشہ سامنے آسکتا ہے۔ سید الکونین ﷺ نے سارے دواعی پر کڑی نگرانی فرمائی ہے، کوئی بھی داعیہ جو عقل وشعور میں معصیت کا موجب ہو سکتا ہے اس کو عمل میں لانے سے

Marfat.com

منع فرما دیا ہے۔۴۹ لہٰذا شریعت محمدی نے اس ضمن میں بنی نوع انسان کو یہ حکم مرحمت فرمایا ہے کہ ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ ۵۰ یعنی ظاہر اور پوشیدہ فواحشات کے ارتکاب سے بچو اور ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ ۵۱ زنا (کی طرف مائل کرنے والے امور کے) قریب بھی نہ جاؤ۔ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی اسے بلیغ ترین قول قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حواس و ادراک کے ذرائع مثلاً بصارت، سماعت اور دل وغیرہ کو ہر اُس فعل سے باز رکھا جائے جو زنا و بدکاری کی ترغیب دلانے کا باعث بنے ۵۲ اس ممانعت کی وجہ حکمت یہ ارشاد فرمائی ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِيلًا﴾ ۵۳ یعنی زنا کا شمار، ارتکاب فواحش میں سنگین اَمر گردانا گیا ہے۔ کیونکہ علامہ القشیری کے الفاظ میں یہ حرمتِ حق کو ضائع کرنے والا، نسب کو خلط ملط کرنے والا (یعنی مشتبہ بنانے والا)، اور فساد برپا کرنے والا فعل شنیع ہے۔ ۵۴

معاشی طور پر نظامِ عدل کے استحکام کے لیے عالمگیر نبوی نظامِ عدل میں جو نسخہ تجویز کیا گیا ہے وہ جمع و تصرف مال میں میانہ روی کی عادت اختیار کرنا ہے۔ لہٰذا ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ ۵۵ یعنی اعتدال کی روش اپناتے ہوئے اپنے اخراجات کنٹرول میں لاؤ گے تو محتاجوں کی دستگیری کیلئے تمہارے پاس زرِ تعاون کی دستیابی ممکن ہو پائے گی۔ جس سے گردشِ دولت میں اعتدال اور تقسیم دولت میں انصاف کی روح بحال کرنے میں مدد ملے گی۔ نیز عالمگیر نبوی نظامِ عدل نے (fair dealing) کے تصور پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ﴿وَ أَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾ ۵۶ یعنی پورا پورا (عدل سے) ناپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو اپنے اُس ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو۔

نبی کریم ﷺ کے عالمگیر نظامِ عدل نے غلامانِ مصطفیٰ کو اِس درسِ حق سے نوازا ہے علمی و اخلاقی اقدار مستقل اور دائمی (permanent & absolute values) ہے لہٰذا مؤمنین کو چاہیے کہ وہ علم و یقین کی حقیقتوں پر ایمان و استحکام سے آگے بڑھیں اور وہم و تخمین کی پر پیچ وادیوں میں سرگرداں ہو کر شیطانی نظامِ ظلم کا حصہ نہ بنیں۔ لہٰذا ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ ۵۷ یعنی اُس چیز کی پیروی نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں۔ اقوامِ عالم کی ترقی میں علم و یقین میں پختگی کلیدی کردار ادا کرتی ہے جس سے فکر و نظر میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور قومیں حیات جاودانی میں مستحکم اخلاقی اقدار سے دنیا کو روشناس کرواتیں اور اَمر ہو جاتیں ہیں، جبکہ علمی و اخلاقی اقدار کو وقتی اور اضافی (relative value) خیال کرنا علم و فکر کو ظن و تخمین کی ناپختہ بنیادوں پر استوار کرنے کا موجب بنتا ہے جو انسانیت کے لیے کس درجہ مہلک ہے اِس کا اندازہ امریکہ کی ان تباہ کاریوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اُس نے محض مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کے شبہے کا واویلا کرتے ہوئے عراق میں پھیلائیں اور ظلم و بربریت کی تاریخ کو نئے انداز میں رقم کرنے کا باعث بنا۔ امریکہ اور اس کے ساتھ نیٹو ممالک آج تک دہشت گردی، انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کی مبہم اصطلاحات کی مستقل تعریف (definition) پیش کرنے سے قاصر ہیں، لیکن انہی مبہم اصطلاحات کو وضع کر کے یہ ممالک اقوام عالم پر دست اندازی کا استحقاق جتلائے پھر رہے ہیں اور کمزور مسلم ممالک کو تختۂ مشق بنائے بیٹھے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے علمی و اخلاقی اقدار کے مستقل اور دائمی ہونے کی جو تعلیم اپنے پیروکاروں کو مرحمت فرمائی ہے، اُس تعلیم کا مقصود یہ ہے کہ امت محمدیہ علم و یقین کا روشن چراغ ہاتھوں میں لے کر زندگی کے نشیب و فراز کو طے کرتے

Marfat.com

ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھتی جائے، عقائد کی دنیا ہو یا عمل کا میدان، اخلاق کا گلستاں ہو یا معاملات کی پرخار وادیاں جہاں بھی زمامِ کار یقین کے ہاتھ سے نکل کر ظن وتخمین کے ہاتھ میں آئی سمجھو کہ اب انسانیت کا بیڑہ گردابِ ہلاکت میں ڈوبا کہ ڈوبا۔۵۸؎ آزادی، اَمنِ عالم کے قیام،حصولِ انصاف اور ترقی کے زینے طے کرنے کے لیے اِس سے بہتر اور مؤثر تعلیمات -جو عالمگیر،کامل، دائمی،اَبدی اور ہمہ گیر ہیں-ممکن نہیں،ایسی کامل واَرفع تعلیمات کو انسانی فکر کا ارتقاء خیال کرنا بذاتِ خود نا انصافی اور ناقص عقلِ انسانی کا بہکاوا ہے۔اعتدال پسندی کا ایسا شاہکار انبیاء کرام کو دی گئی الہامی عطاء کا صدقہ ہی ہوسکتا ہے جوفکر ونظر میں میانہ روی ایسی بے مثال نظیر رقم کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

عالمگیر نبوی نظامِ عدل کا طرّہ امتیاز اس کا تصورِ مسئولیت ہے۔جو ہر طبقہ فکر سے متعلقین-خواہ شاہ ہو یا گدا، آجر ہو یا اجیر،فیکٹری مالکان ہوں یا مزدور-کو عدلِ اجتماعی (social justice) کی راہوں پر گامزن رہنے پر مجبور کرتا ہے لہٰذا ارشاد ربانی ہے: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ ۵۹؎ یعنی اُمت (ایجابی وسلبی) کا ہر فرد جو عدل وقسط کے الہامی نظام سے تجاوز کا مرتکب ہوگا اُسے اللہ قادر مطلق کے حضور اپنی بے اعتدالیوں کے لیے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

دور جدیدیت کی عطاء ''عدلِ اجتماعی'' کا تصور اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اُس کی ضرورت واہمیت کا تقابلی وتنقیدی جائزہ

اسلام نے عدلِ اجتماعی کے قیام کے لیے معاشرتی زندگی کی فضا مؤثر اخلاقی ترغیبات پر ہموار کی ہے جبکہ اشتراکیت کا تصورِ ''عدلِ اجتماعی'' تضادِ قول وفعل کا شاخسانہ ہے۔تعلیماتِ نبوی ﷺ کے عطاء کردہ تصورِ ''عدلِ اجتماعی'' کی معاشرے میں عملی تطبیق (Implementation) میں انسانیت کی فلاح کا نسخہ کیمیا مضمر ہے جس کی تعلیم سیرۃ نبوی ﷺ کے شب و روز میں مجسم طور پر میسر فرما دی گئی ہے۔ عدل کی ایک قسم انفرادی عدل ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسا طرزِ زیست اپنائے جو افراط وتفریط سے مبرا ہو اور دیگر ابنائِ معاشرہ کے ساتھ ایسا طرزِ معاشرت اَپنانا جو انتہا پسندی پر مبنی نہ ہو وہ عدلِ اجتماعی کی خشتِ اَوّل ثابت ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں دورِ جدیدیت کی گمراہ کن اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ''عدلِ اجتماعی'' ہے جو حسین لفاظی اور غلط تعبیر کا مرقع ہے، یہ اصطلاح، ہیگل (Hegel) کے ریاستی فوقیت کے نظریہ، مارکس (Marx) کے طبقاتی نظام کے خاتمے کے نعرے اور روسو (Rousseau) کے ''نظریہ ارادہ عامہ'' (General will) کی نمائندگی کرتا ہے، بالخصوص کارل مارکس کا طبقاتی نظام کے خاتمے کے لیے اختراع کردہ ''تصورِ عدلِ اجتماعی'' اپنے لفظی ترکیبی معنی کے بجائے ''تصورِ مساوات'' کے انوکھے پہلو کی ترجمانی کرتا ہے، انیسویں صدی میں بلند کیے گئے اس دعوے کی حقیقت کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں پرکھنا اور معاشرتی عدل وانصاف کے حقیقی تصور کو اُجاگر کرنا مقالہ ہٰذا کا مقصود ہے۔

اہل مغرب عدلِ اجتماعی کے روحِ رواں تصور، ''تصورِ مساوات'' کے یہ معنی لیتے ہیں کہ صرف جسمانی ضروریات یا معاشرتی ضروریات اور انہیں پورا کرنے کے حقوق کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ہر اعتبار سے سارے انسان مساوی ہیں۔ لہٰذا انسانوں کے درمیان درجہ بندی نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ ذہنی استعداد کے لحاظ سے انسانوں میں جو لازمی فرق ہوتا ہے

Marfat.com

اُسے بھی یہ لوگ ماننے کو تیار نہیں۔ اسی اُصول کی بناء پر وہ یہ مطالبے کرتے ہیں کہ سب لوگوں کو ایک جیسا کھانا، کپڑے، مکان وغیرہ ملیں۔ اِس سے بھی زیادہ مہمل مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ سب کو تعلیم بھی ایک جیسی ملے۔ اِسی اُصول کی بناء پر یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ دینی معاملات میں بھی سب کا درجہ مساوی ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ مساوات کا یہ تصور انسانی فطرت کے حقائق کے بالکل خلاف ہے، اور اس پر عمل بھی نہیں ہوسکتا۔ اِس کا عملی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نہ صرف ''انسان'' کو بلکہ ''عام آدمی'' کو ہر چیز کا آخری معیار بنا لیا گیا ہے۔ چونکہ ''عام آدمی'' اپنی سطح سے اوپر اٹھنے کی استعداد نہیں رکھتا، اس لئے دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ سب کے سب نیچے اتر کے ''عام آدمی'' کی سطح پر آ جائیں۔ اصرار اِس بات پر ہے کہ جس طرح معاشرتی دائرے میں کسی کو بڑا چھوٹا نہیں سمجھا جانا چاہئیے، اسی طرح ذہنی دائرے میں بہتر اور کمتر کا سوال نہیں اُٹھنا چاہیے اسی لیے بیسویں صدی کو ''عام آدمی کی صدی'' کا نام دیا جاتا ہے۔٦٠

ع جنوں کو خرد، خرد کو جنوں کا نام دے جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

اہلِ مغرب اِس عقلی دیوالیے پن کو ''عدلِ اجتماعی'' کا نام دیتے ہیں جو کہ کلیتاً ایک غیر فطری اور غیر انسانی تصور ہے۔ اسلام اِس اَمر کا اعتراف کرتا ہے کہ نظام کائنات کے جملہ اَفعال کی تنظیم میں ''تصورِ عدل'' نمایاں مقام رکھتا ہے جس کی اَہمیت سے انکار ممکن نہیں، اسلام کے تصورِ عدلِ اجتماعی میں اَفراد سے متعلق اپنائے گئے حکومتی رویے کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ بطور حکمران حضور ﷺ کی صفتِ عدل اسلامی ریاست کے حکمرانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ کی عطاء کردہ تعلیمات میں عادل حکمران کی بڑی شان بیان فرمائی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: ((روزِ قیامت لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس میں مقرب ترین اِمامِ عادل ہوگا جبکہ روزِ قیامت لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور اُن سب سے زیادہ شدید ترین عذاب میں ظالم حکمران ہوگا))٦١ کیونکہ عادل حکمران کی نزدیک (حضرت اُبوبکر صدیق کے الفاظ میں) جو کمزور ہوتا ہے وہ طاقتور گردانا جاتا ہے تاوقتیکہ عادل حکمران ریاست کے طاقتور اَفراد اسے اُس کا حق نہ دلا دے۔ حدیث نبوی ہے کہ ((أُمِرْتُ أَنْ آخُذَ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، فَأَرُدَّهَا فِيْ فُقَرَائِهِمْ)) ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُن کے مالداروں سے صدقہ (واجبہ یعنی زکوٰۃ) وصول کروں اور ان کے غرباء میں تقسیم کروں٦٢ یہی وہ حکم تھا جو آپ ﷺ اپنے موالی کو کسی قوم کی طرف بھیجتے ہوئے مرحمت فرماتے تھے٦٣ لیکن اِس تنبیہ کے ساتھ کہ لوگوں سے صدقات کی وصولی کے وقت اُن کا بہترین مال نہ لیا جائے بلکہ وہ مال لیا جائے جو متوسط درجہ کا ہو۔ تعلیم وتدبیر معاشرتی عدل کے نفاذ کے لیے بہترین نفسیاتی ومعاشی حکمتِ عملی ثابت ہوئی جو اَموال کی موصولی کے وقت پیش آمدہ بیشتر مفاسد سے نجات کا باعث بنی۔

گویا تعلیماتِ نبوی ﷺ کی اتباع میں عادل حکمران ہر وقت اِس فکر میں شب و روز بسر کرتا ہے کہ اپنی ریاست میں اَمن و اَمان کو بحال اور عوام کو خوشحال رکھنے کے لیے عدل و انصاف کی فراہمی کس طرح عام اور آسان بنائے اور ایسے کون سے اقدامات کرے جو عصری اقتضایات سے مطابقت بھی رکھتے ہوں اور شر پسند طبقے کی حوصلہ شکنی میں معاون و مددگار بننے کی اَہلیت بھی رکھتے ہوں یہی وجہ ہے کہ نبی اَکرم ﷺ نے اِمامِ عادل کی اِن کاوشوں اور فکر مندیوں کا انعام ان اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے: کہ روزِ قیامت جب عرش کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اُس روز اللہ تعالیٰ سات لوگوں کو اِس سایے میں جگہ عطا

Marfat.com

فرمائیں گے:(وہ یہ ہوں گے)((عادل إمام ...... الخ)) ٦۴

دور جاہلیت کے وہ اقدامات جن سے معاشرتی عدل کو تقویت ملتی ہو آپ ﷺ نے عہد نبوت میں بھی ان کی تعریف و توضیح فرمائی مثلاً عدلِ اجتماعی کے فروغ میں دورِ جاہلیت کے عظیم معاہدے حلف الفضول کے بارے میں نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے: عبداللہ بن جُدعان کے گھر میں جو معاہدہ کیا گیا تھا اور میں اُس میں شریک تھا وہ مجھے سُرخ اونٹوں سے زیادہ عزیز اور پسند ہے اور اگر آج اسلام کی حالت میں بھی مجھے اُس کی دعوت دی جائے تو میں قبول کرلوں گا۔ ٦۵

مغربی عدلِ اجتماعی کے تصور کے مبلغین کسی مزدور کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتے کہ وہ اُسے مارکس، لینن اور اینجلز کے جانشیں حکمرانوں کے مساوی لا بٹھائیں گے لیکن تعلیمات نبوی ﷺ نے ایسا کامل عدلِ اجتماعی متعارف کروایا ہے کہ شارع اُعظم ﷺ کی تعلیمات میں صراحتاً فرمادیا گیا ہے کہ ((اسْمَعُوْا وَ أَطِیْعُوْا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِیٌّ کَأَنَّ رَأْسَهٗ زَبِیْبَةٌ))

ترجمہ: (اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کے تابع فرماں حکم دینے والے حاکمِ وقت کی بات) سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر حبشی غلام ہی حکمران کیوں نہ بنا دیا گیا ہو جس کا سر کشمش کے دانے کی طرح ہو۔ ٦٦

کارل مارکس اور لینن کے پیروکار ''عدلِ اجتماعی'' کے مصنوعی دعووں کے تحت یونانی فلسفی افلاطون کے انفرادیت کش، اورقومی زندگی کے اشتراکی نقطۂ نظر کی ترویج کرتے ہیں جو اشتراکِ معاشرہ کے تصور میں اِس درجہ انتہا پسندی کا قائل تھا کہ وہ بیویوں اور بچوں میں بھی اشتراک پسندی چاہتا تھا اُس کے مطابق جنگ اور بیماری وغیرہ سے ریاست کے باشندوں میں ہو جانے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے حکمران کی مرضی سے افزائشِ نسل مشترکہ طور پر کی جائے گی کوئی عورت کسی مرد کی ذاتی بیوی نہیں ہوسکتی۔ صرف یہ خیال رکھا جائے گا کہ بہتر مرد، بہتر عورت سے خلوت کرے۔ ٦٧ حقوق نسواں کے علمبردار کہلانے والوں کے ذہنی اپاہج پن کی اِس سے زیادہ کیا رذیل صورت ہوسکتی ہے؟! اگر اُن کے اِس تصور کو معاشرے پر لاگو کر دیا جائے تو انسانی تہذیب وتمدن میں بے حیائی کا ایسا طوفانِ بدتمیزی برپا ہو جائے کہ انسانی زندگی سے عفت وعصمت کا تصور مفقود ہو کر رہ جائے۔ آج اہل مغرب کے بہترین دماغ اسی فحاشی سے نالاں ہو کر اسلامی تہذیب کی پاکیزہ وادی میں پناہ لے رہے ہیں۔ ان مفکرین میں نومسلم فرانسیسی فلسفی رینے گینوں (ت: ١٩۵١ء) اسلامی نام عبد الواحد یحییٰ، یہودیت سے اسلام کی طرف کُوچ کرنے والی عالمہ مریم جمیلہ، اسلامی عقائد کے حسن کے اُسیر اور مغربی فکر کی کجیوں پر قلم اٹھانے والے نومسلم محمد اُسد، اور مارما ڈیوڈ پکتھال، اور برطانوی نومسلمہ صحافی یوآنے ریڈلے اہل مغرب کے جگر کے ٹکڑے تھے جو خورشیدِ اسلام کی روشنی کے سحر میں یورپ کی رنگینیوں کو ٹھکرا کر فرحاں اور شاداں زیست پر نازاں رہے۔ اِنہی تابناک ستاروں میں ایک اور روشن مثال نومسلم ''رابرٹ غیلیم'' کی ہے جو امریکی انسٹیٹیوٹ کے علم جنسیات کے محقق ایک یہودی سائنسدان تھے۔ ''رابرٹ غیلیم'' کے قبول اسلام کی خبر ٢٦/ اگست ٢٠١٢ء کے اخبارات کی زینت بنی جس میں اُس نے اپنے قبولِ اسلام کی وجہ یہ بیان کی کہ دین اسلام نے منکوحہ اور مطلقہ عورتوں کو عدت گزارنے کا جو بیش بہا حکم مرحمت فرمایا ہے یہ حکم معاشرتی زندگی کا تصور عفت وعصمت مضبوط بناتا ہے، اَنساب کو خلط ملط ہونے سے روکتا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِس حیران کُن نتائج کے حامل پُر حکمت نظام کے زیرسایہ زندگی بسر کرنے والی خواتین دنیا کی سب سے پاکیزہ خواتین ہیں۔ ٦٨ علومِ مادیہ کے ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون

Marfat.com

میں لکھتا ہے: ''بعض فلاسفہ انسان کی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب، پاک اور بیحد پاکیزہ ہے بشرطیکہ ہر مرد اور عورت اپنے اُن مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اُن کے لیے قرار دیے ہیں اور اپنے اُن فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اُن سے متعلق کر دیے ہیں''۔ ۶۹

رات بھر کا ہے مہماں اندھیرا ۔ کس کے روکے رُکا ہے سویرا
رات جتنی بھی سنگین ہوگی ۔ صبح اُتنی ہی رنگین ہو گی
غم نہ کر، گر ہے بادل گھنیرا ۔ کس کے روکے رُکا ہے سویرا

مغربی ''تصور عدلِ اجتماعی'' کے حاملین آجر واجیر، مزدور وکارخانہ دار کے مابین 'معاشی مساوات' کا نعرہ بلند کر کے عوام سے ذاتی ملکیت کا حق تک چھین لیتے ہیں کیونکہ اُن کا جدِ اَمجد افلاطون (Plato) تو انسانوں کے انفرادی حقوق اور آزادی کا قائل نہیں۔ اُس کے مطابق فرد کے اپنے مفاد میں بھی یہ ہے کہ وہ اجتماعیت کا حصّہ بن کر معاشرے اور ریاست کی فلاح و بہبود کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ ۷۰ وہ کہتا ہے کہ Justice or Right is nothing but the name given by the men actually holding power in any state to any action they enjoy by law upon their subjects.(71) یعنی حقوق کا زیادہ سے زیادہ تصور اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حکمران طبقہ عوام پر قانونی دسترس حاصل کر کے حکمرانی کرے۔ یوں فردِ واحد یا قلیل گروہ کے اُفکار پورے معاشرے پر جبراً لاگو کر کے اُن کا آزادیِ اظہارِ رائے تک کا حق مسدود کر دیا جاتا ہے، فکر پر قدغنیں لگائیں جاتی ہیں، جاسوسی نیٹ ورک سے عوام پر قانون کا شکنجہ کسا جاتا ہے۔ اِس ضمن میں مولانا مودودی رقمطراز ہیں کہ بالفرض اِس (نظام) کے ذریعے معاشرے میں دولت کی مساوی تقسیم ہو بھی سکے ۔ درآنحالیکہ آج تک کوئی اشتراکی نظام ایسا نہیں کر سکا ہے۔ تب بھی کیا عدل محض معاشی مساوات کا نام ہے؟ میں یہ سوال نہیں کرتا کہ اِس نظام کے حاکموں اور محکوموں کے درمیان بھی معاشی مساوات ہے یا نہیں؟ میں یہ نہیں پوچھتا کہ اِس نظام کا ڈکٹیٹر اور اُس کے اندر رہنے والا ایک کسان کیا اپنے معیارِ زندگی میں مساوی ہیں؟ میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ اگر اِن سب کے درمیان واقعی پوری معاشی مساوات قائم بھی ہو جائے تو کیا اِس کا نام اجتماعی عدل ہوگا؟ کیا عدل یہی ہے کہ ڈکٹیٹر اور اُس کے ساتھیوں نے جو فلسفہ گھڑا ہے اُس کو تو پولیس اور فوج اور جاسوسی نظام کی طاقت سے بالجبر ساری قوم پر مسلط کر دینے میں بھی آزاد ہو۔ مگر قوم کا کوئی فرد اُس کے فلسفے پر یا اُس کی تنفیذ کے چھوٹے سے چھوٹے جزوی عمل پر محض زبان سے ایک لفظ نکالنے تک میں آزاد نہ ہو؟ کیا یہ عدل ہے کہ ڈکٹیٹر اور اُس کے مٹھی بھر حامی اپنے فلسفے کی ترویج کے لیے تمام ملک کے ذرائع و وسائل استعمال کرے اور ہر قسم کی تنظیمات بنانے کے حقدار ہوں، مگر اُن سے مختلف رائے رکھنے والے دو آدمی بھی مل کر کوئی تنظیم نہ کر سکیں، کسی مجمع کو خطاب نہ کر سکیں اور کسی پریس میں ایک لفظ بھی شائع نہ کرا سکیں؟ کیا یہ عدل ہے کہ تمام زمینداروں اور کارخانہ داروں کو بے دخل کر کے پورے ملک میں صرف ایک ہی زمیندار اور کارخانہ دار رہ جائے جس کا نام حکومت ہو، اور وہ حکومت چند گنے چنے آدمیوں کے ہاتھ میں ہو، اور وہ آدمی ایسی تمام تدابیر اختیار کر لیں جن سے پوری قوم بالکل بے بس ہو جائے اور حکومت کے اختیارات کا اُن کے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے ہاتھوں میں چلا جانا قطعی ناممکن

Marfat.com

ہو جائے؟ انسان اگر محض پیٹ کا نام نہیں ہے اور انسانی زندگی اگر صرف معاش تک محدود نہیں ہے، تو محض معاشی مساوات کو عدل کیسے کہا جا سکتا ہے؟! زندگی کے ہر شعبے میں ظلم و جور قائم کر کے اور انسانیت کے ہر رُخ کو دبا کر صرف معاشی دولت کی تقسیم میں لوگوں کو برابر بھی کر دیا جائے اور خود ڈکٹیٹر اور اُس کے ساتھی بھی اپنے معیارِ زندگی میں لوگوں کے برابر ہو کر رہیں تب بھی اِس ظلمِ عظیم کے ذریعہ سے یہ مساوات قائم کرنا اجتماعی عدل قرار نہیں پا سکتا بلکہ یہ وہ بدترین اجتماعی ظلم ہے جس سے تاریخِ انسانی کبھی اِس سے پہلے آشنا نہ ہوئی تھی۔[2]

اسلام میں اِس اَمر کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص یا انسانوں کا گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اُس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑ لے اور اُسے بالجبر لوگوں پر مسلّط کر دے۔[3] نبی اکرم ﷺ نے کعب بن عُجرۃ سے فرمایا: ((اے کعب بن عُجرۃ! ہم نادانوں کی حکمرانی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں))۔ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! نادانوں کی حکمرانی سے کیا مراد ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جو نہ میری (بتائی ہوئی راہ) ہدایت پر چلیں گے اور نہ ہی میری سنّۃ (کی اتباع) میں زندگی بسر کریں گے پھر جو اُن (کی خوشنودی کے لیے اُن) کے جھوٹ (پر مبنی اَوامر) کی تصدیق کریں گے اور اُن کے ظلم (کی کارروائیوں) میں اُنکی معاونت کریں گے نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ ہی میں اُن سے ہوں وہ (روزِ قیامت) میرے پاس میرے حوض (کوثر) پر نہ آسکیں گے اور جو اُن (نادان اور ظالم حکمرانوں) کے جھوٹے (اُمور واَوامر) کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہی اُن کے ظلم (کی کارروائیوں) میں اُنکی معاونت کریں گے وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں))[4] اسلام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا درس دینے آیا ہے۔ اسلام کا تصور ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾[5] انسان کو مذکورہ سابقہ تمام تردُّدات میں پڑنے سے بچا لیتا ہے۔ اور بنی آدم کو مساواتِ نسلِ انسانی کا یہ بے مثال تصور عطا فرمایا ہے کہ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾[6] ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمھیں گروہوں اور قبائل میں منقسم کیا تا کہ تم پہچانے جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ کے حضور تم میں سے سب سے بڑھ کر عزّ و شرف والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے بڑھ کر پرہیز گار ہے''۔ نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا ''تصورِ مساوات'' یہ ہے کہ ہر شخص جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لائے وہ شریعت کی رُو سے مسلمانوں کی قوم میں بالکل مساوی حقوق کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے۔ یہاں نسل، زبان، ملک، وطن، رنگ کسی چیز کا بھی کوئی امتیاز نہیں۔[7] مساواتِ نسل انسانی کا اِس سے بڑھ کر خوبصورت، علی الحق، اور معتدل نقطہ نظر ممکن نہیں جس کا مقصود -ابنِ کثیر کے الفاظ میں- بنی نوع انسان کو یہ سمجھا دینا ہے کہ ''إنّما تتفاضلون عند اللّٰه بالتقوى لا بالأحساب''[8] یعنی تمہیں اللہ کے حضور تقویٰ اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرنے سے فضیلت (وقربِ الٰہی) نصیب ہو گا نہ کہ تمہارے حسب نسب شرف و بزرگی کا معیار ٹھہریں گے۔

حضرت ابُوھریرۃؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عصبِیَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَ فَاجِرٌ شَقِيٌّ اَنْتُمْ بَنُوْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَيَدَعَنَّ رِجَالٌ فَخْرَهُمْ بِأَقْوَامٍ اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنَّمَ......الخ)) ترجمہ: بے شک اللہ عزّ وجلّ نے تم سے دورِ جاھلیت کا تفاخر اور اپنے آباؤ و اجداد پر اِترانا ختم فرما دیا ہے

Marfat.com

(لوگ دو گروہوں) پرہیز گار مؤمن اور بدبخت گنہگار (میں منقسم ہیں) تم سب آدم علیہ السلام کی اُولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے لوگوں کو اپنی قوموں پر فخر کرنا ضرور بضرور چھوڑنا ہو گا (وگرنہ) وہ جہنم کے ایندھن میں سے ایک ایندھن (بننے والے) ہیں۔۷۹

انسانی معاشرے میں حسب و نسب کے علاوہ مال و دولت، مقام و مرتبہ اور اقتدار کو عدمِ مساوات کے محرکات اور (Status symbols) گردانا جاتا ہے جس سے متأثر لوگوں نے مارکسی ایجنڈے کے ''تصورِ عدلِ اجتماعی'' کو اپنا محسن خیال کیا لیکن اِس بلاء نے اُن کے بنیادی حقوق اور آزادیاں تک سلب کر لیں۔ نبی اُکرم ﷺ نے حسب و نسب کے ساتھ ساتھ عدمِ مساوات کے مالی و دیگر داعیوں کا علاج اِس خوبی سے فرمایا کہ اُغنیاء کو مال کی بنیاد پر فقراء پر کوئی وجہ تفاخر باقی نہ رہا اور معاشرتی زندگی کئی نفسیاتی روگوں اور اخلاقی وقانونی جرائم سے نجات پا گئی نبی اُکرم ﷺ نے فرمایا کہ ((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَ لٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ)) ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں (کے خلوص) اور تمہارے اُعمال کو دیکھتا ہے''۔۸۰

کارل مارکس کے ''تصورِ عدلِ اجتماعی'' میں حکمران طبقہ اور عوام، قانون کی نظر میں مساوی قرار نہیں پاتے نہ ہی عدالتی کٹہرے میں حاکم اور رعایا کو ہم پلہ فریقین گردانتے ہوئے یکساں قانونی حقوق عطا کیے جاتے ہیں تو پھر ایسا نظام حقیقی معنوں میں ''عدلِ اجتماعی'' کہلانے کا کیونکر سزاوار ہو سکتا ہے؟ اِس مغربی ''تصور عدلِ اجتماعی'' کے برعکس اسلام کے تصور عدلِ اجتماعی (social justice) میں کوئی شخص قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ نبی اُکرم ﷺ کا فرمان ہے ((اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ)) ترجمہ: ''مسلمانوں کا خون برابر ہے اپنے ماسوا پر وہ یک دست ہیں اور اُن کا کم حیثیت شخص بھی اُن کی طرف سے ذمہ داری لے سکتا ہے''۔۸۱

اسلام کا تصور عدلِ اجتماعی رعایا کے عام سے عام فرد کو برسر عام حکمران کے احتساب کا حق دیتا ہے۔ عبد اللہ بن جُبیر خزاعیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی یا مسواک تھی جس سے ایک شخص کے پیٹ میں چوٹ آ گئی اُس نے کہا ''أوجعتني فاقدني'' یعنی آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے لہٰذا آپ مجھے بدلہ دیں آپ ﷺ نے وہی شاخ اُس کے ہاتھ میں دی اور فرمایا: ((اِسْتَقِدْ)) بدلہ لے لو۔ اُس شخص نے آپ ﷺ کا پیٹ مبارک چوم لیا اور کہا ''بل اعفو عنك لعلك أن تشفع لي بها يوم القيامة'' میں نے آپ ﷺ کو معاف کر دیا ہے اُمید ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے روز میری شفاعت کریں گے۔۸۲

''مغربی تصور عدلِ اجتماعی'' کی شعبدہ بازی کے برعکس اسلام نے مؤثر اور جامع انداز میں کفالتِ عامہ کا تصور پیش فرمایا ہے۔ اسلامی ریاست کا حکمران فقر و فاقہ کے انسداد اور کفالتِ عامہ کی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرنے کا پابند ہے جو کہ معاشی تعمیر و ترقی کے لیے اُمر ناگزیر ہے۔ حضرت منذر بن جریرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ''ہم دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ کچھ لوگ آئے جو کھالیں پہنے ہوئے تھے، یا عبائیں پہنے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں زیادہ تر یا پھر سب کے سب قبیلہ مُضر کے تھے۔ اُن پر فاقہ کے آثار دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ (اُطہر) کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ اندر گئے پھر باہر آ گئے پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو اُنہوں نے اذان دی اور اقامت کہی اور آپ ﷺ نے نماز

Marfat.com

پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ﴿اے لوگو! اپنے ربّ سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور خبردار رہو قرابت والوں سے بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے﴾۸۳ اور سورۃ حشر کی یہ آیت پڑھی ﴿اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر ایک نفس کہ کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے اور اللہ سے ڈرتے رہو﴾۸۴ ہر آدمی کو چاہیے کہ اپنے دینار، درہم، کپڑے میں سے کچھ صدقہ دے یا ایک صاع گیہوں، ایک صاع جَو، ایک صاع کھجور صدقہ کرے یہاں تک۔کہ آپ نے فرمایا۔کہ خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔صدقہ دے))راوی کہتا ہے: کہ پھر انصار میں سے ایک آدمی ایک تھیلی لے کر آیا جس کو ہاتھوں سے اُٹھانا مشکل تھا۔ پھر لوگ پے در پے (چیزیں) لانے لگے۔ یہاں تک کہ میں نے غلّے اور کپڑے کے دو بڑے ڈھیر دیکھے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ دمک اٹھا جیسے سنہرا ہو گیا"۔ ۸۵ نبی اکرم ﷺ نے وعظ و نصیحت اور ترغیب و تلقین کے ذریعے افراد کو ذاتی ملکیت سے برضا ورغبت کفالتِ عامہ کے ریاستی فریضہ میں معاونت کرنے پر اُبھارا اس سے ایک طرف تو لوگوں کے اخلاقی اور روحانی ارتقاء میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف انفرادی آزادی بھی مجروح نہیں ہوتی۔ رضا مندی کے ساتھ کیے جانے والے کاموں میں جس حُسن و کمال کی توقع کی جاسکتی ہے وہ جبر و قہر کے تحت انجام دیے جانے والے اُمور میں متوقع نہیں۔ ۸۶ "کفالت عامہ اور انفرادی آزادیوں کے اِس درجہ احترام" کا عملی مظاہرہ پیش کرنا مغربی "تصورِ عدلِ اجتماعی" کے خالی خولی دعوے داروں کو انگشت بدندان کر دینے والا اُمر ہے جو عوام کو سبز باغ دکھا کر شخصی آزادیوں پر شبخون مارنے میں تو مشاق ہیں لیکن انسانیت کی ریلیف کا اہتمام کرنا اُن کے بس کا روگ نہیں۔ مظلوم اور درماندہ انسانیت کے لیے انصاف کو Grass root levels تک عام اور آسان بنانا صرف الہامی ضابطہ حیات کا خاصہ ہوسکتا ہے جو زندگی کے کسی بھی پہلو کو ظلم کا شکار ہونے سے بچا کر تمام انسانیت کو سستا اور معیاری عدل عطا فرماتا ہے۔

اسلام کے "تصورِ عدلِ اجتماعی" کو قائم و نافذ العمل کرنے کے لیے کسبِ مال اور صرفِ دولت میں اسلام کے "تصور حلال وحرام" کا میکانزم بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ اِس اسلامی میکانزم کے سامنے اشتراکیت کے معاشی مساوات کے دعوے تارِ عنکبوت سے حقیر تر ثابت ہوتے ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو مال کمانے اور خرچ کرنے کے ضمن میں جائز و ناجائز، حلال و حرام کی متعینہ حدود کی آگہی دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((إِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَفَرَضَ لَكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَتَرَكَ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلٰكِنْ رَحْمَةً مِنْهُ لَكُمْ فَاقْبَلُوْهَا وَلَا تَبْحَثُوْا فِيْهَا)) ۸۷ ترجمہ: "اللہ تعالی نے کچھ حد بندیاں کی ہیں اُن سے تجاوز نہ کرو، کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں اُنہیں ضائع نہ کرو، کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے اُن کا ارتکاب نہ کرو۔ اور تم پر رحمت فرماتے ہوئے بلا نسیان کچھ چیزوں سے متعلق خاموشی اختیار رکھی ہے تم اُن کی کُرید میں نہ لگے رہو۔" اسلام کے مطابق کوئی ذریعہ معاش خواہ کتنا ہی منافع بخش کیوں نہ ہو اگر معاشی عدل کے اصولوں کے تابع اور شرعی حدود سے مطابقت نہیں رکھتا تو اُسے اپنانا معاشی ظلم اور استحصال ہے جس کی اسلامی ریاست میں کسی طور اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جؤا، سود، اجارہ داری، سٹہ بازی وغیرہ کو حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اسلام اپنے متبعین کو اِس عالمگیر، منفرد اور یگانہ تصور سے نوازتا ہے کہ حلال اَشیاء اُسی وقت 'طیّب' ہوتی ہیں جب

Marfat.com

وہ حلال اور جائز طریقے سے کمائی جائیں وگرنہ کسی کی حق تلفی سے حاصل کیا گیا مال حرام اور عنداللہ جوابدہی کا باعث ہے۔ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ۸۸ ترجمہ: اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ اُس کو (بطور رشوت) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصّہ ناجائز طور پر نہ کھا جاؤ اور (اُسے) تم جانتے ہو۔ اشتراکیت کے تصور عدل اجتماعی میں حکمران طبقے کے احتساب کا گماں بھی ممکن نہیں جبکہ اسلام کا حرام کمائی پر عند اللہ احتساب کا تصور وہ قوتِ محرکہ ہے جو عدلِ اجتماعی کے نظام کے قیام میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ارشادِ نبوی ہے:((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ مِنَ الْحَرَامِ)) ترجمہ: وہ بدن جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام کی کمائی سے پرورش پائے گا۔۸۹ حرام کمائی سے حاصل کردہ رزق انسان کی سیرت و کردار کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے انسانی شخصیت کے بگاڑ کا موجب بنتا ہے اور حرام کمانے کی وجہ سے انسان جن اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے وہ معاشرتی زندگی کا سکون غارت کر کے رکھ دیتیں ہیں۔ معاشرے میں مجرمانہ ذہنیت فروغ پاتی ہے جو عدل و انصاف کی فضا کو کرپشن کے زیرِاثر سے مسموم بنا دیتی ہے۔

اسلامی ریاست میں حکمرانِ وقت کی ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے نفاذ وقیام کی ذمہ داریاں اور فرائض

اسلامی ریاست میں سربراہ ریاست ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو عام کرنے کے لیے جو اقدامات کرنے کا مجاز ہے وہ یہ ہیں: ۱- مسئلہ معاش کو انسانی زندگی میں جو اہم مقام حاصل رہا ہے اُس کے پیشِ نظر معاشی شعبہ میں عدل کے قیام کے بغیر سماجی عدل (Social Justice) کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ لہذا حکمران وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی نظامِ حیات میں معاشی عدل کے قیام و استحکام پر خاص توجہ دے۔۹۰ ۲-حکمران کی دوسری اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ملک میں عدلِ عامہ کی فضا بحال کرنے کے لیے رجرائم اور بدعنوانیوں کا خاتمہ کرے۔۳- معاشرے میں قانونی عدل کے نفاذ اور کاروبار حکومت کا تسلسل جاری رکھنے کیلئے پرُامن حالات پیدا کرے۔۴-ظلم و استحصال کے خاتمہ کے لئے اسلام کے بتائے گئے اُصولوں کو رواج دے۔۵- پیش آمدہ عصری مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے شرعی قوانین کا سہارا لے۔۶- دولت اور ذرائع پیداوار کی منصفانہ تقسیم اور گردشِ دولت کے لئے جدوجہد کرے۔۷-اہل اَفراد کو اُن کی تعلیمی لیاقت اور ہنرمندی کے مطابق روزگار کے مواقع فراہم کرنے کا انتظام کرے۔۸-معذوروں، محتاجوں اور مساکین کی کفالت کا اہتمام کرے۔۹۱

''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے قیام کے مقاصد

اسلامی ریاست میں ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے قیام کے مقاصد یہ ہوں گے کہ ۱-اسلامی ریاست کے ہر فرد کو بنیادی انسانی حقوق فراہم کیے جائیں۔۲- سیاسی سرگرمیوں اور آزادی اظہار رائے یعنی تقریر وتحریر کی آزادی کو قدغنوں سے آزاد کر کے حق بات کے ابلاغ کا مؤثر اہتمام کیا جائے۔۳-عوام کو یکساں طور پر صحت، تعلیم اور ترقی کے مواقع میسر کرنا ممکن بنایا جائے۔۴-قانونی اور شرعی حوالوں سے عدل کی فراہمی عام اور آسان بنائی جائے۔۵-عوام کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے عوامی پلیٹ فارموں اور اداروں میں تربیتی اور تبلیغی کانفرنسوں کا اہتمام ممکن بنایا جائے اور اِن پبلک درسگاہوں تک عام عوام کی رسائی مفت اور آسان بنائی جائے۔۶-وسائلِ حیات کو ضیاع سے بچانے کے مؤثر اقدامات کیے جاسکیں۔۷- جرائم پیشہ ذہنیت کے

Marfat.com

انسداد کے لیے جرائم کی حوصلہ شکنی کرنے والے ماحول کو فروغ دیا جا سکے۔۸-تلاشِ رزق کی جدوجہد کی حوصلہ افزائی ہو اور اُسے حلال ذرائع کا پابند بنایا جائے۔ اور اکتسابِ مال کے حرام ذرائع کو مسدود کیا جائے۔۹-زکوٰۃ وعشر، نفقات و کفارات، اور صدقات و وراثت کا نظام مؤثر کر کے منصفانہ بنیادوں پر گردشِ دولت کا اہتمام کر کے معاشرتی خوشحالی کا اہتمام کیا جائے۔۱۰-ارتکازِ دولت کی حوصلہ شکنی کا اہتمام کر کے معاشرے کے پسماندہ طبقے کی داد رسی کی جائے۔۱۱-معاشی عدل کے ذریعے معاشی رشتوں میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔۱۲-معاشی کارکن یعنی آجر اور مزدور، خریدار اور فروخت کار، صارف اور پیدا کنندہ، مقروض اور قرض خواہ وغیرہ معاشی عمل سے باہم مربوط ہوں، اور ان روابط کو عدل و اعتدال کی بنیاد پر استوار کر کے عاملین کی حق تلفی کی ہر ممکنہ صورت کی روک تھام ممکن بنائی جائے۔۱۳-پیداواری سرگرمیوں کے سلسلہ میں خدمات سرانجام دینے والے ہر عامل کو اُس کی خدمات کے مناسب معاوضے کی دستیابی ممکن بنائی جائے۔۱۴-ہر فرد کو حصولِ معاش کی جدوجہد کی مکمل آزادی اور مواقع حاصل ہوں اور اِس بارے میں ذات پات، رنگ، نسل، اور علاقہ وغیرہ کے تعصبات حائل نہ ہونے پائیں۔۱۵-انفرادی ملکیت کے حق کو قانونی وشرعی اجازت کے تحت پنپنے کے مواقع فراہم کیے جا سکیں۔۱۶- اسلامی ریاست کی عملداری کو مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔۱۷-ناموس رسالت قانون کی پاسداری کا مؤثر اہتمام کیا جا سکے۔ ۱۸-اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔ ۱۹- معاشرے کے پسماندہ طبقے بالخصوص حقوق نسواں کے تقدس کو بحال کیا جائے۔۲۰-طاغوتی، سرکش قوتوں کو دبانے اور اعلائے کلمۃ اللّٰہ کا فریضہ نبھانے کے لیے ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ......الخ﴾۹۲ کی عصری تقاضوں سے ہم آہنگ عملی تدابیر کی جا سکیں۔۲۱-کفالت عامہ کے اسلامی حکم کو مؤثر کرنے کے امکانات کو ترجیحاً فعال کیا جانا ممکن بنایا جائے۔

''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے قیام کی حکمت عملی - تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

عدلِ اجتماعی کے عملی نفاذ کے لیے تعلیمات نبوی ﷺ سے جو حکمت عملی مستنبط ہوتی ہے وہ اُن اَسباب وذرائع کا سدّ باب ہے جو معاشرتی زندگی کے اعتدال و توازن کو بگاڑ کا شکار کرتے ہیں۔اور اُن کے مدِ مقابل اُن ذرائع و وسائل کی ترویج ہے جو''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے قیام میں معاون و مددگار ہیں۔

(ا)-''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے قیام میں حائل رکاوٹیں اور اُن کے اسباب وعوامل کے خاتمہ کی تدبیر:

(i)- معاشرتی عدل کو تہ وتیغ کرنے کا بنیادی سبب شیطان کے بہکاوے ہیں جو انسان کو ظلم وتعدی پر مصر رکھتے ہیں۔ لہٰذا اسلام انسان کو شیطان کی شرانگیزیوں سے باخبر کرتے ہوئے اُن سے بچتے رہنے کی تلقین فرماتا ہے اِرشادِ ربانی ہے کہ ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾۹۳ ترجمہ: ''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمھیں وصیّت نہیں کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دُشمن ہے''۔ اِمام فخر الدین الرازی (ت:۶۰۶ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''معناه لا تطيعوه، بدليل أنّ المنهى عنه ليس هو السجود له فحسب، بل الانقياد لأمره والطاعة له فالطاعة عبادة''۔۹۴ ترجمہ:''آیت کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کی اُطاعت نہ کرو اِس لیے کہ شیطان کو سجدہ کرنا ہی

Marfat.com

ممنوع نہیں ہے بلکہ اُس کے حکم کی تابعداری کرنا بھی منع ہے طاعت و بندگی بھی عبادت ہے''۔اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے شیطان کے حکم کی تابعداری کو اُس کی طاعت و بندگی قرار دیتے ہوئے اُس کی عبادت کی مثل فعل گردانا ہے جبکہ سورۃ النّاس ۹۵ میں شیطان کا شمار جن و اِنس میں سے فرمایا ہے جو انسانی دل و دماغ کو راہِ الٰہی سے ہٹا کر ''الفحشآء والمنکر'' کی ترغیب دیتا ہے۔جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ﴾ ۹۶ اور اِسی آیۃ کریمۃ میں اللہ تعالیٰ نے اِس بات کو اپنے فضل کا صدقہ قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو شیطان کے جال سے بچا کر اُن کا تزکیہ فرماتا ہے۔اِمام الرازی کے مطابق حاکمِ وقت کی اُطاعت کا قضیہ بھی اِسی آیۃ کے پس منظر (Scenario) میں سمجھنے کی ضرورت ہے تا کہ اجتماعی عدل کے نفاذ کی راہ کو مسدود کرنے والے عناصر (Factors) کو جانا اور دور کیا جا سکے۔ اُمراء یا حاکمِ وقت کی اُطاعت کا قرآنی حکم ۹۷ اِس اُمر کا متقاضی ہے کہ جب تک اُمراء رحاکم وقت کے اُحکامات، اُحکاماتِ اِلٰہی کے تابع فرماں ہوں اُن کی پیروی لازم ہے خواہ کسی کالے حبشی یا خاندانِ غلاماں کے کسی فرد ہی کو اِسلامی سلطنت کی مسندِ اقتدار کیوں نہ تھما دی جائے۔لیکن اُمراء کی اُطاعت کی شرط اُطاعتِ اِلٰہی کے ساتھ مشروط ہے وگرنہ نہیں کیونکہ اِصول ہے کہ ((السَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَ کَرِهَ مَا لَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَةٍ، فَاِنْ اُمِرَ بِمَعْصِیَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَیْهِ وَلَا طَاعَةَ)) ۹۸ ترجمہ: ''(ہر) مسلمان پر طوعاً اُو کرھاً (حاکمِ وقت کا حکم) سننا اور ماننا لازم ہے جب تک وہ معصیت الٰہی کا حکم نہ دے لیکن اگر وہ معصیت کا حکم دے تو پھر نہ سننا ہے نہ ماننا''۔حضرت علیؓ سے مروی ہے: نبی اُکرم ﷺ نے فرمایا کہ ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ)) ۹۹ ترجمہ: اللہ عزّ وجلّ کی نافرمانی میں مخلوق کی اُطاعت نہیں کی جائے گی۔کیونکہ اللہ کی معصیۃ پر مبنی حکم شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہوتا ہے اور جب کوئی گمراہی پر حکم دے تو اُس کی اُطاعت کرنا اِمام الرازی (۶۰۶ھ) کے مطابق شیطان کی اُطاعت کرنے کے مترادف ہے جو سورۃ یاسین کی آیت: ۶۰ کے مطابق شیطان کی عبادت کے زُمرے میں آتی ہے۔۱۰۰ اور معاشرتی زندگی کو ظلم و استبداد سے ہمکنار کرنے کا بنیادی محرک ہے اسلام نے معاشرتی زندگی کو عدل وانصاف سے منحرف کرنے والے اِس بنیادی اور اُصولی سبب کو واضح کر کے عدلِ اجتماعی کے قیام کا راستہ ہموار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے لہٰذا اُس کے اُحکامات اُفراط و تفریط سے مبرّا اور پاک ہیں جو حضرت انساں کی شخصی آزادی کے ضامن اور عدلِ اجتماعی کے علمبردار ہیں یہی وجہ ہے کہ اِن الہامی اُحکامات کے سنہری اُصولوں کو نہ ماننے والا قرآنی اُلفاظ کے مطابق ﴿ظلمِ عظیم﴾ ۱۰۱ کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ اِمام الرازی کے مطابق شرک بھی اِسی لیے ﴿ظلمِ عظیم﴾ قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ شرف و کرم کے حامل نفس ۱۰۲ کو خسیس یعنی کمتر درجہ کی حامل اُشیاء کی عبودیت میں لگانے کا نام ہے جو کہ شئی کو اُس کی اُصل سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے یا کام پر لگانے والی بات ہے ۱۰۳ یعنی اللہ کیلیے اور اُس کی راہ پر رہنے کے لیے کی جانے والی عبادت کو غیر اللہ کے لیے مخصوص کرنا راہ اعتدال سے تجاوز کرنا ہے جو کہ اپنے محسنِ عظیم کی حق تلفی کرنا ہے لہٰذا یہ حق تلفی ہر نوع کی سرکشی اور ظلم و تعدی کا سبب بنتی ہے اللہ کے حقِ عبودیت کا منکر اُس کے اُحکامات سے بھی انحراف برتنے والا ہوتا ہے لہٰذا وہ شیطان کا پیروکار اور مخلوق خدا پر دستِ ظلم دراز کرنے والا بن کر زندگی گزارتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ظلمِ عظیم﴾ کی باغیانہ روش اپنانے والوں کے لیے ہمیشہ رہنے والے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے جو کبھی کم نہ ہوگا۔ اور اللہ

Marfat.com

تعالی کا حکم کوئی بدل نہیں سکتا ہے۔۱۰۴ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((خبردار رہو، عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے)) میں (علیؓ) نے عرض کیا: یا رسول اللہ اُس سے بچنا کیونکر ممکن ہے؟ فرمایا: ((اللہ کی کتاب (سے) ...... جو شخص اِس کے مطابق بات کرے گا وہی سچ ہوگا، جو اِس پر عمل کرے گا اُجر پائے گا، جو اِس کے مطابق فیصلہ دے گا، وہ عینِ عدل ہوگا، جو کوئی اِس کی طرف لوگوں کو پکارے گا وہی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والا ہوگا۔))۱۰۵

(ii)- عدلِ اجتماعی کے فروغ کے لیے تعلیماتِ نبوی ﷺ میں اپنائی گئی حکمتِ عملی کا دوسرا اقدام یہ ہے کہ تعلیماتِ نبوی ﷺ میں اُن تمام کلیدی خصائص کی نشاندہی فرما دی گئی ہے جو کہ طاغوتی طرزِ حکومت کا خاصہ ہوتے ہیں۔ عصری عالمی قوتیں انہی خصائص کو فروغ دے کر انسانیت کو عدلِ اجتماعی سے منحرف سیاسی نظاموں کے تابع فرماں بنانے کا اہتمام کیے ہوئے ہیں۔ اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لیے ان طاغوتی نظاموں کے انسداد کا اہتمام کیا جاتا ہے جن کے کلیدی خصائص درج ذیل ہیں:

(أ)- اِن سیاسی نظاموں میں حاکمِ اعلیٰ اور مقتدرِ اعلیٰ اور مأخذ قانون اللہ تعالیٰ کے علاوہ (جمہور/ آئین/ پارلیمنٹ/ آمر مطلق/ مقننہ) کو قرار دیا جاتا ہے۔

(ب)-ان سیاسی نظاموں کے تحت عوام کی حیثیت غلاموں کی سی ہے اور حکمران جماعت یا آمر کی حیثیت مالک اور آقا کی سی ہے جو لفظاً جس درجہ عجز و انکساری (humbleness) کا دعویدار کیوں نہ ہو، عملاً وہ رعایا کے جان، مال، اُولاد اور آبرو پر کامل اور غیر محدود اختیارات کا حامل ہوتا ہے۔

(ج)-اِس نظام میں اقتدار اور بنیادی انسانی حقوق سرمایہ داروں، جاگیرداروں یا اشتراکی حکمرانوں اور مُترَفین (men living in great luxury) یعنی عوام کے نام نہاد نمائندوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ تاریخ پر نظر دوڑائیے: ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ ۱۰۶ (یعنی میں تمھیں سب سے بڑھ کر پالنے والا ہوں۔) کے دعویدار، کسی بھی دور کے حکمران ہوں خواہ وہ فرعونی دور کے آمر حکمران ہوں، یونان کی نام نہاد جمہوریتیں ہوں جو انسانوں کی سرمایہ اور حقِ حکمرانی کے اعتبار سے طبقاتی تقسیم کو ناگزیر گردانتی تھیں، یا عصری برطانوی و اُمریکی نظام ہائے سیاست ہوں جنھوں نے اقوامِ عالم کے لیے اُمن و عافیت کا تصور ناپید کر دیا ہے، سب اِسی ذہنیت کا عملی پیکر ہیں۔

ع جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو　　　جُدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی ۱۰۷

(د)- قرآنی آیت کے الفاظ میں یہ حکمران ﴿ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ ۱۰۸ ہیں اِن سب میں فرعون ازم کا اُصول (يذلوهم باثقالهم......ان كان ابنا فاقتلاه وإن كان بنتا فتحيا......ثم أمر فرعون جميع شعبه قائلاً كلّ ابن يولد تطرحونه في النهر لكن كلّ بنت تستحيونها) ۱۰۹ مشترک ہے جو یہ ہے کہ حکمران طبقے، پسماندہ طبقے کو اور طاقتور عالمی قوتیں، دنیا کی کمزور ریاستوں کو دبائیں، پیسیں اور اُنہیں (گوانتا ناموبے، اُبوغریب، اور قندھار کے عقوبت خانوں یا خفیہ تخریبی حربوں مثلاً ایبٹ آباد آپریشن، نیوی بیس، آئی ایس آئی کے دفاتر، مناواں ٹریننگ سنٹر سمیت سیکورٹی ایجنسیوں پر پے در پے حملوں، ڈرونز اٹیکس اور سلالہ چیک پوسٹ اور کامرہ ائیربیس پر جارحیت کی صورت میں) اتنا کچلیں، ذلیل اور درماندہ کریں کہ وہ

Marfat.com

کبھی بھی قوت نہ بن سکیں۔ حکمرانی کو بچانے کے لیے ہر قسم کی خونریزی اور ظلم وستم - جیسا کہ کراچی میں ۱۲ مئی ۲۰۰۷ء کے قتلِ عام، لال مسجد آپریشن میں معصوم بچوں اور بچیوں کی خونریزی، عالمی استعماری آقاؤں کی خوشنودی کے لیے ہموطنوں کے خلاف فوجی آپریشنز اور بگٹی قتل وغیرہ - اِس طرزِ سیاست کا دستورِ اُساسی ہے۔ اِسی طرح اشتراکی نظاموں کی طرح مفت خدمت لینا، مزدور بنانا یا ریاستی مشینری کے کُل پرزے قرار دینا، محنت کشوں کا استحصال کرنا اور بیگار لینا طاغوتی طرزِ سیاست میں حکمرانوں کا حق سمجھا جاتا ہے۔ اِس طرزِ سیاست کا کُلی انسداد اسلامی نظامِ عدل کے قیام کے لیے نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے۔

(ہ)- ذاتی مفادات کے لیے رشوتیں دینا اور لوگوں کے ضمیر خریدنا، بھی طاغوتی طرزِ حکومت کا غالب عنصر ہے۔ جو ہر دور میں حق پرستوں کے مقابلے میں طاغوتی نظام کے پروردہ حکمرانوں نے بطور ہتھیار استعمال کیا۔ علماءِ سوء، نفس پرست پیروں، اُدیبوں شاعروں کے ضمیر رشوت دے کر خریدے اِن ضمیر فروش لوگوں کا کام حکمرانِ وقت کی تعریف میں نئے قصیدے گھڑنا اور مخالفین کی رجز میں نئے پروپیگنڈے ایجاد کرنا ہوتا ہے۔

اُنہی کی محفل سجا رہا ہوں، چراغ میرا ہے رات اُن کی
اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زباں میری ہے بات اُن کی

حکمران طبقہ اِن پجاریوں کے لیے قومی خزانے کے دروازے کھلے رکھتا ہے لیکن کروڑوں عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک کوڑی خرچ کرنا مشکل خیال کرتا ہے۔ سورۃ الشعراء ۱۱۰ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی نشاندہی کی جائے اور اُن کے انجامِ بد سے آگاہ کر کے عبرت دلائی جائے۔

(و)- دلیل کا جواب تشدّد سے دینا بھی طاغوتی نظام ہائے سیاست کا مزاج ہے۔ طاغوتی حکمرانوں کی حشر سامانیوں کا بیان بالتفصیل سورۃ الشعراء ۱۱۱ میں فرمایا گیا ہے۔ ۱۱۳

المختصر یہ کہ طاغوتی نظام کے خصائص رکھنے والے نظام ہائے حکومت عدلِ اجتماعی کا خون کرنے والے سیاسی نظام ہیں جن سے انسانیت کو فیض کی توقع کُجا عزت سے اَیّامِ زیست بسر کرنا اُمرِ محال ہو جاتا ہے اور اسلام جو تکرّمِ انسانیت کا سب سے بڑا پیامبر ہے اِن ظلمِ عظیم کے پروردہ نظاموں کا سب سے بڑا دُشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر میں بھی تمام عالمی طاغوتی طاقتیں، نیٹو اُمن دشمن فوج کی چھتری تلے یکجا ہو کر اسلام اور ابنائِ اسلام پر ٹوٹی ہوئیں ہیں۔

عرش والے میری توقیر سلامت رکھنا　　　فرش والے سارے خداؤں سے اُلجھ بیٹھا ہوں

(iii)- عدلِ اجتماعی کے فروغ کے لیے تعلیماتِ نبوی ﷺ میں اپنائی گئی حکمتِ عملی کا تیسرا اقدام انسانی زندگی سے اُن تمام معاشرتی اور معاشی اُسباب وعوامل کا قلع قمع کرنا ہے جو ظلمِ اجتماعی کے نمائندہ ہیں اور عوام الناس کے استیصال کا باعث بنتے ہیں۔ اِن اُسباب وعوامل کا بالاختصار ذکر درج ذیل ہے:

(اَ)- زمانہ جاہلیت میں عدلِ اجتماعی کی ردا تار تار کرنے والی بنیادی چیز قومی عصبیت تھی لہذا خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے واضحا فرما دیا تھا کہ ((أَلَا إِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ)) ۱۱۴ زمانہ جاہلیت کے ہر نوع کی عصبیت میرے قدموں تلے ہے، باطل ہے۔ حضرت جندب بن عبداللہ بجلی سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

((مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِيَّةٍ، يَدْعُوْ عَصَبِيَّةً، أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً، فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ))۔[114] ترجمہ: جو کوئی گمراہی کے جھنڈے تلے قتل کیا گیا وہ عصبیت کی طرف بلانے والا ہے یا عصبیت پر مدد فراہم کرنے والا ہے لہٰذا اُسکا قتل گمراہی پر ہے۔ یعنی اسلام میں اُس کا کوئی حصہ ہے اور نہ ہی وہ شہداء اسلام کو عطاء فرمائے گئے فضائل و انعام کا حقدار ہے۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی

(ب) - معاشرتی زندگی میں ظلمِ اجتماعی کے فروغ میں سودی لین دین کا کلیدی کردار ہے، سود وہ معاشرتی روگ ہے جو اعلیٰ معاشرتی، اخلاقی، اور تہذیبی اقدار کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے استیصالِ انسانیت کی جڑ قرار دیا ہے اور عدلِ اجتماعی کے فروغ کے لیے اِس کی بیخ کنی کا جس درجہ اہتمام فرمایا ہے اُس کی مثال دُنیا کے کسی مذہب، معاشرے اور نظام میں نہیں ملتی۔ لہٰذا اسلام نے سودخور کے بارے میں وعید دی ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ میں ہے لہٰذا اُسے اپنے انجام کا علم ہو جانا چاہیے۔ اِرشادِ ربانی ہے: ﴿فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [115] ترجمہ: پھر تم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ کی حالت میں ہو اور اگر تم توبہ کر لو پھر تمہارے لیے تمہارے اَموال کا اَصل زر ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سودی کاروبار میں کسی بھی سطح پر معاونت کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَ مُؤْكِلَهُ، وَ كَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ)) وَقَالَ: ((هُمْ سَوَاءٌ)) [116] ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سودی معاہدہ لکھنے والے، اور اِس پر بننے والے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ (اِس گناہ میں) وہ سب برابر ہیں۔ دنیا میں سودخوری کے جنون میں مبتلا لوگ، روزِ قیامت مخبوط الحواس لوگوں کی سی جنونی حالت میں اُٹھائے جائیں گے کیونکہ وہ دنیاوی زندگی میں مجبور اور بے بس مخلوق خدا کی مجبوریوں سے ظالمانہ فائدہ اُٹھانے کے خبط میں اَیامِ روز و شب بسر کرتے تھے۔ اِرشادِ نبوی ہے: ((فمن آکل الربا بعث یوم القیامة مجنوناً یتخبط ثمّ قرأ ﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ إِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾)) [117] ترجمہ: پس جو سودخوی کرتا ہے یومِ قیامت وہ مجنون اور خبطی کی سی حالت میں اُٹھایا جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے (البقرۃ: ٢٧٥) تلاوت فرمائی: ﴿جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت میں اُس شخص کی مانند اُٹھیں گے جسے شیطان نے لپٹ کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو﴾۔ نبی اکرم ﷺ لیلۃ المعراج ایک خون کی نھر کا مشاہدہ فرمایا جس کے کنارے ایک شخص پتھر تھامے کھڑا ہے اور ایک شخص اِس نہر کے وسط میں ہے جب وہ باہر نکلنے کے لیے سر نکالتا ہے نھر کے کنارے موجود شخص تاک کر وہ پتھر اُس کے منہ پر دے مارتا ہے اور وہ پھر پہلے والی حالت میں چلا جاتا ہے یہی عمل بار بار دہرایا جاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ((الَّذِيْ رَأَيْتَهُ فِي النَّهَرِ آكِلُ الرِّبَا)) [118] ترجمہ: جس کو میں نے نہر میں دیکھا وہ سودخور تھا۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ میں سود خور کے انجام کے بارے میں سخت وعید فرما کے اِس فعلِ شنیع کے خاتمے کا اہتمام فرمایا گیا ہے۔

(ج)- ظلم اجتماعی کا ایک اور ذریعہ جو انسانی معاشرت میں بگاڑ کا موجب ہوتا ہے وہ جوا، لاٹری سسٹم اور اِس کی تجارت کے نام پر فراڈ کی دیگر اَنواع ہیں جو معاشرے کے پسماندہ طبقے کو سبز باغ دکھا کر اُن کی جمع پونجی سمیٹنے اور معاشرتی اَمن

Marfat.com

وسکون غارت بودکرنے کا اُہم سبب ثابت ہوتی ہیں۔قرآن مجید میں اِسے ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ ۱۹؎ یعنی نجس شیطانی عمل قرار دے کر اِس سے بچنے کا حکم مرحمت فرمایا ہے۔جؤا، لاٹری سسٹم اور اِس کی تجارت کے نام پر فراڈ کی دیگر اَنواع ملک وقوم کے اقتصادی نظام کو مفلوج کر دینے کا باعث ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نبی اَکرمﷺ نے زمانہ جاہلیت کی اُن تمام تجارت اَنواع کو کالعدم قرار دیا جن میں جؤے کی مانند فراڈ اور دھوکہ دہی پائی جاتی تھی۔کیونکہ یہ تمام معاشی ظلم پھیلانے کا موجب اور اسلام کے نظامِ عدل سے متصادم تھیں لہٰذا کالعدم قرار دے دی گئیں۔

(د)۔ظلمِ اجتماعی کی ایک صورت رشوت وسفارش کا کلچر ہے جس کے تحت حقدار کا حق مار کر معاشرے کے نااہل فرد کو ذاتی منفعت یا قرابت داری کی بنیاد پر منصب، اقتدار عطا کر کے یا مالی ودیگر ذرائع سے فائدہ بہم پہنچایا جاتا ہے۔حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ((لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ)) ۲۰؎ ترجمہ: رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

(ھ)۔غصب وخیانت بھی ظلم اجتماعی کو فروغ دینے والے ذرائع اور محرکات ہیں لہٰذا نبی اَکرمﷺ نے ان کے خلاف شدید وعید فرمائی ہے، اِرشاد نبوی ہے: ((مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ)) ۲۱؎ ترجمہ: کوئی شخص کسی کی زمین کا بالشت بھر ٹکڑا بھی ناحق ہتھیا لے گا تو روزِ قیامت اُس کو سات زمینوں کا طوق اُٹھانا پڑے گا۔حضرت اَبوھریرۃؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے کہ ((اَدِّ الْاَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ)) ۲۲؎ ترجمہ: امانتیں اُن کے اَہل کو لوٹا دو اور تم اُس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو جو کہ تم سے خیانت کا مرتکب ہو۔

(و)۔رسول اللہﷺ نے عدلِ اجتماعی کی راہیں مسدود کرنے کے اُہم ذریعہ اَجارہ داری اور مصنوعی گرانی کی شدید مذمت فرمائی اور ذخیرہ اندوز کو خطاء کار اور لعنتی قرار دیا ہے۔جیسا کہ اِرشادِ نبوی ہے: ((مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ)) ۲۳؎ ترجمہ: جو ذخیرہ اندوز ہے وہ خطا کار ہے۔اور جو شخص چالیس روز تک قیمتوں کے چڑھ جانے کی نیت سے مال روکے رکھے اُس کے بارے میں وعید سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے بریٔ الذمہ ہے۔جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ((من احتكر طعاماً أربعين ليلة فقد برئ من الله تعالى وبرئ الله تعالى منه)) ۲۴؎ ترجمہ: جو چالیس راتوں سے زیادہ خوراک ذخیرہ رکھتا ہے وہ اللہ کے دربار سے فارغ ہے اور اللہ تعالیٰ اُس سے بریٔ الذمہ ہے۔الغرض وہ تمام عناصر جو معاشرتی واجتماعی زندگی کو عدل وانصاف کی راہ سے ہٹانے کا موجب بنتے ہیں اسلام ان کی نشاندہی فرما کر اُن کے خاتمہ کی مؤثر اخلاقی، قانونی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، عدالتی اور دفاعی تدابیر فرماتا ہے۔

(ز)۔آج پوری دنیا میں عدل وانصاف اور اَمن واَمان کے عناصر تشویش ناک صورتحال اپنا چکا ہے اُس کا بنیادی سبب عالمی سطح پر ناموسِ رسالت کے الہامی قانون کی پامالی ہے۔اِس فعلِ شنیع کا ارتکاب کرنا عالمِ کفر کا وطیرہ بن چکا ہے اِس ضمن میں کبھی ناروے، ڈنمارک اور اُن کے تبعین اَہانتِ رسالت پر مبنی خاکے شائع کر کے عاشقانِ حبیب یزدانی مصطفیٰ مجتبیٰ ﷺ (فداك أبي وأمي)، کے دل خون کے آنسو رُلاتے ہیں اور کبھی عالمی استعماری قوتیں ننگِ انسانیت ملعون اَمریکی پادری ٹیری جونز (Terry Jones) کی پشت پناہی کر کے فدائینِ حبیبِ الٰہیﷺ کی اشتعال انگیزی کا ساماں کرتیں ہیں جو (نعوذ

Marfat.com

باللہ) آخری الہامی کتاب کو علامتی پھانسی دے کر اپنی بیمار ذہنیت اور خبثِ باطن کا اظہار کرتا ہے اور کبھی یہودی تاجروں سے مل کر خطیر مالیت سے گستاخانہ متنازعہ فلم بناتا اور اُس کی تشہیر سے محسنِ انسانیتﷺ کی ناموس و رسالت اور شریعتِ اسلامیہ میں زباں درازی کا مرتکب ہوتا ہے۔اور انصاف پسند معدودے چند یہودی ربی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ''انہیں اِس فلم کی گھٹیا اور بیہودہ زبان پر شرم محسوس ہوتی ہے'' نیز یہ کہ ''اِس فلم کا سارا مواد توریت کے عقائد کے خلاف اور اللہ کے نام کی توہین ہے''۔ تمام مذاہبِ عالم میں ناموسِ اَنبیاء کو شرعاً تقدس کا درجہ حاصل ہے آخری اور حتمی سماوی دین، دینِ اسلام ہے اِس نے اپنے متبعین کو یہ درس دیا ہے کہ تمام اَنبیاء کی ناموس مقدم و مقدّس ہے لہذا اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ العظیم کی طرف سے اِس قانون کو مؤمنین کے جزوِ ایمان کا درجہ عطا فرمایا گیا ہے ارشادِ ربّانی ہے: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ ۱۲۵ ترجمہ: ''(مؤمنین تمام اَنبیاء کرام کے برحق ہونے پر اور اُن پر نازل ہونے والے کلام کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں واجب الاتباع تھے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ) ہم اُن (کو تقدس دینے کے معاملے) میں کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے ہیں اور ہم اپنے پروردگار کے فرمانبردار ہیں''۔ عدلِ اجتماعی کو برقرار رکھنے کے لیے ناموسِ اَنبیاء کو تقدس دینے کا یہ الہامی قانون قوانینِ عالم میں نمایاں اور منفرد مقام کا حامل ہے۔سابقہ شرائع میں انبیاء و رسل کے گستاخان کو ہی قابلِ قدغن نہیں مانا گیا بلکہ ان کے خلفاء یعنی تابعین کی شان میں گستاخی کے مرتکبین کو بھی ایسی معاشرتی برائی قرار دیا گیا ہے جسے عدلِ اجتماعی کے قیام و نفاذ کے لیے دور کر دینا ضروری ہے جیسا کہ توریت میں بیان موجود ہے: ''اور لاوی کاہنوں اور اُن دِنوں کے قاضیوں کے پاس پہنچ کر اُن سے دریافت کرنا اور وہ تجھ کو فیصلہ کی بات بتائیں گے اور تو اُسی فیصلہ کے مطابق جو وہ تجھ کو اُس جگہ سے جسے خُداوند چُنے گا بتائیں عمل کرنا جیسا وہ تجھ کو سکھائیں اُسی کے مطابق سب کچھ احتیاط کر کے ماننا شریعت کو جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں اُسی کے مطابق کرنا، اور جو فتویٰ وہ دیں اُس سے دہنے یا بائیں نہ مڑنا۔ اور اگر کوئی شخص گُستاخی سے پیش آئے کہ اُس کاہن کی بات جو خُداوند تیرے خُدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اُس قاضی کا کہنا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل میں سے ایسے شر کو دور کر دینا اور سب لوگ سُن کر ڈر جائیں گے اور پھر گُستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔'' ۱۲۶ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں شرائع سابقہ سے مأخوذ حکم کے طور پر انیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں قانون توہینِ رسالت (Blasphemy act) موجود تھا اور آج بھی انگلستان میں کامن لاء (Common law) کے طور پر رائج العمل ہے۔اور انگلستان کے مجموعہ قوانین (Statutory Book) کا حصّہ ہے۔

سابقہ شرائع کی طرح شریعتِ محمدیﷺ میں بھی گستاخِ رسالت کا خون مباح ہے اگرچہ گستاخِ رسول دنیاوی طور پر کسی بھی اَعلیٰ منصب پر فائز کیوں نہ ہو۔ابو القاسم الطبرانی نے المعجم الأوسط میں حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا: ((من شتم الأنبياء قتل ومن شتم أصحابي جلد)) ۱۲۷ ترجمہ: جو نبیوں کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو میرے صحابہ کو گالی دیا سے کوڑے لگائے جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بشر نامی منافق کا سر قلم کر دیا تھا۔ درحقیقت بشر کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا فیصلہ کے لیے دربارِ رسالت پیشی ہوئی یہودی حق پر تھا لہذا اُسی کے حق میں فیصلہ طے پایا جس پر مشتعل ہو کر بشر منافق، درِ فاروقی پر حاضر ہوا یہودی نے دربارِ نبوی سے مقدمہ کا فیصلہ اپنے حق میں کیے جانے اور بشر

Marfat.com

منافق کے عدمِ اطمینان کے اظہار کی روداد سنائی جسے سن کر حضرت عمر فاروقؓ گھر سے تلوار لے آئے اور فیصلہء رسالت نہ ماننے کی گستاخی پر منافق کا سر قلم کر دیا، یہ واقعہ اِس اَمر کی توضیح ہے کہ گستاخِ رسول کی سزا موت ہے یہی فعلِ فاروقی ہے جس کی توثیق قرآنِ مجید کے اِن اَلفاظ میں فرمائی گئی ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ۱۲۸ترجمہ: نہیں تمہارے ربّ کی قسم! یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دل میں تنگی نہ پائیں بلکہ فرمانبرداری سے قبول کر لیں۔ لیکن عصرِ حاضر میں اِلا ماشاء اللہ تمام مُسلم ریاستوں کے حکمران ناموسِ رسالت کے قانون پر عمل درآمد کے حوالے سے جو افسوس ناک روّیہ اَپنائے ہوئے ہیں وہ شاعر کے الفاظ میں کچھ یوں ہے کہ

اِرادہ باندھتا ہوں، سوچتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں　　کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے

علامہ الہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں عُمیر بن اُمیہ کا واقعہ نقل کیا ہے جن کی مشرکہ بہن نبی اَکرم ﷺ کی نسبت کی وجہ سے اُنہیں اَذیّت پہنچایا کرتی تھی ایک روز اُس عورت کی لعن طعن پر مشتعل ہو کر غیرتِ دینی کے تحت عُمیر بن اُمیہ نے اُسے قتل کر دیا بعد ازاں اُس عورت کے بیٹوں نے چند لوگوں کو اپنی ماں کا قاتل قرار دیا عُمیر نے اِس خوف سے کہ کوئی ناحق قتل نہ ہو جائے حضرت محمد ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضری دی اور تمام معاملہ گوش گزار کیا، رسول اللہ ﷺ نے مقتولہ کے بیٹوں کو طلب فرمایا اورحقیقتِ حال اُن کے سامنے عیاں فرمائی نیز یہ فیصلہ بھی صادر فرمایا کہ توہینِ رسالت کی پاداش میں مقتولہ کا خون رائیگاں گیا یعنی اِس خون کے بدلے میں قصاص واجب آتا ہے نہ دیت۔ ۱۲۹یہ واقعہ شاتمینِ رسالت کے لیے باعثِ عبرت ہے کہ اَنبیاء کرام کی شان میں گستاخانہ کلمات اَدا کرنے والے اپنے فعلِ بد کی پاداش میں حرمتِ جان کے تحفظ کی حکومتی ذمہ داری سے فارغ ہو جاتے ہیں اُن کا خون رائیگاں جاتا ہے اور اُن کے قاتل پر قصاص کی دفعہ لاگو آتی ہے نہ دیت کی۔ پنجاب کے سابق گورنر سلمان تاثیر نے علی الاعلان گستاخِ رسالت آسیہ بی بی کا ساتھ دے کر اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قانون کو کالا قانون قرار دے کر ناموسِ رسالت میں گستاخی کرنے کے جُرم کا ارتکاب کیا اور اپنے خون کو رائیگاں کر دیا لہٰذا سلمان تاثیر کا قاتل اسلامی شریعت اور فرامین و اَحکاماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں کسی سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے گستاخِ رسول یہودی سردار کعب بن اَشرف کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''اُس نے اللہ اور اُس کے رسول کو اَذیت پہنچائی'' ۱۳۰اصحاح ستۃ اور موطاَ اِمام مالک میں گستاخِ رسول ابن اَخطل کی موت کا قصہء عبرت اِن الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فتح مکہ کے روز وہ کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا جب کہ اُس کے قتل کا حکم دیا گیا، اِس لیے کہ اُس کا جُرم سنگین ترین تھا۔ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ ۱۳۱اَبو رافع یہودی کو بھی جس وجہ سے قتل کروایا گیا وہ البراء بن عازبؓ کے الفاظ میں اس طرح روایت کی گئی ہے: ((وکان أبو رافع یؤذي رسول اللہ ﷺ ویعین علیہ)) ۱۳۲کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اَذیت دیا کرتا تھا اور ان کے خلاف معاندین کی اَعانت کیا کرتا تھا۔ چونکہ سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر اپنے قول و فعل سے انہی دو جرائم کا مرتکب پایا گیا لہٰذا ممتاز قادری نے اُسے قتل کر کے اَصحاب رسول عبداللہ بن عتیکؓ اور محمد بن مسلمہؓ کے مشن کو اَز سرِ نو سر اَنجام دیا جو شرعاً قابلِ تعزیر نہیں، قابلِ تحسین فعل ہے اور عدلِ اجتماعی کے

Marfat.com

عین مطابق ہے۔ جب مغربی ریاستیں مجرموں کی داد رسی کرنے اور مظلوموں کو پابند سلاسل کرنے پر مصر رہیں تو قادری عظیم دین شہید کا زندہ کردار اپنی تاریخ دہرانے میں دیر نہیں کرتا۔ اور ممتاز زعیم قادری ملت کی آنکھ کا ستارہ اور نوجوانوں کا آئیڈیل بن کر نئی تاریخ رقم کرتا ہے۔ امریکہ کی دنیا میں ایمان ملت سے غداری کرنے والے اگر ممتاز قادری کو پابند سلاسل کیے ہوئے ہیں تو انہیں خدا معتہ کے انجام سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے اور آج انگریزی قانون میں محبین رسول ﷺ کو معتوب کرنے والوں کو نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص جس قوم کی نقالی کرے گا وہ انہی میں سے ہے۔ ((من تشبه بقوم فهو منهم)) ۳۳ یاد رہے کہ جب یہ جاننا ہو کہ حق کہاں ہے تو بزرگ کہتے ہیں کہ یہ دیکھو کہ باطل کی توپوں کا رخ کدھر ہے اور باطل کے نشانوں کی پہچان مقصود ہو تو یہ معلوم کرو کہ غدار کی ہمدردیاں کن کے ساتھ ہیں اس اصول کو مدنظر رکھنے کے بعد یہ معمہ سمجھ میں آتا ہے حقیقت بن کر منظر شہود پر عیاں ہوتا ہے کہ گستاخان شریعت محمدی آسیہ بی بی اور رمشہ کے حامیین مسلمان دشمن اور تسلیمہ نسرین کے پیروکار، امریکی غیر متوازن فکر کے نمائندے، حضور یزیدی میں مغضوبین کی صف میں ہی شمار کیے جائیں گے جو شمر کے ہمرکاب قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن اہل فکر کی سوچ کہتی ہے اس کرب مقتل میں حسینی لشکر کے سفیر ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں انسانیت کے بے قصوروں کا احترام کرنے والے مجرموں کے بنیادی انسانی حقوق کا سبق تو ازبر ہوتا ہے لیکن مظلوموں اور مجاہدوں کے حق میں کلمہ خیر کہنا نصیب نہیں ہوتا ہے۔ ان بدنصیبوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ رسول ﷺ کی تنقیص اور اہانت صرف کفر ہی نہیں بلکہ کفر سے بڑھ کر ارتداد و محاربہ بھی ہے۔ جب تک کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ سے بغض و عداوت نہ ہو وہ سب رسول ﷺ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کسی نام نہاد مسلمان سے اس فعل شنیع کا ارتکاب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اور دین اسلام سے اس نے بغاوت کر دی ہے چنانچہ احادیث نبویہ ﷺ میں شاتم رسول کی جو سزا دی گئی ہے وہ مرتد کے لیے ہے۔ اسی طرح غیر مسلم رعایا اس فعل بد کے ارتکاب کی صورت میں ریاستی قانون سے بغاوت کرنے کے جرم میں اس سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں یہ سزا شریعت اسلامی کا حصہ ہونے کی وجہ سے اسلامی ریاست میں قانون کا درجہ رکھتی ہے لہذا حکمران وقت اس قانون کو کالعدم قرار دینے کا مجاز نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ابدی ہے۔ لہذا تحفظ عدل ہے اور معاشرتی امن و امان کو بحال رکھنے کے لیے ناگزیر بھی۔

(۲)۔ "اسلامی نظام عدل اجتماعی" کو فروغ دینے والے اسباب و عوامل:

ریاست کے استحکام اور تعمیر ملت میں عدل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ریاست کا اقتدار اپنی ہمہ گیر طاقت اور گہرے اثرات و ثمرات کے ساتھ پوری زندگیوں کا رخ متعین کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لیے اس قوت و اختیار کو عدل و احسان پر قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ "اسلامی نظام عدل اجتماعی" کو فروغ دینے والے ذرائع و وسائل اسلامی ریاست کو استحکام بخشنے میں معاونت کرتے ہیں۔ علامہ ماوردی نے "ادب الوزیر" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں: "اے وزیر! تمہارے پاس اس ملک کا قلمدان ہے جس کی بنیاد اسلام ہے اسی دین اسلام کو اپنا قائد بناؤ اور حق کو اپنا رہنما بناؤ اس طرح ہر سخت شخص تمہارے سامنے کمزور ہو جائے گا اور ہر مشکل کام تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔" ۳۶

دیکھ سکتی ہے جہاں عزم و یقین سے چہرہ
رخ بدلتی ہے وہاں گردش دوراں اپنا

Marfat.com

''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کوفروغ دینے والے ذرائع و وسائل درج ذیل ہیں:

(i)- ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے والے ذرائع و وسائل میں تعلیم و اخلاق کو کلیدی مقام حاصل ہے پروفیسر خورشید اَحمد فرماتے ہیں کہ ''تعلیم وہ مسلسل عمل ہے، جس کے ذریعے ایک طرف نئی نسلوں کی اخلاقی، ذہنی اور جسمانی نشوونما بھی ہوتی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے عقائد و تصورات اور تہذیب و ثقافت کی اقدار بھی اس سے اُخذ کرتے ہیں''۔ ۱۳۷ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا تصورِ عدلِ اجتماعی اِس اُمر کا معترف ہے کہ صرف وہ قوم ترقی یافتہ کہلانے کی مستحق ہے جو مادی ترقی کے ساتھ ساتھ علمی و فکری اور اخلاقی و تہذیبی لحاظ سے بھی اُسی رفتار میں ترقی کر رہی ہو، بصورتِ دیگر اخلاقی انحطاط مادی ترقی کے تعاقب میں لگا رہتا ہے اور کسی نہ کسی مرحلے میں یکا یک مادی ترقی کے نشے میں سرشار قوم کو پیچھے سے جا دبوچتا ہے۔ ۱۳۸ ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے والے اَعلی و اَرفع اخلاقی تعلیمات کے داعی اَعظم رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو اعتدال کی راہ پر گامزن رکھنے کا اہتمام فرمایا اور تنبیہی انداز میں اَعلی اَخلاقی اَقدار کی بحالی اور باہمی حقوق وفرائض کی ادائیگی کا احساسِ ذمہ داری اجاگر کرنے کے لیے جو تعلیم مرحمت فرمائی وہ اِن پُرحکمت الفاظ پر مشتمل ہے: ((الدواوين ثلاثة فديوان لا يغفر الله منه شيئا، وديوان لا يعبأ الله به شيئا، وديوان لا يترك الله منه شيئا، فأمّا الديوان الّذى لا يغفر الله منه شيئا فالإشراك بالله عزّوجلّ، قال الله عزّوجلّ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ۱۳۹ وأمّا الديوان الّذى لا يعبأ الله به شيئا قط، فظلم العبد نفسه فيما بينه وبين ربّه،.....وأمّا الديوان الّذى لا يترك الله منه شيئا، فمظالم العباد بينهم القصاص لا محالة)) ۱۴۰ ترجمہ: ''اللہ تعالی کے حضور نامہ اَعمال تین طرح کے ہیں: ایک وہ جو اللہ تعالی کبھی معاف نہیں فرمائے گا، دوسرے وہ جن کی اللہ تعالی قطعاً پرواہ نہیں فرمائے گا، اور تیسرے وہ جس میں سے اللہ تعالی کچھ نہیں چھوڑے گا۔ جو نامہ اَعمال اللہ تعالی کبھی معاف نہیں فرمائے گا وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے متعلق ہیں اللہ تعالی نے فرمایا ہے ﴿بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں فرمائے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اِس کے علاوہ جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا﴾ وہ نامہ اَعمال جس کی اللہ تعالی قطعاً پرواہ نہیں فرمائے گا وہ، وہ ظلم ہے، جو نماز، روزہ چھوڑ کے بندے نے اپنے نفس کے ساتھ کیا یہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے پس بیشک اللہ تعالی اسے بخش دیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس سے صرفِ نظر فرمائیں گیاور وہ نامہ اَعمال جس میں سے اللہ تعالی کچھ نہیں چھوڑیں گے وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے متعلق ہے (اللہ تعالی کے حضور) اس کا بدلہ ناگزیر ہے''۔

(ii)- معاشرتی میدان میں ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے کا ذریعہ، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی عطاء یہ (Mind set) بنا کہ خوشی ہو یا غمی دونوں حالتوں میں عدل کرنا اللہ تعالی کے حضور وسیلہ نجات ہے جیسا کہ نبی اَکرم ﷺ نے فرمایا: کہ: ((ثلاث منجيات: العدل فى الرضا والغضب، والقصد فى الغنى والفاقة، ومخافة الله فى السرّ والعلانية)) ۱۴۱ ترجمہ: تین چیزیں (اللہ کے حضور) نجات کا باعث ہیں: خوشی اور غصّے دونوں (ذہنی کیفیتوں) میں عدل وانصاف سے کام لینا، تونگری اور فقر وفاقہ (دونوں حالتوں) میں میانہ روی کو شعار بنانا، اور پوشیدہ اور اعلانیہ اُمور و معاملات میں خوفِ الٰہی کو غالب رکھنا''۔ اَبو الاَعلی مودودی کہتے ہیں کہ یہ ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' واحد نظام ہے جو عدلِ اجتماعی

Marfat.com

کے نام پر انفرادی آزادیوں کو سلب کرنے، لوگوں کے اَموال ضبط کرنے اور پوری قوم کو چند آدمیوں کا غلام بنا دینے سے گریزاں ہے اگر اسلام کا عدلِ اجتماعی صحیح روح سے نافذ العمل کر دیا جائے تو خود اشتراکیت زدہ ممالک کے لوگ اُس کی روشنی سے اپنی تاریکیوں کو دور کرنے کا ساماں کرنے والے بن کر منصۂ شہود پر اُبھریں گے۔١٤٢

غافل نہ ہو خودی سے، کر اپنی پاسبانی شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اے لَآ اِلٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاھرانہ١٤٣

(iii) - معاشی میدان میں ((ما عالَ مَنِ اقْتَصَدَ)) ١٤٤ (ترجمہ: جس نے میانہ روی اَپنائی وہ کبھی مفلوک الحال نہ ہو گا۔) کا اُصول جہاں مارکیٹ میکانزم میں طلب و رسد کو اعتدال کی روش پر لانے میں معاون بنا وہاں مالی معاملات میں اعتدال کی روش اَپنانے سے ہونے والی بچت (Savings) کا بہترین مصرف نظامِ زکوۃ وصدقات ٹھہرا جس میں ارتکازِ زر کا مؤثر حل موجود تھا۔ صدقات واجبہ (Obligatory) اور نافلہ (Voluntarily assistance) ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے کا بہترین ذریعہ ہیں جو کہ ﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾١٤٥ کے اُصول کے تحت معاشرتی زندگی کا حصّہ بنتے ہیں یہ سنہری نظام اپنے مزاج وثمرات کے اعتبار سے اِس اَمر کا بیّن ثبوت ہے کہ عدالتِ اجتماعیہ صرف معاشی عدل ہی کا نام متصور کیا جائے تو بھی اسلام ہی واحد نظامِ اجتماعی ہے جو عدلِ اجتماعی کا مجاز ہوسکتا ہے۔ اِسی طرح نبی اَکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ ((مجھے اُمراء سے دولت جمع کر کے فقراء میں تقسیم کر دینے کا حکم ہے)) بھی معاشی ومعاشرتی نظام عدل میں انقلابی کردار ادا کرتا ہے۔

(iv) - سیاسی میدان میں اسلام کا ''تصورِ نیابت'' حاکم ومحکوم کے تعلقات اور حقوق وفرائض کو اَفراط وتفریط سے مبرأ کرتا اور ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے کا پُر تاثیر ذریعہ بنتا ہے۔ یعنی نہ تو بے لاگ انفرادی آزادی اور نہ ہی مطلق العنانیت اور خدائی اختیارات کی حامل حکمرانی۔ اسلام کا تصورِ احتساب، اسلام کے تصور نیابت کا تکملہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ((اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ عَلَیْھِمْ وَھُوَمَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَمَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ......)) ١٤٦ ترجمہ: ''جان لو کہ تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے تمہاری رعیّت کے بارے میں پوچھا جائے گا حاکم اپنی رعایا کا نگہبان ہے اُس سے اُن کے بارے میں پوچھا جائے گا اور آدمی اپنے اھلِ خانہ پر نگہبان ہے، اُس سے اُن کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔ حضرت اَنسؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((لَا تَزَالُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ بِخَیْرٍ، مَا اِذَا قَالَتْ صَدَقَتْ وَ اِذَا حَکَمَتْ عَدَلَتْ وَ اِذَا اسْتُرْحِمَتْ رَحِمَتْ)) ١٤٧ ترجمہ: ''یہ امت بھلائی کے ساتھ رہے گی جب تک یہ سچ اختیار رکھے گی جب کلام کرے گی اور عدل کرتی رہے گی جب بھی فیصلہ کرے گی اور رحم کرتی رہے گی جب اِس سے رحم کی استدعا کی جائیگی''۔ سیاسی اعتبار سے نبی اَکرم ﷺ کا وہ فرمان بھی ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کے فروغ میں اَساسی کردار اَدا کرتا ہے جس میں نبی اَکرم ﷺ نے فرمایا کہ ((بئس القوم قوم لا یأمرون بالقسط)) ترجمہ: ''بد ترین قوم وہ قوم ہے جو عدل کا حکم نہیں دیتی ہے۔'' ١٤٨ اسی طرح اسلامی ریاست میں عوام، حکمرانوں کے اَعمال پر احتساب کا اختیار رکھتی ہے۔ اسلامی نظامِ عدل کو رائج العمل کرنے والے حکمرانوں کے لیے اَحادیث

Marfat.com

نبویہ میں بلندیء درجات کی بشارت بھی حکمرانوں کو عدلِ اجتماعی کے نفاذ پر اُبھارنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ اِرشادِ نبوی ﷺ ہے:((اَلْمُقْسِطُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا)) ۱۴۹ ترجمہ: انصاف کرنے والے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور، اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب نور کے مناروں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں اَطراف داہنے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں خواہ اپنے اہلِ خانہ سے متعلقہ اُمور ہوں یا اُن لوگوں سے متعلق جن پر وہ حکمرانی کر رہے ہیں۔

(v) - عدالتی زندگی میں ''اسلامی نظامِ عدل'' کو رواج دینے کا سبب یہ آیۃ کریمۃ ہے جس میں اِرشاد فرمایا گیا کہ ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ ۱۵۰ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن کر رہو۔حضرت اُبوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ ((أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ...... وَأَنْ أَقُوْلَ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا)) ۱۵۱ ترجمہ: ''نبی اَکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے ......کہ میں حق بات کروں اگرچہ وہ تلخ ہی ہو''۔ عدالتی فیصلوں میں عدل سے کام کرنے کی کاوش کی فضیلت کا بیان بھی عدالتی زندگی میں ''اسلامی نظامِ عدل'' کو فروغ دینے کا محرک ہے اِس ضمن میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((إذا حكم الحاكم فاجتهد ثمّ أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثمّ أخطأ فله أجر)) ۱۵۲ ترجمہ: جب قاضی فیصلہ دیتے ہوئے اجتہاد سے کام لیتا ہے اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ درست فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو اُسے دوگنا اَجر عطا کیا جائے گا اور اگر اُسے درست فیصلے تک پہنچنے میں غلطی ہو تو بھی اُسے ایک گنا اَجر وثواب ضرور ملتا ہے۔

(vi) - قانونی حوالوں سے ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے کا سبب شریعت کا یہ اُصول ہے کہ اسلامی ریاست میں مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ کا کام اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ اَحکامات کا عملی نفاذ ہے اسلامی ریاست کے ستون (مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ) کوئی ایسی قانون سازی کرنے کے مجاز نہیں ہوتے، جو اَحکاماتِ اِلٰہی کے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہوں یہی وہ بات ہے جسے نبی اَکرم ﷺ نے اِن اَلفاظ میں اُمت کے ذہن نشین کروایا ہے کہ ((لَقَدْ حَكَمْتُ فِيْهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) ۱۵۳ ترجمہ: میں اللہ عزّ وجلّ کے حکم کے تابع فرما فیصلے کرتا ہوں۔چونکہ اللہ عزّ وجلّ کے تمام اَحکامات عینِ عدل ہوتے ہیں لہٰذا اُن کا نفاذ عدلِ اجتماعی کی راہ ہموار کرنے کا موجب ثابت ہوتا ہے۔

ع ہاتھ ہے اللہ کا، بندہء مؤمن کا ہاتھ غالب وکار آفریں، کار کُشا، کارساز ۱۵۴

(vii) - دفاعی میدان یعنی نظریاتی محاذ پر دفاع کی ذمہ داریاں نبھانا بھی ''اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی'' کو فروغ دینے کا باعث اُمر ہے نبی اَکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ''أيّ الجهاد أفضل؟ (اَفضل ترین جہاد کون سا ہے ؟) قال: ((كلمة عدل عند إمام الجائر))'' (اِرشاد فرمایا کہ ظالم و جابر حکمران کے سامنے انصاف کی بات کرنا)۔ ۱۵۵ سنن اَبو داود میں یہ روایت اِن لفظوں میں بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)) ۱۵۶ عصرِ حاضر میں کلمۂ عدل کی نشر واَشاعت میں پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا اَہم مقام کے حامل ہیں۔نیز مستشرقین کی اسلام کے خلاف اعتراضات واتہامات پر مبنی ہرزہ سرائیوں کا جواب دینے اور ناموسِ قرآن اور ناموسِ رسالت سے متعلقہ قوانین کے حق میں دلائل، مغرب پرست حکمرانوں کے گوش گزار کرنا بھی قلمی وصحافتی میدان میں اَفضل جہاد کا درجہ رکھتا ہے جس کے

Marfat.com

بارے میں تعلیماتِ نبوی ﷺ میں حضرت ابن عباسؓ کی اِس روایت کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سید الشہداء حمزۃؓ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص ہے جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو جائے اور بدی سے روکے اور اسے نیکی پر بلائے پھر وہ (ظالم حکمران نتیجتاً) اُسے قتل کر دے۔ ۱۵۷ یہ روایت نظریاتی محاذ پر جہاد کرنے والے مجاہدین کو اسلام کا ''نظامِ عدلِ اجتماعی'' نافذ کرنے کا سحر انگیز عزم اور بلند حوصلہ پیدا کرنے کا موجب ہے۔

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی! اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ ﴿لَا تَخَفْ﴾ ۱۵۸

خلاصہ کلام

الماوردی اپنی کتاب ''اَدب الوزیر'' کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ: ''بعض دانشوروں سے پوچھا گیا کہ دفاع کے لیے کون سا لشکر زیادہ مفید ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ دین و مذہب، دوسرا سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ طاقتور فوج کونسی ہے؟ دانشوروں نے جواب دیا عدل و انصاف''۔ ۱۵۹ انیسویں صدی میں جرمن مفکر کارل مارکس نے معاشرے میں مزدور طبقے کے حق میں ایک نعرہ مستانہ بلند کیا جسے ''عدلِ اجتماعی'' کی اصطلاح کا لبادہ اوڑھا دیا گیا۔ جو مطلقاً غلط اور مجہول تصور پر مشتمل اصطلاح ہے۔ مغربی مصنفین کو نئی اصطلاحات اختراع کرنے کا اتنا شوق ہے کہ چاہے کوئی نئی بات کہی ہو یا نہ کہی ہو، مگر نئی اصطلاحات ضرور ہوں، یہ نئی اصطلاحات بھی دو قسم کی ہیں: ایک تو بھاری بھرکم اور پیچیدہ الفاظ ہیں جن کا بعض دفعہ کوئی مطلب نہیں ہوتا، مگر علمیت ضرور ٹپکتی ہے۔ لکھنے والوں کی تحریر میں ایسی اصطلاحات کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والا کوئی مطلب اَخذ نہیں کر سکتا، اور اُس کا ذہن معطل ہو جاتا ہے۔ دوسرے وہ اصطلاحات ہیں جو بظاہر خوش نما ہوتی ہیں اور براہ راست جذبات کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دونوں قسم کی اصطلاحات کا مقصد اَصل میں یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اپنے ذہن سے کام نہ لے سکے۔ ۱۶۰ مثلاً ۱۸ ویں صدی میں انقلاب فرانس کو مغرب ''جمہوریت کی فتح'' کا نام دیتا ہے جبکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ۱۷۹۰ء کے قریب فرانسیسی بادشاہ کو قتل کر کے عنانِ حکومت نئے لوگوں کو منتقل کر دیا گیا تھا لیکن اِس سفاکی کو جس سنہری اصطلاح کے لبادے سے متعارف کروایا گیا وہ ''جمہوریت کی فتح'' کی اصطلاح تھی۔ اِسی طرح اہلِ مغرب کی دیگر خوبصورت لیکن مخصوص ایجنڈوں کی نمائندہ اصطلاحیں ''آزادی''، ''اخوت''، اور ''مساوات'' ہیں جن کے مفاہیم اہلِ مغرب کی روایات کے مطابق متعین کردہ ہیں۔ مثلاً مغرب والے ''آزادی'' سے مراد مادر پدر آزاد، بے لاگ، مذہب بیزار، لامحدود اختیارات ہیں، آزادی کے اِس تصور کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کر دینے سے تمام افراد کے آزادانہ حقوق کا تصور، جنگل کے قانون کے آگے سرنڈر ہو کر رہ جاتا ہے، اِسی طرح مغرب والے اِس بناء پر اُخوت کے قائل ہیں کہ اُن کے مطابق سارے انسانوں کی جسمانی اور نفسیاتی ضروریات ایک سی ہیں۔ اہلِ مغرب کا ''تصورِ مساوات'' بھی بے اعتدالی کا شکار ہے۔ اَہلِ مغرب کے نزدیک مساوات یہ ہے کہ صرف جسمانی ضروریات یا معاشرتی ضروریات اور انہیں پورا کرنے کے حقوق کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ہر اعتبار سے سارے انسان مساوی ہیں۔ لہذا انسانوں کے درمیان درجہ بندی نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ ذہنی استعداد کے لحاظ سے انسانوں میں جو لازمی فرق ہوتا ہے اُسے بھی یہ لوگ ماننے کو تیار نہیں۔ اسی اُصول کی بناء پر یہ مطالبے ہوتے ہیں کہ سب لوگوں کو ایک جیسا کھانا، کپڑے، مکان وغیرہ ملیں۔ اِس سے بھی زیادہ مہمل مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ سب کو

Marfat.com

تعلیم بھی ایک جیسی ملے۔ اِسی اُصول کی بناء پر یہ مطالبہ ہوتا ہے، کہ دینی معاملات میں بھی سب کا درجہ مساوی ہونا چاہیے ظاہر ہے کہ مساوات کا یہ تصور انسانی فطرت کے حقائق کے بالکل خلاف ہے، اور اس پر عمل بھی نہیں ہوسکتا ۱۶۱ مگر مغرب والے کسی صورت اپنے من گھڑت غیر فطری تصورات کی حامل ''مبہم اصطلاحات'' چھوڑنے کو آمادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مذہب اہل مغرب کی ''مبہم اصطلاحات'' کو فطری اور صحیح الجہت معنی سے نوازتا ہے تو یہ اُس مذہب کی دشمنی میں اِس درجہ انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اُس مذہب کے پیروکاروں کو ''دہشت گردی'' کی اصطلاح کے لیبل سے نوازتے ہوئے اُن پر اتہام بازی کا بازار گرم کرتے ہیں اور عالمی میڈیا پر اُن کی بدنامی کا اتنا ڈھول پیٹتے ہیں کہ جھوٹ پر سچ کا گماں ہونے لگے بعدازاں اس میڈیا وار میں کامیابی کے بعد کمزور اقوامِ عالم پر دست درازی کا جواز تراشتے ہیں اور اچنبھے کی بات یہ کہ اپنے ظلم اجتماعی کی روش سے تائب ہوئے بغیر ''عدلِ اجتماعی'' کے علمبردار ہونے کا دعویٰ بھی دہرائے چلے جاتے ہیں۔اور اُن کے معتقدین مغرب کے ذہنی غلام حکمرانوں کو اُن کا سیاہ بھی سفید نظر آتا ہے اِن برسات کے اندھوں کو اسلامی نظامِ عدلِ اجتماعی میں سے کیڑے نکالنے کے شغل کے علاوہ کوئی کام نہیں۔

مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے، یورپ سے نہیں ہے ۱۶۲   یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو

اسلام جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سلامتی اور اُمن کا مذہب ہے سلامتی اور اُمن کا قیام عدل وانصاف کی ترویج اور ظلم وتعدی کی بیخ کنی سے ہی ممکن ہے اِس لئے اسلام نے ہمیشہ عدل وانصاف کی اشاعت اور ظلم کے خاتمہ پر زور دیا ہے۔قرآنِ مجید اور اُحادیث نبوی ﷺ میں بے شمار مواقع پر انصاف کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ۱۶۳ سرمایہ داری نظام ہو یا اشتراکیت اِن نظاموں کے حاملین کو یہ معلوم ہے کہ ''اسلامی اقتدار، سلطنت کو قانونی عدل وانصاف اور مالی عدل وانصاف کی راہ پر لگا دے گا، اور اِس طرح آمریت اور مالی استبداد کے ناخن کاٹ ڈالے گا، لہٰذا وہ اُس سے جوکھی لڑائی لڑتے ہیں۔ کبھی کھل کر سامنے آتے ہیں اور کبھی پردوں کے پیچھے چھپ کر لڑتے ہیں یہ پردے کون سے ہیں؟ طاغیوں اور استحصالیوں (یعنی نیٹو اور نان نیٹو اتحادی اُقوام) کے پردے، نام نہاد آزاد خیال پڑھے لکھوں (یعنی غلام ذہنیت والے کالے انگریزوں کے پردے اور تعلیمی میدان میں (مغربی استعمار کے لیے) کام کرنے والوں کے شعوری یا غیر شعوری پردے''۔ ۱۶۴ آپ ﷺ نے اپنی حیاۃ طیبہ میں عدل قائم کیا اور ظلم کا خاتمہ کیا، قرآنِ مجید میں آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ کا ایک اہم مقصد اللّٰہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان عدل کا قیام بتایا گیا ہے جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ ۱۶۵ ترجمہ: (اے نبی! کہہ دو کہ) مجھے حکم دیا گیا ہے تمہارے درمیان عدل کروں۔ سورۃ الاٗعراف میں اللّٰہ تعالیٰ نے نبی اُکرم ﷺ سے فرمایا ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ ۱۶۶ ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی اُکرم ﷺ نے ظلم کو قیامت کی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی قرار دیا ہے ((اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ۱۶۷ ترجمہ: ''تم ظلم کرنے سے بچو بیشک ظلم، روزِ قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے''۔حدیث قدسی ہے جس میں نبی اُکرم ﷺ نے اللّٰہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے کہ ((یا عبادی! إنّی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرماً فلا تظالموا)) ۱۶۸ ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنا اپنی ذات پر حرام کر دیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنا تمہارے درمیان بھی حرام ٹھہرایا ہے لہٰذا

Marfat.com

ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ یہی وہ درس ہے جو اُمت مسلمہ کو ہمیشہ کیلئے سکھا دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی رسول ﷺ حضرت ربعی بن عامرؓ جب بطور سفیر ایران کے بادشاہ یزدجرد کے دربار میں گئے تو اپنے آنے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ "الله ابتعثنا لنخرج النّاس من عبادة العباد إلى عبادة الله وحده، ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، و من جور الأديان إلى عدل الإسلام"۔۱۶۹ ترجمہ: اللہ کریم نے ہمیں بھیجا ہی اِس لیے ہے کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کریم کی بندگی میں داخل کر دیں۔ انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر اُس کے دین کی وسعت میں لے جائیں اور مختلف اَدیان اور نظاموں کے ظلم سے چھڑا کر اسلام کے عدل کی طرف پھیر دیں۔۱۷۰

ع

شرکتِ میانہء حق و باطل نہ کر قبول — باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے

اَبو الاَعلیٰ مودودی نے عدلِ اجتماعی کے ضمن میں مختصر اور جامع بات قلمبند فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ "اسلام ہی میں عدالتِ اجتماعیہ ہے"۔۱۷۱ عدل پر مبنی نظامِ اجتماعی سے مراد ایک ایسا سماجی نظام ہے جو اپنے مقصدِ حیات، علوم و اَفکار، اپنی نوعیت، حیثیت، وسعت، معیارات، دائرہ کار، اور نفسِ مضمون کے اعتبار سے انسانی فکری لغزشوں یعنی اَفراط و تفریط سے مبرأ ہو، اسلامی نظام کے علاوہ دیگر تمام نظام چونکہ انسانی ذہن کی اختراع ہیں جو انسانی علم کی محدودیت، عقلِ انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل پر خواہشات و تعصبات کے غلبے کی وجہ سے کاملیت، دائمیت، اور عالمگیریت کے اَوصاف سے عاری ہیں۔ انسانی عقل ناقص ہے اور ناقص سے کامل کی تخلیق کا تصور محال ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ صرف اسلامی نظامِ حیات ہی عدلِ اجتماعی کا نمائندہ نظام ہے۔ کیونکہ اسلام اور عدل دو متضاد چیزوں کے نام نہیں بلکہ یہ عادلِ کُل جہاں کی عطاء ہے لہٰذا اِسلام کا نفاذ فی نفسہٖ، جہانِ عالم میں نظامِ عدل کا نفاذ ہے۔

خِرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں — ترا علاج، نظر کے سوا کچھ اور نہیں۱۷۲

ہر اِک مقام سے آگے مقام ہے ترا — حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں ۱۷۳

الحواشي

۱۔ گوہر رحمٰن: اسلامی سیاست [لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ط: ۸، ۲۰۰۲ء) ص: ۲۱۱- حوالہ سابق بتصرف ص: ۱۱، ۱۲، ۳- پروفیسر عبد الحمید ڈار و اَصحابہ: اسلامی معاشیات [لاہور: علمی کتب خانہ) ص: ۵۱۳، مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں ؛ ڈاکٹر محمد اَحمد عبد الغنی: العدالة الإجتماعية في ضوء الفكر الإسلامي، [المشرف: أ- د- نايف معروف، أطروحة أعدت لنيل درجة الدكتوراة في الدراسات الإسلامية، ۲۰۰۴ء]"سید قطب: اسلام میں عدلِ اجتماعی [لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ]، اَبو الاعلیٰ مودودی: معاشیاتِ اسلام [لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ] Economic justice in Islam: Dr.S.M.Yousaf (Lhr: Sh.Muhammad Ashraf),Economic Enterprise in Islam: Dr. Nijatullah Siddiqui(Lhr: Islamic publications Ltd.) ۴- عیسی بن عبد الله السعدي: دلالة الأسماء الحسنى على التنزيه [الطائف: قسم الدراسات الاسلامية، كلية التربية](۹۲/۱) ۵- راغب أصفهاني: مفردات ألفاظ القرآن (دمشق: دارالقلم) ۲/۲۷) ۶-"فإنّ العدل هو المساواة في المكافأة إن خيراً فخير، وإن شرًّا فشرّ" راغب أصفهاني: مفردات ألفاظ القرآن (دمشق: دارالقلم) ۲/۲۷) ۷- النحل: ۹۰ ۸- خالد علوی: انسانِ کامل [لاہور: الفیصل ناشران، ط: ۲، ۱۹۹۷ء] ص:

Marfat.com

۵۹۶، ۵۹۷) ۹-محمد حسن عسکری: ''جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ'' مجموعہ محمد حسن عسکری [لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز ۱۹۹۴ء]ص:

۱۲۲۵، ۱۲۲۶) ۱۰- فیجب علی کل عضو فی الحزب أن یکفر بجمیع الأدیان وأن یؤمن بعصمة شارل مارکس فی کلّ ما شرعه واعتقده ولینین و کان ستالین ثالث ثلاثة الی أن خلعه نائبه وشریکه فی کلّ ما ارتکبه خروتشوف بعد وفاته (محمد تقی الدین الہلالی: الاسلام والمذاہب الاشتراکیۃ [المدینۃ المنورۃ: الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۹۷۰ء]ص: ۱۶ ۱۱-سید قطب شہید: معرکہ اسلام اور سرمایہ کاری[مترجم: منظور أحمد، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ط:۱، ۱۹۸۹ء] ص: ۱۸۰، ۱۸۱) ۱۲- Gettell, Raymond G. : -۱۳"History of political thought" (London: George Allon & unwin Ltd.1964)P.9) Dr. Khalid Mahmood : Islam in modern age (Islamabad: National book foundation, 1st Edition 1999p.46-52) ۱۴-محمد تقی الدین الہلالی: الاسلام والمذاہب الاشتراکیۃ ص: ۱۲، ۱۳ ۱۵-حوالہ أیضاً ص: ۱۲، ۱۳ ۱۶- حوالہ أیضاً ص: ۱۸)) ۱۷-أبو الأعلی مودودی: معاشیات اسلام (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۲۰۰۹ء) ص: ۳۸۳، ۳۸۴) ۱۸-الزخرف: ۳۲ ۱۹-صحیح البخاری (۱۴۹/۳، رقم ۲۵۴۵) ۲۰-صحیح البخاری (۲/۳، رقم ۲۲۲۷ وأطرافہ ۲۲۷۰)، المعجم الصغیر للطبرانی (۴۳/۲، ۴۴ رقم ۸۸۴)، مسند أحمد (۳۵۸/۲، رقم ۸۶۷۷، إسنادہ حسن)، سنن ابن ماجہ (۸۱۶/۲، رقم ۲۴۴۲، وضعفہ الألبانی)، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (۳۳۵/۸، رقم ۱۲۱۰۹)، شرح السنۃ للبغوی (۲۶۵/۸، ۲۶۶، رقم ۲۱۸۶)، وقال شعیب الأرنؤوط: ھذا حدیث صحیح)، المنتقی لابن الجارود (۱۴۹/۱، رقم ۵۷۹)

۲۱-ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۹۸ء)۲۸۳/۲، ۲۸۴) ۲۲-محمد تقی الدین الہلالی: الاسلام والمذاہب الاشتراکیۃ (المدینۃ المنورہ: الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)ص: ۱۰)) ۲۳-ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت ۲۴۵/۲) ۲۴-ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت (۲۴۴/۲) ۲۵-ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت (۲۴۱/۲) ۲۶- ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت (۲۳۹/۲) ۲۷-اسلامی معاشیات ص: ۱۰۹، ۱۱۰، ۲۸-الإسراء: ۳۱ ۲۹-پیر محمد کرم شاہ الأزہری: تفسیر ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۴۰۲ھ) ۶۵۶/۲، سورۃ الإسراء: ۳۱ ۳۰-﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً...فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾(الإسراء: ۱۶) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے صدقے ہمارے أعمالِ بد سے صرف نظر فرمائے اور ہمارے ساتھ عافیت وبخشش کا معاملہ فرماتے ہوئے اِس عذاب کو ہم سے ٹال دے۔ (آمین) ۳۱-محمد أبصار عالم: ریمنڈ ڈیوس - سفارتکار یا جاسوس؟ [لاہور: ایمان پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء] ص: ۶۲، ۶۳ ۳۲-حوالہ سابق بتصرف ص: ۱۱، ۱۲ ۳۳-۹ ایم ایم کی پستول، اور ۷۵ گولیاں، لانگ رینج کی وائرلیس، جی ایس پی، دو موبائل فون اور پانچ سمیں (جن کے ریکارڈ سے قبائلی علاقہ جات کے رابطہ نمبرز موصول ہوئے جو ڈرون حملوں کا نشانہ رہتے ہیں اور یہ شخص انہیں مونیٹر کرنے والے اسٹیشن کا چیف تھا یہ وہ بات ہے جو بعد ازاں امریکی انتظامیہ نے ریمنڈ ڈیوس کی گرفتاری کے ۲۸ دن بعد تسلیم کی کہ وہ پاکستان میں سی آئی اے کا ایجنٹ تھا)، ٹیلی سکوپ، کیمرہ، ٹارچ، امریکی ڈالر، بلینک چیک، پاکستانی أہم مقامات کے نقشے اور تصویریں، ۱۴ قسم کے مختلف شناختی کارڈز، نسوار (جو یقیناً وہ خود استعمال نہیں کرتا تھا بلکہ کسی قبائلی عمائد کو تحفہ دینے کے لئے اُس کے پاس موجود تھی)، شناخت بدلنے والا میک اپ کا سامان ۳۴-حوالہ سابق بتصرف ص: ۱۲ ۳۵- This CIA agent is no diplomat.by Craig Murray ۳۶-محمد أبصار عالم: ریمنڈ ڈیوس - سفارتکار یا جاسوس؟ ص: ۲۲۰، ۲۲۱ ۳۷-محمد أبصار عالم: ریمنڈ ڈیوس - سفارتکار یا جاسوس؟ ص: ۴۸ ۳۸-حوالہ سابق بتصرف ص: ۴۹ ۳۹-جیسا کہ امریکہ کی سابق وزیر خارجہ مس

Marfat.com

البرائٹ نے پاکستانی قوم کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ یہ قوم ضرورت کے وقت اپنی ماں کو بھی فروخت کر دیتی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) ۴۰-شکیل الرحمٰن: ''نئے عالمی نظام میں امریکی زوال پوشیدہ ہے'' مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام مرتبہ پرواز رحمانی (لاہور: منشورات، ط: ۱، ۲۰۰۷ء) ص: ۲۰۹، ۲۱۰)، ۴۱- حوالہ أیضاً ۴۲-صحیح البخاری (۱۰۸/۲، رقم ۱۴۱۱، وأطرافہ ۱۴۲۴) ۴۳-المائدۃ: ۴۴۸-ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی: العلاقات الدولیۃ فی الإسلام (مقارنۃ القانون الدولی الحدیث) [اردو ترجمہ، ''بین الأقوامی تعلقات اسلامی اور بین الأقوامی قانون کا تقابلی مطالعہ''، مترجم: مولانا حکیم اللہ، اسلام آباد: شریعۃ اکیڈمی بین الأقوامی اسلامی یونیورسٹی، ط: ۱، ۲۰۱۰ء] ص: ۱۷۰ ۴۵-صحیح مسلم (۱۹۸۶/۴، رقم ۲۵۶۴)، مسند أحمد (۲۷۷/۲، رقم ۷۷۱۳، اس کی اسناد جید ہیں)، سنن ابن ماجہ (۱۲۹۸/۲، رقم ۳۹۳۳، علامہ البانی کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے)، والترمذی فی سننہ (۳۲۵/۴، رقم ۱۹۲۷، وصححہ الألبانی)، شرح السنۃ للبغوی (۱۳۰/۱۳، رقم ۳۵۴۹) والقضاعی فی مسند الشہاب (۱۳۶/۱، رقم ۱۷۶) ۴۶-صحیح البخاری (۱۲/۹، رقم ۶۹۱۴)، صحیح ابن حبان (۲۳۸/۱۱، رقم ۴۸۸۱، وصححہ الألبانی) ۴۷-المائدۃ: ۳۲ ۴۸-پیر محمد کرم شاہ الأزہری: تفسیر ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۴۰۲ھ) ۶۵۸/۲، سورۃ الإسراء: ۳۳ ۴۹-مولانا محمد ظفیر الدین: اسلام کا نظام عفت و عصمت (لاہور: دارالاندلس) ص: ۳۳۲ ۵۰-الأنعام: ۱۵۱ ۵۱-الإسراء: ۳۲ ۵۲-وہبۃ بن مصطفی الزحیلی: التفسیر المنیر (بیروت (دمشق): دارالفکر المعاصر، ۱۴۱۸ھ) ۶۵/۱۵ ۵۳-الإسراء: ۳۲ ۵۴-علامہ القشیری: تفسیر القرآن العظیم تحت سورۃ الإسراء: ۳۲، ۲۵۹/۴ ۵۵-الإسراء: ۵۶۲۹-الإسراء: ۳۵ ۵۷-الإسراء: ۳۶ ۵۸-تفسیر ضیاء القرآن ۶۵۹/۲ ۵۹-الإسراء: ۳۶ ۶۰-محمد حسن عسکری: ''جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ'' ص: ۱۲۰۷، ۱۲۰۸ ۶۱-السنن للترمذی (۱۰/۳، رقم ۱۳۲۹، وقال أبوعیسیٰ: حدیث حسن غریب)، وشرح السنۃ للبغوی (۶۵/۱۰، رقم ۲۴۷۲) ۶۲-المغنی لابن قدامۃ المقدسی (ت: ۶۲۰ھ) [مکتبۃ القاهرة بدون الطبع، ۱۹۶۸ء] ۵۱۲/۲ ۶۳-المغنی لابن قدامۃ المقدسی (ت: ۶۲۰ھ) ۴۷۵/۶ ۶۴-صحیح البخاری (۱۶۳/۸، رقم ۱۶۴)، الموطأ لإمام مالک (۱۳۸۹/۵، رقم ۳۵۰۵)، صحیح ابن حبان (۳۳۸/۱۰، رقم ۴۴۸۶، وأطرافہ ۳۳۸/۷، وصححہ الألبانی)، السنن للنسائی (۲۲۲/۸، رقم ۵۳۸۰)، والسنن الکبری للنسائی (۳۹۷/۵، رقم ۵۸۹۰، وأطرافہ ۱۱۷۹۸)، والسنن للترمذی (۵۹۸/۴، رقم ۲۳۹۱)، شرح السنۃ للبغوی (۳۵۴/۲، رقم ۴۷۰)، وابن عساکر فی المعجم (۴۴۲/۱، رقم ۵۳۳) ۶۵-((شهدتُ حلفا فی الجاهلیة ما أحبّ أنّ لی به حب النعم لو دعیت إلی مثله فی الإسلام لأجبت)) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (ت: ۴۵۸ھ) [المحقق: عبد المعطی، کراچی: جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، ط: ۱، ۱۹۹۱ء] (۳۰۴/۹، رقم ۱۳۲۳۲)، أخبار مکۃ للفاکھی (ت: ۲۷۲ھ) [المحقق: عبدالملک عبد اللہ دھیش، بیروت: دار خضر، ط: ۲، ۱۴۱۴ھ] (۱۷۰/۵) ۶۶-صحیح البخاری (۱۴۰/۱، رقم ۶۹۳، وأطرافہ ۶۹۶، ۷۱۴۲)، مسند أحمد (۱۱۴/۳، رقم ۱۲۱۴۷، وأطرافہ ۱۲۷۷۵ إسنادہ صحیح علی شرط البخاری، سنن ابن ماجہ (۹۵۵/۲، رقم ۲۸۶۰ صححہ الألبانی)، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (۲۲۴/۱۲، رقم ۱۶۵۲۱)، شرح السنۃ للبغوی (۴۲/۱۰، رقم ۲۴۵۳) ۶۷-محمد مجیب: ''سیاسی فلسفہ'' نگارشات [لاہور: ۱۹۹۸ء] ص: ۳۹، ۶۸-روز نامہ اُمت کراچی، روزنامہ نوائے وقت لاہور جلد: ۷۲، شمارہ: ۱۵۴، ص: ۵ ۶۹-محمد ظفیر الدین: اسلام کا نظام عفت و عصمت ص: ۳۲۷ ۷۰-محمد مجیب: ''سیاسی فلسفہ'' نگارشات ص: ۱۳۹ ۷۱- Francis Mcdonald comford: The Republic of Plato (The clarendon Press Oxford 1966)P.14 ۷۲-أبوالأعلیٰ مودودی: معاشیاتِ اسلام ص: ۳۸۵، ۳۸۶ ۷۳-حوالہ أیضاً ص: ۳۸۶ ۷۴-((أعاذنا الله من أمارة السفهاء: یا رسول الله ما أمارة السفهاء قال: أمراء یکونون بعدی لا یهتدون بهدیی، ولا یستنون بسنتی فمن صدّقهم بکذبهم وأعانهم علی

Marfat.com

ظلمهم ليسوا منّي ولست منهم ولا يردوا عليّ حوضي، ومن لم يصدّقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فهم منّي وأنا منهم)) صحیح ابن حبان ۲۷۲/۱۰، رقم ۴۵۱۴ ۷۵-البقرۃ: ۲۰۸ ۷۶-الحجرات: ۱۳ ۷۷- أبو الأعلی مودودی: دینیات [لاہور: ترجمان القرآن، ط: ۲۳، ۷۲، ۲۰۰۲ء] ص: ۱۷۶ ۷۸-ابن کثیر الدمشقی (ت: ۷۷۴ھ): تفسیر القرآن العظیم [المحقق: سامی بن محمد سلامۃ، دار طیبۃ للنشر والطباعۃ، ۱۹۹۹ء] ۳۸۶/۷ ۷۹-سنن أبي داود (۲۹۲/۴، رقم ۵۱۱۸، قال الألبانی: حدیث حسن)، السنن للترمذی عن ابن عمر (۳۸۹/۵، رقم ۳۲۷۰، صححه الألبانی) ۸۰-صحیح مسلم (۱۹۸۷/۴، رقم ۲۵۶۴)، صحیح ابن حبان (۱۱۹/۲، رقم ۳۹۴، حدیث صحیح)، مسند أحمد (۲۸۴/۲، رقم ۷۸۱۴ وأطرافه ۱۰۹۷۳، إسنادہ صحیح علی شرط مسلم)، شرح السنۃ للبغوی (۳۴۱/۱۴، حدیث صحیح)، حلیۃ الأولیاء (۹۸/۴) ۸۱-سنن ابن ماجہ (۸۹۵/۲، رقم ۲۶۸۳، وصححه الألبانی)، شرح السنۃ للبغوی (۱۷۲/۱۰، ۲۵۳۱)، المنتقی لابن الجارود (۱۹۴/۱، رقم ۷۷۱) ۸۲-الأحادیث المختارۃ أو المستخرج من الأحادیث المختارۃ مما لم یخرجه البخاری ومسلم فی صحیحهما: ضیاء الدین المقدسی (ت: ۶۴۳ھ) [تحقیق: د۔ عبد الملک بن عبد اللہ بن دهیش، لبنان، دار خضر، ط: ۳، ۲۰۰۰ء] ۱۳۳/۹، رقم ۱۱۵ ۸۳-النساء: ۱ ۸۴-الحشر: ۱۸ ۸۵-صحیح مسلم (۷۰۴/۲، رقم ۱۰۱۷ إسنادہ صحیح) مسند أحمد (۳۵۸/۴، رقم ۱۹۱۹۷ إسنادہ صحیح علی شرط مسلم)، المعجم الکبیر للطبرانی (۳۲۸/۲، رقم ۲۳۷۲)، سنن النسائی (۷۵/۵، رقم ۲۵۵۴)، صحیح ابن حبان (۱۰۱/۸، رقم ۳۳۰۸) ۸۶-ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت بتصرف، ۱۵۴/۲ ۸۷-المستدرک للحاکم (۱۲۹/۴، رقم ۷۱۱۴) ۸۸-البقرۃ: ۱۸۸ ۸۹-المعجم الأوسط للطبرانی (۱۱۳/۶، رقم ۵۹۶۱) ۹۰-عبد الحمید ڈار: اسلامی معاشیات ص: ۵۱۷، ۵۱۸ ۹۱-ڈاکٹر نور محمد غفاری: اسلام کا معاشی نظام (بتصرف) [لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ط: ۱، ۱۹۹۴ء] ص: ۳۰۵ ۹۲-الأنفال: ۶۰ ۹۳-یس: ۶۰ ۹۴-فخر الدین الرازی (ت: ۶۰۶ھ): مفاتیح الغیب (المعروف بہ: تفسیر کبیر) [بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ط: ۱، ۲۰۰۰ء] (۸۵/۲۶) ۹۵-الناس: ۵ ۹۶-النور: ۲۱ ۹۷-النساء: ۵۹ ۹۸-سنن الترمذی ۲۰۹/۴، رقم ۱۷۰۷ ۹۹-مسند أحمد (۱۳۱/۱، رقم ۱۰۹۵، إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین المعجم الکبیر للطبرانی (۱۷۷/۱۸، رقم ۴۰۷، وأطرافه ۴۳۷، ۴۵۱۷ عن عمران بن حُصین) ۱۰۰-فخر الدین الرازی (ت: ۶۰۶ھ): مفاتیح الغیب المعروف بہ: تفسیر کبیر [بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ط: ۱، ۲۰۰۰ء] (۸۵/۲۶) ۱۰۱-لقمان: ۱۳ ۱۰۲- الإسراء: ۷۰ ۱۰۳-فخر الدین الرازی (ت: ۶۰۶ھ): مفاتیح الغیب ۱۲۸/۲۵ ۱۰۴-"الحکم علی خلود عذابه وحکمه لا یتغیر" (الألوسی: روح المعانی [بیروت: دار إحیاء التراث العربی] (۵۱/۵) ۱۰۵-سنن الترمذی (۱۷۲/۵، رقم ۲۹۰۶، حدیث غریب)، شرح السنۃ للبغوی (۴۳۷/۴، رقم ۱۱۸۱) ۱۰۶-النازعات: ۲۴ ۱۰۷-محمد اقبال: "بال جبریل"، کلیات اقبال [لاہور: الفیصل ناشران] ص: ۳۳ ۱۰۸-البقرۃ: ۴۹ ۱۰۹- سفر الخروج ۱:۱۱-۲۲ ۱۱۰-الشعراء: ۴۱، ۴۲ ۱۱۱-الشعراء: ۴۹ ۱۱۲-گوہر الرحمٰن: اسلامی سیاست (بتصرف) [لاہور: ادارۃ معارف اسلامی، ط: ۸، ۲۰۰۲ء] ص: ۶۰- ۶۶ ۱۱۳-سنن أبي داود (۱۲۲/۲، رقم ۱۹۰۷، حدیث صحیح)، صحیح مسلم (۸۸۶/۲، ۱۲۱۸)، السنن الکبری للنسائی (۱۵۵/۴، رقم ۳۹۸۷)، صحیح ابن حبان (۳۱۰/۴، رقم ۱۴۵۷، وأطرافه ۳۹۴۴ حدیث صحیح)، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (۳۰۶/۱۳، رقم ۱۸۲۷۹)، أخبار مکۃ للفاکهی (۱۰۱/۳، رقم ۱۸۹۱) ۱۱۴-صحیح مسلم (۱۴۷۸/۳، رقم ۱۸۵۰)، المعجم الأوسط للطبرانی (۱۹۲/۴، رقم ۳۹۴۶، وأطرافه ۱۶۷۱)، الإبانۃ الکبری لابن بطۃ عن أبي هریرۃ واللفظ له: ((مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ، يَدْعُوْ إِلَى عَصَبِيَّةٍ، أَوْ يَغْضَبُ لِلْعَصَبِيَّةِ، فَمَاتَ فَمِيتَتُهُ جَاهِلِيَّةٌ)) (۲۸۲/۱، رقم ۱۱۰)، سنن النسائی (۱۲۳/۷، رقم ۴۱۱۴، وأطرافه ۴۱۱۵ حدیث صحیح)، سنن ابن ماجہ (۱۳۰۲/۲، رقم ۳۹۴۸، حدیث صحیح) ۱۱۵-البقرۃ: ۲۷۹ ۱۱۶-صحیح مسلم (۱۲۱۹/۳، رقم ۱۵۹۸)، المعجم الأوسط للطبرانی عن علیؓ (۱۲۷/۷، رقم ۷۰۶۳)، سنن أبي داود (۲۴۹/۳، رقم ۳۳۳۵، صححه

Marfat.com

الألبانی)، مسند أحمد (۸۳/۱، رقم ۶۳۵، وأطرافه ۱۳۶۴، حدیث حسن لغیرہ وهذا إسناد ضعیف لضعف الحارث الأعور)، صحیح ابن حبان
(۳۹۹/۱۱، رقم ۵۰۲۵)، سنن النسائی (۱۴۷/۸، رقم ۵۱۰۳، وأطرافه ۵۱۰۴، ۵۱۰۵ صحّح الألبانی)، سنن الکبری للنسائی (۲۳۲/۵، رقم ۵۵۱۲)،
سنن ابن ماجه (۷۶۴/۲، رقم ۲۲۷۷، صحّحه الألبانی)، سنن الترمذی (۵۰۴/۳، رقم ۱۲۰۶، صحّحه الألبانی، و قال أبو عیسی: حدیث حسن صحیح)،
المستدرک للحاکم (۵۴۵/۱، رقم ۱۴۳۰ اقال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرک مسلم)، حلیة الأولیاء للأصبهانی (ت: ۴۳۰ ھ) (۶۱/۹)، المنتقی
لابن الجارود (۱۶۳/۱، رقم ۶۴۶)، شرح السنة للبغوی (۵۴/۸، رقم ۲۰۵۴، حدیث صحیح) ۱۱۷-المعجم الکبیر للطبرانی بروایة عوف بن
مالکؓ (۶۰/۱۸، رقم ۱۴۸۱۹) ۱۱۸-صحیح البخاری (۵۹/۳، رقم ۲۰۸۵) ۱۱۹-المائدة: ۹۰ ۱۲۰-مسند أحمد (۱۹۰/۲، رقم ۶۷۷۸، ۶۹۸۴ إسناده
قوی)، المعجم الکبیر للطبرانی (۳۸۳/۱۳، رقم ۱۴۲۰۱)، سنن ابن ماجه (۷۷۵/۲، رقم ۲۳۱۳ صحّحه الألبانی)، شرح السنة للبغوی (۸۸/۱۰)
۱۲۱-صحیح البخاری (۱۰۷/۴، رقم ۳۱۹۸)، صحیح مسلم (۱۲۳۰/۳، رقم ۱۶۱۰)، المعجم الکبیر للطبرانی (۱۸۹/۲۲، رقم ۱۸۳۴۵)، مسند أحمد (۱۸۸/۱،
رقم ۱۶۳۳، إسناده صحیح علی شرط الشیخین)، حلیة الأولیاء للأصبهانی (۱۸۱/۲، وأطرافه ۳۸۵/۸ إسناده صحیح) ۱۲۲-المعجم الأوسط للطبرانی (۵۵/۴،
رقم ۳۵۹۵)، المعجم الصغیر للطبرانی (۱۷۱/۱، رقم ۴۷۵)، المعجم الکبیر للطبرانی (۲۶۱/۱، رقم ۷۶۰، وأطرافه ۷۵۸۰)، سنن أبی داود (۳۱۳/۳،
ررقم ۳۵۳۶، وأطرافه ۳۷۳۵ صحّحه الألبانی)، مسند أحمد (۴۱۴/۳، رقم ۱۵۴۶۲)، سنن الترمذی (۵۵۶/۳، رقم ۱۲۶۴، صحّحه الألبانی، وقال أبو
عیسی: یہ حدیث حسن غریب ہے)، المستدرک للحاکم (۵۳/۲، رقم ۲۲۹۶، ۲۲۹۷)، معرفة السنن والآثار للبیهقی (۳۷۹/۱۴، رقم ۲۰۳۷۳)،
شرح السنة للبغوی (۷۹/۶، رقم ۱۵۹۷)، سنن الدارقطنی (۴۴۳/۳، رقم ۲۹۳۵، وأطرافه ۲۹۳۶، ۲۹۳۷)، حلیة الأولیاء (۱۳۲/۶) ۱۲۳-صحیح
مسلم (۱۲۲۷/۳، رقم ۱۶۰۵)، المعجم الکبیر للطبرانی (۴۵۵/۲۰، رقم ۱۷۸۴۱)، المغنی لابن قدامة (۱۶۶/۴، رقم ۳۱۱۱)، معرفة السنن والآثار للبیهقی
(۲۰۶/۸، رقم ۱۱۶۵۶)، شرح السنة للبغوی (۱۷۸/۸، رقم ۲۱۲۶) ۱۲۴-مسند أحمد (۳۳/۲، رقم ۴۸۸۰، إسناده ضعیف لجهالة أبی بشر)، المعجم
الأوسط (۲۱۰/۸، رقم ۸۴۲۶)، المغنی عن حمل الأسفار (۳۰/۳)، أخبار مکة للفاکهی (۲۸/۳، إسناده ضعیف)، المستدرک للحاکم (۱۴/۲، رقم
۲۱۶۵)، حلیة الأولیاء للأصبهانی (۱۰۰/۶، ۱۰۱)، المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی (۲۹۳/۲، رقم ۶۷۱) ۱۲۵-البقرة: ۱۳۶، آلِ عمران: ۸۴
۱۲۶-کتاب استثناء (۱۷: ۹ ۱۳) ۱۲۷-المعجم الأوسط (۳۵/۵، رقم ۴۶۰۲) ۱۲۸-النساء: ۶۵ ۱۲۹-مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهیثمی [بیروت:
دارالفکر، ۱۴۱۲ھ] (۲۶۰/۶، رقم ۱۰۵۷۰) ۱۳۰-صحیح البخاری (۱۴۸۱/۴، رقم ۳۸۱۱) ۱۳۱-صحیح البخاری (۱۷/۳، رقم ۱۸۴۶)، صحیح مسلم
(۹۸۹/۲، رقم ۱۳۵۷)''السنن لأبی داود (۱۲/۳، رقم ۲۶۸۷)، السنن للترمذی (۲۰۲/۴، رقم ۱۶۹۳)، السنن للنسائی (۲۰۰/۵، رقم ۲۸۶۷)،
موطأ (۶۲۲/۳ رقم ۱۵۹۹) ۱۳۲-صحیح البخاری (۹۱/۵، رقم ۴۰۳۹) ۱۳۳-سنن أبی داود (۷۸/۴، رقم ۴۰۳۳، علامہ الألبانی کہتے ہیں کہ یہ
حدیث حسن صحیح کے درجہ کی ہے)، المعجم الأوسط للطبرانی (۱۷۹/۸، رقم ۸۳۲۷)، مسند الشامیین للطبرانی (۹۴/۳، رقم ۱۸۶۲)، مسند الشهاب
للقضاعی (۲۴۴/۱، رقم ۳۹۰) ۱۳۴-ناموسِ رسول اور قانون توہینِ رسالت: محمد اسماعیل قریشی، الفیصل ناشران لاہور ط: ۲، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۰۵
۱۳۵-عبد الحمید ڈار: اسلامی معاشیات (ص: ۵۱۳ - ۵۱۵) ۱۳۶-(i) الماوردی: أدب الوزیر ص: ۳، (ii) نظام الحکم ص: ۴۲۳، ۴۲۴ (iii)
گوہر رحمٰن: اسلامی سیاست ص: ۳۶۳، ۳۶۴ ۱۳۷-خورشید أحمد: نظامِ تعلیم: نظریہ، روایت، مسائل [اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی
اسٹڈیز، ۱۹۹۳ء] ص: ۱۸ ۱۳۸-موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمتِ معیشت (اقتصادی پروگرام کمیٹی کی مرتب کردہ رپورٹ) [لاہور:
شعبہ نشر واشاعت جماعتِ اسلامی] ص: ۳۶ ۱۳۹-النساء: ۴۸ ۱۴۰- المستدرک للحاکم (۶۱۹/۴، رقم ۸۷۱۷، وقال الحکم: یہ حدیث صحیح

Marfat.com

الإسناد ہے لیکن بخاری ومسلم نے اس کی تخریج نہیں کی، اِمام الذہبی کے مطابق: اِس کی اِسناد ضعیف راوی صدقہ بن موسیٰ کی وجہ سے ضعیف ہیں)، مسند أحمد (۶/۲۴۰، رقم ۲۶۰۷۳ شعیب الأرنؤوط فرماتے ہیں: اِس کی اِسناد ضعیف راوی صدقہ بن موسیٰ کی وجہ سے ضعیف ہیں) ۱۴۱- المعجم الأوسط للطبرانی [المحقق: طارق بن عوض الله، القاهرة: دارالحرمین] (۵/۳۲۸، رقم ۵۴۵۲) ۱۴۲- ابوالاعلیٰ مودودی: معاشیاتِ اسلام، ص: ۳۹۱، ۳۹۲ ۱۴۳- بال جبریل ص: ۴۴ ۱۴۴- المعجم الأوسط للطبرانی (۵/۲۰۶، رقم ۵۰۹۴)، المعجم الکبیر للطبرانی (۱۰/۱۰۸، رقم ۱۰۱۱۸)، مسند أحمد (۱/۴۴۷، رقم ۴۲۶۹، وقال شعیب الأرنؤوط إسناده ضعیف) ۱۴۵- البقرة: ۲۱۹ ۱۴۶- سنن أبي داود (۳/۹۱، رقم ۲۹۳۰، صححه الألبانی)، مسند أحمد (۲/۵، رقم ۴۴۹۵، إسناده صحیح علی شرط الشیخین)، صحیح البخاری (۲/۵، رقم ۸۹۳، وأطرافه ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱)، أدب المفرد للبخاری (۱/۱۰۸، رقم ۲۰۶، وأطرافه ۲۱۲، ۲۱۴)، صحیح مسلم (۳/۱۴۵۹، رقم ۱۸۲۹)، صحیح ابن حبان (۱۰/۳۴۲، رقم ۴۴۸۹)، سنن الترمذی (۴/ ۲۰۸، رقم ۱۷۰۵، وصححه الألبانی)، شرح السنة للبغوی (۱۰/۶۱، رقم ۲۴۶۹)، معرفة السنن والآثار للبیہقی (۱۳/۱۴۰، رقم ۱۷۷۰۴) ۱۴۷- المعجم الأوسط للطبرانی (۱/۲۴۳، رقم ۷۹۵) ۱۴۸- المغنی عن حمل الأسفار فی تخریج الأحیاء (۴/۲) ۱۴۹- مسند أحمد ۲/۱۶۰، رقم ۶۴۹۲، إسناده صحیح علی شرک الشیخین ۱۵۰- المائدة: ۸ ۱۵۱- المعجم الکبیر للطبرانی (۲/۱۵۶، رقم ۱۶۴۸) ۱۵۲- صحیح مسلم (۳/۱۳۴۲، رقم ۱۷۱۶) ۱۵۳- صحیح مسلم (۳/۱۳۸۹، رقم ۱۷۶۹) ۱۵۴- بالِ جبریل ص: ۷۹ ۱۵۵- المعجم الکبیر للطبرانی (۱۷/۴۹، رقم ۱۳۷۹۳) ۱۵۶- سنن لأبي داود (۴/۲۱۷، رقم ۴۳۴۶، صححه الألبانی) ۱۵۷- المعجم الأوسط للطبرانی (۴/۲۳۸، رقم ۴۰۷۹)، المستدرک للحاکم باختلاف ألفاظ (۳/۲۱۵، رقم ۴۸۸۴، وقال الحاکم: صحیح الإسناد ولم یخرجاه) ۱۵۸- محمد اقبال: بال جبریل ص: ۳۳ ۱۵۹- (i) الماوردی: أدب الوزیر ص: ۳، (ii)i) نظام الحکم ص: ۴۲۳، ۴۲۴ (iii) گوہر رحمٰن: اسلامی سیاست ص: ۳۶۳، ۳۶۴ ۱۶۰- محمد حسن عسکری: ''جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ ص: ۱۱۸۰، ۱۱۸۱) ۱۶۱- محمد حسن عسکری: ''جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ ص: ۱۲۰۷، ۱۲۰۸ ۱۶۲- ضربِ کلیم ص: ۱۲۸ ۱۶۳- ڈاکٹر نور محمد غفاری: اسلام کا معاشی نظام ص: ۲۸۶ ۱۶۴- سید محمد قطب: معرکہ اسلام و سرمایہ داری ص: ۱۷۰، ۱۷۱ ۱۶۵- الشوری: ۱۵ ۱۶۶- الأعراف: ۲۹ ۱۶۷- صحیح مسلم (۴/۱۹۹۶، رقم ۲۵۷۸، وأطرافه ۲۵۷۹)، صحیح البخاری (۳/۱۲۹، رقم ۲۴۴۷)، الأدب المفرد للبخاری (۱/۲۴۴، رقم ۴۸۳)، صحیح ابن حبان (۱۱/۵۷۹، رقم ۵۱۷۶)، سنن الترمذی (۴/ ۳۷۷، رقم ۲۰۳۰، صححه الألبانی)، المستدرک للحاکم (۱/۵۵، رقم ۲۶)، شرح السنة للبغوی (۱۴/۳۵۶، رقم ۴۱۶۰)، مسند الشہاب للقضاعی (۱/۹۷، رقم ۱۰۹)، المعجم الکبیر للطبرانی (۲۰/۲۵، رقم ۲۹) ۱۶۸- صحیح مسلم ۴/۱۹۹۴، رقم ۲۵۷۷)، صحیح ابن حبان (۲/۳۸۵، رقم ۶۱۹)، شرح السنة للبغوی (۵/۲۷، رقم ۱۲۹۱)، حلیة الأولیاء (۵/۱۲۵)، معجم ابن عساکر (۲/۷۰۱، رقم ۸۷۰) ۱۶۹- أبو الحسن علی الندوی (ت: ۱۴۲۰ھ): ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین [مصر: مکتبة الإیمان، المنصورة] ۱/۱۰۶ ۱۷۰- ڈاکٹر نور محمد غفاری: اسلام کا معاشی نظام ص: ۲۸۸ ۱۷۱- ابوالاعلیٰ مودودی: معاشیاتِ اسلام، ص: ۳۷۸ ۱۷۲- محمد اقبال: ''بال جبریل'' ص: ۳۸ ۱۷۳- محمد اقبال: ''بال جبریل'' ص: ۳۸۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شاہ حسین چونڈا - کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدُ للہ ربّ العالمین والعاقبۃُ للمتقین والصلوٰۃُ والسّلامُ علی سیّد المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

یہ وقت جب کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا، دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ ہلاکت کے مہیب اور عمیق غار میں گرنے والی تھی، عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے رہبر اعظم ﷺ کو مبعوث فرمایا کہ آپ ﷺ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ اشرف نبی ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خداطلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور در و دیوار پر سبزہ اُگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت مرسل خاتم ﷺ کے بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔ انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوگئی۔ یہ انقلاب عظیم اشرف العالمین ﷺ کا عظیم معجزہ اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی" کا کرشمہ ہے۔" شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

آپؐ دنیا میں جب جلوہ فرما ہوئے، زندگی مستند، معتبر ہوگئی
تب گریبانِ شب چاک ہونے لگا، آسماں مسکرایا، سحر ہوگئی
ذرّے ذرّے کا چہرہ دمکنے لگا، پتے پتے سے موجِ بہاراں اٹھی
رخ سے پردہ اٹھا کر جدھر آگئے، صبحِ محشر ادھر جلوہ گر ہوگئی
کیا عرب کی زمیں، کیا عجم کی زمیں، احتشامِ مقدر میں کچھ کم نہیں
پھول ہی پھول کھلنے لگے جس طرف اُن کی رحمت میں ڈوبی نظر ہوگئی

سید المومنین ﷺ نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا، اس میں خدا کی مدد سے ایمان وعقیدہ پیدا فرما دیا، زندگی کی نئی روح پھونک دی، دبی ہوئی صلاحیتیں ابھار دیں، وہ بے جان پتھر تھا اب وہ ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا، وہ بے حس و حرکت مُردہ تھا، اب وہ زندہ ہو کر دنیا پر حکومت کرنے لگا، پہلے نابینا تھا جس کو خود رستہ کا پتہ نہ تھا، اب ساری دنیا کا رہبر و رہنما بن گیا۔ سید کائنات ﷺ کی توجہ و تعلیم سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایسا انقلاب رونما ہوا کہ دنیا نے تھوڑی ہی عرصہ میں وہ عظیم

Marfat.com

الشان شخصیتیں دیکھیں جو عجوبۂ روزگار اور دنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں۔حقیقت میں خاتم النبیین ﷺ نے نبوت کی کنجی انسانی فطرت کے قفل پر رکھ دی تھی بس وہ کھل گیا اور اس کے تمام خزانے عجائبات، طاقتیں اور کمالات دنیا کے سامنے آگئے، آپؐ نے جاہلیت کی شہہ رگ کاٹ دی اور اس کے طلسم کو پاش پاش کردیا، آپ نے سرکش اور ضدی دنیا کو خدا کی طاقت سے مجبور کردیا کہ زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہو اور تاریخ میں انسانیت کے ایک بالکل نئے دور کا آغاز کرے، یہ وہ اسلامی دور ہے جو تاریخ کی پیشانی پر ہمیشہ دمکتا رہے گا۔

عدل اجتماعی کی تعریف، معنی و مفہوم: ''عدل اجتماعی'' کی مختلف تعریفیں بیان کی گئیں ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

ا۔''التقدیر الصحیح و الاعتراف الکامل بحقوق وجدارة کل فرد و احترامها'' (۱)

۲۔''الفضیلة و الخصلة الاخلاقیة اللتان تحفران علی القسطاس و احترام حقوق الخیر'' (۲)

۳۔''نظام اقتصادی، یضبط انشاط الاقتصادی علیٰ وجه یتیح لکلّ افراد المجتمع، فرص متکافئة لتوظیفه امکانیاتهم و مقدراتهم وعائد مکافی لمجهوداتهم، طبقاً لقعواعد منظمة لعلاقات الناس قبل هذا انشاط'' (۳)

۴۔ابو نصر الفارابی نے عدل اجتماعی کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے: ''العدل والا یکون فی قسمة الخیرات المشترکة التی لاهل المینة علیٰ جمیعهم فان لکل واحد من اهل المدینة قسطاً من هذه الخیرات مساویاً لاستنهاله، فنقصه عن ذللك و زیادته جور'' (۴)

4.Maulana Wahiduddin Khan: Social Justice means equality in law, or justice for all. (5)

مختصر الفاظ میں ''عدل اجتماعی'' درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ کہ ''افراد، خاندان، قبیلوں، برادریوں اور قوتوں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے یہ مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور گروہوں سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔'' (۶)

اسلام کا عدل اجتماعی دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔اس کے قانون کی نگاہ میں اسلامی ریاست کا صدر اور عام شہری برابر ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کرکے عملاً اس کی توثیق کردی۔(۷)

عدل: عدل عربی زبان کا لفظ ہے۔لغوی معنی برابری کے ہیں۔عدل ظلم کے متضاد میں استعمال ہونے والا لفظ ہے۔(۸)

عدل کے معنی انصاف کرنا، کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹ دینا، ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دینا ہے۔(۹)

امام راغب اصفہانی کے نزدیک ''کسی شے کے اپنے اصل مقام اور اپنی حدود کے اندر رہنے کا نام عدل ہے'' (۱۰)

مشہور مفسر امام ابن عربی فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں عدل کا معنی ہے برابری کرنا، لیکن مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہوجاتا ہے مثلاً عدل کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے خالق و مالک کے درمیان عدل کرے۔انسان اور اس کے خالق و مالک کے درمیان عدل یوں ہوگا کہ اللہ کی ذات پر ایمان رکھے، اسے ایک مانے، اس کی ذات و صفات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔(۱۱)

Marfat.com

قرآن مجید میں عدل، شرک کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یعنی برابری کے، اس کا مفہوم یہ تو نہیں کہ خالق کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کو صفات وخصوصیات میں برابر کردیا جائے بلکہ یہ برابری انسانوں میں انسان ہونے کی بنا پر ہے خالق کے ساتھ نہیں۔

ایک اور مقام پر عدل مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی قیامت کے روز کسی کے لیے جہاں سفارش و عذر فائدہ نہ دے گی وہاں مال بھی بدلے میں دے کر قانون کی گرفت سے بے قابو نہ ہوا جا سکے گا۔(۱۲)

اسلام عدل کو ظلم، زیادتی اور عدوان ہی کی ضد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ عدل کے مواقع قدم قدم پر پیش آتے ہیں۔ مثلاً اس کا سب سے پہلا موقع حقوق اللہ اور حقوق نفس میں عدل ہے۔ جس طرح نفس کا حق اس طرح ادا کرنا کہ اللہ کا حق ضائع ہوجائے ظلم ہے۔ اسی طرح اللہ کا حق اس طرح ادا کرنا کہ نفس کا حق پامال ہوجائے یہ بھی ظلم ہے۔ نفس کے حقوق، اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق، ان سب میں توازن قائم رکھنا عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ (۱۳)

ظلم اور ظلم کی مذمت: عدل و انصاف، رحم و کرم، عفو و درگزر اور احسان وسلوک سے جس طرح انسان سنورتا ہے، معاشرہ سرسبز ہوتا ہے، دنیا شاد و آباد ہوتی ہے اسی طرح ظلم سے انسانی فطرت مسخ ہوجاتی ہے، اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہوجاتا ہے اور دنیا ویران ہوجاتی ہے۔ اس لیے کلام مجید میں جتنی عدل و احسان کی توصیف وقیام عدل کی تاکید ہے اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

۱۔اللہ ظلم کو پسند نہیں کرتا: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (۱۴) **ترجمہ:** ''اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔''

۲۔ظالم ہدایت الٰہی سے محروم ہیں: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (۱۵) **ترجمہ:** ''اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''

۳۔ظالموں کے لیے نہایت سخت عذاب ہے: ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (۱۶) **ترجمہ:** ''اور ہم نے ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''

۞ ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا﴾ (۱۷) **ترجمہ:** ''ہم نے ظالموں کے لیے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے۔''

۞ ﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (۱۸) **ترجمہ:** ''بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

۴۔ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے: ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (۱۹) **ترجمہ:** ''ہاں ظلم کرنے والوں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔''

۵۔ظالموں کا کوئی مددگار نہیں: ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ (۲۰) **ترجمہ:** ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''

۞ ﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ﴾ (۲۱) **ترجمہ:** ''ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔''

حدیثوں میں بھی مختلف عنوانوں سے ظلم کی مذمت کی گئی ہے اور ظالموں کے لیے بڑی وعید آئی ہے۔ مسلم کی ایک طویل حدیث قدسی کا ٹکڑا ہے

۱۔یعبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرماً فلا تظالموا. (۲۲) **ترجمہ:** ''اے میرے بندو، میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کرلیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم حرام کیا ہے اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

۲۔مسلم کی دوسری روایت میں ہے: اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة (۲۳) **ترجمہ:** ''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم

Marfat.com

قیامت کے دن کے ظلمات (اندھیروں) میں سے ہے۔"

۳۔اللہ اور مظلوم کی بددعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں: "اتق من دعوة المظلوم فانها ليس بينها و بين الله حجاب" (۲۴)

ترجمہ: "مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔"

۴۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنے بھائی پر کسی طرح ظلم کیا ہو اس کی آبروریزی کی ہو یا کوئی ظلم کیا ہو، اس کو چاہیے کہ آج اُس دن سے پہلے اپنے ظلم کو معاف کرالے، جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے درہم و دینا کچھ پاس نہ ہوں گے، ورنہ اس کے پاس جو نیک عمل ہوں گے وہ بقدر ظلم اس سے چھین لیے جائیں گے اور اگر نیک عمل ہوں گے، تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔(۲۵)

امت محمدیہ ﷺ ایک معتدل امت: ارشاد ربانی ہے کہ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (۲۶)

ترجمہ: "ہم نے تم کو ایک درمیانی اور بیچ کے راستہ پر چلنے والی امت بنایا ہے۔"

لغت میں وسط سے مراد خیار یعنی عدل ہے جیسا کہ ابن عربی نے اس کی وضاحت کی ہے: "الوسط فی اللغة الخیار، وهو العدل" (۲۷) لغت میں وسط سے مراد خیار ہے جس کا مطلب عدل ہے" مفتی محمد شفیع اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ: "امت محمدیہ ﷺ کی جو فضیلت آیت مذکور میں بتائی گئی ہے ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ یعنی "ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے" یہ بولنے اور لکھنے میں تو ایک لفظ ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے کسی قوم یا شخص میں جتنے کمالات اس دنیا میں ہوسکتے ہیں ان سب کے لیے حاوی اور جامع ہے۔(۲۸) پس محسن انسانیت ﷺ کی امت میں ہر قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے۔ اس امت کے توسط و اعتدال کا واقعات سے ثبوت موجود ہے۔ مثلاً دیگر تمام امتوں کے اعتقادات، اعمال و اخلاق وغیرہ کا امت محمدیہ ﷺ سے موازنہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جملہ امتوں میں صرف اور صرف ھادی صراط مستقیم ﷺ کی امت ہی معتدل امت ہے۔

دین اسلام عدل اجتماعی کا حقیقی مظہر: یہ ایک حقیقت ہے کہ دین اسلام ہی دراصل عدل اجتماعی کا حقیقی مظہر ہے۔ چنانچہ اسلام جس طرح ایک کامل و مکمل نظام زندگی اور ابدی ضابطہ حیات ہے اسی طرح یہ ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاقیات، اقتصادیات، معاشیات، معاشرت، آداب زندگی اور دستور حیات کے حوالے سے عدل اجتماعی کا مظہر ہے۔ دین اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا اس کا پورا نظام اور اسلامی تعلیمات ہر لحاظ سے عدل اجتماعی کی مظہر ہے۔ خود کائنات اور نظام کائنات جس طرح قدرت کا تخلیقی شاہکار ہیں بالکل اسی طرح کائنات کا مربوط نظام اور نظام قدرت عدل اجتماعی کا عملی اظہار ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ چنانچہ انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لیے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے۔ دوسرا نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ حقیقی عدل قائم کرسکے۔ انسان اپنا مالک اور حاکم نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے معیار عدل خود تجویز کرلینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت اللہ کے مملوک اور رعیت کی ہے اس لیے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ اس کے مالک حقیقی اور فرمارواں کا

Marfat.com

کام ہے۔ حقیقی عدل صرف اس نظام میں ہوسکتا ہے جو ایک عالم الغیب والشہادۃ اور سبوح و قدوس ہستی نے بنایا ہے۔(۲۹)

اسلام میں عدل اجتماعی کی بنیادیں: اسلام کائنات، حیات اور انسان کی بابت ایک بنیادی نظریہ رکھتا ہے۔ عدل اجتماعی کا تصور اسی بنیادی فکر کا پرتو ہے۔ یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع عدل کے طور پر پیش کرتا ہے جو صرف مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں۔ اس کے نزدیک زندگی کی قدریں بیک وقت مادی بھی ہیں اور معنوی بھی، دونوں میں تفریق صحیح نہیں۔ انسانیت ایک جامع وحدت ہے جس کے مختلف عناصر باہم مربوط و ہم آہنگ اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کی شریک ہیں۔(۳۰) عدل اجتماعی کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔ ا۔مطلق و مکمل آزادیٔ ضمیر، ۲۔کامل انسانی مساوات، ۳۔ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل۔(۳۱) اسلام اس بات کو بنیادی اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کی عزت و آبرو اور ان کے شرف و جاہ کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ اس میں خودداری اور عزت نفس پرورش پائے اور وہ عدل و انصاف کے قیام کے نگراں و محافظ بن کر رہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طرح قانون کے علاوہ ان باتوں کے ذریعے بھی وہ ایک مکمل اور ایک مطلق عدل اجتماعی کے قیام کی ضمانت دے۔ اس میں کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ ان اغراض و مقاصد کے پیش نظر اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اپنی جان پیٹ بھرنے کے لیے غذا اور زندگی میں اپنی معیشت، ان تمام کے سلسلے میں ہر طرح کے خوف سے آزاد رہے۔(۳۲)

عدل اجتماعی کا بنیادی فلسفہ: اسلام انسانیت کو خیر کا پیغام دیتا ہے کہ عدل اجتماعی کا نظام ساری انسانیت کے لیے ہے۔ عرب اور مسلم امت کے لیے خاص نہیں ہے اور نہ ہی ان تک محدود رکھا جاسکتا ہے، بلکہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا پرایا، سب کے لیے عدل کی میزان ایک ہی ہے۔ اللہ رب العزت اپنے انبیاء کی بعثت کے مقاصد بیان فرماتا ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۳۳)۔

اور عدل کی اس طرح وضاحت فرمائی گئی کہ انبیائے کرام کی دلائل اور نشانیوں کے ساتھ بعثت اور کتابوں نیز میزان کے نازل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل قائم کریں، تاکہ معاشرہ پرامن اور پرسکون رہے اور عدل یہی ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے، پھر یہ بھی حکم ہوا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۳۴) **ترجمہ:** ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

ان احکام میں عمومیت ہے اول تو یہ کہ امانتیں ان کے مالکان کو واپس دی جائیں اور جب بھی تمہیں، منصف بنایا جائے تو تم لوگوں کے معاملات کا عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، کسی کے دباؤ میں آ کر یا رشوت کی لالچ میں انصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑو۔

عمومیت احکام الٰہی میں اس لیے کہا کہ رب العالمین نے ''بین الناس'' فرمایا، صرف ''بین المسلمین'' نہیں فرمایا، لہٰذا یہ عدل صرف اپنی برادری یا مسلمان ہی کا حق نہیں بلکہ ایک کافر بھی تم سے فریاد کرے تو تم اس کی فریاد رسی عدل کے ساتھ کرو۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے جس کی کہیں بھی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایک یہودی کا معاملہ تھا چند مسلمانوں اور منافقین نے مل کر ایک یہودی پر زرہ کی چوری کا الزام لگایا حالانکہ یہودی اس سے بری تھا اور چور وہ خود تھے، مقدمہ بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کیا گیا۔

Marfat.com

غالباً مسلمانوں کو اپنے اسلام کا گھمنڈ تھا کہ سید البشر ﷺ ان کی بات یہودی کے مقابلے میں تسلیم فرمائیں گے، لیکن اس سے قبل کے رسول اللہ ﷺ اس یہودی کے خلاف کوئی فیصلہ فرماتے، اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی کے ذریعہ اپنے رسول اکرم ﷺ پر حق کو واضح فرمادیا، اگرچہ ناراضگی کا اظہار ضرور فرمایا لیکن آپ ﷺ کو بے انصافی سے بچالیا۔ یہاں بھی حقیقت ثابت ہوجاتی ہے کہ کتاب الٰہی ساری انسانیت کے لیے کتاب رحمت ہے۔(۳۵)

ارشاد ربانی ہے کہ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (۳۶) **ترجمہ**: ہم نے یہ کتاب آپ (ﷺ) پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو دکھائی ہے، اسی کے مطابق آپ (ﷺ) لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور آپ (ﷺ) بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے نہ بنیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔''

عدل اجتماعی کا تصور معاشرے میں اس وقت تک نہیں پنپ سکتا جب تک انسانی شخصیت کو پھلنے پھولنے اور نشوونما پانے کے لیے مواقع فراہم نہ کیے جائیں اور انسانی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں فرد کو حریت حاصل ہو۔ اگر کسی معاشرے میں فرد کو اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مواقع نہ ہوں تو اس کے اندر انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس کی قوتیں اور قابلیتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور اپنے آپ کو محصور محبوس پا کر انسان جمود وتعطل کا شکار ہوجاتا ہے اور اس کی ذمہ داری بالآخر ان پر عائد ہوجاتی ہے جو اس ظالمانہ نظام کے قائم کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔(۳۷)

مختلف مذاہب میں عدل اجتماعی کا تصور

۱۔ **بدھ مت:** عقلمند ہر چیز کا بھرپور جائزہ لیتا ہے تاکہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرسکے۔ جلد بازی میں فیصلہ کرنا احمقوں کا کام ہے۔

۲۔ **عیسائیت:** سارے فیصلے انصاف کے ساتھ کرو۔ خبردار رہو، کہیں تم ناانصافی کے غار میں نہ گرپڑو، خدا انصاف والا ہے اور ہر شخص کے ساتھ انصاف کرے گا۔ اس کے عمل کے لحاظ سے۔

۳۔ **کنفیوشس مت:** جس میں عزت نفس ہے وہ انصاف کا خواہاں اور ہر قدم انصاف کے مطابق اٹھائے گا۔ صرف احمق ہی ناانصافی کرسکتے ہیں۔(۳۸)

۴۔ **ہندومت:** سادھوؤں اور سنتوں کو نقصان پہنچانے والا خود اپنے جال کا شکار ہوجائے گا۔ یہی پر ماتما کا انصاف ہے۔

۵۔ **جین مت:** میرے بھگوان: مجھے انصاف کے راستے پر چلا۔ میں ہمیشہ دوسروں کی طرف سے لعنت ملامت کے باوجود ثابت قدمی اور فوری موت نیز دائمی زندگی کے امکان سے بے پرواہ ہوں اور غربت وامارت کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہو۔

۶۔ **یہودیت:** خدا انصاف کو پسند کرتا ہے اور انصاف ہی اس کی کرسی کا پایہ ہے۔ سچی زندگی اسی کی ہوگی جو اپنے ساتھی انسانوں کے ساتھ ہمیشہ انصاف سے کام لے گا۔

۷۔ **شنتومت:** انصاف کے آگے ناانصافی کی ہار ہوگی۔ اگر تم نے کوئی وعدہ کیا تو ایمانداری کے ساتھ اسے پورا کرو بھلے ہی وہ وعدہ برے لوگوں سے کیا گیا ہو۔ انسان کو ہمیشہ انصاف پر چلنا چاہیے فکر میں بھی اور عمل میں بھی۔(۳۹)

Marfat.com

۸۔سکھ مت: ہمارے اعمال اچھے ہوں یا برے
فیصلے کے لیے تیری عدالت میں پیش ہوں گے۔
ہم میں سے کچھ تیرے دربار سے قریب ہوں گے
کچھ دور رہیں گے

۹۔زرتشت مت: انصاف کو سمجھ کر بھی انصاف نہ کرنا بزدلی ہے۔(۴۰)

رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عدل و انصاف کا حال: جس وقت اسلام آیا ہے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی آواز بلند کی ہے، دنیا اس وقت دو عظیم الشان سلطنتوں کے قبضہ میں تھی، ایران اور روم۔ ایران اندرونی اور بیرونی خلفشار میں مبتلا تھا اور روم کا شن وشکوہ گو قائم تھا مگر بقول لاروس اس کا حال یہ تھا کہ: ''رومانیوں کے نظامات سلطنت کیا تھے، وہ نظامات بالکل وحشت اور سراسر قساوت تھے، جو قوانین کی صورت میں نافذ تھے، روما کے اخلاق فضائل مثلاً شجاعت اور فکر و دور اندیشی اور قومی اخلاص، وہ بعینہٖ ایسے تھے جو چوروں اور رہزنوں میں پائے جاتے تھے، ان کی وطنیت، وحشت کا لباس پہنے ہوئے تھی، جس میں سوائے حرص وطمع اور اجنبیوں کے ساتھ عداوت اور کینہ کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور انسانی شفقت کے احساس کی بری نوبت ہورہی تھی، رومائی عظمت وفضیلت سے مراد وہ اعمال ہیں، جو بذریعہ تازیانہ اور تلوار کو دیئے جاتے تھے اور اسیران جنگ کو عذاب اور قید کے حکم نافذ ہوتے تھے اور بچوں اور بوڑھوں کو فتح کی گاڑیاں کھینچنے کی سزا دی جاتی تھی۔'' (۴۱)

حکومت روما کے مظالم: ان کے مظالم کا یہ عالم تھا کہ: ''جس وقت کسی شخص کی نسبت ان کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس قید گراں سے نجات حاصل کرنے کے لیے حرکت کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً اس کی نسبت الحاد و ارتداد کا فتویٰ دیکر اس کو آگ میں جلادیتے تھے یا ایسے سخت دردناک عذات میں مبتلا کردیتے تھے جس سے حیوان کے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔'' (۴۲)

رعایا کا حال: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مصنف لکھتا ہے: ''روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی انتہا کو پہنچ گئی تھی، باوجود اس کے عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی، ٹیکس اور محصول دوگنے، چوگنے بڑھ گئے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے اور اپنے ملک کے حکمرانوں پر بدیسی حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے، اجارہ داریاں اور ضبطیاں مصیبت بالائے تھیں، ان اسباب کی بنا پر بڑے پیمانہ پر فسادات اور بغاوتیں رونما ہوئیں، چنانچہ ۵۳۲ء کے فساد میں تیس ہزار افراد دارالسلطنت میں ہلاک ہوئے۔'' (۴۳)

انصاف حکومت روما میں: انصاف کا حال بھی سن لیجئے: ''انصاف کا حال یہ تھی بقول سیل (Salestranlat Loy) جس طرح اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی تھی، اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے تھے، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا اور رشوت وخیانت کی ہمت افزائی خود کی طرف سے ہوتی تھی۔ (۴۴) اس سے بڑھ کر ظلم یہ تھا کہ ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں۔ چنانچہ موسیو لاروس ''دائرہ المعارف'' میں لکھتا ہے:

''روما میں سزائیں ایک ہی قسم کے جرموں میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دی

Marfat.com

جاتی تھیں۔" (۴۵)

مذہب کے نام پر جنگ و جدال: روم میں مذہبی لڑائی کا یہ عالم تھا کہ: "بیشتر خانہ جنگیوں نے بڑے پیمانہ پر خونی معرکہ کی شکل اختیار کرلی، مدارس، کلیسا اور لوگوں کے مکانات حریف کیمپ بن گئے تھے اور پورا کا پورا ملک خانہ جنگی کا شکار تھا۔(۴۶)

مصر میں رومی حکومت کے مظالم: ڈاکٹر الفریڈ بٹلر رومی حکومت کے بارے میں رقم طراز ہیں: "مصر میں رومی حکومت صرف ایک ہی غرض و غایت اپنے سامنے رکھتی تھی اور وہ یہ تھی جس طرح ممکن ہو، رعایا سے مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے، رعایا کی بہبود اور خوش حالی اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا۔" (۴۷) ایک شامی مؤرخ لکھتا ہے: "رومیوں نے شام پر سات سو سال تک حکومت کی ان کے آتے ہی ملک میں اختلافات خود سری اور تکبر کی بنیاد پڑ گئی تھی اور قتل کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، یونانیوں نے شام پر ۳۶۹ سال حکومت کی، اس پورے عہد حکومت میں بڑی سخت جنگیں ہوئیں۔ رعایا پر مظالم ہوئے۔(۴۸)

ایرانی حکومت: ایران کے اعمال و اخلاق کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اس کے ایک حکمراں یزگرد دوم نے اپنی لڑکی سے شادی کرلی تھی اور خود اپنی لخت جگر کو بیوی بنا رکھا تھا اور ایک دوسرے حکمراں بہرام چوبیں نے اپنی ماں سے رشتہ ازدواج قائم کیا اور اس سے زن وشوئی کے تعلقات رکھے، ان میں پہلا حکمراں پانچویں صدی عیسوی کے وسط کا تھا اور دوسرا چھٹی صدی کا۔ (۴۹) پانچویں صدی عیسوی میں مزدک نامی نے تمام عورتوں کو سب کے لیے جائز قرار دے دیا۔ چنانچہ "دولت اور عورت" آگ پانی اور جاہ کی طرح جائیداد مشترک اور سبھوں کے لیے تھی۔ شاہ ایران قباذ نے اس مسلک کی سرپرستی قبول کی، پھر جو کچھ ہوا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں مؤرخ طبری نے لکھا ہے: "اوباش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پُر جوش ساتھی اور دست و بازو بن گئے، عام شہری اس بلائے ناگہانی کے شکار تھے، اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ جو شخص جس کے گھر چاہتا گھس آتا اور مال و زن پر قبضہ کرلیتا اور صاحبِ مکان کچھ نہ کرسکتا۔(۵۰)

عدل و مساوات: ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انہیں اسی نظریے سے دیکھتے تھے گویا وہ خدا ہیں، اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا جس میں ردوبدل ناممکن تھا۔ (۵۱)

ہندومت کا نظام عدل و انصاف: فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر گستاؤ لی بان لکھتا ہے کہ: "جرائم اور ان کی سزا کی اہمیت بلحاظ اس نقصان کے نہیں قرار دی جاتی جو ان سے منتج ہوں بلکہ بلحاظ مجرم یا مظلوم کی ذات کے مثلاً: برہمن کو کسی بھی حالت میں ویسی سزا نہیں دی جاتی جیسی اور ذات کے اشخاص کو۔" (۵۲)

اگر ملزم اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کی سزا ادنیٰ ہوتی اور اگر ادنیٰ طبقے کا فرد ہوتا تو اس کے لیے سزا شدید تر ہوتی۔ اگر قاتل برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقے سے تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا اور اگر قاتل و مقتول دونوں برہمن ہوتے تو دونوں کا معاملہ خدا کے سپرد کردیا جاتا"۔ (۵۳)

Marfat.com

منوشاستر کا انصاف:

۱۔ دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمنوں کے واسطے ہے، برہمن کی مہربانی سے چھتری لوگ بھی چین کرتے ہیں۔''

۲۔ وید شودر کے پاس نہ پڑھے۔ (۵۴)

۳۔ اگر کسی مجرم کو سزا دینے کی ضرورت پیش آئے تو عضو تناسل، شکم، زبان، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں کانوں، دونوں آنکھوں، ناک جائیداد اور جسم پر دس سزا کے مقام ہیں۔ (۵۵)

۴۔ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے، اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لیے کہ دولت وغیرہ کچھ اس کی ملکیت نہیں۔(۵۶)

۵۔ زنا بالجبر کی سزا قطع عضو تناسل ہے لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہیے اس لیے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔(۵۷)

۶۔ ''سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی''۔ (۵۸)

۷۔ ''راجہ کے لیے جائز نہیں کہ برہمن کو کسی حالت میں قتل کرے اگرچہ اس نے کتنا ہی بڑا جرم کیا ہو'' (۵۹)

۸۔ ''اگر کوئی برہمن کسی شودر کو جان سے مارڈالے تو اس کے اوپر کوئی دوش نہ ہوگا، البتہ اسے کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ کفارہ وہی ہوگا جو کسی جاندار نیولے، چھپکلی، چوہے اور سانپ وغیرہ مارنے کا ہے''۔ (۶۰)

۹۔ ''منوشاستر ہی میں تحریر ہے: ''قادر مطلق نے دنیا کی بہبود کے لیے ''برہمن'' کو اپنے منہ سے، ''کھشتری'' کو اپنے بازوؤں سے ''ویش'' کو اپنی رانوں سے اور ''شودر'' کو اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔'' (۶۱)

مشہور عرب سیاح ''ابن بطوطہ'' نے بھی اپنے سفر نامہ ہند کے چشم دید مشاہداتی تاثرات میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ ''میں ہندوستان کا مذہبی ظلم وستم دیکھ کر بے ہوش ہوگیا جس وقت ''ستی'' (۶۲) کی رسم ادا کی جارہی تھی۔''

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، بدعنوانی، اقرباء پروری، اور سٹے بازی کا رواج عام ہوجائے تو اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام ہر ناجائز ذرائع اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔ جو شخص اس شیطانی وسوسے میں مبتلا ہو کہ ناجائز ذرائع سے اپنے مقدر سے زیادہ حاصل کرسکتا ہو وہی حرام طریقوں کا سہارا لے گا۔ اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظام عدل کا قیام ہے۔ اسی لیے بدر الدجیٰ ﷺ نے سلطان عادل کو اللہ کا سایہ قرار دیا۔

قانونی تفاوت: منو کے قانون میں جرائم کی سزائیں عدل و انصاف پر مبنی نہیں۔ طبقاتی تقسیم کے اصول کو مدنظر رکھ کر سزاؤں کو نافذ کیا جاتا تھا۔ منو لکھتا ہے: ''ایسے جرائم کے لیے جن کا ذکر باب نہم ۲۳۷ میں ہے برہمن کو درمیانی سزا دی جائے

Marfat.com

گی یا وہ ملک بدر کر دیا جائے گا، لیکن اس کا روپیہ اور مال اس سے نہ لیا جائے گا۔ لیکن دوسری ذاتوں کے اشخاص کی جو عمداً ان جرائم کے مرتکب ہوں کل جائیداد ضبط ہونی چاہیے اور اگر عمداً نہ مرتکب ہوں تو وہ ملک بدر کر دیے جائیں۔(۶۳) منوسمرتی کا اردو ترجمہ مزید تفصیلات کے لیے پڑھا جاسکتا ہے، یہاں تو صرف قوانین کی ناہمواری، فرقہ وارانہ عصبیت، ناجائز پاسداری اور ظلم و جور کی طرف محض اشارہ کرنا مقصود تھا۔

عرب کا حال: دنیا جانتی ہے کہ عرب میں قتل وخوں ریزی، فتنہ فساد، لوٹ مار اور اس طرح کی دوسری بے راہ روی، زندگی کا مخصوص مشغلہ تھا، معمولی معمولی بات پر خاندان کا خاندان تہ تیغ کر دیا جاتا تھا، بے نظمی اور انتشار اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، کوئی تنہا ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ جاسکتا تھا اور غریبوں کی عزت وآبرو ہر وقت خطرہ میں گھری رہتی تھی۔(۶۴) ساقی کوثر ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا کے مختلف ممالک میں امتیازی قوانین نافذ تھے۔ مراعات یافتہ لوگوں کے لیے اور قوانین تھے اور ادنیٰ لوگوں کے لیے اور، معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ ہر طبقہ کے لیے مختلف قوانین تھے۔ فخر جہاں ﷺ نے تمام انسانوں کو ایک اصل کی مختلف شاخیں اور تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ کہہ کر قانون کی نظر میں سب کو برابر قرار دے دیا۔(۶۵)

شب کو سحر کے نور میں ڈھالا حضور نے | انسانوں کو پستیوں سے نکالا حضور نے
ذہنوں سے تیرگی کو مٹانے کے واسطے | اک آفتاب نور اُچھالا حضور نے
ملنے کو تھی جو خاک میں توقیر زندگی | فضل خدا سے اس کو سنبھالا حضور نے
اعدا سے کھائے سنگ تو ان کو دعائیں دیں | اُسوہ دیا ہے ہم کو نرالا حضور نے

قرآنی عدل اجتماعی: اللہ تعالیٰ کے حضور تمام انسان برابر ہیں۔ لہٰذا قرآنی شریعت اس بنیاد پر انہیں ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی قانون لوگوں کے مابین مساوات پیدا کر کے ان میں بے لاگ انصاف کے اصول قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾
ترجمہ: ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔'' (۶۶)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں تمام بنی نوع انسان کے درمیان بر بنائے انصاف فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کے مابین، یا ایک جنس کو چھوڑ کر دوسری جنس کے مابین، یا ایک رنگ والوں کو چھوڑ کر دوسرے رنگ والوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہاں عدل سے مراد یہ ہے کہ مستحق شخص کو اس کا حق اس کے استحقاق کے مطابق دو، مظلوم پر ظلم و زیادتی ختم کراؤ اور لوگوں کے مسائل و معاملات کے حل کے لیے ایسی تدبیر کرو جس سے انہیں فائدہ پہنچے (۶۷)

عدل اجتماعی قران وشریعت کا سب سے زیادہ درخشاں پہلو ہے۔ وہ شریعت میں اجتماعیت اور طرز معاشرت کا معیار ہے۔ اسی کی بدولت جماعت کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ ہر وہ چھوٹی یا بڑی اجتماعی یکجہتی جو عدل پر قائم نہ ہو، چاہے اس میں زیادہ سے زیادہ قوت، تنظیم اور نظم وضبط کی پابندی موجود ہو، وہ زوال سے دوچار ہونے والی ہے کیونکہ فیض رساں اور منفعت

Marfat.com

بخش نظام کی بنیاد صرف عدل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (۶۸) **ترجمہ:** ''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''

امام قرطبی فرماتے ہیں: ''یہ آیت کریمہ ان بنیادی احکام سے تعلق رکھتی ہے جن میں پورا دین اور شریعت سمٹ آئی ہے۔(۶۹)

دیگر قوانین اور شریعتوں کی نسبت قرآنی شریعت میں عدل کے نہایت نتیجہ خیز اور گہرے معانی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنی شریعت انسانیت کے لیے ارتقائی پھول رکھتی ہے۔ جنہیں قرآن کریم کے اسلوب بیان اور لغت عربی کی سے ''عدل'' کے مترادفات سے پہچانا جاسکتا ہے۔ عدل کو''القسط'' سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور''القسط'' کے تقاضے کے مطابق پورا پورا حصہ دینے کو کہتے ہیں۔(۷۰)

قرآن عدل اجتماعی کی ترغیب دیتا ہے: قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اپنے انصاف پسند بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی صراحت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۷۱) **ترجمہ:** ''اور تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور تم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۷۲) **ترجمہ:** ''جو لوگ تم سے دین کے معاملے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تمہیں ان سے بھلائی کرنے اور ان سے انصاف کرنے سے نہیں روکتا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

بسا اوقات قرآن عظیم ''عدل'' کو میزان سے بھی تعبیر کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ (۷۳) **ترجمہ:** ''اور آسمان کو اسی نے بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔''

یہاں ''المیزان'' ''ترازو'' سے مقصود عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ. وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ **ترجمہ:** ''تاکہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو، اور تم انصاف سے وزن کرو، اور تول میں کمی نہ کرو۔'' (۷۴)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا، اسی طرح تم بھی عدل کرو تاکہ تمام اشیاء حق و عدل پر قائم ہوجائیں۔(۷۵)

سورہ الرحمٰن کی مذکورہ بالا آیات سے پہلی آیات میں غور وفکر کرنے والا شخص یہ حقیقت بخوبی سمجھ لیتا ہے کہ یہ آیات انسانی تخلیق کی نعمت، وحی کی نعمت، کائنات کی عبودیت اور بندگی اور کائنات کے عدل و میزان پر قائم ہونے کے بارے میں

Marfat.com

آ گہی بخشتی ہے۔ اس کے بعد ہمارے لیے عدل، میزان انصاف اور قسط کا حکم آتا ہے۔

قرآنی شریعت اور عدل اجتماعی کے تقاضے: قرآنی قانون اور شریعت میں عدل کا مفہوم دیگر انسانی ساختہ نظاموں اور قوانین سے بہت مختلف اور ممتاز ہے۔ یہ قوانین عدل کے مفہوم کی ظاہری سطح ہی سے واقفیت رکھتے ہیں جس کا عقل ادراک کر لیتی ہے، جیسے ترازو میں پورا تولنا، خرید وفروخت میں لوگوں کے اموال نہ کھانا، ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ لیکن ان قوانین سے عدل کا دوسرا پہلو اوجھل ہے جس کی گہرائی تک پہنچنا صرف اس شریعت ہی کے ذریعے سے ممکن ہے جو معصوم ومحفوظ ہے۔ جو قلب وضمیر کو عدل کے ذریعے سے مخاطب کرتی ہے کیونکہ اس کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جو نہایت باریک بین اور خبردار ہے، جو دلوں کے راز اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہوتا ہے اسے بخوبی جانتا ہے۔(۷۶)

انسانی تاریخ کے دوران میں سب سے زیادہ مظالم عدل کے نام پر عدالت کے کٹہرے میں ہوئے ہیں، چنانچہ ایسے ایسے قوانین اور شریعتیں وضع کی گئی ہیں جو انسان کو ہلاکت کی وادیوں میں گرانے والی تھیں، حالانکہ ان کے بارے میں یہ زعم تھا کہ وہ عدل کو سچا کر دکھائیں گی۔ ایک چھوٹے سے گناہ کے لیے بڑی بڑی سزائیں مقرر کی گئیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ غیر مجرم کو سزا کا فیصلہ سنا دیا جاتا۔(۷۷) یقیناً غیر مسلموں نے بھی قرآنی شریعت کے مبنی بر عدل ہونے کی گواہی دی ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے عہد مبارک میں جب یہودی کفار اپنی عدالتوں اور احکام سے حصول انصاف میں ناکام ہوجاتے تھے تو نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر انصاف کی درخواست کرتے تھے۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات کتب تاریخ و حدیث میں موجود ہیں۔ بلاشبہ قرآنی شریعت کے عدل و انصاف نے اکثر ہم عصر عیسائی مفکرین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور وہ عدالت و مساوات پر قائم اس شریعت کے بارے میں اپنی حیرت کو چھپا نہیں سکے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:

﴿﴾ مشہور مؤرخ گستاؤ لی بان کہتے ہیں: ''یہ بات حق ہے کہ دنیا عربوں جیسے عفو ودرگزر اور وسیع القلبی سے کام لینے والے فاتحوں کو نہیں جانتی اور نہ کسی اور دین کو ان کے دین سے زیادہ فراخ دل اور روادار سمجھتی ہے۔''(۷۸)

﴿﴾ روبرسٹون کہتے ہیں: ''بے شک مسلمان ہی وہ واحد قوم ہیں جنہوں نے اپنے دین کی غیرت وحمیت اور دیگر ادیان کے پیروکار کے لیے عدل اور عفو ودرگزر کی روش کو بیک وقت جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے دین کی نشرواشاعت کے لیے تیز دھار تلواریں سونتنے کے باوجود ایسے لوگوں کو اپنے قدیم دین کی تعلیمات پر جمے رہنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جو ان کے دین اسلام سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے۔(۷۹)

﴿﴾ میاڈ کہتے ہیں: ''بلاشبہ قرآن کریم جس نے جہاد کا حکم دیا ہے وہ دیگر ادیان کے پیروکاروں کے لیے بہت درگزر کرنے والا اور اعلیٰ ظرفی کا حامل ہے۔ بلاشبہ اس نے یہودی، بطریقوں، راہبوں اور ان کے خدمت گاروں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے راہبوں کو قتل کرنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ وہ اپنی عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو انہوں نے عیسائیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جبکہ ایسے ہی موقع پر جب صلیبی عیسائی بیت المقدس کو فتح کر کے وہاں پہنچے تو انہوں نے کسی پر رحم نہیں کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا اور یہودیوں کو جلایا۔(۸۰)

یہاں ایک اور گواہی بھی حاضر ہے جسے گستاؤ لی بان نے اسلامی شریعت کی روح ''مساوات'' کے اعتراف میں پیش

Marfat.com

کیا ہے وہ کہتے ہیں: ''عرب اپنے سیاسی نظام اور اصول جہاں بانی کے مطابق مساوات کی روح سے متصف ہیں۔ وہ بنیادی مساوات جس کا یورپ نے زبانی کلامی اعلان کیا ہے مگر عملاً اس کا نفاذ نہیں کیا، مشرق کی فطرت اور طبیعت میں درجہ اتم راسخ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں ان گروہی طبقات کا کوئی تصور نہیں جن کی موجودگی نے مغرب کو نہایت تشدد اور سخت گیر انقلابات تک پہنچایا اور جن کے باعث آج بھی وہاں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ آپ مشرق میں کسی نوکر کو دیکھیں کہ وہ اپنے مالک کی بیٹی کا خاوند بن جائے۔ یہ بھی کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ ان میں سے مزدور پیشہ لوگ اعیانِ حکومت بن جائیں۔ (۸۱) شریعت قرآنی میں مساوات کا مفہوم جس درجہ کمال تک پہنچا ہوا ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر ول ڈیوراں تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اسلام غلاموں کی شادی کی اجازت دیتا ہے۔ اگر ان کی اولاد کافی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرے تو اسلام نے ان کو تعلیم دلانے کی اجازت دی ہے۔ آدمی غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد کے بکثرت اقتدار حاصل کرنے پر ششدر رہ جاتا ہے جن کا اسلامی دنیا کی علمی اور سیاسی زندگی میں بڑا مقام و مرتبہ ہے کیونکہ غلاموں اور لونڈیوں کی اولادیں اکثر اوقات بادشاہ اور گورنر بنی ہیں مثلاً مصر میں غلاموں کی حکومت رہی۔ (۸۲)

عدل اجتماعی قرآن پاک کی روشنی میں

۱۔ ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۸۳) **ترجمہ:** ''اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے فیصلہ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

۲۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۸۴) **ترجمہ:** ''اے ایمان ولوں! تم عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو اور یہی تقویٰ کے قریب ترعمل ہے''۔

۳۔ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (۸۵) **ترجمہ:** ''بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سو تم اپنے بھائیوں میں (اگر کوئی لڑائی کا مقام آئے) اصلاح کروا دیا کرو''۔

۴۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۸۶) **ترجمہ:** ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔

۵۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (۸۷) **ترجمہ:** ''ہم نے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں شدت کی سختی بھی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی''۔

۶۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۸۸) **ترجمہ:** ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کردو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو''۔

۷۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۸۹) **ترجمہ:** ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو۔ گو تمہاری اپنی ذات

Marfat.com

یا ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ سوتم خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا پہلو تہی کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبر دار ہے۔"

۹۸۔ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۹۰) **ترجمہ:** "اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔"

۹. ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۹۱) **ترجمہ:** "اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو"

۱۰. ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (۹۲) **ترجمہ:** "اور وزن انصاف کے ساتھ پورا کرو! اور تولنے میں کمی نہ کرو۔"

۱۱۔ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۹۳) **ترجمہ:** "مجھے تمہارے مابین عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

۱۲۔ ﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۹۴) **ترجمہ:** "عدل کرو اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

۱۳۔ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۹۵) **ترجمہ:** "اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔"

۱۴۔ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۹۶) **ترجمہ:** "اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور فرشتے اور علم والوں نے بھی کہا کہ وہی اللہ جل شانہ عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے"۔

عدل اجتماعی احادیث مبارکہ کی روشنی:

۱۔ سیدنا عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی فیصلہ کرنے والا اپنی کوشش کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس کی کوشش کے باوجود اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ (۹۷)

۲۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت و رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سات آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے جب اللہ کے عرش کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں پہلا وہ امام یا حاکم وہ ہے جو انصاف کرتا ہے۔ دوسرا وہ جوان ہے جو اللہ کی اطاعت میں مگن رہتا ہے۔ (۹۸)

۳۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دو اشخاص کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال و دولت عطا کی ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں مسلسل خرچ کرتا رہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ جل شانہ نے علم و حکمت عطا فرمائی اور وہ اسے لوگوں کو سکھانے اور ان کے درمیان عدل کرنے میں مشغول ہو۔ (۹۹)

۴۔ سیدنا ابن بریدہؓ اپنے والد گرامی سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو قسم کے جہنمی ہیں اور ایک قسم کا جنتی ہے۔ ایسا قاضی جس نے حق بات کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور ایسا قاضی جس نے جہالت کی بناء پر فیصلہ کیا یا حق کو پہچاننے کے باوجود ظلم کیا، دونوں جہنمی ہیں۔" (۱۰۰)

۵۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ میں ایک انسان ہوں اور میرے پاس لوگوں کے جھگڑے آتے ہیں، عین ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کی نسبت چرب زبان ہو اور اس کی چرب

Marfat.com

زبانی کی وجہ سے میں یہی سمجھوں کہ وہ سچا ہے۔ یاد رکھو اگر کسی کی چرب زبانی کی وجہ سے میں نے کسی حق دار مسلمان کے خلاف اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو وہ جہنم کا ٹکڑا ہے جس کا جی چاہے اسے رکھ لے ورنہ چھوڑ دے۔(۱۰۱)

۶۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور ایک قسم کی بنا پر فیصلہ صادر فرمایا ہے۔(۱۰۲)

۷۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر چہ میں ہی زیادہ حق دار ہوں لیکن تم فیصلہ کرو اگر تم نے کوشش کے باوجود غلطی کی تو تمہارے لئے ایک اجر ہے۔ اور اگر تمہارا فیصلہ درست ہوا تو تمہارے لئے دس اجر ہیں۔(۱۰۳)

۸۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو منصب قضاء پر فائز کیا گیا تو سمجھ لو کہ اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا''۔(۱۰۴)

۹۔ حضرت ابی بکرۃؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے ''تم میں سے کوئی بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ غصے کی حالت میں نہ کرے''۔(۱۰۵)

۱۰۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میں نے ﷺ سے سنا ہے کہ وہ امت کیسے پاک ہو سکتی ہے جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق نہ دلوایا جا سکے۔(۱۰۶)

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عادل حکمران اللہ کے پاس دائیں طرف نورانی منبروں پر ہوں گے۔''(۱۰۷)

۱۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے عادل حکمران کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میرے عادل حکمران کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''(۱۰۸)

۱۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب قیامت کے روز امام عادل ہوگا۔''(۱۰۹)

۱۴۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اگر اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لیے جنت ہے، اور اگر خدا نخواستہ اس کا الٹا ہوا اور اس کا ظلم و ستم ہی اس کے عدل و انصاف پر بازی لے گیا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' (۱۰۹۔الف)

۱۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین افراد کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت، عادل حکمران کی اور مظلوم کی۔''(۱۱۰)

۱۶۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسلامی حکومت یا عادل حکمران زمین پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہے جس کے پاس اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم داد رسی اور انصاف کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اگر اس نے انصاف کیا تو اس کا اسی کو اجر ملے گا اور رعیت پر اس انصاف کا شکر واجب ہو جائے گا۔''(۱۱۱)

۱۷۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تم جانتے ہو قیامت کے دن گرمی اپنے شباب پر ہوگی اور اس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس شدت کی گرمی میں وہ کون لوگ ہوں گے جو اس سایۂ خداوندی

Marfat.com

میں پناہ لینے کے لیے آگے بڑھیں گے؟'' صحابہ کرامؓ نے کہا: ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ افرادِ حکومت کہ جب ان سے کلمہ حق کہا جاتا ہے تو بے چون و چرا قبول کرتے ہیں، اور جب وہ عدالت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو پورا انصاف کرتے ہیں، اپنے پرائے اور غریب و امیر میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔'' (۱۱۲)

نظام کائنات میں عدل اجتماعی: قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ. اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ. وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ. وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ. اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ. وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ (۱۱۳) **ترجمہ:** ''اللہ رحمٰن (ہے) اسی نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا، اسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب سے ہیں اور بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور آسمان کو اسی نے بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو اور تم انصاف سے وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔''

چنانچہ قرآن عظیم میں بیان کردہ عدل کا راسخ ہونا قابل فہم ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ عدل قرآنی کوئی ایسی دستاویز نہیں جسے شق وار ترتیب کے ساتھ قانونی حیثیت دے کر معرض تحریر میں لایا گیا ہو اور جسے مجلّد کر کے دفاتر میں رکھا جائے، پھر وہ سرکاری ریکارڈ یا الماریوں کی زینت بنے۔ میرے رب کی قسم، قرآنی عدل ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ قرآنی شریعت میں عدل کو ابدی اور لازوال قدر و منزلت حاصل ہے اور یہ پوری کائنات پر محیط ہے جیسا کہ سورہ رحمٰن کی گزشتہ آیات میں یہ بات گزر چکی ہے۔ (۱۱۴)

بلاشبہ قرآن عظیم نے عدل اجتماعی کی قدر و منزلت بہت بڑھادی ہے حتیٰ کہ اسے توحید سے مربوط کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (۱۱۵) **ترجمہ:** ''اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی، حالانکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب ہے، خوب حکمت والا۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے معزز فرشتوں، انبیائے کرام اور مومنوں میں سے اہل علم کی اس گواہی کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کا نظم و نسق عدل سے چلا رہا ہے۔ (۱۱۶)

عدل اجتماعی کے میدان کار: اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر اپنے رسول ﷺ کو عدل کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۱۱۷) **ترجمہ:** ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔''

قرآنی شریعت میں عدل اجتماعی کے پہلو بہت زیادہ ہیں جن کا ادراک صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو کر خلوص دل سے قرآن کریم کے احکام پر غور کرتا ہے، مثلاً خاندان، اسے تشکیل دینے، اس کا نظم و نسق چلانے اور اہل خانہ کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں قرآنی شریعت اور قانون کے جو خصوصی احکام ہیں ان کے مقابلے میں ان قوانین کے احکام کی کوئی حیثیت نہیں رکھتے جن پر انسانوں نے اتفاق کر لیا ہے اور ان کے عادی ہو گئے ہیں۔ قرآنی شریعت میں باپ کے حقوق بھی ہیں اور اس پر فرائض اور پابندیاں بھی ہیں، اسی طرح ماں کا معاملہ ہے۔ بیٹے بھی اسی طرح مکلف ہیں۔ میاں بیوی کے باہم سلوک کے متعلق بھی ہم اس قاعدے کو کارفرما دیکھتے ہیں جس کی طرف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے۔ ﴿وَلَهُنَّ

Marfat.com

﴿مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (۱۱۸) **ترجمہ:** ''اور دستور کے مطابق عورتوں کے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے (مردوں کے) عورتوں پر ہیں اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت (حاصل) ہے۔''

اعدل الناس ﷺ، عدیم النظیر منصف و قاضی: نبی کریم ﷺ نے بطور منصف بھی انسانیت کے لیے عظیم اسوۃ چھوڑا ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ اس نے نبی کو قاضی مقرر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے نزاعی معاملات وخصومات کے فیصلے کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (۱۱۹) **ترجمہ:** ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ پر برحق کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ونگہبان ہے پس آپ ﷺ لوگوں کے درمیان جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق حکم کیا کریں، اور جو (دین) حق آپ ﷺ کے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں۔''

اس آیات کریمہ کے شانِ نزول کے ذیل میں ابن عباسؓ کے اثر میں بروایت محمد اسحاق منقول ہے کہ ''ابن عباسؓ روایت ہے کہ کعب ابن اسد و ابن صلوبا اور عبداللہ ابنِ صوریا او رشاس ابن قیس ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد ﷺ کے پاس جائیں شاید ہم انہیں دین کے معاملے میں فتنے میں ڈال سکیں۔ چنانچہ وہ آئے اور کہا: ''اے محمد ﷺ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار، شرفا اور سر برآوردہ لوگ ہیں۔ اگر ہم آپ ﷺ کے متبع ہوجائیں تو یہود آپ ﷺ کے متبع ہوجائیں گے اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ ہمارا اپنی قوم کے ساتھ ایک جھگڑا ہے ہم وہ آپ ﷺ کے پاس لائے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے حق میں فیصلہ کردیں ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ آپ ﷺ نے اس سے انکار کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَنِ احْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ﴾ (۱۲۰)

وہ ہر بشر کے واسطے نظیر ہیں مثال ہیں — اطاعتِ خدا کا ایک نمونہ کمال ہیں
ہیں ان کی عادتوں میں حق کی آیتیں بچی ہوئی — وہ بارگاہِ عرش کا صحیفۂ جمال ہیں

قرآن حکیم کی روشنی میں دستور سازی کے اصول: قرآن کریم کی بہت سی ایسی آیات ہیں جو دستوری و آئینی رہنمائی کی حامل ہیں۔ یہاں دستوری اور سیاسی رہنمائی فراہم کرنے والی چند آیات کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو اسلام کے آئینی نظریے کی بنیاد کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ ان آیات میں سیاسی نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے کلیدی ہدایات اور احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا. یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ (۱۲۱)
ترجمہ: ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں اور جب تم لوگوں کے درمیان

Marfat.com

فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبان امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔"

۲۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (۱۲۲) **ترجمہ:** اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

۳۔ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (۱۲۳) **ترجمہ:** "پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

۴۔ ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (۱۲۴) **ترجمہ:** "اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے صاحبان امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو بات کا نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں اس کو جان لیتے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً ایک کے سوا تم شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔"

۶۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (۱۲۵) **ترجمہ:** "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔"

اجمل الناس ﷺ کی مختلف شعبوں میں قانون سازی:

رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں قانون سازی کی۔ چند نمایاں قوانین بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے بے قصور لوگوں کو سزا سے بچانے کے لیے یہ اصول بیان فرمائے: "قاضی کے لیے غلطی سے کسی مجرم کو بری کردینا اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی بے گناہ کو سزا دے۔" موجودہ دور میں اس اصول کے پیش نظر دنیا کے تمام ممالک نے یہ قانون وضع کیا ہے: "ایک بے قصور کو سزا دینے کی نسبت نو مجرموں کو بری کردینا بہتر ہے۔"

۲۔ ذمہ داری کے تعین کے سلسلے میں رسول اللہ نے ایک اہم اصول بیان فرمایا: "غلطی، بھول چوک اور جبر و اکراہ کی صورت میں تو ذمہ داری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

۳۔ قانون میں مساوات کا اصول وضع کرتے ہوئے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "قصاص اور دیت میں سب مسلمان

Marfat.com

برابر ہیں۔''

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے جرائم حدود کو (ان جرائم کو جن کی سزا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے) ناقابل مصالحت قرار دیا ہے۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فوجداری مقدمات مجرم کی سفارش کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں میں نرمی برتنے کی سفارش کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔''

۶۔ قتل کے مقدمے میں وراثت کا یہ اصول بیان فرمایا کہ قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔

۷۔ پرانے زمانے میں قانون حمورابی کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کی بیٹی یا بیٹے کو قتل کردیتا تو بدلے میں اس کی بیٹی یا بیٹے کو قتل کیا جاتا۔ قاتل کو سزا نہ دی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بے انصافی کو ختم کیا اور اصل قاتل کو سزا کا مستحق قرار دیا۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے قتل کے جرم کو تین قسموں میں تقسیم کیا۔ ا۔ یعنی قتل عمد، ۲۔ قتل شبہ، ۳۔ قتل خطا، تینوں کے لیے الگ الگ سزا مقرر کی، تاکہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

۹۔ زمانہ جاہلیت میں قصاص اور دیت میں یکسانیت نہ تھی۔ طاقتور قبائل کے افراد کا خون بہا کمزور قبائل کے افراد کے خون بہا سے دوگنا لیا جاتا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اس بے انصافی کا خاتمہ کرتے ہوئے فرمایا: ''قصاص اور دیت میں تمام مسلمان برابر ہیں۔''

۱۰۔ اگر کسی حاملہ عورت کو مارڈالا جائے تو اسلامی قانون کی رو سے اس کے رحم میں مرنے والے بچے کا بھی قصاص لیا جائے گا۔ (۱۲۶)

جزا و سزا کا شرعی معیار اور عدل اجتماعی: اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی شریعت دونوں میں جز و سزا کا تعین عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ اسی عدل اجتماعی کا حصہ ہے جس کے باعث زمین و آسمان کا وجود برقرار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ (۱۲۷) **ترجمہ:** ''اگر تم لوگ کھلم کھلا بھلائی کرتے رہو یا چھپا کر کرتے رہو یا برائی سے درگزر کردیا کرو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا صاحب قدرت ہے۔''

اور فرمایا: ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (۱۲۸) **ترجمہ:** ''ان کو چاہیے کہ معاف کردیا کریں اور درگزر کیا کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''من لا یرحم لا یُرحم'' (۱۲۹) **ترجمہ:** ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

جرم و سزا کے اسی اصول کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے چوری کرنے والے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا اور راہ زنی کرنے والے کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے کا قانون بنایا اور اسی طرح جانی نقصان، مالی نقصان اور زخموں کے قصاص کا قاعدہ مقرر فرمایا۔ اگر سزا بھی اسی نوعیت کی ہو سکے جس نوعیت کا جرم ہے تو شریعت کا اصل منشا یہی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپؓ نے جھوٹی گواہی دینے والے کو الٹا کر کے سواری پر سوار کرنے اور اس کا چہرہ سیاہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ چوں کہ اس نے بات کو الٹا کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کو الٹا کردیا اور اس نے جھوٹ بول کر اپنا منہ کالا کیا تو آپؓ نے اس چہرہ پر

Marfat.com

سیاہی لگا کر اس کا منہ کالا کر دیا۔(۱۳۰)

عدل اجتماعی کا شاہکار معاہدہ میثاق مدینہ: جہاں تک مدینہ کا تعلق ہے تو وہاں سوائے اس کے کوئی امکان نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مدد آپ کرے۔ ان حالات میں مدینہ تشریف لانے کے بعد جب شہری مملکت قائم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا دستور مدون فرمایا اور دنیا کا پہلا دستور تحریری طور پر منضبط کر کے نافذ بھی کیا۔ اس میں ایک عجیب وغریب حکم دیا گیا جسے انقلابی نوعیت کا کہا جاسکتا ہے۔ وہ یہ کہ انصاف بجائے انفرادی کے مرکزی شے ہوگا یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچا ہے تو وہ براہ راست فرد کو سزا نہیں دے گا، بلکہ مرکزی عدالت سے رجوع کرے گا۔ حاکم عدالت بغیر رعایت کے پوری غیر جانبداری کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ کرے گا اور ظالم کو سزا دے کر مظلوم کو اس کا حق دلائے گا۔ اس کے بارے میں کچھ دفعات اور بھی ہیں وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالم کی حمایت کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ چاہے اس کا اپنا ہی بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ فرض کیجیے کہ میرے بیٹے نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو باوجود باپ ہونے کے مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنے بیٹے کی حمایت کروں اور پولیس کی طرف سے اس کی گرفتاری کے وقت مدافعت کروں۔ اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ انصاف ایک خدائی حکم ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ انصاف کے لیے پورا تعاون کرے اور کسی ظالم کو نہ بچائے، چاہے وہ اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مدینے کی حد تک ایک انقلابی حکم دیا گیا اور انصاف جو وہاں انفرادی کام تھا اس کا ایک مرکزی اور حکومتی فریضہ قرار دیا گیا۔(۱۳۱)

اندرونی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپ ﷺ نے ایک وسیع البنیاد منشور کی ضرورت محسوس کی کہ ایک ایسا معاہدہ ہو جس میں تمام قبائل حصہ لیں اور مدینہ کی ریاست کا امن وامان اور استحکام برقرار رہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ حالات پیدا فرمائے اور اہل یہود اور مسلمانوں درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کو میثاق مدینہ کہا جاتا ہے جو کہ عدل اجتماعی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے گردونواح میں امن وامان کی حالت کو برقرار رکھ سکتا تھا۔ وہ معاہدہ کچھ اس طرح تھا:

- ☆ یہ تحریری معاہدہ اللہ کے نبی (ﷺ) کے قبیلہ قریش، یثرب کے اہل ایمان اور ان لوگوں کے باب میں ہے جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں گے اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں گے۔
- ☆ اور بنوعوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا وغیرہ کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا۔ ہر گروہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- ☆ اور بنوساعدہ، بنو ہاشم، بنونجاتر، بنوعمرو بن عوف، بنوالبنیت، بنو الاوس بھی اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے۔ اور خون بہا کا طریقہ ان میں حسب سابق قائم رہے گا۔
- ☆ اور اہل ایمان اپنے کسی زیر بار قرض دار کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ قاعدہ کے مطابق فدیہ دیت اور تاوان ادا کرنے میں اس کی مدد کریں گے۔
- ☆ اور کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔
- ☆ اور یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی کرے ظلم، گناہ اور تعدی کے

Marfat.com

ہتھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

☆ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

☆ یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی اور ان یہود پر نہ ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی دشمن کی مدد کی جائے گی۔

☆ تمام اہل ایمان کی صلح یکساں اور برابری کی حیثیت رکھتی ہے کوئی مومن قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مومن کو چھوڑ کو دشمن سے صلح نہیں کرے گا اور اسے مسلمانوں کے درمیان عدل و مساوات کوملحوظ رکھنا ہوگا۔

☆ اور جو شخص ناحق کسی مردمومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض بطور قصاص قتل کیا جائے گا۔ الا یہ کہ اس مقتول کا ولی اسے معاف کردے یا خون بہا لینے پر راضی ہو اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

☆ اور بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی الاوس اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لئے وہی کچھ ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لئے ہے۔

☆ جوظلم اور عہدشکنی کا مرتکب ہوتو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا کوئی دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

☆ اور یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا۔

☆ اہل معاہدہ میں سے کوئی اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنا چاہے تو کرلے۔ الا یہ کہ کوئی دین و مذہب کے لئے جنگ کرے۔

مندرجہ بالا معاہدہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ مملکت اسلامی کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی گئی۔ اللہ اور اس کا رسول محمد ﷺ بھی اس آدمی کی مدد کریں گے جو عدل اور حق کا متلاشی ہوگا۔ اس معاہدے میں اہل یہود نے رسول اللہ ﷺ کو ایک عادل حکمران کی حیثیت سے قبول کرلیا۔(۱۳۲)

آج ترقی یافتہ ممالک کے دساتیر میں امریکہ کے دستور کو 7000 الفاظ کا مختصر ترین مثالی دستور قرار دیا جاتا ہے مگر 1400 سال قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا 730 الفاظ پر مشتمل میثاق مدینہ اس سے کہیں زیادہ جامع، موثر اور مکمل دستور ہے جس میں تمام آئینی طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا گیا، مختلف ریاستی وظائف کی ادائیگی کا طریق کار طے کر دیا گیا۔ اقلیتوں سمیت تمام افراد و طبقات کو معاشرہ کے حقوق کو تحفظ دیا گیا اور ایک اسلامی فلاحی ریاست کی حقیقی بنیادوں کو واضح کر دیا گیا۔(۱۳۳)

اقتصادی دہشت گردی: مغرب نے عالم اسلام کی تمام آبی گزرگاہوں پر یا تو قبضہ کرلیا ہے یا ان پر اپنی بالادستی قائم کرر کھی ہے۔ مغرب نے اپنی خانہ زاد ایجنسیوں مثلاً یو این او اور عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لیکر تمام گزرگاہوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ مغرب نے عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لیکر اس بات کی بھرپور کوشش کررہا ہے کہ عالم اسلام کی تمام معدنیات پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے۔ مذکورہ قوتوں کو سہارا لیکر نئے حربوں سے سارے عالم کی زراعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ انہیں حربوں کا استعمال کرکے عالم اسلام کے تمام انسانی وسائل کو اپنا غلام اور

Marfat.com

اپنا ملک بنانے کی تدبیر ہورہی ہے۔ بعض مخصوص تدابیر عالم اسلام میں پائے جانے والے تمام عقلی، ذہنی اور فنی صلاحیتوں اور قوتوں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے مغرب اسلام کا گلا گھونٹنا شروع کر چکا ہے۔ ۱۹۱۶ء، ۱۹۲۳ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۷ء، اور ۱۹۶۹ء، کی کاروائیوں ۱۹۷۸ءکیمپ ڈیوڈ معاہدہ۱۹۹۱ء جنگ خلیج اور اسرائیل معاہدہ کی سازشوں سے یہودیوں نے دارالاسلام کے قلب یعنی دارالامن اور جزیرہ العرب کوکلی حصار میں لے لیا ہے۔

دنیا کی عسکری قوت ہو یا سیاسی قوت یہ سب یہودی مالی قوت کے زیر نگین ہو چکے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ساری دولت سارے وسائل و ذرائع دراصل ان کے مالی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت اگرچہ اس کلی اجارہ داری کو بعض مصلحتوں کے تحت تین ادارے چلا رہے ہیں جو سراسر یہودی ہیں یعنی واحد قطب امریکہ، ماقبل کی تیسری قوت کا دوسرا شعبہ یعنی آئی ایم ایف اور عالمی بینک، اور تیسری قوت کا پہلا شعبہ براہ راست یہودی عالمی مالی نظام۔ (۱۳۴)

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لیے دنیا میں باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ عراق امریکہ جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام ہے۔ عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں۔(۱۳۵) مالیاتی کنٹرول کا حصول بھی اقتصادی دہشت گردی کا ایک حصہ ہے پوری دنیا کو مالی شکنجے میں کس کر اپنا غلام بنانا ہے تاکہ پھر ان سے مرضی کے کام لیے جاسکیں۔ کریڈٹ کارڈ کا اجراء، ناپسندیدہ افراد اور ادارے چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی کے اکاؤنٹ منجمد کر کے اور دوسری حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اس طرح کے کام کروانا دراصل امریکہ اقتصادی دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ اس کا اصل مقصد اپنی بالادستی ہے اور ایسی بالادستی جس کے آگے کسی کو بھی آواز اٹھانے کی طاقت نہ ہو۔

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی دہشت گردی کا ایک مہرہ ہے۔ آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہورہی ہے۔ پاکستان ۱۹۸۸ء تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہ تھا۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہماری مجموعی پیداوار کی شرح ترقی ۶٫۳ فیصد سالانہ تھی۔ غربت کی شرح ۱۷ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ فیصد تھی۔ مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ''سہارا'' دیا تو یہ صورتحال ہوگئی کہ سالانہ شرح ترقی ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۴ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فیصد اور صنعتی شرح نمو ۲ فیصد پر آ گئی (۱۳۶) آج ہماری مجموعی پیداوار کی شرح 3.7 فیصد سالانہ، (۱۳۷)، غربت کی لکیر سے نیچے رہنے والوں کی شرح 22.3 فیصد ہے۔ (۱۳۸) روزنامہ ڈان کا کالم نگار لکھتا ہے کہ:

> A STUDY on poverty has brought Pakistan face to face with a reality that it will find hard to accept: every third Pakistani is caught in the 'poor' bracket i.e. some 58.7 million out of a total population of 180 million subsist below the poverty line. This includes more than half the population in the forever remote Balochistan, 33 per cent in Sindh, 32

Marfat.com

per cent in Khyber Pakhtunkhwa and 19 per cent in Punjab (139)

اسی طرح افراط زر کی شرح 9.14 فیصد جولائی تا ستمبر 2012 رہی (۱۴۰)، صنعتی ترقی کی شرح 3.4 فیصد ہے اور اقتصادی ترقی کی شرح 3.2 فیصد ہے (۱۴۱)۔

عدل اجتماعی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مذاہب عالم میں اسلام کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ یہ کہ اسلام دیگر مذاہب سے بڑھ کر انسان اور انسان کے رشتوں کی بات پر زور دیتا ہے اور تعلقات کی بہترین انداز میں تنظیم کرتا ہے۔ دنیا کے مذاہب کی مقدس شخصیات اور برگزیدہ ہستیوں میں اکرم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصی مرتبہ حاصل ہے کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کی بنیاد پر نہ صرف ایک نیا معاشرہ قائم کیا بلکہ ربانی اور عالمگیر اُصولوں کے مطابق ایک عالمگیر ریاست بھی منظم کی اور اپنی زندگی میں ریاست کی تنظیم کے سلسلے میں اصول و قواعد بھی مرتب کیے۔ ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاشرے کی بنیاد رکھی، وہ معاشرہ پہلی صدی ہجری کے وسط میں ہی مختلف منظر ناموں، متعدد ثقافتوں اور متفرق زبانوں کے امتزاج سے توحید کی اساس پر بننے والا پہلا عالمگیر معاشرہ بن چکا تھا۔ مختلف ثقافتوں کے متفرق عناصر سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں انسانی تاریخ کے عظیم الشان نقطۂ اتصال میں جمع ہوئے اور ایک عظیم الشان اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں اپنا حصہ ڈال گئے۔ عدل اجتماعی کا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔

معاشرتی عدل اجتماعی: فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم و مہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر دیتا ہے۔ نرمی جس چیز میں ہو تو اس کو زینت دے گی اور جس چیز سے بھی اٹھ جائے گی اس کو بدنما اور عیب دار بنادے گی۔ من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ. **ترجمہ** ''جو شخص نرمی سے خالی ہوگیا وہ ہر بھلائی سے خالی ہوگیا'' (۱۴۲) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر آگ کو حرام قرار دیا جو لوگوں کے قریب ہو اور نرم اور آسان ہو۔ (۱۴۳) مطلب یہ ہے کہ اسلام بات چیت اور معاملات میں سختی اور درشتی سے منع کرتا ہے بلکہ نرمی اور سہولت کا حکم دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کو اللہ نے اپنی رحمت قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ **ترجمہ:** ''اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل اور مزاج کے سخت ہوتے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تتر بتر ہوجاتے۔'' (۱۴۴) دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جب مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی مدد سے ایک اسلامی فلاحی ریاست اور معاشرہ قائم فرمایا۔ (۱۴۵) یہ وہ فلاحی معاشرہ تھا جس کی نظیر آج تک ہمیں نہیں ملتی۔ اس معاشرہ میں ہمیں عدل و انصاف کا دور دورہ ملتا ہے۔ یہاں پر عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ محسن انسانیت نے فلاح انسانیت کے لیے بے بہا موتی نچھاور فرمائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں خیر و فلاح کا مظاہرہ فرمایا۔

اگر ہم ناروے، سویڈن، ہالینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ جیسے ممالک کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا کھوج ملتا ہے کہ ان ممالک نے فلاحی ریاستیں تو قائم کردیں مگر وہ معاشرے میں پاکیزگی اور عفت کا نظام قائم کرنے میں ناکام رہے۔ جبکہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور مبارک میں مکمل ہوگیا۔ آج کل کی جدید فلاحی ریاستوں میں جو نمایاں

Marfat.com

خدو خال ملتے ہیں وہ تصورات آج سے ۱۴۰۰ سال سے زیادہ عرصہ قبل ہمیں حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے دیئے۔ ایسا معاشرہ قائم ہوا جس کی بنیاد خیر سگالی، اخوت، موانست، مودت، خیر خواہی اور فلاح انسانیت پر رکھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے خلافت عمر میں پیدا ہونے والے بچوں کا ان کی پیدائش سے قبل وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ ایسا تصور اب بھی یورپ کی کسی فلاحی ریاست میں نظر نہیں آتا۔

> During his life as both religious leader and statesman, the Prophet Muhammad (peace be upon him) showed great sensitivity and respect in dealing with the People of the Book, the Jews and the Christians. In the true spirit of divine revelation, the Holy Quran, with which he had been entrusted, Prophet Muhammad forbade harming non-Muslims and asked Muslims to treat them well. He once said, He who harms a Jew or a Christian will find me his opponent on the Day of Judgment.(146)

ایک دفعہ قبیلہ قریش کی ایک بااثر عورت سے چوری سرزد ہوگئی۔ نبی پاک ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ایک صحابی نے اس عورت کی سفارش کرنا چاہی تو حضور ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا وہ فلسفہ پیش کیا جس کی تاریخ میں ہمیں نظیر نہیں ملتی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں سے کوئی بااثر آدمی جرم کرتا تو وہ اثر ورسوخ کی وجہ سے سزا سے بچ جاتا تھا اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ یہ جرم کرتی تو وہ بھی اس سزا سے نہ بچ سکتی'' (۱۴۷)

فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ تمام عالم انسانیت تک اسلام کی دعوت پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بہترین امت قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (۱۴۸) **ترجمہ** ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے لائی گئی ہو۔'' کیونکہ یہ امت لوگوں کی نفع رسانی کا فریضہ انجام دیتی ہے آج یہ عالم ہے کہ ہم نے اپنی قسمت کے فیصلے امریکہ اور یورپ کے سپرد کر رکھے ہیں اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنے مسلم بھائیوں کے کشت وخون کے مناظر دیکھ دیکھ کر نہ جانے کیا سوچ رہے ہیں۔ فلاحی انسانی معاشرے میں علم وحکمت کی ترویج نہایت ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تمام علوم کا سرچشمہ قرار دے کر آپ ﷺ کو معلم انسانیت کے منصب پر سرفراز کیا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے کم وبیش سات صدیوں تک مسلمانوں کو دنیا کا علمی امام بنائے رکھا۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ کی دنیا تاریکیوں کے عہد سے گزر رہی تھی اور مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ایجادات پر ایجادات کیے چلے جا رہے تھے۔ امن وامان کا قیام بھی فلاحی معاشرے کے لیے اہم اقدام ہے۔ سیرت طیبہ ﷺ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم انسانیت کے لیے امن واخوت کے پیامبر بن کر آئے تھے۔ (۱۴۹)

سیاسی عدل اجتماعی: ملوکیت و پاپائیت یا اشتراکیت و جمہوریت یا قبائلی نظام حکومت بھی اگر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت

Marfat.com

کے سائے سے باہر رہ کر چلایا جائے گا تو تباہی و بربادی کے سوا انسانیت کو کچھ نہیں ملے گا۔ لادین سیاست کے پیروکار بھی کبھی بھی دوسرے کا عزت سے رہنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اکثر مغربی و مشرقی مفکرین کے نزدیک گزشتہ دونوں عالمگیر جنگوں کی بنیاد یہی لادین سیاست تھی جس کی وجہ سے سات کروڑ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ (۱۵۰) اسلامی تعلیمات یہ ہے کہ اگر کسی کو زمین میں اقتدار مل جائے تو وہ زمین میں اپنی بالادستی کی بجائے اللہ کے حکم کی بالادستی قائم کرے لوگوں کو نیکی طرف بلائے اور منکرات اور برائیوں کی جہنم میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لاتسبو ا الولاۃ فانھم ان احسنوا کان لھم اجر و علیکم الشکر وان اساء وا فعلیھم الوزر و علیکم الصبر'' **ترجمہ** ''حاکموں کو نہ کوسو، کیوں کہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لیے اجر ہے اور تمہارے لیے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لیے موقع صبر''۔ آپ ﷺ نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور انتہاء پسندی سے منع فرمایا ہے۔ (۱۵۱) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اسلام حکمرانوں پر مثبت اور تعمیری تنقید سے نہیں روکتا۔ (۱۵۲) اسی طرح ظالم و جابر حکمران کے خلاف کلمہ حق کو جہاد کہا گیا ہے بلکہ ایسے حالات میں مستقل مزاجی، صبر و برداشت سے ظلم کے خلاف ڈٹے رہنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔ (۱۵۳)

معاہدات میں عدل اجتماعی: آپ ﷺ کا جو معیار اخلاق شخصی حالتوں میں تھا وہی میدان جنگ میں بھی قائم رہا۔ معاہدات نبوی ﷺ کا اطلاق ان معاہدات پر ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد اور بالخصوص مدینہ کے قیام کے بعد مختلف اقوام و ملل سے کیے گئے۔ (۱۵۴) قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (۱۵۵) آپ ﷺ کے معاہدایت میں دو باتیں خاص نظر آتی ہیں پہلی یہ کہ معاہدات میں رواداری اور برداشت دوسری یہ کہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر یا جھک کر قبول کر لیتے۔ آپ ﷺ کے معاہدات سے فاتح کی حیثیت نمایاں نہیں ہوتی بلکہ مصلح کی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے نام سے جو معاہدہ کیا وہ یہودیوں کے ساتھ رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی: ''قریش میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکے آئے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا'' اس شرط کے بعد ایک مظلوم صحابی حضرت ابو جندلؓ کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینے آ گئے۔ جب اہل مکہ نے آ کر آپ ﷺ کو صلح حدیبیہ کی شرائط کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے ان سے انصاف کرتے ہوئے ابو جندل کو واپس کر دیا۔ (۱۵۶)

آزادی و حریت میں عدل اجتماعی: جہاں تک آزادی اور حریت میں عدل اجتماعی کا تعلق ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہی دنیا میں پہلی مرتبہ انسانوں کی آزادی و حریت کا نعرہ بلند کیا اور اپنے ماننے والوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو اس وقت ساری دنیا میں غلامی کا رواج زوروں پر تھا۔ معمولی معمولی جنگوں پر ایک دوسرے کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ ان حالات میں یہ تو ممکن نہ تھا کہ یک بارگی اس نظام کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اپنی پاکیزہ تعلیمات میں ''انسداد غلامی'' کے لیے تمام اساسی باتیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر غلاموں کی آزادی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی نیکی ہے۔ ''فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَا

Marfat.com

اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ." (۱۵۷) **ترجمہ:** ''سو وہ شخص دین کی گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے، وہ کسی گردن غلامی سے چھڑا تا ہے۔''

اسی طرح قتل خطاً، ظہار اور قسم توڑ دینے وغیرہ کے کفاروں میں غلام کی آزادی کا حکم دیا گیا۔ نیز غلاموں کو ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ (سو وہ لوگ تم ہی میں سے ہیں) کہہ کر ان کو مسلم معاشرے کا حصہ دار بنا دیا۔ (۱۵۸) آپ ﷺ نے ''كل مولود يولد على الفطرة" (۱۵۹) **ترجمہ:** ''ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے۔

اس سے اگر چہ یہاں مراد ہر بچے کا باطل مذہب کی قید سے آزاد ہونا ہے مگر فطرت سلیمہ کی اس خصوصیت میں اس کی آزادی اور حریت بھی شامل ہے۔

عزت وتکریم میں عدل اجتماعی: جہاں تک یکساں عزت وتکریم کے اصول کا تعلق ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان، خواہ اس کا تعلق کسی بھی ذات یا رنگ ونسل یا طبقے سے ہو، ایک جیسے، ادب واحترام کا مستحق ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (۱۶۰) **ترجمہ:** اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔''

لہٰذا ذات، نسل یا رنگ کی بنیاد پر اگر کوئی شخص دوسرے کی عزت کرتا ہے یا کسی کو نفرت یا حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے تو یہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی نفی ہے۔

ان ہدایات پر پابند کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں بہت کم جنگوں میں غلامی کا نظام اپنایا۔ زیادہ لڑائیوں میں آپ ﷺ نے قیدی بنانے کا متوازن اصول قائم کیا اور انہیں مختلف شرائط کے ساتھ ان کے قبیلوں کو واپس کیا۔ وصال کے وقت آپ ﷺ کے پاس جتنے غلام تھے سب کو آزاد کر دیا۔

اس کے برعکس اسلام نے بڑائی اور فضیلت کی اساس ''تقویٰ'' اور خوف خداوندی پر رکھی ہے اور اعلان فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (۱۶۱) **ترجمہ:** ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم سب سے پرہیزگار تو اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔''

اسلام کی نظر میں گویا ایک ادنیٰ ذات کا فرد اگر تقویٰ اور پرہیزگاری کے اصول پر عمل پیرا ہے تو اس شخص کی نسبت وہ زیادہ معزز ومحترم ہے، جو بادشاہ کا بیٹا ہونے کے باوجود تقویٰ کے اس معیار پر پورا نہیں ہے۔

دین اور عقائد میں عدل اجتماعی: قرآن وحدیث میں انتہا پسندی کے لیے لفظ ''غلو'' مستعمل ہے۔ ''غلو'' کے لفظی معنی حد سے تجاوز کرنے کے لیے۔ جیسا کہ امام جصاص لکھا ہے: ''الغلو فی الدين هو مجاوزة حد الحق فيه '' (۱۶۲) دین کے معاملے میں مالغہ آرائی سے کام لینا شریعت اسلامیہ کی رو سے حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ

Marfat.com

السَّبِيْلِ﴾ (۱۶۳) ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (۱۶۴) **ترجمہ:** ''اے کتاب والو! مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات''

دین اسلام ایک معتدل اور سیدھا مذہب ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۱۶۵) **ترجمہ:** ''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت صحیح پر پیدا کیا اور اس اصلی اور جبلی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی دین اسلام سیدھا دین ہے کہ جو اس اصلی فطرت کے مطابق ہے اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

دین اسلام میں ہر طرح کی سختی اور جبر و اکراہ سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (۱۶۶) **ترجمہ:** ''دین میں کوئی جبر نہیں''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''وایاکم والغلو فی الدین.... فی الدین'' (۱۶۷) **ترجمہ:** ''دین میں غلو کرنے سے اجتناب کرنا، کیونکہ تم سے پچھلی امتیں دین میں غلو کے سبب ہلاک ہوگئیں۔''

عبادات میں عدل اجتماعی: اسلام ابتدا ہی سے نظریہ اور عمل، دونوں اعتبار سے ایک تبلیغی مذہب رہا ہے۔ شمس العارفین ﷺ کی سیرت اس امر کی روشن مثال ہے۔ شریعت اسلامیہ نے عبادات میں بھی اعتدال اور میانہ روی کی روش اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ دعا یا نماز میں ایک مسلمان کی آواز معتدل ہونی چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾۔ (۱۶۸) **ترجمہ:** ''اور تو نہ پکار اپنی دعا (یا نماز) میں اور چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ''۔

دنیا کو ترک کردینے اور رہبانیت اختیار کر لینے، دن رات عبادات میں مشغول رہنا اور دینوی تقاضوں کو نظر انداز کرنا شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہادی صراط مستقیم ﷺ کا ارشاد ہے ''اما واللہ انی لاخشاکم... فلیس منی'' (۱۶۹) **ترجمہ:** '''اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر پاسداری کرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار (ناغہ) بھی کرتا ہوں رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی میری سنت ہے، پس جو میری سنت سے گریز کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

ایک بار سید الثقلین ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی دوستونوں کے درمیان باندھی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ رسی کس لیے ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المومنین حضرت زینبؓ نے لٹکائی ہے۔ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں، تو اس سے لٹک کر تھکاوٹ اتارتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رسی کھول دو، جب تک تم میں سے کوئی تازہ دم رہے تو نماز پڑھے اور جب تھک جائے تو آرام کرلیا کرے۔'' (۱۷۰)

اعمال میں عدل اجتماعی: حدیث نبوی ﷺ ہے: ''خیر الامور اوسطھا'' (۱۷۱) ''تمام امور میں بہترین وہ ہے جو اعتدال پر ہو۔'' ایک حدیث میں آیا ہے: **ترجمہ:** ''اعتدال نبوت کا پچیسواں جز ہے۔'' (۱۷۲)

ھادی صراط مستقیم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے: **ترجمہ:** ''اے لوگو! ایسے اعمال اختیار کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو،

Marfat.com

اللہ تعالیٰ عمل سے نہیں تھکتا البتہ تم تھک جاتے ہو، سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر آدمی ہمیشہ قائم رہے خواہ تھوڑا ہو۔'' (۱۷۳)

اس سلسلے میں ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے ''رسول اللہ ﷺ جب حکم دیتے تو ایسے اعمال کا حکم دیتے جن کی لوگ طاقت رکھتے ہوں۔'' (۱۷۴)

رسول اللہ ﷺ نے دین میں سختی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ''یہ دین (اسلام) آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آ جائے گا پس تم لوگ اعتدال اختیار کرو اور اعتدال کے قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں آسان دین ملا)'' (۱۷۵)

شاہ ولی اللہ نے اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کا قول ہے فسدّدوا یعنی اعتدال کا طریقہ اختیار کرو جس کی نگرانی ہو سکے اور اس کو ہمیشہ عمل میں لا سکیں وَقَارِبُوْا یعنی یہ خیال مت کرو کہ بغیر اعمال شاقہ کے اس تک نہیں پہنچ سکتے وَاَبْشِرُوْا یعنی امید اور سرور دل حاصل کرتے رہو۔ (۱۷۶)

خرچ کرنے میں عدل اجتماعی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (۱۷۷) **ترجمہ:** ''اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے کملاحت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا''۔

مسلمان نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (۱۷۸) **ترجمہ:** ''اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ میں ایک سیدھی گزران۔''

اسلام نے زیب و زینت کی اجازت دی ہے مگر اس میں فضول خرچی اور نخوت سے منع فرمایا ہے۔'' ارشاد ربانی ہے کہ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (۱۷۹) **ترجمہ:** ''اے اولاد بنی آدم! زینت اختیار کرو ہر عبادت کے موقع پر، کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو، بے شک اسراف کرنے والے اللہ کو پسند نہیں ہیں۔''

حدیث نبوی ﷺ ہے: **ترجمہ:** ''کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔ اور ابن عباس نے کہا ہے اسراف اور گھمنڈ سے بچتے ہوئے جو جی چاہے اور جو جی چاہو پہنو' (۱۸۰)

معاشی نظام کو مستحکم رکھنے کے لیے جتنی اہمیت طلب رزق میں اعتدال و قناعت کی ہے اس سے کہیں زیادہ خرچ میں اعتدال کی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ''الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة'' (۱۸۱) **ترجمہ:** ''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔'' وہ محتاج نہیں ہوگا جس نے اعتدال اختیار کیا۔'' ان آیات اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسراف کی ممانعت کا مقصد انسان کو صرف مال میں ایک معتدل اور متوازن روش پر قائم رکھنا ہے۔ (۱۸۲)

چال ڈھال میں عدل اجتماعی: حضرت لقمانؑ کے نصائح میں ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ (۱۸۳) **ترجمہ:** ''اور چل بیچ کی چال'' بتصریح سید سلیمان ندوی ''یعنی اتنی تیزی نہ ہو کہ چال میں متانت اور وقار باقی نہ رہے اور نہ اتنی

Marfat.com

دھیرے ہو کہ ریاکار زاہدوں کی نمائشی چال بن جائے۔'' (۱۸۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (۱۸۵) **ترجمہ:** ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں۔''

﴿وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ (۱۸۶) **ترجمہ:** ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل (کہ اس طرح چل کر) نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں تک اونچائی میں پہنچ سکتا ہے۔''

﴿وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (۱۸۷) **ترجمہ:** ''اور زمین پر اترا کر مت چل اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اعلان ہو جائے تو اس کی طرف تم میں سے کسی کو دوڑنا نہیں چاہیے بلکہ ایسی حالت میں چلے کہ اس پر سکینہ اور وقار کی کیفیت طاری ہو۔ نماز کو جس قدر تو نے پایا ہے اس کو پڑھ لیجئے جو حصہ فوت ہو چکا ہے اس کی قضا کیجئے۔'' (۱۸۸)

پوشاک میں عدل اجتماعی: رسول اللہ ﷺ نے لباس میں بھی اعتدال اختیار کرنے کا درس دیا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قسم کے لباسوں، بہت قیمتی اور بہت گھٹیا لباس کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے'' (۱۸۹)

اسلام میں ہر نعمت اور ہر لذت کی گنجائش ہے مگر حد اعتدال تک۔ کیونکہ لذتوں میں انہماک اور بے اعتدالی انسان کو اللہ اور آخرت سے لاپروا بنا دیتا ہے۔ نتیجتاً زندگی کا مقصد فوت ہو جاتا ہے یہی سبب ہے کہ اسلام نے تمام امور میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز ہر فرد کو اپنی وسعت کے مطابق لباس پہننا چاہیے۔

چنانچہ حدیث نبوی ﷺ ہے، ابو الاحوص نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے حاضری دی'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمہارے پاس دولت ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں'' آپ ﷺ نے پوچھا کس قسم کی؟ میں نے کہا: ''اللہ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا کیے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تمہیں نعمت عطا فرمائے تو چاہیے کہ تمہاری ذات پر اس کے فضل و کرم کا اثر دیکھا جا سکے۔'' (۱۹۰)

سرکار دو عالم ﷺ نے مردوں کے لیے ریشمی لباس پہننے سے منع کیا ہے۔ فرمایا: ''میری امت کے مردوں پر ریشمی لباس اور سونے کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے جائز رکھا گیا ہے۔'' (۱۹۲)

غریبی اور امیری میں عدل اجتماعی: غریبی اور امیری ہر دو حالتوں میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا تعلیمات نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''تین باتیں باعث نجات اور تین باتیں باعث ہلاکت ہیں، نجات دینے والی یہ ہیں: خفیہ اور ظاہری اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، غریبی امیری میں اعتدال اختیار کرنا اور خوشنودی اور ناراضگی میں عدل و انصاف کرنا'' (۱۹۳)۔

مزید ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''دولت مندی میں درمیانگی اچھی ہے، محتاجی میں درمیانگی اچھی ہے، عبادت میں درمیانگی کتنی اچھی ہے۔ (۱۹۴)

Marfat.com

حقوق و مراعات میں عدل اجتماعی: اس سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام سماجی، سیاسی اور عائلی معاملات میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے تفریق، برتری، اور غلبے و استیلاء کے وہ تمام نظریے باطل قرار دیئے جو بعثت نبوی ﷺ سے قبل سماجی جبر و استحصال کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ (۱۹۵) **ترجمہ:** ''اے اہل ایمان! کوئی قوم دوسری قوم کا تمسخر نہ کرے ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے تمسخر کریں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور اپنے مومن بھائیوں کو عیب نہ لگاؤ نہ ایک دوسرے کا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔''

ترجمہ: ''یاد رکھو کسی عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، یاد رکھو کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، بجز تقویٰ کے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔'' (۱۹۶)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سماجی اور طبقاتی تفاوت پر مبنی نظام کو لپیٹ کر تمام انسانوں کے ایک ہونے اور حقوق و مراعات میں ان کے یکساں ہونے کا انقلابی نظریہ پیش کیا جو اس وقت اقوام متحدہ کے چارٹر کی اساس ہے۔ (۱۹۷)

حقوق العباد کی ادائیگی دین کا اہم شعبہ ہے بلکہ شریعت اور دین کا خلاصہ ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ پس خواہ حقوق نسواں کا مسئلہ ہو یا انسانی حقوق، سماجی برادر اور اقلیتوں کے حقوق کا، والدین اور بچوں کے حقوق کا معاملہ ہو یا مذہب، رائے اور مسلک کی آزادی کا چیلنج۔ ان سب میں محسن انسانیت ﷺ نے عدل و احسان، مساوات، رواداری، اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً بڑوں اور چھوٹوں سے متعلق ارشاد فرمایا: ''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے، اور ہمارے بڑے کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں'' (۱۹۸)

بتصریح سلیمان ندوی: ''اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ ترازو ٹھیک اور سیدھی رہے تو ہر انسانی جماعت میں چھوٹوں اور بڑوں، افسروں، ماتحتوں، آقاؤں، نوکروں اور بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان کسی قسم کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے، جب کبھی چھوٹوں اور بڑوں میں کسی قسم کی ناگواری پیش آئی ہے تو اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ ترازو کے ان دونوں پلڑوں میں توازن قائم نہیں رہتا ہے۔'' (۱۹۹)

اسلام نے قانونی حقوق میں عورتوں کو مساوی درجہ عطا کیا: ''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ'' **ترجمہ:** ''اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر'' (۲۰۰)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔ (۲۰۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔'' (۲۰۲)

ایک طرف یہ صورتحال ہے کہ عرب معاشرے میں لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ ﴿بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ (۲۰۳) **ترجمہ:** ''کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی'' دوسری جانب رحمۃ للعالمین ﷺ نے اتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ

Marfat.com

''یہی بیٹیاں جنت کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔'' فرمایا: ''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ عمر تمیز کو پہنچ جائیں تو قیامت کے دن اس کا یہ رتبہ ہوگا کہ وہ اور اس میں (دو انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا) اس طرح ملے ہوئے ہوں گے۔ (۲۰۴)

اسلام میں غیر مسلموں (اقلیتوں) کو وہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اگر غیر مسلم شہری کسی مسلمان قتل کردے تو اس کا بدلہ اسی طرح لیا جاتا ہے جس طرح مسلمانوں کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلم کسی ذمی کی شراب اور اس کے سور کو ضائع کردے تو اس سے تاوان وصول کیا جائے گا۔ (۲۰۵)

اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلمان کی غیبت حرام ہے۔ (۲۰۶)

حضرت عمرؓ کے دور میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو مفتوح قوم کو ان الفاظ میں معاہدہ امن لکھ کر دیا: ''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ گرائے جائیں گے نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ (۲۰۷) یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی ملی۔ فرمایا: ''للیھود دینھم و للمسلمین دینھم'' (۲۰۸) ''یہود اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر''۔ الغرض اسلام نے غیر مسلموں کی جان، مال، آبرو، مذہب سب کو تحفظ فراہم کیا۔

ازدواجی زندگی میں عدل اجتماعی: اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی میں عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا ہے اور کہا کہ اگر تم ایک سے زیادہ بیویوں سے انصاف نہیں کرسکتے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفا کرو۔ فرمایا: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۲۰۹) **ترجمہ:** ''پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکو تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔''

آپ ﷺ نے عدل و انصاف کے دامن کو اپنے خانگی معاملات میں بھی تھامے رکھا۔ آپ نے تقریباً ہر عمر کی عورتوں سے شادی کی اور اُن سے مساوی سلوک کرتے رہے اور اس طرزِ عمل کو آخری دم تک نبھاتے رہے۔ جب آخری وقت آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اس سے پیشتر آپ ﷺ نے تمام اَزواجِ مطہرات سے اجازت حاصل کی تھی۔ (۲۱۰)

اسلام دشمنوں کے حق میں عدل اجتماعی: اسلام ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ تخصیص نہیں کی کہ غیر مسلموں سے عدل نہ کیا جائے۔ غیر مسلموں سے عدل و انصاف کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ اسلام کے نظامِ عدل سے متاثر ہوکر اسلام کی جانب مائل ہوجائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۲۱۱) اس میں یہی کہا گیا ہے کہ کسی قوم کی عداوت تم کو اس گناہ پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ تم ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو۔ اس آیت میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں کی گئی۔

ناپ تول میں عدل: اسلام نے جس طرح تمام شعبوں میں عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے اسی طرح ناپ تول میں انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۱۲) **ترجمہ:** ''اور انصاف کے ساتھ

Marfat.com

پوری پوری ناپ تول کرو۔'' گویا کاروباری شعبے میں بھی انصاف کرنے کو اولین شرط قرار دیا گیا ہے۔

کھانے پینے میں عدل: کھانے پینے میں بھی عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔ یعنی ضرورت کے مطابق کھایا جائے اور اگر فالتو بچ جائے تو جسے اس کی ضرورت ہو اسے دے دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾

ترجمہ: ''کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔'' (۲۱۳)

حکمرانوں کو عدل کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو بھی عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (۲۱۴) ترجمہ: اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا پس آپ لوگوں کے درمیان حق اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں۔''

اقتصادیات میں عدل اجتماعی: مواقع معیشت کے حصول سے مراد یہ ہے کہ ایک علاقے میں رہنے والے تمام لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کی کفالت کے لیے روزی کمانے کی آزادی ہو اور تمام لوگوں کو بلا کسی تفریق کے، یکساں مواقع معیشت فراہم کیے جائیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ (۲۱۵)

ترجمہ: ''اور ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے مواقع معیشت پیدا کیے۔''

اور اگر کسی شخص کے وسائل اس کی ضروریات کی کفالت نہ کریں، تو حکومت اسلامیہ اس پر اس کی ضروریات کی کفالت کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے: ''اسلام کی ان تعلیمات نے خیالی نہیں بلکہ حقیقی انقلاب پیدا کیا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ حضرت بلالؓ جیسے آزاد شدہ غلام کو ''یا سیدی'' (اے میرے سردار) کہہ کر بلاتے تھے اور دور خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ جب شام تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، اور جب شام میں داخل ہوئے تو غلام اونٹنی پر سوار ہے اور خلیفۃ المسلمین اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہے ہیں۔ یہ اسی کا احساس تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ بھوکے خاندان کے لیے غلے اور سامان سے بھری ہوئی بوری اپنی کمر پر لاد کر چل رہے ہیں اور آپ کے غلام آپ کے ساتھ ساتھ خالی جا رہے ہیں۔'' (۲۱۶)

یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ موتہ کے موقع پر قریشی سرداروں کے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کی قیادت میں جہاد کے لیے بھیجا اور حیات طیبہ کے آخری معرکے میں جو عظیم الشان لشکر ترتیب دیا، جس میں کبار صحابہؓ بھی شامل تھے۔ اس کی سیادت غلام زادہ حضرت اسامہؓ کو مرحمت فرمائی۔ مگر کسی صحابہؓ نے اس موقع پر ان کی قیادت و سیادت پر اعتراض نہ کیا اور پھر یہ اسی کا اثر تھا کہ مسلمانوں کے آزاد کردہ غلام اور ان کے ہونہار بیٹے تمام علمی اور فکری دنیا پر چھا گئے اور بڑے بڑے عرب ان کی حاشیہ نشینی کو اپنے لیے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ (۲۱۷)

معاشی عدل اجتماعی: سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایے کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیاتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ معاشرہ میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی اگر سارا خون دل میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم مفلوج ہو جاتا ہے۔ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ

Marfat.com

چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے جس سے ملکی معیشت کمزور ہوجاتی ہے۔ (۲۱۸)

حضور نبی اکرم ﷺ نے سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیتہً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ حجتہ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

ان کل ربا مو ضوع و لکن لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون قضی اللہ انه لا ربا (۲۱۹)

ترجمہ: ''بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم راس المال کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو۔ نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اللہ تعالٰی نے فرمادیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے۔''

سود معاشی ظلم کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سود کی ہر شکل چاہے وہ مفرد ہو یا مرکب، ذاتی طور پر لیا جائے یا تجارتی و پیداواری قرضوں پر حرام قرار دیا

اور اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ قرار دیا۔ اسلام نے ارتکاز دولت کو ممنوع کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ﴾ (۲۲۰) **ترجمہ:** ''ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں میں ہی گردش کرتی رہے۔''

اسلام نے ارتکاز دولت کو روکنے کے لیے نظام زکوۃ وعشر اور وراثت کا قانون دیا۔ جس میں مرنے کے بعد مورث کی جائیداد حقداروں کی ملکیت میں منقسم ہوجاتی ہے۔ حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے بیوی کے مہر کو جبراً معاف کرانا بھی صریحاً ظلم قرار دیا ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام عدل اجتماعی کا مظہر: اسلام کے اقتصادی نظام کو دیگر اسلامی اقتصادی نظاموں پر جو فوقیت اور برتری حاصل ہے اور وہ اس کی ان اقتصادی تعلیمات کی بناء پر حاصل ہے جو عدل پر مبنی حقیقی اور مستقل قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں، ان دوسری تعلیمات کی بناء پر حاصل نہیں جو احسان پر مبنی اخلاقی نوعیت کی ہیں یا وقتی مصلحت پر مبنی عبوری احکام اور وقتی قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں، دراصل اسلام کی وہ اقتصادی تعلیمات جن پر عمل کرنے سے معاشرے میں توازن پیدا ہوتا اور ہر ہر فرد کو ہمیشہ بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر آتی اور ضرورت سے زیادہ رزق و مال حاصل کرسکنے کا موقع بھی مل جاتا ہے، یعنی معاشی خوشحالی کے ساتھ معاشی ترقی کا بھی موقع مل جاتا ہے، عدل پر مبنی مستقل قانونی تعلیمات ہیں۔ (۲۲۱)

قرآن کریم اور احادیث نبی کریم ﷺ میں حیات انسانی کے معاشی پہلو سے متعلق جو ہدایات و تعلیمات ہیں، غور سے دیکھا جائے تو وہ تین طرح کی نظر آتی ہیں: ایک وہ جن کی حیثیت اخلاقی مواعظ و ترغیبات کی سی ہے، دوسری وہ جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی سی ہے اور تیسری وہ جن کی پوزیشن عبوری اور وقتی احکام کی طرح ہے۔ ان تین طرح کی اقتصادی و تعلیمات کے مابین جو فرق اور مغائرت ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کی اقتصادی تعلیمات جن کو اخلاقی مواعظ و ترغیبات سے تعبیر کیا گیا ہے، احسان و ایثار پر مبنی ہے۔ احسان و ایثار کے معنی ہیں کسی کا اپنی مرضی خوشی سے بطور ہمدردی و خیر خواہی اپنی کوئی مفید مادی چیز دوسرے کو بغیر مادی معاوضہ کے دے دینا، لہٰذا ان تعلیمات کا مقصد یہ ہوا کہ لوگ ہمدردی و خیر

Marfat.com

خواہی کے جذبہ سے رضا کارانہ طور پر اپنی مملوکہ اشیاء ایک دوسرے کو دینے کی روش اختیار کریں اور بغیر کسی مادی معاوضہ کے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں۔ دوسری قسم کی اقتصادی تعلیمات جن کو حقیقی اور مستقل قوانین سے موسوم کیا گیا ہے عدل وقسط پر مبنی ہیں۔ یہاں عدل سے قسط کے معنی ہیں حقداروں کو ان کے حق کا ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملنا۔ جبکہ تیسری قسم کی اقتصادی تعلیمات جن کو عبوری قوانین اور احکامات سے تعبیر کیا گیا ہے وقتی مصلحت پر مبنی ہے۔ لہٰذا ان تعلیمات کا مقصد یہ ہوا کہ جب حالات ایسے ہوں کہ ان میں ۱۰۰ فیصد صحیح چیز پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو اس پر عمل کرلیا جائے جو صحیح کے قریب تر اور نسبتاً بہتر ہوں۔ (۲۲۲)

عدل اجتماعی کی ضمانت: اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو جس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح کی ایک اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے، معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے۔ ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کی ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کریں۔ (۲۲۳) قرآن کریم نے معاشی واقتصادی نظام کے سلسلے میں منافع کے تبادلے اور انفرادی ملکیت کے احترام کی دعوت دی ہے اور اس کی خاص طور پر تلقین کی ہے کہ مال کو محض وسیلہ بنایا جائے اور اسے مقصد حیات نہ سمجھا جائے۔ نظام شریعت کی تشکیل و نفاذ کے سلسلے میں قرآن عظیم وسیع اور جامع اصولوں پر قائم ہے جو اسلامی فقہ کے عظیم سرمائے میں نت نئے امکانات کا تصور پیش کرتے ہیں۔ (۲۲۴)

فرمان نبوی ﷺ ہے: ''السلطان ولی من لا ولی له'' **ترجمہ:** ''حکومت ہر شخص کی ولی (دست نگر و مددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ (۲۲۵)

ایک اور حدیث میں ہے: ''من ترك كلا فالينا'' (یعنی جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمے ہے۔'' ایک خلیفہ راشد نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے: ''اللہ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا بھی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لیے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔'' اور یہ کہا: ''اللہ کی قسم! اگر اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔'' حضرت علیؓ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غربا کے لیے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔'' (۲۲۶)

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے اس میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اے لوگو! صدقہ دو کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لیے لیے

Marfat.com

پھرے گا وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے جو اسے قبول کرے۔''

یہ ہے اسلام کا معاشی نظام اور درحقیقت انسانیت کی نجات انہی اصولوں میں مضمر ہے۔ اس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصور انسان اور اس کی معاشی اور اخلاقی فلاح ہے۔ وہ معاشی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف، آزادی اور اخلاقی ترقی کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد اپنے مزاج اور اپنے اصولوں کے اعتبار سے مختلف اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ (۲۲۷)

اخلاق، علم، عدل کا معیار آپ ہیں — انسان کے قافلہ سالار آپ ہیں

ایک ایک لمحہ جس کا زمانہ کو حفظ ہے — تاریخ زندگی کا وہ کردار آپ ہیں

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کے نظائر

رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات پوری دنیا کے لیے کامل نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے دنیا میں عدل و انصاف، اعتدال، اور رواداری کی اعلیٰ ترین عملی مثالیں قائم کی ہیں۔ اسلام کے آغاز ہی سے آپ ﷺ پر اہل مکہ نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا شروع کیے۔ آپ ﷺ کو گالیاں دیں، قتل کے منصوبے بنائے، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں گرائیں، جادوگر، مجنون اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے گئے مگر بقول ام المومنین حضرت عائشہؓ آپ ﷺ تمام زندگی اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ ہاں اگر کوئی خدائی حرمت کو پامال کرتا تو اس صورت میں سختی کے ساتھ مواخذہ فرماتے (۲۲۸) ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے اس سلسلے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ خانۂ کعبہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے گر چکی تھیں۔ تمام قبائل نے اُسے دوبارہ تعمیر کرنے میں یکساں کردار ادا کیا تھا۔ لیکن جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا موقعہ آیا تو ہر قبیلے کی یہی خواہش تھی کہ یہ شرف انہیں ہی نصیب ہو۔ اب قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے باہر آ جائیں، ہر طرف خون کی ندیاں بہنا شروع ہو جائیں۔ سمجھ دار لوگ اس معاملے کو نمٹانے کے لئے کعبہ میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو اُسے حکم (جج) مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے، وہ سب کے لئے قابل قبول ہو گا۔ اس تجویز پر سب رضامند ہو گئے۔ دوسرے دن سب نے دیکھا کہ ''الامین'' (ﷺ) کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو رہے ہیں۔ سب پکارے اٹھے: ''لو، محمد (ﷺ) آ گئے، ان کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں'' آنحضرت ﷺ نے چادر میں حجر اسود کو رکھا اور سب قبیلوں کے سرداروں کے موقع دیا کہ چادر کو کونوں سے پکڑ کر اوپر اُٹھائیں اور اس نیکی کے کام میں شریک ہوں۔ جب مقدس پتھر اپنی مخصوص جگہ کے برابر پہنچ گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اُسے اُٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔ اس سے سب مطمئن ہو گئے، کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ملا اور جس نے سنا آپ کی تعریف کی کیونکہ اس طرح تمام قبیلوں کی نمائندگی ہو گئی۔ (۲۲۹)

۲۔ میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ پہلے حصے میں ۲۳ اور دوسرے حصے میں ۲۴ دفعات شامل ہیں۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات، حقوق و فرائض اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔ ایک دفعہ کے یہ الفاظ ہیں ''مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا

Marfat.com

دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔'' یعنی مدینہ میں جتنے بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اظہار دلایا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر عدل کا وسیع عملی مظاہرہ دیکھنا کہاں نصیب ہوگا۔ (۲۳۰)

۳۔ رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہراتے، ان کو ان کے طریقہ پر مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دیتے۔ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کی نماز وقت آ گیا اس لیے انہوں نے مسجد ہی میں نماز شروع کر دی۔ بعض مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا اور فرمایا: ''نماز پڑھ لینے دو۔'' چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبوی کے اندر نماز پڑھی۔ (۲۳۱)

۴۔ حضرت ابو ذرؓ جو قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے کسی بات پر حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ حضرت بلال حبشیؓ پر غصے ہو جاتے ہیں، یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے۔ جھگڑے نے طول کھینچا اور حضرت ابوذرؓ نے فرطِ غضب میں حضرت بلال سے کہا: ''ابن السودا'' یعنی (کالی چمڑی والی حبشن کے بیٹے) حضرت بلالؓ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کی، آپ ﷺ نے حضرت ابوذر سے کہا: ''کیا تو نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا ہے، معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر ابھی کسی قدر جاہلیت موجود ہے۔''

حضرت ابو ذرؓ جو یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید جاہلیت کسی جنسی بداخلاقی کو کہتے ہیں اور اس میں تو صرف نوجوان ہی مبتلا ہو سکتے ہیں، اس لیے انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ اس پیرانہ سالی میں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں یہ تمہارے بھائی ہیں''۔ اس پر حضرت ابو ذر پشیمان ہوئے، توبہ کی وار حد درجہ اظہار ندامت اور کمال تواضع کے لیے حضرت بلالؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کے چہرے کو اپنے پاؤں سے روند دیں۔ (۲۳۲)

۵۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''قریش کو مخزومیہ عورت کی حالت نے فکر مند کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ وہ کہنے لگے: اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون بات کرے گا؟ دوسرے صحابہ نے کہا: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ یہ جرات کون کر سکتا ہے؟ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے۔ لہٰذا اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی (سفارش کی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اللہ تعالیٰ کی حد میں سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا: جب کوئی ان کا شریف (بڑا) آدمی چوری کر لیتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور (کم حیثیت) آدمی چوری کر بیٹھتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: اس کی بہت اچھی توبہ ہوئی بعد میں اس نے شادی کی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی۔ میں اس کی حاجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کر دیتی تھی۔ (۲۳۳) یہ ہے انصاف کا وہ عالی قدر نمونہ کہ اگر مجرم اپنی اولاد بھی ہو تو اسے معاف نہ کیا جائے!

۶۔ قیس بن مطاطیہ جو ایک منافق تھا، ایک مجلس میں آتا ہے، جس میں سلمان فارسی، صہیب رومی، اور بلال حبشی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا کہ ''اوس وخزرج نے تو اس شخص (محمد ﷺ) کی مدد کی لیکن سمجھ میں نہیں آتا ان لوگوں (بلال،

Marfat.com

صہیب، اور سلمان) کو کیا ہو گیا ہے؟'' حضرت معاذ بن جبلؓ وہاں موجود تھے وہ اٹھے اور اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے کھینچتے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ اس نے یہ باتیں کیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور چادر کھینچتے ہوئے مسجد نبوی ﷺ پہنچے۔ اعلان کیا گیا کہ ''الصلوٰۃ جامعۃ'' یعنی کسی غیر معمولی اجتماع کے لیے اس طرح کا اعلان کیا جاتا تھا۔'' آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! یاد رکھو کہ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا جد اعلیٰ ایک ہے اور دین بھی ایک ہے۔'' (۲۳۴)

۷۔ جب مسلسل ۲۱ سال کی سخت کشمکش کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی تھی، آپ ﷺ کو گھر سے نکالا تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ لڑتے رہے تھے، وہ مغلوب ہو کر آپ ﷺ کے سامنے آئے، تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے انہیں وہی دعوت دی اور وہی اصول پیش نظر رکھے جن کا اعلان آپ ﷺ مکہ کی وادیوں میں ننگے پاؤں پھر کر کیا کرتے تھے یا بحیثیت ایک حکمران مدینہ طیبہ میں کر رہے تھے۔ جبکہ آپ ﷺ تاریخ اسلامی میں بالکل ایک نئی تہذیب کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان اصولوں کے نفاذ کا اعلان کیا جن کی تبلیغ آپ ﷺ اس عرصے میں کرتے رہے جبکہ آپ ﷺ کو آخری فتح حاصل نہ ہوئی تھی۔ (۲۳۵) آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے اہل قریش! آج اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کی نخوتوں اور تمہارے آباؤ اجداد کے فخر و مباہات کا قلع قمع کر رہا ہے۔ یاد رکھو! تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تخلیق پائے تھے'' قریش جنہیں عرب میں بڑائی حاصل تھی اور معاشرے میں اپنے آپ کو برتر سمجھ رہے تھے خاموشی سے سر جھکائے سنتے رہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی جسے آپ ﷺ ہمیشہ پڑھا کرتے تھے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (۲۳۶) **ترجمہ:** ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور بنایا تمہیں گروہ اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ باعزت وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔''

۸۔ تاریخ انسانی میں فتح مکہ انسانی رواداری، عدل و انصاف، اعتدال پسندی، صبر و تحمل، برداشت اور وسیع القلبی کی وہ لازوال اور عدیم النظیر روشن مثال ہے جس کا عشر عشیر بھی تاریخ عالم کے معلمین اخلاق کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس دن مکہ کے تمام ظالم و جابر کفار و مشرکین آپ ﷺ سامنے بے بس اور گردن جھکائے کھڑے تھے۔ وہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے، ان کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ آج رب کائنات نے ان تمام کو پیغمبر رحمت ﷺ کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ چاہتے تو چشم زدن میں سب کی گردنیں کٹوا کر سابقہ ظلموں کا بدلہ لے لیتے۔ اس حالت میں پیغمبر اسلام ﷺ کی آواز اٹھی ''تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟'' سب نے جواب دیا: ''آپ ﷺ کریم بھائی کے کریم بیٹے ہیں اور ہم آپ کی طرف سے رحم و احسان کے امیدوار ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''**لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء**'' (۲۳۷) **ترجمہ:** ''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

۹۔ فتح مکہ کے بعد عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا محاصرہ

Marfat.com

کیا۔ لیکن پندرہ بیس روز بعد محاصرہ اٹھالینا پڑا۔ اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں ایک عرب سردار صخرؓ کا خاص کارنامہ ہے کہ اس نے محاصرہ کر کے انہیں اس صلح پر تیار کیا۔ لیکن اسی صخرؓ کے خلاف دو شکایتوں پر آپ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ نے شکایت کی کہ اس کی پھوپھی صخرؓ کے قبضے میں ہے آپ ﷺ نے اسے نہ صرف چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا: ''اسے گھر پہنچا آؤ'' اس کے بعد بن سلیم نے کہا کہ جس زمانے میں ہم کافر تھے صخرؓ نے ہمارے چشمے پر قبضہ کرلیا تھا، اب ہم اسلام لے آئے ہیں ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ آپ ﷺ نے صخرؓ کو بلایا اور فرمایا: ''جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہوجاتی ہے، اس لیے ان کو ان کا چشمہ واپس دے دو'' صخرؓ کو منظور کرنا پڑا۔ (۲۳۸) راوی کا بیان ہے کہ جب صخرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے دونوں احکام منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر شرم سے سرخی آگئی۔'' (۲۳۹) آپ ﷺ نے عادلانہ فیصلے میں اس کے کارنامے کا لحاظ بھی نہ کیا وہ شخص جو عام حالات میں صلہ کا مستحق تھا آپ ﷺ نے دونوں حکم اس کے خلاف دیئے۔

۱۰۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کردی گئی تھیں۔ عبداللہ بن سہلؓ اپنے چچازاد بھائی محیصہؓ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی لینے گئے۔ عبداللہؓ گلی میں جارہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کردیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور استغاثہ دائر کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے قسم کھانے کو کہا کہ عبداللہؓ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ محیصہؓ نے کہا: ''میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو یہودیوں سے حلف لیا جائے۔'' محیصہؓ نے کہا: ''یا رسول اللہ! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے۔'' خیبر میں یہودیوں کی اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ انہوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا لیکن عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں کوئی سزا نہ دی اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔ (۲۴۰)

۱۱۔ دار قطنی نے ایک قافلہ سے عشر کے سرخ اونٹ لینے کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ دوسرے دن یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ طارق محاربی کہتے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ لوگ قبیلہ بنو ثعلبہ سے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرادیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔'' (۲۴۱) طوالت کے باعث صرف چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے

جہانِ عدل و احسان کا وہی بانی مبانی ہے　　　کلام اللہ کی تفسیر جس کی زندگانی ہے

حاصل کلام:

آپ کا قول و عمل تفسیر ہے قرآن کی　　　اتباع مصطفیٰ معراج ہے انسان کی

محبوب رب المشرقین و المغربین ﷺ تاریخ انسانی کا وہ پرنور معدن ومخزن ہے جس سے آپ ﷺ کی سیرت وکردار، اخلاق ومعاشرت اور عدل اجتماعی کی ایسی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جنہوں نے ظلمت کے تمام بادلوں کو ریزگی میں بدل دیا ہے اور وہ عالم انسانیت سے ایسے کافور ہوگئے ہیں جیسے ہوا سے بوئے ناخوشگوار۔ اور آفتاب انسانیت کی درخشندگی نے چہار

Marfat.com

عالم کو اپنے آفاقی کرنوں سے مہر تاباں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ تا آنکہ ذرہ ہائے کائنات بھی آفتاب مثال بن گئے ہیں۔ علم و عدیل ﷺ کی سیرت وکردار اور عدل و انصاف کی وسعتیں لامحدود ہیں۔ بھلا ذہن آدمی کو وہ شعور کہاں کہ ان دشوار گزار راستوں کی سیاحت میں ان گوشوں کی تلاش کر سکے جو انسان اور انسانیت کے تمام تقاضوں کو سمجھتے ہوں۔ یہ کام صرف اور صرف وہ چشم اخلاص ہی اپنے مشاہدہ کی نظر سے تلاش کر سکتی ہے جس نے تاجدار مدینہ کا فیض نبوت ان کی سیرت میں پرکھا ہو۔

سید عرب وعجم نے عدل و انصاف کا انمٹ درس دیا کہ تا قیام قیامت امت اس سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔

عدل اجتماعی کے ضمن میں دربار رسالت ﷺ کے فیصلے آج سب کے سامنے موجود ہیں جو کہ آج بھی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ امام المتقین ﷺ لاثانی مقنن، بےنظیر و بےمثال منصف تھے۔

سراج السالکین ﷺ کا انسانیت پر فیض عام آپ کی جہاں افروز رعنائی خیال کا نمونہ ہے آپ کا اسوہ اہل ایمان کی فکری توانائی ہے اور یہیں سے آدمیت ایک نئے جنم میں اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کرتی دکھائی دیتی ہے۔ آپ اپنی امت کے لوگوں میں ایک ایسے رہبر کی مثال ہیں جو ملجا وماویٰ بھی ہے معین وغمگسار بھی، دکھ درد کے ماروں کا حامی اور چارہ بےچارگاں بھی ہے۔ بےنواؤں کا ولولہ، انسانیت کا میر کارواں، رحمت الٰہی کی چشم کرم کا فیض، ہمارے لیے خدائے بزرگ وبرتر کی رحمت بے کراں کا باعث ہے۔

دنیا کے کسی قانون سے آج تک عدل و انصاف کو اس کا صحیح مقام حاصل نہیں ہوا۔ عدل و انصاف کے پردہ میں ظلم و ستم کی بجلیاں ہمیشہ کوندتی رہیں، صاحب اقتدار ہستیاں ظلم اور زیادتی کرنے کے باوجود سزا سے ہمیشہ مستثنیٰ رہیں، چنانچہ عیسائیوں میں پوپ کو، ہندوستان میں برہمن کو ہر طرح کے ظلم و استبداد کا حق حاصل تھا۔ یہی حال عرب کا تھا اسلام نے ان امتیازات کو ختم کر کے انسانوں میں مساوات قائم کرنے کی تعلیم دی۔ برائی کا بدلہ برابر برائی سے لیا جائے تو یہ عدل ہے۔ اگر اس میں زیادتی ہو جائے تو وہ ظلم ہے۔ اگر بھلائی کے بدلے میں برابر بھلائی کی جائے تو یہ عدل ہے اور اگر زیادہ بھلائی کی جائے تو یہ احسان ہے۔ عام طور پر عدل کے معاملے میں تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

ا۔ رشتہ داروں اور دوست جن سے ہم کو انس ہوتا ہے۔ ۲۔ دشمن جس سے ہم کو بغض اور عداوت ہوتی ہے۔ ۳۔ اجنبی لوگ جن سے نہ محبت ہوتی ہے اور نہ عداوت۔

ان تینوں قسم کے لوگوں کے ساتھ کبھی بھی انصاف نہیں ہوا بلکہ خود غرضی اور ذاتی تعلقات حق و انصاف کے راستے میں حائل رہے۔ یہی حال مغربی اخلاق اور سیاست کا ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ ذاتی منفعت کی خاطر ساری دنیا کو تباہ کرنا پڑے تو تباہ کر دی جائے، جھوٹ، مکر وفریب جیسے ناپسندیدہ افعال سے فائدہ ہوتا ہے تو دھوکہ، وعدہ خلافی اور مکر سے کام لیا جائے لیکن اسلام کے نزدیک ایسے فائدے لعنت سمجھے جاتے ہیں۔

یہ شانِ پیمبر ہے، یہ معراج بشر ہے   دشمن بھی پکارے تو امین کہہ کے پکارے
آئینۂ انوار رُسل، حسن مجسم   سیرت بھی دل افروز، سراپا بھی درخشاں

اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، جنگ کا موقع ہو یا

Marfat.com

امن کا ہر حالت میں ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سیاسی اور بین الاقوامی عالمگیر امن وسکون صرف انصاف ہی سے قائم ہوسکتا ہے جس فرد میں، جس قوم میں اور جس ملک میں انصاف نہ ہو وہ قوم کبھی سنبھل نہیں سکتی اور وہ ملک کبھی ترقی نہیں کرسکتا ہے۔ اقوام عالم میں آج ذات پات، رنگ ونسل اور دولت و افلاس کا فرق ہے اسی کو پیش نظر رکھ کر انصاف کیا جاتا ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے بعض لوگوں کو رعایتوں سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک یہ دنیاوی امتیازات کوئی اہمیت نہیں رکھتے اس لیے کہ عدل و انصاف کی نظر میں سب یکساں ہیں۔ اسی کے ذریعہ ہر ایک کو اس کا حق دلایا جاتا ہے اسی کی وجہ سے کوئی کسی پر ظلم کرنے نہیں پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی طرز عدالت میں کسی پر ظلم ہونے نہیں پاتا چاہے اس کی حیثیت کچھ ہی ہو۔ حاکم کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کسی کی طرفداری نہ کرے اور نہ کسی پر ظلم کرے۔

رومۃ الکبریٰ کے قیصر اور فارس کے کسریٰ بھی انسانیت کی پیٹھ پر بوجھ ہی رہے، اگر کسی نے آکر انسان کو سبکدوش کیا تو آغوشِ آمنہ کے پروردہ نے کیا، یہ فغفور و خاقان انسانیت کے لیے تاوان ثابت ہوئے، دنیا کو امان ملی تو شافع المذنبین ﷺ کے گوشۂ دامان میں۔ شاہی قبا وعبا انسانی آبادی کے لیے وبا نکلی، وہ کالی کملی تھی جو گرفتاران بلا کے لیے نسخۂ شفا بنی، بادشاہوں کی وسیع سلطنتیں اپنے باشندوں کے لیے سخت اور تنگ شکنجے تھے جب کہ یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے اپنے اندر افلاکی وسعتیں رکھتی تھی، حبش سے آنے والے، روم سے آنے والے، فارس سے آنے والے اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے، ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحر و بر سمٹ گئے۔

روشن ترے اسوہ سے ہوا روئے تمدن　　قائم ترے کردار سے معیار وفا ہے

باعثِ تخلیقِ کونین، دیباچۂ دو عالم، سیدِ عرب وعجم، ہادیٔ اعظم، سرورِ عالم، نبی خاتم، حضرت محمد مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ ﷺ وجہِ تخلیق کائنات، خاتم النبیین، سیّد المرسلین، محسنِ انسانیت اور رہبر آدمیت ہیں۔ نور و ظلمات کی کشمکش اور بدترین منافرت کے اس دور میں اللہ عزّ وجل نے آپ کو قیامت تک پوری انسانیت کے لیے سراجِ مُنیر، بشیر و نذیر اور ہادی و رہبر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ رحمت دارین ﷺ نے اپنی رحمۃ للعالمینی کو بھی زبان، نسل اور وطن کے امتیاز سے پاک رکھا، آپؐ کی ایک ہی مجلس جو مسجدِ نبویؐ کے کچے دالان میں ہوتی تھی، وہ ''اقوام متحدہ'' کا خوبصورت عکس پیش کرتی تھی۔ یہ عدل اجتماعی کا نتیجہ تھا کہ مکے کے مہاجر، مدینے کے انصار، فارس کے سلمانؓ، حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ، رؤسا سے عثمان غنیؓ، غرباء میں عبداللہ ذوالبجادینؓ، اشراف میں عمرؓ وعلیؓ اور خانوادۂ غلاماں میں سے حضرت انسؓ ایک ساتھ اسی طرح بیٹھے نظر آتے تھے۔

محسن انسانیت نے ایک بے مثال قاضی کی حیثیت سے بھی بے نظیر اسوۃ چھوڑا ہے جسے اپنانے سے انسانی معاشرہ عدل اجتماعی کے بہترین معیار سے مستفید ہوسکتا ہے۔ شافع محشر ﷺ نے عدل اجتماعی کو بنیاد بنا کر اسلام کا پیغام عام فرمایا، عوام جوق در جوق اسلام کے دامن رحمت میں آئے۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ نبی ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسلام کے پُرامن اور انصاف پسند پیغام کو عام کریں۔

سبق دیتا ہے، ہم کو نقش اطہر اس کی سیرت کا
عدالت کا، صداقت کا، امانت کا، سخاوت کا

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) (دکتور محمد عمارة / العدل الاجتماعی، ص، ۱۲نیز دیکھیے عبدالرزاق کمونۃ الحسینی العدل الاجتماعی فی الاسلام، بیروت، مؤسستہ الأعلمی المطبوعات،ص ۲)...... (۲)(ایضاً / ص ۲) ...... (۳)(ایضاً /ص ۲) ...... (۴)(ابو نصر الفارابی، تحقیق فوزی متری نجار، بیروت، دارالمشرق، ۱۹۷۱ء، العدل الاجتماعی، نیز دیکھیے، عبدالرزاق کمونۃ الحسینی العدل الاجتماعی فی الاسلام، بیروت، مؤسستہ الأعلمی المطبوعات،ص ۱۶)...... (5) (http://www.alrisala.org/Articles/papers/justice.htm)...... (۶)(مودودی، سید ابو الاعلیٰ / اسلام اور عدل اجتماعی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص۱۳)...... (۷)(سید محمود الحسن، ترجمان الحدیث، حصہ اول، لاہور، اسلامی پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء/ ص۴۰۱)...... (۸) (سید قاسم محمود/ اسلامی انسائیکلوپیڈیا/ لاہور/ الفیصل ناشران / اکتوبر ۲۰۰۵ء/ص ۱۱۵۶)...... (۹)(پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات/ لاہور/ پنجاب ٹیکسٹ بک/صفحہ نمبر ۹۶)...... (۱۰)(پروفیسر سعید اختر/اسلام کے اخلاقی اقدار/ اسلام آباد/ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی/ص ۱۹۶)...... (۱۱) (مولانا محمد اسلام شیخوپوری/ندائے منبر ومحراب/جلد رابع/کراچی/مکتبہ حلیمیہ/ص ۲۰۱)...... (۱۲) (سید قاسم محمود/ اسلامی انسائیکلوپیڈیا/ لاہور/ الفیصل ناشران/ اکتوبر ۲۰۰۵ء/ص ۱۱۵۷)...... (۱۳)(پروفیسر عطاءاللہ حسینی/ اسلام کی بنیادی تعلیمات/کراچی/گردیزی پبلیشرز/ ۲۰۰۶ء/ص ۱۷۲)...... (۱۴) (سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۸)...... (۱۵) (سورہ بقرہ / آیت نمبر ۲۵۸)...... (۱۶) (سورہ فرقان/ آیت نمبر ۳۷)...... (۱۷) (سورہ کہف/ آیت نمبر ۲۹)...... (۱۸) (سورہ ابراہیم/آیت نمبر ۲۲)...... (۱۹) (سورہ ہود/ آیت نمبر ۱۸)...... (۲۰) (سورہ حج / آیت نمبر ۷۱)...... (۲۱)(سورہ مومن/ آیت نمبر ۱۸)...... (۲۲)(مسلم کتاب البر و الصلۃ والادب باب تحریم الظلم)...... (۲۳)(مسلم کتاب البر و الصلۃ والادب باب تحریم الظلم)...... (۲۴) (بخاری کتاب المظالم باب الاتقاء و الحذر من دعوۃ المظلوم)...... (۲۵)(صحیح بخاری/ کتاب المظالم)...... ...... (۲۶) (سورہ البقرہ/ آیت نمبر ۱۴۳)...... (۲۷)(ابن العربی محمد بن عبداللہ الاندلسی، احکام القرآن، بیروت، دارالمعرفہ، ج۱،ص۲۰)...... (۲۸) (محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج۱،ص ۳۶۸)...... (۲۹)(مودودی، سید ابو الاعلیٰ/ اسلام اور عدل اجتماعی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز/ ۲۰۰۶ء/ص ۸)...... (۳۰) (سید قطب شہید اسلام میں عدل اجتماعی مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶، ص ۱۰۹)...... (۳۱)(ایضاً/ ص ۱۱۱)...... (۳۲) (ایضاً/ص ۱۲۱)...... (۳۳) (سورہ الحدید/ آیت نمبر ۲۵)...... (۳۴)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸)...... (۳۵) (ڈاکٹر یوسف قرضاوی/ کیف نتعامل مع القرآن ترجمہ قرآن حکیم اور ہماری زندگی مترجم ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب/ لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ ۲۰۱۰ء/ ص۱۵۳)...... (۳۶)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۱۰۵)...... (۳۷)(اسد سلیم شیخ / اسلام ورلڈ آرڈر/ لاہور/ مکتبۃ القریش/ ۱۹۹۲ء/ ص ۸۶)...... (۳۸)(ادبی گھٹی / اخلاقیات مذاہب عالم کی نظر میں/ لاہور/ اپنا ادارہ/ ۲۰۱۲ء/ص ۱۴۴)...... (۳۹)(ایضاً/ ص ۱۴۵)...... (۴۰) (ایضاً/ص۱۴۶)...... (۴۱)(علامہ فرید وجدی/ المدنیۃ و الاسلام/ص ۵۱)...... (۴۲) (ایضاً /ص ۵۱)...... (۴۳)(مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان/ علی میاں ندوی/ کراچی/ مجلس نشریات اسلام/ ص ۴۲)...... (۴۴)(ایضاً/ ص ۴۳)...... (۴۵)(علامہ فرید وجدی/ المدنیۃ و الاسلام/ص ۱۴۰)...... (۴۶) (مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان/علی میاں ندوی/ کراچی/مجلس نشریات اسلام/ ص۴۱) (۴۷)(ایضاً /ص ۷۸)...... (۴۸) (ایضاً/ص ۸۰)...... (۴۹)(اسلام کا نظام امن/ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی/ کراچی/ ایچ ایم سعید کمپنی/ ۱۹۹۱ء/ص ۳۱)...... (۵۰) (بحوالہ تاریخ طبری/ ج۲/ص ۸۸)...... (۵۱) (تاریخ طبری/ ج/۲/ص ۵۰بحوالہ ایران بعہد

Marfat.com

ساسان)...... (۵۲)(ڈاکٹر گستاؤلی بان/ تمدن ہند/ص ۲۲۷)...... (۵۳)(مسلم ثقافت ہندوستان میں/ص ۱۶)...... (۵۴)(باب نمبر ۹/ منتر نمبر ۳۱۴، ۳۱۶ بحوالہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی/ نظام سلطنت)...... (۵۵)(باب نمبر ۸/ منتر نمبر ۱۲۵ بحوالہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی/ نظام سلطنت)...... (۵۶) (باب نمبر ۸/ منتر ۴۱۷ بحوالہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی/ نظام سلطنت)...... (۵۷) (باب نمبر ۸/ منتر نمبر ۳۶۴ بحوالہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی/ نظام سلطنت)...... (۵۸)(منوشاستر ۹/۳۷۹)...... (۵۹)(منوشاستر ۹/۳۸۰)...... (۶۰)(منوشاستر/۱۲/۱۳۲)...... (۶۱)(منوشاستر ۱/۳۱)...... (۶۲)''ستی'' سچ پر قربان ہونے کو کہا جاتا ہے۔ سچ پر قربان ہونے والی اور نیکی کے لیے جان دینے والی عورت۔ یعنی وہ عورت جو اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ فنا فی النار ہوجائے۔ دیکھیے: ہندی اردو لغت/ص ۲۹۷)تفصیلی مطالعہ کے لیے ان کتب کا مطالعہ مفید رہے گا: ''تاریخ اور عورت، ص ۴۵۔۴۷، ہندوستان تاریخ، تہذیب وتمدن اور فلسفہ، ص ۱۲۶۔۱۲۷، روایات تمدن قدیم / ص۲۷۹، ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں، ص ۲۵۱، آئین اکبری / ج۳/ص۲۹۴، تمدن ہند/ص ۴۷۰۔۴۷۱)...... (۶۳)(منو باب نہم/ص ۲۴۱۔۲۴۲)...... (۶۴) (اسلام کا نظام امن/ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی/ کراچی/ ایچ ایم سعید کمپنی/ ۱۹۹۱ء/ص ۳۵)...... (۶۵) (پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ/ سیرت سید البشر/ لاہور/علم وعرفان پبلیشرز/ص ۸۵۶)...... (۶۶)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸) ...... (۶۷)(التحریر و التنویر/ ج۴/ص ۱۶۲) ...... (۶۸)(سورہ النحل/ آیت نمبر۹۰)...... (۶۹) (الجامع الحکام القرآن/ ج۵/ص ۲۸۵)...... (۷۰)(المفردات فی غریب القرآن/ص ۴۰۳) ...... (۷۱) (سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۹)...... (۷۲)(سورہ الممتحنہ/ آیت نمبر ۸)...... (۷۳)(سورہ الرحمٰن/ آیت ۷) ...... (۷۴)(سورہ الرحمٰن/ آیت نمبر ۹)...... (۷۵) (حافظ عماد الدین ابو الفداء/تفسیر ابن کثیر/ ج۷/ص ۴۹۵)......... (۷۶) (قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے/محمود بن احمد الدوسری مترجم حافظ عبدالرحمٰن ناصر/ لاہور/ دارالسلام/ص۲۳۰)...... (۷۷) (ایضاً /ص ۲۳۲)...... (۷۸) (غوستاف لوبون ترجمۃ عادل زعیش/ حضارۃ العرب/ص ۶۰۵)...... (۷۹) (ایضاً/ص ۱۲۷)...... (۸۰) (ایضاً /ص ۱۲۷)...... (۸۱) (ایضاً/ص ۳۹۱)...... (۸۲) (الدکتور ول دیوراں، ترجمۃ ذکی نجیب محمود/ قصۃ الحضارۃ /ج۳/ص ۱۱۲۔۱۱۳، الحکم و الحاکیم فی خطاب والوحی/ ج۱/ص ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۴، ۴۲۳) تیرہویں صدی عیسوی/ساتویں صدی ہجری میں جب مصر پر غلام بادشاہ (ممالیک) حکمراں تھا، اور اسی دور میں ہندوستان پر بھی غلام بادشاہوں کی حکومت تھی جنہیں خاندان غلاماں (۱۲۰۶۔۱۲۹۰) کہا جاتا ہے، سلطان قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن، خاندان غلاماں ہی کے حکمراں تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم/ ج۱/ ص ۸۱-۸۳)...... (۸۳)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر۴۲)...... (۸۴)(سورہ المائدہ / آیت نمبر۸)...... (۸۵)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۱۰)...... (۸۶)(سورہ النحل/ آیت نمبر ۹۰)...... (۸۷)(سورہالحدید/ آیت نمبر ۲۵)...... (۸۸)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸)...... (۸۹)(سورہ النساء/ آیت نمبر۱۳۵)...... (۹۰)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر۲)...... (۹۱)(سورہ الانعام/ آیت نمبر۱۵۳)...... (۹۲)(سورہ الرحمٰن/ آیت نمبر ۹)...... (۹۳)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۵)...... (۹۴)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر۹)...... (۹۵)(سورہ الانعام/آیت نمبر ۱۱۸)...... (۹۶)(سورہ آل عمران / آیت نمبر ۱۸)...... (۹۷)(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، باب اجر الحاکم اذا جتھد)...... (۹۸)(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ)...... (۹۹)(صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا باب فضل من یقوم القرآن)...... (۱۰۰)(سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام باب الحاکم یجتھد فیصیب الحق)...... (۱۰۱)(فتح الباری/۱۳/۱۷۲)

Marfat.com

...... (۱۰۲)(صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی) ...... (۱۰۳)(سنن الدارقطنی، کتاب الاقضیۃ و الاحکام/۴/۲۰۳)......
(۱۰۴)(بلوغ المرام/ص ۸۸۸) ...... (۱۰۵) (صحیح بخاری وصحیح مسلم) ...... (۱۰۶)(ابن ماجہ) ...... (۱۰۷)(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ) ......
(۱۰۸)(صحیح بخاری، کتاب الجہاد) ...... (۱۰۹)(الترمذی، ابواب الاحکام) ...... (۱۰۹_الف)(سنن ابی داؤد) ...... (۱۱۰)(الترغیب، ج۳،ص۶۶) ...... (۱۱۱) (الترغیب/۳/۶۸، بحوالہ ابن ماجہ) ...... (۱۱۲)(مشکوۃ کتاب الامارۃ) ...... (۱۱۳)(سورہ رحمٰن/ آیت نمبر۱ تا ۹) ...... (۱۱۴) (الحکم و التحاکیم فی خطاب الوحی/ ج ۱/ص ۴۰۴_۴۰۶) ...... (۱۱۵)(سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۸) ...... (۱۱۶) (تفسیر الجلالین/ص ۶۷) ...... (۱۱۷)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۱۵) ...... (۱۱۸)(سورہ البقرہ/ آیت نمبر ۲۲۸) ...... (۱۱۹) (سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۴۸) ...... (۱۲۰)(تفسیر ابن کثیر/۲/۶۸) ...... (۱۲۱)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸ تا ۵۹) ...... (۱۲۲)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۳۸) ...... (۱۲۳)(سورہ آل عمران/ آیت نمبر ۱۵۹) ...... (۱۲۴)(سورہ النساء/ آیت نمبر۸۳) ...... (۱۲۵)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۹) ......
(۱۲۶) (چوہدری غلام رسول چیمہ/ سیرت سید البشر/ لاہور/علم و عرفان پبلیشر/ ۲۰۰۰ء/ص ۸۵۷) ...... (۱۲۷)(سورہ النساء/ ۱۴۹) ......
(۱۲۸)(سورہ النور/ آیت نمبر۲۲) ...... (۱۲۹)(صحیح بخاری کتاب الأ دب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ و معانقتہ/۵/۲۲۳۵) ...... (۱۳۰) (اسلام کا نظام حسبہ/ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ مترجم ڈاکٹر حافظ اکرام الحق یاسین/ اسلام آباد/شریعۃ اکیڈمی/ ۲۰۰۶ء/ص۹۲) ...... (۱۳۱) (اسلامی ریاست/ ڈاکٹر حمیداللہ/ لاہور/ خیابان پریس/ ص ۸۷) ...... (۱۳۲) ...... (۱۳۳) (میثاق مدینے کا آئینی تجزیہ/ ڈاکٹر طاہر القادری/ لاہور/ منہاج القرآن/ ص۲) ......
(134)(International One-day Conference/Jewish, Christian, Muslim religious leaders And Politicians Discuss:Terrorism, Tuesday 13th November 2010 - London) (Rt. Hon. Tony Benn, Member of British Parliament, UK/Peace and Justice) ......
(۱۳۵)(اسرار عالم/عالم اسلام کی صورتحال/کراچی/ادارہ معارف اسلامی/۲۰۰۰ء/ص ۶۷) ......
(136)(Zbigniew Brezenski/Out of Control Global Turmoil on the eve of the twenty first century/ New York/1995/p 214 ......
(137)http://dawn.com /2012/05/31/ failure-to- achieve- growth- targets- global- oil- prices- security- situation- blamed/ ......
(138). http://www.indexmundi.com/ pakistan/ population_ below_ poverty_line. html ......
(139)(http://dawn.com/2012/09/26/poverty-in-pakistan-2/) ......
(140)http://www.nation.com.pk/pakistan-news- newspaper-daily- english- online/ business /02-Oct-2012/ cpi- inflation- hit-9-14pc -in-july-sept ......
(141) (IMF Report 2012) ......
(۱۴۲)(مشکوۃ المصابیح / الجزء الثالث بحوالہ کاروان ملت/ ص ۱۵۹) ...... (۱۴۳) ...... (ترمذی/بحوالہ سیرت النبی ﷺ/ ج ۶/ص ۲۳۷) ...... ۱۴۴) ...... (سورہ آل عمران/ ۱۵۹) ...... ۱۴۵) ...... پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات لازمی/برائے انٹرمیڈیٹ کلاسز/ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور/۱۹۹۳/صفحہ نمبر۱۳۱ ......
(146) (www.Islam & Religious Tolerance- Sheikh Ahmad Kuftaro's Official website, Islamic sites.html) ......
(۱۴۷)(الامام ابو عبداللہ/صحیح بخاری / کتاب الحدود/ ج ۲/ص

Marfat.com

٦١٦)...... (١٤٨)(سورہ آل عمران/آیت نمبر١١٠)...... (١٤٩)(حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری/ معاشرے کو انصاف چاہیے/ روزنامہ اوصاف/ ٢٠ نومبر٢٠١٠/ص٤)...... (١٥٠)(ملاحظہ ہو جنگ عظیم از لوئیس سنائیڈز/ ترجمہ از غلام رسول مہر/لاہور/ص ٢٦ تا ٢٨)...... (١٥١)(بخاری /کتاب الاحکام باب السمع و الطاعۃ لامام)...... (١٥٢)(علامہ سیوطی /تاریخ الخلفاء /کراچی /نور محمد کتب خانہ /ص ٦٩)...... (١٥٣)(سورہ الانفال ٦٥ _ ٦٦)...... (١٥٤)(اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ١٩٨٦ء) ج ١٩، ص ١٦٦)...... (١٥٥) (الفتح ١٠، الانفال ٥٦، النحل ٩١، البقرہ ٧٧، تفصیل کے لیے دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن محمد فواد عبدالباقی)...... (١٥٦)(صفی الرحمٰن مبارکپوری /الرحیق المختوم/ص ٧٥٥)...... (١٥٧)(سورہ البلد/ آیت نمبر١٣) ...... (١٥٨) (سورہ النساء/ آیت نمبر٢٤_٢٥)...... (١٥٩)(صحیح بخاری/ کتاب التفسیر/ سورہ روم)...... (١٦٠)(سورہ بنی اسرائیل/ آیت نمبر٧٠)...... (١٦١)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر١٣) ...... (١٦٢)(الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مطبعۃ الاوقاف الاسلامیہ، الجزء الثالث، ص٢٩٢)...... (١٦٣) (سورہ المائدہ/ آیت نمبر ٧٧)...... (١٦٤)(سورہ النساء/ آیت نمبر ١٧)...... (١٦٥) (سورہ الروم/ آیت نمبر ٣٠) ...... (١٦٦)(سورہ البقرہ/ آیت نمبر ٢٥٦)...... (١٦٧)(النسائی، احمد بن شعیب (٣٠٣ھ)السنن، کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصۃ)...... (١٦٨)(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر١١٠)...... (١٦٩)(البخاری، محمد اسماعیل بن ابراہیم(٣٥٦ھ)، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح) ...... (١٧٠)(صحیح بخاری/ ج١/ص١٥٤) ...... (١٧١)(ابن اثیر، مبارک بن محمد (٦٠٦ھ) جامع الاصول، ٢٢٣)...... (١٧٢)(ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، (٢٥٧ھ)السنن، کتاب الادب، باب فی الوقار) ...... (١٧٣)(ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، (٢٥٧ھ)السنن، کتاب الصلوٰۃ) ...... (١٧٤)(البخاری، محمد اسماعیل بن ابراہیم(٣٥٦ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہٗ) ...... (١٧٥)(البخاری، محمد اسماعیل بن ابراہیم(٣٥٦ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدین لیسر) ...... (١٧٦)(شاہ ولی اللہ، احمد بن شیخ عبدالرحیم (١١٧٤ھ)حجۃ البالغہ، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، الجزء الثانی، ص ٢٢)...... (١٧٧)(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ٢٩)...... (١٧٨)(سورہ الفرقان / آیت نمبر ٦٧)...... (١٧٩)(سورہ الاعراف، آیت نمبر ٣١) ...... (١٨٠) (البخاری، محمد اسماعیل بن ابراہیم(٣٥٦ھ)، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب اول:ابن ماجہ السنن، ابواب اللباس، باب البس ماشئت ما اخطاء تک سرف اومخیلۃ) ...... (١٨١)(فیض القدیر، ج ١، ص١٤٥) ...... (١٨٢)(صدیقی محمد نجات اللہ، ڈاکٹر، اسلام کا نظریہ ملکیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ١٩٨٠ء، ص ٢٢٠) ...... (١٨٣)(سورہ لقمان/ آیت نمبر١٩) ...... (١٨٤)(ندوی، محمد سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ١٣٥٧ھ، ج٦، ص٥٣١) ...... (١٨٥)(سورہ الفرقان / آیت نمبر٦٣) ...... (١٨٦) (سورہ بنی اسرائیل / آیت نمبر٣٧)...... (١٨٧)(سورہ لقمان/ آیت نمبر ١٨)...... (١٨٨)(مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج(٢٦١ھ) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار وسکینۃ والنہی عن اتیانہا سعیا)...... (١٨٩)(تلخیص الصحاح، کتاب اللباس، اخرجہ رزین)...... (١٩٠)(ابو داؤد، السنن، کتاب اللباس، باب فی الخلق وفی غسل الثوب)...... (١٩٢)(الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن عیسیٰ (٢٧٩ھ) الجامع، ابواب اللباس، باب ماجاء فی الحریر و الذہب للرجال) ...... (١٩٣)(محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ١٩٨٤ء ج٨، ص٥٦٤)...... (١٩٤)(علی المتقی، حسان الدین الہندی، برہان پوری(٩٧٥ء) کنزالعمال فی سنن الاقوال و الافعال، ج٢، ص ٧) ...... (١٩٥)(سورہ الحجرات / آیت نمبر ١١) ...... (١٩٦) (مسند احمد/ ج٦/ص ٥٧٠، رقم ٢٢٩٧٨، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ١٩٩٣ء) ......

Marfat.com

(۱۹۷)(ڈاکٹر محمود الحسن عارف/ رسول عدل و مساوات/ السیر ۃ / شمارہ ۲۰/ دسمبر ۱۹۹۲ء/ ص ۳۲۹)...... (۱۹۸)(الترمذی، الجامع، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمتہ الصبیان) ...... (۱۹۹) (ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ، ج۶، ص۲۳۰) ...... (۲۰۰) (سورہ البقرہ/ آیت نمبر ۲۲۸) ...... (۲۰۱)(الترمذی، الجامع، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا) ...... (۲۰۲)(ایضاً ابواب الزھد فی اعطاء حقوق النفس والرب والضیف والاھل)...... (۲۰۳)(سورہ التکویر/ آیت نمبر ۹) ...... (۲۰۴)(مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات) ...... (۲۰۵)(الحصکفی، محمد علاوالدین (م۱۰۸۸) درمختار، لکھنوء، ج۳، ص۲۷۳) ...... (۲۰۶) (ایضاً، ص ۲۷۳_۲۷۴) ...... (۲۰۷) (کیلانی محمد اقبال، جہاد! دہشت گردی یا امن عالم کی ضمانت؟ حدیث پبلی کیشنز، لاہور، ص۴۸) ......

(۲۰۸)(ابن ہشام، ابو محمد بن الملک، السیرۃ النبویۃ، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء، ج۲، ص۱۴۹)...... (۲۰۹)(سورہ النساء/ آیت نمبر۳)...... (۲۱۰)(صحیح بخاری: باب مرض النبی ووفاتہ، ص ۶۱۹)...... (۲۱۱)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر۸)...... (۲۱۲) (سورہ الانعام/ آیت نمبر۱۵۳)...... (۲۱۳)(سورہ الاعراف/ آیت نمبر۳۱)...... (۲۱۴)(سورہ ص/ آیت نمبر ۲۶)...... (۲۱۵)(سورہ الاعراف/ آیت نمبر ۱۰)...... (۲۱۶)(علامہ شبلی نعمانی/ الفاروق/ کراچ/ دارالاشاعت/ ص ۱۶) ...... (۲۱۷) (ڈاکٹر محمود الحسن عارف/ رسول عدل و مساوات/ السیر ۃ / شمارہ ۲۰/ دسمبر ۱۹۹۲ء/ ص ۳۳۰)...... (۲۱۸) (پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ/ لاہور/ انڈس پبلیشنگ ہاؤس/ ۱۹۹۴ء/ ص ۶۰) ...... (۲۱۹) حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی/ حیاۃ الصحابہ/ لاہور/ کتب خانہ فیضی/ ج ۳/ صفحہ نمبر ۵۸۸......

(۲۲۰)(سورہ الحشر/ آیت نمبر ۷)...... (۲۲۱)(مولانا محمد طاسین/ اسلامی کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات قرآن و حدیث کی روشنی میں/ کراچی/ مجلس علمی فاؤنڈیشن/ ۱۹۹۷ء/ص۳۲)...... (۲۲۲)(ایضاً/ص ۳۸)...... (۲۲۳)(پروفیسر خورشید احمد/ اسلامی نظریہ حیات/ کراچی/ شعبہ تصنیف و تالیف/ص۴۶۱)...... (۲۲۴)(احمد عبداللہ السایح، مع کتاب اللہ، مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ، بالمدینۃ النویۃ، عدد: ۴۰، ربیع الاول ۱۳۸۹ء، ص ۲۳_۲۷)...... (۲۲۵) (صحیح بخاری) ...... (۲۲۶)(پروفیسر خورشید احمد/ اسلامی نظریہ حیات/ کراچی/ شعبہ تصنیف و تالیف/ص۴۶۲)...... (۲۲۷)(ایضاً/ص۴۶۴)...... (۲۲۸)(صحیح بخاری/ قاہرہ/ ج۳/ص۳۹۵)...... (۲۲۹)(سیرت ابن ہشام مترجم: جلد اوّل)(ابن کثیر/ السیرۃ النبویہ/ ج۱/ص ۲۷۰)...... (۲۳۰)(ڈاکٹر محمد حمیداللہ/ عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی/ ص ۷۶) ......

(۲۳۱)(ابن قیم الجوزی/ زاد المعاد/ ج۱/ص ۱۵)...... (۲۳۲) (مصطفی سباعی/ اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو مترجم معروف شیرازی/ لاہور/ اسلامی پبلی کیشنز/ ۲۰۰۶ء/ص۷۵_۷۶)...... (۲۳۳) (متفق علیہ)...... (۲۳۴) (ابن عساکر نے بواسطہ زہری اس کی روایت کی ہے، اور روایت کا بقیہ حصہ یہ ہے کہ ''عربیت کسی کو باپ، کے صلب یا ماں کی کوکھ سے نہیں ملتی، بلکہ یہ تو ایک زبان ہے جو اسے بولے وہ عربی ہے) (۲۳۵)(مصطفی سباعی/ اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو مترجم معروف شیرازی/ لاہور/ اسلامی پبلی کیشنز/ ۲۰۰۶ء/ص۷۸_۷۹)...... (۲۳۶)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر۱۳) ...... (۲۳۷) (قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمتہ للعالمین، کراچی، ج۱، ص۱۲۹)...... (۲۳۸)(ڈاکٹر خالد علوی/ انسان کامل/ لاہور/ الفیصل ناشران/ ۲۰۰۲ء/ص ۶۴۹) ...... (۲۳۹)(ابو داود، کتاب الخراج، ۳/ ۴۴۸_۴۵۰)...... (۲۴۰)(بخاری، کتاب الدیات، باب ماجاء فی القسامہ، ۴/ ۳۰، ترمذی، کتاب الدیات، باب ما جاء فی القسامہ، ۴/۳۰ سیرۃ، ۳/ ۳۶۹_۳۷۰)...... (۲۴۱)(دارقطنی/ کتاب البیوع، ۳/ ۴۵)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

انیقہ ہما توقیر۔ ڈیرہ اسماعیل خان

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (1)

1. ابتدائیہ:

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات برحق پیدا کی ہے۔ یہ خالق حقیقی کا نہایت سنجیدہ کام ہے اس کی ہر چیز اپنے پیچھے ایک معقول مقصد رکھتی ہے اور یہ مقصدیت اس میں اس قدر نمایاں ہے کہ اگر کوئی صاحبِ شعور کسی بھی چیز کی نوعیت کو اچھی طرح دیکھ لے تو یہ جان لینا اس کیلئے آسان ہے کہ ایسی ایک چیز کے پیدا کرنے کا معقول اور حکمت پر مبنی مقصد کیا ہوسکتا ہے دنیا میں Scientifical and technological development اس بات کی شہادت ہے کہ جس چیز کی نوعیت کو بھی انسان نے غور وفکر Research and observation سے سمجھ لیا۔ آخر کار اس نے جان ہی لیا کہ وہ چیز کس مقصد کیلئے بنائی گئی اور اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان نے بے شمار چیزیں ایجاد کیں۔ جو آج انسانی تمدن کے استعمال میں ہیں۔ بغیر حکمت و مقصدیت کے کہ کوئی چیز بھی ممکن نہیں اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا۔ صورت سے مراد محض انسان کا چہرہ ہی نہیں بلکہ اس سے مراد اس کی پوری جسمانی ساخت ہے اور وہ قوتیں اور صلاحیتیں ہیں۔ جو اس دنیا میں کام کرنے کیلئے آدمی کو عطا کی گئیں ہیں۔ ان دونوں حصوں سے انسان کو زمین پر اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس دنیا کی تمام موجودات پر حکمرانی کرتا ہے۔ اس کو کھڑا قد دیا گیا۔ اسکو چلنے کیلئے مناسب ترین پاؤں دیئے گئے، اسکو کام کرنے کیلئے مناسب ترین ہاتھ دیئے گئے۔ اس کو ایسے حواس اور ایسے آلات علم دیئے گئے ہیں کہ جن کے ذریعے سے وہ ہر طرح کی معلومات حاصل کرتا ہے۔ اس کو سوچنے اور سمجھنے اور معلومات جمع کر کے ان سے نتائج اخذ کرنے کیلئے ایک اعلیٰ درجے کا ذہن دیا گیا۔ اسے ایک اخلاقی حس اور قوت تمیز دی گئی ہے جس کی بناء پر وہ بھلائی و برائی اور غلط و صحیح میں فرق کرتا ہو۔ اس کو ایک قوت فیصلہ دی گئی ہے جس سے کام لیکر وہ اپنی راہ عمل کا خود انتخاب کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ اپنی کوششوں کو کس راہ پر لگائے اور جس پر نہ لگائے ان ساری قوتوں اور ان سارے اختیارات کے ساتھ اُسے خدا نے اپنی پیدا کردہ بے شمار مخلوقات پر تصرف کرنے کا اقتدار دے دیا ہے اور عملاً وہ اس کو استعمال کر رہا ہے۔ ظاہری بات ہے جب ایسے ایک حکیمانہ اور بامقصد نظام کائنات میں ایسی ایک بااختیار مخلوق پیدا کی گئی ہے۔ تو حکمت کا تقاضہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسے شتر بے مہار کی طرح غیر ذمہ دار بنا کر چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ لازماً اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مخلوق اس ہستی کے سامنے جوابدہ ہو جس نے اسے ان اختیارات کے ساتھ اپنی کائنات میں یہ مقام و مرتبہ عطاء کیا اسی وجہ سے انسان اپنے پورے کارنامہ حیات کیلئے جوابدہ ہے۔

Marfat.com

2. فرد واحد کی جوابدہی:

الف: ہرفرد خدا کے سامنے جوابدہ ہے ہر فرد کو اس دنیا میں ایک خاص مدت امتحان (دنیاوی زندگی) گزارنے کے بعد اپنے خدا کے حضور جا کر حساب دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز کیا۔ خدا کے سامنے انسان کی یہ جوابدہی اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ہے وہاں کنبے اور قبیلے اور قومیں کھڑی ہو کر حساب نہیں دیں گی بلکہ دنیا کے تمام رشتوں سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ ہر انسان کو الگ الگ اپنی عدالت میں حاضر کرے گا۔ اور فرداً فرداً اس سے اس کے منصب کے مطابق اسکی Performance کا حساب لے گا۔

فرد واحد کی جوابدہی کا تقاضہ:

ب: دنیا میں انسانی شخصیت کی نشونما اور آخرت میں فرد واحد کی جوابدہی اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ دنیا میں فرد کو حریت حاصل ہو۔ اگر کسی معاشرے میں فرد کو اپنی مرضی کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مواقع حاصل نہ ہوں تو اس کے اندر انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس کی Abilities اس کی Inner powers دب کر رہ جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حبس بے جا میں قید محسوس کرتا ہے اور at last وہ جمود و تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں (2)

3. اجتماعی ادارے اور ان کا اقتدار:

معاشرہ جو کنبوں، قبیلوں، قوموں اور پوری انسانیت کی شکل میں قائم ہوتا ہے، اس کی ابتداء ایک مرد اور ایک عورت اور ان کی اولاد سے ہوتی ہے۔ جس سے خاندان بنتا ہے۔ ان خاندانوں سے قبیلے برادریاں بنتی ہیں۔ ان سے ایک قوم وجود میں آتی ہے اور قوم اپنے اجتماعی اداروں کی تنفید کے لیے ایک ریاست کا نظام بناتی ہے۔ ان مختلف شکلوں میں یہ اجتماعی ادارے اصلاً جس غرض کیلئے مطلوب ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی حفاظت اور ان کی مدد سے فرد کو اپنی شخصیت کی تکمیل کے وہ مواقع نہیں ہوسکیں۔ جو وہ تنہا اپنے بل بوتے پر حاصل نہیں کرسکتا۔ لیکن اس بنیادی مقصد کا حصول اس کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ کہ ان میں سے ہر ایک ادارے کو افراد پر، اور بڑے ادارے کو چھوٹے اداروں پر اقتدار حاصل ہو۔ تاکہ وہ افراد کی ایسی آزادی کو روک سکیں جو دوسروں پر دست درازی کی حد تک پہنچتی ہو اور افراد سے وہ خدمت لے سکیں جو بحثیت مجموعی تمام افراد معاشرے کی فلاح و ترقی کیلئے مطلوب ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عدالت کی اجتماعیہ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور انفرادیت و اجتماعیت کے متضاد تقاضے ایک گھتی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک طرف انسانی فلاح اس بات کی مقتضی ہے کہ فرد کو معاشرے میں آزادی حاصل ہو۔ تاکہ وہ اپنی صلاحیت اور اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے اور اس طرح خاندان، قبیلے، برادریاں اور مختلف گروہ بھی اپنے سے بڑے دائرے کے اندر اس آزادی سے Satisfy ہوں۔ جو ان کے اپنے دائرہ عمل میں انھیں حاصل ہونی ضروری ہے۔ مگر دوسری طرف انسانی فلاح ہی اس بات کا بھی تقاضہ کرتی ہے۔ کہ افراد پر خاندان کا خاندان پر قبیلوں کا اور برادریوں کا، اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر ریاست کا اقتدار ہو۔ تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم نہ کر سکے

Marfat.com

اور یہی مسئلہ آگے چل کر پوری انسانیت کیلئے بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک طرف ہر قوم اور ریاست کی آزادی وخود مختیاری کا برقرار رہنا بھی ضروری ہے اور دوسری طرف کسی بالا تر قوت ضابطہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کہ یہ قومیں اور ریاستیں حد سے تجاوز نہ کرسکیں۔ اب عدالتِ اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ وہ افراد خاندان، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم کو روکنے کیلئے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و اداروں سے وہ خدمت بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح کیلئے درکار ہے۔

4. اسلام میں عدل کا تصور:

اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ کوئی شخص یا انسانوں کا کوئی گروہ انسانی زندگی میں عدل کا کوئی فلسفہ اور اس کے قیام کا کوئی طریقہ بیٹھ کر خود گھڑے اور اُسے بالجبر لوگوں پر مسلط کردے اور کسی بولنے والی زبان کو حرکت نہ کرنے دے یہ مقام حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تو کیا خود محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی حاصل نہ تھا۔ اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ صرف اور صرف خدا ہی کا یہ مقام ہے کہ انسان اس کے حکم کے آگے بے چوں و چرا سر جھکا دے محمد رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کے حکم کے تابع تھے اور آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت صرف اس لیے فرض تھی کہ خدا کی طرف سے حکم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے رسول کے نظام حکم میں صرف شریعت الٰہیہ تنقید سے بالا تر تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو ہر وقت ہر معاملے میں زبان کھولنے کا پورا حق تھا۔

آزادی فرد کے حقوق:

اسلام میں اللہ تعالیٰ نے خود وہ حدود قائم کردیئے ہیں۔ جن میں افراد کی آزادی کو محدود ہونا چاہیے۔ اس نے خود متعین کر دیا ہے۔ کہ ایک فرد مسلم کیلئے کون کون سے افعال حرام ہیں۔ جن سے اس کو بچنا چاہے۔ اور کیا کچھ اس پر فرض ہے جسے اسکو ادا کرنا چاہیے کیا حقوق اس کے دوسروں پر ہیں؟ اور کیا حقوق دوسروں کے اس پر ہیں؟ کن ذرائع سے ایک مال کی ملکیت کا اس طرح منتقل ہونا جائزہ ہے؟ اور کون سے ذرائع ایسے ہیں۔ جن سے حاصل ہونے والے مال کی ملکیت جائز نہیں؟ Individual کی بھلائی کیلئے Society پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور Society کی بھلائی کیلئے Individual پر، خاندانوں پر، برادریوں پر اور پوری قوم پر کیا پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں؟ اور کیا خدمات لازم کی جاسکتی ہیں؟ یہ تمام امور کتاب وسنت کے اس ''مستقبل دستور'' میں ثبت ہیں۔ جس پر کوئی نظر ثانی کرنے والا نہیں ہے۔ اور جس میں کسی کو کمی بیشی کردینے کا حق نہیں ہے۔ اس دستور کی رو سے ایک شخص کی انفرادی آزادیوں پر جو پابندیاں عائد کردی گئیں ہیں۔ ان سے ''تجاوز'' کرنے کا تو وہ حق نہیں رکھتا لیکن ان حدود کے اندر جو آزادی اس کو حاصل ہے اسے ''سلب'' کرلینے کا بھی کسی کو حق نہیں ہے۔ کسب اموال کے جن ذرائع اور صرف مال کے جن طریقوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کے وہ قریب نہیں پھٹک سکتا اور پھٹکے تو اسلامی قانون اسے مستواجب سزا سمجھتا ہے لیکن جو ذرائع حلال ٹھہرائے گئے ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والی ملکیت پر اس کے حقوق بالکل محفوظ ہیں۔ اور اس میں تصرف کے جو طریقے جائز کیئے گئے ہیں۔ ان سے کوئی اس کو محروم نہیں کرسکتا۔ اسی طرح Society کی فلاح کیلئے جو فرائض (Individual) پر عائد کردیئے گئے ہیں۔ ان کے ادا کرنے پر تو وہ مجبور ہے

Marfat.com

لیکن اس سے زاید کوئی بار جبراً اس پر عائد نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ خود رضا کارانہ ایسا کرے اور یہی حال Society اور ریاست کا بھی ہے۔ کہ Individual کے جو حقوق اس پر عائد کئے گئے ہیں۔ انہیں ادا کرنا اس پر اتنا ہی لازم ہے جتنا Individual سے اپنے حقوق وصول کرنے کیلئے ایسے اختیارات ہے اس مستقل دستور کو اگر عملاً نافذ کر دیا جائے تو ایسا مکمل عدل اجتماعی قائم ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی شے مطلوب نہیں رہ جاتی۔ یہ دستور جب تک موجود ہے اس وقت تک کوئی شخص خواہ کتنی ہی کوشش کرے مسلمانوں کو ہرگز اس دھوکے میں نہیں ڈال سکتا کہ جو اشتراکیت اس نے کسی جگہ سے مستعار لے لی ہے وہی عین اسلام ہے۔

اسلام کے اس دستور میں Individual اور Society کے درمیان ایسا توازن قائم کیا گیا ہے۔ کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی ہے جس سے وہ society کے مفاد کو نقصان پہنچا سکے اور نہ Society کو یہ اختیارات دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ Individual سے اپنی وہ آزادی سلب کر سکے جو اس کی شخصیت کے نشوونما کیلئے ضروری ہے۔

<u>قرآن فرقان شاہد ہے۔</u>

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان — اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جو حرف ''قل العفو'' میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار (3)

1. ترجمہ: ''سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔ اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔ آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تراوز میں ڈنڈی نہ مارو'' (4)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کا نازل کردہ نظام ایک زبردست قانون اور اٹل ضابطہ ہے جس سے یہ عظیم الشان سیارے بندھے ہوتے ہیں۔ انسان وقت اور دن اور تاریخوں اور مہینوں اور موسموں کا حساب اس وجہ سے کر رہا ہے کہ سورج کے طلوع و غروب اور مختلف منزلوں سے اس کے گزرنے کا جو قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس میں تغیر رونما نہیں ہوتا۔ زمین پر بے حد و حساب مخلوق زندہ ہی اس وجہ سے ہے کہ سورج اور چاند کو ٹھیک ٹھیک حساب کر کے زمین سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے اور اس فاصلے میں کمی بیشی صحیح ناپ تول سے ایک خاص ترکیب کے ساتھ ہوتی ہے۔ ورنہ زمین سے ان کا فاصلہ کسی حساب کے بغیر بڑھ یا گھٹ جائے تو یہاں کسی کا جینا ہی ممکن نہ رہے۔ اسی طرح زمین کے گرد چاند اور سورج کے درمیان حرکات میں ایسا مکمل تناسب قائم کیا گیا ہے کہ چاند ایک عالمگیر جنتری بن کر رہ گیا ہے۔ جو پوری باقاعدگی کے ساتھ ہر رات ساری دنیا کو قمری تاریخ بتا دیتی ہے۔ آسمان کے تارے اور زمین کے درخت سب اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں اور اس کے قانون کے پابند ہیں۔ جو ضابطہ ان کے لیے بنایا گیا ہے اس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتے۔

دراصل کائنات کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کا آفریدہ ہے اور اسی کی اطاعت میں چل رہا ہے۔ زمین سے لیکر آسمانوں تک نہ کوئی خود مختیار ہے نہ کسی کی خدائی اس جہاں میں چل رہی ہے نہ خدا کی خدائی میں کسی کا دخل ہے۔ اور نہ کسی کا یہ مقام ہے کہ اسے معبود بنایا جائے۔ سب بندے اور غلام ہیں۔ آقا تنہا ایک رب قدیر ہے۔ لہذا ''توحید'' ہی حق ہے۔ جس کی تعلیم ہمیں قرآن

Marfat.com

فرقان دے رہا ہیں۔ اس کو چھوڑ کر جو شخص بھی شرک و کفر کر رہا ہے۔ وہ دراصل کائنات کے پورے نظام سے برسر پیکار ہے۔

میزان (تراوز) سے مراد عدل ہے اللہ تعالیٰ اس کائنات کے پورے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے یہ حد وحساب، تارے اور سیارے جو فضا میں گھوم رہے ہیں۔ یہ عظیم الشان قوتیں جو اس عالم میں کام کر رہی ہیں۔ اور یہ لا تعداد مخلوقات اور اشیاء جو اس جہاں میں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کے درمیان اگر کمال درجے کا عدل و توازن نہ قائم کیا گیا ہوتا تو یہ کارگاہ ہستی ایک لمحے کے لیے بھی نہ چل سکتی۔ خود اس زمین پر کروڑوں برس سے ہوا اور پانی اور خشکی میں جو مخلوقات موجود ہیں۔ انہی کو دیکھ لیں۔ ان کی زندگی اس لیے برقرار ہے۔ کہ ان کے اسباب حیات میں پورا پورا عدل اور توازن پایا جاتا ہے۔ ورنہ ان اسباب میں زرہ برابر بھی بے اعتدالی پیدا ہوجائے۔ تو یہاں زندگی کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ ہم ایک متوازن کائنات میں رہتے ہیں۔ جس کا سارا نظام عدل پر قائم کیا گیا ہے۔ اس لیے ہمیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہیے۔ جس دائرے میں ہمیں اختیار دیا گیا ہے۔ اس میں اگر تم بے انصافی کرو گے اور جن حقداروں کے حقوق ہمارے ہاتھوں میں دیئے گئے ہیں۔ اگر ان کے حق مارو گے تو یہ فطرت کائنات سے ہماری بغاوت ہوگی اس کائنات کی فطرت ظلم و بے انصافی اور حق ماری کو قبول نہیں کرتی یہاں ایک بڑا ظلم تو درکنار ترازو میں ڈنڈی مار کر اگر کوئی شخص خریدار کے حصے کی ایک تولہ بھر چیز بھی مار لیتا ہے تو نظام عالم میں خلل پیدا کر دیتا ہے۔ قرآن کی پہلی تعلیم ''توحید'' اور دوسری ''عدل'' ہے۔

2. ترجمہ: ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔(5)

اس مختصر سے فقرے میں انبیاعلیہم السلام کے مشن کا پورا لب لباب بیان کر دیا گیا ہے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں خدا کے جتنے رسول بھی ہے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ سب تین چیزیں لیکر آئے۔

1. <u>بینات:</u> یعنی کھلی کھلی نشانیاں جو واضح کر رہی تھیں کہ یہی واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

(الف) <u>روشن دلائل:</u> جو اس بات کو ثابت کرنے کیلئے بالکل کافی تھے کہ جس چیز کو وہ حق کہہ رہے ہیں۔ وہ واقعی حق ہے۔ اور جس چیز کو وہ باطل قرار دے رہے ہیں۔ وہ واقعی باطل ہے۔

(ب) واضح ہدایت جس میں کسی اشتباہ کے بغیر صاف صاف بتا دیا گیا تھا کہ عقائد، اخلاق، عبادات اور معاملات میں لوگوں کیلئے راہ راست کیا ہے۔ جسے وہ اختیار کریں اور غلط راستے کون سے ہیں۔ جن سے وہ اجتناب کریں۔

2. <u>کتاب:</u> جس میں وہ ساری تعلیمات لکھ دی گئیں تھیں۔ جو انسان کی ہدایت کیلئے درکار تھیں۔ تا کہ لوگ رہنمائی کیلئے اس کی طرف رجوع کر سکیں۔

3. <u>میزان:</u> یعنی وہ معیار حق و باطل جو ٹھیک ترازو کی تول تول کر یہ بتا دے کہ افکار، اخلاق اور معاملات میں افراط و تفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان انصاف کی بات کیا ہے۔

Marfat.com

ان تینوں چیزوں کے ساتھ انبیاء علیہ السلام کو جس مقصد کیلئے بھیجا گیا وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسان کی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی عدل پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خالق کے حقوق اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگان خدا کے حقوق جن سے اس کو کسی طور پر سابقہ پیش آتا ہے ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے تمدن وتہذیب کا ہر پہلو افراط وتفریط سے محفوظ ہو حیات اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ انبیاء علیہ السلام کی بعثت کا مقصد عدل انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی وہ ایک فرد کی شخصی زندگی میں عدل قائم کرنا چاہتے تھے تا کہ اس کے ذہن اس کی سیرت، اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن پیدا ہو۔ اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے تا کہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی اخلاقی، اور مادی فلاح میں مانع ومزاحم ہونے کی بجائے معاون و مددگار ہوں۔

3. ترجمہ: ''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ کی طرف پھیر دو'' (6)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ تم ان برائیوں سے بچے رہنا جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہوگئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انھوں نے اپنے انحطاط کے زمانے میں امانتیں یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے (Position of trust) ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیئے جو نا اہل، کم ظرف، بد اخلاق، بددیانت اور بدکار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بُرے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے۔ کہ تم ایسا نہ کرنا۔ بلکہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جو ان کے اہل ہوں۔ یعنی جن میں بار امانت اٹھانے کی صلاحیت ہو۔ بنی اسرائیل کی دوسری بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ انصاف کی روح سے خالی ہوگئے تھے وہ شخصی اور قومی اغراض کیلئے بے تکلف ایمان نگل جاتے تھے۔ صریح ہٹ دھرمی برت جاتے تھے۔ انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے میں انھیں ذرہ تامل نہ ہوتا تھا ان کی بے انصافی کا تلخ ترین تجربہ اس زمانے میں خود مسلمانوں کو ہو رہا تھا۔ ایک طرف ان کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ اور ان پر ایمان لانے والوں کی پاکیزہ زندگیاں تھیں دوسری طرف وہ لوگ تھے جو بتوں کو پوج رہے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ گاڑتے تھے۔ سوتیلی ماؤں تک سے نکاح کر لیتے تھے۔ اور کعبے کے گرد مادر زاد ننگے ہو کر طواف کرتے یہ نام نہاد اہل کتاب ان میں سے دوسرے گروہ تو پہلے گروہ پر ترجیح دیتے تھے اور ان کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی شرم نہ آتی تھی کہ پہلے گروہ کے مقابلے میں یہ دوسرا گروہ زیادہ صحیح راستے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اس بے انصافی پر تنبیہ کرنے کے بعد مسلمانوں کو ہدایت کرتا کہ تم کہیں ایسے بے انصاف نہ بن جانا خواہ کسی سے دوستی ہو یا دشمنی بہر حال بات جب کہو انصاف کی کہو، اور فیصلہ جب کرو عدل کے ساتھ کرو۔

Marfat.com

حقیقت میں یہ آیت اسلام کے پورے مذہبی، تمدنی اور سیاسی نظام کی بنیاد اور اسلامی ریاست کے دستور کی اولین دفعہ ہے اس میں حسب ذیل اصول مستقل طور پر قائم کر دیئے گئے ہیں۔

1. اسلامی نظام میں اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے:

ایک مسلمان سب سے پہلے بندہ خدا ہے باقی جو کچھ بھی ہے وہ بعد میں ہے مسلمانوں کی انفرادی زندگی اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام، دونوں کا مرکز ومحور خدا کی فرماں برداری اور وفاداری ہے دوسری اطاعتیں اور وفاداریاں صرف اس صورت میں قبول کی جائیں گی۔ کہ وہ خدا کی اطاعت اور وفاداری کی مد مقابل نہ ہوں۔ بلکہ اس کے تحت اور اس کے تابع ہوں۔ ورنہ ہر وہ حلقہ اطاعت توڑ کر پھینک دیا جائے گا جو اس اصلی اور بنیادی اطاعت کا حریف ہو یہی بات ہے جسے نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لیے کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

2. اسلامی نظام کی دوسری بنیاد رسول اللہ کی اطاعت ہے:

یہ اطاعت خدا کی واحد عملی صورت ہے۔ رسول اس لیے مطاع ہے کہ وہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک خدا کے احکام اور فرامین پہنچتے ہیں۔ ہم خدا کی اطاعت صرف اس طریقے سے کر سکتے ہیں کہ رسول کی اطاعت کریں۔ کوئی اطاعت خدا رسول کی سند کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ اور رسول کی پیروی سے منہ موڑنا خدا کے خلاف بغاوت ہے حدیث نبوی ﷺ ہے'' جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی'' اور یہ بات خود قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔

3. اطاعت اولی الامر:

مذکورہ بالا دونوں اطاعتوں کے بعد اور ان کے ماتحت تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان ''اولی الامر'' کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔ ''اولی الامر'' ان میں وہ سب لوگ شامل ہیں۔ جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں خواہ وہ ذہنی وفکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر ہوں۔ یا ملکی انتظام کرنے والے احکام یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں، بستیوں اور ملکوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ وسردار یا پارلیمنٹ ہو۔

جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا ''صاحب امر'' ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو اور ''خدا اور رسول کا مطیع ہو''۔ یہ دونوں شرطیں اس اطاعت کیلئے لازمی شرطیں ہیں۔

احادیث مبارکہ:

۱۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، تاوقت کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اس سے نہ کچھ سننا چاہیے نہ ماننا چاہیے۔ (7)

۲۔ خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے اطاعت جو کچھ بھی ہے معروف میں ہے۔ (8)

Marfat.com

۳۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی بعض باتوں کو تم ''معروف'' پاؤ گے اور بعض کو ''منکر'' تو جس نے ان کے منکرات پر اظہار ناراضگی کیا وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے ان کو نا پسند کیا وہ بھی بچ گیا مگر جو ان پر راضی ہوا اور ان کی پیروی کرنے لگا وہ ''ماخوذ'' ہوگیا۔صحابہ نے پوچھا پھر جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔(9)

یعنی ترک نماز وہ علامت ہوگی جس سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اطاعت خدا اور رسول سے باہر ہوگیا اور پھر ان کے خلاف جدوجہد کرنا درست ہوگا۔

۴۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارے بدترین سردار وہ ہیں جو تمہارے لئے مبغوض ہوں اور تم ان کے لیے مبغوض ہو۔ وہ تم پر لعنت کریں اور تم ان پر لعنت کرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر یہ صورت ہو تو کیا ہم ان کے مقابلہ پر نہ اٹھیں؟ فرمایا نہیں۔ جب تک کہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے ہیں۔(10)

اس حدیث شریف سے اوپر والی حدیث کی بھی وضاحت ہوگئی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ نماز پڑھنے سے مراد دراصل مسلمانوں کی جماعتی زندگی میں نماز کا نظام قائم کرنا ہے یعنی یہ صرف کافی نہیں کہ وہ خود پابند نماز ہوں بلکہ ان کے تحت جو نظام حکومت چل رہا ہو۔ وہ کم از کم ''اقامت صلوٰۃ'' کا انتظام کرے۔ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان کی حکومت اپنی اصولی نوعیت کے اعتبار سے ایک اسلامی حکومت ہے۔

4. اسلامی نظام میں ''خدا کا حکم'' اور ''رسول اللہ کا طریقہ'' بنیادی قانون اور آخری سند (Final authority) کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے درمیان یا حکومت اور رعایا کے درمیان جس مسئلے میں بھی نزاع واقع ہوگی۔ اس میں فیصلے کے لیے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور جو فیصلہ وہاں سے حاصل ہوگا۔ اس کے سامنے سب سر تسلیم خم کر دیں گے اس طرح تمام مسائل زندگی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو سند اور مرجع اور حرف آخر تسلیم کرنا اسلامی نظام کی وہ لازمی خصوصیات ہے؟ جو ایسے کافرانہ نظام زندگی سے ممیّز کرتی ہے۔ جس نظام میں یہ چیز نہ پائی جائے وہ ایک غیر اسلامی نظام ہے۔

اس موقع پر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تمام مسائل زندگی کے فیصلے کیلئے کتاب اللہ اور سنت اللہ کی طرف کیسے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ میونسپلٹی، ریلوے، ڈاک اور دیگر محکموں کے قواعد وضوابط اور ایسے ہی بے شمار معاملات کے احکام سرے سے وہاں موجود ہی نہیں ہیں۔ دراصل یہ شبہ اصول دین کو سمجھنے سے ہوتا ہے۔ مسلمان کو جو چیز کافر سے ممیّز کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کافر مطلق آزادی کا مدعی ہے اور مسلمان فی الاصل بندہ ہونے کے بعد صرف اس دائرے میں آزادی سے فیض یاب ہوتا ہے جو اسے اس کے رب نے دی ہے۔

قرآن مجید کتاب آئین ہی نہیں بلکہ کتاب تعلیم وتلقین اور صحیفہ وعظ ارشاد بھی ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا چاروں اصولوں کی پیروی کرنا ہمارے ایمان کا لازمی تقاضہ ہے اور ان اصولوں پر اپنے نظام زندگی کو تعمیر کرنا اور دنیا میں صراط مستقیم پر قائم رکھنا ہے۔ اسی سے عاقبت سنور سکتی ہے۔

Marfat.com

4. ترجمہ: ''اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہو اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو۔ وہ بڑا درگزر فرمانے والا اور رحیم ہے جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں۔(11)

اس آیت میں ایک ایسے معاملے سے بحث کی گئی ہے۔ جو آپ ﷺ کے زمانے میں پیش آیا۔ قصہ کچھ یوں ہے۔ کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طعمہ یا بشیر بن ابیرق تھا۔ اس نے ایک انصاری کی زرہ چرائی۔ اور جب Investigation شروع ہوئی۔ تو مالِ سروقہ ایک یہودی کے ہاں رکھ دیا۔ زرہ کے مالک نے آنحضرت ﷺ سے استغاثہ کیا۔ اور طعمہ پر اپنا شبہ ظاہر کیا۔ مگر طعمہ اور اس کے بھائی بندوں اور بنی ظفر کے بہت سے لوگوں نے آپس میں اتفاق کر کے اس یہودی پر الزام تھوپ دیا۔ یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے انکار کر دیا لیکن یہ لوگ طعمہ کی Favour میں زوروشور سے وکالت کرتے رہے اور کہا کہ یہ یہودی خبیث، جو حق کا انکار اور اللہ کے رسول ﷺ سے کفر کرنے والا ہے۔ اس کی بات کا کیا اعتبار بات ہماری تسلیم کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ قریب تھا کہ نبی کریم ﷺ اس مقدمے کی ظاہری روداد سے متاثر ہو کر اس یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے اتنے میں وحی آئی اور معاملے کی ساری حقیقت کھول دی گئی۔

اگر چہ ایک قاضی کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ کا روداد کے مطابق فیصلہ کر دینا بجائے خود آپ ﷺ کیلئے کوئی گناہ نہ ہوتا اور ایسی صورتیں، ججز کو پیش بھی آتی ہیں کہ ان کے سامنے غلط روداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے حاصل کر لیے جاتے ہیں۔

لیکن اس وقت جبکہ اسلام وکفر کے درمیان ایک زبردست کشمکش برپا تھی۔ اگر نبی کریم ﷺ روداد مقدمہ کے مطابق یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے تو اسلام کے مخالفوں کو آپ ﷺ کے خلاف اور پوری اسلامی جماعت اور خود دعوت اسلامی کے خلاف ایک زبردست اخلاقی حربہ مل جاتا اور وہ یہ کہتے پھرتے کہ یہاں عدل وانصاف کا کیا سوال؟ یہاں تو وہی گروہ بندی اور عصبیت کام کر رہی ہے۔ اس خطرے سے بچانے کیلئے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے میں مداخلت فرمائی۔

ان آیات میں ایک طرف مسلمانوں کو سختی سے ملامت کی گئی ہے۔ جنہوں نے محض خاندان و قبیلے کی عصبیت میں مجرموں کی حمایت کی۔ دوسری طرف عام مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ عدل و انصاف کے معاملے میں تعصب کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ جو شخص دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وہ دراصل سب سے پہلے اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا اور اپنے ضمیر کو (جیسے اللہ نے اس کے اخلاق کا محافظ بنایا ہے) اس حد تک دبا دیتا ہے۔ کہ وہ اس کو خیانت کاری میں یہ سدراہ بننے کے قابل نہیں رہتا۔

5. ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشکل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔(12)

6. ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اگر تم نے لگی

Marfat.com

لیٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے''۔(13)

اجتماعی عدل دراصل انصاف کی روش پر نہ صرف چلنا ہے بلکہ انصاف کا علم بردار بنا اصل مقصد ہے ظلم کو مٹانے کیلئے عدل وراستی قائم ہو مومن کی گواہی کسی رعایت کے بغیر کوئی ذاتی مفاد یا خدا کے سوا کسی کی خوشنودی مد نظر نہ ہو۔

7. ترجمہ: ''یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کا مال کھانے والے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ تمہارے پاس (اپنے مقدمات لیکر) آئیں تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کرو۔ ورنہ انکار کر دو یہ تمہارے کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور فیصلہ کرو تو ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔(14)

یہاں خاص طور پر ان مفتیوں اور قاضیوں کی طرف اشارہ ہے جو جھوٹی شہادتیں لیکر اور جھوٹی رودادیں سن کر ان لوگوں کے حق میں انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے۔ جن سے انھیں رشوت پہنچ جاتی تھی۔ یا جن کے ساتھ ان کے ناجائز مفادات وابستہ ہوتے تھے یہودی اس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات، معاہدات پر مبنی تھے۔ ان معاہدات کی رو سے یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور ان کے مقدمات کے فیصلے انہی کے قوانین کے مطابق ان کے اپنے جج کرتے تھے نبی کریم ﷺ کے پاس یا آپ ﷺ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کیلئے وہ از روئے قانون مجبور نہ تھے۔ لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے تھے ان کا فیصلہ کرانے کیلئے نبی کریم ﷺ کے پاس اس امید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ ﷺ کی شریعت میں ان کیلئے کوئی دوسرا حکم ہو۔ اور اسطرح وہ مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔

یہاں خاص طور پر جس مقدمے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ تورات کی رو سے ان کی سزا ''رجم'' تھی یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن یہودی اس سزا کو نافذ نہیں کرنا چاہیے تھے۔ اس لئے انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمے میں محمد ﷺ کو جج بنایا جائے اگر وہ ''رجم'' کے سوا کوئی اور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے اور ''رجم'' ہی کا حکم دیں تو نا قبول کیا جائے۔ چنانچہ مقدمہ آپ ﷺ کے سامنے لایا گیا۔ آپ ﷺ نے ''رجم'' کا حکم دیا انھوں نے کہا کوڑے مارنا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنا آپ ﷺ نے ان کے علماء کو قسم دے کر ان سے پوچھا کہ کیا تورات میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی یہی سزا ہے انھوں نے پھر وہی جھوٹا جواب دیا۔ لیکن ان میں سے ایک شخص ابن صوریا جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں تورات کا سب سے بڑا عالم تھا خاموش رہا آپ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تجھے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور ''طور'' پر تمھیں شریعت عطا کی کیا واقعی تورات میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر آپ ﷺ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تو رجم ہی ہے مگر ہمارے ہاں زنا کی کثرت ہوئی تو ہمار حکام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو انھیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انھیں رجم کر دیا جاتا۔ پھر جب اس سے عوام میں ناراضگی پیدا ہونے لگی تو ہم نے تورات کے قانون کو بدل کر یہ قاعدہ بنا لیا کہ زانی زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور انھیں منہ کالا کر کے گدھے پر منہ الٹا کر کے بیٹھایا جائے۔ اس کے بعد یہودیوں

Marfat.com

کے لیے بولنے کی ضرورت نہ رہی تو نبی کریم ﷺ کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔(15)

8.ترجمہ: ''اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں۔ اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے''۔(16)

اس آیت کے کئی مطلب ہیں۔

1. آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ان ساری گروہ بندیوں میں الگ رہ کر بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا یہ کام نہیں ہے۔ کہ کسی گروہ کے حق میں اور کسی کے خلاف تعصب برتو، میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے سراسر عدل و انصاف کا تعلق جس کی جو بات حق ہے میں اس کا ساتھی ہوں۔ خواہ وہ غیروں کا غیر ہی کیوں نہ ہو اور جسکی جو بات حق کے خلاف ہے میں اس کا مخالف ہوں۔ خواہ وہ میرا قریب ترین ساتھی اور رشتے دار ہی کیوں نہ ہو۔

2. اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ میں جس حق کو تمہارے سامنے پیش کرنے پر مامور ہوں۔ اس میں کسی کیلئے کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ وہ سب کیلئے یکساں ہے اس میں اپنے اور غیر بڑے اور چھوٹے، غریب اور امیر، شریف و کمسن کیلئے الگ الگ حقوق نہیں ہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ سب کیلئے حق ہے جو گناہ ہے سب کیلئے گناہ ہے جو حرام ہے سب کیلئے حرام ہے اور جو جرم ہے سب کیلئے جرم ہے اس بے لاگ ضابطے میں میری اپنی ذات کیلئے بھی کوئی استثناء نہیں۔

3. تیسرا مطلب یہ ہے کہ میں دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں میرے سپرد یہ کام کیا گیا ہے۔ کہ میں لوگوں کے درمیان انصاف کروں اور اُن بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں کا خاتمہ کر دوں جو تمہاری زندگیوں میں اور جو تمہارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔ میں خدا کا مقرر کیا ہوا قاضی اور جج ہوں۔ تمہارے درمیان انصاف کرنا میری ذمہ داری ہے۔

9.ترجمہ: ''وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل فرمائی''۔(17)

میزان سے مراد اللہ کی شریعت ہے جو ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط، حق اور باطل، ظلم اور عدل، راستی اور ناراستی کا فرق واضح کر دیتی ہے۔ اوپر نبی کریم ﷺ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے تمہارے درمیان انصاف کروں یہاں یہ بتا دیا گیا ہے کہ اس کتاب پاک کے ساتھ وہ میزان آگئی ہے جس کے ذریعے سے یہ انصاف قائم کیا جائے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ حکم دیا کہ قبائل عرب کے پاس جائیں۔ ایک سفر میں حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے اس دفعہ مختلف قبائل کا دورہ کرتے ہوئے شیبان بن ثعلبہ کے قبیلہ کے پاس پہنچے حضور اقدس ﷺ نے پہلے کلمہ شہادت کی دعوت دی۔ پھر بھی ابن ثعلبہ کے خطیب مفروق نے عرض کیا کہ کس بات پر آپ ﷺ دعوت دیتے ہیں۔ تب رسول اللہ نے یہ آیت کریمہ فرمائی۔ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ﴾ تب بھی خطیب نے کہا کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ تب خطیب مفروق نے کہا کہ اے قریشی بھائی تو نے مکارمِ اخلاق اور محاسن اعمال کی دعوت دی ہے

Marfat.com

شک وہ قوم حق سے دور جا پڑی جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کے خلاف مظاہرہ کیا اس کے بعد اس کے سردار نے کہا کہ جلدی میں کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہمارا قبیلہ اس مسئلے پر غور کرے گا۔ (18)

یہ آیت خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی المتوفی ۱۰۱ھ کے دور حکومت سے جبکہ ان کی حکومت ایشیاء وامریکہ سے بڑھ کر یورپ میں سپین تک پہنچ چکی تھی اور جملہ اقوام و مذاہب اسلامی دائرہ حکومت میں بستی تھیں اس وقت ساری دنیا میں جمعہ کے دوسرے خطبہ میں پڑھی جاتی تھی صاف ظاہر ہے کہ یہ بین الاقوامی آیت دستور حکومت اور جملہ مذاہب اور اقوام کے حقوق کی ضامن ہے۔

تفسیر حسینی میں ہے کہ جن تین چیزوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان کے سبب ملکی ''استقامت'' ہے اور جن چیزوں کی ممانت ہے ان کے باعث ''اضطراب و پریشانی'' ہوتی ہے اور چھ چیزوں سے ہر ایک کا نتیجہ یہ ہے۔

۱۔ عدل کا ثمرہ فتح ونصرت ہے۔

۲۔ احسان کا ثمرہ ثناء وصفت ہے۔

۳۔ صلح رحمی کا ثمرہ انس و الفت ہے

۴۔ فحشا کا نتیجہ دین و دنیا کا فساد و تباہی ہے۔

۵۔ منکر کا نتیجہ دشمن کو آمادہ کرنا ہے۔

۶۔ بغی ظلم و سرکشی کا حاصل ان چیزوں سے محروم رہنا ہے جس کی تمنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عدل کا تذکرہ فرمایا ہے عدل کے معنی انصاف کے ہیں۔ ہر چیز میں انصاف کی ضرورت ہے قول میں فعل میں یعنی جو کہیں یا جو کریں اس میں انصاف وسچائی اور حق گوئی ہو۔ ہر چیز سچائی کے ترازو میں ٹھیک اترے اور انصاف کی کسوٹی پر پوری اترے افراط وتفریط اور کمی بیشی ہرگز نہ ہو یہ عدل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک عدل بھی ہے جسکا مطلب یہ ہے اللہ حق فیصلہ کرتا ہے۔ حق بات کرتا ہے۔ اور حق کام کرتا ہے۔

ترجمہ: ''اللہ حق بات کہتا ہے''۔ (20) ''اللہ حق ہی فیصلہ کرتا ہے''۔ (21)

پہلی آیت میں عدل قول دوسری آیت میں عدل فعلی کا بیان ہے یہ دونوں باتیں عدل قولی اور عدل فعلی کا تذکرہ اس آیت میں ہے کہ:

ترجمہ: ''اور آپ ﷺ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی سارا نظام عالم صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف ہی پر قائم ہے اور وہ خود بھی پورے پورے انصاف کے ساتھ قائم ہے جیسا کہ ارشاد ہے'' (22)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والوں نے بھی، کہ وہی خدا عدل انصاف کے ساتھ قائم ہے''۔ (23)

یہ عدل خداوندی کی مخصوص صفت ہے اس کا اس نے حکم دیا خواہ اپنے ہوں یا پرائے، دوست ہوں یا دشمن سب کے ساتھ عدل انصاف کرنا ضروری ہے۔ پس عدل کا تقاضا یہی ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرے اور انصاف کی راہ میں کسی

Marfat.com

کی دشمنی آڑے نہ آسکے انصاف و عدل دوستی و دشمنی سے بالا تر ہے بلکہ انصاف کا یہ تقاضہ ہے کہ دشمن کے ساتھ سب سے پہلے انصاف کیا جائے تاکہ عدل وانصاف کرنے والے کا امتحان ہو جائے۔

عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ کہا گیا کہ معاملات عدل و انصاف کی حمایت تمہارا مقصد ہو۔ جو کچھ کہو یا کرو، خدا کے واسطے کہو، عدل و انصاف کے فیصلے اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آئے نہ عزیزوں اور قرابت داروں کا، نہ دولت مند کی طرف داری کا، نہ محتاج پر رحم کا، پھر اس فیصلہ اور گواہی میں دولت مند کی خاطر نہ کرو، اور نہ محتاج پر ترس کھاؤ اور قرابت کو بھی نہ دیکھو، جو حق ہے وہی کہو یا کرو، پھر کہنے میں کوئی توڑ موڑ نہ کرو۔ کہ سننے والا شبہ میں پڑ جائے یا پوری بات نہ کہو یا نہ کچھ چھپاؤ تو یہ سب باتیں عدل و انصاف کے خلاف ہیں۔ کسی غریب کی غربت پر ترس کھا کر فیصلہ میں ردو بدل کر دینا بظاہر نیکی کا کام دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں یہ ایک مقدس فریب ہے فیصلہ میں ترس کھا کر بے ایمانی کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کسی کی خاطر رکھ کر یا کسی کی بزرگی مان کر یا کسی کی بڑائی سے مرعوب ہو کر بے ایمانی کرنا ہے غرض یہ کہ عدل و انصاف کی راہ میں کوئی اچھا یا بُرا جذبہ حاکم کیلئے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے

ازواج و اولاد کے ساتھ انصاف:

ہر فرد اور ہر جماعت بلکہ حکومت وسلطنت میں عدل وانصاف کی ایک اہم ضرورت ہے اس لیے معاشرتی زندگی کے عدل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اگر تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ متعدد عورتوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو''۔(24)

جو عورتوں کے درمیان انصاف نہیں کرتے وہ سخت مجرم ہیں اور اپنے بچوں کے درمیان بھی انصاف ضروری ہے جو ایک بچے کو دیا جائے دوسرے بچے کو بھی وہی دیا جائے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہے کہ میرے والد محترم نے میری خدمت کے لیے مجھے ایک غلام عطا فرمایا او ر مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر کر کے کہا۔ میں نے اس بچے کو ایک غلام دیا ہے آپ ﷺ شاید بن جا ہیے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے سب بچوں کو غلام دیا ہے انھوں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان میں انصاف سے کام لو''۔

یتیم بچوں کے ساتھ انصاف:

یتیم بچوں کے متولیوں اور سر پرستوں کے لیے بھی عدل و انصاف کی ضرورت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ:

ترجمہ: ''اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرو''(25)

بچوں عورتوں اور یتیموں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے سے پورے گھرانے اور خاندان کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

اجتماعی زندگی میں انصاف:

دو شخص، دو گروہ یا دو جماعتوں کے درمیان عدل و انصاف کرنے سے پورے ملک کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

ترجمہ: ''اور ان دونوں میں برابری کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو

Marfat.com

محبوب رکھتا ہے''۔(26)

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کی عمارت کا ستون ہے۔ اگر حکومت میں انصاف نہیں ہے تو اس کی عمارت بہت جلد منہدم ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ''کفر کے ساتھ سلطنت باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی''

انصاف کو لازمی قرار دینا:

اسلام نے ہر قسم کی مذہبی اور عدالتی فیصلوں کیلئے انصاف کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر اس کے مظلوم کی داد رسی ممکن نہیں ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں دے دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو''۔(27)

5. تعلیمات نبوی ﷺ:

آپ ﷺ سراسر عدل ہی تھے اس لیے لوگ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ کے پاس مقدمات لے جاتے اور آپ ﷺ کے فیصلے پر سب لوگ راضی ہو جاتے۔

الف: حجر اسود کی تنصیب:

حجر اسود کے نصب کرنے کا مشہور واقعہ ہے کہ سب قریش نے مل جل کر بیت اللہ بنا کر مکمل کر دیا۔ مگر جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا۔ کیونکہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ ہر کام اُسی کے ہاتھ سے سرانجام پائے چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا آخر امید بن مغیرہ جو قریش میں سب سے زیادہ عمر کا تھا یہ رائے دی کہ کسی کو ''حکم'' بنا کر اس کے فیصلے پر عمل کریں۔ اس رائے کو مانا گیا کہ جو کوئی اب سب سے پہلے حرم آئے گا۔ وہی سب کا حکم سمجھا جائے گا۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے، آنحضرت ﷺ کو دیکھنا تھا (امین آگیا ہم اسی کے فیصلے پر رضامند ہیں) کے نعرے لگ گئے۔ آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہوگئے آپ ﷺ نے ایک چادر بچھائی اور اپنے ہاتھ سے حجر اسود کو اس میں رکھا دیا پھر ہر ایک قبیلے کے سردار کو کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں اسطرح اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا آنحضرت ﷺ نے پھر اسے اٹھا کر کونے پر لگا دیا۔(28)

ب: چور کی سزا:

ایک عورت فاطمہ مخذومیہ نے چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ وہ سزا سے بچ جائے۔ اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہؓ رسول پاک ﷺ کے خاص خادم اور محبوب تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپؓ سفارش کیجئے۔ اپنے بھولے پن میں اس عورت کیلئے معافی کی درخواست کرنے لگے آپ ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری لخت جگر فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔(29)

آپ ﷺ نے خود اسی عدل پر پوری زندگی گذاری اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین بھی عدل وانصاف کی

Marfat.com

ایک مثالی خلافت پر گامزن رہے اور ان کے عدل وانصاف کی داستانیں قیامت تک یادگار رہیں گے۔

عادل بادشاہ کی تعریف اور فضیلت ہے دنیا میں اس کی بڑی قدر اور عزت ہے وہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایے میں رہے گا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سوائے عرش الٰہی کے سایے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا اس سایہ میں سات طرح کے لوگ ہوں گے ایک عادل اور منصف بادشاہ بھی ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

ترجمہ: ''انصاف کرنے والے خدا کے نزدیک اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر ہونگے''۔(30)

ج: مواخات:

انصار و مہاجرین کو مواخات اسلام کے ''اجتماعی عدل'' اور تعمیرِ اخلاقیات کا بہترین مظہر ہے مہاجرین وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اپنی سرزمین چھوڑ دی اور مدینہ اس حال میں پناہ گزیں ہوئے کہ مال و جائیداد کی ایک کوڑی بھی نہ رکھتے تھے اور انصار وہ لوگ تھے جو اپنی کھیتوں، صناعت اور دولت کی وجہ سے خوشحال تھے ہر بھائی اپنے بھائی کا بوجھ اٹھائے اس کی خوشحالی اور بدحالی میں ساتھ دے، گنجائش ہو تو اپنے گھر میں پناہ دے دولت مند ہو تو نصف مال اس کے حوالے کر دے بھلا بتایئے کون سی دنیا کی اجتماعی دولت اس اخوت و بھائی چارگی کی ہمسر ہوسکتی ہے؟

جو لوگ اس بات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ اسلام میں اجتماعی عدل (Social Justic) ہے وہ نہیں چاہتے، کہ اسلام کی روشنی لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کرے۔ اسلام میں عدالت اجتماعی کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ اس کی تاریخ میں یہ شاندار اخوت موجود ہے اور اس کو خود صاحب شریعت نے قائم کیا تھا ''اشراف'' پر اسے نافذ کیا تھا اور اس کی بنیاد پر پہلی ''سوسائٹی'' تشکیل دی اور اسے پروان چڑھایا تھا۔ انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کا جو معائدہ آپ ﷺ نے کرایا اور اس کیلئے جو تحریر تیار فرمائی اس میں عدل اجتماعی کی بناء پر قائم معاشرہ کیلئے سارے نشانات راہ موجود ہیں۔ اور یہ کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی بنیاد معائدہ صلح ہے جب تک وہ اس کے پابند ہوں اور یہ کہ حق و عدل، تقویٰ میں تعاون، معاشرے سے بد معاشیوں اور اشرار کو ختم کرنے کی کوشش، یہ وہ اہم اور نمایاں اصول ہیں۔ جن کا اسلامی مملیکت اعلان کرتی ہے۔ اور اسطرح اسلامی مملیکت ہر جگہ اور ہر دور میں بہترین اور عادلانہ اصولوں پر قائم رہ سکتی ہے۔ اس میں وہ سارے پاکیزہ اور عادلانہ اصول موجود ہیں جن پر سلطنتوں کا قیام ہے اور جن کے سائے میں قومیں زندگی بسر کرتی ہیں۔ آج مسلم معاشرے میں مملیکت کے قیام کا کام، جس کے اصول اسلام کی روشنی میں طے کئے جائیں ایسا کام ہے جو مملیکت کے مفہوم میں پیدا ہونے والی جدید انسانی فکر سے ہم آہنگ ہے بلکہ یہ نظام مسلمانوں کیلئے ایسا معاشرہ تعمیر کرتا ہے جو سارے معاشروں سے مضبوط اور مستحکم، ترقی یافتہ اور مکمل و سعادت خیز ہوتا ہے۔

جو کچھ بھی ہو ہمارا مفاد اسی میں ہے کہ ہم اپنی مملیکت کی تعمیر اسلام کی بنیاد پر کریں اور اس کو چھوڑ دینے میں ہماری تباہی و بربادی ہے اور اسلام، اسلامی وطن میں غیر مسلموں کو تکلیف نہیں پہنچاتا، ان کے عقائد پر جبر نہیں کرتا، نہ ان کے حقوق چھینتا ہے پھر آخر کس خوف کی وجہ سے مسلم ممالک میں اسلام کے احکام اور قوانین نافذ نہیں کئے جاتے جبکہ اسلام عدل، سچائی، اخوت اور قوت کا پیامبر ہے اور محبت اور تعاون، شفقت و بھائی چارگی کی بنیاد پر (Social Justic) کا علمبردار ہے، ہم

Marfat.com

اسلام ہی کے ذریعے سامراج سے گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔ اس لیے کام کرنے والوں کو آگے بڑھنا چاہیے۔

امت مسلمہ اپنی مقصدیت کے اعتبار سے "امت وسط" ہے جو ہر قسم کی انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہے جو رنگ ونسل، لسانی اختلافات، جغرافیائی حدود سے ماورا ہے جو انسانیت میں تقسیم واختراق کا سبب رہے ہیں۔

امت مسلمہ کا کام زمین پر عدل وانصاف قائم کرے، اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر عدل و انصاف کی گواہ بن کر اٹھے: ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ﴾ اس ذمہ داری کا تقاضہ ہے کہ یہ اپنے طرز عمل سے انسانیت کے سامنے جیتا جاگتا نمونہ پیش کرے۔ جو شہادت حق کے منصب پر فائز ہو اور اس "امت وسط" کا قول وفعل، طرز عمل، رویہ اور انفرادی واجتماعی اسلوب حیات ایسا ہونا چاہیے کہ اسکو دیکھ کر اسلام کے پیغام کو سمجھ سکے اور اس کے قریب آسکے، آپ ﷺ نے اس نظام کی بنیادیں رکھیں، اس کے قواعد طے فرمائے، انسانوں کے حقوق و فرائض متعین کئے، ایک ایسی امت تیار فرمائی، جس نے چاردانگ عالم میں اس نظام کے منصفانہ پیغام اور عادلانہ قوانین کی دھاک بیٹھا دی۔ اس نظام قرآنی اور نظام مصطفوی ﷺ کی موجودگی میں نہ قیصریت پنپ سکتی ہے نہ کسرویت۔ مدینہ منورہ میں دیا جانے والا نظام اسی کی عملی تعبیر ہے۔

د: شریعت عدل:

اسلامی شریعت کی رو سے انسانوں کے مابین کوئی نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بنیاد عدل وانصاف اور قول کے احترام پر نہ ہو حضور اکرم ﷺ نے جہاں عدل کو ہر انسانی معاملے کی اساس قرار دیا وہاں عدل کی عملی تفصیلات اور احکام بھی بیان فرمادیئے آپ ﷺ کی عطاء کردہ شریعت میں عدل سے مراد انسانوں کی درج ذیل پانچ چیزوں کے تحفظ کی ضمانت ہے:

1. دین کا تحفظ اور مذہب کی آزادی
2. جان کا تحفظ
3. عقل کا تحفظ
4. انسان کی آبرو اور خاندانی وقار کا تحفظ
5. انسان کے مال و جائیداد کا تحفظ

اسلامی قانون کا پورا ذخیرہ اور اسلامی فقہ وشریعت کا پورا کتب خانہ انہی ارکان عدل کی تشریح وتوضیح سے عبارت ہے۔

6. سفارشات تعلیمات نبوی کی روشنی میں:

اجتماعی عدل کے لیے مندرجہ ذیل سفارشات پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔

1. معاہدات کی پابندی اور قول کا پاس لازمی شرط ہے۔ (صلح حدیبیہ، میثاق مدینہ، غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات)
2. تمام معاملات میں تعاون و ہمکاری انتہائی ضروری ہے۔ (رحمت للعالمین ﷺ، حلف الفضول، حجر اسود کا نصب کرنا)
3. دوسری اقوام کے محترم وانصاف پسند قائدین کو احترام کا مقام دینا لازمی ہے۔ (دعوت وتبلیغ)
4. مظلوموں کو حق دفاع دینا ضروری ہے۔ (فتح مکہ)

Marfat.com

5. کسی دوسری قوم کے عقائد ونظریات اور تہذیب وثقافت کا احترام کرنا چاہیے۔(غیر مسلم اقوام کے ساتھ معاہدات)
6. اپنے تصورات و اقدار کو دوسروں پر بالجبر مسلط نہ کرنا چاہیے۔ (حجۃ الوداع)
7. دوسروں کے مذہبی احساسات کا احترام کرنا چاہیے۔
8. بین الاقوامی، علمی وفکری معاملات میں رواداری کو پیش نظر رکھنا اور مکالمہ کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔(میثاق مدینہ)
9. دولت کی منصفانہ تقسیم اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں توازن قائم کرنا چاہیے۔ (نظام زکوٰۃ)
10. سفارتی تعلقات صلح وامن وسلامتی کی بنیاد پر ہونے چاہیے۔ (مواخات)

شاخ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تُو   نا آشنا ہے قاعدہ روز گار سے
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ   پیوست رہ شجر سے امید بہار رکھ(29)

اگر چہ بیداری سے ہم کوسوں دور ہیں مگر بیداری کے آثار پیدا ہورہے ہیں ترکی، ملیشیا، اور انڈونیشیا راہ عمل کی تلاش میں سرگرداں ہو چکے ہیں۔ان کا اسلام صرف ''مسجد'' تک محدود نہیں، زندگی کے ہر گوشے میں نظر آنا شروع ہوگیا ہے اب وہاں ناپ تول میں کمی نہیں ہوتی بولتے وقت خوش اخلاقی کی خوبی اپنا لی گئی ہے۔گالی گلوچ سے نفرت کا رجحان ہے بد یانتی اور بے انصافی کو ایک اخلاقی برائی اور گناہ عظیم سمجھا جانے لگا ہے کیا یہ ثبوت کافی نہیں کہ وہ ان مسائل سے کوسوں دور کھڑے ہیں۔ جن کا ہم شکار ہیں۔سوال یہ ہے کہ انھوں نے یہ درس کہاں سے لیا ہے؟ دنیا بھر میں جہاں بھی امانت، دیانت عدالت، راست بازی اور حق گوئی کا کلچر نظر آتا ہے۔اس کے ڈانڈے رحمت العالمین ﷺ کی صداقت وامانت سے ملتے ہیں۔ پھر ہم کیوں نہیں انھیں اپنا لیتے۔خود کو ان کا امتی کہلاتے وقت تو پھولے نہیں ساتے۔

اپنے مکالے کا اختتام اس واقعے کے ساتھ کرتی ہوں اور قارئین کے لیے سوچ کے در وا کئے جارہی ہوں۔

اورنگزیب عالمگیر خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر حاضری کیلئے گئے دیکھا کہ ایک اندھا شخص آنکھوں کی بینائی طلب کر رہا ہے۔اورنگزیب نے اس سے پوچھا کہ کب سے دعا مانگ رہے ہو۔؟ وہ بولا پچھلے دس سال سے بینائی مانگ رہا ہوں۔ لیکن شاید ابھی اللہ کو میرے حال پر رحم نہیں آیا۔ اورنگزیب نے اسے کہا میں اندر جا کر دعا کرتا ہوں۔تب تک تمہاری بنیائی واپس نہ آئی تو میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔اس شخص کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے،گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، چند سیکنڈ میں اس کی بنیائی واپس آگئی، اورنگزیب واپس آیا تو اس شخص کو دیکھ کر کہا اب تک تمہاری دعا صرف ''الفاظ'' تک محدود تھی، میری دھمکی نے تمہاری دعا کو''روح'' تک پہنچا دیا اور اللہ کو تمہاری آہ وزاری قبول کرنا ہی پڑی۔

اکیسویں صدی کے مسلمانوں کا حال بھی اس اندھے کیطرح ہی ہے دعا مانگتے ہیں۔لیکن شرف قبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہماری التجائیں اور آرزویں تا عمر تشنہ تکمیل ہی رہتی ہیں۔ دعاؤں کی عدم قبولیت کی وجہ ہمارے باطن کی خباثت ہے ہماری نیتوں کا کھوٹ ہے ہماری عبادت کا سطحی پن ہے ہمارے اخلاص کی بناوٹ ہے یہی وجہ ہے کہ ستر ماؤں سے رحیم ذات ہماری التجائیں قبول نہیں کر رہی ہماری مشکلات ختم نہیں ہورہیں اربوں مسلمان معاشی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور تہذیبی انحطاط کا شکار ہیں۔کوشش کرنے سے تو ہم ظاہری طور پر خود کو بدل سکتے ہیں۔ باطن کی خباثت اور نیتوں کے کھوٹ کو دور کیے بغیر شاید

Marfat.com

کسی بہتری کے آثار پیدا نہ ہوں سکیں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

ماخذ

1۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ...... 28۔ سند طیالسی، مستدرک حاکم، جلد اول...... 2۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ...... 29۔ صحیح بخاری...... 3۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ...... 30۔ صحیح مسلم...... 4۔ سورۃ الرحمٰن 55......آیت نمبر 8,7,6,5,4...... 31۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ...... 5۔ سورۃ الحدیث 57...... آیت نمبر 45...... 32۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ...... 6۔ سورۃ النساء 4 آیت نمبر 89,88...... 7۔ صحیح بخاری و مسلم...... 8۔ صحیح بخاری و مسلم...... 9۔ صحیح بخاری...... 10۔ صحیح بخاری...... 11۔ سورۃ النساء: 4 آیت نمبر: 40...... 12۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر: 8...... 13۔ سورۃ النساء: 4 آیت نمبر: 135...... 14۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر :42...... 15۔ استثناء باب 22: آیت نمبر: 24,23...... 16۔ سورۃ شوریٰ: 42 آیت نمبر: 15...... 17۔ سورۃ شوریٰ: 42 آیت نمبر: 1...... 18۔ سیرت النبیؐ جلد اول، ص: 235 شبلی نعمانی...... 19۔ تفسیر امام رازی...... 20۔ سورۃ الاحزاب...... 21۔ سورۃ المومنین...... 22۔ سورۃ الانعام...... 23۔ سورۃ آل عمران...... 24۔ سورۃ النساء...... 25۔ سورۃ النساء...... 26۔ سورۃ الحجرات...... 27۔ سورۃ النساء۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

فرح بتول-کوئٹہ

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾(۱)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین پر اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

نفسانی خواہشات:۔

اللہ رب العزت نے انسان کو تخلیق فرمایا تو اپنی حکمتِ بالغہ سے اسکی فطرت کے طاق میں خواہشات کا چراغ بھی رکھ دیا۔ یہ خواہشات یوں تو ان گنت ہیں لیکن ان میں حبِ آل، حبِ مال اور حبِ جان بڑی قوی اور منہ زور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سراپا خیر ہے۔اس کا کوئی کام حکمت اور مصلحت کے بغیر نہیں ہوتا۔ فطرتِ انسانی کے ساتھ ان خواہشات کو لگانے کا مقصد یہ تھا کہ انسان ان کی تسکین کی جدو جہد کے ذریعے تعمیرِ ذات یعنی قوائے شخصی کی تربیت ونشونما اور تسخیرِ کائنات کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور یوں اللہ پاک کی رضا کے تابع رہ کر زندگی کی راحتوں اور امن و سکون کی نعمتوں سے ہمکنار ہوسکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کو میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ کر دے۔“ (۲)

شیطانِ لعین نے انسان کی اسی متاعِ گراں بہا کو اپنے حملوں کا ہدف بنا کر انسان کو ذلت و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے اور یاس و نامرادی کی راہ پر لگا دیا۔اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اس بات کا اعلان کردیا کہ وہ اس کی تخلیق کے شاہکار انسان کو خواہشات کے سبز باغ دکھا کر اور مرغوباتِ نفس کا اسیر بنا کر اللہ کا نافرمان بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شیطانِ مردود کے شر اور فریب سے بچانے کے لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اسکی ہدایت و رہنمائی کا اہتمام فرمایا اور آسمانی کتابوں اور انبیاء علیھم السّلام کی بعثت کے ذریعہ انسان کو نجات کی راہ دکھائی۔ اس سلسلۂ ہدایت کی تکمیل نبی اکرمؐ پر ہوئی اور آپؐ پر ایمان اور آپؐ کی کامل اطاعت کو رضائے الٰہی کے حصول کا واحد اور یقینی ذریعہ قرار دیا۔

Marfat.com

آل، مال اور جاہ و اقتدار جیسی منہ زور خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینے اور اور انھیں شیطان کی دسیسہ کاریوں کے لیئے کھلی چراگاہ بنا دینے سے تاریخ انسانی میں فتنہ وفساد کی جو آگ بھڑکی ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی کل بگڑ گئی ہے اور امن وسکون اور تحفظِ جان و مال کے بجائے فتنہ وفساد اور ہر وقت کا ذہنی تناؤ اور بے چینی و بے کلی انسانیت کا مقدر بن چکی ہے۔اس کو ختم کرنے اور نوعِ انسانی کو جان، مال اور عزت و آبرو کے تحفظ سے بہرہ ور کرنے کا صحیح اور یقینی طریقہ یہی ہے کہ اپنی خواہشات کی باگیں شیطان لعین کے ہاتھ میں دینے کی بجائے نبی اکرمؐ کی لائی ہوئی ہدایتِ کامل یعنی قرآن پاک کے تابع کردیں اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے انفرادی و اجتماعی معاملے میں آپؐ کی اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ کو اسی نوعیت کی اطاعتِ رسولؐ مطلوب ہے اور اس سے کمتر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔ (۳)

معاشرے میں بگاڑ اور فساد کی وجہ:

قرآنِ کریم کے مطالعے سے انبیاء کرام کی دعوت کے جن بنیادی نکات تک رسائی ہوتی ہے وہ یہ تین ہیں:۔

۱- پہلا یہ کہ مقتدرِ اعلیٰ جو بندگی اور اطاعت کا حقیقی مستحق ہے وہ صرف خدا ہے، کائنات کی تمام اشیاء اسکی تابع فرمان ہیں، لٰہذا انسان کو بھی صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔

۲- دوسرا یہ کہ نبی کی اطاعت مقتدرِ اعلیٰ کے اصل نمائندے کی حیثیت سے کی جائے اور کسی بھی ایسے شخص کی اطاعت نہ کی جائے جو نبیوں اور پیغمبروں کے طریقے سے ہٹا ہوا ہو۔اس راستے کو چھوڑنا خدا سے کھلی بغاوت کرنا ہے اور باغی کی اطاعت کرنے والا بھی باغی ہے۔جب دنیا کا کوئی بادشاہ یا حاکم اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ اس کے مقرر کردہ عمال کی کوئی نافرمانی کرے تو یہ اصول اللہ تعالیٰ کے لیئے کیوں نہیں؟

۳- تیسرے یہ کہ انسان کے لیئے جائز و ناجائز، حرام وحلال اور جزا وسزا کی جو حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہیں ان پر سختی سے عمل کیا جائے۔اور یہاں بھی وہی بات کہ جس ملک اور حدودِ سلطنت میں ہم رہتے ہیں، جب اس کے حکمران کے نافذ کردہ قوانین کا احترام کرنا ہم پر لازم ہے اور کوئی بادشاہ یہ بات قبول نہیں کرتا کہ ہم رعایا تو اس کی کہلائیں اور قانون مانیں کسی اور کا تو خدا کے لیئے یہ بات کیوں نہیں؟

انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایات جو انبیاء کرام لے کر آئے ان کو چھوڑ کر نفس کی یا دوسروں کی ہدایات پر اپنے اخلاق، معاشرت، تمدن اور سیاست وغیرہ کی بنیادیں استوار کرنا ہی ہمیشہ خرابی اور فساد کی وجہ بنا ہے۔کیونکہ ایسے معاشرے میں کوئی نہ کوئی ایسا با اثر طبقہ ضرور ہوتا ہے جو طاقت اور ذرائع پر قابض ہو کر دوسروں کے حق پر ڈاکہ زنی کرتا ہے۔ یہ گمراہ گروہ اپنے نفس کی تسکین کے لیئے اور اپنے ابنائے جنس پر اقتدار قائم رکھنے کے لیئے طرح طرح کے رہنما اصول اور فلسفہ مرتب کرتا ہے۔ ان کے مقابلے میں انبیاء کرام کے احکامِ شریعت ہیں جن کا مقصد نظامِ گمراہی کی جگہ نظامِ ہدایت اور عدل و انصاف کا قیام ہے جس میں کسی با اثر طبقے کی گنجائش تو کیا وجود ہی ممکن نہیں وہاں تو صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو ہی اولیت حاصل ہے۔ (۴)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

Marfat.com

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۵)

ترجمہ: کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ جادۂ انصاف سے تم ہٹ جاؤ۔انصاف کرو کہ انصاف ہی تقویٰ کی نزدیک ترین راہ ہے۔

نیز نبی اکرمؐ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ، لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بناء پر۔(٦)

اسلام دنیا کا وہ واحد اور مکمل دین ہے جو اپنے ماننے والوں کے لیئے زندگی کے ہر ہر پہلو سے متعلق ہدایات کا ایک جامع ذخیرہ لیئے ہوئے ہے۔خواہ وہ پہلو انسان کی انفرادی زندگی سے متعلق ہو یا معاشرے کی اجتماعی زندگی سے، خواہ گوشہ تجارت وصنعت ہو یا تعلیم و اخلاق کا، قانون و سیاست کا ہو یا جنگ وحرب کا، داخلی امن و امان کا مسئلہ ہو یا خارجہ پالیسی کا۔ اگرچہ زندگی کے ان گوناگوں پہلوؤں اور گوشوں کی تفصیلات اور جزئیات الگ الگ ہیں مگر ان سب میں دو بنیادی قدریں مشترک ہیں ایک ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت اور دوسری عدل و انصاف اور مساوات۔ یہ دونوں قدریں آپس میں اسطرح مربوط ہیں کہ ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ایمان باللہ انسان کو خدا کے بتائے ہوئے طریقۂ عدل کو اختیار کرنے کیلیئے داخلی طور پر مجبور کرتا ہے اور خارجی دباؤ خواہ کتنا ہی زور آور کیوں نہ ہو، معاشرے میں عدل و مساوات کے قیام کا ذریعہ بنتا ہے۔کیونکہ تقویٰ چند ظاہری مخصوص شکلوں اور طریقوں کی پابندی اور پیروی کا نام نہیں بلکہ تقویٰ سے مراد نفس کی وہ کیفیت ہے جو خدا ترسی، احساسِ ذمہ داری اور اللہ کے سامنے جوابدہی کے زندہ ادراک اور احساس سے پیدا ہوتی ہے۔(۷)

عدل کیا ہے؟

کسی بوجھ کو دو برابر حصّوں میں اسطرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔(۸)

اس لفظ کو ہم اپنی زبان میں انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام بھی کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔(۹)

عدل کو علم اخلاق میں بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ ایک مثبت صفت ہے جس سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ عدل ہی سے پوری کائنات کا نظامِ حیات قائم ہے۔ اگر دنیا میں عدل نہ ہو تو فرد و معاشرہ دونوں ہی فساد کا شکار ہو جائیں کیونکہ حکومت ظلم کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔(۱۰)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں کہ عدل یعنی کسی چیز کو اسکے اصل مقام، صحیح اور مناسب جگہ پر رکھنا اسکی ضد ظلم ہے اور قرآن مجید میں عدل سے زیادہ ظلم کا ذکر آیا ہے اور اسکی ہر جہت سے نفی کی گئی ہے۔قرآن مجید کے مطابق اسلام کے تین بنیادی تصورات ہیں:

ا۔ایمان: جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

Marfat.com

۲۔تقویٰ: جس سے حقیقی معنوں میں انسان مسلمان بنتا ہے اور اللہ کے نزدیک ترین وہی ہے جو متقی ہو۔

۳۔جہاد فی سبیل اللہ: جو مسلمان کی معراج ہے۔

اور عدل کو تقویٰ کے قریب رکھا گیا ہے۔جس سے عدل کی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے(۱۱)۔قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (۱۲) یعنی عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۱۳) یعنی بے شک اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

کسی برائی کے بدلے میں اتنی ہی برائی کرنا اس شخص کے ساتھ عدل ہے اور اس کو معاف کر دینا اور درگزر کرنا احسان ہے۔اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں اللہ تعالیٰ نے قانونِ عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں دیا ہے۔ یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں جبکہ احسان محض ایک شخصی معاملہ ہے۔کیونکہ جماعت اور حکومت کا نظام عدل پر ہی قائم ہے اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے۔اور کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو سلامت نہ رہے۔مثلاً اگر ایک شخص جماعت کے کسی ایک فرد کے ساتھ ظلم کرتا ہے اور اس پر اس سے باز پرس نہ کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ شخص جرأت پا کر دوبارہ کسی اور کے ساتھ بھی وہی ظلم کرے۔اس لیئے کوئی مظلوم اپنے ظالم کو معاف کردینے کا پورا پورا حق نہیں رکھتا۔اس لیئے قانونِ عدل کو اخلاق کے قانون میں جگہ دینے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔جو شریعتِ محمدیؐ میں پوری طرح بروئے کار لائی گئی ہے۔(۱۴)

کسی غریب و بے کس پر اسکی غربت اور بے کسی کی وجہ سے ترس کھا کر عدل کے خلاف فیصلہ کرنا بظاہر احسان اور نیکی کا کام نظر آتا ہے۔لیکن درحقیقت یہ ایک مقدس فریب ہے جو شیطان انسان کے ذہن میں ڈالتا ہے۔کیونکہ عدل و انصاف کے معاملے میں اچھا یا برا جذبہ رکھنا یا کسی بھی وجہ سے ایک فریق کی طرف جھکاؤ کی اجازت اسلام ہرگز نہیں دیتا۔(۱۵)

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے:

اسماء الحسنٰی میں جو ۹۹ نام اللہ تعالیٰ کے گنوائے گئے ہیں ان میں سے ایک ''اَلْعَدْلُ'' (انصاف کرنے والا) بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں بدلہ لینے والا ہے۔تا کہ عدل قائم ہو سکے۔قیامت کے روز وہ بندوں کے درمیان ان کے حقوق و فرائض اور لین دین کے تمام معاملات میں انصاف کرنے والا ہے۔(۱۶)

علماء نے اس اسم کے معنی یہ بھی بتائے ہیں کہ اسکا ہر فیصلہ ''حق'' ہوتا ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہوتا ہے۔(۱۷) قرآن پاک میں یہ بات مختلف انداز میں دہرائی گئی ہے۔فرمایا:۔

﴿وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ﴾ (۱۸) اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

یہ عدلِ عملی کی طرف اشارہ ہے۔ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

﴿وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ (۱۹) اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے۔

Marfat.com

یہ عدلِ قولی پر دلالت ہے۔ یہ دونوں باتیں ایک اور جگہ یکجا طور پر بھی آئی ہیں۔ یعنی:

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ (۲۰) اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔

دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لیکر زمین تک پھیلا ہوا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات پر اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کیئے ہوئے ہے۔ اور یہی اسکی وحدانیت کی دلیل ہے۔ (۲۱) ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۲۲)

یعنی اللہ نے گواہی دی کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے، وہی خدا انصاف کو لیکر کھڑا ہے۔

عدل اور نظام زندگی:

عدل و انصاف صرف نظم و سلطنت ہی کے لیئے مخصوص نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی ضرورت ہے۔ عورتوں، غلاموں، یتیم بچوں، عدالتی معاملات، لین دین، ناپ تول، قرابت داروں، حتّٰی کہ دشمنی تک میں عدل و انصاف سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ گواہی دیتے وقت یا فیصلہ کرتے وقت بالخصوص دو حالتوں میں اکثر لوگوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے ایک تو جب فریقِ مقدمہ اپنا قرابت دار ہو دوسرے جب اس سے کوئی عداوت یا دشمنی ہو۔ لیکن اسلام کی اخلاقی تعلیم اس حالت میں بھی عدل و انصاف سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں رکھتی۔ فرمایا گیا:۔

﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (۲۳)

یعنی: اور جب (گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا ہو) بات کہو تو گو کہ (فریقِ ثانی) اپنا قرابت مند ہی کیوں نہ ہو انصاف کے پابند رہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۲۴)

ترجمہ:۔ مسلمانو خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ معاملات میں عدل سے ہٹ جاؤ۔ ہر حال میں عدل کرو کہ عدل پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا بھی ایک عدالتی معاملہ ہے۔ اس میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ تلواریں نیام سے نکل چکی ہوں اور عقل کی قوت اور نیکی کی استعداد کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو اس عالم میں بھی ہدایت ہے کہ عدل و انصاف کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى

Marfat.com

﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَاءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۲۵)

یعنی: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے تم بھی لڑو یہاں تک کہ وہ حکمِ خداوندی کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب وہ رجوع کرلے تو دونوں میں برابری اور عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

عادل حاکم کی فضیلت:

ان آیات میں اگرچہ عدل کا ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے لیکن امامِ وقت اور حاکم کے لیئے عادل ہونا اور بھی ضروری ہے، کیونکہ اگر کسی حکومت میں عدل و انصاف نہ ہو تو پھر کسی مظلوم کی دادرسی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیئے احادیث میں امامِ عادل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا خدا تعالیٰ سات قسم کے اشخاص کو اپنے سایہ میں لیگا جن میں ایک شخص امامِ عادل ہوگا۔ (۲۶)

میثاقِ مدینہ کی رو سے نبی اکرمؐ مدینہ اور اطراف میں آباد غیر مسلم اقوام بالخصوص یہود کے بھی حاکم تسلیم کر لیئے گئے تھے۔ اور یہ وہ قوم تھی جو کھلم کھلا اور ڈھکے چھپے ہر طرح سے اسلام دشمنی پر تلی ہوئی تھی۔ تاہم ان کے معاملات میں بھی فیصلہ کرتے وقت وحی الٰہی رسولِ اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے یہ کہلواتی ہے کہ:۔

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ. اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ. لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ. لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (۲۷)

یعنی: اور کہہ دیجیئے کہ میں ہر اس کتاب کو مانتا ہوں جو اللہ نے اتاری اور مجھے خدا سے یہ حکم ملا ہے کہ میں تمہارے بیچ میں انصاف کروں، اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا، ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ ملنا ہے اور تم کو تمہارے کاموں کا، ہم میں تم میں کچھ جھگڑا نہیں، اسی کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔

جس عدل اور برابری کا اس آیتِ مبارکہ میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہیاس کے کئی پہلو ہیں" ایک یہ کہ جو سچائی مجھ تک پہنچی ہے میں اس کو برابر تم سب تک پہنچا دوں۔ دوسرا یہ کہ محض دینی مخالفت کی وجہ سے تمہارے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے بلکہ وہ معاملہ کیا جائے جس کا تقاضا عدل و انصاف کرتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ اب تک تم میں مقدمات کے فیصلہ کی جو یہ صورت جاری ہے دولت مندوں اور عزت والوں کے ساتھ رعایت اور عام لوگوں کے ساتھ سختی کا قانون برتا جائے، میرے خدا نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے عام و خاص اور امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں اور برابری کا سلوک کیا جائے۔ ہمارا اور تمہارا رب سب کا ایک ہی ہے۔ ہم سب اس کے غلام ہیں اس لیئے اس کے سب غلاموں کے لیئے ایک ہی قانون ہونا چاہیئے۔ ہم کو ہمرائے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں، سب کو قیامت کے روز اس مالک کے سامنے پیش ہونا ہے جس کا کام اس کو پسند آئے گا اس کو ویسا ہی انعام ملے گا۔ اور اگر برا کام کیا ہوگا تو

Marfat.com

ویسی ہی سزا ملے گی۔ (۲۸)

ایک دوسری جگہ بھی یہودیوں کے معاملات کے بارے میں حکم ربانی ہوا کہ:۔

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۲۹)

ترجمہ:۔ اور اگر ان میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہود آپؐ کے شدید ترین دشمن ہونے کے باوجود اپنے تمام مقدمات آپؐ ہی کی بارگاہِ عدالت میں لاتے تھے اور آپؐ ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ اسلام سے قبل یہودیانِ بنونضیر اور قریظہ میں عزت وشرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیر کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا لیکن اگر قریظی مارا جاتا کسی نضیری کے ہاتھوں تو اس کے خون کی قیمت سوبا شُتر چھوہارا مقرر تھی۔ اسلام کے دور میں جب ایسا واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرتؐ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپؐ نے توراۃ کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کر دیا۔ (۳۰)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب خیبر کی زمینوں کی بٹائی لینے کے لیئے نبی اکرمؐ نے بھیجا تو انھوں نے وہاں جا کر کل فصل کے دو برابر حصے کیئے اور فرمایا جو حصہ چاہو رکھ لو اور جو چاہو ہمارے حوالے کر دو اس پر وہی دشمن یہودی پکار اٹھے کہ ”اسی عدل کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہیں۔“

حضرت ابو حدرو اسلمیؓ کا بیان ہے کہ ”مجھ پر ایک یہودی کا چار درہم کا قرض تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ رسولِ اکرمؐ غزوۂ خیبر کا ارادہ فرما رہے تھے۔ اس نے مجھ سے تقاضا کیا میں نے مہلت مانگی تو وہ نہ مانا اور مجھے پکڑ کر رسولِ اکرمؐ کے پاس لے گیا۔ آپؐ نے مجھ سے دو مرتبہ فرمایا کہ اس کا حق ادا کر دو۔ میں نے عذر پیش کیا اور کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ مہم خیبر کا ارادہ فرما رہے ہیں شاید ہمیں وہاں سے کچھ غنیمت ہاتھ لگے۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ اس کا حق ادا کر دو۔ اور یہ قاعدہ تھا جب رسولِ اکرمؐ کسی بات کے لیئے تین بار فرما دیتے تو پھر عذر باقی نہ رہتا۔ چنانچہ میرے پاس بدن پر ایک تہہ بند اور ایک عمامہ تھا۔ میں نے اس یہودی سے کہا کہ یہ تہہ بند مجھ سے خرید لو چنانچہ اس نے چار درہم میں وہ تہہ بند مجھ سے خرید لیا اور میں نے عمامہ سر سے اتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔ اتنے میں ایک عورت میرے پاس سے گزری تو اس نے اپنی چادر مجھے اوڑھا دی۔ (۳۱)

ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں آپؐ نے بطور قعض لیں، جب وہ تقاضے کے لیئے آیا تو آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کریں۔ انصاری نے کھجوریں اسے دے دیں لیکن وہ ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس شخص نے دی تھیں اس لیئے اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری نے کہا کہ تم رسول اللہؐ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو؟ بولا ہاں اگر رسول اللہؐ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے؟ آنحضرتؐ نے یہ جملہ سنا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ کہتا ہے۔ (۳۲)

رسول اللہؐ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ ازیت ومصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپ منتقم ہوتے مخالفین کو سخت سزائیں دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے مابین ہونے والے تنازعات میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے لیکن آپؐ نے اس کے برعکس عدل وانصاف کی نہایت شاندار اور بے نظیر مثالیں قائم کیں کیونکہ عدل وانصاف

Marfat.com

ہی اجتماعی زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ (۳۳) اسلام ظلم واستحصال سے پاک معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیئے جامع اور مربوط نظامِ عدل پیش کرتا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے معاشرے میں امن وامان اور خیر و برکت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ (۳۴) اللہ تعالیٰ سورۃ نساء میں ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۳۵)

ترجمہ:۔ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ذمہ تبلیغ دین کے ساتھ قضا کا فریضہ بھی عائد کیا ہے اور نبی اکرمؐ نے بہ احسن یہ فریضہ نبھایا اور آپؐ کے بعد خلفاء راشدین نے اور پھر ان کے تابعین نے یہ خدمت انجام دی۔

اہلِ طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں عرب کے ایک سردار صخرؓ کا بڑا ہاتھ تھا، کیونکہ انھوں نے ہی اہلِ طائف کا محاصرہ کر کے انھیں صلح کرنے پر مجبور کیا تھا۔ انہی حضرت صخرؓ کے بارے میں آپ کو دو شکایات موصول ہوئیں اور آپؐ نے انصاف کے مطابق دونوں کا فیصلہ ان کے خلاف کیا، اور ان کو تسلیم کرنا پڑا۔ ''ایک تو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے شکایت کی کہ میری پھوپھی ان کے قبضہ میں ہے اور آپؐ نے نہ صرف انھیں چھوڑنے بلکہ احترام کے ساتھ گھر پہنچا کر آنے کا حکم دیا اور دوسری شکایت بنوسلیم نے کی کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخرؓ نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اب جبکہ ہم اسلام لے آئے ہیں ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ سرکارِ دو عالمؐ نے حضرت صخرؓ کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ اس لیئے تم ان کا چشمہ ان کو واپس دے دو۔ راوی کا بیان ہے کہ جب دونوں فیصلے حضرت صخرؓ نے منظور کر لیئے تو میں نے دیکھا کہ رسولِ اکرمؐ کے رخِ انور پر حیاء سے سرخی آ گئی۔'' (۳۶)

اسی طرح قبیلہ مخزوم کے سردار کی بیٹی فاطمہ کے چوری کے واقعہ میں جب سفارش کی گئی تو آپ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ کیا تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلی قومیں اسی لیئے تباہ اور ہلاک ہو گئیں کہ جب کوئی بااثر شخص کوئی جرم کرتا تو اس پر قانون لاگو نہ کرتے اور جب کوئی غریب شخص جرم کا ارتکاب کرتا تو اس پر حد لاگو کر دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔ (۳۷)

یہی وہ مثالیں تھیں جن پر آپؐ کے بعد صحابۂ کرامؓ اور خلفاء راشدین نے عمل کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہلا خطبۂ خلافت جو دیا اس میں ارشاد فرمایا کہ، ''تم میں سے جو ضعیف ہیں میرے نزدیک وہ قوی ہیں جب تک کہ میں ان کو ان کا حق نہ دلوادوں اور جو تم میں سے قوی ہیں وہ میرے نزدیک ضعیف ہیں اس وقت تک جب تک کہ میں ان سے کمزوروں کا حق لیکر ان کو نہ دلوادوں۔'' (۳۸)

خلیفۂ دوم حضرت فاروقِ اعظمؓ کے دورِ خلافت میں ان کے اپنے بیٹے ابوشحمہؓ نے شراب نوشی کی تو خود اپنے ہاتھ سے اسّی کوڑے مارنے کی سزا دی۔ جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا ''بیٹا دنیا میں تجھے سزا مل چکی۔ الحمدُ للہ اب عاقبت بخیر ہوگی۔'' (۳۹)

قاضی شریح جو کوفہ کے مشہور قاضی تھے ان کا تقرر بھی حضرت فاروقِ اعظم نے اسی لیئے کیا تھا کہ اُنھوں نے خود اُن

Marfat.com

کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے حق کا ساتھ دیا اور خلافت کا لحاظ نہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص سے آپؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں گھوڑا خریدا اور ایک سوار کو دیا کہ دوڑا کر اس کی جانچ کرے، اسی سواری کے دوران گھوڑا زخمی ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور نزاع پیدا ہو گیا۔ جس پر حضرت شریحؒ کو ثالث بنایا گیا' انھوں نے فیصلہ دیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں، اور یہ فیصلہ خلیفہ حضرت عمرؓ کے خلاف جاتا تھا۔ پھر بھی آپؓ خوش ہوئے اس فیصلے سے اور فرمایا'' حق یہی ہے۔''

یہی وہ قاضی شریحؒ ہیں جنھوں نے خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہونے کے مقدمہ میں یہودی کے خلاف آپؓ کے بیٹے اور غلام کی گواہی آپؓ کے حق میں قبول نہ کی اور عدمِ گواہی کی بناء پر یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تو اس یہودی نے یہ انصاف دیکھ کر اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور اقرار کیا کہ یہ زرہ حضرت علیؓ ہی کی ہے جو ان کے اونٹ سے گر گئی تھی اور اس نے اٹھالی تھی۔ (۴۰)

عدل اور انصاف کی یہ مثالیں صرف نزاع کی صورت میں ہی نہیں ملتیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بے شمار ایسی نظیریں سیرتِ طیبہؐ میں نظر آتی ہیں۔ ایک صحابیؓ نے اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو کچھ عطیہ دیا اور رسولِ اکرمؐ کو اس سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم نے سب بیٹوں کو عطا کیا ہے؟ جواب نفی میں آیا تو فرمایا:

''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعدِلُوا بینَ اولادِکُم'' یعنی: اللہ سے ڈرو اور اولاد کے مابین عدل کرو۔ (۴۱)

سابقہ انبیاء کا مشن انصاف کا قیام:

نہ صرف نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰؐ کا بلکہ گذشتہ تمام انبیاء کا مشن بھی لوگوں کو ہدایت کی تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے دین کا نفاذ اور انصاف کا قیام بھی تھا۔ انبیاء کو روشن نشانیوں، کتب اور میزان کے ساتھ بھیجا گیا تا کہ دنیا میں انسان کا رویہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی عدل پر قائم ہو۔ ایک طرف ہر انسان اپنے خدا کے حقوق، اپنے نفس کے حقوق اور ان تمام بندگانِ خدا کے حقوق جن سے اس کو کسی بھی طور سابقہ پیش آتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک جان لے اور پورے انصاف کے ساتھ ان کو ادا کرے اور دوسری طرف اجتماعی زندگی کا نظام ایسے اصولوں پر تعمیر کیا جائے جن سے معاشرے میں کسی نوعیت کا ظلم باقی نہ رہے۔ تمدن و تہذیب کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو، حیاتِ اجتماعی کے تمام شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو، اور معاشرے کے تمام عناصر انصاف کے ساتھ اپنے حقوق پائیں اور اپنے فرائض ادا کریں۔ بالفاظ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصود انفرادی بھی تھا اور عدل اجتماعی بھی، وہ ایک ایک فرد کی شخصی زندگی میں بھی عدل قائم کرنا چاہتے تھے تا کہ اس کے ذہن، اس کی سیرت، اس کے کردار اور اس کے برتاؤ میں توازن ہو، اور انسانی معاشرے کے پورے نظام کو بھی عدل پر قائم کرنا چاہتے تھے، تا کہ فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کی روحانی، اخلاقی اور مادی فلاح میں مانع و مزاحم ہونے کی بجائے معاون و مددگار ہوں۔ (۴۲) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اس بات پر مامور فرما کر انسانوں کو اس امر کا پورا اختیار دے دیا کہ جو چاہے رسولوں کی دعوت قبول کرے اور جو چاہے اسے رد کر دے، قبول کرنے والوں کو پکارا کہ آؤ اس نظام کو قائم کرنے میں میرا اور میرے رسولوں کا ساتھ دو، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جان توڑ جدوجہد کرو جو ظلم و جور کے نظام کو

Marfat.com

باقی رکھنے پر تلے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ،

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ. اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ. وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾(۴۳)

ترجمہ: اے نبیؐ! اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لیکر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔ اس سے قبل وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے توراۃ اور انجیل نازل کر چکا ہے، اور اس نے وہ کسوٹی اتاری ہے (جو حق اور باطل کا فرق دکھانے والی ہے) اب جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ اللہ بے پناہ طاقت کا ملک اور برائی کا بدلہ دینے والا ہے۔

نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا میں دو ہی قومیں ایسی تھیں جو کسی نہ کسی طرح صاحب تھیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے انبیاء کرام کی شریعتوں میں کافی رد و بدل کر چکی تھیں لیکن پھر بھی ان کی روح کسی نہ کسی طرح موجود تھی ایک طرف بنی اسرائیل تھے جو اب یہودی بن چکے تھے اور حضرت موسیٰ کی شریعت پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے دوسری طرف نصاریٰ تھے جو حضرت عیسیٰ کی شریعت کو ماننے کے دعوے دار تھے لیکن درحقیقت صرف اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے غلام بن کے رہ گئے تھے۔ اور اصل تعلیمات کو یکسر فراموش کر چکے تھے وہی تعلیمات جن کا اعادہ کرنے کے لیے نبی اکرم کو معبوث فرمایا گیا تھا اس اعادہ کے ساتھ ساتھ ان تعلیمات کو مکمل بھی کرنا مقصود تھا تاکہ رہتی دنیا تک کسی اور نبی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

شریعت یہود اور عدل:

حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا گیا اور جو شریعت یعنی توریت حضرت موسیٰ کو دے کر بھیجا گیا اس میں عدل و انتقام پر زیادہ زور دیا گیا اس لیے کہ بنی اسرائیل پرلے درجے کی ہٹ دھرم بے ایمان، بدکار و نافرمان، بے ادب اور گستاخ، پست ہمت، لالچی و مفت خور، ظالم و سود خور، حیلہ ساز و بہانہ ساز، بدعہد و احسان فراموش شکی القلب اور ضعف ایمانی کا شکار غرض یہ کہ جس قدر بھی شیطانی صفات خدا کے باغیوں میں ہوسکتی ہیں سب سے آراستہ و پیراستہ تھی ایسی قوم سے نپٹنے کے لیے عفو و درگزر کے بجائے سخت سزاؤں کی زیادہ ضرورت تھی چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ. فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ. وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(۴۴) ترجمہ: توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک کان کے بدلے کان دانت کے بدلے دانت اور تمام ذخموں کے لیے برابر کا بدلہ ہے۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

Marfat.com

عہد شکنی و غداری اور نا فرمانی و طغیانی کے ذیل میں یہودیوں کی ایک مخصوص تاریخ ہے توریت کے اوراق اور انجیل کے صفات میں جا بجا یہ داستانیں بکھری پڑی ہیں (۴۵) چند ایک ملاحظہ ہوں "تب خداوند نے موسیٰؑ کو کہا نیچے جا کیونکہ تیرے لوگ جن کو تو مصر کے ملک سے نکال لایا بگڑ گئے ہیں وہ اس راہ سے جس کا میں نے ان کو حکم دیا تھا بہت جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لیے قربانی چڑھا کر یہ بھی کہا کہ اے اسرائیل یہ تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال لایا۔ اور خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ گردن کش قوم ہے(۴۶) "تمہاری بدکاری نے ان چیزوں کو تم سے دور کر دیا اور تمہارے گناہوں میں اچھی چیزوں کو تم سے باز رکھا کیونکہ میرے لوگوں میں شریر پائے جاتے ہیں جو پھندا لگانے والوں کی مانند گھات میں بیٹھتے ہیں جو جال پھیلاتے ہیں اور آدمیوں کو پکڑتے ہیں جیسے پنجرا چڑیوں سے بھرا ہوا ہو ویسے ہی ان کے گھر مکر سے پر ہیں پس وہ بڑے اور مالدار ہو گئے۔ وہ برے کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں وہ فریاد یعنی یتیموں کی فریاد نہیں سنتے تا کہ ان کا بھلا ہو اور محتاجوں کا انصاف نہیں کرتے۔ خدا وند فرماتا ہے کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دونگا؟ اور کیا میری روح ایسے قوم سے انتقام نہ لے گی؟ (۴۷)

دیکھا خدا وند کا ہاتھ چھوٹا نہیں ہو گیا کہ بچا نہ سکے اور اس کا کام بھاری نہیں کہ سن نہ سکے بلکہ تمہاری بدکاری نے تمہارے اور تمہارے خدا کے درمیان جدائی کر دی ہے۔ اور تمہارے گناہوں میں اسے تم سے روپوش کیا ایسا کہ وہ نہیں سن پائے۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ خون سے اور تمہاری انگلیاں بدکاری سے آلودہ ہیں۔ تمہارے لب جھوٹ بولتے ہیں اور تمہاری زبان شرارت کی باتیں بکتی ہے۔ کوئی انصاف کی بات پیش نہیں کرتا اور کوئی سچائی سے حجت نہیں کرتا وہ بطالت پر توکل کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ زیاں کاری سے بار دار ہو کر بدکرداری کو جنم دیتے ہیں۔ ظلم کا کام ان کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کے پاؤں بدی کی طرف دوڑتے ہیں اور وہ بے گناہ کا خون بہانے کے لیے جلدی کرتے ہیں ان کے خیالات بدکرداری کے ہیں تباہی اور ہلاکت ان کی راہوں میں ہے وہ سلامتی کا راستہ نہیں جانتے ان کی روش میں انصاف نہیں ہے وہ اپنے لیے ٹیڑھی راہ بناتے ہیں جو کوئی ان میں جائے گا سلامتی کو نہ دیکھے گا۔ (۴۸)

یہ وہ اقتباسات ہیں جو آج بھی یہود تلاوت کرتے ہیں۔ ان میں یہودیوں کے کالے کارناموں کا صاف صاف بیان موجود ہے۔ قرآن مجید میں بھی ان کی شیطانی صفات و بدعہدی کے تذکرے اجمالی طور پر جا بجا بیان کیے ہیں کیونکہ قرآن کے نزول کا مقصد بندگی رب کی دعوت ایمان و اخلاق کی تکمیل اور حق و انصاف کی تجدید ہے۔ یہ تینوں چیزیں بنی آدم کے لیے مشترک ہیں۔ اور قرآن نے امت مسلمہ کے سامنے یہود کو ایک گمراہ امت سابقہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ تا کہ امت حاضرہ ان لغزشوں اور کوتاہیوں سے محفوظ رہے اور زوال سے دوچار نہ ہو۔

شریعت مسیحؑ اور عدل:

یہود کے بعد دوسری بڑی جماعت نصاریٰ کی تھی جو حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی دعوے دار تھی۔ بائبل میں اخلاقی تعلیمات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت مجسم عدل ہے اور اس میں احسان درگزر کی گنجائش بہت کم رکھی گئی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس حضرت عیسیٰؑ کے شریعت مجسم رحمت ہے۔ اس میں عدل و انصاف کی روح بہت کم پائی

Marfat.com

جاتی ہے(۴۹)۔ بائبل میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دو۔ اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چغہ بھی اسے لے لینے دو۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلے جاؤ''۔(۵۰)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صفائے روحانی، مادی علائق سے بے نیازی اور صبر وتحمل کے سلسلے میں مسیحت منتہائے کمال کو جا پہنچی اور اس نے انسان کی روحانی زندگی کے اس پہلو کے سلسلے میں وہ سب کچھ کر دکھایا جو کسی مذہب کے لیے ممکن ہو سکتا ہے۔ اس نے روح وجدان کو بلندی و پاکیزگی عطا کی۔ قلب وضمیر کی تطہیر کی اور انسان کو خواہشات نفس پر اتنا قابو یافتہ بنا دیا کہ فکر آخرت دینوی ضروریات پر بھی غالب ہوگئی۔ اور ان کے اصل منزل عالم خیال کی مقدس تمنائیں قرار پائیں۔ اس کی خاطر اس نے اجتماعی زندگی کو حکومت وقت کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنے سیکولر قوانین کے زریعے اس کی تنظیم عمل میں لائے۔ کیونکہ خود مسیحت کی توجہ تمام تر قلب وضمیر کی دنیا پر مرکوز تھی۔ پہلے کلیساء نے عیسائیت کی جو مخصوص شکل دے دی تھی اور جس مخصوص فضا میں مسیحت پروان چڑھی تھی اس کے ساتھ یہ پالیسی منطقی ربط رکھتی تھی اور یہی طریقہ اس زمانے میں اسرائیلی قوم کی ضروریات کے مطابق بھی تھا۔ لیکن جب ان اقوام نے دیکھا کہ یہ مذہب عملی زندگی کے لیے کچھ زیادہ موضوع اور فائدہ مند نہیں تو انہوں نے یہ نظریہ گھڑ لیا کہ مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان ایک تعلق کا نام ہے، چنانچہ مذہب ہمیشہ قلب و ضمیر کی خلوتوں میں گوشہ گیر رہا اور کبھی بھی ہیکل مقدس یا کرسٹی اعتراف سے آگے نہ بڑھ سکا لہذا مسیحت کبھی بھی ایک ایسا نظام بن کر قائم نہ ہو سکی جو پوری زندگی پر ہادی ہو اور اس دنیا کو عالم بالا سے مربوط رکھ سکے۔(۵۱)

حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے "جو تمہارے داہنے رخسار پر طمانچہ مارے اپنا بایاں رخسار بھی اس کے سامنے کر دو"۔ انسانی فطرت کا مطالعہ کیا جائے تو با آسانی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ زیادتی کو روکنا اور ظلم کا انتقام لینا ایک فطری جذبہ ہے۔ اگرچہ ہمیشہ جذبہ انتقام سے کام لینا خصوصاً جبکہ انسان قوت و استعداد رکھتے ہوئے صاحب اقتدار بھی ہو۔ انسانیت کی جلدی و ارتقاء کے لیے نقصان دہ ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فطری جذبے کو کلی طور پر کچل دینا بھی انسانیت کے مفاد میں نہیں، کیونکہ بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ظلم کا انتقام نہ لیا جائے تو اس کا ظالم کو فائدہ ہی پہنچتا ہے اور اس کے ظلم میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور اس تعلیم سے نہ تو دنیا کے مسائل حل ہو سکتے ہیں نہ ہی شیطانی فطرت رکھنے والے انسانوں کو قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ ایسی تعلیم سے انسان کے اندر نفسیاتی کشمکش اور اضطراب کا پیدا ہونا لازمی امر ہے جو انسانیت کے ارتقاء کے لیے نقصان دہ ہے۔

شریعت اسلام اور عدل:

یہودیت و نصرانیت کے برعکس اسلام عدل اور احسان دونوں میں حسین امتزاج پیدا کرتا ہے کیونکہ عدل کا تعلق اگر نفس سے ہے تو احسان کا تعلق روح سے ہے اور اسلام جسمانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ روحانی ارتقاء کا بھی خیال رکھتا ہے وہ انسان کو انسانِ کامل دیکھنا چاہتا ہے۔ شریعت اسلام کے مطابق "اللہ تعالیٰ عدل اور احسان دونوں کو پسند کرتا ہے"۔ ﴿اِنَّ اللّٰہ

Marfat.com

﴿یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ فرد کی معاشرے میں دو حیثیتیں ہیں ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ اجتماعی زندگی میں کوئی بھی جماعت یا حکومت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس میں عدل نہ ہو۔

مذہب اسلام کی ایک سب سے بڑی خوبی اس دین کا ناقابل تقسیم اکائی ہونا ہے۔ اس کے عبادات و معاملات اس کے قوانین اور اس کی ہدایات سب مل کر ایک کُل بناتے ہیں جو ناقابلِ تجزیہ ہے۔ اس دین کا مطالعہ کرنے والے کو اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اجتماعیت اس کے مذہبی آداب و مراسم اور نظامِ زندگی دونوں میں صراحیت کیے ہوئے ہے۔ یہ ایک طاقت ور بنیادی فکر بن کر اس کے پورے نظام میں جاری و ساری ہے۔ اس کا ماننے والا کوئی فرد جماعت سے کٹ کر علیحدہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی دین کو اجتماعی زندگی یا اجتماعی زندگی کو دین سے کاٹ کر الگ کیا جا سکتا ہے(۵۲)

اسلام اور عبادت:

اسلام میں نماز جو اہم ترین عبادت ہے جہاں اس کا منشاء یہ ہے کہ فرد و جماعت دونوں ایک صاحبِ قدرت و جبروتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوں، صرف اسی کے آگے سب کی گردنیں جھکیں اور یک سو ہو کر ہر طرح کی کجی اور بے راہ روی سے بچتے ہوئے سب ایک ہی قبلہ کی طرف متوجہ ہوں وہیں ایک طرح کی مساوات اور ایک جزا و سزا کا اختیار رکھنے والی ہستی کی نظر میں برابری کا احساس دلانا بھی اس کا منشاء ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا عقیدہ بھی ضمیر انسانی کو بندوں کی بندگی کے ہر شائبہ سے پاک دیکھنا چاہتا ہے یہی آزادی ضمیر ایک صالح اور پاکیزہ سماج کی تعمیر میں پہلا قدم ہے۔ ایسا سماج جس میں ہر انسان کا درجہ مساوی ہو۔

اسلام میں عبادات محض مراسم بجا لانے کا نام نہیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ پوری زندگی اللہ کے قانون کی تابع ہو اور اپنی ساری سرگرمیوں کے ساتھ خدا ہی کی طرف متوجہ ہوں چنانچہ ہر اجتماعی خدمت اور بھلائی کا کام عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ

"غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا ہے"(۵۳)

اسلام کا مخصوص مزاج دین کو سماج سے الگ کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز فراہم نہیں کرتا بلکہ اسلامی طریقہ کار اور شریعت اسلامی کے دائرے میں رہتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اسلام اور اجتماعی عدل کے قیام کی جدوجہد میں کوئی ٹکراؤ پیدا ہو جائے۔

اسلام میں اجتماعی عدل کا مزاج:

اسلام کے پیشِ نظر پوری انسانی زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا کام تھا۔ اس کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے الوہیت کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی نظریے کو سمجھا جائے جو اجتماعی عدل کی بنیاد اور اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع و منبع ہے۔ اسلام کے پاس الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصور اور ایک مکمل نظریہ ہے اس کے تمام فروع اور جزئیات اسی نظریہ سے نکلی ہیں۔ اس کے نظریات کے قوانین، اس کی متعین کردہ حدود اور عبادات و معاملات کے باب میں ہدایات سبھی اس اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ اسی جامع اور مکمل فقر کی روشنی میں اس کی عملی

Marfat.com

پالیسی بھی بنتی ہے۔ وہ ہر مسئلے کے لیے علیحدہ حل پیش نہیں کرتا۔ کیونکہ اسلام ایک ناقابل تقسیم کل ہے۔ جس کا ہر جز دوسرے اجزاء سے گہرے طور پر مربوط ہے اور حیات انسانی کے لیے یہ نظام اسی وقت نفع بخش ہوسکتا ہے جب اسے پورے کا پورا اپنایا جائے۔ اسلام بلاشبہ دین توحید ہے کیونکہ وہ کائنات کی ساری قوتوں کے درمیان وحدت و یکجہتی کا قائل ہے اس کے یہاں خدا ایک ہے، اللہ کے دین کے شکل میں سارے الہامی مذاہب کو ایک قرار دیا گیا ہے اور آغاز حیات سے اسی دین واحد کے پیغمبر ہونے کی حیثیت سے سارے انبیاء بھی ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ﴾(۵۴)

بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی جماعت ہے۔ اور میں تم سب کا پروردگار ہوں۔ لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اسلام عبادت اور کاروبار، عقیدہ اور عمل، روحانیت اور مادیت، معنوی قدروں اور معاشی قدروں دنیا اور آخرت، زمین اور آسمان غرض ہر چیز کے درمیان وحدت کا قائل ہے۔ اسی عظیم وحدت سے اسلام کے فرائض وقوانین، ہدایات و حدود اور سیاسی و معاشی امور میں اس کی رائیں ابھرتی ہیں۔ اس کی روشنی میں حقوق وفرائض متعین کرتا ہے اور نفع نقصان کی تقسیم عمل میں لاتا ہے۔ الغرض اس کے سارے اجزاء اور تمام تفصیلات اسی اصل اصول میں پنہاں ہیں۔ کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی طرز فکر کی یہ اساس اگر ہماری سمجھ میں آجائے تو اسلام میں اجتماعی عدل کے بنیادی خطوط خود بخود واضح ہوجاتے ہیں۔

اسلام میں اجتماعی عدل کے قیام کے ذرائع:

اسلام کے اجتماعی عدل کے تصور کی یہ خاصیت ہے کہ یہ محدود معنی میں کسی ایک شعبہ زندگی میں عدل کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے عمل میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سے سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار کسی ایک قدر پر نہیں وہ نہ صرف اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں بلکہ معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے۔ اسلام انسان کو ایک ایسی وحدت تصور کرتا ہے جس کے روحانی میلانات اور جسمانی تقاضوں میں تفریق نہیں کی جاسکتی۔ نہ ہی اس کی مادی اور روحانی ضروریات کو الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں زندگی تعاون و ہم آہنگی اور ہمدردی و مواساۃ کا نام ہے مسلمانوں کے درمیان خصوصاً اور عام انسانوں کے مابین عموماً اجتماعی عمل کے قیام میں یہی دو بنیادی اصول کارفرما ہیں اور ان کے ساتھ انسان کی صلاحیتوں اور فطری و نفسانی خواہشات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اسلام کسی ایک فرد پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور انسان کی فطری حُب ذات اور خودی کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ وعظ و نصیحت اور قانونی پابندیوں کے ذریعے انسان کی خودغرضی اور بخل کا علاج کرتا ہے۔ اور انسان کو دوسروں کی مدد کے جذبے پر ابھارتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ

Marfat.com

ترجمہ: یہ مال اور اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہیں۔ باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجہ کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

اسلام کو ہر بات ہرگز گوارہ نہیں کہ یہ زندگی چند سکوں یا کسی جسمانی و نفسانی خواہش کے گرد گھر کر رہ جائے۔ اس لیے وہ فکر فاقہ اور حاجت مندی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں اور ہر فرد کو بنیادی ضروریات کی تکمیل بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ کی زمانت دیتا ہے وہ ایسی عیش کوشی کی راہیں مستور کر دیتا ہے جس میں نفسانی خواہشات کو کھلی چھٹی مل جائے۔ اور بہت زیادہ فرق و تفاوت رکھنے والے طبقات وجود میں آ جائیں اسلام مال و دولت میں مالداروں پر غریبوں کا حق واجب کر دیتا ہے جس کو زکواۃ کا نام دیتا ہے اور اس کے مقدار اور تمام تر تفصیلات متعین کر کے مالداروں کو پابند کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صدقات کا حکم دیتا ہے اور اس کی مقدار اور شرع مقرر نہیں کرتا بلکہ انسانی ہمدردی پر اس کو انسانی ضمیر کے حوالے کر کے باہمی رحم و کرم کی تعلیمات دیتا ہے تا کہ انسان کے احساس اخوت و ہمدردی کی بناء پر اجتماعی تکافل وجود میں آیا اور دولت مرتکز ہونے کی بجائے گردش کرے اور ان افراد تک بھی پہنچ سکے جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ تا کہ سماج میں اس حوالے سے بھی عدل قائم ہو، مساوات برپا ہوں اور نشو نما کے لیے سازگار فضا اور ماحول بن سکے۔ مساوات اور برابری میں انسانوں کے بعد مرد اور عورت کے طبقات کے درمیان بھی عدل قائم کرتا ہے اور دونوں کو ایک ہی مقام عطا کرتا ہے اس کے نظر میں آقا اور غلام مرد و عورت یکساں ہیں فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ کا قرار دیا گیا ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں ہر قانون میں اور ہر اصول میں مرد و عورت کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کرتا ہے سماج کی بنیاد خاندانی نظام کو قرار دیتا ہے۔ چونکہ نظامِ خاندانی کو وجود و استحکام بخشنے میں صرف حیاتیاتی اور نفسیاتی عوامل ہی کو دخل نہیں، ضرورت اور مصلحت کے بھی کچھ تقاضے ہیں جو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان تعلق پیدا کر کے ایک گھرانے کی تشکیل کرتے ہیں۔ اسلام دونوں کے یکساں حقوق و فرائض متعین کرتا ہے اور ان کو اپنی حدود کا پابند بناتا ہے اور اس کے بعد ان رشتوں اور تعلقات کا نمبر آتا ہے جو ایک ہی خاندان کے مختلف افراد کو باہم جوڑتے ہیں ار ان سب کو ملا کر ایک وحدت بناتے ہیں۔ یہیں پر قانون وراثت باہمی توازن کا زریعہ بنتا ہے۔ ہمسایوں کے حقوق اور رشتے داروں سے صلہ رحمی کے احکامات رشتہ اور تعلقات کو خوبصورتی سے جوڑے رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے انتظام کرتا ہے، حقوق و فرائض میں کوتاہی برتنے اور حدود کا لحاظ نہ رکھنے پر ہر جرم کے مطابق و مناسب سزا مقرر کرتا ہے تا کہ سزا کے خوف سے لوگ ان حدود کا پاس رکھیں جو ان کے لیے مقرر کی گئیں ہیں۔

نفس انسانی کی گہرائیوں کی بابت اپنے اتھاہ علم کی رہنمائی میں اسلام قانون بھی بناتا ہے اور ترغیب و تلقین کا فرض بھی انجام دیتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ کچھ کاموں کا حکم دیتا ہے اور کچھ چیزوں سے روکتا ہے۔ انسانی نفسیات کے اسی علم کی روشنی میں وہ حدود وضع کرتا اور قانون نافذ کرتا ہے۔ یہ سب کرنے کے بعد وہ ضمیر انسانی کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ قوانین وضوابط کی حدود تک ہی محدود نہ رہے بلکہ جتنا بلند اور اونچا معیار ہو سکے قائم کر لے۔ اسلام میں جو فرائض عائد کیے گئے ہیں ان کو نافذ کر دینے سے بھی زندگی کی گاڑی نہ صرف چل پڑتی ہے بلکہ انسانی زندگی میں موزونیت و صالحیت بھی آ جاتی ہے لیکن طبیعت

Marfat.com

کے علو، قلب ونظر کی وسعت اور نیکی کے کاموں میں مسابقت کی اس روح کو اپنایا جائے جس کے لیے اسلام اور انسانی ضمیر کو ابھارتا ہے تو مسلمان کی شخصیت کمال کے مدارج بھی طے کر لیتی ہے۔

اسلام کا نظام حکومت:

اسلام کے پیش نظر چونکہ کامل اجتماعی عدل کا قیام تھا لہٰذا اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ محض اقتصادی عدل کا محدود نظام بن کر رہ جائے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ قانونی ذمہ داری ہی اس عدل کے قیام کا واحد سہارا ہے چنانچہ اسلام نے اس نظام عدل کو ایک وسیع اور ہمہ گیر انسانی نظامِ عدل کی شکل دی اور اسے دو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ فرد کے داخل میں انسانی ضمیر اور سماج کے خارج میں قانونی ضابطہ بندی۔ اس نے دونوں کو باہم اچھی طرح مربوط رکھا۔ ان دونوں سے کام لیتے ہوئے ایک طرف تو وہ ایک آدمی کے وجدان میں راسخ تاثرات اور جذبات کو ابھارتا ہے اور دوسری طرف وہ انسان کی فطری کمزوری سے بھی غافل نہیں رہتا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان خارج میں ایک ایسی قوت کا شدت سے محتاج ہے جو اسے غلط روی سے بعض رکھ سکے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث فرماتے ہیں کہ، "اللہ تعالیٰ صاحب امر کے ذریعے اس سے زیادہ اصلاح و درستگی فرما دیتا ہے جتنی کہ قرآن کے ذریعے کرتا ہے" (۵۷)

ذاتِ واحد کی الوہیت اور حاکیت تسلیم کرنے کے بعد اسلام میں نظام حکومت حکام کی جانب سے عدل، محکومین کی جانب سے اطاعت اور حاکم ومحکوم کے مابین شوریٰ پہ مبنی ہے یہی وہ بنیادی اصول ہیں جن پر بقیہ تمام نظامِ حکومت قائم ہوتا ہے اور دیگر اصول وضوابط متفرع ہوتے ہیں۔ دور نبویؐ اور خلفائے راشدین ایک صحیح اسلامی نظامِ حکومت کی عملی تصویریں ہیں جن کی مثال آج تک دنیا کی کوئی حکومت پیش نہیں کر سکی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں حاکم اور محکوم کے لیے ایک ہی قانون تھا حاکم صرف ایک منتظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ عوام سے کسی بھی لحاظ سے اعلیٰ و برتر تصور نہیں کیا جاتا تھا جبکہ بعد میں آنے والی حکومتوں نے غیر اسلامی طرز حکومت اپنایا اور ان ہدایات کو فراموش کر دیا جو ان کو دی گئی تھیں۔ امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ "جب سیدنا فاروق اعظمؓ کسی کو کوئی عہدہ سپرد کرتے یا گورنری کے منصب پر فائز کرتے تو ان سے چار چیزوں کا عہد لیا کرتے تھے اور اس عہد و پیمان پر مہاجرین و انصار کے اکابر صحابہ کرامؓ کو گواہ بناتے اور فرماتے

"ترکی گھوڑے کی سواری نہ کرنا، باریک (شاہانہ اور ریشمی) لباس نہ پہننا، چھنے ہوئے آٹے یا میدے کی روٹی نہ کھانا، دروازے پر پہرادار کھڑ کر کے ضرورت مندوں کو اپنے تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ ڈالنا"۔

یہ ہدایات محض سیاسی وعدہ یا ریاکاری پر مبنی نہ ہوتی تھیں بلکہ انہیں عملی طور پر نافذ کیا جاتا تھا اور صورتحال پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی اس سلسلے میں حضرت محمد بن مسلمہ کی تقرری خصوصی طور پر عمل میں لائی گئی تھی وہ دورے کرتے رہتے تھے اور ہر علاقے میں جا کر اعلیٰ عہدے داروں کو دیکھتے تھے کہ وہ ان شرائط پر عمل کر رہے ہیں یا غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ مصر کے گورنر ایاز بن ضغم کے بارے میں مصدقہ اطلاع ملی کہ وہ ان شرائط پر عمل کرنے میں سستی کر رہے ہیں آپؓ نے ان کو بلا کر نہ صرف ڈانٹا بلکہ سزا کے طور پر گورنری کے عہدے سے بھی معزول کر دیا اور کھدر کا لباس پہنا کر فرمایا "تمہیں وہ زمانہ بھول گیا جب تمہارا باپ بکریاں چرایا کرتا تھا اور اسی وجہ سے اس کا نام "غضم" پڑا تھا۔ تم گورنری کے غرور میں اپنی

Marfat.com

اصلیت کو بھول گئے؟ یہ لاٹھی پکڑو اور جا کر بکریاں چراؤ"۔ یہ تھا عدل و انصاف اور مساوات کا وہ عملی نمونہ جس نے مسلمانوں کو وہ عروج بخشا کہ اس کی مثال چشمِ فلک نے پہلے کبھی دیکھی تھی نہ بعد میں کبھی دیکھنے میں آئی۔(۵۸)

قانون کو نافذ کرنے، معاشرے کی مختلف پہلوؤں سے نگرانی کرنے، اس میں عدل توازن برقرار رکھنے اور اسلامی اصولوں کے مطابق دولت کی تقسیم عمل میں لانے کا کام بھی بالآخر نظامِ حکومت ہی کے ذمہ کیا گیا ہے لہذا حاکم کے لیے سخت شرائط لازم ہیں تاکہ صاحب شریعت اور عادل شخص جو خدا کا خوف دل میں رکھتا ہو صحیح اسلامی خطوط پر عوام کو لیکر چلے۔ نبی اکرمؐ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں ارشاد فرمایا ہے کہ، "اگر تم پر ایک حبشی نکٹا غلام بھی حاکم بنا دیا جائے اور وہ تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے طریقے پر لیکر چلے تو تم پر اس کی پیروی لازم ہے"۔ (۵۹) حاکموں کو خدا کو خوف دلانے کے لیے ارشاد فرمایا "جس حاکم نے عوام کے اندر تجارت کی اس نے عدل نہیں کیا"۔ (۶۰) ایک اور موقع پر فرمایا" قیامت کے روز سب لوگوں نے زیادہ بتلائے عذاب ظالم حاکم ہوگا"(۶۱)

کوئی بھی نظام اس وقت تک اللہ کے نزدیک قابلِ قبول اور اسلام کے نزدیک درست نہیں قرار پا سکتا جب تک کے وہ اسلام کے اعتقادی تصور پر مبنی نہ ہو۔ اور صرف شریعت کی بنیاد پر قانون سازی اور ضابطہ بندی کا اصول نا اپناتا ہو۔ ان سب باتوں سے زیادہ اہم یہ بات کہ اس نظام کے چلانے والے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور آقائیت کے آگے سر تسلیم خم کر چکے ہوں اور خود اپنے لیے قانون سازی اور نظامِ زندگی وضع کرنے کے اختیارات کے دعویدار نہ ہوں، کیونکہ اسلام نے یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اور یہی بات اسلامی نظام کو دیگر تمام نظاموں سے الگ اور ممتاز کر دیتی ہے۔ اسلام حاکمیت نہ تو وراثتاً کسی کو عطا کرتا ہے اور نہ کسی مخصوص خاندان کے لیے پابند رکھتا ہے۔ بلکہ عوام کی رضا مندی اور مجلس شوریٰ کے مشورے سے کسی کو عطا کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کے شریعت کا پابند رہے۔ اگر کہیں بھی شریعت کو حاکم چھوڑ دے تو اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں ارشاد فرمایا کہ "جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی پیروی اور اطاعت کروں تم میری اطاعت اور پیروی کرنا اور جب میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے روگردانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں"۔ (۶۲)

نبی اکرمؐ نے بحثیت حاکم عملی طور پر ایسی مثالیں پیش کیں کہ جن سے ثابت ہو گیا کہ اسلام کے نظام حکومت میں حاکم قانون سے بالاتر نہیں ہوسکتا خود اپنی ذات کو بھی آپ نے کئی مواقع پر قصاص کے لیے پیش کیا۔

غزوہ بدر میں صحابہ کرامؓ کی صفیں بنائی گئیں، ایک صف کے قریب سے نبی اکرم گزرے تو ایک صحابی حضرت سوادؓ بن عزیہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے آپؐ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا آپؐ نے اس کے ساتھ کچوکا لگاتے ہوئے ان سے فرمایا کہ صف کو برابر کرو وہ پیچھے تو ہٹ گئے ساتھ ہی عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کا تیر لگنے سے مجھے درد ہو رہا ہے اس لیے میں آپؐ سے قصاص کی التجاء کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور عدل قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ نے فوراً اپنے مبارک شکم سے کپڑا ہٹا کر کہا لو میں حاضر ہوں قصاص کے لیے۔ حضرت سوادؓ فوراً آگے بڑھے اور آپؐ کے شکم مبارک کو چوم کر سینے سے لگا لیا۔ آپؐ نے پوچھا"اس حرکت کا کیا مقصد ہے سوادؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ آپؐ

Marfat.com

سے اپنی اس آخری ملاقات میں میری جلد آپؐ کے مبارک جسم سے چھو جائے۔ اس محبت بھرے جواب پر آپؐ نے ان کو دعائے خیر سے نوازا"۔ (۶۳)

آپؐ نے ایسی مثالیں پیش کر کے عملی طور پر اسلامی نظام حکومت کے اصول سمجھا دیئے کہ حاکم کے اندر عدل وانصاف کی روح سب سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا جب تک حاکم یا امام خود عدل نہیں کرے گا عوام سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ نہ صرف اس معاملے میں بلکہ شعبہ زندگی کے ہر معاملے میں امام کو عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم ہے۔ اسے یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ عوام سے ناجائز طور پر سارا مال چھین کر انہیں مفلس بنا دے یا انکے رزق کے تمام ذرائع و وسائل اپنے ہاتھوں میں لے لیں تاکہ انکی گردنیں ہمیشہ اسکے آگے جھکی رہیں۔ اور وہ انکو اپنا غلام بنا کر رکھ سکے۔ حاکم کو عوام کی روح، انکے جسم، انکی عزت و آبرو، ناموس اور مال و دولت کسی چیز پر بھی کسی قسم کی زیادتی کا حق حاصل نہیں۔ جب وہ قانون وفرائض نافذ کر چکے اور حدود شرعی قائم کرنے اور پھر اسکے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ اس کو عوام پر کوئی اقتدار حاصل نہیں رہتا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جب مسلمانوں نے خلافت کا منصب سنبھالنے کیلئے کہا تو انکی نظر میں اپنا کام اسکے سوا اور کچھ نہ تھا کہ لوگوں میں اللہ کے شریعت اور اس کا دین نافذ کریں۔ اسطرح کا کوئی خیال انکو نہ تھا کہ یہ منصب ان کیلئے کچھ ایسی چیزوں کو مباح کرتا ہے جو رعیت کے عام فرد کی حیثیت سے مباح نہیں تھیں۔ یا انہیں کوئی نیا حق دیتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا یا کسی ایسی ذمہ داری کو ساقط کرتا ہے کو پہلے انکے سر پر تھی، خواہ ذاتی یا خاندانی اور دیگر مسلمانوں کے حوالے سے یا اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہو۔ چنانچہ آپنے خلافت کے بعد فرمایا۔ "اگر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دوں تو میری مدد کرنا اگر کج روی اختیار کروتو مجھے سیدھا کر دینا"۔ (۶۴)

چنانچہ مدینہ کی بیوہ عورتوں کی بکری دوہنا، ضعیف اور بے سہارا لوگوں کے گھر کے کام کاج کرنا یا دیگر وہ فرائض جو آپ نے خود اپنے ذمہ لے رکھیں تھیں ان میں خلافت کے بعد بھی کوئی فرق نہ آیا ور بدستور آپ کو انکو انجام دیتے رہے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے "میرے اوپر تمہارے سلسلہ میں کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہے جنکا میں ذکر کرتا ہوں، تم مجھ سے ان کا مواخذہ کرتے رہنا، میری ذمہ داری یہ ہے کہ تمہارے خراج کو ضابطہ کے مطابق وصول کروں اور حق کے مطابق خرچ کروں"۔

آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اللہ کے مال کو اپنے لئے یتیم کے مال کی حیثیت دے رکھی ہے اگر ضرورت نہ پڑی تو اس سے مستغنی رہونگا اور اگر ضرورت پڑی تو معروف کے مطابق اس میں سے کھاؤں گا"۔ (۶۵)

یہ ہے اصل اسلام کا نظام حکومت اور حاکم کی حیثیت۔ جس میں حاکم نہ صرف عدل وانصاف کا قائم کرنے والا ہے بلکہ سب سے پہلے خود اسکی عملی تصویر پیش کرنے والا بھی ہے۔ ورنہ غیر عادل حکمران اسلام کے نظریہ کے مطابق اطاعت کا ہی مستحق نہیں رہتا۔

اسلام کا معاشی واقتصادی نظام:

اسلام معاشی و اقتصادی باب میں بھی جو اصول اپنا تا ہے وہ اسکے بنیادی نظریہ اور جامع عدل کے عین مطابق ہے۔

Marfat.com

وہ اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ اللہ واحد کی بندگی کا اصول قائم ہوں اور دولت کا استعمال اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہوجائے۔ یہ قانون فرد اور جماعت دونوں کے مصالح کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلے میں ایک موزوں اور معتدل راہ اختیار کرتا ہے جس میں نہ تو فرد کی حق تلفی ہوتی ہے نہ جماعت کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔

انفرادی ملکیت:

اسلام دولت اور مال کی انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے لیکن چند حدود و قیود کے ساتھ وہ حق دار کے حق کی حفاظت اور اسے چوری، ڈاکہ، لوٹ مار وغیرہ کی تمام شکلوں سے بھی محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور بغیر اجتماعی ضرورت کے اور بلا معاوضہ کسی کی ملکیت پر قابض ہونے کو بھی غلط قرار دیتا ہے۔ اور اسکی تحفظ کی عملی ضمانت سخت سزائیں مقرر کر کے دیتا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ اصلاحی ہدایت وتلقینات بھی کرتا ہے جن کے ذریعے وہ نفس کو حب مال سے روکتا ہے اور حرام ذرائع سے مال جمع کرنے کے تمام راستے مسدود کر تا ہے۔ جائز ذرائع اور محنت سے کمائے ہوئے مال نے دوسروں کا حق زکوٰۃ، صدقات، جزیہ، ٹیکس اور خراج کی شکل میں عائد کر کے معاشرے میں دولت کے ارتکاز کو روکتا اور معاشی ہمواری کی راہ بناتا ہے۔ مال کی افزائش، خرچ، لین دین سے متعلق تمام تصرفات کیلئے ضابطے متعین کرتا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ذاتی ملکیت کے حق کو بے لگام نہیں چھوڑ دیتا۔

مال کی گردش:

مال کو لوگوں کے ایک گروہ میں محدود اور مرتکز ہو کر رہ جانا تا کہ دوسرے لوگ اسے نہ پا سکیں سخت ناپسندیدہ ہے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا۔

﴿كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ﴾ (٦٦)

تا کہ مال تمہارے مالدار لوگوں کے درمیان ہی چکر لگا تا نہ رہ جائے۔

یعنی مال دار لوگوں سے انکے مال کا ایک حصہ لیکر غریبوں کی ملکیت میں دے دیا جائے۔ اس مقصد کیلئے اسلام نے زکوٰۃ، صدقات، فئے، خراج، جزیہ، ٹیکس اور وراثت کے قوانین ترتیب دیئے ہیں اور ان میں رکاوٹ ڈالنے والوں کیلئے عذاب شدید کی وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ

﴿فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ﴾ (٦٧)

انکے اموال میں محروم اور (احتیاج کی بناء پر) سوال کرنے والے کا بھی حق ہے۔

زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور اسکے مکمل اور تفصیلی احکامات صادر کئے گئے کہ کن لوگوں سے لی جائے، کتنے مال پر، کس قسم کے مال پر، اور پھر اسکو تقسیم کرنے کے لئے بھی مکمل تفصیلات دی گئیں۔ اور آٹھ مصارف بتائیں کہ زکوٰۃ کی رقم صرف انہی مصارف پر خرچ کیا جائے اسکے علاوہ اگر ضرورت مند ہے یا کسی اور قسم کی ضرورت ہے مثلاً مسجد کی تعمیر، یا کسی نادار اور مفلس کی تجہیز اور تدفین، تو اسکے کیلئے صدقات اور ہدیہ کے احکامات دیئے گئے تا کہ مال دار صرف زکوٰۃ ادا کر کے بری الذمہ نہ ہو جائیں اور معاشرے کے نادار اور دیگر ضروریات کی احتیاج پھر بھی باقی رہ جائے۔

Marfat.com

حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "اے ابن آدم! تیرے لئے ضرورت سے زائد مال کا خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روکے رکھنا برے نتائج کا حامل ہے"۔(۶۸)

قانون وراثت کے ذریعے ایک فرد واحد کی تمام ملکیت اشیاء کو متعدد ورثاء میں مساوی طور پر تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی اولاد میں سے کسی کو یا کسی بھی وارث یا غیر وارث شخص کو وصیت کے ذریعے ایک تہائی سے زیادہ مال ناجائز طور پر دے سکے۔یعنی اپنی ذاتی ملکیت میں سے کوئی شخص ایک تہائی سے زیادہ کسی کیلئے وصیت نہیں کرسکتا،تقسیم وراثت میں اسی حساب سے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ مقرر کردی ہے۔

حضرت بلالؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "جو رزق تجھے عطا کیا گیا ہے اسے چھپا کر نہ رکھ اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے اس میں بخل سے کام نہ لے، میں نے عرض کیا اے اللہؐ کے رسول یہ کیسے ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا یا تو یہ روش اختیار کرنی ہوگی یا جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا"(۶۹)

اسلام کی اس اقتصادی پالیسی عمل پیرا ہونے سے ہی معاشی طور پر اجتماعی عدل کی صورت نظر آئے گیاور اسی صورت میں ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔یہ پالیسی جس کا صرف مختصراً ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے جس عہد میں بھی اختیار کی گئی معاشرے سے غربت،افلاس اور طبقاتی تفاوت کا یکسر خاتمہ ہوگیا اور دنیا کے سامنے ایک روشن مثال قائم کی گئی کہ لوگ زکوٰۃ وصدقات ہاتھوں میں لئے پھرتے تھے اور کوئی انکو لینے والا نہ ملتا تھا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں اکتناز،احتکار،سود،رشوت،لین دین،کو ہر وہ معاملہ جس میں دھوکہ،فراڈ یا ایک فریق کا فائدہ دوسرے کے نقصان کی بنیاد پر ہوتا ہوں قطعاً ناجائز اور حرام ہے اور انکو اختیار کرنے والا مطعون اور خدا کے عذاب کا مستحق ہے۔اور زکوٰۃ، صدقات اور ہر وہ عمل جس سے حب مال اور بخل کی نفی اور گردش دولت ہوتی ہو قابل تحسین ہے۔غرض معاشی و اقتصادی پالیسی کے وہ اصول متعین کئے گئے ہیں جو معاشرے میں اجتماعی عدل کی ٹھوس ضمانت ہیں او اس پہلو سے بھی معاشرے میں مساوات اور عدل کے قیام کیلئے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔(۷۰)

اسلام زندگی کے سارے معقول مقاصد کے حصول کا اہتمام کرتا ہے۔ساتھ ہی اوہ ان تمام امور میں اخلاقی پہلو کہ تحفظ کا پورا لحاظ رکھتا ہے۔اسلام کی یہ ایک عظیم خاصیت ہے کہ وہ زندگی کو مختلف خانوں میں تقسیم نہیں کرتا،مقاصد اور انکے ذرائع کے درمیان کوئی تضاد پیدا نہیں ہونے دیتا۔زندگی کو ایک اکائی قرار دیتا ہے۔ اور انسانیت کو زندگی کے بارے میں ایک مکمل نظریہ عطا کرتا ہے چنانچہ اس فطری نتائج کو بروئے کار لانے کیلئے ضروری ہے کہ اسے مکمل طور پر اسی طرح نافذ کیا جائے جیسے نبی اکرمؐ نے ہجرت مدینہ کے بعد نافذ کر کے دکھایا۔ورنہ اسکے بنیاد میں ذراسی تبدیلی اور کوتاہی بھی اس میں ایسا خلل پیدا کردیتی ہے جس سے سارا نظام متاثر ہو جاتا ہے اور عدل و مساوات اور زندگی کے ہر شعبے کا وہ حسن جو متوازن نظام کی شکل میں سامنے آسکتا ہے زائل ہو کر رہ جاتا ہے۔لیکن اس کوتاہی کا سبب اسلام کے اصول نہیں بلکہ انکو نافذ کرنے والے افراد بنتے ہیں۔اور یہ بات دور رسالت کے نظام،اسکے بعد خلفاء راشدین اور پھر بعد کی اسلامی حکومتوں میں سے بعض کے عہد ثابت کرتے ہیں۔چنانچہ لازم ہے کہ اگر اجتماعی عدل کی ضرورت و حاجت ہے تو اجتماعی نظام،سیاسی ادارے،اقتصادی نظام، طرز

Marfat.com

حکومت، تمام تر اسلامی تصور کے ماخذ ہوں اسکے سوا کچھ اور نہ ہو۔

آج مسلمانوں کو اپنی حالت سدھارنے اور دنیا میں سر اٹھا کر رہنے کیلئے یہ اشد ضروری ہو چکا ہے کہ اہل اسلام بندگی کو صرف اللہ کا حق قرار دے کر اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت اور نبی اکرمؐ کی سنت کے مطابق ڈھالیں تا کہ اس پستی اور رسوائی سے نکل کر دنیا میں عزت و آبرو سے جی سکیں اور ثابت کر سکیں کہ اسلام وقتی مذہب نہیں تھا، یہ قیامت تک کیلئے ہر طرح کے حالات اور ہر قوم کیلئے قابل عمل اصول فراہم کرتا ہے۔ جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن سورۃ النساء ۱۳۵...... ۲۔ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل دوم بحوالہ شرح السنۃ ...... ۳۔ پروفیسر عبدالحمید ڈارلیس ۔مِنا ً لاہور نشریات میٹرو پرنٹرز ۲۰۱۰ء ص ۴۳...... ۴۔ سید مشتاق علی شریعتِ عدل و احسان اور نبی آخرالزمان ﷺ لاہور مکتبہء تعمیر انسانیت ۱۹۸۷ء ص ۴۵ ...... ۵۔ القرآن سورۃ المائدہ ۸...... ۶۔ غلام رسول مہر سرورِ عالمؐ لاہور کتاب منزل س ن ص ۱۹۰ ...... ۷۔ مقدمہ رپورٹ اسلامی نظامِ عدل اسلام آباد نظریاتی کونسل پاکستان ۱۹۸۴ء ص ۱ ...... ۸۔ المفردات راغب اصفہانی ص ۳۲۵...... ۹۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ ج ۶ کراچی دارالاشاعت ۱۹۸۴ء ص ۲۱۸ ...... ۱۰۔ حافظ زاہد علی پیغمبرِ اسلامؐ اور اخلاقِ حسنہ لاہور راحت پبلشرز ۲۰۰۶ء ص ۳۱۱ ...... ۱۱۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر سیرتِ پاک ﷺ کی خوشبو کوئٹہ سیرت اکادمی بلوچستان ۱۹۹۳ء ص ۸۳...... ۱۲۔ القرآن سورۃ المائدہ ۸...... ۱۳۔ القرآن سورۃ النحل ۹۰ ...... ۱۴۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر سیرتِ پاک ﷺ کی خوشبو ص ۸۴ ...... ۱۵۔ حافظ زاہد علی پیغمبرِ اسلامؐ اور اخلاقِ حسنہ ص ۳۱۳...... ۱۶۔ محمد ایوب سپرا الاسماء الحسنٰی کراچی سُبلُ السلام ۲۰۰۴ء ص ۱۲۴ ...... ۱۷۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ ج ۶ ص ۲۱۸...... ۱۸۔ القرآن سورۃ غافر ۲۰...... ۱۹۔ القرآن سورۃ الاحزاب ۴ ...... ۲۰۔ القرآن سورۃ الانعام ۱۱۵...... ۲۱۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ ج ۶ ص ۲۱۹...... ۲۲۔ القرآن سورۃ آل عمران ۱۸ ...... ۲۳۔ القرآن سورۃ الانعام ۱۵۲ ...... ۲۴۔ القرآن سورۃ المائدہ ۸...... ۲۵۔ القرآن سورۃ الحجرات ۹ ...... ۲۶۔ صحیح بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش ...... ۲۷۔ القرآن سورۃ شوریٰ ۱۵ ...... ۲۸۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ ج ۶ ص ۲۲۱...... ۲۹۔ القرآن سورۃ المائدہ ۴۲...... ۳۰۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ ج ۲ ص ۱۸۷...... ۳۱۔ محمد نور بخش توکلی سیرت رسولِ عربی ﷺ کراچی تاج کمپنی لمیٹڈ ۱۹۳۸ء ص ۴۰۷...... ۳۲۔ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ ج ۲ ص ۱۸۳...... ۳۳۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی خلقِ عظیم اسلام آباد دعوۃ اکیڈمی ۲۰۰۵ء ص ۱۱۸...... ۳۴۔ مقدمہ رپورٹ اسلامی نظامِ عدل اسلام آباد نظریاتی کونسل پاکستان ۱۹۸۴ء ص ۲...... ۳۵۔ القرآن سورۃ النساء ۵۸ ...... ۳۶۔ حافظ زاہد علی پیغمبرِ اسلامؐ اور اخلاقِ حسنہ ص ۳۱۷...... ۳۷۔ ترمذی کتاب الحدود ۸۳/۴...... ۳۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء کراچی مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۷۶ء ص ۱۳۳ ...... ۳۹۔ عبدالسلام خان خلفاء راشدین لاہور فیروز سنز لمیٹڈ س ن ص ۱۲۰ ...... ۴۰۔ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۲۷۳...... ۴۱۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر سیرتِ پاک ﷺ کی خوشبو ص ۸۷ ...... ۴۱۔(ب) ڈاکٹر رخسانہ جبیں

Marfat.com

حالاتِ حاضرہ میں سیرت کا پیغام لاہور مکتبہ خواتین میگزین ۲۰۱۱ء ص۱۴ ......۴۲۔ تفہیم القرآن ج ۵ ص۳۲۲ ......۴۳۔ القرآن سورۃ ال عمران ۴۔۳ ......۴۴۔ القرآن سورۃ المائدہ ۴۵ ...... ۴۵۔ سید مشتاق علی شریعتِ عدل و احسان اور نبیِ آخرالزمان ﷺ ص۶۴ ...... ۴۶۔ کتاب خروج باب ۳۳ آیت ۷ تا ۱۰ بحوالہء بالا ...... ۴۷۔ یرمیاہ باب ۴ آیت ۲۵ تا ۲۹ ایضاً...... ۴۸۔ یسعیاہ باب ۵۹ آیت ۱ تا ۸ ایضاً...... ۴۹۔ سید مشتاق علی شریعتِ عدل و احسان اور نبیِ آخرالزمان ﷺ ص ۷۵ ......۵۰۔ متی باب ۵ آیت ۳۹۔۳۸ بحوالہء بالا ...... ۵۱۔ سیّد قطب شہید اسلام میں عدلِ اجتماعی لاہور اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۹۷۱ء ص۵۷ ......۵۲۔ ایضاً ص ۶۳ ......۵۳۔ صحیح بخاری بحوالہء بالا و صحیح مسلم کتاب الزہد باب الاحسان الی الارملہ ۲۲۱/۸......۵۴۔ القرآن سورۃ الانبیاء۹۲ ...... ۵۵۔ القرآن سورۃ الکہف ۴۶ ...... ۵۶۔ مفتی غلام سرور قادری معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ ﷺ لاہور ضیاء پبلی کیشنز ۱۹۸۴ء ص۶۶...... ۵۷۔ مرتضٰی احمد خان تاریخِ اسلام ج ۲ لاہور تاج کمپنی لمیٹڈ ۱۹۴۷ء ص۴۵...... ۵۸۔ مفتی غلام سرور قادری معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ ﷺ ص۲۸۷...... ۵۹۔ ا۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر سیرتِ طیبہ ﷺ سے رہنمائی اکیسویں صدی میں، کوئٹہ سیرت اکادمی بلوچستان ۲۰۰۱ء ص۱۲۰...... ۶۰۔ مستدرک الحاکم، الکنز العمال ۱۴۶۷۶...... ۶۱۔ طبرانی کبیر ۲۳۸/۱......۶۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء ص۱۳۳...... ۶۳۔ حافظ زاہد علی پیغمبرِ اسلام ؐ اور اخلاقِ حسنہ ص۳۱۹......۶۴۔ سیّد قطب شہید اسلام میں عدلِ اجتماعی ص۴۳۹...... ۶۵۔ مولانا شبلی نعمانی الفاروق کراچی مدینہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۷۰ء ص ۲۸۸ ...... ۶۶۔ القرآن سورۃ الحشر ۷...... ۶۷۔ القرآن سورۃ المعارج ۲۵،۲۴...... ۶۸۔ صحیح مسلم و ترمذی باب الصدقات ...... ۶۹۔ سیّد قطب شہید اسلام میں عدلِ اجتماعی ص۴۸۹......۷۰۔ ایضاً ص ۵۶۶۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ارم سلطانہ- اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لِلّٰہ ربّ العالمین وَالصلاۃ والسلام علیٰ خاتم الأنبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصَحُبہ ومن تمسّک بشریعتہ اِلیٰ یوم الدین.

اما بعد!

انسان فطری لحاظ سے معاشرتی زندگی کی طلب وآرزو رکھتا ہے، دوسرے وہ دُنیوی یا مادی اعتبار سے بھی مل جل کر رہنے پر مجبور ہے۔ ان عوامل ومحرکات نے اسے معاشرے کی تشکیل وتعمیر کرنے پر مجبور کیا۔ اللہ رب العزت نے اسی انسانی طبیعت کے افراط وتفریط کی اصلاح اور حق وصداقت کی نشاندہی کے لیے انبیاء ورسل کا سلسلہ قائم فرمایا اور بلاشبہ اس نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے انہیں اعتدال کی رہ پر چلنا سکھایا، تاکہ انسان روئے زمین پر قتل وغارت کی جگہ امن و امان اور ظلم وجور کے بدلے عدل ومساوات کی حکومت قائم کرے۔

دنیا کے معاشرتی نظام چلانے اور انسانوں کو مہذب بنانے کے لیے قوانین کی ضرورت پڑتی ہے۔ قوانین کا بنا دینا اور لاگو کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک کامیاب معاشرے کو چلانے کے لیے ضروری ہے کہ قوانین پر سختی سے عمل درآمد ہو۔ امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے، توازن اور معتدل زندگی گزارنے کے لیے نظام عدل کا قیام انتہائی ناگزیر ہے۔ عدل چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر، ہر سطح پر اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے کسی بھی ملک یا معاشرے سے عدل کو ختم کر دیا جائے تو اس کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے اور وہ معاشرہ اندرونی بدامنی اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

عدل و انصاف کا قیام ہر مہذب و متمدن انسانی معاشرہ کی اوّلین ضرورت اور ہر مہذب و متمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق وفرائض کا تعین ہوسکتا ہے اور نہ ظلم واستحصال کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد اس کو سمجھا گیا ہے۔

اسلام محض ایک مذہب نہیں دین ہے۔ یہ محض انسان اور رب کے پرائیوٹ تعلق کا نام نہیں، ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل اجتماعی نظام کا نام ہے۔ جس میں ''عدل اجتماعی'' کو ماٹو کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن میں اس کے لیے ''دین حق'' اور ''المیزان'' کے الفاظ آئے ہیں اور یہ بات نہایت قابلِ توجہ ہے کہ رسولوں کو مبعوث فرمانے اور آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کا اصل مقصد ''قیام نظام عدل اجتماعی'' قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿لَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنَاتِ وَأَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ﴾ (۱)

Marfat.com

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کریں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔''

اس آیت مبارک نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردیا ہے کہ:اولاً:شریعتِ خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل وقسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق وفرائض تولے جانے چاہئیں۔ثانیاً: بعثت انبیاء ورسل اورنزول وحی وکتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطاکردہ میزانِ عدل وقسط بالفعل نصب ہو(۲) یہ ہے اسلام کاعدل اجتماعی کااصول،جواس نے اس وقت دُنیا کے سامنے پیش کیا تھاجب وہ اس تصور سے آشنا تک نہ تھی۔اس عدل اجتماعی کا جواسلام نے پیش کیا اور عملی طور پر اس کومعاشرے میں نافذکر کے دکھایا کہ فساد وظلم کہیں نظرنہ آتا تھا گویاجنت زمین پراتر آئی ہوکہ ہرطرف ایک معاشرتی فلاح کا دور دورہ تھا۔جب کبھی بھی اس عدل اجتماعی کوکسی بھی معاشرے میں رائج کیاجائے گاگویا یہ دُنیاجنت ارضی کانمونہ بن جائے گی۔

عدل اجتماعی:

عدل اجتماعی مرکب اضافی ہے جو دراصل دولفظوں کامجموعہ ہے جو اپنی اپنی جگہ الگ مفہوم رکھتے ہیں اوراس کے لیے عربی میں ''العدالة الاجتماعية ''اور انگریزی میں "Socil Justice" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

اجتماع کامفہوم:

لفظ اجتماعی ''اجتماع'' کی طرف منسوب ہے جس کے معنی ہیں۔ ☆ یکجائی، میل، جمع یا اکٹھا کرنا یا ہونا ☆گروہ، جماعت، معاشرہ، سماج (۳)۔

عدل کامفہوم:

عدل کے معنی دوچیزوں کابرابرہونا کے ہیں۔چنانچہ اسی معنی میں مروی ہے''بالعدل قامت السمٰوت والارض'' یعنی اگرعناصراربعہ جن سے کائنات نے ترکیب پائی ہے، میں سے ایک عنصرمیں بھی اس کی معینہ مقدارسے کمی یابیشی ہوجائے تونظام کائنات قائم نہیں رہ سکتا۔(۴) ''ما قام في النفوس أنه مستقيم، وهو ضد الجور'' (۵) عدل ظلم کی ضد ہے،ظلم کے معنی ہیں۔ ''وضع الشيء في غير محل'' (٦) ''کسی شے کواس کے اصل مقام سے ہٹاکردوسری جگہ رکھ دینا''اورعدل کامعنی ہے اس چیزکواصل مقام پررکھنا۔برابرکرنا،سیدھارکھنا۔

عدل یہ ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنا ابوعبداللہ رازی نے یہی معنی اختیارکر کے فرمایا ہے کہ:''الامر المتوسط بين الافراط والتفريط'' (۷)

عدل کی تعریف:

عدل کی تعریف مختلف علماء نے مختلف انداز سے کی ہے مثلاً

☆**افلاطون** نے عدل کی تعریف کرتے ہوئے معاشرہ کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے: ۱-غلام طبقہ ۲-پیشہ ور اور مزدور طبقہ ۳-فوج کا طبقہ ۴-امراء/ حکام کا طبقہ اس تقسیم کے بعد وہ بیان کرتا ہے کہ معاشرہ میں عدل کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ

Marfat.com

مختلف طبقات کے مابین ایک منظم و مربوط نظام ہو۔ (۸)

☆ حضرت علی ہجویری کشف المحجوب میں عدل کے حسب ذیل معنی لکھتے ہیں:

''کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا، اس کی ضد ظلم ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔'' (۹)

☆ سید ابو الاعلیٰ مودودی کی نظر میں

''عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے، ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو، دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے گویا عدل و انصاف کے معنی ہیں ہر ایک انسان اور ذی روح سے یکساں اور مناسب سلوک کرنا، تمام لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا، امیر و غریب، گورے کالے، عربی عجمی اور شاہ گدا کی تمیز کو ختم کرنا'' (۱۰)

احادیث کی رو سے عدل کی تعریف:

((سمعت من يحدث عن سعيد بن الميسب أنه سئل عن العدل، فقال العدل الفريضة ما افترض الله على خلقه)) (۱۱) ''عدل ایک ایسا فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر فرض کیا ہے''

((عن محمدبن كعب القرظي قال دعاني عمربن عبدالعزيزفقال صف لي العدل، فقلت: بخ سألت عن أمر جسيم، كن لصغير الناس أبا ولكبيرهم ابنا، وللمثل منهم أخا وللنسآء كذللك، وعاقب الناس على قدر ذنوبهم وعلى قدر أجسادهم، ولا تضربن بغضبك سوطا واحدا متعديا فتكون من العادين)) (۱۲)

''محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے بلایا اور کہا کہ مجھے عدل کے بارے میں بتاؤ تو میں نے کہا کہ آپؒ نے میرے سے بہت مشکل سوال کیا ہے، چھوٹوں کے لیے باپ بن جاؤ اور بڑوں کے لیے بیٹوں کی طرح بن جاؤ اور اپنے جیسوں کے لیے بھائی بن جاؤ اور اسی طرح عورتوں کے لیے بھی، اور لوگوں کو ان کے گناہ کے مطابق سزا دو اور اپنے غضب کے مطابق نہ مارو اور حد سے بڑھنے والوں میں سے نہ ہو''۔

(فشرع الله عدل بين الغالي فيه والجافي عنه، لاافراط ولاتفريط) (۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے عدل کو بہت اعلیٰ اور ادنی درجہ کے درمیان رکھا ہے، اس میں افراط اور تفریط نہیں ہے''

العدالة الاجتماعية:

العدالۃ الاجتماعیۃ کی تعریف مختلف علماء نے مختلف انداز سے کی ہیں۔ جن کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے۔

○ السیدعبدالرزاق کمونہ الحسینی: ''العدالةالاجتماعية هوتحقيق الكفاية لجميع البشر'' (۱۴) ''تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنا عدل اجتماعی ہے۔''

○ الدکتوراحمد مختارعمر: ''نظام اقتصادى يعمل على ازالة الفروق الاقتصادية الكبيرة بين طبقات المجتمع'' (۱۵) ''ایسا اقتصادی نظام جو معاشرے میں بڑھتے ہوئے اقتصادی تفریق کو ختم کرے''۔

Marfat.com

○الدكتور أحمد الشرباصي:

''والعدل لايقتصر على جانب دون آخر، بل هو مطلوب في كل المجالات والحقول، اذيجب أن يعم العدل في كل شيء، في السياسة والاقتصاد والاجتماع والثقافة والتربية والحقوق وبدونه لا يمكن أن ينعم المجتمع بالسعادة والأمن والاستقرار'' (١٦)

''عدل کسی ایک جانب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام جوانب پر محیط ہے، اس لیے ضروری ہے کہ عدل ہر چیز میں ہونا چاہیے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی جملہ حقوق وغیرہ میں۔اس کے بغیر معاشرہ سعادت، امن اور استحکام سے دوچار نہیں ہوسکتا''

☆مولانا مودودیؒ:

''افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم وعدوان کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔'' (١٧)

ان تعبیرات سے مراد معاشرے میں اجتماعی تعاون وکوشش ہے جوکہ معاشرے کے افراد کے درمیان ایک مضبوط اجتماعی رابطہ پیدا کرسکے اور ایک معاشرہ مکمل اور بہترین قسم کی سہولتوں سے ہی تشکیل پاتا ہے۔(١٨)

قرآن واحادیث میں تصور عدل:

عدل سب سے پہلے خود اللہ جل شانہ کی صفت ہے۔ اور اللہ جل شانہ کے صفاتی ناموں میں ایک نام عادل بھی ہے۔علماء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔(١٩) اسی لیے اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (٢٠) ''اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل احسان کا معاملہ کرے۔جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (٢١) ''اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے بندوں سے عدل و انصاف کا تقاضا اس لیے کیا ہے کہ وہ خود قائم بالقسط ہے، دوسرے یہ کہ اس نے بندوں کی تخلیق کے متعلق بتایا۔کہ

﴿الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ﴾ (٢٢)

''وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا اور معتدل رکھا''

یعنی اس نے انسان کو پیدا کرکے اس کے اندر ایک توازن اور اعتدال قائم کیا۔قرآنی تصور کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ کا تصور عدل قابل غور ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ (٢٣) ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں''

Marfat.com

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب مقام پانے والا شخص امام عادل ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور شدید ترین عذاب کا مستحق امام جابر ہوگا۔'' (۲۴)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان المقسطین عند اللہ علی منابر من نور عن یمین الرحمن (۲۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عادل حکمران اللہ کے پاس دائیں طرف نورانی منبروں پر ہوں گے''۔

الاجتماع کی اہمیت:

انسان فطرۃ مدنی الطبع ہے اور اجتماعی زندگی اس کے لیے ناگزیر ہے اور وہ اپنی زندگی کی تمام ضروریات خود اکیلا مہیا نہیں کرسکتا، لہٰذا انھیں پورا کرنے کے لیے باہمی تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے اسی کے سبب معاشرہ ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ ابن خلدون نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ: ''ان الاجتماع الانسانی ضروری'' (۲۶) انسانی معاشرے کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جماعت ایک اکائی ہے جو افراد پر مشتمل ہے اس طرح معاشرے میں ایک قوم اپنی جگہ مستقل وجود رکھتی ہے اور انسانیت سب قوموں کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔

ارسطو:

اجتماع انسانی کا آغاز اگرچہ اس لیے ہوا تھا کہ لوگ زندہ رہ سکیں۔لیکن اسے قائم رکھا گیا تو اس لیے کہ خوش بختی کی زندگی بسر کریں اور انسان اور حیوان میں کوئی مابہ الامتیاز ہے تو یہی کہ انسان کو خیر وشر، ظلم اور عدل کا ادراک حاصل ہے۔انسان اگر اشرف المخلوقات کے درجے تک پہنچا تو اسی اجتماع کی تکمیل سے، ورنہ قانون اور عدل کے بغیر تو اس کا درجہ ارذل المخلوقات سے بھی گر جاتا۔(۲۷)

فرد کا صالح ہونا اس بات پہ منحصر ہے کہ وہ جماعت کا اچھا جزو ہو۔اچھی جماعت وہ ہے جو قوم سے تضاد نہیں اختلاف رکھتی ہو اور اچھی قوم اُسے کہیں گے جو کل انسانیت کے لیے جزو صالح کا حکم رکھتی ہو۔(۲۸) بقول علامہ اقبال:

فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں (۲۹)

ابن مسکویہ نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ:

''انسان طبعاً انسانیت عامہ کی بہتری چاہتا ہے کسی ایک انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ تنہاء انسانی تمدن اور تہذیب کے تمام مطالبات کو پورا کرے اس لیے انسانوں کے لیے یہ ضروری ہوگیا کہ وہ بہت بڑی تعداد میں بیک وقت اپنی مشترکہ بہتری کے لیے جمع ہوجائیں اور باہمی تعاون سے انسانی ترقی کے لیے

Marfat.com

کام کریں اس اجتماعی نظام میں ہر فرد کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کے جسم میں کوئی ایک عضو، جسطرح اعضاء کے مجموعے سے انسان بنتا ہے اسی طرح افراد کے مجموعے سے انسانی ترقی کا مطمع نظر اپنے کمال پر پہنچتا ہے"۔(۳۰)

عدل اجتماعی کی اہمیت:

اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ انسانی معاشرے محدود دائرے میں بند نظر آتے ہیں۔ یہ دائرے جغرافیائی، نسلی ولسانی، معاشی تک محدود ہیں لہذا ان دائروں کے نتیجے میں پیدا شدہ معاشرہ بغض وعناد، گروہیت، نسلیت اور قوم پرستی تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے معاشرے کو بغض وعناد اور محدود ائروں سے نکال کر ہمہ گیریت کا تصور پیش کیا اور سارے انسانیت کو وحدت کے اندر پرو کر اسے اجتماعیت کی فکر عطا کی۔ قرآن حکیم نے انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ (۳۱)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا"

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے اسی قرآنی فکر کو اپنایا اور کل انسانیت کی وحدت اور اجتماعیت کے لئے شب وروز جدوجہد فرمائی۔ اسی صفت کی وجہ سے خالق کائنات نے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین کے خطاب سے نوازا۔ آپ ﷺ جہاں اعلیٰ درجہ کے خدا پرست تھے وہاں اعلیٰ درجہ کے انسان دوست تھے۔ مخلوق سے محبت، ان پر رحم وکرم آپ ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی صفات میں شامل تھیں۔ آپ ﷺ کی جدو جہد اور فکر کسی خاص گروہ، فرقہ، نسل تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ ﷺ پورے عالم انسانیت کی بھلائی و بہبود کے لئے کوشاں رہے انسانیت کی مفلوک الحالی، فکری پسماندگی اور ان پر ہونے والے ظلم و جبر اور استبداد پر ہمیشہ آپ ﷺ کڑھتے اور اس کے سد باب کے لئے ہمہ وقت مصروف العمل رہتے۔ آپ ﷺ کی عملی زندگی رواداری، وسیع المشربی، برداشت، تحمل اور عفو ودرگزر کا نمونہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں

((وكان النبي يبعث الىٰ قومه خاصة وبعث الىٰ الناس عامة)) (۳۲)

"مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ لیکن میں تمام عالم انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں"۔

انسانی زندگی میں باہم اختلاف کا پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اسلام نے نظام عدل وضع کیا ہے جو معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ اس نظام کا تقاضا ہے کہ ہر سطح پر عدل کا اہتمام کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۳۳) "انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو"

یہاں عدل کا حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے کہ ہر شخص ہر سطح پر عدل کا اہتمام کرے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل محض کسی مخصوص شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ روز مرہ زندگی کے تمام اقوال وافعال میں توازن پیدا کرنے کا نام ہے۔(۳۴)

Marfat.com

عدل کوایک آفاقی حقیقت کا درجہ حاصل ہے۔دنیا کا کوئی بھی معاشرہ ہوعدل کے بغیر نہیں رہ سکتا۔جس معاشرہ میں عدل نہیں ہوگا تو ظلم ہوگا اور ظلم معاشرہ کی تباہی کا باعث ہوگا اسی لیے اسلام میں عدل وانصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ اگر عدل وانصاف ہوگا تو انسانی معاشرے میں امن وسکون ہوگا۔قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر عدل وانصاف کو تاکیداً بیان کیا گیا ہے۔

عبادت ومعاملات میں اعتدال:

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو اصل چیز مطلوب ہے وہ عبادت ہے اوراس کی تخلیق کا مقصد بھی یہی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (۳۵)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کواس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو اعتدال میں رہنے کی تلقین کی گی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا O نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا﴾ (۳۶)

رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات۔(قیام) آدھی رات (کیا کرو) یا اس سے کچھ کم

اسی طرح حدیث نبوی میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''عبداللہ بن عمروؓ بن عاص نے بیان کیا،کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،عبداللہ! کیا یہ خبر صحیح ہے کہ تم دن میں تو روزہ رکھتے ہو اور ساری رات نماز پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی صحیح ہے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا،کہ ایسا نہ کر،روزہ بھی رکھ اور بے روزہ کے بھی رہ۔نماز بھی پڑھ اور سوؤ بھی۔کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے،تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے،تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تم سے ملاقات کرنے والوں کا بھی تم پر حق ہے''(۳۷)

اسی طرح ایک دوسری حدیث نبوی میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

((عن عائشۃؓ ان رسول اللہ ﷺ سل أی العمل أحب الی اللہ قال أدومه و ان قل)) (۳۸)

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: جو ہمیشہ ہوا اگرچہ تھوڑا ہی ہو''

آپ ﷺ نے عدل کے فلسفہ کو انسانی معاشرے میں غالب کرنے کی تلقین اور جدوجہد کی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ہر معاملے میں اعتدال اور اقتصاد کو ترجیح دیتے تھے کہ یہی چیز انجام کار اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے آپ ﷺ خود بھی ہمیشہ اسی پر عامل رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید کرتے رہے۔(۳۹)

قرآن حکیم نے آپ ﷺ کو میانہ روی کی تلقین اس انداز میں کی۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ﴾ (۴۰)

''اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز نیچی رکھو''

اعتدال کی اس روش کو آپ ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو میں اختیار کر کے دکھایا، چاہے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی کے معاملات آپ ﷺ نے ہر حال میں میانہ روی کی تلقین فرمائی۔ ابو مسعودؓ انصاری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں نماز نہ پڑھ سکوں گا کیونکہ فلاں شخص ہمیں طویل نماز پڑھایا کرتا ہے ابو مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے نصیحت کرنے میں اس دن سے زیادہ کبھی نبی ﷺ کو غصے میں نہیں دیکھا۔

''آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو (دیکھو) جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے اسے چاہیے کہ ہر رکن کے ادا کرنے میں تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں مریض بھی ہیں اور کمزور بھی اور ضرورت مند بھی'' (۴۱)

نظام عالم اور عدل اجتماعی:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فیض سے آفاق و انفس کے ذرہ ذرہ میں ایک بے مثل اور لاجواب عدل اجتماعی قائم ہے جب تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی منشا نہ ہو ان کا آپس میں ٹکراؤ ممکن نہیں پورے نظام کائنات میں اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق ہر سیارہ اور ستارہ اپنے مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ ہر شئے اس منہاج السوی پر عمل پیرا ہے جس کا حکم رب کائنات نے دیا ہے سب کے لیے ایک جیسا قانون ایک پیمانہ اور ایک ڈگر ہے سب ایک ہی مستقر کی جانب رواں دواں ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ (۴۲)

''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا یہ سب آسمان میں تیر رہے ہیں''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿لَا الشَّمْسُ یَنبَغِیْ لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ (۴۳)

''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ (۴۴)

''اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر جا ٹھہرا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا، ہر ایک، ایک میعاد تک گردش کر رہا ہے، وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے (اس طرح) وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم اپنے

Marfat.com

رب کے رُوبرو جانے کا یقین کرو"۔

اللہ تعالیٰ کے عدل کی تکوینی صفت کا اظہار تمام کائنات میں ہے۔نظم کائنات کی ترکیب اجزاء حرکت اور سکون سے عدل ظاہر ہے پورے نظم کائنات میں خرابی اور بدنظمی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً لَّا مُبَدِّلِ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (۴۵)

"اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے"۔

تخلیقِ انسان کا مقصد عدلِ اجتماعی کا قیام:

انسان کی یہ بہترین تخلیق جہاں خالق کے خودکمال کے اعلیٰ ترین درجے پر ہونے کی دلیل ہے، وہیں اس بات کی بھی شاہد ہے کہ اگر اس نے، جو عادل ہے اور انسان کو تعدیل کے ساتھ پیدا کیا ہے، تو انسان کا فرض ہے کہ وہ عدل کو اپنا وتیرا بنائے اور عدل و توازن کے قیام کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے اس نظامِ عدل کو قائم کرے، جس کا مکمل نقشہ خالق کائنات نے اپنے کلام اور صاحبِ کلام کے ذریعے انسانوں تک پہنچا دیا ہے، تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل قائم کیا جاسکے کہ کارِ نبوت کا اصل ہدف یہی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۴۶)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کریں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: میزان اور حدید کی وضاحت ان تاریخی الفاظ میں کرتے ہیں کہ میزان، یعنی وہ معیار حق و باطل جو ٹھیک ٹھیک ترازو کی طرح تول تول کر یہ بتا دے کہ افکار، اخلاق اور معاملات میں افراط وتفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان انصاف کی بات کیا ہے انبیاء علیہم السلام کے مشن کو بیان کرنے کے معاً بعد یہ فرمانا (یعنی لوہے کا نازل کیا جانا) خود بخود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی طاقت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیامِ عدل کی محض ایک اسکیم پیش کردینے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہوسکے، اسے درہم برہم کرنے والوں کو سزا دی جاسکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جاسکے۔ (۴۷)

عدل انسانیت کا منشورِ اعظم:

قرآن نے انسان کو ایک کنبہ کے افراد کی حیثیت دے کر خطاب کیا اور بتایا کہ:

۱- تمام انسانوں کی تخلیق کا خمیر ایک ہی ہے۔﴿خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ﴾ (۴۸)

۲- تمام انسانوں کا تولیدی سلسلہ بھی ایک ہی ہے۔ ﴿خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ (۴۹) ۳-تمام انسان عزت و تکریم کے اعتبار سے برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾(۵۰)

Marfat.com

۴- تمام انسان اجتماعی اعتبار سے بھی مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ (۵۱)

۵- ہر انسان کا مقصد تخلیق اور اس کی حیثیت بھی یکساں ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (۵۲)

قرآن کے ان واضح ارشادات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ انسان اپنی تخلیق اور وجود کے مراتب میں یکساں درجہ رکھتا ہے اور کسی ایک فرد کو دوسرے فرد پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ پیدائش کے تمام مراحل اور حیات کے تمام مراحل میں انسان ایک سا درجہ رکھتے ہیں۔ (۵۳) اسی طرح عدل انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کا جزو لازم ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا ایک اعلیٰ معیار قائم کیا ہے کہ اس میں شاہ و گدا، امیر و غریب اور ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ کسی کا بڑا ہونا یا کسی کا اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنا یا کسی کا امیر ہونا یا کسی کا حکومت کے سربراہ کا بیٹا ہونا انصاف و عدل کے نفاذ اور حدود سے دور نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ﴾ (۵۴)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو''

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ اپنی ذات کے خلاف بھی حق بات کہنا، کسی کے اعلیٰ خاندان و رتبے کی وجہ سے حق بات کو نہ چھپانا، انصاف کے معاملے میں کسی مفلوک الحال پر ترس نہ کھانا بلکہ انصاف کے تقاضے پورے کرنا، دشمنان اسلام اور غیر مسلموں کے معاملے میں بھی عدل کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

عدل کا منشاء:

اسلامی تصور کے مطابق عدل کا طبعی منشا یہ ہے کہ افراد معاشرہ کے مابین شدید اور فتنہ انگیز اختلافات فروغ نہ پائیں اور پیدا شدہ اختلافات کو عدل کے ذریعے رفع کر دیا جائے تا کہ فریقین تنازعہ میں یگانگت کی فضا پیدا ہو جائے اور معاشرہ میں امن و سکون رہے۔ (۵۵) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۵۶)

''اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادہ کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ:

اسلام میں انصاف کا انحصار مذہبی اصول کے اطلاق پر ہے۔ اس لیے اس میں کسی مادی تصور کا دخل نہ ہونا چاہیے (۵۷)۔

Marfat.com

سیّد قطب کے نزدیک: آج دنیا ایک تہذیبی بحران سے گزر رہی ہے اور ہر طرف ایک متوازن نظام زندگی کی تلاش ہے۔ دنیا صدیوں کے طویل تجربات کے بعد مادی تہذیب سے بیزار ہو کر جس صالح عقیدہ اور عادلانہ نظامِ اجتماعی کی متلاشی ہے وہ اسے صرف اسلام کی آغوش میں مل سکتا ہے۔(۵۸)

عدل کی اقسام:

اپنی وسعت کے اعتبار سے حیات کے کئی پہلو ہیں اس لیے عدل بھی متنوع المظاہر ہے انفرادی اجتماعی قومی اور بین الاقوامی زندگی میں عدل کی مختلف تعبیرات ہیں اجتماعی عدل میں معاشی اقتصادی معاشرتی اخلاقی اور قانونی وغیرہ سب پہلو شامل ہوتے ہیں مثلاً:

۱- معاشرتی عدل:

اس سے مراد ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد کو باعزت اور پر سکون زندگی گزارنے کا پورا موقع دیا جائے ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق اس کا مقام دیا جائے نیز باہمی تعلقات اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو شامل حال رکھا جائے تو معاشرہ بے انصافی اور عدم توازن سے بچ جاتا ہے۔معاشرتی عدل کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن العاص کے معزز فرزند کو مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے کہ:

''لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا، تم نے انہیں اپنا غلام کب سے بنا لیا'' (۵۹)

اسی مفہوم کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ:

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب! — پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں(۶۰)

۲-معاشی عدل:

معاشرے کے ہر فرد کو اپنی اہلیت کے مطابق جائز معاشی جدو جہد کا پورا حق ہے۔ ہر فرد کو قومی وسائل سے اس کا حصہ ملنا چاہیئے۔ اسلام نے اس سلسلے میں کمزوروں اور غریب لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کی تاکید فرمائی اور ساتھ ہی اعتدال کا حکم بھی فرمایا گیا۔اسلامی معاشیات کا بڑا سنہرا اصول ہے کہ:

"ما عال من اقتصد"(۶۱) ''یعنی اعتدال سے انسان تنگ دست نہیں ہوتا''

اسلام عدل اجتماعی کے لیے اوپر سے ٹھونسی گئی معاشی مساوات کا قائل نہیں ہے،مال و دولت کا کسب ایسی صلاحیتوں پر منحصر ہے جو سب کو برابر نہیں ملی ہیں لیکن اسلام یہ شرط عائد کرتا ہے کہ مواقع سب کو یکساں حاصل ہوں کسی شخص کی راہ میں حسب ونسب رکاوٹ نہ بنے۔(۶۲) انفرادی زندگی میں مادہ اور روح کے ساتھ توازن ہی کامیابی کی ضامن ہے۔اس لئے سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه))(۶۳) ''مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو''

۳-عائلی عدل:

عدل انسانی زندگی کے سب شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔ان شعبوں میں ایک شعبہ عائلی شعبہ ہے۔ اور یہ شعبہ پورے

Marfat.com

معاشرے کی جان ہے۔ وہ گھرانہ جنت کا نمونہ ہوتا ہے جہاں والدین، میاں بیوی، اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل و انصاف سے ادا کرتے ہیں۔ عائلی زندگی میں عدل کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جس کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں۔ کیونکہ وہ ایک بیوی اور اس کی اولاد کی طرف زیادہ توجہ دے گا۔ تو لازماً دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے حقوق صحیح طرح ادا نہیں کرسکیں گے۔ اس طرح نا انصافی اور بے راہ روی کی فضا قائم ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب بعض خصوصی حالات کے پیش نظر ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے تو ساتھ ہی عدل و انصاف کا بھی حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (۶۴)

''اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب سے یکساں سلوک نہ کرسکو گے تو ایک ہی کافی ہے''

اس حکم الٰہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی بیویوں میں عدل قائم کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو تو اسے فقط ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

۴-سیاسی عدل:

سیاسی عدل سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے صاحب الرائے اور فہم عناصر کو ملکی معاملات میں مشورہ دینے کا پورا پورا حق ہے۔ قانون کے دروازے ہر فرد پر کھلے رہنے چاہئیں ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے حقوق وصول کرنے کا اہل ہے اگر اس کے حقوق پر کسی قسم کی دست درازی ہو تو اسے قانونی مدد حاصل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

نظامِ عدل کے قیام کا مقصد:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو معتدل و متناسب بنا کر جو مقصد اور مشن اس کے سپرد کیا وہ بھی اس ترکیب تخلیق سے گہری مناسبت رکھتا ہے، یعنی ایک ایسا متوازن، معتدل اور متناسب نظام کا قیام جس میں ظلم و استحصال، اللہ سے بغاوت، اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی، انسانی حقوق کی پامالی نہ پائی جاتی ہو، اور فرد، معاشرہ، معیشت، سیاست، ثقافت، قانون، غرض ہر شعبہ حیات میں مکمل عدل پایا جائے۔ نظامِ عدل کے قیام کے لیے قرآن وسنت نے جو اصول اور لائحہ عمل بتایا ہے اسے جب اور جہاں کہیں اختیار کیا جائے گا معاشرے میں عدل و انصاف کے قیام کے راستے کشادہ ہوجائیں گے اور جہاں کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف کیا جائے گا متضاد نتائج سامنے آئیں گے۔

قرآن کریم عدل کی جامع اور مثبت اصطلاح کو ظلم، فساد، عدوان اور طاغوت کی اصطلاحات کی مخالف اصطلاح کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جو لوگ زمین میں فساد اور ظلم پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے عادل، مطیع اور متقی بندوں کے ذریعے تبدیل کرتا ہے تاکہ زمین میں قیامِ عدل ہو اور انسان افراط وتفریط کی جگہ متوازن طرزِ حیات اختیار کرسکیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ (۶۵)

''اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہو جاتا''

Marfat.com

قیامِ عدل اور فرد کا کردار:

اللہ کی زمین پر اس کا حکم اور نظام قائم کرنے کے لیے اہلِ ایمان میں ایک ایسی منظم جماعت ضروری ہو جو منزل اور مقصد کا واضح شعور رکھتی ہو اور جس کا ہدف صرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کا نافذ کرنا ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (٦٦)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے''

گویا نظامِ عدل اپنے آپ نافذ نہیں ہو جائے گا بلکہ اس کے لیے مسلسل جدوجہد، ایثار و قربانی اور جوش اور ولولہ کے ساتھ کوشش کرنی ہوگی۔

عدلِ اجتماعی کا تصور:

اسلامی نظامِ حیات میں عدل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اسلام ہر معاشرے میں ہر فرد کے ساتھ ہر سطح پر اس کا داعی ہے۔ اکثر و بیشتر انقلاباتِ زمانہ کا ظہور نظامِ عدل کے خاتمہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں یہ ایک آزاد اور متحرک اکائی ہے۔ معاشرتی سطح پر باہمی حقوق و فرائض کے تناسب کو قائم رکھنے کے لیے قضاء اور عدالتی نظام کی بناء ڈالی گئی اور جملہ افرادِ معاشرہ کے حقوق و فرائض کو ان کی حیثیت کے اعتبار سے متعین کر دیا گیا اور مطالبہ حقوق کی بجائے ایتائے فرائض پر زور دیا گیا تاکہ عدلِ اجتماعی کا تصور خود بخود قائم رہ سکے۔ اسلام نے ایسا نظام قائم کیا ہے جو لامحدود ہے اور یہ معاشرتی انصاف کے تصور کو واضح کرتا ہے تاکہ ایک ایسا انسانی معاشرہ تشکیل پا سکے جو معاشرتی طبقات و گروہ سے مکمل طور پر پاک ہو اور ان کو ایک دوسرے کے قریب کر سکے۔ ان نظاموں میں زکوٰۃ، صدقات، فرائض و واجبات، ناجائز ذرائع معاش کی حرمت، وراثت و وصیت اور انفرادی اور اجتماعی فرائض و واجبات کے نظام شامل ہیں جو کہ معاشرے کی بہتری کے لیے ضروری ہیں (٦٧) عدل اجتماعی کا تصور اس وقت زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے جب اس کے اندر روحانیت پیدا ہوتی ہے۔

''کہ جس دن انسان اللہ کو اپنا خالق مان لیتا ہے تو اس کا ایمان اس تصور کی گہرائی کو پا لیتا ہے (عدل اجتماعی) اور اسی دن اس کی سوچ اس بھلائی کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتی ہے'' (٦٨)

عدلِ اجتماعی کی خصوصیات:

☆ ہمہ گیر اور جامع:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ (٦٩) عدل و انصاف کا قیام محض حکومت کا کام نہیں ہے بلکہ معاشرے کے تمام افراد کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھے۔

Marfat.com

☆ استحکام:

اسلامی تصورعدل کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ کسی انسان یا سوسائٹی کا بنایا ہوقانون نہیں ہے جس میں ترمیم یا تنسیخ ہوسکے۔ اسلام میں قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔﴿أَلَا لَهُ الْحُكْمُ﴾ (۷۰) کوئی فرداور جماعت اقتدارِ اعلیٰ کی مالک نہیں ہے۔دوسرے عناصر حکومت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اجتماعی نظام کے لیے اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ قانونی مساوات:

اسلامی تصورعدل میں مسلم وغیرمسلم کا کوئی فرق نہیں اور ہر طاقتور شخص کو اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق مل سکے تاکہ وہ اپنا فرض مناسب اور بھلے طریقے سے نبھا سکے اور اس کی صلاحیتیں ظاہر ہوسکے اور وہ غریب اور عاجز لوگوں کی کفالت کرسکے۔تاکہ وہ لوگ بھی ایک بہترین وپرآسائش زندگی بسر کرسکیں۔(۷۱)

☆ قانون اور انصاف کی بالادستی:

قرآن کے نزدیک مجرموں کے خلاف محض قانون کا نفاذ سب سے کم درجہ میں انصاف کی فراہمی ہے۔عدل و انصاف کا بلندترین درجہ تو لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرتا اور انہیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے اور انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں۔اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی کوئی جرم سرزد ہو جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ (۷۲)

''اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو''۔

عدل و انصاف کا قیام ہر مہذب و متمدن انسانی معاشرہ کی اوّلین ضرورت اور ہر مہذب و متمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق وفرائض کا تعین ہوسکتا ہے اور نہ ظلم و استحصال کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد اس کو سمجھا گیا ہے۔ اسلام نے عدلیہ کی بالادستی کا جو تصور پیش کیا ہے۔دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عدلِ اجتماعی کے بنیادی اصول:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کا پہلا اصول یہ ہے کہ وہ محدود معانی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلام زندگی کو تعاون وہم آہنگی اور ہمدردی ومواخاۃ کا نام ہے(۷۳)۔ اسلام اجتماعی عدل کے قیام میں انہیں دو بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتا ہے یعنی متوازن باہم مربوط اور مکمل وحدت

Marfat.com

اورافراد اور جماعتوں کے درمیان تعاون اور دوستی کی اسپرٹ۔(۷۴)

بنیادی نظریہ:

اسلام کائنات، حیات اور انسان کی بابت ایک بنیادی نظریہ رکھتا ہے۔اجتماعی عدل کا تصور اسی بنیادی فکر کا پرتو ہے۔یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع انسانی عدل بنا کر پیش کرتا ہے جو مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں۔اس کے نزدیک زندگی کی حقیقی قدریں بیک وقت مادّی بھی ہیں اور معنوی بھی۔(۷۵)

عدل اجتماعی کے اصول وضوابط:

اسلام نے اجتماعی عدل کے لیے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں، مال داروں کی دولت میں فقراء کا حق متعین کیا ہے اور حکومت واقتصاد کے لیے عدل وانصاف پر مبنی نظام دیا ہے اور فطری حقوق عدل وانصاف کی پامالی کرنے والوں کو ظالم اور آخرت میں عذاب شدید کی وعید کی ہے۔(۷۶)

☆ انصاف کا برتاؤ:

کسی کے ساتھ بھی ناانصافی کا برتاؤ نہ کیا جائے خواہ وہ دشمن ہی ہو۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۷۷)

’’اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے‘‘

اپنی قوم اور دوسری قوم میں کوئی اختلاف ہو اور اس سلسلے میں حق دوسری طرف ہو تو برملا اس کا اعتراف کیا جائے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾(۷۸)

’’اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو، خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو‘‘۔

☆ اجتماعی کفالت:

اجتماعی کفالت کا مفہوم یوں ہے کہ افراد اور جماعت معاشرے کی تشکیل اس طرح ہو کہ فردی مصلحت جماعتی مصلحت میں گھل مل جائے۔بلکہ فرد کی اپنی حیثیت بھی برقرار رہے اور جماعت کا دبدبہ بھی قائم رہے۔پس افراد جماعت کی کفالت میں ہوں۔اسی طرح جماعت فردی مصالح کو پیش نظر رکھے اور ان کو نقصانات سے بچائیں۔(۷۹)

☆ تعصب سے پرہیز:

تعصب سے مراد اپنی قوم کی بے جا حمایت ہے۔واثلہ بن الاسقع کہتے ہیں:

’’میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ تعصب کیا ہے، تو آپ ﷺ نے جواب دیا یہ کہ تم اپنی قوم کی اس کے ظلم

Marfat.com

کے باوجود حمایت کرو" (۸۰)

سعدی شیرازی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے:

بنی آدم اعضاء یک دیگراند کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چون عضوی بدرد آورد روزگا دگرعضوہاء نماند قرار

☆ باہمی تعاون:

افراد اور قومیں اپنے مخصوص ماحول میں رہتے ہوئے اپنے ہی مفاد کو مدنظر رکھ کر فیصلے کرتی ہیں۔ اس طرح کے فیصلے بسا اوقات دوسرے افراد اور قوموں کے مفاد کے خلاف پڑتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ ناانصافی سے بچنے کے لیے قرآن کریم ایک بہترین اصول وضع کرتا ہے اور عدل اجتماعی کے لیے اصول متعین کرتا ہے۔ قرآن کریم اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۸۱)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو"

بقول علامہ اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر (۸۲)

☆ اخوت واتحاد:

اخوت واتحاد کی ضرورت واہمیت بھی مسلّم ہے اس عالم آب وگل میں تمام انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل وترتیب دیں، جہاں تمام معالات کی بنیاد اخوت واتحاد پر ہو، جہاں تمام فیصلے اسی بنیاد پر ہوں، درحقیقت اخوت واتحاد ہی وہ بنیادی عنصر ہیں جن سے کام لے کر کسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے (۸۳)

پیغمبر اسلام ﷺ نے اخوت کے اس تصور کو اپنے آخری خطبہ میں بیان کیا جو آپ نے ۸/ ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا۔

"فان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا" (۸۴)

"بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں۔ اسی طرح حرمت والی ہیں۔ جیسے تمہارے لئے آج کے دن (یعنی حجتہ الوداع) کی حرمت ہے۔"

مولانا الطاف حسین حالی نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدی کا کہ ساری مخلوق کنبہ خدا کا (۸۵)

پیغمبر اسلام ﷺ نے تمام مسلمانوں کے اندر یکجہتی اور اخوت ویگانگت کو اس طرح فروغ دیا کہ ان کو بھائی بھائی بنا دیا چاہے مشرق میں رہنے والا مسلمان ہو یا مغرب میں، دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والے مسلمان کو ایک لڑی میں پرو دیا اور یہی بھائی چارہ آگے چل کر انسانی بھائی چارے کی نوید بنا۔ مغربی مفکر "ریورینڈ مرے ٹائیس" بیان کرتا ہے۔

"اخوت اسلامی ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ حق ہے، ایک قانونی نظام بھی ہے اور معاشرتی نظام بھی۔ اسلام میں واقعی ایسی اخوت موجود ہے جو رنگ ونسل، طبقے اور قومیت میں اتحاد کا عامل ہے" (۸۶)

Marfat.com

مغربی مفکر جان ایس ھائی لینڈ اسلامی اخوت کو عالمگیر انسانی اتحاد کے حوالے سے ایک اہم اساس قرار دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

''چین سے مراکو تک مسلمانوں کا برادارانہ احساس، خواہ ان کی نسل یا رنگ، زبان یا قومیت، ذات یا پیشہ کچھ بھی ہے انسانیت کے لیے ایک اعلیٰ روحانی تصور پر مبنی عالمگیر برادری کے حصول کے لئے بہت ہی اعلیٰ نمونہ ہے۔ اگر اسلام اخوت ومساوات کی راہ سے ایسی بہت سی رکاوٹوں کو دور کر دینے میں کامیاب ہوگا جو دوسرے مذاہب میں بہت مہلک ثابت ہو چکی ہیں تو ایک روز ضرور تمام بنی نوع انسان کو متحد کرنے والی وسیع برادری کا قیام ممکن ہو جائے گا۔'' (۸۷)

☆ ہمدردی وغم خواری:

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیم ساری دنیا کے لیے آبِ رحمت ہے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے ساتھ ہمدردی، رحم اور حسنِ سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو خاص ہدایات فرمائیں تا کہ لوگوں کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں (۸۸)۔ مولانا الطاف حسین حالؔی نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

کرو مہربانی تم اہل زمین پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر (۸۹)

☆ وحدتِ نسل انسانی:

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے عظیم الشان تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد، الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقویٰ'' (۹۰)

''اے لوگو! خبردار بے شک تمہارا خدا ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ خبردار کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کسی سیاہ کو سرخ پر اور کسی سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے تقوی اور پرہیزگاری کے''۔

یہ وہ تاریخی الفاظ تھے جو وحدتِ نسل انسانی کے تصور کا عالمگیر اعلان تھا اور جس کی بنیاد پر پیغمبر اسلام ﷺ نے تمام گروہی، نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کو کالعدم قرار دے دیا اور انسانی معاشرہ کی اساس نسلِ انسانی کی وحدت اور شرف وتکریم انسانیت کے تصور پر قائم فرما دی (۹۱)

☆ صبرواستقامت:

صبرواستقامت جس طرح انفرادی زندگی میں ضروری ہے اسی طرح اجتماعی زندگی، ملکی سیاست اور فلاحِ انسانیت کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت مسلّم ہے، یہی وہ صفت ہے جس کو مضبوطی سے تھام کر ملکی سیاست کو مستحکم بنایا جاسکتا ہے اور دشمن کے حیلوں، مکروفریب اور اس کی تباہ کن تدابیر سے انفرادی اور اجتماعی طور پر محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (۹۲)

Marfat.com

''اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور (اُن سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے تو اُن کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا''

اس آیت میں مسلمانوں کو فتح وکامرانی اور ہر قسم کی مصیبت وپریشانی اور آزمائش وامتحان میں صبر وتقویٰ اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعے مخالفین ومنافقین کی سازشوں اور ان کے مکر وفریب سے بچا جا سکتا ہے۔(۹۳)

☆رحم ومحبت:

انسانی معاشرے میں رحم ومحبت کے قیام ہی کے ذریعے ایک امن وسلامتی کا ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے اور یقیناً ایک تہذیب یافتہ معاشرہ رحم ومحبت کے جذبات سے عاری نہیں ہو سکتا۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے انسانوں، اقوام اور معاشروں کے درمیان رحم کے جذبات کو نہایت اہمیت دی تاکہ معاشرے اپنے وجود کو قائم رکھتے ہوئے ایک ہمہ گیر تہذیب کے مقاصد کو پورے کر سکیں۔جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''مَنْ لَّا یَرْحَمِ لَا یُرْحَمِ'' (۹۴) ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''

رسول اللہ ﷺ ایک مسلمان کو ایک ایسے معاشرے کے لیے تیار کرتے ہیں جو نہ صرف اپنے قومی معاشرے میں اعلیٰ انسانی کردار کا حامل ہو بلکہ وہ انسانی قدروں کا حامل ہو کر ایک عالمگیر انسان دوست معاشرے کی تشکیل کے لیے کمربستہ ہو جائے۔لہٰذا آپ ﷺ نے ایک مسلمان کی یہ پہچان قرار دی کہ وہ سارے انسانوں کے حقوق کی پاسداری میں سب سے اول درجے پر رہے گا اور اس کے کسی بھی عمل سے انسانوں کو نقصان نہیں پہنچے گا اور ساتھ یہ بھی وضاحت کے ساتھ تلقین کر دی کہ:

''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ'' (۹۵)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

☆سود کی ممانیت اور انفاق فی سبیل اللہ:

سودی کاروبار تباہی وبربادی کا موجب ہے۔ایک شخص کو تو ظاہراً نفع ہوتا ہے اور ہزاروں دم توڑتے ہیں عدل اجتماعی کے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کا نظریہ قرآن کا بنیادی نظریہ ہے کہ ہر انسان دوسرے کمزور انسان کا خیال کرے اسلام جان ومال اور اولاد ہر چیز کی محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کرنے کا مطالبہ کرتا ہے(۹۶)۔ بقول اقبال:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے — سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات(۹۷)

☆اضطراری کیفیت:

اجتماعی عدل وانصاف کے لیے انسان کے اندر اضطراری کیفیت کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ اضطراری کیفیت نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے حق کو کبھی پورا نہیں کر سکے۔انسان قدرتی طور پر اجتماعیت کو پسند کرتا ہے اور وہ اجتماعی عدل کا حکم دیتا ہے اور بیشک یہ سب چیزیں اضطراری کیفیت سے ہی قائم ہو سکتی ہیں۔(۹۸)

☆جمہوری رویے:

اسلام میں انفرادیت اور اجتماعیت کے مابین اعتدال کا ایک خوبصورت نظام پیش کیا گیا جس کی روح میں جمہوریت

Marfat.com

رچی بسی نظر آتی ہے۔ (۹۹) لہٰذا اسلام کی اسی روح کو اساس بناتے ہوئے آپ ﷺ نے ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں آزادی اظہار رائے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔حقوق کے حوالے سے ہر فرد و معاشرہ بلاکسی تفریق کے انصاف کے لیے آواز بلند کرنے میں آزاد تھا۔آپ ﷺ نے جمہوری رویوں کو معاشرے میں فروغ دیا۔حضور ﷺ کا معمول تھا کہ مختلف معاملات میں صحابہ کرامؓ سے رائے لیتے اور اظہار رائے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے جنگ احد میں اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے'' آپ نے دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کر جنگ کرنے کے حق میں ہے تو اسی کے مطابق جنگ کرنے کا عزم کیا'' (۱۰۰)۔آپ ﷺ نے جائز تنقید کی مکمل اجازت دے رکھی تھی پیغمبر ہونے کے باوجود کبھی اپنی ذاتی رائے زبردستی مسلط نہیں کی۔'' ایک غزوہ میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ فلاں فلاں مقام پر قیام کریں اور پڑاؤ ڈالیں ایک صحابی نے دریافت کیا یہ ارشاد وحی سے ہے یا آپ ﷺ کی ذاتی رائے سے۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے ہے صحابی نے عرض کیا پھر تو یہ منزل مناسب نہیں اسکے بجائے فلاں فلاں منزل مناسب ہوگی چنانچہ اسی رائے پر عمل کیا گیا'' (۱۰۱) اسلام ایک ایسا دین فطرت ہے جو انسانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے ہر اعتبار سے متوازن حل پیش کرتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے کہیں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔اسلامی فکر کا یہ امتیاز ہر معاملے میں نمایاں نظر آتا ہے۔(۱۰۲)

بعثت نبوی سے پہلے حکومتوں کا حال:

جس وقت اسلام آیا ہے اور رحمت عالم ﷺ نے حق کی آواز بلند کی ہے۔ دنیا اس وقت دو عظیم الشان سلطنتوں کے قبضہ میں تھی، ایران اور روم۔ اسلام سے قبل دنیا نسل، زبان اور رنگ کے دائروں میں منقسم تھی۔انسانیت کا احترام نام کو نہ تھا۔آتش کدہ فارس میں انسانی عظمت جل کر راکھ ہو رہی تھی۔یونان کی حکمت نے وجود وزن کو کائنات کے لیے لعنت تشخیص کیا اور بت کدہ ہند میں دیوتاؤں کے قدم عورت کی مقدس قربان گاہ تھے۔عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت پر ناز تھا کہ وہ ایرانیوں کو عجمی کہا کرتے تھے۔ایرانی سفید فام تھے اور اس پر اتنا اتراتے تھے کہ حبشیوں اور ہندوستانیوں کو کوے کہتے۔ حالانکہ اس وقت بھی ہندوستان میں معاشرہ چار ذاتوں میں بٹا ہوا تھا اسلام آیا تو اس نے کہا:

﴿وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ﴾ (۱۰۳)

''اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہلِ دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں''

اسی فرمان الٰہی کے پیش نظر اسلامی حکومت میں بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ میں کوئی فرق نہ رہا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ ترکوں نے حبشیوں کی کبھی توہین کی اور نہ عربوں نے چینیوں کے ساتھ پر امن زندگی گزارنے میں کوئی دشواری محسوس کی۔ کیونکہ آپ نے فرمایا دیا تھا کہ: ((الخلق عیال اللہ)) (۱۰۴)۔

عدل وانصاف حکومت روم میں:

انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل (Sale) جس طرح اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے تھے، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا اور رشوت و خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی۔(۱۰۵) اس سے بڑھ کر ظلم یہ تھا کہ ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں چنانچہ موسیو لاروس

Marfat.com

''دائرہ المعارف'' میں لکھتا ہے کہ

''روما میں سزائیں ایک ہی قسم کے جرموں میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دی جاتی تھیں۔'' (۱۰۶)

عدل وانصاف حکومت ایران میں:

ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے گویا وہ خدا ہیں۔ ''اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا، جس میں ردوبدل ممکن نہ تھا'' (۱۰۷)

پیغمبر اسلام کی زندگی عدل اجتماعی کا بہترین نمونہ:

آپ ﷺ نے عربوں کو باہم عدل اور انصاف کا درس دیا اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ قیام امن کے معاہدے فرمائے۔ آپ ﷺ حرب فجار میں شریک تو ہوئے مگر آپ ﷺ کو یہ شرکت ہرگز پسند نہ تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((قدحضرته مع عمومتي ورميت فيه بأسهم وما احب أني بم اكن فعلت)) (۱۰۸)

حرب فجّار میں ہونے والی خونریزی کے بعد آپ ﷺ نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے گفتگو فرمائی اور اس بے چینی کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ان کوششوں کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا۔

حلف الفضول میں شرکت:

حلف الفضول ایک مہذبانہ وشریفانہ معاہدہ تھا جو کمزوروں کی حمایت اور اپنے حقوق کے دفاع کے لیے تھا۔ یہ معاہدہ جنگِ فجار سے واپسی پر مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر ہوا شرکاء معاہدہ نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہوئے عہد کیا کہ:

''جب تک دریا میں صوف کے بھگونے کی شان باقی ہے۔ ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے تا آنکہ اس کا حق ادا کیا جائے'' (۱۰۹)

واقعہ حجر اسود:

حجر اسود کے واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ خانہء کعبہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے گر چکی تھیں۔ تمام قبائل نے اُسے دوبارہ تعمیر کرنے میں یکساں کردار ادا کیا تھا۔ لیکن جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا موقعہ آیا تو ہر قبیلے کی یہی خواہش تھی کہ یہ شرف انہیں ہی نصیب ہو۔ اب ضروری تھا کہ سمجھ دار لوگ اس معاملے کو نمٹانے کے لیے کعبہ میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو اُسے حَکَم (جج) مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے، وہ سب کے لیے قابل قبول ہوگا۔ اس تجویز پر سب رضامند ہو گئے۔ دوسرے دن سب نے دیکھا کہ الامین کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو رہے ہیں۔ سب پکارے اٹھے کہ:

''هذا محمد، هذا الامين قد رضينا به'' (۱۱۰) ''لو، محمد آ گئے، ان کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں''

ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حجر اسود کو اپنی چادر میں رکھا اور سردارانِ قریش سے فرمایا کہ ہر سردار چادر کا ایک

Marfat.com

گوشہ پکڑ کر اسے اٹھائے۔ جب حجر اسود اپنی جگہ کے برابر پہنچا تو حضور علیہ السلام نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرمادیا (۱۱۱)۔ اس طرح حضور ﷺ کے حسنِ تدبیر سے یہ معاملہ بہت احسن طور پر طے پا گیا اور تمام قبائل کو حجر اسود کی تنصیب کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔

مسلمانوں میں بھائی چارگی:

آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ قائم کیا ابن قیم لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ بن مالک کے مکان میں مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔کل نوے آدمی تھے،آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے (۱۱۲) آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار میں ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کا جذبہ پیدا کردیا مثال کے طور پر عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع کا واقع بیان کیا جاتا ہے

''جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان میں بھائی چارہ کرادیا، عبدالرحمٰن بن عوف کو سعد بن ربیع کا بھائی بنایا، سعد عبدالرحمٰن سے کہنے لگے، بھائی میں سب انصار میں زیادہ مالدار ہوں میں اپنے مال کے آدھوں آدھ دو حصے کرتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں تم دونوں کو دیکھو جو تم کو پسند آئے، مجھ کو کہو میں اس کو طلاق دے دوں، جب اس کی عدت گزر جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا، عبدالرحمٰن نے کہا: بھائی اللہ تعالیٰ تمہاری بیویوں اور تمہارے مال میں برکت دے مجھ کو ذرا اپنا بازار بتلادو'' (۱۱۳)

میثاق مدینہ:

نبی ﷺ نے جب مسلمانوں کے درمیان مواخات کا نظام استوار کرلیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظم کرنے کی توجہ فرمائی آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گردوپیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہوجائے (۱۱۴) اس کے لیے آپ ﷺ نے مسلمان اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ فرمایا جو کہ ''مثیاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ ابن ہشام نے اس دستور کی ۵۳ دفعات کا پورا متن ''السیرۃ النبویۃ'' میں درج کردیا ہے جن میں سے عدل اجتماعی سے متعلق چند ایک اس طرح ہیں کہ:

- ☆ قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کریں گے۔
- ☆ بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- ☆ اسی طرح حارث اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- ☆ مومنین کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دیے بغیر نہ چھوڑیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہوسکے۔
- ☆ بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں، یہودی اپنے دین پر ہیں، مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے۔

Marfat.com

☆ بنی نجار، بنی حارث اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کو۔ (۱۱۵)

میثاقِ مدینہ کی شرائط سے یہ نقطہ عیاں ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے اور گہوارۂ امن بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔

غزوات:

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بدر کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئے اور بیڑیوں میں سخت جکڑ کر باندھے گئے۔ حضرت عباسؓ کے کراہنے سے حضور ﷺ کو نیند نہ آ سکی۔ ایک صحابی سمجھ گئے اور ان کی بندش ڈھیلی کر آئے۔ حضور ﷺ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا:

"فافعل ذلك بالاسری کلهم" (۱۱۶) "جاؤ اس طرح سب قیدیوں کی بندش ڈھیلی کر آؤ"

خیبر کی فتح کے بعد نبی ﷺ نے وہاں کے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ زمین مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہوگی، لیکن عملاً یہود کے تصرف میں رہے گی اور وہ اس کی فصل یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین تقسیم ہوگی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن رواحہ کو وہاں بھیجا جنھوں نے وہاں کی فصل کا جائزہ لے کر مقدار کا اندازہ کیا اور پھر یہود سے کہا کہ:

"اے قوم یہود، تم اللہ کی مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کیا اور اللہ کے خلاف جھوٹ کی نسبت کی۔ لیکن تمہارے ساتھ یہ نفرت مجھے اس پر آمادہ نہیں کرتی کہ میں تم پر کوئی زیادتی کروں۔ میں نے کھجوروں کا اندازہ بیس ہزار وسق لگایا ہے۔ اگر تمھیں منظور ہو تو ٹھیک ورنہ یہ محض میرا اندازہ ہے۔ یہود نے کہا: اسی انصاف کے سہارے تو زمین و آسمان قائم ہیں" (۱۱۷)

بین الاقوامی تعلقات:

نبی ﷺ نے کسی بھی قوم کا نمائندہ بن کر آنے والے سفیروں کے بارے میں اس مسلمہ عالمی عرف کی بھی تائید و تصدیق فرمائی کہ انھیں جان کا تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ جس قوم کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس کے ساتھ کیسا ہی تنازع اور اختلاف کیوں نہ ہو، اس کے بھیجے ہوئے سفیروں پر کوئی دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ مسیلمہ کے بھیجے ہوئے سفیروں نے جب مسیلمہ کے نبی ہونے پر اپنے ایمان کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ضابطہ نہ ہوتا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ (۱۱۸)

بیویوں سے سلوک:

یہ تو باہر کے معاملات تھے۔ آپ نے عدل و انصاف کے دامن کو اپنے خانگی معاملات میں بھی تھامے رکھا آپ ﷺ نے تقریباً ہر عمر کی عورتوں سے شادی کی اور اُن سے مساوی سلوک کرتے رہے اور اس طرزِ عمل کو آخری دم تک نبھاتے رہے جب آخری وقت آپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اس سے پیشتر آپ نے تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت حاصل کی تھی۔ (۱۱۹)

جانوروں کے ساتھ عدل:

حضور ﷺ نے انسان تو انسان پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بھی ثواب بتایا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو واقعہ سنایا کہ ایک شخص

Marfat.com

کی اس طرح کی خدمت پر خوش ہو کر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دیا۔ (۱۲۰)

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بلی کو ایک عورت نے باندھ کر دانہ پانی سے محروم کر کے مار ڈالا، اس عورت کو جہنم کی سزا ہوئی۔ (۱۲۱)

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اور ایک اونٹ نکلا اور آپ ﷺ کو دیکھ کر رونے کی سی آواز نکالنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ ﷺ اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے، پس وہ پرسکون ہو گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ اور پکار کر پوچھا کہ یہ اونٹ کس کا ہے، یہ سن کر ایک انصاری جوان آیا اور بولا۔ یارسول اللہ ﷺ یہ اونٹ میرا ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا جس کا تجھے اللہ نے مالک بنایا ہے اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور خدمت لینے میں تھکا دیتا ہے" (۱۲۲) رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں عدل اجتماعی کا بھرپور تصور، جس میں قرآن وسنت کو بنیاد بنایا گیا تھا اپنے وسیع ترین اطراف و جہات کے ساتھ پوری طرح نافذ ہوا۔ عدل و انصاف کو آپ ﷺ نے عملاً رائج فرمایا، حد یہ ہے کہ خود اپنی ذات تک کو بدلہ میں پیش کر دیا اور اپنے کو اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں کسی بات میں بھی برتر نہیں تصور فرمایا اسی طرح آپ ﷺ نے امیروں، غریبوں دونوں کے حالات کو توازن بخشا، سرمایہ داری کو حرام اور حقوق ملکیت کو باطل ٹھہرائے بغیر سوسائٹی میں ضروریات زندگی کا نظم پیدا کیا۔ (۱۲۳) کسی نے کیا خوب کہا ہے:

حجرہ نبوی میں آ اور شان جمہوری بھی دیکھ　　　غزوہ خندق میں جا اور شان مزدوری بھی دیکھ

ایچ۔ جی۔ ویلز اپنی تالیف "A Concisc History of the World" میں آپ ﷺ کے عدل اجتماعی کے حوالے سے خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

"انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گے تھے۔ چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفصل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد ﷺ نے" (۱۲۴)

عدل اجتماعی کے قیام کے اثرات:

عدل اجتماعی قائم ہونے سے اسلامی معاشرے میں برکتوں کی بارش شروع ہو جاتی ہے اور دُنیا میں انفرادی واجتماعی حیثیت سے انسان کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ سب حاصل ہو جاتے ہیں بغیر اس کے کہ انسان ان کو مقصود بالذات بنائے (۱۲۵)۔ چنانچہ

☆ معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۱۲۶) "نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے"

☆ خوشحالی بھی باحسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہے۔

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (۱۲۷)

Marfat.com

''اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے''۔

☆حکومت وفرمانروائی اورغلبہ وسربلندی اہل ایمان کوحاصل ہوجاتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ (۱۲۸)

اور جوشخص اللہ اوراس کے پیغمبر اورمومنوں سے دوستی کرے گا تو اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

☆سب سے بڑھ کر یہ کہ مومن کا اصل مطلوب ومقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی فی الدنیااورنجات فی الاخرت اسے مل جاتی ہے۔

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (۱۲۹)

''یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا''

قوموں کی عظمت ان کے عدل اجتماعی کے کردار سے وابستہ ہے:

تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ جن قوموں نے عدل وانصاف کا مظاہرہ کیا وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں سربلند اور غالب ہوئیں اور جن قوموں نے ایسا نہیں کیا وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوگئیں حتیٰ کہ صفحہ ہستی سے ہی مٹ گئیں اگر چہ یہ قومیں مالی اور مادی لحاظ سے بڑی خوشحال، مضبوط اور متمدن تھیں، جن کے کھنڈرات ان کی عظمت کا اب بھی پتہ دیتے ہیں قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط اور قوم فرعون جیسی اقوام اگر چہ ظاہری اسباب شان وشوکت کے محلات، باغات، مال ودولت کے انبار اور حکومت واقتدار کے باوجود صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں، کیونکہ ان قوموں نے اپنے خالق ومالک کے نمائندوں (انبیاء علیہ السلام) کی تکذیب کے ساتھ ساتھ ظلم وجور، عیش وعشرت، ناپ تول میں کمی وغیرہ جیسی خرابیوں کو اپنا طریقہ زندگی بنالیا تھا۔

اس کے برعکس عربوں جیسی ظالم، جاہل اور تہذیب وتمدن سے ناآشنا قوم جب ایمان واخلاق کی خوبیوں سے آراستہ ہوئی تو وہ دنیا میں معزز ہی نہیں ہوئی بلکہ سیاست وحکومت، علم ودانش، اخلاق وسیرت، تہذیب وتمدن اور ہنر وفن میں دنیا کی امام بنی۔(۱۳۰)

مغربی نظریہ عدل کے مضمرات:

ڈاکٹر رابرٹ بریفالٹ نے اپنی مشہور کتاب "The Making of Humainty" میں مغربی تصور عدل کے مضمرات کا جائزہ لیا ہے۔ اس نے عیسائیت کو یونانی فکر سے پوری طرح متاثر قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق عدل وانصاف کا تصور نافذ کرنا تو درکنار اسے صحیح طور سے سمجھا بھی نہیں جاسکتا۔ جب تک کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان تعلقات کو منضبط نہ کیا جائے۔ انسانی تعلقات کی تنظیم ہی تمام جدید مغربی مفکرین کی کتابوں اور ان کے نظریات اور فلسفوں کا مرکزی موضوع ہے۔ بدقسمتی سے مغربی نظریات نے انسانی تعلقات کی کوئی مضبوط تنظیم اور اس کی محکم بنیادیں فراہم نہیں کیں۔ یہ تنظیم و تشکیل افراط وتفریط کے درمیان ابھی تک معلق ہے۔ بعض نظریات نے فرد کو اتنی اہمیت دی کہ معاشرے کے تقاضے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور بعض فلسفوں نے اجتماعیت کو اتنے زور دار انداز میں پیش کیا کہ فرد اس میں گم ہو کر رہ گیا۔

خلاصہ بحث:

علم انسانی نے عالمِ زماں ومکاں کی تسخیر کرکے اقوامِ عالم کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے، اور یہ قربِ زمانی ومکانی

Marfat.com

روز بروز کم ہوتا جارہا ہے،اسلام جو کہ عالمگیر دینِ فطرت ہے۔اس دُنیا میں ایک ایسا بین الاقوامی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو ہر اعتبار سے حسین اور امن وسلامتی کی نظیر ہو،اوراس میں لوگ عدل واحسان، اخوت ومحبت،آزادی،امن وسلامتی اورعزت واحترام سے زندگی گزارتے ہوں۔

لیکن مقامِ افسوس ہے کہ آج مسلمانانِ عالم تاریخ کے ان عبرت انگیز مرقعوں سے کوئی سبق نہیں لے رہے۔ ان کی موجودہ پستی اور بے بسی کا سبب یہی ہے کہ وہ اس سرمدی پیغام کو بھول رہے ہیں جس نے انہیں محبت واخوت کے ابدی رشتوں میں جکڑ دیا تھا اور انہیں ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیوں کی صورت میں پرو دیا تھا۔چشمِ فلک گواہ ہے کہ چودہ سو برس قبل صحرائے عرب کی تپتی ہوئی ریت سے ایک قوم ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾ کا سرمدی پیغام لے کر بگولے کی طرح اُٹھی اور طوفان بن کر پوری دنیا پر چھا گئی۔ وہ جہالت کی اتھاہ تاریکیوں سے نکل کر تہذیب وتمدن کے جگمگاتے ایوانوں میں جا پہنچی اور دنیا میں علم و ادب کی شمع بردار بن گئی۔ اس کے ہاں بندہ وآقا کی تمیز بے معنی ہوگئی۔ رنگ ونسل اور حسب ونسب کا امتیاز مٹ گیا۔عزت و وقار کا معیار تقویٰ اور صرف تقویٰ قرار پایا۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم !چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

آج جب ہم عالمِ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ احساس کی لہریں مجسم سوال بن کر پوچھتی ہیں کہ کیا ہم اسی قوم کے فرزند ہیں جسے خیر الامت کے لقب سے سرفراز کیا گیا تھا؟ آج ہماری غیرت وحمیت کو کیا ہوا کہ دوسروں کی دریوزہ گری کو اپنا شعار بنا چکے ہیں۔دوسروں کی ذہنی غلامی کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں اور پھر جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو اقبالؔ کی روح متاعِ کارواں کے لُٹ جانے پر ماتم کناں نظر آتی ہے اور جب اس لُٹ جانے پر بھی کچھ نہ کھویا والی حالت طاری رہتی ہے تو تڑپ اُٹھتی ہے، آہ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (۱۳۱)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مغربی حکومتوں کی مسلم کش سیاسی پالیسیوں کا انتقام لینے کے لیے ان کے عام اور بے گناہ شہریوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور اس پر یہ شرعی جواز بھی گھڑ رہے ہیں کہ چونکہ ان ممالک کے عوام اپنی حکومتوں کو ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس لیے وہاں کے تمام شہری مقاتلین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو قتل کرنا جائز ہے۔یہی معاملہ امریکہ میں بننے والی کسی فلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مختلف مسلم ممالک میں امریکی سفارت خانوں کو جلانے اور سفارتی عملے کو قتل کرنے کے حالیہ واقعات کا ہے اور فقہ وشریعت کے کسی بھی طالب علم کے لیے یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ بے لگام غصے اور اشتعال کی کیفیت میں اس طرح کے اقدامات کا کیا شرعی یا اخلاقی جواز پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہماری قیادت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو غصے اور نفرت کے اس اظہار کو، جو حدود سے قطعی طور پر متجاوز ہے، غیرت کا خوب صورت عنوان دے کر اپنی عوامی مقبولیت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس نازک موقع پر حق کی گواہی دیتے ہوئے مسلمانوں کو شرعی اخلاقیات کی یاد دہانی کرائے اور سیرت نبوی وسیرت صحابہ کی روشن مثالوں کا حوالہ دے کر ان کے دلوں میں اس احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کرے کہ:

Marfat.com

ع تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانگی ہوئی دعا میں اپنے لیے مانگتی ہوں کہ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

حواشی وحوالہ جات

ا۔القرآن الکریم، الحدید ۵۷:۲۵ ...... ۲۔ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۱، ص:۱۰ ...... ۳۔اردو لغت تاریخی اصول پر، ترقی اردو بورڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء، جلد:۱، ص:۱۸۹...... ۴۔امام راغب اصفہانی، المفردات القرآن، ترجمہ: محمد عبدہ فیروز پوری، شیخ شمس الحق، لاہور، جلد:۲، ص:۱۱۴...... ۵۔ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۶ء، جلد:۱۱، ص:۴۳۰...... ۶۔محمد بن علی التھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، مکتبۃ لبنان ناشرون، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۹۹۶ء، جلد:۲، ص: 1152 ...... ۷۔امام فخرالدین الرازی، تفسیر الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، جزء: ۲۰، ص:۲۵۹ ......

۸۔افلاطون اردو ترجمہ، مولوی مرزا محمد ہادی، جمہوریہ افلاطون، ص ۵۶ و بعدھا...... ۹۔علی ہجویری، مترجم: مفتی غلام معین الدین، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، فروری ۱۹۷۶ء...... ۱۰۔سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص:۶۶۶......

۱۱۔الامام ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۹ء، جلد:۱، ص:۲۱۹...... ۱۲۔دکتور وھبۃ الزحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدۃ و الشریعۃ والمنھج، دار الفکر المعاصر، دمشق، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۸ھ، جزء:۱۴، ص:۲۱۷...... ۱۳۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) دار الکتب العمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۹ھ، جزء:۳، ص:۱۷۲...... ۱۴۔السید عبدالرزاق کمونہ الحسینی، العدل الاجتماعی فی الاسلام، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان، ۱۹۸۱ء، ص ۱۴ ...... ۱۵۔ الدکتور احمد مختار عمر، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ، عالم الکتب، القاھرۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۹ھ، الجزء:۲، ص ۱۴۶۸ ...... ۱۶۔الدکتور أحمد الشرباصی، موسوعۃ اخلاق القرآن، دار الرائد العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ء، ص:۲۲ ...... ۱۷۔سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست، ص:۶۷۳......

۱۸۔الدکتور ابراھیم مدکور، معجم العلوم الاجتماعیۃ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ لکتاب، قاھرۃ، ۱۹۷۵ء، ص:۳۸۵......

۱۹۔ابوبکر البیھقی، الاسماء و الصفات، مکتبۃ السواري، جدۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۱۳ھ، جلد: ۱ص:۱۴۱......

۲۰۔القرآن الکریم، الحجرات ۴۹:۹ ...... ۲۱۔ایضاً، النحل ۱۶:۹۰ ...... ۲۲۔ایضاً، الانفطار ۸۲:۷ ...... ۲۳۔ایضاً، الشوریٰ ۴۲:۱۵...... ۲۴۔امام ترمذی، جامع ترمذی، فیصلوں کا بیان، عادل امام، حدیث:۱۳۵۳...... ۲۵۔امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب: فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر والحث علی الرفق، حدیث:۳۴۰۶...... ۲۶۔عبدالرحمٰن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون،، علماء اکیڈمی، لاہور، ص:۷۲ ...... ۲۷۔ارسطو، سیاسیات، اردو ترجمہ: سید نذیر نیازی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص:۹۔۱۴...... ۲۸۔مولانا عبید اللہ سندھی، تعلیمات وسیاسی افکار، المحمود اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص:۴۹ ...... ۲۹۔علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، مارچ:۱۹۷۲ء، ص:۱۹۰ ...... ۳۰۔ابن مسکویہ، تہذیب الاخلاق، کردستان العلمیہ جمالیہ، مصر، ۱۳۳۹ھ، ص:۱۷...... ۳۱۔القرآن الکریم، النساء ۴:۱......

۳۲۔صحیح بخاری، کتاب التیمم، حدیث:۳۲۸...... ۳۳۔القرآن الکریم، المائدہ ۵:۸...... ۳۴۔شہزاد اقبال شام، اسلام میں عدل وقضاء کا تصور، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، دسمبر ۲۰۰۷، ص: ۶۔۷...... ۳۵۔القرآن الکریم، الذاریات ۵۱: ۵۶ ...... ۳۶۔ایضاً، المزمل ۷۳:

Marfat.com

۲۔۳...... ۳۷۔صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب:حق الجسم فی الصوم، حدیث:۱۹۷۵...... ۳۸۔صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب:لن یدخل أحدالجنۃ بعملہ، بل برحمۃ اللہ تعالیٰ، حدیث:۲۸۱۸...... ۳۹۔مولانا رئیس احمد جعفری، اسلام اور عدل واحسان، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۵۵...... ۴۰۔ القرآن الکریم، لقمان ۳۱:۹...... ۴۱۔صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذارأی ما یکرہ، حدیث:۹۰...... ۴۲۔القرآن الکریم، الانبیاء۲۱:۳۳ ...... ۴۳۔ایضاً، یٰس۳۶:۴۰...... ۴۴۔ایضاً، الرعد۱۳:۲ ...... ۴۵۔ایضاً، الانعام۶: ۱۱۵ ...... ۴۶۔القرآن الکریم، الحدید ۵۷:۲۵ ...... ۴۷۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، دسمبر: ۱۹۹۷ء، جلد:۵،، ص۳۲۲ ...... ۴۸۔ الکریم، ال عمران۳:۵۹ ...... ۴۹۔ایضاً، النسآء۴:۱ ...... ۵۰۔ایضاً، بنی اسرآئیل ۱۷: ۷۰ ...... ۵۱۔ایضاً، البقرۃ۲:۲۱۳ ...... ۵۲۔ایضاً، الذاریات۵۱: ۵۶...... ۵۳۔منشی عبدالرحمٰن خان، اسلام کا نظام عدل و انصاف، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان، اگست، ۱۹۸۳ء، ص:۸۷ ...... ۵۴۔القرآن الکریم، انسآء۴:۱۳۵) ...... ۵۵۔رپورٹ اسلامی نظام عدل، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، ۲۶ فروری ۱۹۸۴ء، ص: ۸۴ ...... ۵۶۔القرآن الکریم، الحجرات۴۹:۹ ...... ۵۷۔امام سرخسی، المبسوط، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء، جزء: ۱۶، ص: ۱۲۲ ...... ۵۸۔سید قطب شہید، ترجمہ:محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص:۴۷...... ۵۹۔علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص:۳۲۹ ...... ۶۰۔علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈسنز پبلشرز، لاہور، مارچ:۱۹۷۲ء، ص:۶۵۵ ...... ۶۱۔الطبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۳ء، جزء:۱۰، ص:۱۰۸...... ۶۲۔عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعیِ ذمہ داری، ص:۲۲۱ ...... ۶۳۔ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، داراحیاء الکتب العربیۃ، کتاب الرھون، باب أجرالأجراء، حدیث:۲۴۴۳ ...... ۶۴۔القرآن الکریم، انسآء۴:۳...... ۶۵۔القرآن الکریم، البقرہ۲: ۲۵۱ ...... ۶۶۔القرآن الکریم، ال عمران۳: ۱۰۴...... ۶۷۔الدکتورابراھیم مدکور، معجم العلوم الاجتماعیۃ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ لکتاب، قاھرۃ، ۱۹۷۵ء، ص:۶۸۳۸۵۔الدکتورمحمدالبھی، الاسلام فی حیاۃ المسلم، دارالفکر، ص:۲۰۴...... ۶۹۔اسلام میں عدل اجتماعی، سیدقطب شہید، ص:۹۷ ...... ۷۰۔القرآن الکریم، الانعام۶: ۶۲ ...... ۷۱۔ محمد ابوزھرۃ، المجتمع الانسانی فی ظل الاسلام، الوتمر الثالث لمجمع البحوث الاسلامیۃ، الازھر، القاھرۃ، ۱۹۶۶ء، ص: ۳۹۷ ۷۲۔القرآن الکریم، المائدۃ۵:۸ ...... ۷۳۔عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص:۲۲۰...... ۷۴۔سیدقطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ص:۹۸...... ۷۵۔سیدقطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ص:۱۰۹...... ۷۶۔عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعیِ ذمہ داری، ص:۲۰۹...... ۷۷۔القرآن الکریم، المائدہ ۵: ۸......

۷۸۔ایضاً، النسآء۴: ۳۵...... ۷۹۔عبدالعزیزالخیاط، المجتمع المتکافل فی الاسلام، موسسۃالرسالۃ، بیروت، ۱۹۷۲ء، ص:۴۷ ...... ۸۰۔سنن ابی داوٗد، کتاب الأدب، باب فی العبیۃ، حدیث:۵۱۱۹...... ۸۱۔القرآن الکریم، المائدۃ۵:۲...... ۸۲۔علامہ اقبال، بانگِ درا، شیخ غلام علی اینڈسنز پبلشرز، لاہور، مارچ:۱۹۸۲ء، ص:۲۶۵...... ۸۳۔عزیزالرحمٰن، تعلیمات نبوی اورآج کے زندہ مسائل، ص:۶۳۔۶۴...... ۸۴۔صحیح البخاری، کتاب الحج، باب:الخطبۃ ایام منی، حدیث:۱۶۵۲...... ۸۵۔الطاف حسین حالی، مسدس حالی، تاج کمپنی لمیڈلاہور، ص:۵۲...... ۸۶۔مولوی نوراحمد، (ترجمہ ر:حمان مذنب) مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، ادبی ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۰۲، ص:۲۱۴ ...... ۸۷۔ جان ایس ھائی لینڈ، (مترجم:سید مبارز الدین رفعت) مختصر تاریخ تمدن، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۵۶ء، ص:۵۶...... ۸۸۔مولانا محمد ہارون معاویہ، اسلامی اخلاق کے رہنما اصول، دارالاشاعت کراچی، اگست:۲۰۰۷، ص:۲۷۳...... ۸۹۔الطاف حسین حالی، مسدس حالی،

Marfat.com

تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، ص:۲۰...... ۹۰۔الامام محمد احمد بن حنبل، مسند احمد، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء، باب: ۵، حدیث: ۴۱۱......
۹۱۔تعلیمات وسیاسی افکار، ص:۴۵...... ۹۲۔القرآن الکریم، ال عمران ۳: ۱۲۰...... ۹۳۔تعلیمات نبوی اورآج کے زندہ مسائل، ص:۸۹......
۹۴۔صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب:رحمة الناس والبھائم، حدیث: ۵۶۶۷...... ۹۵۔صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب:أی الاسلام افضل، حدیث:۱۱...... ۹۶۔عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص:۲۱۷...... ۹۷۔علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈسنز پبلشرز، لاہور، مارچ:۱۹۷۲ء، ص:۳۹۹...... ۹۸۔العلامہ السید محمد حسین الطباطبائی، المیزان تفسیر القرآن، موسسة الاعلمی للمطبوعات، لبنان، بیروت، ۱۹۷۳ء، جلد:۲، ص:۱۱۷...... ۹۹۔ recnstruction of relijions thought in islam dr,iqbal,page 154.155...... ۱۰۰۔محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القران، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص:۲۷۰...... ۱۰۱۔شبلی نعمانی، سیرت النبی، مطبوعہ اعظم گڑھ، طبع سوم، جلد: ۱، ص:۲۹۵...... ۱۰۲۔ڈاکٹر محمد سرور، اسلام اور جدید ریاستی نظام، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۳...... ۱۰۳۔القرآن الکریم،، الروم ۳۰:۲۲...... ۱۰۴۔احمد بن محمد ابن عبدربہ، العقد الفرید، مطبعة التالیف، ولنشر والترجمہ، القاھرہ، ۱۹۴۰ء، جلد: ۱، ص:۱۲۶۲...... ۱۰۵۔ابوالحسن علی ندوی، مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۴۳...... ۱۰۶۔علامہ فرید وجدی، المدینہ والاسلام، ص:۱۴۰...... ۱۰۷۔ایضاً، ص: ۵۰، بحوالہ ایران بعہد ساسان...... 108. ابن سید الناس، عیون الاثر، مکتبة القدسی، القاھرۃ، ۱۳۵۶ھ، جلد:۱ ص:۴۶...... ۱۰۹۔ابن سعد، الطبقات الکبری، نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۸۳ء، جلد:۱، ص:۱۸۳...... ۱۱۰۔محمد ابن جریرطبری، تاریخ الطبری، جلد:۲، ص:۴۱...... ۱۱۱۔ ابن سعد، طبقات الکبری، جلد:۱، ص:۲۰۶...... ۱۱۲۔ابن قیم، زادالمعاد، نفیس اکیڈیمی کراچی، اگست:۱۹۸۲ء، جلد:۲، ص:۵۶...... ۱۱۳۔صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب أخی النبی بین المھاجرین والانصار، حدیث:۳۷۸۰......
۱۱۴۔مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، المکتبة السلفیة، لاہور، مئی:۲۰۰۲ء، ص:۲۶۳...... ۱۱۵۔ابن ہشام، ترجمہ:مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر، السیرۃ النبویہ، شیخ غلام علی اینڈسنز، لاہور، جلد:۱، ص:۵۵۴۔۵۵۹...... ۱۱۶۔ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، مکتبة نھضة، مصر، جلد:۲، باب:عباس بن عبدالمطلب...... ۱۱۷۔احمد بن حنبل، مسند احمد، مؤسسة قرطبة، القاھرۃ، حدیث:۱۴۹۹۶، جزء:۳، ص:۳۶۷...... ۱۱۸۔ابو داؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب:فی الرسل، حدیث:۲۷۶۱...... ۱۱۹۔صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب: مرض النبی ﷺ ووفاتہ، حدیث:۴۱۷۸...... ۱۲۰۔صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب:فضل سقی الماء، حدیث:۲۳۶۳......
۱۲۱۔صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب: فضل سقی الماء، حدیث:۲۳۶۵...... ۱۲۲۔ابی داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب:مایؤمربه من القیام علی الدواب والبھائم، حدیث:۲۵۴۹...... ۱۲۳۔مولانا عبدالروف رحمانی، ایام خلافت راشدہ (معاشی وسماجی عدل وانصاف اور امن کا ایک بہترین دور)، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، طبع اوّل، اگست ۱۹۹۷ء...... ۱۲۴۔ڈاکٹر اسراراحمد، اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت،، ص:۱۴ (نوٹ: ایچ جی ویلز کی یہ عبارت اس کتاب کے لیے نئے ایڈیشن سے حذف کر دی ہے...... ۱۲۵۔عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص:۲۱۵...... ۱۲۶۔القرآن الکریم، البقرۃ۲:۱۱۳...... ۱۲۷۔ایضاً، الاعراف۷:۹۶ ...... ۱۲۸۔ایضاً، المائدۃ۵:۵۶ ...... ۱۲۹۔ایضاً، مریم۱۹:۶۳...... ۱۳۰۔مولانا محمد ہارون معاویہ، اسلامی اخلاق کے رہنما اصول، دارالاشاعت کراچی، اگست:۲۰۰۷ء، ص:۴۶...... ۱۳۱۔علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص:۱۸۷

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

سائرہ محمد ایوب بھگت۔ کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا﴾

تو نے ہر گام پہ چھوڑے ہیں نقوش تاباں — رہنما ایک زمانے کی ہے سیرت تیری

ہر عمل تیرا ہر اک دور کا رہبر ٹھہرا — ہر زمانے میں مسلم ہے امامت تیری

رسولِ اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ خصوصیات میں سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت آپکا امام الانبیاء، سیّدالمرسلین اور خاتم النبیین ہونا ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت، آپ ﷺ کا پیغام اور دین اسلام کائناتی اور آفاقی ہے۔ آپ ﷺ بنی نوع آدم اور پورے عالم انس وجن کے لیے دائمی نمونۂ عمل اور خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ ﷺ پر دینِ مبین کی تکمیل کردی گئی۔ پوری انسانیت آپ ﷺ امت اور آپ ﷺ پوری انسانیت کے لیے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمائے گے۔ اس ابدی حقیقت کی وضاحت قرآنِ کریم کی اس آیت میں بہ تمام وکمال کر دی گئی، ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ (۱) **ترجمہ** ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کیلئے خوش خبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ کی نبوّت ورسالت کی آفاقیت اور عالمگیریت کے حوالے سے ارشادِ ربانی ہے: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا﴾ (۲) **ترجمہ**: ''کہہ دیجیے، اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں۔ پوری کائنات اور عالمِ انسانیت کو آپ ﷺ کے ابدی اور مثالی پیغام کا مخاطب اور آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے زیرِ اثر بھیجے جانے کے حوالے سے ارشاد ہوا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا﴾ (۳) **ترجمہ**: ''برکت والا ہے وہ خدا، جس نے حق وباطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی تاکہ وہ دنیا جہاں کے لیے ہوشیار وآگاہ کرنے والا ہو۔'' ہادیِ آخر واعظم، سیدِ عرب وعجم حضرت محمد پوری انسانیت کے ہادی بنا کر مبعوث فرمائے گئے، آپ کی بہت سی احادیث میں اس ابدی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ رسولِ اکرمکا ارشادِ گرامی ہے: ''بعثتُ الیٰ الأحمر والأسود'' (۴) **ترجمہ**: ''میں کالے اور گورے (مشرق ومغرب) تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔''

ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ خصوصیت کے حوالے سے ارشاد فرمایا: ''امّا انا فارسلتُ الیٰ النّاس کلّھم خاصّة وکان من قبلی انّما یُرسل الیٰ قومه.'' (۵) **ترجمہ**: ''میں (عمومیت کے ساتھ) تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی مبعوث ہوئے، وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔''

یہ ایک تاریخی، ابدی اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا داعی، عدل و انصاف، احسان، تحمل

Marfat.com

وبرداشت، عفوودرگذر، رواداری اور احترام انسانیت کا سب سے عظیم علمبردار ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسان کا ہر فرد بلاتفریقِ مذہب و ملت احترام کا مستحق ہے۔ وہ رنگ ونسل، بدامنی اور دہشت گردی، عدم برداشت اور انتہا پسندی کے ہر غیر اسلامی اور غیرانسانی جذبے سے یکسر پاک ہے۔ اسلام ''سلامتی'' اور ایمان ''امن'' سے عبارت ہے۔ اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی اور احترام انسانیت کا درس دیا ہے۔ اس نے پرامن بقائے باہم کے لئے بلاتفریقِ مذہب وملت، ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (۶) کا نظریہ عطا کر کے غیر جانبداری، اعتدال پسندی اور امن وسلامتی کا فلسفہ عطا کیا۔ اسلام نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کا رب سارے جہانوں کا رب ہے، اس کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ '' رحمٰن ورحیم'' ہے۔ (۷) انسانیت کے نام اس کے ابدی اور آفاقی پیغام ہدایت، قرآن کریم فرقان حمید کی پہلی سورۃ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ..... کے بعد ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تین سو سے زائد آیاتِ مبارکہ میں اللہ کی صفتِ رحمت کا ذکر ہے۔ انسانیت کے ہادی اعظم، سیّدِ عرب وعجم، پیغمبرِ آخر واعظم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' (۸) بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ، عدل و انصاف، احسان، صبر وبرداشت، عفوودرگذر، رواداری، میانہ روی اور اعتدال پسندی سے عبارت ہے۔

عدل کا مفہوم:

عدل کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا مطلب توازن، مساوات، افراط تفریط سے اجتناب، انصاف، تناسب اور لوگوں کے تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر شخص کو اس کا جائز حق مل جائے۔ قرآن حکیم میں عدل کے مترادف الفاظ قسط، وسط، اعتدال، میزان، مستقیم، اور تقدیر وغیرہ وارد ہوئے ہیں۔ عدل ظلم کی ضد ہے۔ آلوسی نے عدل کو ہر نیکی کی اساس قرار دیا ہے۔

۱۔ ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ، ای بمراعۃ التوسط بین طرفی الافراط والتفریط وھو راس الفضائل'' (۹)

۲۔ عبداللہ نسفی نے عدل کی توضیح یوں کی ہے: ''التسویۃ فی الحقوق فیما بینکم وترک الظلم وایصال کل ذی حق الی حقہ'' (۱۰)

۳۔ احمد بن علی الجصاص کی نظر میں عدل سے مراد قول وفعل دونوں میں عدل سے کام لینا شامل ہے: ''قد انتظم العدل فی العمل والقول قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ (۱۱)

۴۔ مولانا شبیر احمد عثمانی عدل کے مفہوم کو یوں واضح کرتے ہیں: ''عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال و انصاف کے ترازو میں تلے ہوں۔ افراط وتفریط سے کوئی پلڑا جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔'' (۱۲)

عدل کیا ہے؟

عدل کی قیمت کا تعین امام ابن تیمیہ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ ہی درست رہ سکتے ہیں۔ خواہ قیام عدل کے ساتھ اس میں دیگر گناہوں کا ارتکاب بھی ہو۔ لیکن اگر دیگر گناہ نہ بھی ہوں لیکن حقوق تلفی اور ظلم کا دور دورہ ہو تو پھر معاملات کا پہلی صورت کے مقابلہ میں درست رہنا زیادہ دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

ایک عادل حکومت کو قائم رکھتا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لیکن ظالم حکومت کو مٹا دیتا ہے، خواہ وہ مسلمان کی حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا عدل اور کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔ (۱۳)

عدل ایک نہایت جامع لفظ ہے۔ اس سے مراد انسان اور انسان کے درمیان عدل ہے۔ کمزور اور طاقتور کے درمیان عدل ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان عدل ہے۔ ریاست اور عوام کے درمیان عدل ہے۔ الغرض حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق النفس کی ادائیگی اور توازن کا نام عدل ہے۔ اگر تمام انسانوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد قوت کے بجائے عدل کو قرار دیا جائے تو ہماری پوری زندگی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی تمام شعبہ ہائے زندگی کی عمارات اخلاقی بنیادوں پر مستحکم ہو سکتی ہے اور فضائے عالم سے جنگ و ظلم کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔ (۱۴)

عدل اجتماعی کی تعریف:

''عدل اجتماعی'' درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ کہ ''افراد، خاندان، قبیلوں، برادریوں اور قوتوں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے یہ مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہو اور مختلف افراد اور گروہوں سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے'' (۱۵)۔ اسلام کا عدل اجتماعی دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کے قانون کی نگاہ میں اسلامی ریاست کا صدر اور عام شہری برابر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر کے عملاً اس کی توثیق کر دی۔ (۱۶)

عدل اجتماعی ایک بنیادی قدر:

عدل اجتماعی انسانی سماج کی وہ بنیادی قدر ہے جس کے بغیر معاشرے ہموار طریقے سے ترقی نہیں کرتے۔ ہر معاشرے کی درست تشکیل کے لیے عدل اجتماعی بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ جن معاشروں میں عدل اجتماعی نہیں ہوتا وہ روبہ زوال ہو جاتے ہیں اور ترقی کی منازل طے کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس لیے ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک انسانی ترقی کے لیے عدل اجتماعی کی بنیادی اہمیت رہی ہے۔ کسی معاشرے نے بھی اس کے بغیر ترقی نہیں کی۔ (۱۷)

عدل اجتماعی انقلاب نبوی ﷺ کی بڑی خصوصیت:

تمام ادیان کی بنیادی تعلیمات میں عدل اجتماعی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ خاص طور پر دین اسلام کی سچی تعلیمات اس حوالے سے بڑی جامعیت کی حامل ہیں۔ نبوی ﷺ انقلاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی کہ آپ ﷺ نے انسانی اجتماع میں عدل اجتماعی کو اولین اہمیت دی اور بلاتفریق رنگ و نسل اور مذہب انسانی حل کرنے کے لیے نہ صرف ایک مکمل سیاسی، معاشی اور سماجی نظام دیا، بلکہ ایک مکمل فکر و نظریہ اور فلسفۂ حیات بھی دیا۔ مسلمانوں کے غلبے کے ایک ہزار سالہ دور میں عدل اجتماعی کے اس فلسفہ و فکر کی اساس پر مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں ایک ایسا عالمی سماجی نظام تشکیل دیا گیا، جس نے انسانیت کے مسائل حل کیے اور ان کی قومی اور بین الاقوامی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ''ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء'' میں ارشاد فرماتے ہیں: ''نبی اکرم

Marfat.com

ﷺ کی بعثت کا مقصد شہنشاہیت اور سرمایہ داریت کو ختم کر کے عادلانہ نظام قائم کرنا ہے''۔ اس دور میں پوری دنیا پر دو سلاطین اور شہنشاہ قابض تھے: ایک کسریٰ اور دوسرا قیصر پوری دنیا ان کے ماتحت تھی حتیٰ کہ برعظیم (پاک و ہند) بھی کسریٰ کا باج گزار تھا تو آپ ﷺ کا مقصد اس سرمایہ داریت کو ختم کرنا تھا، جو اس وقت شہنشاہیت کے روپ میں تھی تو سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے پہلے شہنشاہیت کو ختم کرنا ضروری تھا۔''

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب نے ان شہنشاہیتوں کی شاہ خرچیوں اور عیاشیوں کی پوری تصویر پیش کی ہے کہ کس طرح انہوں نے عوام پر بے دریغ ٹیکس لگا کر ان کی بری حالت بنادی اور رات دن گدھوں کی طرح کام لے کر ایسا بدحال کر دیا کہ ان کو اللہ بھی یاد نہ رہا تو گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت خود عوام کے لیے رحمت خداوندی تھی۔ خود قرآن میں ہے کہ قرآن ہدایت (۱۹)) ہے تو آپ ﷺ کو قرآن پاک دے کر شہنشاہیت کے خاتمے اور عادلانہ نظام کے قیام کے لئے بھیجا گیا۔ (۲۰) دراصل کسریٰ و قیصر سرمایہ داری کی علامتیں تھیں جن کو اپنے انجام تک پہنچنا تھا۔

مدینہ کی اسلامی ریاست کا وہ دستوری معاہدہ جس کے تحت مسلمان مہاجرین انصار اور یہود کے قبائل ایک ہیئت اجتماعیہ میں جمع ہوئے تھے۔ اس میں تسلیم کیا گیا تھا کہ سیاسی اور عدالتی لحاظ سے اختیارات اعلیٰ محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ یہ ذمہ داری انہوں نے بہ رضا و رغبت قبول کی تھی لیکن جہاں انہوں نے یہ محسوس کیا اسلامی ریاست کے بے لاگ قانون کی زد ان کے کسی مفاد پر پڑتی ہے اور ان کی کوئی شخصیت اس کی لپیٹ میں آتی ہے تو وہ اپنی معاندانہ، سیاسی، اخلاقی، شرعی ذمہ داریوں اور معاشرے اور انسانیت کے مجموعی مفاد کو یکسر انداز کر کے الٹے راستے پر پڑ جاتے رہے۔ (۲۱)

یہودی معاشرہ کے فساد عام کا ایک بڑا مظہر یہ تھا کہ ان میں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں کی تقسیم مستقل طور پر قائم ہو چکی تھی اور قانونی مساوات یکسر ختم ہوگئی تھی۔ بااثر لوگوں کے لیے قانون الگ تھا اور کمزوروں کے لیے الگ۔ کوئی نضیری کسی قریظی کو قتل کر دیتا تو دیت سو وسق لی جاتی اور صورت جرم الٹی ہوتی تو پچاس وسق دی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے اور اسلام نظام عدل کے قائم ہو جانے کے بعد بنو نضیر کے کسی آدمی نے بنو قریظہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ بنو قریظہ نے دوگنی دیت دینے سے انکار کیا اور مساوات کے حق منوانے کی کوشش کی۔ معاملہ اتنا بڑھا کہ نوبت دونوں فریقوں کے درمیان جنگ تک جا پہنچی۔ آخر ثالثی کا فیصلہ حضرت محمد ﷺ کے سامنے پہنچایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ''**فاحکم بینهم بالقسط**'' کے تحت دیت کے اس غیر مساویانہ نظام کو ختم کر کے ترازو کے پلڑے ہمیشہ کے لیے برابر کر دیئے۔ (۲۲)

یہودیوں کے علاوہ مجموعی طور پر عرب کی دوسری قوموں میں بھی انصاف کا دوہرا معیار تھا۔ بااثر اور کمزور طبقوں کے لیے قانون الگ الگ تھا۔ ایک دفعہ فاطمہ نامی ایک مخزومی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ اس کا تعلق بااثر قبیلے سے تھا۔ اس لیے شریف کے لوگ اس پر بڑے جز بز ہوئے۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ ان کی عورت پر بھی وہی قانون لاگو ہوگا جو عام لوگوں پر ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اسامہ بن زید کو سفارشی بنا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ اس عورت کو چھوڑ دیا جائے۔ اسامہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر مدعا عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بات سن کر متغیر ہوگیا اور فرمایا: ''کیا تم اللہ کی ایک حد کے بارے میں (اسے رکوانے کی) سفارش کرتے ہو؟'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجمع میں خطاب

Marfat.com

فرمایا: ”تم سے پہلے کے لوگوں کا ایک سبب ہلاکت یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی ممتاز آدمی چوری کرتا تو وہ اس سے چشم پوشی کر لیتے اور جب کوئی کمزور درجے کا آدمی یہی جرم کرتا تو اس پر سزا نافذ کر دیتے۔ میں اپنے بارے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں“ (۲۳)۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں کو ان کی اراضی نصف بٹائی کی شرط پر دے دی گئی تھی۔ اسلامی حکومت کا تحصیل دار ان سے پہلی بار بٹائی لینے پہنچا تو انہوں نے اسے رشوت دینے کی کوشش کی۔ یہ تحصیل دار عبداللہ بن رواح تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا معتمد علیہ تحصیلدار یہود خیبر کے اندازوں سے بہت اونچا تھا۔ انہوں نے ان سے صاف صاف کہا کہ ”اے اللہ کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو“ (۲۴)

مزید فرمایا کہ ”رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہاں اس لیے نہیں بھیجا کہ تمہارا مال کھا جاؤں، بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم عمل میں لاؤں۔ تم چاہو تو میں اندازہ کر کے نصف تمہیں دے دوں اور اگر چاہو تو تم خود اندازہ کر کے نصف ہمیں دے دو۔“ چنانچہ ابن رواح نے ۴۰ ہزار وسق کا تخمینہ لگایا اور ۲۰ ہزار وسق مسلمانوں کا حصہ لے لیا۔ اس بے لاگ تقسیم پر وہاں کے انصاف پسند یہودیوں نے بھی تسلیم کیا کہ اسی عدل پر آسمان اور زمین قائم ہے۔ (۲۵)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا مظہر تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرہ العرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ پر آ پڑی تھی۔ آپ ﷺ اذیت و مصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپ ﷺ منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے لیکن آپ ﷺ کے حسن اخلاق نے عدل و انصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم رہا جس میں عدل قائم کرنے کے لیے کہا گیا۔ (۲۶)

ہر نقش قدم آپ کا ہے شمع ہدایت — تاریکی و ظلمات میں ہیں نورِ مبیں آپ
معیار ہے دنیا کے لیے اسوۂ حسنہ — سرنامۂ توحید کے ہیں نقش حسیں آپ (۲۷)

عہد نبوی ﷺ میں استعماری نظاموں کا خاتمہ:

نبی کریم ﷺ کے زمانہ بعثت کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمیں دنیا کے ممالک دو سلاطین کے زیر نگیں معلوم ہوتے ہیں: ایک کسریٰ، شہنشاہ ایران، اور دوسرا قیصر روم۔ عراق، یمن، خراسان اور ان کے متصل ممالک بھی کسریٰ کے زیر اقتدار تھے۔ ماوراء النہر (بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ) اور ہندوستان کے سلاطین اور حکمران بھی کسریٰ کے باج گزار تھے۔ ہر سال ان ممالک سے لگان کا ایک مقرر حصہ، کسریٰ کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا۔ روم اور اس کے نواحی ممالک پر قیصر کا تسلط تھا۔ مصر، مغرب اور افریقہ کے سلاطین، قیصر روم کے تابع تھے۔ کسریٰ اور قیصر دونوں شہنشاہوں کا نظام سرمایہ دارانہ تھا اور ان دونوں فرماں رواؤں کو شکست دے کر ان کے ممالک پر قبضہ کرنا، روئے زمین پر قبضہ کرنے کے مترادف تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مبعوث ہوتے ہی یہ اعلان فرمایا تھا ”کسریٰ ہلاک ہوگا، پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر ضرور ہلاک ہوگا اور پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور ضرور بالضرور ان دونوں کے خزانے اللہ کے راستے میں تقسیم ہوں گے۔“ (۲۸) اس طرح گویا آپ

Marfat.com

ﷺ نے سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کا اعلان فرمادیا۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایک جگہ شاہ ولی اللہ دہلوی اہل فارس اور اہل روما کی عیاشانہ زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تاریخ شاہد ہے کہ اہل روما اور اہل فارس میں ایک لمبی مدت تک حکومت رہی۔ انہوں نے اپنے دور کے حالات کے مطابق تمدن کے لوازم اور رفاہیت اور عیاشانہ زندگی میں غیر معمولی ترقی کی۔ آخرت کی یاد کو پس پشت ڈال کر اپنی دنیوی زندگی کو عیاشی کے ساتھ بسر کرنا، اپنا نصب العین قرار دیا اور شیطان نے ان پر اپنا پورا تسلط جمالیا۔ اطراف عالم سے موجد اور مخترع وہاں کھنچ کر چلے آئے اور زندگی کی لذتوں کے متعلق کئی ایک نئی چیزیں اور نئے طریقے دریافت کیے۔ تمام امرا اور سرمایہ دار عیش پرستی میں منہمک تھے اور اس بارے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ ہر سرمایہ دار اور امیر کبیر کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اس کے پاس ایک شاندار محل ہو جس کے صحن کے سامنے باغ ہو۔ حمام وغیرہ جیسے لوازم اس میں موجود ہوں۔ اس کے دستر خوان پر الوانِ نعمت چنے جائیں اور اس کی زرق برق پوشاک، سب لوگوں میں نمایاں ہوں۔''(۲۹)

پیغمبر اسلام ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور انہیں یہ بشارت دی کہ کسریٰ و قیصر کا اقتدار ختم ہوگیا جس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے رسول اللہ ﷺ اسلام کے ذریعے عرب میں انقلاب بپا ہوگا اور پھر آپ ﷺ کی تربیت جماعت مہاجرین و انصاف کے ذریعے ان دونوں حکومتوں کو ختم کر کے عالمی انقلاب برپا ہوگا اور عادلانہ نظام قائم ہوگا ہر طرح عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا اور امن وسکون ہوگا۔ (۳۰)

عدل اجتماعی تقاضائے فطرت:

عدل اجتماعی فطرت کا تقاضا ہے اور کائنات کا سارا نظام اسی پر قائم ہے۔ کارخانہ کائنات کے تمام اجزا متوازن و متناسب ہیں۔ اگر ان میں ذرا سا بھی عدم توازن پیدا ہوجائے تو نظام عالم کا شیرازہ منتشر ہوجائے۔ مثلاً نظام شمسی عدل کے اصول پر قائم ہے۔ اجرام فلکی معلق اپنے دائروں میں خاص رفتار سے گردش کررہے ہیں اگر ایک سیارہ دوسرے کے دائرہ عمل میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو سارا نظام درہم برہم ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (۴۰) **ترجمہ**: ''اور اپنے آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس اللہ) کا جو زبردست علم والا ہے اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (۴۱) **ترجمہ**: ''جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کیلئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں

Marfat.com

میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برستا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو زندگی بخشا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔''

انسانی جسم عدل اجتماعی کا مرہون منت: اسی طرح انسانی جسم بھی عدل ہی کا مرہون منت ہے کیونکہ جب انسانی اعضاء و قویٰ میں توازن و تناسب نہیں رہتا تو صحت بگڑ جاتی ہے اور انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ. ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾(۴۲) **ترجمہ**: ''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا، پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا، پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا''

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ﴾ (۴۳) **ترجمہ**: ''اے لوگو! اگر تم (قیامت کے روز) دوبارہ پیدا ہونے سے شک (وانکار) میں ہو تو ہم نے (اول) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے اور (بعضی) ادھوری بھی تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کردیں اور ہم (ماں کے) رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی بھری جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ۔''

اعتدال پسند امت مسلمہ: انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اہم ترین مقصد عدل و انصاف پر مبنی انسانی معاشرہ قائم کرنا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف انسانوں میں اعتدال و میانہ روی قائم کرکے دکھائی بلکہ ایسی اصولی ہدایات بھی عطا فرمائیں جن پر عمل پیرا ہوکر ساری کائنات اور انسانی معاشروں میں توازن پیدا کرکے عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اعتدال و توازن کے قیام کے لیے امت مسلمہ کو امتِ وسط قرار دیا ہے۔ امت وسط کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔''متصفة بالخصال الحميدة، خيارا، عدولا، مزكين بالعلم و العمل'' **ترجمہ**: ''ایسی امت جو اخلاق حمیدہ سے متصف ہو، سراپا خیر کا پیکر ہو، عدل و انصاف کو اچھی طرح قائم کرنے والی اور پوری طرح علم و عمل سے آراستہ ہو۔''(۴۴)

اُمّتِ مسلمہ اعتدال پرور اُمّت ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (۴۵) **ترجمہ**: ''اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک میانہ رو اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور رسول ﷺ تم پر گواہی دے۔'' اسی اعتدال اور میانہ روی اور خیر و بھلائی کے فروغ اور بدی کو روکنے کی صلاحیت کے باعث اسے بہترین اُمّت قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ

Marfat.com

أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۴۶) **ترجمہ**: ''تم بہترین اُمت ہو، جسے لوگوں کے لیے تشکیل دیا گیا ہے کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔''

اعتدال افراط وتفریط کی درمیانی راہ ہے۔ قرآن نے اُمتِ مسلمہ کو اعتدال پرور اُمت (Moderate) قرار دیا ہے۔ اعتدال اس اُمت کی بنیادی خصوصیت ہے۔ انسانی تاریخ میں اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ ہر رسول کی بعثت کے ساتھ ایک اُمت کی تشکیل بھی کرتا رہا ہے۔ یہ اُمت اس پیغام کی امین ہوتی اور پیغمبر کی عطا کردہ تعلیمات کے مطابق نظام تشکیل دیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ چونکہ اس سلسلے کی آخری کڑی اور انبیاء کی جماعت میں آخری نبی ﷺ ہیں، اس لیے آپؐ کی اُمت بھی آخری اُمت قرار پائی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''نحن اخر الاُمم''(۴۷) ہم آخری اُمت ہیں۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے۔ ''انا آخر الانبیاء و انتُم آخرُ الاُمم''(۴۸) **ترجمہ**: ''میں آخری نبیؐ ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔'' دراصل عدل کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر چلنے والوں کو ''امت وسط'' یعنی اعتدال کی امت قرار دیا ہے۔

گویا نظامِ عدل کے قیام کے لیے ایک ایسی اُمت وسط کی ضرورت ہے جس کا قول وفعل یکساں ہو اور جس نے اپنی ذات اور اپنے خاندان اور کاروبار میں عدل کو عملاً نافذ کر دیا ہو، یا نافذ کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہو۔ شیطان، جو قرآن کے مطابق انسان کا کھلا دشمن ہے، دن کے ۲۴ گھنٹوں میں کسی ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مشن اور مقصد سے غافل نہیں ہوتا اور طاغوت، ظلم، فساد اور برائی کے لیے ہمہ وقت کارکن کے طور پر مصروف رہتا ہے، اسے بے شمار مواقع پر ناکامی کا سامنا ہوتا ہے اور اس کی کوششیں بارآور نہیں ہوتیں لیکن وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا ــــــ کیا وہ نظامِ عدل قائم کرنے والوں کے دلوں میں بار بار یہ سوال اُبھارتا ہے کہ برسوں کی کوشش کے باوجود آخر نظامِ عدل قائم کیوں نہیں ہو پایا؟ بات بہت آسان ہے۔ اگر جائزہ لے کر دیکھا جائے تو جب تک اس نظام کے لیے صحیح افرادی قوت، صحیح وسائل اور صحیح فضا پیدا نہ ہوجائے نتائج کے بارے میں غور کرنا بہت قبل از وقت ہوگا۔(۴۹)

قرآن کریم میں عدل اجتماعی کا حکم اور اہمیت:

عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے اسماء الحسنٰی میں ایک نام ''عادل'' بھی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی عدل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عدل صرف انتظام سلطنت کے لیے ہی درکار نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا اختیار کرنا لازمی ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں زندگی کے ہر پہلو میں اسے اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ عدل کا ذکر پایا جاتا ہے:

۱۔ ﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾(۵۰) **ترجمہ**: ''اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے فیصلہ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

۲۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾(۵۱) **ترجمہ**: ''اے ایمان ولوں! تم عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو اور یہی تقویٰ کے قریب ترعمل ہے''۔

Marfat.com

۳۔ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ﴾ (۵۲) **ترجمہ**: ''بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سو تم اپنے بھائیوں میں (اگر کوئی لڑائی کا مقام آئے) اصلاح کروا دیا کرو۔''

۴۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۵۳) **ترجمہ**: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

۵۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (۵۴) **ترجمہ**: ''ہم نے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور علیہ السلام ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں شدت کی سختی بھی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی۔''

۶۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۵۵) **ترجمہ**: ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کر دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔''

۷۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ (۵۶) **ترجمہ**: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا پہلو تہی کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔''

۸۔ ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۵۷) **ترجمہ**: ''اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔''

۹۔ ﴿وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۵۸) **ترجمہ**: ''اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو''

۱۰۔ ﴿وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ﴾ (۵۹) **ترجمہ**: ''اور وزن انصاف کے ساتھ پورا کرو! اور تولنے میں کمی نہ کرو۔''

۱۱۔ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (۶۰) **ترجمہ**: ''مجھے تمہارے مابین عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۲۔ ﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (۶۱) **ترجمہ**: ''عدل کرو اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

۱۳۔ ﴿وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۶۲) **ترجمہ**: ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔''

۱۴۔ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ﴾ (۶۳) **ترجمہ**: ''اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور فرشتے اور علم والوں نے بھی کہا کہ وہی اللہ جل شانہ عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے''۔

اسوہ حسنہ میں عدل اجتماعی کی اہمیت: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عدل اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ترجمہ: ''اے نبی ﷺ کہہ دیجئے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں'' (۶۴) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس حکم الٰہی پر عمل کیا اور امیر و غریب، عربی و عجمی، غلام و آزاد اور مسلم و کافر کسی قسم کا امتیاز کبھی ملحوظ نہ رکھا بلکہ ہر شخص کو اس کا صحیح حق دلوایا۔ آپ ﷺ نے منصب نبوت ﷺ پر فائز ہونے کے بعد ہی صفت اختیار نہیں کی بلکہ ابتداء سے آپ ﷺ

Marfat.com

پیکر عدل و انصاف تھے اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپ ﷺ کے عدل پر اعتماد رہا۔ چنانچہ مشرکین اپنے جھگڑے آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لیے لاتے تھے۔(٦٥)

١- اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب امام عادل اور سب سے ناپسندیدہ ظالم حکمران ہے۔(٦٦)

٢- احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا: ''تین شخصوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں، روزہ دار کی بوقت افطار، منصف حاکم و خلیفہ کی، اور مظلوم کی۔(٦٧)

٣- امام الوریٰ ﷺ نے منصف کا مرتبہ بیان فرمایا: ''انصاف ور سلطان کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔''(٦٨)

٤- ایک دن کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھا ہوا ہے۔(٦٩)

٥- رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے خطاب کر کے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ! ایک ساعت انصاف اس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں''(٧٠)

٦- افضل البشر سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔''(٧١)

٧- امام الرسل سیدنا محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اگر اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لیے جنت ہے، اور اگر خدانخواستہ اس کا الٹا ہوا اور اس کا ظلم وستم ہی اس کے عدل و انصاف پر بازی لے گیا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔(٧٢)

٨- اللہ کی تائید قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب وہ فیصلہ کرے (الا یہ کہ فیصلہ حق کے خلاف نہ ہو۔)(٧٣)

٩- اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ اپنی خواہش پر فیصلہ نہ کرے۔(٧٤)

١٠- تو ان میں فیصلہ کر کیونکہ اللہ کی امداد قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک عمداً ظلم نہ کرے۔(٧٥)

١١- فیصلہ میں رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ لعنت کرتا ہے۔(٧٦)

١٢- جنت میں پہلے عادل فیصلہ کنندہ اور عادل بادشاہ داخل ہوگا۔(٧٧)

١٣- تجھ کو افسوس ہے کہ جب میں عدل نہ کروں تو کون کرے گا۔(٧٨)

١٤- ترازو اللہ کے ہاتھ میں ہے ایک قوم کو بلند کرتا ہے دوسری کو پست (٧٩)

١٥- اپنی ادب کی لاٹھی اپنے گھر والوں سے دور نہ رکھ اور اپنی طرف سے ان سے انصاف کر۔(٨٠)

١٦- جو شخص قاضی بنتا ہے وہ گویا خود کو بغیر چھری کے ذبح کرتا ہے۔(٨١)

١٧- بادشاہ کی نرم خوئی اور عدل سے کوئی چیز اہم نفع والی نہیں (٨٢)

١٨- جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔(٨٣)

١٩- اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔(٨٤)

Marfat.com

۲۰- بری وہ قوم ہے جو اللہ کی رضا کے لیے بھی عدل نہ کرے۔(۸۵)

۲۱- وہ دو مقابل جو حاکم کے سامنے بیٹھیں ان میں فیصلہ کیا جائے گا۔(۸۶)

۲۲- افضل الخلق سید نا محمد ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ عادل تھے۔(۸۷)

عدل اجتماعی کے لیے علمی و فکری استحکام ضروری ہے:

انسانی معاشرہ کی مستحکم بنیادوں پر تنظیم کے لیے صرف احکام اور قوانین کا نفاذ یا عدلیہ کا قیام ہی کافی نہیں بلکہ لوگوں کے علمی و فکری معیار کو بہتر بنایا اور انسانی رویہ میں مثبت، تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ فریضہ اس طرح انجام دیا کہ لوگوں کی فکری اصلاح کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد کی اس طرح تعلیم و تربیت فرمائی کہ عقیدہ کا مفہوم خوب اچھی طرح لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ ہوگیا، عقائد کی حقیقت ان پر واضح ہوگئی، انسان کائنات اور کائنات کی ہر چیز کے بارے میں ان کا نقطہ نگاہ اور تصور بدل گیا۔ عقیدہ کی گہری چھاپ ان کے فکر و نظر، اعمال اور اخلاق پر بھی نمایاں نظر آنے لگی۔(۸۸)

اقتصادی و معاشی دہشت گردی: قطع نظر اور دوسرے پہلوؤں کے، عالمی معیشت کا ایک اہم رخ وہ مالیاتی نظام ہے جس کے سامنے تیسری دنیا کے تمام ممالک بے بس ہوگئے ہیں۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ اسی کے ذریعہ پوری دنیا پر معاشی استعمار اپنے پنجے گاڑ رہا ہے۔ یہ اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے، یہ مالیاتی نظام اپنی تمام خوبیوں (بلکہ خباثتوں) کے ساتھ اکیسویں صدی میں وارد ہوگا، جیسا کہ بنکوں، منجمنٹ کے اداروں، مالیاتی سنگھ پریوار (WB & IMF) کے بیانات، اقدام اور مجوزہ پالیسیوں سے بھی ظاہر ہے، اور تیسری دنیا کے ممالک کی بے بسی سے بھی۔(۸۹) دوسرے یہ کہ ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کی تین سطحیں ہیں اور یہ تہذیب بے خدا ہی نہیں، خلاف خدا ہے۔ پہلی سطح سیاسی ہے، یعنی سیکولرازم کہ ہمارے اجتماعی معاملات میں، ریاست اور حکومت کے معاملات میں، قانون سازی کے معاملات میں کسی خدا، کسی آسمانی ہدایت، کسی وحی، کسی شریعت کا کوئی دخل نہیں۔ یہ سیکولرزام آج پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ دوسری سطح مالیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری پوری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن جوا ہے، جو ہمارے ہاں تو بہت ہی زیادہ پھیل گیا ہے۔ ہر شے کو بیچنے کے لئے لاٹری کا پراسیس ہے۔ ویسے بھی دنیا کے اندر اسٹاک ایکسچینج اور دولت کے الٹ پھیر کی بنیاد یہی جوا ہے۔ اس نظام کا تیسرا ستون انشورنس ہے۔(۹۰)

۶۱ اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف 2 ٹریلین ڈالرز ہے۔ جبکہ امریکہ صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے 12 ٹریلین ڈالرز کماتا ہے امریکہ کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا تیرہ ٹریلین ڈالرز ہے امریکی سٹاک ایکسچینج وال سٹریٹ 20 ٹریلین ڈالرز کی مالک ہے۔ دنیا میں اس وقت 36 ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان میں 25 ہزار کا تعلق امریکہ سے ہے۔(۹۱) عالمی مالیاتی اداروں نے پوری دنیا کے غریب ممالک کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ عالمی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ بینک غریب ممالک میں صرف قرض نہیں دیتے بلکہ انہیں ''مفید'' مشوروں سے بھی نوازتے ہیں۔(۹۲) اور اب تو کچھ دنوں بعد

Marfat.com

ڈبلیوٹی او کی آمد آمد ہے، جس کے ذریعہ رہی سہی کسر بھی نکال لی جائے گی۔ ان مالیاتی اداروں کے بارے میں حبیب جالب نے کیا خوب کہا تھا(۹۳)

قرض دے کر غریب ملکوں کو — چھین لیتے ہیں روح آزادی

اس وقت تقریباً ۱۵۰؍ممالک کی معیشت پر ان کی مضبوط گرفت ہے۔(۹۴) ان میں سے ہر ملک اوسطاً ۴۰؍بلین ڈالر کا مقروض ہے اور قرضوں پر سود کی رقم اصل زر سے بھی بڑھ گئی ہے۔ کئی خطوں میں انسانوں کی آزادی پر مفاد پرستی کے زہریلے ہتھیار لٹکادیئے گئے ہیں اور معاشی مفادات وقوت کی دوڑ میں انسانیت کے بنیادی تقدس کو پامال کیا جارہا ہے۔

معیشت کی عالمگیریت کا مفہوم آزادتجارت ہے۔ معاشی سرحدوں کو کھول کر بین الاقوامی سطح پر سرمایہ اور مشین کی آمدورفت کو بے روک ٹوک فروغ دینا ہے۔ یہ پوری حکمت عملی امیر ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے لیکن غریبوں کے لیے افادیت کم ہے اور نقصان دہ زیادہ۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ یہ اُمّتِ مسلمہ کے لیے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے۔(۹۵)

عالمی ساہوکاروں اور عالمی سرمایہ داریت کے منتظمین نے پوری دنیا کو اپنے شکنجہ میں لینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کے معاشی وسائل پر کنٹرول اور انسانی معاشروں کو مغربی معاشرت و اخلاق کے نمونہ پر ڈھالنا ان کا ہدف ہے۔ عالمی میڈیا عالمگیریت کو خوبصورت بنا کر پیش کررہا ہے اور انسانیت کو یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ اس کی فلاح و بہبود اسی میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ عالمی استعمار کا دوسرا نام ہے۔ چہرے کو روشن کر کے پیش کیا جارہا ہے اور اندرونی تاریکی کو پوشیدہ رکھا جارہا ہے۔(۹۶)

مسلم ممالک کی داخلی معیشت پر بین الاقوامی سودی اداروں کا اثر نمایاں ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک صرف قرض اور نام نہاد امداد نہیں دیتے بلکہ قرض داروں کی پالیسی اور ضوابط کو کنٹرول کرتے ہیں۔ ملکی معیشت کی تشکیل نو کی شرائط عائد کرتے ہیں۔ یہ معاشی استعمار کا دور ہے۔ سودی سرمایہ پرستی نے جو کلچر فروغ دیا ہے وہ مروت، انسانیت، شفقت اور باہمی خیر خواہی کا کلچر نہیں ہے بلکہ بے رحمانہ مسابقت کا کلچر ہے حرص و آز کا کلچر ہے۔(۹۷)

میثاقِ مدینہ، عدل اجتماعی کا مظہر:

مغرب میں انسانی حقوق کے حوالہ سے جو تاریخ بیان کی جاتی ہے، اس کا آغاز ''مگینا کارٹا'' سے کیا جاتا ہے۔ ۱۲۱۵ء میں برطانیہ کے کنگ جان اور جاگیرداروں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا معاہدہ اس عنوان سے ہوا تھا جس کا اصل مقصد بادشاہوں اور جاگیرداروں کے مابین اختیارات اور حدود کار کی تقسیم تھا، لیکن اس میں عام لوگوں کا بھی کسی حد تک تذکرہ موجود تھا اس لیے اسے انسانی حقوق کا آغاز تصور قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ۱۶۸۴ء میں عوامی بغاوت کے نتیجے میں انقلابی فوج نے پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کا قانون پیش کیا اور ۱۶۸۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ''بل آف رائٹس'' (حقوق کے قانون) کی منظوری دی جو اس سمت پیش رفت کا اہم مرحلہ تھا۔ ۱۷۸۹ء میں فرانس میں زبردست عوامی جدوجہد اور بغاوت کے ذریعے جاگیرداری، بادشاہت اور ریاستی معاملات میں چرچ کی مداخلت کو مسترد کر کے قومی اسمبلی سے شہری حقوق کا قانون ''ڈیکلریشن آف رائٹس آف مین'' منظور کرایا اور پورے سیاسی اور معاشرتی نظام کی کایا پلٹ دی ''اسے انقلاب فرانس'' کے نام

Marfat.com

سے یاد کیا جاتا ہے۔(۹۸) لیکن آج سے ۱۴۳۳ سال قبل رسول اللہ ﷺ نے انسانی حقوق کا جو چارٹر پیش کیا، ان کے سامنے یورپ کے پیش کردہ تمام چارٹر شرمندہ ہیں۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب حضور ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو مدینہ منورہ مختلف جماعتوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن میں مہاجرین، انصار، منافقین، عیسائی اور یہودی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے مصالحت کی ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے جملہ اقوام سے ایک معاہدہ استحکامِ امن کے لئے بین الاقوامی اصولوں پر طے فرمایا۔ جو شہر مدینہ کے لیے ایک منشور کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس معاہدہ کو میثاقِ مدینہ کہتے ہیں۔ اس معاہدہ کی بدولت غیر مسلم اقلیتوں کو بہت سی حقوق و مراعات حاصل ہوئیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و ضمانت ہر فریق کو حاصل ہے۔

۲۔ امت کے غیر مسلم ممبروں کو بھی مسلمانوں کی طرح سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ امت کے ہر گروہ کو مکمل مذہبی آزادی اور اندرونی خود مختاری حاصل ہے۔

۳۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں ایک دوسرے کے بہی خواہ ہیں(۹۹)۔

یہ معاہدہ حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت، مذہبی رواداری اور حسین تدبر کا ایسا تاریخی اور مثالی شاہکار ہے جسکی مثال تاریخ عالم نہیں پیش کر سکتی۔ یہاں پر طوالت کے پیش نظر صرف چند شقیں بیان کی گئی ہیں تاہم تفصیل کے لیے سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

> ''یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جسکی بدولت حضرت محمد انے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی'' (۱۰۰)

انہی خیالات کا اظہار حامد الانصاری ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''یہودیوں کے ساتھ مذہبی اعتدال پسندی، روشن خیالی، آزادی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی یہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنے حقیقت پر آپ گواہ ہیں۔ مذہبی اعتدال پسندی، امن و سلامتی، آزادی اور انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے'' (۱۰۱)۔

فتح مکہ اور حجتہ الوداع کے موقع پر عدل کا بے مثال مظاہرہ:

مشرکینِ مکہ حضور ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ آپ ﷺ کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے۔ آپ ﷺ نقصان پہنچاتے اور اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا مگر آپ ﷺ نے جس وسیع النظری اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا اسکی مثال تاریخِ اسلام کے ہر دور میں سنہری حروف میں لکھی جائے گی۔ آٹھ ہجری کو جب مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو اس وقت انتقام کا بہترین موقع تھا لیکن آپ ﷺ نے کمال مہربانی، کمال درگزر اور صلح جوئی کا ثبوت دیا اور تمام مظالم پر مہربانی کا خط کھینچ کر فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو تم پر کوئی الزام باقی نہیں'' (۱۰۲)۔ اسی طرح خطبہٗ

Marfat.com

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی تفاخر کو مٹا دیا۔ آپ ﷺ نے وحدت انسانیت کے عظیم درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں۔ اسی طرح سرخ وسفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سرخ وسفید رنگ والے پر کوئی فوقیت نہیں'' (۱۰۳)۔

حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد خلفائے راشدین نے انہیں خطوط پر حکمرانی کی اور آپ ﷺ کی اس بلند پایہ انسان دوستی اور مذہبی رواداری کی پالیسی کو قائم رکھا اور انسانیت کو اپنے عہد کے ظالم، جابر اور قہار حکمرانوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے میں کامیاب ہوئے۔ قبائلی عصبیتوں کو ختم کیا۔ عدل و انصاف، ذہنی کشادگی، رواداری اور اعتدال پسندی سے صلح و آشتی کے دروازے کھلتے گئے اور ان دروازوں سے ہوا کے خوشگوار کے جھونکے مسلسل سفر کرتے رہے اور انسانیت کو آسودہ لمحات کی تلاش کی نئی نئی راہیں سلجھاتے رہے۔

عدل کے شعبے: عدل کے دو بڑے شعبے ہیں۔ ۱۔ عدل انفرادی اور ۲۔ عدل اجتماعی

۱۔ عدل انفرادی یا اپنے نفس کے ساتھ عدل:

اپنے نفس کے ساتھ اعتدال سے کام لینا اور اپنے غیر معمولی سہل نگاری، یا تکلیف میں مبتلا نہ کرنا عدل انفرادی کہلاتا ہے۔ روز مرہ کے امور، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، رہنا سہنا، اور عبادات و معاملات وغیرہ میں اعتدال قائم رکھنا زندگی میں حصول کامیابی کے لیے لازمی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو جسمانی صحت برقرار رہ سکتی ہے، نہ روحانی ترقی حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی زندگی کے کسی شعبے میں کامرانی حاصل ہوسکتی ہے، بلکہ اعتدال کے بغیر انسانی، روحانی و جسمانی امراض میں مبتلا ہوکر ہر لحہ تنزل کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے۔ (۱۰۴)

الف: اسلام رہبانیت کی نفی کرتا ہے: اسلام دین اعتدال ہے اور دین و دنیا میں مکمل توازن و تناسب قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، اسلام نہ تو یہ پسند کرتا ہے کہ انسان دنیا کے سب کے سب کام چھوڑ کر ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف ہوجائے اور نہ رہبانیت اختیار کرلے اور نہ اسی بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسان اللہ کو بالکل ہی بھلا کر دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہوکر مادیت کو مقصد زندگی سمجھ لے بلکہ اسلام روح و مادہ میں مکمل اعتدال وتوازن کا تقاضا کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (۱۰۵) **ترجمہ:** ''دین میں کوئی جبر نہیں''۔

ب: معمولات زندگی میں عدل: عدل انفرادی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنی تمام عادات و اخلاق میں اعتدال کا راستہ اختیار کرے۔ یہ صحیح معنوں میں فضائل اخلاق کو اپنا سکے کیونکہ اخلاق کے کسی شعبہ میں بھی اعتدال کے بغیر کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ گزران کے معاملہ میں بے جا خرچ کرنا اسراف ہے اور ضرورت سے کم خرچ کرنا بخل ہے اور ان دونوں کے درمیان اعتدال سے رہنا خوبی ہے، جسے سخاوت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے خورد ونوش اور لباس و رہائش میں اعتدال ہی پسند کیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ میل جول میں غرور اختیار کرنا تکبر کہلاتا ہے اور احساس کمتری دکھنا ذلت ہے اور یہ دونوں ہی پسندیدہ نہیں بلکہ ان میں میانہ روی ہی بہترین صفت ہے۔ اسی طرح دشمن سے مقابلہ کے وقت بھاگ نکلنا بھی بزدلی ہے اور جان کو عمداً ہلاک کرنا دیوانگی ہے بلکہ ان کے درمیان فضائل اخلاق وشجاعت ہے۔ (۱۰۶)

Marfat.com

۲۔عدل اجتماعی:

عدل اجتماعی کو مندرجہ ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔عائلی زندگی میں عدل اجتماعی: عدل کی ابتداء عائلی زندگی سے ہوتی ہے وہ گھرانہ جنت کا نمونہ ہوتا ہے جس میں خاوند و بیوی اور والدین و اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق، عدل و انصاف سے ادا کرتے ہیں۔ عدل کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں، کیونکہ جب وہ ایک بیوی اور اس کے بچوں کی طرف نسبتاً زیادہ توجہ دے گا تو لازماً دوسری بیوی اور اس کے بچوں کی نگہداشت نہ ہوسکے گی۔ اس طرح خاندان میں انتشار پیدا ہوگا جس سے اس کی بیویاں، بچے اور بالآخر وہ خود بھی متاثر ہوگا۔ تمام گھرانے کا امن وسکون مفقود ہوجائے گا۔ بیویوں اور بچوں کی زندگی تباہ ہوکر رہ جائیگی اور اس شخص کو اپنا ذہنی وقلبی اطمینان چھن جائے گا۔ اسلام نے ایک سے زائد بیویوں کی اجازت دی ہے تو اس صورت میں عدل جیسی کڑی شرط کو بھی عائد کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" **ترجمہ**: "پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک (بیوی کافی ہے)(۱۰۷)

۲۔معاشرتی زندگی میں عدل اجتماعی: معاشرتی زندگی میں بھی عدل نہایت اہم ہے۔ باہمی تعلقات، لین دین، ناپ تول اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو معاشرہ میں اخلاقی پستی رونما ہوجاتی ہے۔ معاشرہ نے اپنی بقاء کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے۔ تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے فرد باشعور ہوکر معاشرے میں عدل وانصاف سے کام لیتا ہے۔

۳۔اکرام مسلم میں عدل اجتماعی: اسلام اس حد تک مساوات کا درس دیتا ہے کہ تمام ابن آدم انسانی شرف و عزت میں برابر ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ کسی کے حق میں ادب و احترام کا پہلو زیادہ ہے اور کسی کے حق میں شفقت اور محبت کا۔ عمر میں بزرگانہ حیثیت رکھنے والے عزت و احترام کے زیادہ حقدار ہیں اور کم عمر والے شفقت کے لائق ہیں، بلند مرتبہ پر فائز لوگ احترام کا حق رکھتے ہیں اور نچلی حیثیت پر کام کرنے والے شفقت چاہتے ہیں۔

۴۔یتیموں کے معاملات میں عدل اجتماعی: معاشرتی حقوق میں سب سے نازک پہلو یتیموں کا ہے کیونکہ اکثر لوگ یتیموں کی کفالت اور پرورش کے بہانے ان کا مال غصب کرجاتے ہیں جو اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ عدل کرنے کا عدل حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے، "وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ" **ترجمہ**: "اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو"(۱۰۸) قوم کے یتامیٰ اور مساکین پر حکمت کے اصول کے مطابق خرچ کیا جائے۔ اس حکمت کی پیغمبر ﷺ نے اس طرح تعلیم فرمائی کہ "ایک شخص نے آپ سے کسی چیز کا سوال کیا، آپ ﷺ نے اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا اور اس کے پاس جو مختصر رقم تھی اس سے اوزار خریدنے اور لکڑی کاٹ کر فروخت کرنے کا حکم دیا۔ وہ شخص آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کے نتیجے میں خود کفیل ہوگیا۔"(۱۰۹) الغرض مال ودولت کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے، بلکہ اپنی ضروری حاجت سے زائد مال کو ضرورت مند انسانوں پر خرچ کرنا چاہیے۔ اگر کسی معاشرے کے چند افراد مال و دولت اور سرمایہ جمع کرنے پر جالگیں اور حاجت مندوں کے معاملے میں بخل سے کام لیں، تو یہ معاشرہ ایک نہ ایک دن

Marfat.com

ہلاکت اور بربادی کے ایسے گڑھے میں جا گرے گا جس سے اس کی نجات مشکل ہوگی۔ (۱۱۰)

یتیموں کے لیے وہ ابر رحمت
وہ تسکین قلوب بے کساں ہے(۱۱۱)

۵۔تجارت میں عدل اجتماعی: تجارت اور روزمرہ کی خرید و فروخت میں بھی اسلام نے عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کاروبار میں وزن و پیمانہ کی اہمیت واضح ہے، اگر ناپ تول میں کمی کی جائے، یا اشیاء میں آمیزش و ملاوٹ کی جائے، یا مال کے نرخ چھپائے جائے، یا اس کے نقص پر پردہ ڈالا جائے، تو معاشرہ میں ناانصافی اور بددیانتی کی فضا جنم لیتی ہے۔ جس سے آخر کار پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، باہمی رنجشیں اور جھگڑے سارے معاشرے کو پراگندہ کردیتے ہیں، چنانچہ قرآن حکیم نے اس بے راہ روی پر خاص توجہ دیتے ہوئے عدل کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ **ترجمہ**: ''اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔'' (۱۱۲) ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ **ترجمہ**: ''اور وزن انصاف کے ساتھ پورا کرو اور تولنے میں کمی نہ کرو'' (۱۱۳) اسلامی معاشرے میں اگر دو شخصوں میں تعلقات بگڑ جائیں اور جھگڑا ہو جائے تو تیسرے مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے دونوں میں مصالحت کرادے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (۱۱۴)

۶۔عدالتی معاملات میں عدل اجتماعی: عدل و انصاف کی خاص طور پر ضرورت عدالتی معاملات میں ہوتی ہے کیونکہ یہیں حق و باطل، جائز و ناجائز اور صحیح اور غلط میں فرق کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور قرآن کریم میں ہر ضابطہ سے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ عدالتی معاملات کا آغاز دستاویز کی کتابت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے کاتب یا عرضی نویس ہی کو حکم ہوتا ہے کہ وہ باہمی معاملات و معاہدات عدل و انصاف سے قلمبند کرے اور ان میں کمی بیشی نہ کرے۔ جب کہ فرمایا: ﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ **ترجمہ**: ''اور کاتب کو چاہیے کہ تمہارے درمیان عدل کے ساتھ لکھے۔'' (۱۱۵) اگر معاہدہ کرنے والا شخص کم عمر یا مجنون ہو وہ خود قانونی دستاویز نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کے سرپرست یا کارمختار کو چاہیے کہ وہ عدل و انصاف سے لکھواتے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ﴾ (۱۱۶) **ترجمہ**: ''اگر وہ شخص کے ذمے دینا ہے ناسمجھ یا کمزور ہو یا وہ خود لکھوا نہ سکتا ہو تو پھر اس کا سرپرست عدل سے لکھوادے۔''

دستاویز کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں شہادت یا گواہی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ لیکن شہادت دیتے ہوئے انسان کے راستے میں ذاتی مفادات اور دنیاوی تعلقات حائل ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گواہ بغیر ردو رعایت ہمیشہ سچی گواہی دیں گے۔ اس میں دوستی قرابت داری یا دوسرے تعلقات کا قطعاً لحاظ نہ رکھیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کے طلب گار ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ **ترجمہ**: '' اور جب تم (گواہی کی) بات کہو عدل کو ملحوظ رکھو چاہے کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔'' (۱۱۶۔الف) اور فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۱۷) **ترجمہ**: '' اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کے

Marfat.com

ساتھ گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھی گواہی میں سچ کہنے کی تلقین فرمائی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔" (۱۱۷۔الف) پھر اسلام نے حاکم یا امام وقت اور قاضی کے لیے عادل ہونا ضروری قرار دیا۔ حاکم وقت کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کے سامنے مقدمات پیش ہوں، تو امیر و غریب، آقا و خادم، دوست دشمن، رشتہ دار وغیرہ رشتہ دار میں کوئی فرق نہ کرے، نہ ہی کسی کے منصب یا مرتبہ سے متاثر ہو اور نہ ہی رشوت قبول کرے بلکہ غاصب سے دوسرے کے حقوق چھینے اور حقدار کو دلائے۔ مظلوم کی دادرسی کرے اور ظالم کو سزا دے۔ غرضیکہ سب میں پورا پورا عدل و انصاف کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۱۸)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچاؤ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

رسول اللہ ﷺ نے عدل کرنے میں اس حد تک احتیاط کی تاکید فرمائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ کوئی حاکم دو شخصوں کے درمیان اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو" آپ ﷺ نے یہ اس وجہ سے فرمایا کہ غصہ کی حالت میں عدل و انصاف کے خلاف فیصلہ کرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

۷۔دعوت وتبلیغ میں عدل اجتماعی: آپ ﷺ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔ (۱۱۹) شریعت اسلامی دوسروں کے عقائد کے احترام کرتی ہے اور جبر و زبردستی سے عقائد کو دوسروں پر ٹھونسنے سے انکاری ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ: ﴿أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (۱۲۰) **ترجمہ**: "اب کیا آپ زبردستی کریں گے لوگوں پر کہ با ایمان ہو جائیں۔"

۸۔خرچ کرنے میں اعتدال کا حکم دیا، بخل سے بھی منع کر دیا اور اسراف سے بھی: معاشی اعتبار سے اسلامی معاشرے میں امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا نوکر، تاجر ہو یا ملازم، سرمایہ دار ہو یا مزدور سب افراد کے حقوق برابر ہیں۔ سب کے لیے کام کاج کے مواقع برابر مہیا ہوتے ہیں اور اہلیت و خدمات کی بنا پر ترقی دی جاتی ہے۔ اسلام معاشرے میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے تمام افراد کو آپس میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ امراء سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بچت سے بصورت زکوٰۃ سے غرباء کی مدد کریں اور غرباء کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ امراء کے خلاف بغض پیدا کرنے کی بجائے مادی ترقی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ (۱۲۱)

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (۱۲۲)

ترجمہ "جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے مگر وہ مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔ جس مال و

Marfat.com

دولت میں وہ بخل کر رہے ہیں اس کا قیامت کے دن انہیں طوق پہنایا جائے گا۔"

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (۱۲۳)

ترجمہ: "اور کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

زکوٰۃ کی صورت میں غریبوں اور مسکینوں کی مدد قانونی طور پر فرض کر دی اور اسے عبادت کا درجہ دے دیا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (۱۲۴)

ترجمہ: "اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اپنے لئے جو بھلائی بھی آگے بھیجواؤ گے اس کا اجر اللہ کے ہاں ضرور پاؤ گے۔"

زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالی طور پر پسے ہوئے طبقے کی مدد کرنا اغنیاء کا اخلاقی فرض قرار دیا:

﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (۱۲۵)

ترجمہ: "اور ان (امیروں) کے مال میں حق ہے سوالیوں کا اور محروموں کا۔"

سود یعنی محنت کے بغیر سرمائے کو نفع اندازی کے لئے استعمال کرنے سے روک دیا اور اس کی قباحتوں کے پیش نظر اسے اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ O فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (۱۲۶)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور تمہارا جو سود لوگوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔"

محنت و مشقت کا حکم دیا اور فرمایا کہ بہترین رزق وہ ہے جو آدمی اپنی محنت سے کمائے (۱۲۷) اور محنت و مشقت سے اپنے بچوں کو رزق حلال مہیا کرنے والے کو مجاہد قرار دیا اور کاہلی اور بے عملی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جو بے محنت کئے مانگ کر کھاتا ہے قیامت کے دن اللہ کے حضور اس ذلت سے حاضر ہوگا کہ اس کے چہرے پر ذرا بھی گوشت نہ ہوگا (۱۲۸) یہ معاشی تعلیمات انقلابی نوعیت کی تھیں اور ناممکن تھا کہ ان کا مثبت نتیجہ نہ نکلتا۔ چنانچہ جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تو اس وقت مالی طور پر قلاش تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سب کو فقر و فاقہ کا سامنا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک دس سال ہی میں حالات بہت سدھر گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک پہنچتے دولت کی ریل پیل ہوگئی اور سوشل سیکیورٹی کا فعال نظام قائم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک وقت وہ آیا کہ بعض بستیوں میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔

۹۔ جزا و سزا میں عدل اجتماعی: حلال و حرام کے تعین کے بعد اسلام نے جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت و ملکیت کو مقدس

Marfat.com

قرار دیا اور چوری ڈکیتی کے ذریعے انسان کو اس سے محروم کرنے پر کڑی سزائیں تجویز کیں اور اس کی حفاظت کی خاطر جان دینے کو شہادت قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (۱۲۹)

ترجمہ: "اور چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو، یہی ان کے کئے کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا بھی۔"

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (۱۳۰)

ترجمہ: ""اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کے مرتکب ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دئے جائیں یا انہیں ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ (۱۳۱)

اسلام میں قانون کی نظر میں امیر غریب، مسلم یا غیر مسلم سب برابر ہیں۔ جرم کی سزا میں کسی کی رعایت نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (۱۳۲)

ترجمہ: "اے وہ جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم رہو، اللہ کو حاضر و ناظر جان کر سچی سچی گواہی دو اگرچہ اس کے نتیجہ میں اس کا نقصان تمہاری ذات کو کیوں نہ پہنچے یا تمہارے والدین یا اقربا ہی کو کیوں نہ پہنچے۔"

آپ ﷺ نے فیصلہ کرتے وقت امیر و فقیر، مسلم و کافر، سلطان و گدا، اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں رکھی۔ (۱۳۳)

جرم و سزا کے اصول کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے چوری کرنے والے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا اور راہ زنی کرنے والے کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے کا قانون بنایا اور اسی طرح جانی نقصان، مالی نقصان اور زخموں کے قصاص کا قاعدہ مقرر فرمایا۔ اگر سزا بھی اسی نوعیت کی ہو سکے جس نوعیت کا جرم ہے تو شریعت کا اصل منشا یہی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپؓ نے جھوٹی گواہی دینے والے کو الٹا کر کے سواری پر سوار کرنے اور اس کا چہرہ سیاہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ چوں کہ اس نے بات کو الٹا کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کو الٹا کر دیا اور اس نے جھوٹ بول کر اپنا منہ کالا کیا تو آپؓ نے اس کا چہرہ پر سیاہی لگا کر اس کا منہ کالا کر دیا۔ (۱۳۴)

۱۰۔ حقوق میں عدل اجتماعی: آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے معاملے میں انصاف نہیں کرتا۔ اُسے خبر ہی نہیں کہ اس دین کے نام لیواؤں کا خدا تو انہیں حکم دیتا ہے کہ: عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ (۱۳۵) اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، سہو۔ (۱۳۶) مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ

Marfat.com

کمائیں۔(۱۳۷) ان سے ان کا نبی کہتا ہے ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو'' (۱۳۸) اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپ ﷺ سے تعلیم کے لئے ملنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا اور الگ جگہ کا تعین فرما دیا۔ (۱۳۹)

اسلام خواتین کے بارے کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے: ا۔اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لئے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے۔۲۔ان کے لئے نصاب تعلیم الگ ہونا چاہئے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔

۱۱۔غیر مسلموں سے عدل اجتماعی: اسلام صرف اپنوں ہی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ غیر مسلموں اور دشمنوں کے ساتھ بھی عدل ہی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے اور عدل وانصاف کے وقت ہر قسم کے تعصب وعناد، حسد و رقابت اور کینہ و دشمنی کو نظر انداز کرنے کی تاکید کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ **ترجمہ**: ''اور کسی قسم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' (۱۴۰)

یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۱۴۱) **ترجمہ**: ''اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔''

رسول اللہ ﷺ کے پاس یہود مدینہ اکثر اپنے مقدمات لاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۴۲) **ترجمہ**: '' اور جب آپ ﷺ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں''۔

اسلام شرفِ انسانیت کا علمبردار دین ہے۔ ہر فرد سے حسن سلوک کی تعلیم دینے والے دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرف انسانیت کے منافی ہو۔ دیگر طبقات معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے، جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس معاملات دین میں جبر و اکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی، ارشاد ربانی ہے: ترجمہ: 'دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطل کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب جاننے والا ہے'' (۱۴۳) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: ترجمہ: '' (سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے'' (۱۴۴)

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان مبارک سے ہوتا ہے: ''خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اُس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔'' (۱۴۵) یہ صرف ایک تنبیہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ

Marfat.com

مبارک میں اسلامی مملکت میں جاری تھا، جس پر بعد میں بھی عمل درآمد ہوتا رہا اور اب بھی یہ اسلامی دستورِ مملکت کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے: ''ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔'' (۱۴۶)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقلیتوں کے بارے مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ''جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔'' (۱۴۷)

غیر مسلموں کے جو بیرونی وفود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے ان کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود میزبانی فرماتے چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا: ''یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لیے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔'' (۱۴۸) یک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اس وفد میں شامل مسیحیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی میں ادا کریں چنانچہ یہ مسیحی حضرات مسجد نبوی کی ایک جانب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔ (۱۴۹)

۱۲۔ اقتصادی و معاشی عدل اجتماعی: اقتصادی میدان میں اگر آنحضرت ﷺ کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصارِ مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالا دستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لیے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔ زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کیے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت و حرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے۔'' (۱۵۰)

آپ ﷺ نے بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سدِ باب فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے بیع الحاضر للبادی (شہری کے دیہاتی کا مال فروخت کرنے) سے منع فرمایا (۱۵۱)۔ آپ نے تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر کیے۔ آپ ﷺ نے ذرائع نقل و حمل کو آسان بنایا۔ اس سلسلے میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل و حمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کارروائی کی۔ آپ ﷺ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے

Marfat.com

تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔آپ ﷺ نے ملاوٹ ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری، ناپ تول میں کمی، ربا، اسراف، تبذیر، کام چوری اور گداگری وغیرہ جیسے قبیح افعال کو ممنوع قرار دیا۔ دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا۔ رزق حرام اور حبِ دنیا کی مذمت کی۔ رزق حلال اور کسبِ معیشت کے لیے ترغیب دی۔کفالت عامہ اورعوام کی فلاح و بہبود کے لیے خود کو لاوارث کا وارث قرار دیا۔(۱۵۲)

آپ ﷺ کے عہد میں ریاست کی آمدنی غریبوں، اپاہجوں، بیواؤں، ناداروں کے علاوہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی خرچ کی جاتی تھی۔امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی تھی لیکن اگر اس سے کفالت عامہ نہ ہوتو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ غرباء اور مساکین زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں۔آپ کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بیت المال کی رقم سے مسلمانوں میں برابر تقسیم فرماتے تھے۔حضرت عمرؓ کے عہد میں بچوں کے وظائف مقرر کیے گئے۔بوڑھے اور معذور ذمیوں کا جزیہ بیت المال سے ادا کیا گیا۔یعنی اسلامی بیت المال سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستحقین کو بھی امداد دی جاتی تھی۔(۱۵۳) ان تعلیمات و اقدامات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے لیے اقتصادی مسائل کے حل کا منہاج کیا ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر منظور احمد کا یہ خیال کسی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی سیاسی حاکمیت اور سیاسی غلبہ معاشی ترقی کے سائے میں آگے بڑھے گا۔جن قوموں، تہذیبوں اور ملکوں کے پاس معاشی ترقی کا کوئی قابلِ عمل اور واضح نقشہ موجود نہ ہوگا۔ان کا مستقبل درخشاں نظر نہیں آتا۔(۱۵۴)

قرآن کریم نے چار باتیں پیش کی ہیں، زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے۔(۱۵۵) دن معاشی دوڑ دھوپ کے لئے ہے۔(۱۵۶) معاشی پیداوار کا ارتکاز نہ ہو، سب کو ملے۔(۱۵۷) خوشحالی میں خدا کو یاد رکھے، ورنہ معاش کا دائرہ تنگ ہو جائے گا۔(۱۵۸) ہر انسان پر لازم کیا گیا کہ وہ معاشی ذرائع تجارت صنعت، حرفت، ملازمت کے ذریعہ ضروریات زندگی حاصل کرے۔(۱۵۹) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ولا تنس نصیبك من الدنیا (۱۶۰) ''اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو''

نبی کریم ﷺ نے کسب حلال کو فریضۃ بعد الفریضہ یعنی نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے(۱۶۱) رزق حلال طلب کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ''جس دنیا طلب کی حلال اور سوال سے بچنے کے لئے اور اپنے بچوں کی مدد کے لئے اور اپنے پڑوسی کیساتھ سلوک کرنے کے لئے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا(۱۶۲) اسی طرح آپ ﷺ نے ایک ایسے نوجوان کے بارے میں جو بڑی تیزی سے چلا جا رہا تھا، یہ ارشاد فرمایا ''اگر وہ اس بات کیلئے کوشش کر رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے سے بچالے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے تو اس کا یہ عمل اللہ کے راستے میں ہے اور اگر وہ اپنے کمزور و ناتواں بوڑھے والدین اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے، تا کہ انہیں بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے اور انہیں آسودہ حال کردے، تو اس کا یہ عمل بھی اللہ کے راستے میں ہوگا''(۱۶۳) رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ اسی بات کا درس دیتا ہے کہ جاگیرداری کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔اسی سے ایک عادل حکومت اور متوازن معاشرے کا قیام ممکن ہے۔

۱۳۔ذبیحہ کے ساتھ عدل: بے زبانوں اور پرندوں پر رسول اللہ ﷺ کی رحمت عام ہے۔ یہاں تک کہ ذبح ہونے

Marfat.com

والے جانوروں پر بھی جن کا ہم گوشت کھاتے ہیں آپ ﷺ کا عدل شامل حال رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تم حلال جانور ذبح کرو تو اچھی سے کیا کرو تا کہ ذبیحہ کو راحت حاصل ہو۔'' (۱۶۴)

۱۴۔غلاموں سے عدل: رسول اللہ ﷺ غلاموں اور زیر دستوں کے ساتھ بھی اعتدال اور رحمت و شفقت سے پیش آتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا، جس نے رسول اللہ اس بات کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ڈانٹا اور فرمایا: ''یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاؤ، انہیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنو انہیں بھی پہناؤ، ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کرسکیں۔'' فرمایا: ایک بے درد اور بے رحم عورت اس لیے جہنم میں چلی گی کہ اس نے بلی کو باندھ کر بھوکا مارڈالا، نہ تو اسے کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین سے اپنی غذا حاصل کر سکے۔ نیز فرمایا کہ ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا گیا۔ اس پر یہ اصول بیان فرمایا: ''ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور کی تکلیف دور کرنے میں ثواب ہے۔''(۱۶۵)

۱۵۔سیاست میں عدل اجتماعی: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اوّلین خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا: ''لوگو میں تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہوں میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کروں اور اگر میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔''(۱۶۶)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے، جو حضرت صدیقِ اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر رکھتے ہوں۔

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد کے انتقال کے بعد نئے فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے امریکی سیکرٹری خارجہ کو یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ ۱۵ سال میں سعودی عرب میں منتخب نظام حکومت لایا جائے گا۔(۱۶۷) سیاسی اصلاحات کی جائیں گی۔ امریکی عہدیداران کا کہنا ہے کہ سعودی حکومت سے امریکہ کو بہت سی توقعات ہیں۔ اس خطے کے عوام اب تبدیلی چاہتے ہیں اور خطے کے رہنماؤں کو اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے اور نئے فرماں رواں کی طرف سے ۵ اصلاح پسندوں کو معافی اور رہائی دراصل شاہ عبداللہ کی مدبرانہ سیاسی سوچ کی آئینہ دار ہے۔(۱۶۸)

یہ بات سب جانتے ہیں کہ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ اور وہ دہشت گردی کی آڑ میں خاص طور پر مسلم ممالک کو اپنا نشانہ بنا رہی ہے، عراق اور افغانستان میں دہشت گردی کے نام پر جس درندگی کا مظاہرہ کیا گیا اور بے گناہ لوگوں کو شہید کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ یہ دنیا کی تاریخ کا سیاہ ترین باب کہلائے گا، اگر اسامہ بن لادن جرمنی میں یا یورپ کے کسی اور ملک میں چھپا ہوتا تو کیا امریکہ اسی طرح اس ملک کے خلاف جارحانہ اقدام کرتا؟ بے شک امریکہ سپر پاور ہے اور اس بات کو سب تسلیم بھی کرتے ہیں، لیکن سپر پاور ہونے کے ناتے اس کو یا کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ چھوٹے ملکوں پر حملہ آور ہو اور بے گناہ لوگوں کا قتل عام کرے۔(۱۶۹)

عالمِ اسلام اپنے پس ماندہ سماجی و معاشرتی ڈھانچے کی وجہ سے معاشی میدان میں دیگر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔

Marfat.com

مغربی دنیا نے عالمی سطح پر اقتصادی اجارہ داری کا ماحول پیدا کر رکھا ہے۔ مسلم دنیا کو آئی ایم ایف پر انحصار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنی اقتصادی بقا اور ترقی کے لئے مواقع خود پیدا کرنے ہوں گے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ممالک اپنی دولت اور توانائی کو مسلم دنیا کے اندر ہی رکھیں۔ ہمیں باہمی برآمدات میں اضافہ کرنا ہوگا۔ مشترکہ اسلامی منڈی اور اسلامی گروپوں کو مضبوط کرنے کے لئے کانفرنس بلوانی چاہئے۔ اُمّتِ مسلمہ کو چاہئے کہ وہ اپنا سیاسی کردار زندہ کرے، جس کے ذریعے وہ اُمّت کے تمام مفادات کی محافظ ہو اور عالمی امن وسلامتی کی ضامن ہو۔ امریکہ دنیا بھر کے سیاسی و معاشی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔(۱۷۰)

قانونِ مکافات میں اعتدال: رسول اللہ ﷺ نے ایک فرد سے لیکر جماعت تک زندگی کے ہر شعبہ میں عدل قائم کرنے کی تعلیم دی کیونکہ ہر زاویۂ حیات میں اسلامی فکر کی اصل الاصول بات یہی ہے۔ اسلامی معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون کے پس منظر میں بھی یہی مرکزی تصور کارگر ہے اور دینِ کامل کے سارے ضابطے اسی پر قائم ہیں۔ اس بناپر رسول اللہ ﷺ جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو تہائی راہوں کو چھوڑ کر انفاق فی سبیل اللہ کا معتدل راستہ دکھایا وہاں پر سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام تجویز فرمایا۔ اسی طرح جہاں پر رہبانیت اور قارونیت کی افراط وتفریط سے نجات دلائی وہاں پر اعتدال اور توازن پر مبنی عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کو پیش فرمایا۔ اسی بنیاد پر جہاں ایک طرف **من قتل بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا** کی آیت کریمہ میں ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا، وہاں دوسری طرف **ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب** کے اعلان کے ذریعہ قتل کا قصاص واجب قرار دیا تاکہ قانون مکافات میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور محمد عربی ﷺ کا نظام عدل پوری طرح قائم ہوجائے۔(۱۷۱)

نظائر

اُمِ معبد کے گھر ساقی کوثر ﷺ کا عدل: قافلۂ ہجرت رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اپنی منازل کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ مقدس قافلہ ایک مقام پر آکر رکا۔ وہاں ایک باوقار خاتون آرام فرما تھی۔ اس کا نام عاتکہ بنت خلف بن معبد بن ربیعہ تھا اور وہ ام معبد کے نام سے عام تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے خوردونوش کی اشیاء کا تقاضا کیا کہ ہمیں خوردونوش کی اشیاء دے دو۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس بیچنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ وہاں ایک بکری کھڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ بکری کیسی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ بکری سب سے کمزور ہے اور یہ ریوڑ کے ساتھ نہیں جاسکتی اس لئے گھر ہی رہ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اس کی کھیری میں دودھ ہے۔ جواب ملا یہ بہت کمزور ہے۔ اس کی کھری میں دودھ کہاں سے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کا دودھ دوہ لوں۔ ام معبد نے التجا کی کہ اگر اس میں دودھ ہے تو بڑی خوشی سے دوہ لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ اُٹھے اس بکری کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور اس کی کھیری کو اپنے مبارک ہاتھوں سے مس کیا تو بکری کی کھیری دودھ سے بھر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک بڑا برتن لایا جائے۔ برتن لایا گیا رسول اللہ ﷺ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ اس میں جھاگ اٹھنے لگی اور وہ برتن دودھ سے بھر گیا۔ رسول اللہ ﷺ دودھ کا برتن لے کر بکری سے

Marfat.com

دور ہوئے مگر کھیری ابھی تک بھری ہوئی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ ﷺ خود دودھ پیتے اور بعد میں دوسروں کو دیتے مگر اس بے کسی کی حالت میں بھی آپ نے اپنی صفت عدل کو برقرار رکھا اور اصرار کرنے کے باوجود ساقی کوثر نے ام معبد کو پہلے دودھ پلایا پھر سیدنا حضرت ابوبکر کو پلایا پھر اپنے دوسرے ساتھیوں کو پلایا اور سب سے آخر میں ساقی کوثر ﷺ نے خود نوش فرمایا۔ یہ عدل کا نتیجہ اور اللہ جل شانہ خدائے لم یزل کی قدرت تھی کہ بکری کھیری برابر دودھ سے بھری رہی۔(۱۷۲)

قبیلہ بنی مخزومیہ کی عورت کو سزا: اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''قریش کو مخزومیہ عورت کی حالت نے فکر مند کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ وہ کہنے لگے: اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون بات کرے گا؟ دوسرے صحابہ نے کہا: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ یہ جرات کون کر سکتا ہے؟ وہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب ہے۔ لہٰذا اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بات کی (سفارش کی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اللہ تعالیٰ کی حد میں سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا: جب کوئی ان کا شریف (بڑا) آدمی چوری کر لیتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور (کم حیثیت) آدمی چوری کر بیٹھتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''۔ پھر آپ ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: اس کی بہت اچھی توبہ ہوئی بعد میں اس نے شادی کی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی۔ میں اس کی حاجت رسول اللہ ﷺ کے پاس بیان کر دیتی تھی۔(۱۷۳)

ہندہ کو معافی: ہندہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کرایا اور سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی، پھر حضرت حمزہؓ کے ناک و کان کاٹے اور دھاگے میں پروئے اور جوش انتقام میں گلے کا ہار بنایا، لیکن رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف اسے معاف فرما دیا بلکہ چچا کے قاتل وحشی کو بھی اس کی درخواست پر حلقہ بگوش اسلام فرمایا اور اعلان کیا کہ ہر کوئی جو ایمان لے آئے اور اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو گئے گویا کہ وہ ایسا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے آیا ہے۔(۱۷۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عدل: سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ام سلمہ سے نکاح فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تین روز قیام فرما کر دوسری بیوی کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا تو احضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کا پلو مبارک پکڑ لیا اور کہا جناب ہمارے ہاں اور رکیے۔ قاضی عالم ﷺ نے فرمایا میں عدل کے واسطے پیدا ہوا ہوں۔ اگر میں تمہارے پاس رہوں گا تو دوسری امہات المومنین ساتھ ظلم ہوگا۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا اگر تو چاہے تو میں سات دن تیرے پاس رہوں اور سات دن اس کے پاس۔ اور اگر تو چاہے تو تین دن تیرے پاس اور تین دن ان کے پاس۔ یہی عدل ہے اور اس کا ہی مجھے حکم ملا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اچھا تین دن میرے پاس اور تین دن دوسری کے پاس رہا کریں۔(۱۷۵)

عدل اجتماعی کے ثمرات اور فوائد:

عدل اجتماعی کے درج ذیل ثمرات اور فوائد سامنے آتے ہیں:

Marfat.com

استحکام معاشرہ: عدل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معاشرے کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ حقدار کو اس کا حق مل جاتا ہے اور وہ مطمئن ہوجاتا ہے ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل جاتی ہے اور آئندہ وہ کسی پر ظلم کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ غریب و کمزور لوگوں کی زندگی محفوظ ہوجاتی ہے اور وہ امن وسکون حاصل کرتے ہیں۔ مختصراً ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اجرآخرت: عدل ایک بڑی اخلاقی فضیلت ہے جس کا آخر میں بہت بڑا اجر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقام رکھتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جولوگ اپنے گھر والوں میں یا ان میں جن کی حکومت ان کے ذمہ دی گئی ہے انصاف کرتے ہیں وہ اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (ریاض الصالحین) ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: ''قیامت کے دن امام عادل پر اللہ کا سایہ ہوگا۔''(۱۷۶)

خلاصہ کلام:

ہادیِ اعظم، سیّدِ عرب وعجم، سرورِ عالم، سیّدالمرسلین، خاتم النبیین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا، آپؐ کی ذاتِ گرامی پر دینِ مبین کی تکمیل کردی گئی۔ اب رسالت ونبوّت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، آپؐ کی شریعت اور آپؐ کا لایا ہوا دین کامل ومکمل، ابدی ضابطۂ حیات اور رُشد وہدایت کا مثالی سرچشمہ ہے۔ رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی اہلِ ایمان کے لیے سرچشمۂ ہدایت بھی ہے اور مرکزِ عشق ومحبت بھی۔ اسلام کا تہذیبی نظام آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر قائم اور عمل کی دنیا آپ ﷺ کے قول وعمل اور تعلیماتِ نبویؐ پر استوار ہے کہ

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر　　وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ہادی برحق، انسان کامل، عدیم النظیر منصف وقاضی نبی اکرم ﷺ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کی مبارک محنت سے ایسا خوشگوار انقلاب آیا کہ لوگوں کے دل بدلے، دماغ بدلے، عادتیں بدلیں، بلکہ پورا نظام حیات ہی بدل گیا، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے بارے میں نبی اکرم نے عملاً رہنمائی نہ فرمائی ہو، آپ ﷺ ہرلحاظ سے اور ہر معیار سے عظیم ترین ہیں، یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سالوں سے آپ ﷺ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر آج تک نہ جانے کتنی کتب مختلف زبانوں میں لکھی جاچکی ہیں اور ان سب کا حاصل یہی ہے کہ امت مسلمہ ہر شعبہ زندگی کے متعلق محسن انسانیت، نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ ہدایت سے واقف ہوکر دامان مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی کو مضبوط کریں اور اپنے اندر حب رسول ﷺ پیدا کریں۔ محسن انسانیت، نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا، آپ ﷺ کی تعلیمات، آپ ﷺ کے ارشادات، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ قیامت تک انسانیت کے لئے ہدایت وراہ نمائی کا مثالی سرچشمہ ہیں۔

اجتماعیت اور قومی وحدت کسی بھی قوم کے لیے اللہ کی بہت بڑی نعمت بھی ہے اور عزت وسرفرازی کی علامت بھی، لیکن اس نعمت کا حق دار وہی قوم ہوتی ہے جس کے ذمہ دار طبقات اپنے اندر کچھ مخصوص رویوں اور اخلاقیات کو پیدا کرلیں۔ ان میں سب سے بنیادی اخلاقی اصول یہ ہے کہ اختلاف رائے کے مواقع پر اختلاف کے اظہار کے باوجود عملاً وحدت اور اجتماعیت کو قائم رکھا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ اور اجتماع کی سعادت، قومی فلاح و بہبود کا نام ہے۔ فرد کی سعادت اجتماع یا معاشرے کی سعادت میں پنہاں ہے۔ معاشرے کے جملہ حقوق اور منافع کو اسلام نے اجتماعیت اور اس کے افراد کے طبقات

Marfat.com

میں مشترک قرار دیا ہے اس لیے ہر فرد پر لازم ہے کہ معاشرے کی بھلائی کے لیے سرگرم عمل رہے۔ اجتماعیت کی سعادت (کامیابی) نظام عدل سے وابستہ ہے اور عدل کے قیام کے لیے کسی قانون کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح اجرامِ سماوی اور نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ نے ''قانون تجاذت اور کشش'' سے باہمی ربط قائم کیا ہے، اسی طرح انسانی اجتماع اور معاشرے کے باہمی انتظام اور ربط کے لیے ''قانون احتیاج'' بنایا ہے جس میں ہر ایک فرد اپنی ضروریات میں دوسرے فرد کا محتاج ہے اسی باہمی احتیاج کی وجہ سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

ایک منصفانہ اور عادلانہ عالمگیر نظام اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب دنیائے انسانیت اللہ کے بھیجے ہوئے، انبیا ورسل علیہم السلام کی ہدایت اور اللہ کی آخری کتاب انبیاء اور خاتم النبیین کے اسوۂ حسنہ سے عدل و انصاف کا سبق سیکھ کر اور اپنی پوری زندگی کو اللہ کی مقرر کی ہوئی میزان عدل میں تولنے اور پرکھنے کے لیے تیار ہوجائے۔ یہ عالمگیر عدل ایک عالمگیر خدائی قانون ہوتا ہے۔ وہ اللہ جس کی نگاہ میں ساری مخلوق کا مفاد یکساں ہے جس کے نزدیک بمصداق الخلق عیال اللہ، تمام بنی نوع انسان گویا ایک خاندان اور ایک ماں باپ کی اولاطرح آپس میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور جس کی خاص صفت عدل ہی ہے اور جس کا ہر فیصلہ عدل و سچائی پر مبنی ہوتا ہے۔

انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف کی ضرورت ہے اور عدل، نظمِ حکومت کے لیے تو روح کی حیثیت رکھتا ہے اور پورا نظام عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد میں باہمی توازن تناسب، ترتیب اور تدریج قائم کرنا عدل ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ اخلاقی ہو یا معاشرتی، قانونی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا تمدنی ہر طرح کے حقوق و فرائض پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ ادا کرنا اور ان میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا عدل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع آیت قرآنی (سورہ النحل/ آیت نمبر۹۰) میں جو ہر جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

برائی کا بدلہ بالکل برابر لیا جائے تو یہ عدل ہے لیکن اگر اس کا پلہ ذرا بھی جھک جائے تو وہ اسی قدر ظلم و زیادتی ہے۔ اچھائی کا بدلہ برابر ادا کیا جائے تو عدل ہے اور اگر کچھ زیادہ سلوک کیا جائے تو یہی ''احسان'' ہے۔ ذاتی معاملات میں احسان بہتر ہے۔ لیکن اجتماعی امور و معاملات میں عدل ضروری ہے کہ عدل قانون کا اقتضا ہے اور احسان و درگزر کرنا یا کچھ بڑھ کر سلوک کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظام عالم اور امن و امان قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے عدل کا حکم دیا ہے اور اس کے بعد احسان کی تاکید فرمائی ہے، تاکہ انسان کی اخلاقی، روحانی اور تہذیبی تکمیل ہو۔ شخصی اخلاق کی تکمیل سے زیادہ اہم چونکہ امن عالم اور اس کی نگہداشت کا فریضہ ہے اس لیے زندگی کے تمام اجتماعی شعبوں میں عدل و انصاف کو مقدم رکھا گیا ہے۔ عائلی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی معاملات میں عدل و انصاف کو اسلام میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ خصوصاً عائلی زندگی میں عدل کی خاص تاکید آئی ہے کہ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔ باہمی معاملات کاروبار، تجارت، لین دین، ناپ تول، خرید و فروخت، گواہی و شہادت میں عدل کا حکم ہے۔

قرآن حکیم نے ایک طرف تو دنیا کے سارے نظام کا مقصد ہی قیامِ عدل و انصاف بتلایا اور دوسری طرف ایسا عجیب وغریب اور بے مثال انتظام فرمایا کہ جس پر اگر عمل کیا جائے تو یہی خونخوار اور بدکردار دنیا ایک صالح معاشرے میں تبدیل ہوجائیگی۔

Marfat.com

اس نظام کا عملی نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرتِ کی شکل میں ہمیں عطا فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور دوسرے متبع سنت سلاطین نے بھی جب اس پر عمل کیا تو لوگوں نے شیر اور بکری کے ایک گھاٹ پر پانی پینے کا مشاہدہ کیا، غریب امیر، مزدور و سرمایہ کار کا فرق مٹ گیا اور قانون کا احترام ہر فرد اپنے گھروں کے بند کمروں میں اور رات کی تاریکیوں میں کرنے لگا۔

وہ روحِ عدل، وہ جانِ مساوات صداقت کا، امانت کا نشاں ہے
اسی کا ہے مرے لب پر قصیدہ وہی جو باعثِ آرام جاں ہے

حواشی وحوالہ جات

(۱) سبا/۲۸۔...... (۲) الاعراف/۱۵۸۔ ...... (۳) (الفرقان/۱، ۲)...... (۴) احمد بن حنبل/ المسند، قاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۳۶ء، ۴/ ۴۱۶) ...... (۵) ایضاً ۱۲/ ۲۵)...... (۶)(سورہ الکافرون/ آیت نمبر۶)...... (۷)(سورہ الفاتحہ/ آیت نمبر ۲)...... (۸)(القرآن، سورہ۔۔/ آیت نمبر۔۔)...... (۹)(آلوسی، سہبات الدین السید محمد، روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ، ج ۱۸، ص ۲۱۷)...... (۱۰)(عبداللہ نفسی، تفسیر النفسی، الجز الثانی، ص ۲۹۷) ...... (۱۱)(الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مطبعۃ الاوقاف الاسلامیہ، الجزء الثالث، ص ۲۳۴) ...... (۱۲) (عثمانی شبیر احمد، مولانا، تفسیر القرآن، ص ۳۶۶)...... (۱۳)(ابن تیمیہ/ الحسبہ/ مطبوعات الشعب/ ص ۹) ...... (۱۴) (سید یحییٰ ندوی/ اسلام کا تہذیبی نظام/ پاک اکیڈمی/ ۱۹۶۴ء/ ص ۲۶۷)...... (۱۵)(مودودی، سید ابو الاعلیٰ/ اسلام اور عدل اجتماعی/ لاہور/ اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳)...... (۱۶)(سید محمود الحسن، ترجمان الحدیث، حصہ اول، لاہور، اسلامی پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء/ ص ۴۰۱)...... (۱۷)(سماجی انصاف اور اجتماعیت، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، لاہور، رحیمیہ مطبوعات، ۲۰۱۱ء، ص ۹)...... (۱۸) (سماجی انصاف اور اجتماعیت، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، لاہور، رحیمیہ مطبوعات، ۲۰۱۱ء، ص ۹)...... (۱۹)(سورہ البقرہ / آیت نمبر ۳)...... (۲۰)(سماجی انصاف اور اجتماعیت، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، لاہور، رحیمیہ مطبوعات، ۲۰۱۱ء، ص ۲۵)...... (۲۱)(اسد سلیم شیخ /اسلامک ورلڈ آرڈر/ لاہور/ مکتبۃ القریش/ ۱۹۹۲ء/ ص ۷۸)...... (۲۲) (تفسیر ابن کثیر/ ج۲/ ص ۶۰)...... (۲۳)(صحیح مسلم) ...... (۲۴)(علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۲، ص ۷۵، بحوالہ فتوح البلدان، ص ۳۱) ...... (۲۵) (اسد سلیم شیخ /اسلامک ورلڈ آرڈر/ لاہور/ مکتبۃ القریش/ ۱۹۹۲ء/ ص ۸۱)...... (۲۶)(ڈاکٹر خالد علوی/ انسان کامل/ لاہور/ الفیصل ناشران/ ۲۰۰۲ء/ ص ۴۶۸)...... (۲۷)(شاعر عبدالکریم ثمر)...... (۲۸)(صحیح بخاری، حدیث نمبر ۳۰۲۷/ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۲۹۷، طبع بیروت)...... (۲۹)(حجۃ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم، ج اول، طبع بیروت، ص ۲۲۱)...... (۳۰) (حجۃ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم، ج اول، طبع بیروت، ص ۲۲۳)...... (۴۰)(سورہ یٰس /آیت نمبر ۳۸۔۴۰)...... (۴۱)(سورہ البقرہ / آیت نمبر ۱۶۴) ...... (۴۲)(سورہ المومنون/ آیت نمبر ۱۲۔۱۴)...... (۴۳) (سورہ الحج / آیت نمبر ۵)...... (۴۴)(محمد یوسف/ عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل/ لاہور/ مکتبہ اظہار القرآن/ ۲۰۰۶ء/ ص ۹۴)...... (۴۵) (البقرہ/ ۱۴۳) ...... (۴۶) (آل عمران/ ۱۱۰) ...... (۴۷) (احمد بن حنبل/ المسند ۳/۵) ...... (۴۸) (ایضاً حوالہ بالا) (۴۹)(نظام عدل کا قیام اور حکمت عملی، ڈاکٹر انیس احمد، لاہور، نیو بک لینڈ، ص ۳۴)...... (۵۰)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۴۲)...... (۵۱)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۸)...... (۵۲)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۱۰)...... (۵۳)(سورہ النحل/ آیت نمبر ۹۰)...... (۵۴)(سورہ الحدید/ آیت نمبر ۲۵)...... (۵۵)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸)...... (۵۶)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۱۳۵)...... (۵۷)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۲)...... (۵۸)(سورہ الانعام/ آیت نمبر ۱۵۳)...... (۶۹)(سورہ الرحمٰن/ آیت نمبر ۹)...... (۶۰)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۵)...... ...... (۶۱)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۹)...... (۶۲)(سورہ الانعام/ آیت نمبر ۱۱۸)...... (۶۳)(سورہ آل عمران/ آیت نمبر

Marfat.com

۱۸)...... (۶۵) (اسلامی تاریخ و تمدن / امتیاز احمد / لاہور/ نیو بک پیلیس / ۱۹۸۹ء/ ص ۷۳)...... (۶۶) (مشکوٰۃ)...... (۶۷) (کتاب الترغیب و الترہیب لابن حجر، کتاب القضاء/ص ۲۰۶)...... (۶۸) (ایضاً/ص ۲۰۶)...... (۶۹) (ایضاً /ص ۲۰۶)...... (۷۰) (ایضاً/ص ۲۰۶)...... (۷۱) (ایضاً /ص ۲۰۷) ...... (۷۲)(سنن ابی داؤد)...... (۷۳)(مسند احمد) ...... (۷۴)(مسند الفردوس) ...... (۷۵)(طبرانی کبیر، صغیر، اوسط) ...... (۷۶)(مسند احمد) ...... (۷۷)(مسند الفردوس للدیلمی) ...... (۷۸)(صحیح البخاری) ...... (۷۹)(ابن ماجہ/ مسند البزار) ...... (۸۰)(جامع البیان للطبری) ...... (۸۱)(ابو داؤد، الترمذی)...... (۸۲)(مسند الفردوس/۴/۳۴۴)...... (۸۳)(مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ)...... (۸۴)(احیاء العلوم غزالی) ...... (۸۵) (درمنثور/۳/۴۵)...... (۸۶)(مسند احمد)...... (۸۷)(جامع الترمذی)...... (۸۸) (محمد یوسف/ عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل / لاہور/ مکتبہ اظہار القرآن/ ۲۰۰۶ء/ص ۹۷)...... (۸۹)(فضل الرحمٰن فریدی ڈاکٹر، دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت، مکتبہ خلیل، لاہور، س ن، ص ۳۴)...... (۹۰)(محمد طیب خان سنگھانوی/ امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز و مسائل اور ان کا تدارک تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی، اسلام آباد، وزارت مذہبی امور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۴)...... (۹۱)(روزنامہ ایکسپریس مضمون جاوید چودھری یکم اگست ۲۰۱۱ء)...... (۹۲)(مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، اقوام متحدہ کا قیام، ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۸)...... (۹۳)(شاعر حبیب جالب)...... (۹۴)(مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدات، ادارہ تحفظات، لاہور، ص ۱۱۸ـ۹)...... (۹۵)(ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی ر دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت رلاہور رمکتبہ خلیل ر ص ۳۳ـ۳۴) ...... (۹۶) (ڈاکٹر خالد علوی راسلام اور عالمگیریت راسلام آباد ر دعوۃ اکیڈمی ر۲۰۰۶ء رص ۵)...... (۹۷) (ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی ر دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت رلاہور رمکتبہ خلیل رص ۵۴)...... (۹۸) (معاہدات نبوی ﷺ/ عثمان غنی عالم/ کراچی/ غازی پبلیشرز/ ۲۰۰۰ء/ ص ۵۴)...... (۹۹) برکات احمد، رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز (مترجم ڈاکٹر مشیر الحق ندوی) مکتبہ لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۸۲)...... (۱۰۰)(حسین ہیکل، حیا؟ محمد ﷺ (عربی) مطبعۃ العصریۃ، القاہرہ، ۱۹۴۷ء) ...... (۱۰۱) حامد الانصاری، اسلام کا نظامِ حکومت، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۳۶۴)...... (۱۰۲)(ابن ہشام، م، ن، ص-۶۶۰، ص-۴)...... (۱۰۳) مسند احمد بحوالہ سیرت النبی ﷺ، شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، مکتبہ مدینہ لاہور، ج نمبر ۲، ص-۹۳)...... (۱۰۴)(اسلامی تاریخ و تمدن / امتیاز احمد / لاہور/ نیو بک پیلیس / ۱۹۸۹ء/ ص ۷۵)...... (۱۰۵)(سورہ البقرہ / آیت نمبر ۲۵۶)...... (۱۰۶)(اسلامی تاریخ و تمدن / امتیاز احمد / لاہور/ نیو بک پیلیس / ۱۹۸۹ء/ ص ۷۵)...... (۱۰۷) (سورہ النساء/ آیت نمبر ۳)...... (۱۰۸) (سورہ النساء/ آیت نمبر ۱۲۷)...... (۱۰۹) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۱۶۴۱، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، ج ۲، حدیث نمبر ۱۸۵۱، طبع بیروت) ...... (۱۱۰) (غلام مصطفیٰ قاسمی، سماجی انصاف اور اجتماعیت، لاہور، رحیمیہ مطبوعات، ص ۷۰)...... (۱۱۱)(شاعر حافظ لدھیانوی)...... (۱۱۲)(سورہ الانعام/ آیت نمبر ۱۵۳)...... (۱۱۳)(سورہ الرحمٰن/ آیت نمبر ۹) ...... (۱۱۴)(سورہ الحجرات/ آیت نمبر ۹) ...... (۱۱۵)(سورہ البقرہ/ آیت نمبر ۲۸۲) ...... (۱۱۶ـالف)(سورہ الانعام / آیت نمبر ۱۵۲)...... (۱۱۷)(سورہ المائدہ / آیت نمبر ۸) ...... (۱۱۷ـالف)(صحیح بخاری) ...... (۱۱۸)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۸)...... (۱۱۹)(پنڈت گوپال کرشن، ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی، مقالہ مہاپرش محمد ﷺ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۶۵)...... (۱۲۰) القرآن سورۃ یونس، آیت ۹۹)...... (۱۲۱)(پروفیسر محمد صدیق قریشی، پیغمبر ﷺ حکمت و بصیرت، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۹۸)...... (۱۲۲) القرآن سورۃ المائدہ، آیت ۱۸۰)...... (۱۲۳) القرآن سورۃ الاعراف، آیت ۳۱) ...... (۱۲۴) القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۰)...... (۱۲۵)(القرآن سورۃ الذاریات ۵۱، آیت ۱۹)...... (۱۲۶) القرآن سورۃ البقرہ، آیات ۲۷۸، ۲۷۹)...... (۱۲۷) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ)...... (۱۲۸) صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب من سال الناس تکثرا)...... (۱۲۹)(القرآن سورۃ مائدہ، آیت ۳۸)...... (۱۳۰) القرآن سورۃ مائدہ، آیت ۳۳)...... (۱۳۱) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من قاتل

Marfat.com

دون مالہ)...... (۱۳۲)(سورہ النساء/ آیت نمبر ۱۳۵)...... (۱۳۳)(اسلام کا عمرانی نظام/ پروفیسر علام رسول چوہدری/ لاہور/علم و عرفان پبلیشرز/ ۲۰۰۲ء/ص ۳۴۴) ...... (۱۳۴)(اسلام کا نظام حسبہ/ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ مترجم ڈاکٹر حافظ اکرام الحق یاسین/ اسلام آباد/شریعۃ اکیڈمی/ ۲۰۰۶ء/ص ۹۲)...... (۱۳۵) القرآن کریم البقرہ، آیت ۲۲۸) ...... (۱۳۶) القرآن سورۂ نساء، آیت ۱۹۔...... (۱۳۷) (القرآن، نساء، آیت ۳۲) ...... (۱۳۸) مسلم، ج۱، ص ۳۹۔۳۹۔۲۶۳- مسند احمد، ج۱۳، ص ۸۵)...... (۱۳۹) ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل، انسانِ کامل، لاہور ص ۲۴۵)...... (۱۴۰)(سورہ المائدہ/ آیت نمبر ۸) ...... (۱۴۱)(سورہ الشوریٰ/ آیت نمبر ۱۵) ...... (۱۴۲)(سورہ المائدہ / آیت نمبر ۴۲) ...... (۱۴۳)(سورہ البقرہ / آیت نمبر ۲۵۶)...... (۱۴۴)(سورہ الکافرون/ آیت نمبر ۱۰۹)...... (۱۴۵)(ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج، رقم:۳۰۵۲)...... (۱۴۶)(السنن الکبر/ ج۸/ ص ۳۰)...... (۱۴۷)(صحیح بخاری/ کتاب الجزا/ باب ثم من قتل/ رقم ۲۹۹۵)...... (۱۴۸)(ابن کثیر/ ج۲/ ص ۳۱)...... (۱۴۹)(ابن سعد، الطبقات الکبرا/ جلد۱/ص ۳۵۷)...... (۱۵۰) کنز العمال، الفصل الثالث فی انواع الکسب۔ ...... (۱۵۱) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۶۹، ص۱۶۸۔...... (۱۵۲) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۲ الحلال میں، ص۱۶۰)...... (۱۵۳)(ڈاکٹر انور رشید طوسی، اسلام کے معاشرتی و معاشی نظام کا ادراک/ کراچی/ اردو اکیڈمی سندھ/ ۱۹۹۲ء/ ص ۳۳) ...... (۱۵۴)(ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ص ۱۲۸)...... (۱۵۵) سورۃ الحجر ۱۵/۲۰)...... (۱۵۶) سورۃ النباء، ۷۸/۱۱) ...... (۱۵۷) سورۃ الزخرف ۴۳/۳۲)...... (۱۵۸) سورۃ طٰہٰ ۲۰/۱۲۴)...... (۱۵۹)(حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ص/۴۰۳)...... (۱۶۰) (القصص،۲۸:۷۷) ...... (۱۶۱) کنز العمال للھدیٰ، کتاب البیوع باب فی الکسب، ۴:۵)...... (۱۶۲) (ایضاً ۴:۱۲، حدیث نمبر ۹۴۲)...... (۱۶۳) حافظ ابی قاسم سلیمان بن احمد الطبر انی المعجم الکبیر، داراحیاء التراث العربی، ۱۹:۱۲۹، حدیث نمبر ۲۸۲)...... (۱۶۴)(صحیح مسلم) ...... (۱۶۵) (پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ، سیرت مجمع کمالات ﷺ، سیالکوٹ، ادارہ تعلیمات سیرت، ص ۳۴۰۔۳۴۱)...... (۱۶۶)(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳/۱۲۹۔)...... (۱۶۷)(روزنامہ نوائے وقت، ۱۵/ اگست ۲۰۰۵ء، ص ۷)...... (۱۶۸) سید عمار زیدی، مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۴/ ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۱۰)...... (۱۶۹) ریاض احمد صدیقی، عالمی دہشت گرد، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، پہلی قسط، جمعہ المبارک ۲۲، ستمبر ۲۰۰۶ء)...... (۱۷۰)(ڈاکٹر انور رشید طوسی، اسلام کے معاشرتی و معاشی نظام کا ادراک، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ص ۴۸)...... (۱۷۱) (پروفیسر عبدالجبار شیخ / سیرت مجمع کمالات / سیالکوٹ/ ادارہ تعلیمات سیرت/ ۱۹۹۵ء/ ص ۲۷۴)...... (۱۷۲)(یاسین سروہی، رسول اللہ ﷺ کے عدالتی فیصلے، لاہور، ص ۱۲۰)...... (۱۷۳) (متفق علیہ)...... (۱۷۴)(پروفیسر عبدالجبار شیخ / سیرت مجمع کمالات / سیالکوٹ/ ادارہ تعلیمات سیرت/ ۱۹۹۵ء/ ص ۳۴۳)...... (۱۷۵)(یاسین سروہی، رسول اللہ ﷺ کے عدالتی فیصلے، لاہور، ص ۱۳۳)...... (۱۷۶) (اسلامی تاریخ و تمدن/ امتیاز احمد/ لاہور/ نیو بک پیلس/ ۱۹۸۹ء/ ص ۸۰)۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

بلقیس وہاب چوہدری- راولپنڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

امّا بعد

درود و سلام ہو حضرت محمد ﷺ پر جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں وہ صرف رحمۃ للمسلمین ہی نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہیں، آپ ﷺ کی رحمت عام ہے تمام جن و انس، ملائک کے لئے تمام جانداروں کے لئے بلکہ عالموں کے لئے محسن انسانیت خیرالبشر رہنمائے کاروان انسانیت معلم کتاب و حکمت داعی عدل اجتماعی حضرت محمد ﷺ۔ درود و سلام ہوں حضور ﷺ کی آل اطہار اور ازواج مطہرات پر کہ وہ ہدایت کے روشن مینار ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

ربیع الاول مسلمانوں کے لئے رحمتوں، خوشیوں اور سعادتو ں کا مہینہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں سرور کونین رحمۃ للعالمین محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ دنیا بھر میں مسلمان میلاد النبی ﷺ جوش وخروش سے مناتے ہیں جلوس نکالتے ہیں چراغاں کیا جاتا ہے۔ سیرت کانفرنسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے حضرت محمد ﷺ خلق خدا کے لئے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے اور انسانیت کو تباہی و بربادی کے گڑھے سے نکال کر ایسا عادلانہ نظام زندگی عطا فرمایا جس کی بنیادیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، احترام انسانیت اور تمام انسانیت کے لئے عدل اجتماعی کے اصولوں اور حضور ﷺ کے عملی نمونوں پر قائم ہیں۔ حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی اور احسان کی بناء پر اسلام کو آفاقی مذہب قرار دیا گیا۔

اسلام دین کامل

جس دین کی ابتداء، حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی جسکی دعوت اللہ تعالیٰ کے ہر رسول اور نبیؑ نے دی، اسکی تکمیل سرور کائنات ختم الرسل

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گئی خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(۱)

(ترجمہ) "آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ ہاں جو شخص بھوک میں لاچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو اللہ بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے"۔

Marfat.com

حضورﷺ اللہ رب العزت کی طرف سے جو پیغام لائے وہ سراپا امن اور عدل اجتماعی ہے اس کی سب سے بڑی دلیل لفظ اسلام اور ایمان ہے۔ یہ دونوں الفاظ امن و سلامتی سے ماخوذ ہیں اس لئے سلام اور سلامتی، ایمان اور امن لازم و ملزوم ہیں۔ حضورﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی اوصاف حمیدہ، اخلاق کریمانہ اور احسان و مروّت کا نہ کوئی احاطہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حضورﷺ کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کا کماحقہ حق ادا کر سکتا ہے۔ عدل اجتماعی تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں عالم انسانیت کیلئے مینارہ نور ہے جس کی منور کرنوں سے روشنی حاصل کر کے ہم دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں نے حضورﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی کو فراموش کر دیا ہے جسکی بناء پر مسلمانوں میں افراتفری، بد امنی، دہشت گردی اور ظلم کو فروغ مل رہا ہے۔ امت مسلمہ عدل اجتماعی کی تعلیماتﷺ کو سیرت النبیﷺ کی روشنی میں اس طرح فروغ دے کہ رحمت دو عالم حضرت محمدﷺ کی سیرت طیبہ اور حضورﷺ کے اخلاق کریمہ عدل و احسان عام بنی نوع انسان اور خاص کر مسلمانوں کے لئے راہ ہدایت قرار پائے۔ تمام مسلمان حضورﷺ کی زندگی کے ہر پہلو پر غور و فکر کریں۔ حضورﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی سے اتحاد اسلام اور اتحاد انسانیت کے لئے آسانیاں پیدا ہوں اور انسانوں کی مشکلات حل ہوں۔

حضورﷺ دنیا کی واحد شخصیت ہیں جن کی تعلیمات پر اتنی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کی گئی ہے اور آپﷺ کے ارشادات سینہ بہ سینہ ایک کے بعد دوسری نسل کو منتقل ہو رہے ہیں حضورﷺ کی تعلیمات عدل و انصاف کا جتنا مواد ہمیں فراہم ہے اتنا دنیا کے کسی ادب اور زبان میں کسی اور شخص سے دستیاب نہیں ہر ضرورت مند اپنے دامن کی وسعت کے مطابق عدل اجتماعی کے تصور واہمیت کی تجلی کی چند کرنیں سمیٹ لیتا ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمدﷺ نے پوری انسانیت کے لئے عدل و انصاف کے راہ عمل کو واضح اور روشن فرمادیا ہے بلکہ اپنی ملی کاوشوں سے اپنے بیان فرمودہ اقوال، اصول و قوانین کو انفرادی حیثیت میں اور اجتماعی صورت میں بھی جاری و نافذ فرما کر ان کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت پیش فرمایا، حضورﷺ کی شخصیت میں تمام صفات کاملہ بدرجہ اتم موجود ہیں حضورﷺ کی شخصیت قیامت تک کے لئے نمونہ عمل ہے حضورﷺ کے اخلاق عالیہ میں سچائی، حلم، صدق، محبت، شجاعت، تواضع، وفا اور عدل و انصاف جیسی تمام صفات اپنی جامع حالت میں موجود تھیں انہی صفات کی وجہ سے جبرائیل نے کہا!

"میں زمین پر مشرق سے مغرب تک گھوما لیکن مجھے محمدﷺ سے افضل کوئی نہیں ملا اور زمین میں مشرق سے مغرب تک گھوما لیکن مجھے بنی ہاشم سے اچھا کوئی نسب نہیں ملا"

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾(۲)

(ترجمہ) "اور اے نبیﷺ ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

حضورﷺ اس حالت میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو جاہلیت کی بُری عادتوں سے اپنی حفاظت میں رکھا ہوا تھا۔ بہت جلد حضورﷺ اپنی قوم میں اپنے عالی اخلاق، بہترین حسب و نسب سے زیادہ امانت دار اور حیاء دار کی حیثیت سے مشہور ہو گئے حضورﷺ کو الامین کے لقب سے نوازا گیا۔(۳)

آج نوع انسانی، بالخصوص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہے کہ وہ دین کو بکمال و تمام بطور عدل اجتماعی اختیار

Marfat.com

کرے ہر شعبہ حیات میں خواہ اس کا تعلق ملکی سیاست سے ہو یا قومی اقتصادیات سے، معاشرت سے ہو یا انتظامیہ وعدلیہ سے عدل اجتماعی کے تصور و اہمیت کیلئے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی حاصل کریں، اس کے لئے واضح حکم ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةًص وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (۴)

(ترجمہ) "مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

یعنی صرف زبان سے اسلام قبول کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسلام کی پوری پوری پیروی کرنے یعنی عدل اجتماعی اختیار کرنے سے مطلوبہ نتائج پیدا ہوں گے اور فلاح و کامرانی حاصل ہو گی۔

اللہ رب العالمین انسان اور انسانی فطرت کا خالق ہے وہی سب سے زیادہ انسانی فطرت اور مزاج انسانی کو سمجھتا ہے اپنے بندوں کی بہتری کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق میں سے جو بہترین تحفہ انسانیت کیلئے چنا، وہ "حضور ﷺ کی آفاقی شخصیت" ہے۔ دوسرا تحفہ جو انسانیت کی نگہداشت وتحفظ کے لئے پیغام ربانی بھیجا "قرآن مجید" ہے جو نظام، انسانیت کو عطا ہوا وہ اسلام ایک، امن پسند عدل و انصاف والا دین، عدل اجتماعی جس میں مادی اور روحانی اقدار کا حسین امتزاج موجود ہے جو عرب و عجم، مشرق و مغرب کے لئے عام اور رحمت و احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کچھ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عدل کے ساتھ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ہے۔ "حی وقیوم" اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا عادل حکمران ہے اور انسان اسکا نائب "فی الارض" ہے۔ جب کہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ محسن انسانیت، خلق عظیم، شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ، معلم اعظم ہیں جن ﷺ کا لایا ہوا پیغام عدل اجتماعی ساری دنیا کے انسانوں کے لئے عام ہے وہ ایک متوازن لائحہ عمل اور متوازن طریق زندگی ہے۔ حضور ﷺ کے اس پیغام عدل کی تمام دلیلیں قابل عمل اور روشن ہیں۔

حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت کی بنیاد توحید، صراط مستقیم ہیں۔ جن کا مقصد انسان کو ظلم سے بچانا اور عدل وانصاف کی عملی دعوت دینا ہے۔

ظلم و جبر کے برسر پیکار ازموں، نظاموں اور نظریوں کی ستائی ہوئی انسانیت جس عدل اجتماعی کی متلاشی ہے وہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے لے کر آیا اسلام عدل کی خاطر ہر فرد کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اجتماعی بہبود سے صرف نظر کرتا ہے۔ اسطرح اسلام کا نظام عدل اجتماعی اس تصور پر قائم ہے جو دو انتہاؤں کے درمیان مینارہ نور بن کر ظلم وستم کی ستائی ہوئی دکھی انسانیت کی تسلی وتشفی کا باعث بنتا ہے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۵)

(ترجمہ) "ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور میزان عدل تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔

میزان سے مراد انصاف ہے (یعنی عدل اجتماعی)۔

Marfat.com

عدل

عربی زبان میں عدل کے لئے اعتدال، تعدیل، میزان، قسط، اقتصاد، توسط جیسے الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے کہ دونوں میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہ ہو اسے عدل اجتماعی کہا جائے گا۔
دو مخالف انتہاؤں کے بالکل درمیان میں ہونا۔(٦)

عدل حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے یہ جو جور کی ضد ہے۔(٧)

العدل، الحکم بالاستواء (٨)۔ عدل برابر کے حکم کو کہتے ہیں۔

عدل آپس کے حقوق میں تسویہ و برابری، ظلم کو ترک کرنے اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچانے کا نام ہے۔(٩)

عدل، اعتقاد، عمل اور خلق میں اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے۔(١٠)

عدل کا حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو قرآن مجید میں اسطرح ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ٥(١١) (ترجمہ) " کہہ دیجیے کہ میرے رب نے عدل کا حکم دیا ہے"۔

رہبر آدمیت، پیغمبر رحمت حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات گرامی عظمت و رفعت کا ایک بلند ترین حوالہ ہے۔ رب العالمین کے بعد رحمۃ للعالمین ﷺ کا نام نامی عظیم اور لائق حمد و ثناء قرار پایا۔ آپ ﷺ چونکہ رحمت عالم ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کی ذات وصفات بحیثیت منصف قابل تعظیم، لائق عقیدت ٹھہری۔

حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کاملیت، جامعیت اور عدل و انصاف کا ایک حسین مرقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین ﷺ بنا کر مبعوث فرمایا! اس لئے حضور ﷺ کی تعلیمات حضور ﷺ کی سیرت اور حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کا ہر ہر پہلو امت کے سامنے پیش کر دیا گیا اور سیرت النبی ﷺ کی کتب میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہے کہ وہ عدل اجتماعی کو بکمال و تمام اختیار کرے ہر شعبہ حیات میں خواہ اسکا تعلق ملکی سیاست یا گھریلو امور سے ہو اسلام کی پوری پوری پیروی کرنے سے فلاح و کامرانی حاصل ہوگی۔

عدل اجتماعی کے فطری اسباب

دنیا کا تمام نظام جو آسمان سے لیکر زمین تک پھیلا ہوا ہے صرف اللہ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔
ارشاد ربانی ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾(١٢)

(ترجمہ) اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ﴾(١٣)

(ترجمہ) "اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ وہ انصاف کا حاکم ہے اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں"۔

Marfat.com

عدل وانصاف صرف نظم وسلطنت ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں عدل کی ضرورت ہے اور نظام عالم محض عدل ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ (۱۴) (ترجمہ) جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو۔

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساری چیزیں عدل، اعتدال اور تعدیل پر قائم ہیں۔ چاند، سورج، ستارے سب نظام عدل اجتماعی سے قائم ہیں۔ زمین کی گردش ایک سیکنڈ کے لئے بھی اگر راہ عدل سے ہٹ جائے تو کرہ ارض تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ شمس و قمر اور نجوم و کواکب جس نظام کے تابع ہیں اس سے ذرا منحرف ہوں تو یہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے بارش برسات کے موسم میں ہوتی ہے بیج موسم کے مطابق بویا جاتا ہے، فصل اپنے وقت پر اگتی ہے پھر پک کر تیار ہوتی ہے۔ گویا یہ سارا نظام عدل پر مبنی ہے اور یہ نظام اتنا محکم ہے کہ اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آ سکتا۔ جان دار مخلوقات میں انسان کے سوا ہر ذی حیات سختی سے نظام عدل اجتماعی پر استوار ہے انسان انٹرنیٹ کی وجہ سے (رات کے وقت) آرام کے وقت کام اور کام کے وقت آرام کرتا ہے جبکہ پرندے شام ہوئی اور اپنے گھونسلوں میں آرام کرنے پہنچ گئے۔ صبح سویرے اپنے نشیمن سے باہر آئے اور تلاش رزق میں اُڑ گئے نہایت سلامت روی یعنی عدل اجتماعی کے ساتھ اسی راستے پر گامزن ہیں جو فطرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

زندگی میں جہاں عدل اجتماعی کو برقرار رکھا جائے وہاں سکون و اطمینان اور خوشی ہوگی۔ اگر لفظ موزوں ہوں تو الفاظ سے خوبصورت فقرہ بن جاتا ہے اگر موزوں ترین ہوں تو اشعار بن جاتے ہیں جس قوم کی سیاست، معاشرت اور معیشت کی بنیاد عدل و انصاف یعنی عدل اجتماعی پر ہوگی فطری طور پر وہ قوم دنیا کی سب سے خوش قسمت قوم ہوگی اور جس ملک میں عدل اجتماعی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں رائج ہوگا اس ملک کے باشندے خوف و غم سے آزاد اور ہر نعمت سے مالا مال ہوں گے۔

سیاسی نظام عدل اجتماعی

دین اسلام کے سیاسی نظام کی اساس اور معیشت و معاشرت کی بنیاد عدل اجتماعی پر ہے عدل و انصاف فکر و عمل کی وہ بنیاد ہے جو انسان کو ایک خداترس، پرہیزگار، ذمہ دار اور جوابدہی کے شعور کے ساتھ زندگی بسر کرنے والا سچا مسلمان بناتی ہے اور قانون اور ضابطے انسانی عمل کو حدود میں لاتے ہیں لیکن قلب و نظر کی اصلاح نہیں کر سکتے۔

اگر کسی قوم میں عدل و انصاف نہیں ہے تو دنیا کا کوئی بھی قانون، شدید سے شدید ترین سزا، پولیس، فوج، سی آئی ڈی (C.I.D)، سی آئی اے (C.I.A) محکمہ انسداد رشوت ستانی (Anti Corruption) والا کوئی بھی محکمہ اصلاح احوال نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ کا ڈر اسکے سامنے حاضر ہونے کا تصور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہی انسان کو عدل و انصاف کی طرف راغب کر سکتا ہے ہمیں ماضی سے سبق حاصل کر کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیے تاکہ مستقبل سنور جائے۔

عدل، انصاف اور قانونی عدل کا تعلق معاشرہ، سوسائٹی، جماعت اور جامع الفاظ میں حکومت سے ہے وہی عدل اجتماعی قائم رکھ سکتی ہے۔ کوئی شخص قانون ہاتھ میں لینے کا مجاز نہیں ہے قانوں کے مطابق برابری عدل اجتماعی کا فیصلہ کرنا صرف حکومت کا کام ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں بھلائیوں، نیکیوں، عدل و انصاف اور خیر کو رائج کیا جائے اور ہر شعبہ سے برائیوں، ظلم، استحصال اور محرومی و مایوسی کا خاتمہ کیا جائے، یہ عدل اجتماعی (Social Justice) ہے اور ایک اسلامی ریاست کا مطلوب و مقصود بھی ہے۔

Marfat.com

اسلام انسانیت کے لئے رحمت بن کر آیا ہے اسلام کا قانون عدل اجتماعی پر مبنی ہے اسمیں اعتدال ہے یعنی نہ حد سے زیادہ سختی کہ انسانیت کا احترام ہی ختم ہو جائے، نہ بالکل نرمی کہ سزا محض مذاق بن کر رہ جائے، سب سے اچھی بات کہ اسلام کا قانون سب کے لئے یکساں ہے اسمیں چھوٹے بڑے یا اپنے پرائے کی تمیز نہیں ہے اسلام میں عدل اجتماعی کا مطلب تزکیہء اخلاق، اصلاح نفس اور جرائم کی روک تھام ہے۔

دور حاضر میں جرائم کی تشہیر جرائم کو فروغ دے رہی ہے ٹی وی اور اخبارات کی شاہ سرخیوں سے معصوم بچے اور انجان افراد بھی جرائم کی راہیں اور واردات کے طریقے سیکھ لیتے ہیں۔

ایک شخص اگر فضول خرچ ہے تو بھی اور اگر بخیل ہے تو بھی راہ عدل سے ہٹا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے ناپسند فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾(۱۵)

(ترجمہ) "اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اُڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم"۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا بخیلی اور اللہ تعالیٰ کے احکام و اطاعت کے مطابق خرچ کرنا قوام ہے (القدیر) اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات میں اعتدال سے تجاوز بھی اسراف ہے اس لئے وہاں بھی میانہ روی نہایت ضروری ہے۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں جب جنگ چھڑتی ہے تو دشمن کے ساتھ عدل کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن ارشاد ربانی ہے!

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾(۱۶)

(ترجمہ) "اور جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم و زیادتی ہو تو مناسب طریقے سے بدلہ بھی لیتے ہیں"۔

گویا بدلہ لینا عدل اجتماعی ہے۔

قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشابہت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی کہا گیا ہے۔ یعنی اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو۔ لیکن اسکا لحاظ رہے کہ جس حد تک ظلم ہوا ہے اس سے زیادہ کے تم مجاز نہیں ہو جس نے تمہاری انگلی کاٹی ہے اسکی تم گردن نہیں کاٹ سکتے۔ اور یہ عدل اجتماعی کا تقاضا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے!

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾(۱۷)

(ترجمہ) "اور اگر تم اُن کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو اُن سے پہنچی"۔

غرض کہ بدلہ لینے کی اجازت عدل اجتماعی کے ساتھ ہے، زیادتی نہیں کر سکتے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ عدل و اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسراف (جائز کاموں پر ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرنا) اور تبذیر (ناجائز کاموں پر مال و دولت لٹانا) عدل اور اعتدال کے منافی عمل ہیں، لہٰذا اسلام

Marfat.com

نے ان پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَاۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (۱۸)

(ترجمہ) " اور برائی کا بدلہ تو اس طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کر دے تو اُس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔

اسلام دشمن کے ساتھ عدل اجتماعی اور احسان کا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دشمن نے جنگ میں جتنا ظلم کیا ہے اسکا اتنا ہی بدلہ لینے کا حکم ہے یا پھر معاف کردیں تو یہ احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اعتدال یعنی میانہ راوی کا حکم بھی دیا ہے غلطی کس سے نہیں ہوتی جرم انسان ہی کرتا ہے اور عدالت سے اسے سزا بھی ملتی ہے اور سزا پانے کے بعد اسکے جرم کا دھبہ دھل جاتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ سزا یافتہ شخص کو ہمیشہ کے لئے مطعون کرنے لگتے ہیں، یا اسکے ایمان پر شبہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ یہ بات عدل و انصاف سے بعید ہے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا۔ جسکا لقب خمار ہو گیا تھا۔ یہ کبھی کبھی حضور ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے شراب نوشی کی سزا میں کوڑے لگوائے تھے۔ اسے دوبارہ پھر اسی جرم میں پکڑ کر لایا گیا آپ ﷺ نے پھر اسے سزا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا! " اے اللہ اس شخص پر لعنت کر، کہ بار بار اسی جرم (شراب نوشی) میں لایا جاتا ہے"۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! "اس پر لعنت نہ بھیجو۔ خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آدمی اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے"۔ (۱۹)

ابتدائے افرینش انسانیت ہی سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام اجمعین کی وساطت سے وقت کے تقاضوں کے مطابق انسان کی فلاح و بہبود کے لئے احکام نازل فرمائے ، یہ ضابطہ حیات انسان کی فلاح و بہبود ، اقتصادی ، معاشرتی ، سماجی اور عائلی زندگی کو کامیاب بنانے اور پر امن رکھنے کی ہدایات دیتا ہے۔

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (۲۰)

(ترجمہ) " اور ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق اُن میں فیصلہ کرنا"۔

حاجت مندوں کی درشت مزاجی اور ان کے قوت بیان کی کمزوری کو صبر سے برداشت کرو ، اور ان سے تنگ آ کر کج خلقی اور تکبر کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دو، تمہارے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دامن چاروں طرف تم پر پھیلا دیں گے۔

حضور ﷺ ظلم اور استبدار کے خلاف عادل بن کر دنیائے عالم میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے عدل اجتماعی کے ذریعے ظلم کی زنجیروں کو کاٹ ڈالا، ارشاد فرمایا!

الظلم ظلمات یوم القیامة (۲۱) (ترجمہ) ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا!

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۲۲) (ترجمہ) اور مجھے حکم ہوا ہے، کہ تم میں انصاف کروں۔

جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

Marfat.com

حضورﷺ نے ایک شخص سے کھجوریں بطور قرض لیں کچھ عرصہ بعد وہ کھجوریں واپس لینے آیا تو حضورﷺ نے ایک انصاری سے اسے کھجوریں واپس کرنے کو کہا چنانچہ انصاری نے کھجوریں واپس کر دیں، واپس کردہ کھجوریں اس قدر عمدہ نہ تھیں جیسی قرض لی گئی تھیں چنانچہ قرض خواہ نے انہیں واپس لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری نے حیرت سے کہا تم رسولﷺ سے وہ کھجوریں لینے سے انکار کر رہے ہو جو وہ تمہیں دے رہے ہیں اس نے جواب میں کہا ہاں! حضورﷺ عدل نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔ جب اسکی بات حضورﷺ تک پہنچی تو حضورﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور فرمایا! "وہ شخص سچ کہتا ہے"۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضورﷺ نے انسانی زندگی کی تعمیر وتشکیل کے لئے جو احکامات دیے۔ "وہ قانون اسلامی" ہیں۔ یہ احکام، انفرادی، اجتماعی، سیاسی و معاشرتی، معاشی، دیوانی، فوجداری، ملی اور بین الاقوامی ہر پہلو کی اصلاح کرتے ہیں۔ اگرچہ زندگی کی اقدار مختلف ہیں مگر دو بنیادی اقدار مشترک ہیں ایک ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور دوسری عدل اجتماعی و انصاف و مساوات، اللہ تعالیٰ پر ایمان انسان کو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ ہائے عدل اختیار کرنے کے لئے داخلی طور پر مجبور کرتا ہے اور عدل و مساوات کے قیام کا ذریعہ ہے۔

خلافت راشدہ کی ایک بہترین مثال ایک نومسلم (مسیحی) حکمران جبلہ طواف کعبہ کر رہے تھے۔ انکی چادر کا ایک کونہ دانستہ ایک اعرابی کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ نومسلم حکمران جبلہ نے (اپنی حکمرانی کے زعم میں) غریب اعرابی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ اعرابی نے حضرت فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہ سے اسکی شکایت کی اور فریاد خواہی کی، حضرت فاروقؓ رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو فرمایا کہ اعرابی کو راضی کر لو یا قصاص میں تھپڑ کھانے کے لئے تیار ہو جاؤ اور فرمایا!

الاسلام جعلك واياه واحدًا (ترجمہ) "اسلام نے تمہیں اور اسے ایک برابر بنایا ہے"۔(۲۳)

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾(۲۴)

(ترجمہ) لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے" کسی عربی کو کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے سب کے سب آدم کے بیٹے ہیں "۔(۲۵)

اسلام میں عدل اجتماعی کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت اسلامیہ کا اولین فرض قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا منصف اور عادل حاکم اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہونگے۔(۲۶) عدل کرنے والے حاکم قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے یہ رحمٰن کے داہنی جانب قائم ہوں گے۔

محسن انسانیت

آپﷺ کی ذات گرامی اجتماعی عدل و انصاف اور احترام آدمیت کا ایک معتبر اور مستند حوالہ ہے دنیا میں بدامنی، تعصب تنگ نظری اور تعصبات کی وجہ سے بے انصافی کے خاتمے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ آپﷺ کی ذات اور

Marfat.com

آپ ﷺ کے پیغام عدل و انصاف کو انسان دوستی کے لئے عام کیا جائے۔حضور ﷺ کے پیغام عدل میں وہ اثر انگیزی ہے۔ جو ظلم وتاریکی کے خاتمے میں بھر پور مدد دے گی۔ یہ ضروری ہے کہ دنیا کو باور کرایا جائے کہ اسلام امن وسلامتی ، عدل و انصاف اور احترام انسانیت کا دین ہے اور حضور ﷺ کی ذات عدل و انصاف میں ایک بلند و بالا حوالہ ہے۔حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کامل اور مکمل ہیں اور محفوظ ہیں۔ سیدالمرسلین، خاتم النبین ﷺ کی ذات گرامی بعداز خدا سب سے ارفع و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امام الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا۔حضور ﷺ عالمین کے نبی ﷺ ہیں قیامت تک حضور ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ عدل اجتماعی ابدی ضابطہ حیات اور لائق تقلید نمونہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سنت ، سیرت اور تعلیمات کو ابد تک کے لئے محفوظ فرمادیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مجاہد اعظم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے عدل اجتماعی کا ایک انقلاب برپا ہوا، انسانیت کو اسکا حقیقی مقام ومرتبہ ملا، مثالی عدل و انصاف قائم ہوا، انسانیت توحید کے نور سے منور ہوئی ظلم ختم ہوا۔عدل اجتماعی کے حوالے سے حضور ﷺ انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔

حضور ﷺ درحقیقت انسانیت کے ایسے محسن ہیں جن کے عدل و انصاف کی جتنی تعریف کی جائے کم ہےحضور ﷺ کی تعلیمات خلوص دیانت اور انسانی محبت ہیں۔

عدل تمام امور میں توسط اور میانہ روی کا نام ہے اعتقاداً بھی جیسے خدا کے انکار اور شرک کے درمیان توحید متوسط کا اقرار یعنی صرف ایک خدا کی شہادت اور جبر و قدر کے عقائد کے مابین کسی متوسط کا اقرار عملاً بھی جیسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب کئے جانے والے فرائض کی میانہ روی کے ساتھ ادائیگی نہ تو مکمل روگردانی نہ اتنا غلو کہ رہبانیت کا آغاز ہو جائے اور خلقاً بھی جیسے بخل و اسرف کے مابین جور وسخاوت کا راستہ۔(۲۷)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ عدل افراط وتفریط کی دونوں جانبوں کے مابین میانہ روی کی رعایت رکھنے کو کہتے ہیں۔(۲۸)

عدل اجتماعی کا دائرہ کار

ابن العربی نے عدل کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ان تمام اقوال کا مفہوم جمع کر دیا ہے فرماتے ہیں۔
عدل اجتماعی کا دائرہ بندہ و خدا ، انسان اور اسکی ذات ، انسان اور مخلوق خدا تک وسیع ہے بندہ و خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے حق اور اسکی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصور کرے خدا کے ہر حکم پر عمل اور ہر نہی سے اجتناب کو اپنا مقصد زندگی سمجھے تو انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے بلکہ عدل اجتماعی یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور "نھی النفس عن الھوی" قرآن مجید کے خدائی حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنائے اور انسان اور مخلوق خدا کے مابین عدل اجتماعی یہ ہے کہ انسانیت کی خیر خواہی اختیار کرے۔خیانت سے اجتناب کرے دوسروں کے لئے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے برائی سے ہر حالت میں بچے خواہ وہ سراً ہو یا جہراً مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔(۲۹)

عدل اجتماعی کی تعریف مختصراً یہ ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اور جو بات بھی کہیں اس میں میزان صداقت اور میزان

Marfat.com

عمل کسی بھی جانب جھکنے نہ پائے، بلکہ صرف وہی بات کہی جائے اور فقط وہی کام کیا جائے جو انصاف کی کسوٹی پر پورا اترے اور جس میں افرط وتفریط کا شائبہ تک نہ ہو۔

عدل اجتماعی کی حکمرانی سے کسی معاشرہ میں توازن، حسن، فلاح اور بہتری کے حصول کو ممکن بنایا جا سکتا ہے کیونکہ کا ئنات میں ہر جگہ عدل وقسط کی حکمرانی ہے اور جہاں عدل کو انسانوں کے ذریعے قائم کرنا مقصود ہے وہ انسانی سماج ہی ہے۔قسط کا لفظ بھی عدل کا ہم معنی ہے۔اسمیں توازن تناسب اور برابری کا مفہوم پایا جاتا ہے عدل کی ضد ظلم اور جور ہے، اور لغت میں ظلم سے مراد کسی چیز کو بے موقع رکھنا۔ (و ضع الشیء فی غیر موقعه) قانون اور عدالت کے حوالہ سے اس کا مطلب ہے حق کے مطابق فیصلہ کرنا۔ القضاء بالحق (۳۰)۔یعنی کسی شخص کے ساتھ بغیر کسی افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ مستحق ہے۔

عدل وانصاف کی ترازو ایسی صحیح اور متوازن ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے جب حق کی ادائیگی میں کمی یا تاخیر ہو جائے تو یہ بھی ظلم کی ایک قسم ہے۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی ہے۔ (اللہ یقضی بالحق) اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قال یا عبدی انی حرمت الظلم عظی نفسی و جعلته بینکم محرما فلا تظالموا

(ترجمہ) "اے بندے میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا تم آپس میں ظلم نہ کرو"۔(۳۱)

اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح با خبر ہے ارشاد ربانی ہے ! آپ ﷺ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں۔ اور بے گناہ یہودیوں کو مورد الزام ٹھہرانے والے کمزور عقیدے کے لوگوں کی باتوں کا اعتبار کر کے عدل کے راستہ سے ہٹ کر فیصلہ نہ کریں۔(۳۲)

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۳۳)

(ترجمہ) "اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو"۔

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾(۳۴)

(ترجمہ)"اے داوٗد (علیہ السلام) ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا"

داوٗدؑ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ آپ داوٗدؑ علیہ السلام فیصلہ کریں تو قسط کے ساتھ فیصلہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مقسطین کو پسند فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اے ایمان والو اللہ کے لئے راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو کہ یہ تقوی کے قریب تر

Marfat.com

ہے۔ "اکثر جھگڑے، شکر رنجیاں اور خرابیاں غیر محتاط اور غیر متوازن گفتگو سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔

قرآن مجید میں مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عدل وقسط کو ہر حال میں قائم کریں۔ "اے ایمان والو قسط کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لئے گواہ بنو، اگر چہ اسمیں تمہارا نقصان ہی ہو یا ماں باپ کا، رشتہ داروں کا، اگر وہ دولت مند ہے یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم عدل کے معاملہ میں اپنی خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے واقف ہے۔

عدل و انصاف کے تقاضے

عدل و انصاف کے دو بنیادی تقاضے ہیں: ☆ سچی گواہی، ☆ حق و انصاف کی سر بلندی

سچی گواہی

سچی گواہی کا مطلب ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے۔ ارشاد ربانی ہے!

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۳۵)

(ترجمہ) "اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور کچھ لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کیا کرو یہی پرہیز گاری کی بات ہے"۔

حق انصاف کی سر بلندی

معاشروں کے استحکام اور حکومتوں کی بقاء کیلئے عدل و انصاف کا قیام انتہائی ضروری ہے قرآن مجید عدل اجتماعی کے حصول کا ذریعہ ہے اور چاہتا ہے کہ عدل "انسانیت" میں رچ بس جائے تا کہ کوئی انسان دوسرے انسان کے ساتھ بے انصافی نہ کر سکے اور حق و انصاف کی سر بلندی ہو۔ دنیا میں امن قائم ہو جائے۔

عدل اجتماعی کے اُصول

☆ عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل اجتماعی ہے۔

☆ فیصلہ ظلم و جور سے مبرا ہونا چاہیے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا قانون اور اسوہ نبوی ﷺ مشعل راہ ہوں، کیونکہ یہ باقی تمام "نظام عدل" کے محافظ و موید ثابت ہوئے ہیں۔قوانین وضوابط کا نفاذ (Across the board) ہو یعنی تمام طبقوں اور تمام اداروں کو عدل اجتماعی کے عمل سے گزارا جائے۔

☆ عدلیہ کا کردار اور انتخاب کسی شک وشبہ سے بالا تر ہو۔ یعنی ظاہر، باطن ایک جیسا کر لینا مقام عدل ہے۔

☆ قانون کے نفاذ میں کسی کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہ کی جائے۔

Marfat.com

☆ کسی شخص کے ذاتی اختیار (Discretion) پر عدل اجتماعی کی بنیاد نہ ہو۔

☆ سزا کی بنیاد شواہد (Evidence) پر ہو۔عدل اجتماعی کے دو بنیادی تقاضے ہیں سچی گواہی اور حق و انصاف کی سربلندی۔

☆ جرم اور سزا میں توازن ہو۔افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرنا بھی مقام عدل ہے۔

☆ انصاف فوری اور بر وقت ہو ورنہ وہ اپنی افادیت کھو دیتا ہے۔

☆ جرم کے معاونین بھی قابل مواخذہ ہوں" حضور ﷺ نے فرمایا حاکم مدعا علیہ کا جواب سنے بغیر فیصلہ نہ کرے، اور اس کا بیان مدعی کی موجودگی میں ہو"۔

☆ عدل اجتماعی انتقامی نہ ہو، نزاعی معاملات میں انصاف کرنا عدل ہے۔

☆ عدل و انصاف کا عمل صاف و شفاف مسلسل (continuous) اور غیر جانبدارانہ (Impartial) ہو۔

☆ جب فیصلہ صادر کرنا ہو تو حقائق کی چھان بین پوری طرح کی جائے اور صرف مجرم کو سزا دی جائے۔

معاشی عدل

☆ معاشی اور مالی اداروں کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا۔

☆ روزگار کے یکساں مواقع فراہم کرنا۔کسی شخص کی راہ میں حسب ونسب کوئی چیز اسکی سعی و جہد اسکی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو عدل کا تقاضا ہے لوگوں میں یک گونہ معاشی تفاوت موجود رہے کچھ لوگ بیشک دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مالدار ہوں البتہ انسانی مساوات میں عدل اجتماعی ہو، تاکہ ترقی کے لئے سازگار ماحول رہے۔

☆ محنت اور سرمایہ میں عادلانہ توازن قائم رکھنا۔

☆ اجتماعی مصالح کے تحت ایسے اقدامات کرنا جن سے اسلامی معاشی اقدار کو فروغ حاصل ہو سکے۔

☆ معاشی عدل جو اسلامی تعلیمات کا امتیازی نشان ہے اسکی فراہمی دوطرفہ بنیادوں پر ہوتی ہے۔

☆ اولاً افراد کو حصول روزگار کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ فطری تقاضوں اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے ہر فرد کو انفرادی ملکیت کے فطری حقوق میسر آسکیں۔

☆ ثانیاً ہر فرد کو ان حدود و قیود کا پابند کیا جائے جو اسے دوسروں کا استحصال کرنے سے روک سکیں بلکہ ان حدود و قیود کا اطلاق ہر فرد خود رضاکارانہ طور پر اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کے تحت کرتا ہے اور اپنی جمع شدہ دولت پر کم از کم وہ لازمی محاصل بھی ادا کرتا ہے جو اسلام نے اس پر عائد کیے ہیں۔

عدل اجتماعی، دستور حیات

اسلام عدل اجتماعی کیلئے ایک مکمل دستور حیات پیش کرتا ہے اسلام نے دیگر مذاہب کی طرح عقائد و اخلاق تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے دین اسلام عدل اجتماعی اور دیگر اخلاقی تعلیمات کا سر چشمہ ہے دین اسلام کے علاوہ کئی اور الہامی مذہب یا غیر الہامی مذہب ہیں ان میں عدل اجتماعی کا اتنا جامع بیان نہیں پایا جاتا۔

فیصلہ کرتے وقت اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ اسکی زد میں کون آتا ہے، ہوسکتا ہے وہ ہم خود ہوں یا ہمارا کوئی

Marfat.com

رشتہ دار ہو، ماں باپ ہوں یا کوئی دولت مند ہو یا کوئی غریب ہو اگر عدل و انصاف کے معاملہ میں کہیں کوئی تعلق یا واسطہ آڑے آ گیا تو قانون کی بالادستی (Rule of Law) قائم نہیں رہے گی۔ عدل کی راہ میں جب تعلق واسطہ یا رشتہ داری آڑے آ جائے تو اسکا مطلب ہے کہ ہم عدل کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنے لگ گئے ہیں جب ہم کسی کے ساتھ بے جا خیر خواہی کے جذبہ کے تحت عدل کے معاملہ میں کوئی فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمارا خیال ہوتا ہے کہ خیر کا کوئی پہلو نکل آئے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کے لئے جو اصول وضوابط عطا کئے ہیں وہ انسانوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ہیں۔

عدل اجتماعی کا تقاضا یہ ہے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہوں، قانون کی خلاف ورزی کرنے والا خواہ امیر ہو یا غریب قرابت دار ہو یا غیر، دوست ہو یا دشمن ہر ایک کے لئے یکساں عدل ہونا چاہیے۔

اگر دشمنوں کے لئے ایک قانون ہو اور دوستوں کے لئے دوسرا تو عدل کے عمل سے غیر جانبداری (Impartiality) اور معروضیت (Objectivity) کا عنصر غائب ہو جائے گا اور تعصبات اور ذاتی پسند و ناپسند کا عنصر شامل ہو جائے گا۔

عدل نہ صرف مسلمانوں کے حوالہ سے مطلوب ہے بلکہ عدل بین الناس (لوگوں کے درمیان) مسلم ہوں یا غیر مسلم مطلوب ہے۔ انبیاء و کتب بھیجنے کا اصل مقصد عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے تا کہ اسکے ذریعہ احکام الٰہیہ اور عدل و انصاف کے احکام کی پابندی کروائی جا سکے۔(۳۶)

دور جدید میں عدل اجتماعی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے یہ بہت ضروری ہے کہ دلائل شرعیہ سے مکمل استفادہ کیا جائے اور انصاف کیلئے عدل اجتماعی کا اصول اپنایا جائے تا کہ (بین الملکی سطح) عالمی سطح پر اسلامی حکومتوں کے تعاون سے امت مسلمہ کے علماء اور دانشور، دور جدید میں شریعت کے قوانین کے مطابق عدل اجتماعی کو پوری دنیا میں اجاگر کر سکیں شریعت کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے مملکت کے ہر فرد کو عدل اجتماعی کی مکمل طور پر ضمانت دی جاتی ہے اور بندے (باشندے) کی عزت و آبرو، جسم و جان، مال و جائیداد کے تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سورہ النساء میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا﴾ (۳۷)

(ترجمہ) "مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔ بیشک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے"

آیت کا یہ سبب نزول اگر چہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں دونوں کیلئے تاکید ہے کہ امانتیں انہیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں اس میں وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوئی تھیں ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ بحفاظت عندالطلب لوٹا دی جائیں۔ اور دوسرے اسکا مطلب یہ ہے کہ عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیئے جائیں۔ محض سیاسی، نسلی، وطنی، قرابت و خاندان کی بنیاد یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا اس آیت کے خلاف ہے۔ اسمیں حکام کو بطور خاص عدل اجتماعی کا حکم دیا گیا ہے۔ حاکم جب تک ظلم نہ کرے اللہ تعالیٰ اسکے ساتھ ہوتا ہے

Marfat.com

جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے(۳۸)۔یعنی امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنا عدل اجتماعی ہے۔

سورہ النساء کی آیت نمبر ۵۸ میں شریعت کے تحت ارباب حکومت کو ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے اور آیت کے دوسرے حصہ میں عدلیہ کے فرض منصبی کا بیان ہے اس لئے کہ بندوں کے حقوق کا تحفظ انکی خصوصی ذمہ داری ہے اس آیت کریمہ میں انفرادی حقوق کی پاسداری بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفرادی حقوق کی ادائیگی دراصل عدل اجتماعی ہے اور اسی میں عدلیہ کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان وکلید بردار چلے آرہے تھے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب حضورﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف کے بعد حضورﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو طلب فرمایا جو کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے انہیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا! یہ تمہاری چابیاں ہیں آج کا دن وفا اور نیکی کا دن ہے۔(۳۹)

اسلامی عدالت

اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومت لوگوں سے ایسا رویہ اختیار کرے کہ جس سے عوام کو اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرنے میں سہولت ہو اور یہی عدل اجتماعی کا اہم تقاضا ہے۔حضورﷺ نے ارشاد فرمایا!

من ولی عن امر الناس شیئا ثم اغلق بابه دون المسلمین او المظلوم او ذی الحاجة اغلق الله دونه ابواب رحمته عند حاجته و فقره فقر ما یکون الیه (۴۰)

(ترجمہ) "لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مندوں پر بند کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازے اسکی ضرورت اور محتاجی پر بند کر لیتا ہے جسمیں وہ سب سے زیادہ مضطرب ہوتا ہے"۔

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ کہ دے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے"۔ اسی لئے اسلام میں عدل اجتماعی کے حصول کو اتنا سہل اور سستا بنا دیا جاتا ہے کہ غریب و امیر آسانی کے ساتھ اپنے حقوق کا تحفظ کر سکے اور یہی عدل اجتماعی کا مقصد ہے۔

غیر جانبدار عدل اجتماعی

اسلام کی اہم خوبی یہ ہے کہ انتہائی غیر جانبدارانہ اور مکمل طور پر عدل اجتماعی کا طریق کار اختیار کیا جاتا ہے۔ کسی کی خطرناک دشمنی بھی جج یا قاضی کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی اس لئے قرآن مجید میں واضح طور پر عدل وانصاف پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۴۱)

(ترجمہ) "اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور کچھ

Marfat.com

لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے"۔

سورہ المائدہ کی اس آیت نمبر 8 میں عدل و انصاف کا حکم ہے اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ جب کوئی انصاف کی مسند پر بیٹھ جائے تو وہ صرف منصف اور جج ہو، تمام کدورتوں، عداوتوں ہر طرح کے بغض و عناد اور جذبہ انتقام سے اس کا دل و دماغ پاک و صاف ہو اگر انسانی تقاضے سے کوئی ایسی بات ذہن میں آئے تو یہ سوچ کر کہ مجھے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا حساب پیش کرنا ہے ان لغویات کو دل سے نکال دے عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد دوست دشمن اس کی نظر میں برابر ہوں اسکی نظر صرف عدل اجتماعی پر ہو! مقدمات کی ترتیب اور معاملہ کا نشیب و فراز جس صحیح نتیجہ تک پہنچائے وہی اسکا فیصلہ ہو جذبات کی رو میں بہہ کر انسانی جذبہ انتقام سے متاثر ہونا اس منصب عظیم کی توہین اور عدل اجتماعی کے سراسر منافی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا! "ایک ساعت جو انصاف میں صرف کی جائے ساٹھ سال کی نفلی عبادت سے بہتر ہے"۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں میرے والد نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا، اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے رسول ﷺ کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی۔ میرے والد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو" اور فرمایا" کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا"۔(۴۲)

حصین بن عامر کہتے ہیں کہ نعمان بن بشیر کہہ رہے تھے۔ کہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں راضی نہیں ہوں، جب تک حضور ﷺ اس کے جواز کی شہادت نہ دے دیں، پھر وہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا! میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے کچھ عطیہ دیا تو اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں آپ ﷺ کی تائید حاصل کروں۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا!" کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کو ایسا ہی عطیہ دیا!" کہا نہیں۔ فرمایا! "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے مابین عدل کرو"۔ پھر وہ واپس آئے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔(۴۳)

یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت لقمان بن بشیرؓ رضی اللہ عنہ سے کئی طریق سے مروی ہے جن علماء کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ وہ لڑکوں کے درمیان ہر چیز برابر برابر تقسیم کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مساوات صرف عطیہ اور بخشش میں برتنا ضروری ہے نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی برابر برابر دیں۔ امام سیفان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مساوات یہ ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر عطیہ دیا جائے، جیسا کہ ترکہ کی تقسیم میں کرتے ہیں امام احمد اور امام اسحٰق کا بھی یہی قول ہے۔

اولاد کے درمیان عدل و مساوات کے اصول پر سختی سے عمل کیا جائے اور تربیت میں غفلت نہ برتی جائے۔ حضرت ایوب بن موسیٰ کے دادا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا!" کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے اچھا عطیہ نہیں دیا"۔(۴۴)

حضور ﷺ نے فرمایا! "لڑکا اور لڑکی دونوں عطیہ الٰہی ہیں"۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا! البتہ تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی بخشش

Marfat.com

ہے جس کو چاہتا ہے لڑکی بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔(۴۵)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے گھر آئی۔ اس کے ساتھ اسکی دو بیٹیاں تھیں اس نے مجھ سے کچھ مانگا میرے پاس ایک چھوہارے سے زیادہ کچھ نہ پایا، وہ چھوہارا ہی میں نے اس کو دے دیا۔ اس کو اس نے دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیا اور خود اس سے کچھ نہ کھایا، پھر اُٹھ کر باہر چلی گئی، اس کے بعد حضور ﷺ تشریف لائے میں نے انہیں واقعہ کہ سنایا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا! "جو جوان بیٹیوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو، اس کے لئے وہ دوزخ سے پردہ ثابت ہوں گی"۔(۴۶)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ عدل و احسان کی تاکید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے۔ ربوبیت (الٰہٗ واحد) کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے وہی سمجھ سکتا اور ادا کرسکتا ہے جو والدین کی اطاعت و خدمت کے تقاضوں کو عدل و احسان کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

ابن عمرؓ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے ہٹا دے اور خود اسکی جگہ بیٹھ جائے عرض کی گئی کیا یہ بات جمعہ کے لئے مخصوص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! "نہیں جمعہ کے علاوہ ہر نماز کے لے یہی حکم ہے"۔(۴۷)

انسان کے لئے مشکل وقت ہوتا ہے جب دوسروں کے علاوہ اپنوں سے بھی، اسے عدل اجتماعی کرنا پڑتا ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے اور بیگانے میں کوئی فرق نہ رکھا جائے ایک ایسے موقع پر حضور ﷺ کا فیصلہ یہ تھا۔

"حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو عباسؓ کو فدیہ کے لئے بغیر چھوڑ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! "ایک درہم بھی ان سے نہ چھوڑو" (۴۸)

احکام عدل اجتماعی میں نرمی

اسلام میں احکام عدل اجتماعی دو طرح کے ہیں مستقل اور وقتی جو مستقل احکام ہیں ان میں تو کسی طرح کوئی ردو بدل نہیں ہوسکتا لیکن جو وقتی احکام ہیں ان میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ عدل اجتماعی و قسط کا تقاضا ایسا ہی ہو، اس لئے کہ دنیا کے مذاہب میں اسلام وہ پہلا اور آخری مذہب ہے۔

جس نے اپنے تمام احکام شرائع، تعزیرات اور اصولوں میں سختی کے ساتھ جس چیز کو پیش نظر رکھا وہ عدل اجتماعی اور احسان ہے، اسلام یہ گوارا نہیں کرتا کہ انسان کو قانون کی بھینٹ چڑھا دیا جائے بلکہ وہ اسے پسند کرتا ہے کہ اگر حالات و مصالح کا تقاضا ہو تو قانون نرم کر دیا جائے احکام میں آسانی پیدا کی جائے اور نفاذ احکام میں بھی سہولت مدنظر رہے۔

یہ حدیث اس دعوے کی بہترین شاہد اور گواہ ہے حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے جو تم میں سے قربانی کرے اسے چاہیے کہ تین روز کے بعد تک اس کا گوشت نہ رکھے، بلکہ سب تقسیم کر دے جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا گزشتہ سال ہی کی طرح کریں؟ اور کل گوشت تقسیم کریں۔ فرمایا! "نہیں بلکہ، کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع کرو"۔ اور اُس سال چونکہ لوگوں پر تنگی تھی اس لئے میں نے چاہا کہ تم اس طریقے سے ان کی مدد کرو اب اس کی ضرورت نہیں۔(۴۹)

Marfat.com

اس سے ثابت ہوا کہ عدل اجتماعی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حالات اور مصالح کو پیش نظر رکھ کر حکم دیا جائے اور یہ حکم حالات و مصالح کے ماتحت تبدیل ہوسکتا ہے اس سے بہ آسانی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر عدل متقاضی ہو تو مناسب حد تک احکام میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (۵۰)

(ترجمہ) "مسلمانو! تم کو اللہ کے رسول کی پیروی کرنی بہتر ہے یعنی ہر اُس شخص کو جسے اللہ سے ملنے اور روز قیامت کے آنے کی اُمید ہو اور وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو"۔

اس امت کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ یہ مجموعی طور پر ظلم میں مبتلا نہیں ہوگی۔ اس میں عادل افراد اور گروہ تو پیدا ہوتے رہیں گے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ ہدایت رّبانی ضائع ہو جائے اور امت بالجملہ ظلم و تاریکی میں ڈوب جائے ان میں ہمیشہ ایسے افراد اور گروہ ہونگے جو عدل اجتماعی قائم کریں اور حق و انصاف ادا کریں۔

عدل اجتماعی کا مقصد

عدل اجتماعی اسلامی حکمت ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف سے حاکمیت الٰہی کا قیام اور رضائے الٰہی کا حصول اپنے مقصد کی وسعت کے اعتبار سے قائم رہے اور عدل اجتماعی دنیا سے آخرت تک محیط رہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا! "سایہ الٰہی میں سب سے پہلے وہ لوگ جائیں گے، جو اپنا حق ملنے پر اسے قبول کر لیتے ہیں اور دوسروں کا حق بخوشی دے دیتے ہیں"۔(۵۱)

حضور ﷺ نے فرمایا! "قاضی تین ہیں، ایک جنت میں اور دو دوزخ میں، جس شخص نے جاننے کے باوجود فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے" (۵۲)

اسلام میں عدل و انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ اسلام انصاف میں جلدی فیصلہ کا قائل ہے ورنہ انصاف میں تاخیر عدل و انصاف کی نفی ہوگی اس لئے ضروری ہے کہ حاکم وقت کافی تعداد میں ججوں کا تقرر کرے۔

اسلام میں عدل اجتماعی کو ایمان کے بعد اسلامی مملکت کا ایک اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے ایک عادلانہ عدالتی نظام کا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے جو کتاب و سنت کی روح سے ہم آہنگ ہونے کی بناء پر موصل الی اللہ ہے اسی لئے نظام عدل کی بنیاد عہد نبوت میں ہی پڑ چکی تھی۔

دین اسلام عدل اجتماعی

دین اسلام نے انسانیت کو ایسا نظام اجتماعی دیا ہے جو "واقعاً المیزان" ہے ارشاد ربانی ہے۔

﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۵۳) (ترجمہ) تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔

دین اسلام تمدن، اجتماعیت کے مختلف پہلوؤں سے پیچیدہ مسائل میں "راہ وسط" کے راہ کا تعین کرتا ہے۔ معاشرت، معیشت اور سیاست تینوں کے ضمن میں صراط مستقیم اور سواء السبیل کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ تاکہ نہ معاشرتی بے راہ روی کا

Marfat.com

امکان باقی نہ معاشی استحصال کا اور نہ سیاسی جبر کا بلکہ "لِيقوم الناس بالقسط "یعنی لوگوں کو عدل و انصاف کا مقام حاصل ہو اور معاشرہ پوری طرح عدل و انصاف اور اعتدال و توازن پر قائم ہو جائے۔

عدل اجتماعی پر قائم امت وسط

امت وسط سے مراد بہترین امت، قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں۔ حضور ﷺ اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے "صلٰوۃ وسطٰی "یعنی افضل ترین نماز، نماز عصر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے الصلٰوۃ الوسطٰی کی حفاظت کا بالخصوص تذکرہ ملتا ہے۔ تمام امتوں میں امت محمد ﷺ بہترین افضل و اعلیٰ ہے اور "امت وسط" دین میں اعتدال کی راہ پر رہتی ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں۔

وسط کے معنی "درمیانہ "ہر چیز کا درمیانی حصہ ہی عمدہ ترین ہوا کرتا ہے انسانی زندگی کا درمیانی عرصہ " عہد شباب "بہترین وقت ہوتا ہے۔ دن کا درمیانی حصہ "دوپہر" روشنی اپنے نقطہ عروج پر ہوتی ہے۔

اخلاق میں میانہ روی قابل تعریف ہے میانہ روی اور اعتدال پسندیدہ ہے۔ مثلاً بخل اور فضول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت، بزدلی اور طیش کی درمیانی حالت کو شجاعت کہتے ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (۵۴)

(ترجمہ) "اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ تم پر گواہ بنیں"۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو اس عظیم المرتبہ خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے عقائد میں اعتدال ہے، مسلمانوں کی شریعت میں توازن ہے ان کے نظام اخلاق، سیاست میں موزونیت ہے۔ معیشت و اقتصاد میں افراط و تفریط نہیں ہے۔

جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب (امت وسط) کا احساس تھا اس وقت ان کا ہر قول و فعل آئینہ تھا، لیکن آج یہ قوم اسقدر بگڑ چکی ہے کہ ہم پہچان ہی نہیں سکتے قرآن مجید میں جس امت کے محاسن بیان کئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری قوم امت مسلمہ پہ رحم فرمائے۔ آمین۔

عدل اجتماعی ''امت مسلمہ''

اہل ایمان اعتدال پسند ہوتے ہیں میانہ روی ان کے عمل کا خاصہ ہے عدل اجتماعی اسلام کی بنیاد ہے، اسلام اعتدال اور میانہ روی کو زندگی میں بہت اہمیت دیتا ہے۔ کسی بھی مرحلے پر کسی بھی حال میں اعتدال سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔

اعتدال میں کامیابی بھی ہے اور بقاء بھی جبکہ افراط و تفریط میں ہلاکت ہے۔ اعتدال امت مسلمہ کے لئے حضور ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا زیور اور حسن ہے۔ اعتدال دین اسلام کی شان امتیاز ہے۔ اپنے قول و عمل گفتار و کردار، معاشرت و معاملات، غرض کہ زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال ملحوظ رکھنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ تاکہ دین کو اسکی صحیح روح کے ساتھ نافذ و اختیار کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور اپنے کرم سے امت محمدیہ ﷺ کو ایک معتدل اور متوازن امت بنایا ہے جو عدل اجتماعی

Marfat.com

کی بناء پر ہر قسم کی فکری اور عملی ظلمتوں سے پاک ہے دین اسلام ہر پہلو، ہر عمل اور ہر کام میں عدل اجتماعی کا حکم دیتا ہے۔

عقائد میں عدل اجتماعی

مسلمانوں کا رب ذات واحد اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں مسلمان نہ تو یہودیوں کی طرح ہیں جو اپنے پیغمبر حضرت عزیز علیہ السلام کو خداوند خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں نہ عیسائیوں کی طرح جو اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریمؑ کو خدا کا بیٹا اور اسکی خدائی میں شریک سمجھتے ہیں اور نظریہ تثلیث کے قائل ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ عدل پر مبنی ہے مسلمان اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کے مرتبے اور مقام میں غلو اور مبالغہ آرائی نہیں کرتے مسلمان کسی کو بھی اللہ کا بیٹا نہیں مانتے نہ ہی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک کرتے ہیں بلکہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول جانتے اور مانتے ہیں۔ مسلمان اللہ تعالیٰ سے اور حضور ﷺ سے درجہ اُتم محبت رکھتے ہیں اور یہی عدل اجتماعی ہے کہ اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو ہمارے لئے بہترین نمونہ عمل بنایا ہے ان کی اتباع اور پیروی ہمارا فرض ہے۔

عبادت میں عدل اجتماعی

اسلام عبادت میں عدل اجتماعی کا حکم دیتا ہے اوقات شب و روز کی تقسیم میں عدل اجتماعی کا حکم ہے۔ عادات و اطوار ،معاملات و تعلقات ، تاثرات ، جذبات، سیاست ،معیشت، معاشرت، خرچ و اخراجات، کاروبار میں نفع کمانے میں بھی عدل اجتماعی کا حکم دیتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا! "میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، پھر بھی کبھی نفلی روزے رکھتا ہوں اور کبھی ترک بھی کر دیتا ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی ، میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں۔ یا د رکھو جس نے میری سنت سے منہ موڑا ، اسکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔(۵۵)

حضرت ابوعبداللہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ (اکثر اوقات) نمازیں پڑھا کرتا تھا، تو آپ ﷺ کی نماز بھی درمیانہ ہوتی، نہ بہت لمبی اور نہ ہی بہت مختصر اور ایسا ہی خطبہ دیتے۔(۵۶)

زندگی میں عدل اجتماعی

زندگی میں حضور ﷺ حقوق اللہ، حقوق النفس اور حقوق العباد میں توازن اسطرح قائم رکھتے کہ آپ ﷺ دن رات کے وقت میں ایک تہائی ذکر الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ، ایک تہائی اپنی ذات کے کام و آرام اور نجی ضروریات کے لئے اور ایک تہائی حقوق العباد کے لئے مخصوص فرماتے یہ ہے زندگی میں عدل اجتماعی جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنایا۔

دین میں عدل اجتماعی

دین و دنیا کے درمیان عدل اجتماعی بہترین توازن و اعتدال اسلام میں پسندیدہ ہے۔ دین اسلام اہل ایمان کیلئے نہ تو دنیا کو ترک کر دینا اور رہبانیت کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی یہ چاہتا ہے صنم کدہ کائنات میں کھو جائیں یعنی صرف طلب دنیا اور زندگی کی لذتوں اور راحتوں میں گم ہو جائیں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی اور حیات بعد الموت کو بھول جائیں اور نہ یہ چاہتا ہے زندگی کے فرائض کو بھول کر رہبانیت اختیار کرلیں۔ بلکہ اسلام دین و دنیا کی زندگی میں عدل اجتماعی سے

Marfat.com

بہترین امتزاج چاہتا ہے۔

بدلہ اور عدل اجتماعی

حضور علیہ السلام کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ رضی اللہ عنہ جو حضور علیہ السلام سے چار سال بڑے تھے غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے ان کا مُثلہ کر دیا گیا مُثلہ کرنا چہرے کو مسخ کر دینے کو کہتے ہیں۔عرب میں طرح طرح کی دردناک سزائیں دی جاتی تھی۔ دشمن کی لاش "مُثلہ " کر کے بے حرمت کرنا یعنی ناک ، کان، کلیجہ چبانا اس دلخراش منظر کو مُثلہ کہتے ہیں۔حضور علیہ السلام نے فرمایا مُثلہ نہ کرو۔(۵۷)

اس دلخراش منظر کو دیکھ کر بے اختیار آپ علیہ السلام کا دل بھر آیا ، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے رقت و جلال کے عالم میں فرمایا! " کل کے دن جب اللہ تعالیٰ مجھے غلبہ عطا فرمائے گا تو ان کے بدلے میں 70 ستر کافروں کا مُثلہ کروں گا" ، آپ علیہ السلام ابھی اس جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ وحی کا نزول ہوا اور سورہ نحل کی آیات 126 نازل ہوئیں۔

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾(۵۸)

(ترجمہ) "اور اگر تم اُن کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو اُن سے پہنچی۔ اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے"۔

حضور علیہ السلام نے اس آیت مبارکہ کے نازل ہوتے ہی قسم توڑ دی اور اسکا کفارہ ادا فرمایا کیونکہ یہی عدل اجتماعی ہے اور فرمایا یا اللہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم صبر کو اختیار کرتا ہوں۔

سنت اللہ، سنت الرسول علیہ السلام

سنت سے مراد رائج الوقت طریقہ ہے جس پر بار بار عمل کیا جائے اسی مفہوم میں سنت کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے!

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾(۵۹)

(ترجمہ) "جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں اُن کے بارے میں بھی اللہ کی یہی عادت رہی ہے اور تم اللہ کی عادت میں تغیر و تبدیل نہ پاؤ گے"۔

سنت سے مراد وہ طریقہ اسلوب ہے جس پر کوئی عمل پیرا ہو، سنت رسول اللہ علیہ السلام سے مراد وہ عمل ہے ، جو حضور علیہ السلام سے قول و فعل یا تقریری کی صورت میں منقول ہے اس لئے سنت الرسول علیہ السلام احکام خداوندی کے بنیادی مصادر میں سے ہے سنت کی یہ تشریح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرما دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے !

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾(۶۰)

(ترجمہ) "اور نہ خواہش نفس سے کچھ بولتے ہیں۔یہ قرآن تو ایک وحی ہے جو اُن کی طرف بھیجا جاتا ہے"۔

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سنت رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا فرمان اور شرعی حجت بھی ہے کیونکہ قرآن اور سنت دونوں اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں قرآن مجید لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے وحی ہے جبکہ سنت رسول علیہ السلام معنوی اعتبار سے ہے۔(۶۱)

Marfat.com

قرآن مجید کی طرح سنت رسول اللہ ﷺ میں عدل اجتماعی کے متعلق بہت سی ہدایات ملتی ہیں حضور ﷺ کی زندگی ہمارے لئے اسوہ کاملہ ہے آپ ﷺ جب فیصلہ کرتے عدل و انصاف اور حق کے ساتھ کرتے، اپنے اور غیر، بڑے، چھوٹے، شریف اور کمین کیلئے ایک ہی اصول عدل تھا جو حق تھا سب کیلئے حق تھا جو گناہ تھا وہ سب کیلئے گناہ تھا۔ جو حرام تھا وہ سب کے لئے حرام تھا جو حلال تھا وہ سب کے لئے حلال تھا عدالت قضا کے معاملات میں بھی کسی کے لئے بھی رو رعایت نہ تھی اگر مسلمان کے مقابلہ میں کوئی غیر مسلم حق پر ہوتا تو فیصلہ اس کے حق میں صادر فرماتے تھے۔

مدینہ میں ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جو ظاہر میں مسلمان تھا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی سچا تھا اس نے کہا کہ چل کر حضور ﷺ سے جھگڑے کا فیصلہ کرواتے ہیں دونوں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تمام حالات جاننے کے بعد حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا منافق کہنے لگا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو جو وہ فیصلہ دیں وہ مجھے منظور ہو گا کیونکہ وہ حضور ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ تھا اس کا خیال ہو گا میں مدعی اسلام ہوں اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودی کے مقابلے میں میری رعایت کریں گے جب وہ دونوں حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انؓ کو اپنی روداد سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا عدل پر مبنی فیصلہ نہ ماننے پر منافق کو قتل کر دیا۔ اور فرمایا جو کوئی حضور ﷺ کا فیصلہ نہ مانے اسکا فیصلہ یہی ہے۔ (۶۲)

انصاف کے معاملہ میں ہر قسم کی مداخلت اور سفارش کا دروازہ بند ہونا چاہیے اور کسی شخص کے مرتبے اور حیثیت کا قطعاً لحاظ نہ کیا جائے عدل اجتماعی کے متعلق اسلامی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ ہر دور میں قانون کی بالا دستی قائم رکھنے کی جدوجہد ہوئی، قانون کی بالا دستی کا تقاضا ہے کہ صدرِ مملکت سے لے کر عام شہری تک اور کمانڈر انچیف سے لے کر ایک عام سپاہی تک سب کے لئے یکساں عدل و انصاف ہونا چاہیے۔

معاشرے کے افراد کے درمیان عدل اجتماعی فتح مکہ کے بعد، طائف کی فتح میں صخر نامی ایک رئیس کا اہم کردار تھا انہوں نے اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کیا تھا مگر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ آئے اور حضور ﷺ سے شکایت کی کہ صخر نے میری پھوپھی پر قبضہ کر رکھا ہے آپ ﷺ نے صخر کو حکم دیا کہ ان کی پھوپھی واپس کر دیں کیونکہ عدل اجتماعی کا تقاضا یہی تھا اس فیصلے کے بعد بنو سلیم آئے کہ صخر نے ہمارے زمانہ کفر میں ہمارے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا اب ہم اسلام لا چکے ہیں اب ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلا دیں۔ حضور ﷺ نے صخر کو چشمہ واپس کرنے کا حکم دیا، روایت ہے کہ صخر نے دونوں حکم منظور کئے، مگر حضور ﷺ کے چہرہ انور پر شرم سے سرخی آ گئی کہ دونوں معاملوں میں صخر کو شکست ہوئی اور فتح طائف کا صخر کو کوئی انعام نہیں ملا۔ (۶۳)

مگر اس کے باوجود حضور ﷺ نے عدل اجتماعی کے تقاضے پورے کئے اور متاثرین کو فوری انصاف فراہم کیا۔

یہ آفاقی اور اعلیٰ ہدایت و کاملیت کے ساتھ انسانی افعال و اعمال کیلئے عدل اجتماعی کا سر چشمہ ہے جو انسانیت کی ارتقاء کے لئے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اسمیں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے معراج انسانیت کے لئے لازوال نعمت، نصیحت اور شفا ہے۔

Marfat.com

العدل جل جلالہ

اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اللہ تعالیٰ خود انصاف کے ساتھ فیصلے کرتا ہے اس کا قانون ازلی اور ابدی ہے اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ میں ایک نام "العدل" ہے اور یہ کائنات کی صفت عدل کا بہترین اظہار ہے۔ اندھیرے کے بعد اجالا، خزاں کے بعد بہار، پستی اور بلندی، دھوپ اور چھاؤں، سختی اور نرمی، کڑواہٹ کے ساتھ مٹھاس، ذلت اور عزت، تنگدستی کے ساتھ خوشحالی، غم کے ساتھ خوشی یہ سب اس عادل اللہ تعالیٰ کے عدل کے حسین منظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور کائنات کو عدل اجتماعی پر تخلیق کیا اور انسان سے بھی عدل اجتماعی سے زندگی گزارنے کا تقاضا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اختیار دیا ہے کہ اہ اپنی زندگی عدل پر گذارے پھر آخرت میں اسکے اعمال کا مواخذہ رکھا ہے۔ مگر اس سے پہلے دنیا میں اپنے برگزیدہ پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعے انسان کو نیکی، برائی، عدل و انصاف اور ظلم کے بارے میں سب کچھ بتایا اور انسان کی نجات کے راستے بتا دیئے عدل اجتماعی کے اسلامی قوانین اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں مسلمانوں کے لئے عدل اجتماعی کیلئے سچی گواہی، عدل و انصاف کی سر بلندی کیلئے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہمارا معاشرہ اس پر عمل پیرا ہو جائے تو ملک میں امن و امان قائم ہو جائے گا۔

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ج وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ط وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۶۴)

(ترجمہ) "یہ جھوٹی باتیں بنانے کے لئے جاسوسی کرنے والے اور رشوت کا حرام مال کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تمہارے پاس کوئی مقدمہ کا فیصلہ کروانے کو آئیں تو تم ان میں فیصلہ کر دینا یا روگردانی کر لینا اور اگر ان سے روگردانی کرو گے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا۔ کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۶۵)

(ترجمہ)" اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع لائے۔ پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریق میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ عادل و منصف ہے چونکہ زمین پر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اس لئے بار بار تکرار اور تسلسل کے ساتھ حضور ﷺ کو کہیں نرم و ملائم الفاظ میں کہیں سخت اور درشت لہجے میں اس بات کا حکم دیا

Marfat.com

ہے کہ کسی بھی حالت میں عدل و انصاف کے راستے سے وہ منحرف نہ ہوں۔ مسلمانوں کو حضور ﷺ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے یہ نفسیاتی چیز ہے کہ جو وصف و خوبی اپنے نبی ﷺ میں کثرت کے ساتھ دیکھیں گے اسے اپنے آپ میں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کو جمال نبوی ﷺ سے مشرف ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور محبت محمدی ﷺ کے فیض سے مستفید ہوتے تھے۔ انکے حالات زندگی جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ انھیں سب سے زیادہ خیال اس بات کا تھا کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے، ہر طرح سے عدل اجتماعی ہو کوئی انصاف سے محروم نہ رہ جائے۔

فیصلہ عدل اجتماعی سے کرو، اپنی خواہش کے مطابق نہیں اور اگر ایسا کیا تو یہ چیز اللہ کے راستے سے بھٹکا دینے والی ہوگی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں عدل اجتماعی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔ میرا ﷺ یہ کام نہیں ہے کہ کسی کے حق میں اور کسی کے خلاف تعصب اختیار کروں۔ سب انسان برابر ہیں اس لئے سب سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے عدل اجتماعی اور انصاف کا تعلق، حق جس کے ساتھ ہو میں ﷺ اس کا ساتھی ہوں اور حق جس کے خلاف ہو میں اسکا مخالف ہوں میرے دین میں کسی کے لئے کوئی امتیاز نہیں ہے۔

ایک طرف فطرت رسول ﷺ عدل اجتماعی اور انکساری و فروتنی، میانہ روی، انصاف کی خوگر تھی، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا تاکیدی حکم بھی یہی تھا پس کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ حضور ﷺ راہ عدل اجتماعی کو نظر انداز کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ عادل ہے۔

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (٦٦)

(ترجمہ) "جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو"۔

امت مسلمہ جلد اور شفاف انصاف کی بہم رسانی کی مکلف ہے کیونکہ عدل اجتماعی اور داد رسی اللہ تعالیٰ کے نام پر انجام پاتی ہے جج کی ایک غضب آلودہ نگاہ گنہگار یا ملزم کو راہ راست پر لا سکتی ہے بشرطیکہ اس نگاہ کے پس پردہ عدل اجتماعی ہو۔ معاشرے کو اعتدال پر رکھنے کیلئے عدل اجتماعی کی ضرورت ہوتی ہے عدل اجتماعی کا عمل قرآن پاک کی اساس اور امانت ہے۔ جب ہم عدل اجتماعی کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد ایسا عدل و انصاف ہے جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے عین مطابق ہو اور مملکت کی بہتری اور مفاد عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عمل میں لایا جائے وہی لوگ بہترین امت کہلانے کے صحیح حق دار ہیں جو اس رہنما اصول پر مسلسل کاربند رہتے ہیں۔

آج کے اس پر اضطراب دور میں حضور ﷺ کی تعلیمات ہمارے لئے سامان رحمت و برکت سرمایہ راحت و رافعت، سکون قلب و ذہن ہے۔ سیرت و سنت نبویہ ﷺ ایک تجدید پذیر عطیہ اور تا قیامت باقی رہنے والا توشہ ہے۔ رہبر اعظم، ناشر حکمت، کامیاب ترین داعی انقلاب شارح کتاب، رسول رحمت ﷺ کا عدل اجتماعی، اسوہ حسنہ اخلاق و عادات آپ ﷺ کی پوری زندگی عہد رسالت کے تمام واقعات پوری دنیا کے انسانوں کے لئے رشد و ہدایت کی مثال اور منبع رحمت ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات طیبہ میں عدل اجتماعی کی روشن مثالیں موجود ہیں جنہیں اپنا کر ہم اپنی دنیا و عاقبت دونوں سنوار سکتے ہیں۔ حضور ﷺ بدرِ کامل ہیں جس کی ٹھنڈی روشنی ہمیں عدل اجتماعی کی راہ دکھاتی ہے۔ اور امت مسلمہ کو گوہر ہائے مطلوب سے نوازتی ہے۔

Marfat.com

حضور ﷺ کی ذات گرامی ہمارے لئے ایک مکمل نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات سے لطف و کرم کے دھارے پھوٹتے اور فیضان کے چشمے بہتے ہیں۔ آپ ﷺ کے عدل اجتماعی سے گرداب میں پھنسے ہوئے سفینے کنارے لگتے ہیں۔ سیرت پاک ﷺ کے عدل اجتماعی سے فکر انگیز و روح پرور پہلوؤں سے نا قابل شکست ہمت، انتھک جہد مسلسل کی ترغیب کے ساتھ اندھیرے میں روشن راہیں میسر آتی ہیں۔ مسلمہ طور پر تاریخ کے سب سے بڑے انسان رسول اعظم ﷺ کی سوانح حیات میں عدل اجتماعی کی روشن مثالیں موجود ہیں نبی عدل و سلامتی حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی بھر پور عملی زندگی ایک بہت بڑا سرمایہ ایک عظیم الشان ذخیرہ اور روح پرور چشمہ نور ہے جو امت مسلمہ کے لئے عدل اجتماعی کا قابل عمل یقینی حل مہیا کرتا ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ کامل اور جامع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت مکمل نمونہ ہے جو محفوظ مستند اور معتبر طریقے سے ہم تک پہنچا ہے اس لئے اس پر غیر متزلزل یقین اور ایمان کے ساتھ عمل ہو سکتا ہے لہذا آج اگر امت مسلمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل و انصاف کا بیڑا اٹھاتی ہے تو انسانیت کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت سنوارنے کی ضمانت بھی ہو سکتا ہے۔

انسانی اقدار دم توڑ رہی ہیں وحشت و بربریت اور طاقت کے عفریت نے اقوام کو ان گنت آلام میں مبتلا کر دیا ہے۔ تعلیمات نبوی کی روشنی میں عدل اجتماعی امت محمدیہ ﷺ کی تا قیامت رہنمائی و اصلاح کے لئے مینارہ نور، جمال اولین حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات عدل و انصاف کا وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کے لئے عدل اجتماعی کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ حضور ﷺ کے عدل و انصاف نے دنیا کو امن کا خطہ بنا دیا ان گنت درود وسلام ہوں آپ ﷺ پر جن کی نگاہ اعجاز کے سب محتاج ہیں آج پھر عالم اسلام کو ضرورت ہے کہ انہی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کا تعین کریں آج کی سسکتی اور پریشان حال دنیا کا واحد علاج رسول ﷺ کی عدل اجتماعی کی تعلیمات میں مضمر ہے آج کا انسان تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ضابطہ عدل کو عملی طور پر نافذ کر کے شرف انسانی کے مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔

دنیا کے تمام ظلم وستم، قتل و غارت گری، فتنہ وفساد اور جنگ و جدال کی بنیادی وجہ بے انصافی ہے اور بے انصافی کے اسباب اور محرکات درج ذیل ہیں:

☆ نسلی، لسانی اور قومی برتری کا احساس، اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کرنا دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش

☆ عدل و انصاف کا نہ ملنا

☆ غربت بے روزگاری اور احساس محرومی

☆ خلاف فطرت و خلاف طبعیت امور

☆ عزت نفس کی محرومی، غصب حقوق، خیانت اور بد دیانتی، غداری اور دغا بازی، ظلم و بربریت، بغض و عداوت، غیبت و چغل خوری، بہتان تراشی، جھوٹ

☆ وعدہ خلافی، بدگمانی، فحش گوئی، دوغلا پن

☆ عدل و انصاف میں تاخیر

جب افراد اور اقوام کو انصاف نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے، تو اسکی وجہ سے افراد اور اقوام میں احساس محرومی (Sense

Marfat.com

of deprivation) پیدا ہوتا ہے۔رہنمائے کا روان انسانیت محمد ﷺ جو مذہب ہمارے لئے لائے ہیں وہ اسلام ہے اور راہنمائے عدل اجتماعی ہے۔

نیکی کا بدلہ زیادہ اور ظلم کا بدلہ برابر

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ (٦٧)

(ترجمہ) "اور دیکھو نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو"

اسلامی نظام عدل میں برابری توازن کا اصول کارفرما ہے بدلہ لینے میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے "ایسے لوگ اپنی اپنی کمائی کے مطابق (اچھے برے اعمال کا) دنیا اور آخرت میں حصہ پائینگے۔ اجر تو زیادہ مل سکتا ہے لیکن ظلم کا بدلہ تو اس طرح کا ظلم ہے مگر جو درگذر کرے اور معاملے کو درست کردے تو اسکا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ الرحمٰن الرحیم اور الغفور الرحیم ہیں۔

حضور ﷺ کا عدل اجتماعی فقید المثال اصولوں پر مبنی تھا۔وسیع وعریض سلطنت کے شہنشاہ، نہ کوئی دولت جمع کی نہ زمین حاصل کی نہ کوئی محل بنایا نہ کوئی کارخانہ لگایا، بلکہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے لئے بھی زمین خریدی، اپنا مال لوگوں کو عطا فرمایا۔

والدین کے ساتھ احسان

احسان سے مراد نیک برتاؤ، فیاضانہ سلوک، ہمدردانہ، داد رسی، خوش خلقی، درگذر، باہمی مراعات کا احترام، ایک دوسرے کی ضروریات کا لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور اپنے حق کیلئے کم پر راضی ہو جانا ہے۔ اگر عدل اجتماعی انصاف کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال ہے احسان کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی صفت ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک پر احسان فرض کر دیا ہے۔ اولاد، والدین، رشتہ داروں پر احسان پر مبنی عدل اجتماعی کا حکم دیا ہے اس طریق کار سے معاشرے میں عدل واعتدال برقرار رہتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور اسکی (اللہ تعالیٰ) ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے"۔

ایک مرتبہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا اور اپنے باپ کی شکایت کی کہ وہ اس کا مال و دولت لے لیا کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس آدمی کے باپ کو بلایا، وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔ایک لکڑی کا سہارا لیتا ہوا حاضر ہوا۔حضور ﷺ نے اس سے اس بارے میں استفسار کیا، اس نے کہا!

یہ ایک زمانہ میں ضعیف تھا اور میں قوی، کبھی یہ فقیر تھا میں غنی، میں نے کبھی اُسے اپنی کوئی چیز لینے سے نہیں روکا، اور آج میں ضعیف ہوں یہ قوی، میں فقیر ہوں یہ غنی، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچاتا ہے۔حضور ﷺ یہ باتیں سن کر رو پڑے اور فرمایا: "اگر پتھر بھی یہ باتیں سن لے تو اپنے آنسو نہ ضبط کر سکے گا" پھر لڑکے سے کہا: "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے" (٦٨)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ جب آدمی وصیت کرنے لگے اور والدین زندہ ہوں تو انھیں فراموش نہ کرے۔

﴿یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۵ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾(۶۹)

(ترجمہ) "اے نبی! لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو چاہو خرچ کرو لیکن جو مال خرچ کرنا چاہو وہ درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں سب کو دو"

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾(۷۰)

(ترجمہ) اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

اگر انسان ضروریات زندگی کی سرگردانی کے باعث ماں باپ سے اعراض پر مجبور ہو تو بھی تاکید ہے کہ والدین کے ساتھ عدل اجتماعی اور حسن سلوک اختیار کیا جائے۔

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا﴾(۷۱)

(ترجمہ) "اور ہم نے انسان کو اُسکے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا! تین دعائیں ہیں جو ضرور قبول ہوتی ہیں انکی قبولیت میں کوئی شک نہیں مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور اپنے باپ کی دعا اپنے بیٹے کے خلاف (بددعا)۔(۷۲)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا! اے لوگو! تم اپنے باپ سے بیزار مت ہو۔ کیونکہ باپ سے بیزار ہونا کفر ہے۔(۷۳)

عدم اعتدال

ایک زندہ اور فعال قوم اگر عدل اجتماعی سے نا آشنا ہے تو وہ امن سے محروم ہو گی۔ قوموں اور ملتوں کے عروج و زوال کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ دنیا میں اسی قوم کو سر بلندی حاصل ہوئی۔ جس نے عدل اجتماعی کو اپنا شعار بنایا اور احسان کو اپنی خصوصیت قرار دیا۔

دنیا کی جنگی تیاریاں ہولناک حد تک بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم سب ظلم کیلئے ہے یہ متحارب اور قوت آزما قومیں اگر عدل اجتماعی پر عامل ہو جائیں تو دنیا میں امن وسکون ہو جائے فرانس اگر الجزائر کے ساتھ انصاف کرے، روس اگر ترکی اور ایران کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرے، چین اور بھارت اگر آپس میں عادلانہ رویہ اختیار کریں بھارت اگر کشمیر کے معاملے میں راہ عدل اجتماعی پر گامزن ہو، مغربی اور مشرقی جرمنی، شمالی کوریا اور جنوبی کوریا، فلسطین اور اسرائیل اگر عدل اجتماعی پر گامزن ہوں تو دنیا میں امن و سلامتی کی فضاء پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ہر قوم اپنا مفاد محبوب رکھتی ہے خواہ دوسرے کے مفاد کے ساتھ کتنا ہی غیر عادلانہ رویہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے، یہی مفاد قوموں اور ملتوں کو عدل کے راستے سے ہٹا دیتا ہے پھر ظلم ہونے لگتا ہے اور جنگ و جدل، تباہی مچا دیتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عدل

عدل اور احسان وعفو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں شامل ہیں وہ عادل ہے رحیم ہے وہ رحمٰن ہے، رب ہے منعم ہے اسلام میں عدل اجتماعی اور احسان وعفو کو اہم اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا جلوہ اپنی مخلوق میں دیکھنا چاہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عدل اجتماعی کا حکم دیا ہے عدل واحسان کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے اس لئے کہ احسان بھی عدل کا ہم پایہ ہے۔

اسلام میں عدل کا جو حکم ہے اسکا مطلب ہے کہ دوسروں کے ساتھ بھی انصاف کرو اور اپنے ساتھ بھی اور ان نعمتوں کے ساتھ بھی جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا فرمائی ہیں۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ (۷۴)

(ترجمہ) "اے پیغمبر! ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُن سب پر نگہبان ہے تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُس کے درمیان فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اُس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک امت فرقے کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں اُن میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں آگے بڑھو۔

جو حاکم یا جج اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں عدل اجتماعی یہ ہے برائی کے بدلے ویسی ہی برائی ہے لیکن جو شخص معاف کر دے تو اُس کے لئے کفارہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام (عدل) کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ لا وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ لا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (۷۵)

(ترجمہ) اور ہم اُن لوگوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اس طرح بدلہ ہے اب جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا۔ اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔

جج کی اہلیت

☆ سربراہ مملکت ایسے شخص کا انتخاب کرے جو فی الواقع اس عظیم منصب یعنی عدل اجتماعی کا کام سرانجام دینے کا اہل ہو، تاکہ اپنی ذمہ داری سے دیانتدارانہ طور پر عہدہ برا ہو سکے۔ (۷۶)

Marfat.com

☆ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہو اور کام میں پر جوش ہو۔

☆ اس کا ہر کام اور ہر اقدام شریعت کی تقویت اور استحکام کے لئے ہو۔

☆ وہ ذاتی اغراض، حرص اور لالچ سے مبرا ہو۔

☆ ایک عادل قانون دان ہو اسے اجتماعی حالت کا بخوبی علم ہو۔

☆ وہ معتبر شخصیت کا مالک ہو جو قوم کے مفادات اور ضرر رساں امور سے واقف ہو۔

☆ وہ تمام لوگوں کے جائز حقوق کا خیال رکھے جو اس کے پاس انصاف کے لئے آئیں۔

☆ ابوالحسن علی محمد بن الماوردی کے نزدیک جج کو ہوشیار، ذہین، پرہیز گار، دیانت دار، اور شک و شبہ سے آزاد ہونا چاہیے۔ قانون و شریعت سے واقف ہو، اس کے حواس خمسہ میں کوئی نقص نہ ہو اور عدل اجتماعی پر مبنی حقیقت پسندانہ فیصلہ کرے، اسے اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ انسانی زندگی کی تکمیل اور تعمیر شخصیت، مال سے نہیں بلکہ اعمال سے ہوتی ہے اس کی سیاسی وابستگی نہیں ہونی چاہیے۔

شاہ غسان نے ایک مرتبہ ایک عام عرب کو پتھر ماردیا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ وہ اگرچہ بادشاہ تھا مگر حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنا دیا کہ یا تو تم اسے راضی کرو ورنہ وہ بدلہ لے گا۔ یہ فیصلہ شاہ غسان پر بہت شاق گزرا، اس نے کہا کہ آپؓ کے نزدیک عام عرب اور ایک بادشاہ کے درمیان کوئی فرق نہیں؟ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "نہیں قطعاً نہیں" اسلام نے تم دونوں کو یکساں مقام عطاء کیا ہے۔(۷۷)

حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کے عدل کی شاندار مثال والی مصر حضرت عمرو بن عاصؓ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو ایک عام بدوی سے کوڑے لگوائے جس نے اس پر ظلم کیا تھا۔ پھر حضرت عمر بن عاصؓ رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر غضب ناک لہجے میں فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اُس کو آزاد پیدا کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کا عدل اجتماعی ادنیٰ و اعلیٰ، حاکم و محکوم، غنی و محتاج اور امیر و فقیر کے درمیان ایک مثالی عدل کی حیثیت رکھتا ہے۔(۷۸)

عدل اجتماعی کیلئے ادائے امانات کا حکم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾(۷۹)

(ترجمہ) "بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں تک پہنچا دو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو فیصلہ عدل سے کرو بے شک اللہ سمیع و بصیر ہے"۔

مفتی محمد شفیع اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آیت کے پہلے حصے میں ادائے امانات کا حکم ہے اور دوسرے میں عدل و انصاف کا ان میں ادائے امانات کو مقدم کیا گیا ہے شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ پورے ملک میں عدل و انصاف کا قیام اسکے بغیر ہو ہی نہیں سکتا کہ جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے وہ پہلے ادائے امانات کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں یعنی

Marfat.com

حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت اور امانت و دیانت کی رو سے اس عہدہ کیلئے سب سے بہتر نظر آئیں دوستی اور تعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو اس سے راہ نہ دیں ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ نا اہل یا خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہو جائیں گے پھر اگر ارباب اقتدار، دل سے بھی چاہیں کہ ملک میں عدل اجتماعی کا رواج ہو تو ان کیلئے ناممکن ہو جائیگا۔ اور امانتوں (یعنی سرکاری عہدوں) کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو صلاحیت کار اور قابلیت، استعداد کے اعتبار سے بھی اس عہدے کیلئے مناسب اور موجود لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔(۸۰)

تاریخ عالم کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کسی بھی حکومت کی بنیاد میں علماء اور دانش وروں کے ترتیب دیئے گئے حکومتی ڈھانچے میں چند چیزیں مشترک رہی ہیں اول سلسلہ حکمرانی اور دوئم عدل اجتماعی (عدل و انصاف) اول الذکر کی کامیابی کا راز حاکم کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ موخر الذکر کی کامیابی پر منتج ہے ایک حاکم کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے محکوم علاقے میں عدل و انصاف سے حکمرانی کرے اور اسکے لئے اپنے محکوم علاقے میں عدل اجتماعی سے تمام احکام کی صحیح بجا آوری شرط ہے مگر یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب حاکم وقت اپنی توانائیوں کا پچاس فیصد حکم کو سمجھ کر جاری کرنے میں صرف کرے اور پچاس فیصد اسکی تعمیل کی کاملیت کا یقین کرنے میں صرف کرے جو کہ صرف اطلاعات کی صحیح فراہمی ہی سے ممکن ہے۔

اسلامی معاشرے میں عدل اجتماعی کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے پہلے ہمیں اسلامی معاشرے کے تصور سے واقفیت ضروری ہے۔ اسلامی ریاست سے مراد وہ ریاست ہے جہاں دین اسلام کے قوانین نافذ ہوں اور لوگوں کو اختیار صرف ان کے نافذ کرنے کا ہو، اس بارے میں قرآن کے احکام بہت واضح ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾(۸۱)

(ترجمہ) "مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں اُن کی بھی۔ پھر اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو تو اُس میں اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے"۔

مندرجہ بالا آیات اسلام کے پورے مذہبی، تمدنی اور سیاسی نظام اور عدل اجتماعی کی بنیاد اور اصل الاصول ہیں اور اسی پر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ جب یہ بات مان لی جائے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے تو لا محالہ یہ بھی ماننا پڑے گا جو شخص ریاست کا امیر بنے گا وہ حاکم اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کے تحت کام کرے گا اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں درست فیصلہ کرے گا۔ تعلیمات نبوی کی روشنی میں وہی لوگ عدل اجتماعی قائم کر سکتے ہیں جو اس کے قوانین پر مکمل یقین رکھتے ہوں، ہر وہ شخص حاکم بننے کا اہل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، قرآن و سنت پر عمل کرتا ہو، عوام کے ذہنی معیار کے قریب تر ہو اور وہ اسے حاکم ماننے پر ذہنی اور قلبی طور پر آمادہ ہوں ہر حالت میں قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ہی قانون ہیں امیر غریب سب پر یکساں قانون لاگو ہوگا۔ بلا تمیز رنگ و نسل اور عہدہ کے ہر ایک کے ساتھ مساوی

Marfat.com

سلوک ہوگا برتری کا معیار صرف تقوی ہوگا۔ارشاد ربانی ہے!

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۸۲) (ترجمہ) اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

جس عدل اجتماعی کو اسلام چاہتا ہے وہ عدل و انصاف ہے جو نہ محبت سے متاثر ہوتا ہے نہ عداوت سے نہ مال و جان سے دبتا ہے۔ عدل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دور نبوت ﷺ میں ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ یہ محکمہ ظلم کی روک تھام کرتا تھا۔ حضور ﷺ خود وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ جسے "ولایت مظالم" کہا جاتا تھا عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے اگر حکومت میں عدل اجتماعی نہیں ہے تو اسکی عمارت کھوکھلی ہے جو منہدم ہو جاتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کفر کے ساتھ تو حکومت باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔ اسلئے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلوں کو عدل و انصاف کے ساتھ لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔

حکمرانی کے لئے عدل اجتماعی کے سنہری اصول ہیں اور اصل ہدایات وہ تھیں جو اللہ کے رسول ﷺ اور رسول ﷺ کے خلفاء نے آنے والے حکمرانوں کے لئے انکی رہنمائی کے لئے چھوڑیں اہم سوال یہ ہے کہ ان ہدایات کا جن پر ان ہدایات کے دینے والوں نے عمل کر کے دکھایا آنے والے حکمرانوں پر کیا اثر ہوا؟

تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ خلافت راشدہ اور عمرؒ بن عبدالعزیز جیسے ادوار اور چند مسلمان حکمرانوں کو چھوڑ کر جو آٹے میں نمک کے برابر ہیں مسلمانوں کی حکومت کو مسلم حکومت تو کہا جا سکتا ہے لیکن ہم اسلامی سلطنت نہیں کہہ سکتے۔ یہ مسلمانوں کی حکومت تھی اسلام کی حکمرانی نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس نکتے کو خوب سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی بابت آتا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں یہودیوں نے انہیں رشوت پیش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں انہوںؓ نے فرمایا "اللہ کی قسم میں اسکی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اورتم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو، لیکن اپنے محبوب ﷺ کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتی کہ میں عدل نہ کروں" یہ سن کر یہودیوں نے کہا اسی عدل اجتماعی کی وجہ سے یہ نظام قائم ہے۔(۸۳)

یہ حقیقت ہے کہ آج پاکستان کا ہر باشعور، ذی نفس، عدل اجتماعی کا خواہشمند ہے صحیح معنوں میں عدل اجتماعی نہ ہونے کی وجہ سے تمام خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اسلیے جب تک عدل اجتماعی نہ ہوگا معاشرے میں موجود قباحتیں بھی ختم نہ ہوں گی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس بات پر متفق ہیں کہ عدل اجتماعی کرتے وقت حدیث و فقہ دونوں کا پاس کرنا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے!

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (۸۴)

(ترجمہ) "اور ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق اُن میں فیصلہ کرنا"۔

پاکستان مسلمانوں ہی کا ملک ہے یہاں پر حکمران اللہ کے نام پر حلف اٹھاتے ہیں کہ امانت و دیانت سے ملک کی خدمت کریں گے کتنے حکمرانوں نے ایسا کیا؟ انگلیوں پر گنے جانے والے اللہ کے بندوں کو چھوڑ دیجیے جو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ساتھی تھے باقی سب تو طالع آزما تھے صرف طالع آزما یہ اللہ کے بندے نہیں قارون کے بندے تھے کاش! ان میں کوئی

Marfat.com

سنگ اصحاب کہف ہی ہوتا!

پاکستان محض ایک علاقے کا نام نہیں بلکہ ایک نظریے اور ایک تصور حیات کی علامت ہے اور برّاعظیم کے مسلمانوں نے یہ عظیم جدوجہد اپنے دین کے احیاء اور اپنے ایمان و اقدار اور اسلامی تہذیب وتمدن کے مطابق نئی زندگی کی تشکیل کے لئے کی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہماری منزل نظام اسلام کے مطابق نظام زندگی کا قیام ہے کیا شان ہے محمد ﷺ کے متوالوں کی سبحان اللہ، عدل اجتماعی اسلام کا ایک اہم اصول ہے۔ پاکستان میں جو لوگ عدل اجتماعی کے خواہش مند ہیں وہ عدل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور جن کے پاس عدل اجتماعی کی قوت ہے انکے دل میں عدل اجتماعی کی خواہش نہیں کیونکہ کڑا اور کھرا عدل اجتماعی ان کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگا۔جس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس ملک کی سیاست اور قوم کی قیادت سے محروم ہو جائیں گے۔ عدل و انصاف کی یہ طویل کشمکش حقیقت میں ظالم اور مظلوم کے درمیان ایک لامتناہی طبقاتی کشمکش ہے اور اس معروضی اور تاریخی سچائی کا صحیح اور مکمل ادراک بے دھڑک اظہار اور اس کے موثر تدارک کی دیر پا تدابیر کے بغیر مطالبہ عدل اجتماعی سراب ہوگا۔

یہ نہیں کہ عدل اجتماعی ناممکن ہے عدل ہوسکتا ہے ہوا ہے اس کے لئے خلافت راشدہ کا ماڈل حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کا آئیڈیل موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور ماڈل کی ضرورت نہیں، ضرورت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عزم نیت اور کردار کی جو عدل اجتماعی کے عوامی ایجنڈے کو اللہ کی مدد سے حقیقت میں ڈھال دے جیسے 65 سال پہلے ایک دبلے پتلے شخص نے پاکستان کے عوامی ایجنڈے کو اللہ کی مدد سے حقیقت میں ڈھال دیا تھا۔

آج پاکستانی قوم کے سامنے اصل چیلنج ہی یہ ہے۔ کہ کسی بھی معاملے میں کوئی روش اختیار کرنے سے پہلے معلوم کرے کہ اس بارے میں قرآن وسنت سے ملنے والی رہنمائی کیا ہے اس لئے کہ ایک مسلمان کے نزدیک قرآن وسنت آخری پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لئے قیامت تک ایک ہی واحد راستے کے طور پر بھجوایا ہے ہمارا موٹو! ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے ان تینوں رجحانات کا صحیح ادراک اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ پر بھروسہ دین حق سے وابستگی اور وفاداری، مسلمان عوام کی طاقت کو منظم اور متحرک کرنے کے لئے عدل اجتماعی کی ضرورت ہے قرآن وسنت سر چشمہ ہدایت ہیں پاکستان مسلمانوں کی اصل منزل اور انکی امیدوں کا مرکز ہے اسلام کے دائرے میں بے پناہ آزادی فکر وعمل ہے اور اسلام بہترین شورائی اور فلاحی نظام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ملک میں ظلم، ناانصافی، لاقانونیت، لوٹ کھسوٹ اور حق تلفی کا ایک ظالمانہ نظام قائم ہو چکا ہے اسے بڑی حکمت عملی کے ساتھ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ختم کیا جاسکتا ہے کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونی چاہیے حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کو آئیڈیل بنائیں۔

حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے فرمان کو دل میں جگہ دیں۔ تعلیمات نبوی ﷺ پر حسب توفیق عمل کیجئے۔ اور پھر دیکھئے عدل اجتماعی ہوا ہے یا نہیں؟ حقیقی جمہوریت آتی ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ کا نام بلند کریں وہ آپ کا نام بلند کرے گا یہ وعظ نہیں سچائی ہے۔ تلقین نہیں تاریخ ہے۔ تاریخ ہمیشہ سچ بولتی ہے اور تاریخ اس آفاقی صداقت کی سب سے بڑی شاہد، سامع اور

Marfat.com

گواہ ہے کہ جس نے اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کا نام بلند کیا اللہ نے اسکا نام بلند کیا یہ ایک نام ہر کام کی کلید ہے یہ ہر مشکل آسان کرتا ہے جو بھی انصاف ہو وہ شفاف ہو اور حکمرانی کی ذمہ داریاں خدمت کے جذبے سے انجام دی جائیں، جواب دہی کا نظام موجود ہو محنت کا پورا پورا حق ادا کیا جائے لیکن کرپشن کا ہر دروازہ اور دریچہ بند کر دیا جائے یہ سارا کام تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عوام کی مرضی سے اور اخلاقی دینی اور قومی جذبات سے عاری محرکات کے ساتھ انجام دیئے جائیں حالات خواہ کتنے ہی خراب ہوں نہ ہم اللہ سے نا امید ہیں اور نہ اپنی قوم سے۔

وقت کی اصل ضرورت ایک ایسی عبوری حکومت ہے جسکی اسلام اور پاکستان سے وفاداری کے ساتھ اہلیت اور بے داغ کردار پر قوم اعتماد کر سکے میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ملک کو موجودہ صورت حال سے جلد نکالے اور جو افراد اس وقت ذمہ دار ہیں انہیں توفیق بخشے کہ عوام کی خواہش کے مطابق آئین کی روح اور اسکے اصل مقاصد کا احترام کرتے ہوئے جلد از جلد تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کریں۔ میں اپیل کرتی ہوں کہ آپ اسلامی جمہوری نظام کے قیام کے لئے اپنے حقیقی ہدف کے لئے آئین اور قانون کے مطابق اپنی جدوجہد جاری رکھیں تاکہ ملک دشمنوں کی تمام چیرہ دستیوں اور سازشوں سے محفوظ رہے۔ (آمین)

حضور ﷺ کی تعلیمات اور حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کے خطاب عام سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کا حاکم ایسا نظام قائم کرے اور انتظامی مشینری کو اس طرح ترتیب دے، کہ اسکے علاقے اور دائرہ اختیار میں امن اور عدل اجتماعی کے ساتھ اسلامی تربیت کا اہتمام ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلامی ریاست میں عدل و انصاف ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور اسکا مقصد وجود ہے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ جب زرہ کے حصول کے لئے کوئی گواہ نہیں پیش کر سکے تو عدالت کے فیصلے کو تسلیم کر لیتے ہیں تو وہ شخص ان کے عدل کی وجہ سے خود ہی اقرار جرم کر لیتا ہے۔

حضور ﷺ نے عدل اجتماعی کا ایسا لاثانی ولا فانی نظام دیا جس سے بڑھ کر جامع اور مکمل نظام کا تصور بھی اس چرخ نیلگوں کے نیچے نہیں کیا جا سکتا حضور ﷺ نے فرمایا کہ کہیں عدل اجتماعی مصلحتوں اور رعایتوں کی نظر نہ ہو جائے محسن انسانیت ﷺ کا عدل اجتماعی حبشی غلام اور معمولی شہری کو بھی حق دیتا ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کو عدالت کے کٹہرے میں کھینچ لائے اسکی نظروں میں حاکم ومحکوم رعایا اور راعی، قرابت دار اور اجنبی سب برابر ہیں۔

حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نضر کی بیٹی ربیع نے ایک بچی کے دانت توڑ دیئے۔ ربیع کے گھر والوں نے اس لڑکی سے عفو ودر گذر کی درخواست کی لیکن اس نے مسترد کر دی، انہوں نے مالی معاوضہ دیکر صلح کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اس لڑکی اور اسکے اہل خانہ نے فریاد کی اور عرض کیا کہ ہم ربیع سے قصاص ہی لیں گے۔ حضور ﷺ نے ربیع کے خاندان کی وجاہت و وقار کو نظر انداز کرتے ہوئے عدل اجتماعی سے فیصلہ صادر فرمایا۔ کہ "ربیع سے قصاص لیا جائے" حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول ﷺ کیا ربیع جیسی شریف زادی کے دانت توڑ دیے جائیں گے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا! "انسؓ رضی اللہ عنہ قصاص لینا، اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حکم ہے اور یہ عدل اجتماعی پر مبنی حکم ہے اسمیں ہیر پھیر ممکن نہیں" چنانچہ اس لڑکی کے خاندان والوں نے عدل اجتماعی کی بالا دستی کو دیکھا تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور

Marfat.com

انہوں نے خوش دلی سے ربیع کی خطا معاف کر دی۔ارشاد ربانی تعالیٰ!

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾(۸۵)

(ترجمہ) "جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔ بیشک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے"

حضورعلیہﷺ کے زمانے میں ایک عورت نے جرم کا ارتکاب کیا، اس کا تعلق قبیلہ بنی مخزوم سے تھا اس قبیلے کے لوگ چاہتے تھے کہ اس عورت کو سزا نہ ملے۔ اس کے لئے انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے شفارش کروائی، تو حضورعلیہﷺ نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ کی قسم اگر محمدعلیہﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا"۔(۸۶)

اسلام سے قبل یہود ونصاریٰ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جرم کی سزا فرد کی حیثیت دیکھ کر دی جاتی تھی یعنی اگر غریب اور کم حیثیت آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دی جاتی اور اگر قوم کا امیر آدمی جرم کرتا تو اسے سزا نہ دی جاتی یعنی عدل و انصاف بالکل بھی نہ تھا۔

قانون کے نفاذ کا مسئلہ درپیش ہو تو اسلام کسی قسم کے امتیاز کا روادار نہیں ہے اسلام میں کسی مراعات یافتہ طبقہ (Privileged Class) کا تصور نہیں ہے کہ اسکے لئے ایک طرح کے ضوابط ہوں اور محکوم اور غریب طبقہ کے لئے دوسرے عدل غریب امیر کیلئے برابر ہے۔ مدینہ میں حضورعلیہﷺ کی آمد کے وقت دو یہود قبائل بنونصیر نے بنوقریظہ کو اس ظالمانہ معاہدے پر مجبور کر دیا تھا کہ اگر بنونصیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دے تو قصاص لینے کا ان کو حق نہ ہوگا بلکہ خون بہا کے طور پر 70 وسق کھجوریں ادا کی جائیں گی اور اگر معاملہ برعکس ہو تو بنوقریظہ کے خون بہا سے دوگنا کھجوریں بھی لی جائیں گی اور قصاص بھی لیا جائے گا اور اگر مقتول مرد ہو تو بنوقریظہ کے دو مرد قتل کئے جائیں گے اور اگر بنونصیر کے غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے میں بنوقریظہ کے آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اگر بنونصیر کے آدمی کا ہاتھ کاٹا ہے تو بنوقریظہ کے آدمی کے دو ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ حضورعلیہﷺ کی مدینہ آمد کے بعد بھی بنونصیر نے بنوقریظہ پر یہی ظالمانہ قوانین نافذ کرنا چاہے تو بنوقریظہ نے اعلان کیا جاؤ ہم اب ظالمانہ قوانین نہیں مانتے اب عدل اجتماعی کرنے والی ہستی حضورعلیہﷺ ہمارے درمیان آگئی ہے۔

حضورعلیہﷺ نے اپنے قول وفعل سے عدل اجتماعی کا مظاہرہ کیا۔ اسلام نے امتیازات کے خاتمہ کا اعلان کر کے انسانوں کے درمیان عدل و مساوات کا پیغام دیا۔(۸۷)

پاکستانی عدالتوں میں حالات کی نوعیت کافی پیچیدہ ہوگئی ہے ہماری سیاست ہماری بیوروکریسی نے پورے ریاستی و معاشرتی حالات کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ تفتیشی اداروں میں ایسے لوگوں کو لانے کی ضرورت ہے جو امانت و دیانت کے اوصاف کے حامل ہوں اور عدل و انصاف سے فیصلہ کریں تاکہ کوئی بے گناہ سزا نہ پائے اور کوئی گناہگار بچ نہ سکے۔ ہماری عدالتوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو عدل اجتماعی کے عمل میں خود ایک بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں باقاعدہ عدالتی نظام کی بنیاد رکھی اور عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ

Marfat.com

رکھنے کا اہتمام کیا۔ آپؓ رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کو بھاری تنخواہیں دینے کا اہتمام کیا تاکہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں۔ وہ دولت مند اور معزز لوگوں کو قاضی مقرر کرتے یہ قدم بھی رشوت کے انسداد اور عدل اجتماعی کے لئے اٹھایا گیا تھا۔(۸۸)

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل

چند سال پہلے پاکستان کو دنیا کا دوسرا بڑا کرپٹ ملک قرار دیا تھا۔ سمگلنگ، ٹیکس چوری، فراڈ، غبن ماحول کو خراب کرنے والے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں اسلامی فلسفہ اخلاق و قانون کی روشنی میں قانونی مساوات نبوی ﷺ کے درس عدل وانصاف کو عملی طور پر اپنے نظم عدل میں سمو دیں تو حالات بہتر ہو جائیں گے۔ عدل اجتماعی کا قیام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیئے بغیر ایک ریاست اسلامی ریاست کہلا ہی نہیں سکتی لہٰذا قانونی اور عدالتی سطح پر عدل اجتماعی کا قائم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

عدم اعتدال

اہل مغرب نے انفارمیشن ٹیکنولوجی کا سہارا لے کر دنیا کو گلوبل ولیج قرار دیا ہے۔ جدت پسندی (Modernization) اور مغرب پرستی (Westernization) کو غلط ملط کر کے ہم معنی سمجھنے پر زور دیا ہے اہل مغرب کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دیا جائے یعنی اسلام، اسلام نہ رہے بلکہ نام کے مسلمان ہوں۔ مسلمان دانشور، ان کے مابین فرق و امتیاز کرنے لگے ہیں اور انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید سے مسلمانوں کو باز رہنے اور جدتوں کو اختیار کرنے کا شعور دیا ہے۔

11 ستمبر 2001ء کے واقعے کے بعد مسلمانوں کے خلاف امریکہ کے افغانستان اور عراق کو تباہ و برباد کرنے کے غیر انسانی رویے سے امت مسلمہ ان غیر مسلموں کے غیر منصفانہ اور افراط و تفریط کے رویوں سے بہت دل گرفتہ ہے کیونکہ مسلمان عتدال پسند ہیں اور عدل اجتماعی اسلام کی تعلیمات یہی ہے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں راہ اعتدال سے نہ ہٹا دے دنیا میں امن وامان، عدل وانصاف، اعتدال اور میانہ روی سے قائم ہوسکتا ہے جو اسلام کی تعلیمات کی روح رواں ہے۔

حضور ﷺ کے قائم کردہ عدالتی نظام سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت میں اچھائی اور برائی کا عنصر ہمیشہ رہا ہے اس لئے انسانوں کے درمیان اختلاف فطری بات ہے مگر بعض اختلافات حق و صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض جھوٹ اور تعصب پر ایسی صورت میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایات دی ہیں کہ وہ کسی کی طرفداری نہ کریں بلکہ حق کے ساتھ عدل اجتماعی سے فیصلہ کریں۔

برھان علم وعمل

☆ قرآن مجید بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ "اور جو کتاب اے پیغمبر تم پر نازل ہوئی"۔(۸۹)

☆ تو سنت رسول ﷺ ما اراک اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا دکھایا ہوا اور اسی کا پرتو اور نقش ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ! فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی o(۹۰)

(ترجمہ) "جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرنا"۔

Marfat.com

ترسیل ہدایت کے لئے سلسلہ رسل قائم کیا گیا اور انبیائے کرام انسانوں کیلئے رحمت و مغفرت کا پیغام لے کر آتے رہے اور نبی آخر الزماں ﷺ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر مخلوق کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے روشنی اور ہدایت ہونے کی بناء پر یہ دونوں ایک ہیں ان دونوں میں فرق صرف نامہ و پیام کا ہے۔ یعنی قرآن مجید اگر نامہ خداوندی ہے تو عمل نبوت قرآن کا تواتر علمی ہے۔ اور عمل نبوت ،سنت کا تواتر عملی، قرآن تاریخ علم نبوت ہے اور سنت تاریخ عمل نبوت اس لئے کہ دونوں اسلامی شریعت میں برہان علم اور برہان عمل ہونے کی حیثیت سے ہر دور کی اولین ضرورت اور روشن ترین حجت ہیں کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی سر مو تفاوت یا انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں یہی دونوں شریعت اور عدالت کا قانون تھے اور تمام فتوے انہی سے حاصل کئے جاتے اور تمام مقدمات کے فیصلے انہی پر منحصر تھے۔ اور یہی معتبر بھی تھے تاہم بعد میں کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ اجماع و قیاس بھی عدلیہ شرعیہ کے طور پر مسلمہ اصول قرار پائے جن کی وجہ سے افتاد و مسائل کا حل تلاش کرنے کی خاطر اجتہاد کیا گیا اور شریعت میں قانون سازی کا وسیع وعریض کا م ہوا نیز فقہاء اور مجتہدین نے اپنی بے پناہ ذہانت اور فکر و تدبر سے اللہ تعالیٰ کے اصول و نظریات کی بہترین تشریحات فرمائیں جو اسلامی شریعت کا بہترین سرمایہ اور عظیم ورثہ ہیں۔ جس نے بھی زندگی کو حضور ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے طریقہ کے مطابق ڈھالا وہ اس دنیا میں بھی کامیاب و سرخرو رہا اور اسکی آخروی زندگی بھی سدھر گئی۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی اس کا اعادہ کیا اور کہا کہ!

﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ (۹۱) (ترجمہ) "یقیناً راہ دکھا دینا ہمارا ذمہ ہے"۔

مکافات عمل

قرآن مجید کی تعلیمات ہمارے لئے ضابطہ قانون اور شریعت ہے وہی لائحہ عمل ہے اور وہی نصب العین اسی قانون کے ذریعہ تخلیق کائنات کا مسلسل محاسبہ اس دنیا میں ہوتا رہتا ہے مکافات عمل کے ذریعہ سے انسانوں کا محاسبہ غیب سے ہو رہا ہے۔ انسانی اعمال و افعال اور سزا و جزاء کے درمیان وقفہ انسان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے۔ بظاہر خائن اور ظالم لوگ خوشحال نظر آتے ہیں۔ اور نیک و صالح لوگ تکلیف میں جب کسی قوم میں ظلم حد سے بڑھ جائے تو ان پر ظالم حکمران مسلط کردیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور اپنی کمائی نیک کاموں کے لئے اعلانیہ یا پوشیدہ خرچ کرتے ہیں۔ اور برائی کو بھلائی سے دُور کرتے ہیں برائی کا بدلہ تو ویسی ہی برائی ہے لیکن اگر کوئی معاف کردے اور صبر سے کام لے، اور درگذر کرے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے۔

عدل اجتماعی کو انجام دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس لوامہ (ضمیر) عطا کیا ہے جو زندگی کے ہر مرحلے پر انسان کو صحیح اور غلط میں واضح فرق بتاتا رہتا ہے قانون مکافات عمل رائج کرنے کے لئے پیغمبر بھیجے۔ قوموں کے عروج و زوال کو اخلاقی عروج و زوال کا پابند کیا اور عدل و قسط کے کامل ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا دن مقرر کیا جو میزان عدل اجتماعی کا دن ہوگا انسان کو اسکے اچھے اعمال کا انعام اور بُرے اعمال کی سزا ملے گی۔

اس دنیا کا نظام امتحان و آزمائش کے اُصول پر مبنی ہے اور آخرت کے معاملات عدل اجتماعی کے اُصول پر طے

Marfat.com

ہونگے۔ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے اور تمام اختیارات و تصرفات کو عدل اجتماعی سے کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نظام تکوینی کے ذریعے مکمل توازن قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس عدل اجتماعی کا حکم دیا ہے وہ توازن و تناسب ہے کائنات کی تخلیق و تدبیر میں بھی عدل خداوندی کارفرما ہے۔

اسلام میں ہی عدل اجتماعی ہے عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام وہ دین حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے۔ اور کیا عدل نہیں۔ انسان اگر غافل نہ ہوتو وہ کبھی بھی عدل اجتماعی کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ عدل اجتماعی دراصل سچائی اور راست بازی کی ایک شکل ہے۔ اسکا مطلب ہے کہ ہر شخص کے ساتھ وہ بات کی جائے جو سچ ہے اور وہ معاملہ کیا جائے جسکا وہ مستحق ہے۔ اس عدل و انصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس قوم اور معاشرے میں عدل و انصاف نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گا اور دنیا میں اسکا انجام بُرا ہوگا۔ قرآن مجید، کتاب و نبوت ﷺ کا مقصد ہی یہ بتانا ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل قائم ہو، اور میزان سے مراد عدل و انصاف ہی کے قوانین ہیں۔

اسلام کا نظریہ عدل اجتماعی اشتراکیت پسندوں اور انفرادیت پسندوں دونوں نظریات کی خوبیوں کا جامع ہے۔ اسلام عدل قائم کرتا ہے اور جرم کی سزا دینے سے پہلے حکم ہے کہ تمام حالات اور اسباب کا جائزہ لیا جائے اور مجرم کو سزا دیتے وقت مجرم کا نقطہ نظر اور اس معاشرے کا زاویہ نظر جس کے خلاف ارتکاب جرم کیا گیا ہے۔ سزا تجویز کرتے وقت دونوں باتوں کو مدنظر رکھا جائے۔

تعلیمات نبوی ﷺ نے دونوں نظریات کی خوبیوں کو سمیٹ کر خامیوں کو دور کر دیا ہے اور ایک معتدل نظریہ پیش کیا ہے جسمیں فرد اور معاشرہ دونوں کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔ اور دونوں کے ساتھ عدل اجتماعی کیا ہے۔ حضور ﷺ کا نظریہ اشتراکیت پسندوں اور انفرادیت پسندوں دونوں نظریات کی خوبیوں کا جامع ہے اور خرابیوں سے مبرا ہے اسلام ہی عدل اجتماعی قائم کرتا ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلام سزا کے نفاذ سے قبل جرم کے تمام امکانی اسباب کا سدباب کرتا ہے بلکہ، اسباب وعلل کے خاتمہ کے بعد بھی اگر کسی مجرم کے بارے میں شک ہو جائے کہ اس نے حالات سے مجبور ہو کر جرم کیا ہے تو وہ اس کو سزا نہیں دیتا یہی اسلام کا عدل اجتماعی ہے دنیا کا کوئی دوسرا نظام اسلام کے اس عدل و انصاف والے نظام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے فیصلے ایسے عدل اجتماعی کی شہادت دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے دو غلاموں کو چوری کرنے پر حد قائم کرنے سے معاف کر دیا تھا۔ اس لئے کہ ان کا آقا ان کو بھوکا رکھتا تھا۔ اس لئے وہ مجبوری کی بناء پر چوری کرتے تھے۔ فقہ اسلامی کا اہم اصول یہ ہے کہ کسی مجرم کو قانونی سزا ایسے حالات میں نہیں دی جائے گی۔ جب وہ حالات سے مجبور ہو کر جرم کا ارتکاب کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا! "شک کی صورت میں حد جاری نہ کرو"۔(۹۲)

اسلامی تعزیرات کا اصول یہ ہے کہ پہلے وہ معاشرے کو ان تمام حالات و اسباب سے پاک کرے جو جرائم کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے بعد اگر لوگ جرائم کے مرتکب ہوں تو انہیں منصفانہ سزائیں دی جائیں۔

ارشادات قائداعظم

قائداعظم آخری لمحے تک اس موقف پر قائم تھے کہ پاکستان کی تعمیر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہونی چاہیے اور

Marfat.com

یہ کہ پاکستان کو اسلامی دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری تیسری دنیا کے لئے نمونہ ہونا چاہیے۔ اور یہ نمونہ جس ماڈل پر قائم ہوگا وہ تعلیمات محمدی ﷺ اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کا طرز حکومت ہے۔ مسلمان کی قوت کا اصل سرچشمہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس، اس کے دین اور امت مسلمہ سے وفاداری کا تعلق ہے مسلم امت کو عدل اجتماعی کے لئے نہ کسی دوسرے نظم کی اور نظریہ کی ضرورت ہے اور نہ یہاں کوئی اور کلمہ چل سکتا ہے عدل اجتماعی ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہوگا۔ عدل اجتماعی کا انقلابی کام وہی حکومت سرانجام دے سکتی ہے جو حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی مطیع وفرمان ہو اور جسکی نگاہ میں اسلامی نظام حیات کا قیام و نفاذ اسکی اولین ترجیح ہو ایسی ہی مخلص حکومت وہ ساز گار ماحول وجود میں لا سکتی ہے جو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کے عمل کو بار آور ہونے کی ضمانت دے سکتی ہے۔

> ''دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو، میری سمجھ میں خوب آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے جدا نہیں ہے بلکہ عدل اجتماعی "اسلامی نظام زندگی" کا بنیادی اصول ہے اسلام صرف چند عقائد و عبادات کا نام ہی نہیں بلکہ اسلام سیاسی معاملات، معیشت، معاشرت اور اخلاق کا مجموعہ ہے ہمیں ان سب کو ساتھ لیکر چلنا ہوگا میں نے قرآن مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو''۔

اس ترقی پذیر اور روز افزاں بدلتی دنیا میں جس کے اجتماعی اور اخلاقی مظاہر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں نت نئی ضرورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لئے ممکن ہے کہ قرآن حکیم سے انسانی فطرت کو یقینی واضح مدلل راہ دکھائی نہ دے تو اس صورت حال میں عدل اجتماعی کے لئے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں قرآن مجید کے بعد اگر ان دونوں سے واضح مدلل حالات سے منطبق راہ سمجھ میں نہ آسکے تو پھر قرآن مجید اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں استدلال کے بعد اجتہاد سے راستہ تلاش کریں جو کسی بھی طرح قرآن و سنت صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہ رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عدل اجتماعی سے زندگی کے ہر راستہ میں راہنمائی حاصل کریں اور عدل پر مبنی زندگی گذاریں۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه محمد و آله واصحابه اجمعین.

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین O

حوالہ جات

۱- (سورۃ المائدہ، آیت نمبر۳)......۲- (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر۱۰۷)......۳- (ابن ہشام السیرۃ النبویۃ محمد بن ہشام)......۴- (سورۃ البقرہ، آیت نمبر۲۰۸)...... ۵- (سورۃ الحدید، آیت نمبر۲۵)...... ۶- (ابن العربی، ص ۱۱۶۰)...... ۷- (ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۱، ص ۴۳۰)...... ۸- (ابن فارس، ابوالحسن احمد معجم مقاییس اللغہ، عیسی البابی الحلبی، مصر ۱۳۶۱ ہجری، ج ۴، ص ۲۴۶)...... ۹- (نسفی، عبداللہ احمد بن

Marfat.com

محمود، تفسیر نسفی (مدارک التنزیل) دار احیاء الکتب ، العربیہ، ج۲،ص ۲۹۷)...... ۱۰- (حسنین محمد، کلمات القرآن، مکتبہ عبدالحمید مرزا، مکہ مکرمہ، ص ۲۲۹)...... ۱۱- (سورۃ الاعراف، آیت نمبر۲۹)......۱۲- (سورۃ الانعام، آیت نمبر 115)......۱۳- (سورۃ آل عمران ،آیت نمبر ۱۸)......۱۴- (سورۃ الانعام، آیت نمبر۱۵۲)...... ۱۵- (سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۶۷)...... ۱۶- (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر ۳۹)...... ۱۷- (سورۃ النحل ،آیت نمبر۱۲۶)...... ۱۸- (سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر ۴۰)...... ۱۹- (صحیح بخاری کتاب الحدود)...... ۲۰- (سورۃ المائدہ،آیت نمبر۴۹)...... ۲۱- (امام بخاری صحیح، ص ۳۷۶)......۲۲- (سورۃ الشوریٰ،آیت نمبر ۱۵)......۲۳- (شرعی سزائیں از مفتی عبدالقیوم، ص۲۹،۳۰)......۲۴- (سورۃ الحجرات، آیت نمبر۱۳)...... ۲۵- (صحیح بخاری و مسلم)...... ۲۶- (بخاری و مسلم)...... ۲۷- (بیضاوی، قاضی ناصر الدین ابوسعید بن عبداللہ بن عمر، تفسیر القرآن الکریم، مکتبہ، جمہوریہ، مصر، ص ۳۰۳)...... ۲۸- (آلوسی، ج ۱۴، ص ۲۱۷، عدل، سورۃ نحل آیت نمبر۹۰، ان اللہ یامر بالعدل، اسکی تفسیر و تشریح)...... ۲۹- (قرطبی، ابوعبداللہ محمد الانصاری، الجامع الاحکام القرآن، ج ۱۰، ص ۱۶۶)......۳۰- (سیرت النبی ﷺ، سلمان ندوی ، ج ۶، ص ۳۹۷)...... ۳۱- (اربعین نووی، ترجمہ و تشریح مولانا عاشق الٰہی ص۱۲۴)......۳۲- (اسلامی سیاست ، گوہر رحمان ، ص ۳۶۸)......۳۳- (سورۃ النساء، آیت نمبر۵۷)......۳۴- (سورۃ صٓ ، آیت نمبر ۲۶)...... ۳۵- (سورۃ المائدہ ، آیت نمبر۸)...... ۳۶- (مصارف القرآن جلد ۸)...... ۳۷- (سورۃ النساء،آیت نمبر۵۸)...... ۳۸- (سنن ابن ماجہ)...... ۳۹- (ابن کثیر)...... ۴۰- (مشکوۃ کتاب الامارۃ)...... ۴۱- (سورۃ المائدہ،آیت نمبر۸)...... ۴۲- (صحیح مسلم)......۴۳- (صحیح بخاری کتاب الھبۃ باب الاشھاد فی الھبۃ)......۴۴- (صحیح ترمذی ابواب البر و الاحسان)...... ۴۵- (مسند ابی حنیفہ، کتاب التفسیر)...... ۴۶- (صحیح ترمذی، ابواب البرّ اوالاحسان)...... ۴۷- (صحیح بخاری کتاب الجمہ)...... ۴۸- (صحیح بخاری باب فضل الجہاد)...... ۴۹- (صحیح بخاری کتاب الاضاحی)...... ۵۰- (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۱)...... ۵۱- (مشکوٰۃ شریف)...... ۵۲- (مشکوٰۃ، بخاری ،مسلم)...... ۵۳- (سورۃ الحدید، آیت نمبر۲۵)...... ۵۴- (سورۃ البقرہ،آیت نمبر۱۴۹)...... ۵۵- (صحیح بخاری)...... ۵۶- (صحیح مسلم)...... ۵۷- (کنزالعمال جلد سوم)...... ۵۸- (سورۃ النحل ،آیت نمبر۱۲۶)...... ۵۹- (سورۃ الاحزاب ، آیت نمبر ۶۲)...... ۶۰- (سورۃ النجم، آیت نمبر۲،۳)...... ۶۱- (زیدان عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ ، بیروت ۱۹۸۷)...... ۶۲- (تفسیر عثمانی)...... ۶۳- (شبلی نعمانی سیرت النبی ،ج ۲،ص ۱۸۵)...... ۶۴- (سورۃ المائدہ ،آیت نمبر۴۲)...... ۶۵- (سورۃ الحجرات، آیت نمبر۹) ...... ۶۶- (سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸)...... ۶۷- (سورۃ المائدہ، آیت نمبر۲)...... ۶۸- (تفسیر کشاف زمخشری، ج2،ص۶۵۹)...... ۶۹- (سورۃ البقرہ، آیت نمبر۲۱۵)...... ۷۰- (سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۶)...... ۷۱- (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر۸)...... ۷۲- (صحیح ترمذی، ابواب ابروالاحسان)......۷۳- (صحیح ترمذی کتاب الفرائض)......۷۴- (سورۃ المائدہ ،آیت نمبر ۴۸)...... ۷۵- (سورۃ المائدہ ، آیت نمبر۴۵)...... ۷۶- (اخلاق محسنی، طبع مرزا ابراہیم شیرازی)...... ۷۷- (فیض بک الشہر ، شاہیرالاسلام، ج۲)...... ۷۸- (عمر فاروق اعظم، محمد حسین ہیکل ترجمہ حبیب الشعر، ص۵۹۵)...... ۷۹- (سورۃ النساء ، آیت نمبر۵۸)...... ۸۰- (معارف القرآن ، محمد شفیع جلد دوم، ص۴۴۶)...... ۸۱- (سورۃ النساء ،آیت نمبر۵۹)......۸۲- (سورۃ النحل، آیت نمبر ۹۰)......۸۳- (تفسیر ابن کثیر)...... ۸۴- (سورۃ المائدہ ،آیت نمبر۴۹)...... ۸۵- (سورۃ النساء ،آیت نمبر۵۸)...... ۸۶- (صحیح بخاری، غزوہ الفتح)...... ۸۷- (اسلامی سیاست، الرحیق المختوم ،ص۴۰۱)...... ۸۸- (الفاروق، شبلی نعمانی)...... ۸۹- (سورۃ البقرہ، آیت نمبر۴)...... ۹۰- (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۳۸)...... ۹۱- (سورۃ اللیل، آیت نمبر۹۲)...... ۹۲- (عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری ،عرفان حسن صدیقی۔ فیروز سنز لمیٹڈ، راولپنڈی، لاہور، کراچی)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

طاہرہ عبدالقدوس۔ گوجرانوالہ

عدل کے لغوی مفہوم

عدل مصدر ہے اس کا مادہ ع۔د۔ل ہے اس مادے میں برابری اور مساوات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ عدل مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: عدل جانور کی پیٹھ پر لدے ہوئے وزن کو کہتے ہیں جو دونوں اطراف سے برابر ہوتا ہے۔ جیسا کہ خلیل بن احمد لکھتے ہیں:

والعدل احد حملی الحمل، لا یقال الا للحمل، و سمي عدلاء ، لأنه یسوی با لآخر بالکیل والوزن ا۔

اس کے معنی امر متوسط و معتدل کے بھی ہیں۔

هو الأمر المتوسط بین الا فراط والتفریط ۲۔

عدل کے معنی ایسی بات کے بھی ہیں جونفوس کو سیدھی محسوس ہو اور یہ ظلم کی ضد ہے۔

ما قام في النفوس أنه مستقیم، و هو ضد الجور ۳۔

ایڈورڈ ولیم لین کے مطابق:

''امور (معاملات قضاۃ) میں درست، متوازن اور برابری کا رویہ اختیار کرنے کو عدل کہتے ہیں'' ۴

عدل کے مختلف معنوں میں سے ایک معنی ''برابر'' اور ''یکساں'' بھی ہیں۔ ۵ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ ۶۔

عدل ''فدیہ'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ۷ اس کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔

﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ۸۔

نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے گی اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا۔

عدل (بالفتح) کے معنی قیمت، فدیہ، مرد صالح اور حق و انصاف کے ہیں۔ ۹

لیکن اگر عدل بالکسرہ ہو تو اخفش کے مطابق اس کے معنی ''المثل'' کے ہیں۔ ۱۰

اہل لغت نے اگرچہ ''العَدل'' اور ''العِدل'' کے معنی الگ الگ لیے ہیں لیکن اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ قریب المعنیٰ ہیں۔ ''عَدْل'' معنوی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور ''عِدْل'' ان چیزوں کے لیا بولا جاتا ہے جن کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے۔ ۱۱

Marfat.com

عدل اصل میں عربی لفظ ہے اردو میں اس کا ہم معنی ''انصاف'' انگریزی میں "Justice" اور عبرانی میں ''صداقاة'' اور ''مشپاط'' ہے۔

Twentieth Century Encyclopedia میں "Justice" کے ضمن میں مقالہ نگار لکھتا ہے۔

Equal distribution of right in experessing opinions; Fair representation of facts respecting merit or demerit: equity impartiality"[۱۲]

The standard Jewish Encyclopedia کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

The Biblical hebrew words for Tzedek, Tzedakah, Mishpat possess many shades of meaning, justice, righteousness, proper behaviour, fairness, integrity[۱۳]

اردو زبان میں عدل کو بطور اسم ذات بھی استعمال کیا جاتا ہے اور بطور اسم صفت بھی، اس صورت میں اس کے معنی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔

''اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی ''انصاف'' یا ''دادرسی'' کے ہیں اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم، منصفانہ اور متوان کے آتے ہیں''۔[۱۴]

عدل کا اصطلاحی مفہوم

عدل کے اصطلاحی اور لغوی معنوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اصطلاحاً عدل کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں:

العدل هو المساوات فی المكافات ۱۵؎

''مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے''۔

سفیان بن عیینۃ لکھتے ہیں :

العدل...هو استواء السرية والعلانية من كل عامل لِلّٰه عملاً ۱۶؎

علامہ عینی فرماتے ہیں :

والعدل من ظهر منه الخير ۱۷؎

عدل سے مراد وہ شخص ہے جس سے نیکی کا اظہار ہو۔

رازی کہتے ہیں:

العدل فهو عبارة عن الأ مر المتوسط بين طرفى الافراط والتفريط، وذلك امر واجب الرعاية فى جميع الا شياء ۱۸؎

مندرجہ بالا تعریفات کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ عدل کا مفہوم مختلف مناسبتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ عدل کا ایک مفہوم

Marfat.com

تو یہ ہے اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے۔ یعنی اللہ کے حق کو اپنی خواہش پر مقدم رکھے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ عدل کرے گویا اپنی ذات کو ایسی تمام باتوں اور چیزوں سے بچائے رکھے جن سے جسمانی اور روحانی ہلاکت و اذیت کا خطرہ ہو اور تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان عدل کرے۔ یعنی تمام مخلوقات سے ہمدردی اور خیر خواہی کا سلوک و برتاؤ کرے۔ جبکہ ہمارے ہاں عدل کو عدالت و قضاۃ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔

The Encyclopedia of Philosophy کے مقالہ نگار کا خیال ہے:

Justice presupposes people pressing claims and justifying them by rules or standard. This distignishes it from charity, benevolence of generosity.

لیکن عدل زندگی کے ہر ہر پہلو پر حاوی ہے۔ روزمرہ زندگی میں معاملات کی ادائیگی میں قدم قدم پر عدل وعفو سے واسطہ پڑتا ہے۔

The conception of absolute justice as ensuring to humanity security of possessions, fredom of action and the right to realize expectations.۲۰

عدل کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس میں حقوق اللہ بھی داخل ہیں اور حقوق العباد بھی۔ ہر حق دار کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ کی جائے۔ کوئی ظلم کرے تو اسے ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کا ساتھ دیا جائے اور اگر ظالم کے خلاف گواہی کی ضرورت پڑے تو بالکل ہچکچایا نہیں جائے، یہی عدل ہے۔

اجتماعی عدل کا معنی و مفہوم

اجتماع کے معنی ہیں مجلس، اکٹھ اور ہجوم اور اجتماعی کے معنی ہیں معاشرتی۔۲۱

ابن خلدون کے نزدیک اجتماع ایک لازمی امر ہے۔

''انسانی اجتماع ایک لازمی چیز ہے۔۔۔ انسان میں قدرتی طور پر شہریت پائی جاتی ہے یعنی انسان کے لیے اجتماع ضروری ہے'' ۲۲

جب ایک اجتماع / معاشرہ تشکیل پا جائے تو پھر اُس معاشرے میں رہنے والے تمام افراد بلاتخصیص رنگ اور نسل کے اس معاشرے کے شہری ہیں اور یکساں سلوک کے مستحق ہیں۔ ابن خلدون کی تو یہ رائے ہے:

''تمام انسانوں کے لیے اجتماع ضروری ہے ورنہ انسانی وجود اور دنیا میں آبادی پھیلانے کا اور انسان کو قائم مقام بنانے کا مقصد پورا نہیں ہوتا''۔۲۳

انسانوں کے اس اجتماع یا اکٹھ سے مساویانہ سلوک اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کے درمیان فیصلے ''عدل'' سے ہوں۔ عدل کی بنیاد آزادی ہے۔ تمام افراد معاشرہ کو بلاتفریق رنگ ونسل ومذہب استفادہ کرنے کی آزادی حاصل ہو گی۔ اور یہی ''اجتماعی عدل'' ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر لیاقت علی نیازی لکھتے ہیں:

''عدل اجتماعی سے مراد یہ ہے کہ حکومت اپنی تمام رعایا کو بنیادی ضروریات زندگی لازماً فراہم کرے''۔ ۲۴

اجتماعی عدل کے لیے انگریزی میں Social Justice (معاشرتی عدل) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تصورِ عدل اجتماعی اور مغرب کے Social Justice میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اہل مغرب نے معاشرتی /اجتماعی عدل کا جو مفہوم لیا ہے وہ انتہائی محدود ہے۔ ان کے ہاں اجتماعی عدل سے مراد تمام افراد معاشرہ کو برابر سمجھنا ہے۔ پچھلی صدی میں اشتراکیت کی تحریک اسی ایک نعرے کو لے کر اٹھی اور پھر برابری اور مساوات کے نام پر افرادِ معاشرہ کا جو استحصال ہوا وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔ حریت فرد (Individual Liberty) کے مقابلے میں اجتماعی/معاشرتی عدل (Social Justice) کی صطلاح ظاہراً تو بڑی خوشنما تھی لیکن اس کے بد اثرات نے انسانیت کا گلہ گھونٹ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی تیزی سے یہ تحریک شروع ہوئی تھی اس سے زیادہ تیزی سے ختم ہوگئی۔ انسان کا بنایا ہوا نظام خواہ کتنا ہی عدل پر مبنی نظر آئے لیکن عملی تجربہ ثابت کر دیتا ہے کہ اصلاً یہ عدل نہیں۔ حقیقی نظام عدل صرف اسی ہستی کی طرف سے ہوسکتا ہے جو ہماری خالق و مالک ہے۔

اسلام نے جہاں حریت فرد کی بات کی ہے وہاں وہ معاشرتی عدل کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ ہر معاشرہ لاکھوں، کروڑوں انسانوں سے مل کر بنتا ہے ہر فرد پیدائشی و فطری طور پر مختلف صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ایک الگ شخصیت ہوتی ہے۔ وہ عقل شعور اور فہم کا مالک ہوتا ہے۔ حریت فرد کا تقاضا ہے کہ ہر انسان کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے یکساں مواقع ملیں اور ان صلاحیتوں کی بناء پر اسے معاشرے میں مقام ملے۔ نہ تو اسے اتنا آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ ظلم وتعدی کرتا پھرے اور نہ ہی اتنا پابند کہ اسے اس کے بنیادی حق سے ہی محروم کر دیا جائے اسلامی تعلیمات کی رو سے اجتماعی عدل یہ نہیں کہ افراد معاشرہ کی فطری، ذہنی، تخلیقی و جسمانی صلاحیتوں کو نظر انداز کر کے تمام افرادِ معاشرہ سے یکساں سلوک کیا جائے بلکہ ان کی صلاحیتوں کا لحاظ رکھ کر ان کا مقام متعین کرنا ہے۔

مولانا مودودی کہتے ہیں:

اسلام کے اس دستور میں فرد اور معاشرے کے درمیان ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی ہے جس سے وہ معاشرے کے مفاد کو نقصان پہنچا سکے اور نہ معاشرے کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ وہ فرد کی آزادی کو سلب کر سکے جو اس کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ ۲۵

اشتراکیت میں اجتماعی عدل کا مفہوم بہت محدود معنوں میں مستعمل ہے۔ ان کے نزدیک تو تمام افراد کو ان کی محنتوں کا یکساں اجر دینا عدل ہے۔ اب خواہ کوئی ڈاکٹر، انجینئر، کسان و مزدور ہی کیوں نہ ہو سب کو معاوضہ برابر دیا جائے گا لیکن اسلام میں درجات معیشت میں تفاوت ہے۔ اور پھر اسلام کا تصورِ عدل صرف معیشت تک ہی محدود نہیں بلکہ پوری انسانی زندگی اس کے دائرہ میں داخل ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، معیشت ہو یا معاشرت ہر ہر پہلو سے اسلام نے عدل کا رویہ اختیار

Marfat.com

کرنے کی تلقین کی ہے۔ جیسا کہ سید قطب لکھتے ہیں:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں تک محدود نہیں وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے''۔ ۲۶

ہر مسلمان کی زندگی میں عدل بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ خواہ معاملہ ذاتی زندگی کا ہو یا اجتماعی کا، عبادات کا ہو یا معاملات و معیشت ہر ہر میدان میں ''عدل'' کا لحاظ رکھنا ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کا اسوہ و عمل ہے اور ہمیں بھی اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگیوں کو کامیابیوں و کامرانیوں سے ہمکنار کرنا ہے۔

عدل۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت عدل کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات و نصائح کا مختصر و جامع جائزہ پیش ہے۔

عبادات میں عدل

ہر مذہب میں عبادت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے دیگر مذاہب میں مذہبی احکامات بجالانے میں بہت سختی ہے کسی قسم کی سہولت و نرمی کی گنجائش نہیں ہے اگر کوئی غلطی و خطا ہو جائے تو معافی کا تصور ہی نہیں ہے لیکن اگر کفارہ کی کوئی صورت ہے بھی تو نہایت متشددانہ لیکن اسلام انسانی فطرت سے آگاہ ہے لہذا عبادات میں انسانی مجبوریوں اور کوتاہیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے گنجائش و کشائش پیدا کرتا ہے مثلاً

☆ حالت سفر میں قصر نماز کی اجازت ہے

☆ بارش وطوفان کی صورت میں مساجد نہ آنے کی گنجائش

☆ بیماری/سفر میں روزہ کی چھوٹ

☆ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی رخصت

☆ جمع بین الصلاتین کی اجازت

☆ نیز مختلف غلطیوں اور کوتاہیوں کی صورت میں کفارہ وغیرہ یہ تمام سہولتیں اسلام کی عطا کردہ ہیں۔ درحقیقت عبادات میں بھی اُسی میانہ روی اور اورعتدال کی ضرورت پسندیدہ ہے جو اگرچہ کم ہو لیکن مسلسل ہو۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے:

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کونسا عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عمل دوام (اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو) ۲۷

اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی۔

قرآن پڑھے جایا کرو جب تک دل چاہتا رہے ور جب دل برداشتہ ہو جاؤ تو چھوڑ دیا کرو۔ ۲۸

نبی کریم ﷺ کا اپنا طریقہ کار بھی یہی تھا۔ اللہ نے عبادات میں جہاں جہاں چھوٹ عطا فرمائی آپ ﷺ بھی اس

Marfat.com

سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالت سفر میں نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھ لیا کرتے تھے۔ ۲۹

اسی طرح اسلام نے عبادات میں انسانی ضروریات کا بھی خیال رکھا ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھا لو اور عجلت نہ کرو۔ ۳۰

نبی کریم ﷺ نے کثرت عبادت کی بجائے عمل میں مداومت کی تلقین فرمائی عبادت اگرچہ تھوڑی ہی ہو لیکن اسے مستقل ادا کیا جائے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ فلاں عورت ہے اور ان کی کثرت عبادت کا ذکر کرنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو اپنے ذمے بس اتنی عبادت رکھو جتنی سکت ہو اس لیے کہ اللہ ثواب دینے سے نہیں تھکے گا البتہ تم عبادت کرنے سے تھک جاؤ گے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین کام وہ ہے جس پر آدمی مداومت اختیار کر سکے۔ ۳۱

الغرض آپ ہمیشہ مومنوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ وہ دین کے کام انجام دینے میں نرمی اور سہولت کا رویہ اپنائیں۔ تاکہ پابندی سے عمل ہو سکے۔ حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

دین بہت آسان ہے اور احکام اسلام ہرگز سخت نہیں ہیں اور جو کوئی نرمی کو ترک کرتا ہے دین اس پر غالب آجاتا ہے اس لیے تم لوگ میانہ روی اختیار کرو اور قریب بہ اعتدال رہو اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات رہے تاکہ عبادت کرو۔ ۳۲

عبادت دین کا ایک بنیادی اور اہم حصہ ہے لیکن دین اسلام نے اس کی دائیگی میں بھی یسر و آسانی کی تلقین کی ہے اور عسر و تنگی کو ناپسند فرمایا ہے۔

اپنی ذات کے ساتھ عدل

فرد معاشرے کی ایک اہم اکائی ہے اقوام اور معاشروں کی ترقی و تنزلی میں افراد کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ انسان پر اس کی ذات کا بھی حق ہوتا ہے۔ اگر ایک فرد چاہتا ہے کہ افراد معاشرہ کے ساتھ عدل و مساوات کا رویہ برتے تو اسے چاہیئے کہ پہلے اپنی ذات کے ساتھ عدل اختیار کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے؛

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ۳۳۔

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھلا دیتے ہو حالانکہ تم کیا پڑھتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

انسان پر جب جوش طاری ہوتا ہے تو وہ عبادات میں خود کو اتنا مصروف کر لیتا ہے کہ باقی فرائض سے پہلو تہی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ انس بن مالک کہتے ہیں:

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے گھر تین آدمی آئے جو ازواج مطہرات سے نبی کریم ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھ رہے

Marfat.com

تھے۔ جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اُس عبادت کو کم جانا۔ پھر کہا نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں ہم کہاں ہوں گے۔ اللہ نے ان کے تو تمام آنے والے اور گذرے ہوئے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا میں تو رات بھر نمازیں پڑھتا ہوں، دوسرے ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہتا ہوں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا جنہوں نے ایسا ایسا کہا؟ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ پس جو شخص میرے طریقے سے انحراف کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔ ۳۴

اپنی طاقت اور قوت سے بڑھ کر عبادت کرنا اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم ﷺ نے عمرو بن عاص سے کہا۔

واقعی تم مسلسل روزے اور ساری رات تہجد پڑھتے ہو؟ عمرو نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: س طرح تو آنکھیں دھنس جائیں گی اور بدن تھک جائے گا صوم ابد کا شمار روزے میں ہے ہی نہیں۔ ۳۵

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی:

تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل کا تم پر حق ہے پس روہ رکھو اور افطار کرو، رات کو عبادت کرو اور سوؤ بھی۔ ۳۶

الغرض نبی کریم ﷺ نے عبادات میں بھی راہ اعتدال اختیار کرنے کی تلقین کی۔

اولاد میں عدل

نبی کریم ﷺ نے اولاد سے برابر کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی ہے حضرت بشیرؓ نے اپنے بیٹے نعمان کو ایک غلام دیا۔ رسول ﷺ نے دریافت فرمایا۔

"کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو ایسا ہی دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اسے واپس لے لو" ۳۷

جبکہ سنن نسائی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

اعدلوا بین ابنائکم ، اعدلوا بین ابنائکم ۳۸۔

"اپنے بیٹوں میں مساوات قائم کرو"۔

نبی کریم ﷺ کی یہ نصیحت گھر اور خاندان میں اتفاق، محبت اور تعاون کے جذبات کو پروان چڑھانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

ازدواج میں عدل

شریعت اسلام میں ایک مرد کو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ بیویوں کے درمیان عدل رکھ سکے۔ نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات میں باریاں تقسیم کرتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

Marfat.com

اللّٰھم ھذا قسمی فیما املک، فلا تلمنی فیما تملک و لا املک .۳۹۔

اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں یہ میری تقسیم ہے۔ جس چیز کا تو مالک ہے اور مجھے اس میں اختیار نہیں، (قلبی میلان) اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔

نبی کریم ﷺ کی یہ احتیاط و اسوہ تا قیامت امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہے۔

انفاق و معاملات میں عدل

قرآن کریم میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾۴۰۔

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں بلکہ راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں۔

اسلام کے عادلانہ قانون تجارت کی رو سے اموال و اجناس کی اس نیت سے ذخیرہ اندوی کہ منڈی میں مصنوعی قلت پیدا کر کے نرخوں کو بڑھایا جائے سخت گناہ ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یحتکر ا لا خاطی ۴۱۔ (گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے)۔

اسی طرح اسلام نے مزدور کو ٹھیک ٹھیک اور وقت پر محنت کا معاوضہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے:

اعطوا الا جیر اجرہ قیل ان یجف عرقہ ۴۲۔

معاشرے میں توازن و اعتدال قائم رکھنے کے لیے اسلام نے اہل ثروت پر کچھ مالی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ تاکہ وہ اپنے غریب ساتھیوں کی نہ صرف مدد کریں بلکہ انہیں معاشی دوڑ میں شامل بھی کر سکیں۔ اس سلسلے میں اسلام ایک مکمل نظام گردش دولت دیتا ہے۔ جس کی بناء پر دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ، صدقات، وراثت، خراج و عشر، کفارات، وغیرہ کا حکم دے کر اسلام نے ارتکاز دولت کا خاتمہ کر دیا۔ اشتراکیت کی طرح نہ تو وسائل و ذرائع پر حکومت کا قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دولت صرف ذاتی ملکیت قرار پاتی ہے بلکہ حکم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنفِقُوْا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾۴۳۔

مجرموں اور دشمنوں کے ساتھ عدل

جذبہ انتقام پر قابو پانا اور وہ بھی اس صورت میں جب دشمن آپ کے قبضے میں ہو۔ اور دشمن بھی وہ جس نے آپ کو ذاتی، مالی اور قومی ہر طرح کا نقصان پہنچایا ہو لیکن قرآن نے یہ حکم

﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾۴۴۔

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم نا انصافی کرو، عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

دشمن کے ساتھ عدل و احسان اور رحم و کرم کی انتہا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو آزاد کرو'' ۴۵۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: ایک مرتبہ نبی کریم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے انہیں اسلام کی طرف بلایا انہوں نے اسلمنا کہنا مناسب نہ جانا بلکہ صبانا صبانا کہنے لگے جس پر خالدؓ انہیں مارنے لگے اور بعض کو قید کر کے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک قیدی دے دیا۔ پھر ایک دن خالدؓ نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اپنے قیدی کو مار ڈالے۔ میں (عبداللہ بن عمرؓ) نے کہا میں تو اپنے قیدی کو ہرگز نہیں ماروں گا اور نہ ہی میرا کوئی ساتھ اپنے قیدی کو مارے گا۔ جب ہم واپس آئے تو رسول ﷺ سے یہ قصہ بیان کیا تو آپ ﷺ ن اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میں خالدؓ کے فعل سے بری ہوں۔ ۴۶

اگر کوئی فرد کسی کے ساتھ زیادتی وظلم کرتا ہے گو اگرچہ مظلوم شخص بدلہ لینے کا پورا حق رکھتا ہے لیکن پھر بھی پسندیدہ امر صبر کرنا ہے قرآن میں ہے:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ ۴۷

اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا اور صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ذمیوں اور اہل معاہد کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی ہے۔ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ شفقت و رافت کا برتاؤ معراج انسانیت ہے۔ عہد شکنی وظلم کرنے والوں کے لیے نبی کریم ﷺ نے وعید فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں: جس نے کسی معاہد کو قتل کیا۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے سنگھائی دیتی ہے۔ ۴۸

اجتماعی عدل کی عملی مثالیں۔ سیرت نبویہ ﷺ کی روشنی میں

ذیل میں نبی کریم ﷺ کے عدل کی چند مثالیں پیش ہیں:

1۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کی۔ آپ ﷺ نفاذ شریعت میں انتہائی سختی فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے۔

عن عائشة ان اسامة حكم النبی ﷺ فی امراة . فقال : انما اهلك من كان قبلكم، انهم كانوا يقيمون الحد على الضعيف و يتركون الشريف والذى نفسى بيده لو ان فاطمة فعلت ذلك لقطعت يدها . ۴۹

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت اسامہ نے نبی کریم ﷺ سے ایک عورت کے بارے میں (جس نے چوری کی تھی) سفارش کی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ وہ معمولی آدمی پر تو حد قائم کرتے لیکن بڑے آدمی کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی عدل کی آئینہ دار تھی۔ اجتماعی عدل کے تصور کی رو سے اگر ہم نبی کریم ﷺ کی مکی ندگی

Marfat.com

پر نظر ڈالیں تو بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے/اجتماع میں رہنے والے تمام افراد کے حقوق و آزادی کا پورا خیال رکھا۔ مسلمانوں کو تلقین کی گئی۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ۵۰۔

۳۔ میثاق مدینہ نبی کریم ﷺ کی صفت عدل کا بہترین نمونہ ہے۔ اجتماعی عدل کا تقاضا تھا کہ ریاست مدینہ کے تمام باسیوں کے باہم تعلقات بہت خوشگوار ہوں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے تمام گروہوں کے درمیان ایک معاہدہ جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں۔ اس کی شقات عدل اجتماعی کے قیام کا بہترین نمونہ ہیں۔

مسلمان چاہے وہ قریش سے تعلق رکھتے ہوں یا یثرب سے، وہ مقامی ہوں یا باہر سے آکر یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ مل گئے ہوں سب بلا امتیاز ایک امت شمار ہوں گے۔ اور باقی لوگ دوسری امت۔ غریب و نادار، قرض و تاوان کے بوجھ تلے دبے افراد سے پورا تعاون کریں گے۔ ظالموں کے خلاف ایک جان ہوں گے۔ مدینہ میں رہنے والے مشرکین کسی قریشی کو پناہ نہیں دیں گے۔ اگر مومنین کی کسی سے لڑائی یا مخالفت ہوگئی تو مدینہ میں رہنے والے یہود مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔۔۔ یہودیوں کو اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی۔ ۵۱

اسلام نے جس انصاف، رواداری اور فیاضی کے ساتھ مختلف مذاہب و عقائد کے ماننے والے افراد کو ایک لڑی میں پرویا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کو نہ صرف حقوق شہریت (Fundamental Right) دیئے جاتے ہیں بلکہ ان کی جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ریاست پر عائد کی جاتی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام کحرمة یومکم هذا ۵۲۔

الغرض کسی بھی معاشرے کے قیام اور بقا کے لیے عدل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جس معاشرے میں عدل زندہ ہے وہ قوم ترقی کرتی ہے۔ اسلام اجتماعی عدل کا داعی ہے۔ جہاں فرد، ادارے، حکومت و مملکت، تمام کے تمام عدل کی مجسم صورت ہیں۔ فرد کی ذاتی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کے تمام معاملات اور پھر حکومت و ریاست کے معاملات سب عدل کی روشنی میں پروان چڑھتے ہیں۔ انسانی مساوات نظام عدل کی بنیاد ہے لیکن عدل کا جو مفہوم اہلِ مغرب نے لیا ہے اسلام نے اس کی یکسر نفی کی ہے۔

اجتماعی عدل یہ نہیں کہ پیسے یکساں تقسیم کر دیئے جائیں اور لوگ ایک دوسرے پر حکومت کرتے رہیں عدل یہ بھی نہیں کہ سب آزاد ہوں مگر مالی لحاظ سے نشیب و فراز بے پناہ ہو جائیں اور عدل یہ بھی نہیں کہ پڑوسی تکلف میں ہو اور آپ اس کی فکر سے آزاد رہیں اسلام میں عدل آزادی ضمیر، انسانی مساوات اور کفالت اجتماعیہ کا باہمی نظام لے کر آیا ہے جہاں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ ۵۳

اجتماع اور اہل اجتماع کی فلاح و ترقی کا راز عدل اجتماعی میں ہی مضمر ہے۔ حکومت و ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ افراد معاشرہ کے ساتھ مساوات و عدل کا سلوک کرتے ہوئے ان کے حقوق کی پاسداری کرے۔ ڈاکٹر خالد علوی کہتے ہیں:

Marfat.com

اگر کوئی شہری اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہے تو اسے اس کی صلاحیتوں کے مطابق فوائد حاصل ہوں گے اور اگر بے یارو مددگار ہے تو اسلامی ریاست اسکی کفالت کرتی ہے۔ اسلامی ریاست اس معاشی مساوات کی قائل نہیں جس میں ہر شخص کو جبراً ایک معیار پر لایا جائے۔[۵۴]

المختصر یہ کہ اسلام ایک مکمل عدل کا تقاضا کرتا ہے جسے اصطلاحاً ''اجتماعی عدل'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ انسان کی ذاتی و خاندانی زندگی سے شروع ہوگا اور حکومت و ریاست تک جائے گا۔ افراد معاشرہ کو انسان ہونے کے ناطے شخصی آزادی بھی دی جائے گی اور معاشرے پر اجتماع کے مفاد کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔ لیکن افراد کو اس بات کا احساس دلایا جائے گا کہ وہ جن نعمتوں سے استفادہ کر رہے ہیں اُس کا حقیقی مالک تو اللہ ہے لہذا اللہ کے دیئے ہوئے مال کو بندگان خدا کی فلاح و بہبود و ترقی میں صرف کرنا خوشنودی الٰہی کا باعث ہے۔ آج جبکہ دنیا اشتراکیت و سرمایہ داری کے لگائے ہوئے زخموں تلے سسک رہی ہے اس کا علاج سیرت طیبہ کی روشنی ہی میں ممکن ہے حق دار کو اس کا حق دے کر ہی ہم اس دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

کتابیات وحوالہ جات

۱- فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، ۶۰۹، دار حیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن ؛ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ۳۲۵؛ نور محمد، کارخانہ تجارت، کراچی س۔ن ؛ زبیدی ، محمد مرتضی، تاج العروس، ۴۷۳/۱۵ ، دارالفکر للطباعۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ ...... ۲- فیروز آبادی، یعقوب، القاموس المحیط، ۱۳۶۱/۲، دارحیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن ؛ تاج العروس، ۴۷۱/۱۵؛ التھانوی، محمد علی بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون، ۱۰۱۵/۲، سہیل اکیڈمی ،لاہور، ۱۹۹۳ء ...... ۳- ابن منظور، لسان العرب ۸۳/۹ ؛ داراحیاء التراث العربی للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۰۸ھ ؛ تاج العروس، ۴۷۱/۱۵ ، القاموس المحیط، ۱۳۶۱/۲؛ المقری، احمد بن محمد، المصباح المنیر، ۲۰۶، المکتبۃ العصریۃ ، بیروت

۱۴۲۵ھ ...... ۴- Edward William Lane, An Arabic English Lexicon, 1/1972, Frederic Ungar Publishing Co. New York; Hans Wehr, A Dictonary of Modern Written Arabic, 596, Wesbaden, Germany, 1961 ...... ۵- دکتور ابراھیم ورفقاۂ، المعجم الوسیط، ۵۸۸/۱۰۲، م۔ن ، س۔ن ...... ۶- المائدہ، ۵/ ۹۵ ...... ۷- الازھری ، ابومنصور، محمد بن احمد، معجم تھذیب اللغۃ، ۲۳۵۸/۳ ، الجوھری، الصحاح، ۱۴۳۶/۴، دارحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ ؛ کتاب العین، ۶۰۹ ...... ۸- البقرۃ، ۲: ۴۸ ...... ۹- لسان العرب، ۸۳/۹ ...... ۱۰- کتاب العین، ۶۰۹؛ الصحاح، ۱۴۳۶/۴؛ رازی، ابو بکر ، مختصر الصحاح، ۲۵۱؛ دارحیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ ...... ۱۱- مفردات القرآن، ۳۲۵؛ معجم تھذیب اللغۃ، ۲۳۵۸/۳ ...... ۱۲- Charles Smith, Twentieth Century Encyclopedia, 4/1732 ...... ۱۳- Cecil Roth, The Standard Jewish Encyclopedia, 1084, W.H Alle London, 1959 ...... ۱۴- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۳/۴، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ...... ۱۵- مفردات القرآن ۳۲۵ ...... ۱۶- ابن کثیر، ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، ۶۴۲/۲، میر محمد، کتب خانہ ،کراچی س۔ن ،جوھری طنطاوی، الجواھر فی تفسیر القرآن، ۱۸۷/۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ ...... ۱۷- علامہ عینی، عمدۃ القاری، کتاب الشھادات، باب الشھداء والعدول ، ۲۸۳/۱۳، مکتبہ رشیدیہ، سرکلر روڈ، کوئٹہ، س۔ن ...... ۱۸- رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، ۱۰۵/۲۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ ...... ۱۹- Paul Edwards, The Encyclopedia of Philsoophy - 4/298, Collier Macmillian, London, N.D ...... ۲۰- The Encyclopedia Americana, 6/263,

Marfat.com

Americana Corporation, New York, 1961. ...... ۲۱- فیروز اللغات، ۲۶، فیروز سنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء
۲۲- ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ۸۴، (مترجم عبدالمجید صدیقی)، المیزان ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۵ء ......
۲۳- ایضاً، ۸۵...... ۲۴- لیاقت علی نیازی، ڈاکٹر، اسلام کا انتظامی قانون، ۴۰۱، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، س-ن ...... ۲۵- مودودی، مولانا، اسلام اور عدل اجتماعی، ۱۹، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) لاہور ۲۰۱۰ء...... ۲۶- سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ۹۷ (مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) اسلامک پبلی کیشنز، پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور ۱۹۴۹ء ...... ۲۷- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضیلۃ عمل الدائم۔۔۔حدیث نمبر ۲۱۸، مکتبہ دارالسلام للنشر و التوزیع، ریاض، ۲۰۰۰ء ...... ۲۸- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب اقراء و القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم، حدیث نمبر ۵۰۶۰، دارالسلام للنشر وا التوزیع، ۱۹۹۹ء ......
۲۹- ایضاً، ابواب التقصیر، باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء، حدیث نمبر ۱۱۰۷...... ۳۰- ایضاً، کتاب بداء الاذان، بان اذا حضر الطعام و اقیمت الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۷۲...... ۳۱- مسلم، الجامع الصحیح کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضیلۃ العمل الدائم، حدیث نمبر ۲۲۱...... ۳۲- بخاری، الجامع الصحیح کتاب الایمان، باب الدین یسیر، حدیث نمبر ۳۹...... ۳۳- البقرۃ، ۲/۴۴...... ۳۴- بخاری، الجامع الصحیح کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نبر ۵۰۶۳...... ۳۵- ایضاً، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ و اتینا داؤد زبورا، حدیث نمبر ۳۴۱۸...... ۳۶- ایضاً، کتب التہجد، باب۔۔۔حدیث نمبر ۱۱۵۳...... ۳۷- ایضاً، کتاب الھبۃ وفضلھا۔۔۔باب الھبۃ للولد، حدیث نمبر ۲۵۸۶...... ۳۸- نسائی، السنن، کتاب النحل، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین، حدیث نمبر ۳۷۱۶، مکتبہ دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء ...... ۳۹- ابی داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، حدیث نمبر ۲۱۳۴، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹؛ الترمذی، الجامع، کتاب النکاح، باب ما جاء فی التسویۃ بین الضرائر، حدیث نمبر ۱۱۴۰، مکتبہ دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب القسمۃ بین النساء، حدیث نمبر ۱۹۷۱، مکتبہ دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء...... ۴۰- الفرقان، ۲۵/۶۷...... ۴۱- الترمذی، الجامع، ابواب البوع، باب ماجاء فی الا حتکار، حدیث نمبر ۱۲۶۷...... ۴۲- ابن ماجہ، السنن، ابواب الرھون، باب اجرا الاجراء، حدیث نمبر ۲۴۴۳...... ۴۳- البقرۃ ۲/۲۶۷...... ۴۴- المائدۃ، ۵/۷...... ۴۵- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاطعمۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: کلوا من طیبات ما رزقنکم، حدیث نمبر ۵۳۷۳...... ۴۶- ایضاً، کتب المغازی والسیر، باب بعث النبی ﷺ خالد بن ولید الی بن جذیمۃ، حدیث نمبر ۴۳۳۹...... ۴۷- النحل ۱۶/۱۲۶...... ۴۸- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدیات، باب اثم من قتل ذمیا بغیر دم، حدیث نمبر 1915ء...... ۴۹- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب قطع السارق۔۔۔حدیث نمبر ۴۴۱۱...... ۵۰- الانعام ۶/۱۰۸......
۵۱- صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ۲۵۸-۲۶۴، المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ، لاہور، س-ن ...... ۵۲- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر ۱۲۱۸...... ۵۳- سعد بن اسعد، اسلام میں عدل، ۹، ادب اسلامی پبلی کیشنز، منصورہ، لاہور س-ن ......
۵۴- خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ۳۰۳، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اُردو بازار، لاہور۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

نصرت عقیل۔لاہور

عدل کے لغوی معنی

عدل کا مادہ ع - د-ل ہے۔ اس مادے میں برابری اور مساوات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ عدل مختلف معنوں میں پایا جاتا ہے مثلاً: خلیل بن احمد لکھتے ہیں کہ عد؛ جانور کی پیٹھ پر لادے ہوئے وزن کو کہتے ہیں جو دونوں طرف سے برابر ہوتا ہے۔

والعِدْلُ أحدُ حِمْلَی الجَمَل لا يُقالُ إلاَّ لِلحمل وسمّی عِدلاً لأنّه يُسَوّی بالآخر بالكيل والوزن(۱)

اس کے معنی امر متوسط و معتدل کے بھی ہیں: هُوَ الأَمْرُ الْمُتَوَسِّطُ بين الإفْرَاطِ والتَّفْرِيطِ(۲)

ابن منظور اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں:

العَدْلُ: مَا قَامَ فِي النُّفُوسِ أَنّه مُسْتقيم، وَهُوَ ضِدُّ الجَوْر(۳)

(جو بات نفوس کو سیدھی محسوس ہو اور یہ ظلم کی ضد ہے)۔

ابو البقاء الحسینی نے عدل کو ظلم کی ضد کہا ہے۔(۴)۔

اسی طرح عدل کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغب الاصفہانیؒ رقمطراز ہیں:

عدل: العدالة والمعادلة لفظ يقتضي معنى المساواة ويستعمل باعتبار المضايفة والعدل يتقاربان، لكن العدل يستعمل فيما يدرك بالبصيرة كالاحكام، وعلى ذلك قوله (أو عدل ذلك صياما) والعدل والعديل فيما يدرك بالحاسة كالموز ونات والمعدودات والملكيات، فالعدل هو السقيط على سواء، وعلى هذا روى بالعدل قامت السموات والارض تنبيها أنه لو كان من الاركان الاربعة في العالم زائدا على الاخر أو ناقصا عنه على كل مقتضى الحكمة لم يكن العالم منتظما(۵)۔

Marfat.com

اصطلاحی مفہوم

علامہ عینی رقمطراز ہیں: وَالْعَدْلُ من ظهر مِنْهُ الْخَيْر (٦)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

أَمَّا الْعَدْلُ فَهُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْأَمْرِ الْمُتَوَسِّطِ بَيْنَ طَرَفَيِ الْإِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيطِ، وَذَلِكَ أَمْرٌ وَاجِبُ الرِّعَايَةِ فِي جميع (٧)

مجلۃ الاحکام العدلیہ کی ایک شق کے تحت عدل وہ ہے جس میں خیر کے رجحانات شر کے رجحانات پر غالب ہوں۔ "عدل ظلم کی ضد ہے اور لغوی اعتبار سے معاملات میں میانہ روی ہے اور یہ میانہ روی افراط و تفریط کے مابین ہے اور اسی طرح لوگوں کے درمیان عدل کرنا، فقہاء کی اصلاح میں عدل سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کی اچھائیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں (٨)۔

اسی ضمن میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

جو شخص "اسلام میں عدل ہے" کہتا ہے وہ حقیقت سے کم تر بات کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے (٩)۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی عدل کی بحث میں اس کے لیے "جماعتی عدل" کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

جماعتی عدل میں عادل جماعت وہ ہے جس کے نظم و قوانین اس قدر سہل الوصول اور آسان ہوں جو اس کے تمام افراد کے لیے ان کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں ترقی کا باعث بنتے ہوں۔ جماعتی عدل میں جماعت کے ہر فرد سے مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ جماعتی عدل کو قائم رکھنے میں اپنا فرض ادا کرے اور ثبوت عدل کے لیے جن اعمال کی ضرورت ہے اپنی طاقت پر ان کو انجام دے (١٠)۔

سیّد قطب شہید "عدل اجتماعی" کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عدل اجتماعی کا اسلامی تصور محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر و وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں، وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے (١١)۔

ان تعریفات و مفہوم سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ عدل اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ایسے متوازن نظام کا کو کہتے ہیں جس کا قیام و استحکام فکری اور عملی لحاظ سے معاشرے کے ہر فرد اور کلی طور پر تمام معاشرے پر لاگو ہوتا ہے اسی پر تمام معاشرے کی نمو و ترقی کا انحصار ہے۔

Marfat.com

اسلام اور تصور عدل اجتماعی:

عدل کی ضرورت تو ہر جگہ ہوتی ہے انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی، لیکن عدل اجتماعی معاشرے کی ایک اہم ضرورت ہے۔ معاشرہ اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ عدل کے وسیع مفہوم میں حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں آتے ہیں۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی عدل اجتماعی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> جو لوگ "اسلام میں بھی عدالت اجتماعیہ موجود ہے" کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ بالکل غلط بات کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہا اسلام میں ہی عدالت اجتماعیہ ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے جو رب کائنات اور خالق کائنات نے انسان کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا ہے۔ اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کیلئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، انسانوں کے خالق رب ہی کا کام ہے۔ دوسرا کوئی نہ اس کا مزاج ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے، اور نہ دوسرے کسی میں اس کی اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔

دنیا کے معاشرتی نظام چلانے اور انسانوں کو مہذب بنانے کے لئے قوانین کی ضرورت پڑتی ہے۔ قوانین کا بنا دینا اور لاگو کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک کامیاب ملک اور معاشرے کو چلانے کے لیئے ضروری ہے کہ قوانین پر سختی سے عمل درآمد ہو۔ امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے، توازن اور معتدل زندگی گزارنے کے لیے نظام عدل کا قیام انتہائی ناگزیر ہے۔عدل چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی جگہ پر، ہر جگہ اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے۔کسی بھی ملک یا معاشرے سے عدل کو ختم کر دیا جائے تو اس کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے اور وہ معاشرہ اندرونی بدامنی اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

دنیا میں لوگوں نے انصاف کو قائم کرنے کے لیے مختلف نظام ہائے عدالت اور قوانین کو وضع کیا لیکن ہر قانون میں کسی نہ کسی طرح رواداری، یکطرفہ معاملہ اور مجرم کے نکلنے کے راستے موجود ہیں جبکہ اسلامی نظام عدالت میں امیر و غریب، بادشاہ و فقیر، عام و خاص، حاکم و رعایا غرضیکہ ہر فرد قانونی اعتبار سے برابر ہے اور اس پر قانون کے لاگو ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی اور تاریخ اسلام میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں اور ان میں سے انتہائی مشہور ترین واقعہ جب قریش خاندان کی عورت فاطمہ نامی عورت نے چوری کی تو اسامہ بن زید نے لوگوں کے کہنے پر اس کی سفارش کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها (اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں (محمد) اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا)۔

اسلام تو ساری دنیا میں عدالت کو پھیلانے کے لئے آیا ہے۔ وہ اجتماعی عدالت اور بین المللی عدالت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اگر مسلمانوں کا بھی کوئی گروہ حق و عدالت کی راہ سے منحرف ہو جائے تو اسلام نہ صرف یہ کہ اس کو برے کام سے روکتا ہے بلکہ جنگ و مبارزہ کے لئے اس کی سرکوبی کے لئے تیار ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کر لیں تو ان کے درمیان صلح و آشتی کراؤ اور اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو زیادتی کرنے والے سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا

Marfat.com

کے حکم کا پابند ہو جائے۔ اگر حکم خدا کا پابند ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح و آشتی کراؤ یقیناً خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اصلاح کرانے والوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ دونوں فریقوں میں عدالت و انصاف سے کام لیا جائے تاکہ ہر شخص کو اس کا حق مل جائے کیونکہ جن دو گروہوں کے درمیان تعدی و تجاوز کی وجہ سے جنگ شروع ہوئی ہو، اگر ان کے درمیان طرف داری سے کام کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ ظلم کرنے والوں کو تقویت پہنچ جائے۔

معاف کر دینا یقیناً ایک اچھا و مستحسن اقدام ہے لیکن اس قسم کے مواقع پر معاف کر دینے کا مطلب تجاوز کرنے والے کو چھوٹ دے دینا ہے اور اس کی ہمت افزائی کرنی ہے حالانکہ اسلام معاشرے سے جبر و ظلم کو ختم کرنا چاہتا ہے اور لوگوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ظلماً و جبراً کوئی چیز حاصل نہیں کی جاسکتی۔

مفتوح قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا انسانی رویہ اور جواں مردانہ اقدام سبب بن گیا کہ عموماً یہ لوگ مسلمانوں کے ہمدرد ہو گئے اور مسلمانوں کے لئے رائے عامہ ہموار ہو گئی۔ ان کے رویہ نے لوگوں کا دل جیت لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حمص والوں نے ہر قل کے لشکر پر شہر کا دروازہ بند کر دیا تھا لیکن مسلمانوں کے لشکر کے پاس ان لوگوں نے خود پیغام بھیجا کہ ہمارے لئے رومیوں (اپنوں) کا ظلم و ستم گوارہ نہیں ہے لیکن آپ لوگوں اجنبیوں کا عدل و انصاف پسندیدہ ہے۔ آپ حضرات تشریف لائیے اور ان کے لئے شہر کا دروازہ کھول دیا۔

اسلام عدل کی پر زور حمایت کرتا ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل پر زور دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۲)

جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا گیا:

﴿فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (۱۳)

تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

عدل اور عدل اجتماعی کی ضرورت و اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

خداوند عالم پر ایمان لانے والوں کے نزدیک عدل الٰہی ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ تمام آسمانی ادیان، ہر عقل سلیم اور علمی منطق مکمل طریقہ سے عدل الٰہی کا اقرار کرتے ہیں۔ لہٰذا صرف عدل الٰہی ان عقائد میں سے نہیں ہے جس کی تصحیح کے لئے یہ خاص بحث کی جائے یعنی عدل الٰہی پر کوئی دلیل قائم کرنے یا اس سلسلہ میں ہوئی قیل و قال اور شبہات کے جوابات کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک واضح بحث ہے، جس کے لئے کسی وضاحت اور استدلال کی بھی

Marfat.com

ضرورت نہیں کیونکہ توضیح واضحات اور مسلمات پر استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

عدل کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ قرآن پاک میں عدل کے بارے میں ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ﴾(۱۴)

"بے شک خداوند عالم انصاف اور (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے اور احسان کا حکم کرتا ہے"۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾(۱۵)

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں۔

﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (اور تمہارا پروردگار تو بندوں پر (کبھی) ظلم کرنے والا نہیں ہے)۔

اس طرح عدل اجتماعی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(۱۶)

اے ایمان والوں اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

انفرادی سطح پر بھی عدل کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْىُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾(۱۷)

اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾(۱۸)۔

اللہ انسانوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا ہے بلکہ انسان خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ ہے۔ ابو ھریرۃؓ سے روایت ہے:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ(۱۹)۔

اسی طرح سید عبداللہ بن العاص سے روایت ہے:

إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ

Marfat.com

يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ (۲۰)۔

انصاف نہ کرنے والوں کیلئے وعید

﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۔إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(۲۱)۔

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اسکے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہو گا۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی کی ضرورت واہمیت:

اسلام میں عدل اجتماعی یا سماجی انصاف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآن حکیم کی عمومی تعلیمات کے جائزہ سے تو بخوبی ہوتا ہے جو ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور امت مسلمہ کے فرائض منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ ایمان باللہ اور معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ہیں۔ امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مبنی جو حدیث بیان کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک بلند نام "العدل" یعنی مجسم انصاف اور سراپا عدل بھی ہے(۲۲)۔

عدل وانصاف پر مبنی احادیث کا جائزہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ایسے کام کا حکم فرماتے تھے جس سے اجتماعی عدل قائم ہو، فروغ پائے اور ہر ایسے کام کی حوصلہ شکنی فرماتے تھے جس سے عدلِ اجتماعی پر ذرا بھی زد آئے یا معاشرے میں فساد وبگاڑ کا معمولی سا اندیشہ بھی ہو۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَنْ أَعْتَقَ شَقِيصًا مِنْ مَمْلُوكِهِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ فِي مَالِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ الْمَمْلُوكُ قِيمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ اسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ(۲۳)۔

جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مال سے غلام کو پوری آزادی دلا دے۔ لیکن اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے تو انصاف کے ساتھ غلام کی قیمت لگائی جائے۔ پھر غلام سے کہا جائے کہ (اپنی آزادی کی) کوشش میں وہ باقی حصہ کی قیمت خود کما کر ادا کرلے۔ لیکن غلام پر اس کے لیے کوئی دباو نہ ڈالا جائے۔

مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي مَمْلُوكٍ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُعْتِقَ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ قَدْرَ ثَمَنِهِ يُقَامُ قِيمَةَ عَدْلٍ وَيُعْطَى شُرَكَاؤُهُ حِصَّتَهُمْ وَيُخَلَّى سَبِيلُ الْمُعْتَقِ(۲۴)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ساجھے کے غلام کا اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر غلام کی انصاف کے موافق قیمت کے برابر اس کے پاس مال ہو تو وہ سارا غلام آزاد کرا دے۔ اس طرح دوسرے ساجھیوں کو ان

Marfat.com

کے حصے کی قیمت ادا کر دی جائے اور اس آزاد کیے ہوئے غلام کا پیچھا چھوڑ دیا جائے۔

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ(۲۵)۔

تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچائے۔

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى (۲۶)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے، تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔ ایسا کہ نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سنتِ نبویہ ﷺ سے عدلِ اجتماعی کے فروغ کی کئی صورتیں ملتی ہیں۔ حاکم وقت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر عدل کے قیام کا اہتمام فرمایا۔ ہر فرد جس قدر اختیار و قوت کا مالک ہے وہ اپنی زندگی کے ہر ہر پہلو میں عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنائے اس سے پورا معاشرہ صفتِ عدل سے متصف ہوگا، فرمانِ نبوی ﷺ ہے

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا(۲۷)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انصاف کرنے والے رحمن کے دائیں جانب اور اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی رعایا اور اہل وعیال میں عدل وانصاف کرتے ہونگے۔

یعنی محض حکومتی سطح پر نہیں بلکہ خاندانی و معاشرتی حتیٰ کہ انفرادی طور پر ہر فرد کا عدل و انصاف کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ جب ایک فرد یہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ انصاف ہو تو اسے یہ لازم ہے کہ وہ معاشرے میں نفاذ وقیامِ عدل میں اپنا کردار ادا کرے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ قَالَ تَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ قَالَ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ وَتُمِيطُ الْأَذَى

Marfat.com

عَنْ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ (۲۸)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے ہر آدمی کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے فرمایا دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے آدمی کو اس کی سواری پر سوار کرنا یا اس کا سامان اٹھانا یا اس کے سامان کو سواری سے اتارنا صدقہ ہے اور پاکیزہ بات کرنا صدقہ ہے اور نماز کی طرف چل کر جانے میں ہر قدم صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

اسلام کا قانون عدل اور چند مثالیں:

اسلام کے قانون عدل میں یہ بات بھی داخل ہے کہ سربراہ حکومت، گورنروں، وزراء، اعلیٰ حکام اور عامۃ الناس سب کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت ہے۔ کسی کے لیے کوئی قانونی امتیاز نہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا قانون کی گرفت سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ قریش کے معزز گھرانے کی فاطمہ نامی ایک خاتون پر چوری کا جرم ثابت ہو گیا اور اس گھرانے نے اپنی خاندانی وجاہت و مرتبہ کے پیش نظر اس معاملے میں محبوب رسول حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر بھیجا تو پیغمبر اسلام ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا! تو اللہ کی حدود کے معاملے میں سفارش کرتا ہے تم سے پہلے بہت سی قومیں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دی جاتی اور اگر کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کر جاتے لیکن میرے ہاں ایسا نہیں ہو گا۔ پھر زوردار الفاظ میں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (۲۹)۔

اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے۔ اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔

علامہ ابن قیم نے "الشریعۃ مبنیۃ علی مصالح العباد" (شریعت کی بنیاد ہی بندگان خدا کی مصلحت پر رکھی گئی ہے) کی ذیلی سرخی کے تحت شریعت اسلامیہ کی مادی و معنوی برکات کا شمار کرتے ہوئے اس کے "سراپا عدل" ہونے کے بارے میں کہا ہے:

فان الشریعۃ مبناھا واساسھا علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد، وھی عدل کلھا، ورحمۃ کلھا و مصالح کلھا، وحکمۃ کلھا فکل مسألۃ خرجت عن العدل الی الجور وعن الرحمۃ الی ضدھا وعن المصلحۃ الی المفسدۃ وعن الحکمۃ الی العبث فلیست من الشریعۃ وان ادخلت فیھا بالتاویل، فالشریعۃ عدل اللہ بین عبادہ ورحمتہ بین خلقہ وظلہ فی ارضہ وحکمتہ الدالۃ علیہ وعلی صدق رسولہ ﷺ اتم دلالۃ واصدقھا (۳۰)۔

بے شک شریعت کی بنیاد اور اس کی اساس دنیا و آخرت میں حکمتوں اور بندگان خدا کی مصلحتوں پر رکھی گئی

Marfat.com

ہے۔ وہ سراپا عدل اور رحمت کلی ہے۔ وہ کل کی کل مصلحتوں اور حکمت پر مبنی ہے۔ پس ہر وہ مسئلہ جو عدل کی بجائے ظلم، رحمت کی بجائے زحمت، مصلحت کی جگہ فساد اور حکمت کی بجائے فضول چیز کی طرف جاتا ہو وہ شریعت نہیں اگرچہ تاویل کے ذریعے اسے شریعت میں داخل کر لیا گیا ہو۔ شریعت اللہ کا عدل ہے اس کے بندوں کے درمیان اور اس کی رحمت ہے اس کی مخلوق کے درمیان اور اس کا سایہ رحمت ہے اس کی زمین پر اور اس کی حکمت ہے جو اس کی ذات پر اور اس کے رسول ﷺ کی سچائی پر مکمل ترین اور سچی دلالت کرنے والی ہے۔

عدل وانصاف کے معاملے میں اسلامی ریاست کے خلفاء اور قاضیوں نے جو مثالیں قائم کی ہیں۔ ان کی نظیر دنیا کے کسی مذہب، قانون اور آئین میں نہیں پائی جاتی۔ جس کی تفصیل ایک الگ مستقل کتاب کی متقاضی ہے۔ تاہم یہاں ایک دو واقعات و نظائر کی طرف اشارہ کرنا بے جانہ ہو گا۔

۱) ایک بار حضرت عمرؓ بیٹھے حضرت علیؓ سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک یہودی آیا اور بولا کہ وہ (حضرت) علیؓ پر دعویٰ کرنے آیا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے یہ سن کر حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ابوالحسن ! سامنے کھڑے ہو کر جواب دو۔ حضرت علیؓ اٹھے تو ان کے چہرہ پر بل تھا۔ دعویٰ سنا گیا، مدعی جھوٹا ثابت ہوا، وہ چلا گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا: جب ان کو کھڑے ہو کر جواب دینے کو کہا گیا تو وہ چیں بہ جبیں تھے۔ کیا وہ یہودی کے برابر کھڑے ہو کر جواب دینا پسند نہیں کرتے تھے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: یہودی کے برابر کھڑے ہونے میں چیں بہ جبیں ہونے کا سوال نہ تھا مگر جب انہیں ابوالحسن کہہ کر کھڑے ہونے کو کہا گیا تو کنیت سے پکارنا نشان عزت ہے، خیال ہوا کہ یہودی یہ نہ سمجھے کہ عدالت کو مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے۔ اسی لیے مدعی کے مقابلہ میں عزت کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے، اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا (۳۱)۔

۲) امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی ایک گمشدہ زرہ ایک یہودی کے ہاتھ میں دیکھ لی جو اسے کوفہ کے بازار میں بیچ رہا تھا۔ آپ نے امیر المؤمنین اور صاحب اقتدار وامتیاز ہونے کے بل بوتے پر اپنی زرہ اس سے چھین نہیں لی۔ بلکہ قاضی کے پاس مقدمہ دائر کیا اور چونکہ وہ مطلوبہ شہادت پیش نہ کر سکے اس لیے قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ دے دیا (۳۲)۔

۳) اسی طرح ابن خلکان کی روایت ہے کہ ایک مقدمہ میں حضرت علیؓ اور ایک ذمی فریقین کی حیثیت سے قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی نے اٹھ کر حضرت علی المرتضیٰؓ کا استقبال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: یہ تمہاری پہلی بے انصافی ہے (۳۳)۔

الغرض اسلام میں عدلیہ کو دی جانے والی طاقت اختیارات اور آزادی اسلامی نظام کے محاسن ومفاخر میں سے ایک ہے۔ لہٰذا اسلام کے منصفانہ عادلانہ اور مبنی بر حق نظام عدالت میں تمام مظلوموں اور زیادتی کے شکار لوگوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا

Marfat.com

نسل سے تعلق رکھتے ہوں، اس بات کی ضمانت حاصل تھی کہ ظالم سے انصاف اور غاصب سے ان کا حق دلایا جائے گا۔ اگرچہ ظالم اپنی تمام ترہیبت و قوت سمیت خود خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ عدل کے حوالے سے اسلام کے مذکورہ نقطہ نظر اور تعلیمات و تصریحات کے باوجود اسلامی دنیا میں کسی ذمی کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہوئی ہے جیسا کہ مغربی مصنفہ Bat ye'or نے اپنی کتاب The Dhimmi کے صفحہ نمبر ۵۷ پر بعض واقعات کی نشاندہی کی ہے تو اس کے بارے یہی کہا جائے گا کہ یہ اس آدمی یا حکومت کا ذاتی اور جذباتی فیصلہ تھا نہ کہ اسلام کی تعلیم۔

خلاصہ بحث

موضوع "عدلِ اجتماعی کا تصور و اہمیت ۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں" دور حاضر کا ایک بہت اہم موضوع ہے جس کا اہم نکات کو مندرجہ ذیل نکات میں بیان کیا جارہا ہے۔

- رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو عفو درگزر، تحمل و بردباری اور رواداری سے عبارت ہے۔ معاہدات نبوی ﷺ سے نبی ﷺ کی سیرت کے وہ تاریخی شاہکار ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی مذہبی رواداری، تحمل و بردباری اور رواداری کا پتہ چلتا ہے۔
- اسلام کا تصور عدلِ اجتماعی برتری، تصورِ آخرت اور عبرت جیسے خصائص کا حامل ہے۔ آج معاشرے سے فرقہ واریت مذہبی، لسانی، گروہی اور علاقائی منافرت کے خاتمہ کے لیے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔
- قرآن و سنت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افراد، خاندان، معاشرہ اور یا پھر حکومت ہو سب اپنے اپنے دائرہ میں عدلِ اجتماعی کے قیام اور اس کو مستحکم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔
- اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی عام حکمرانی کو قائم رکھے اور بغیر کسی تفریق کے معاشی و معاشرتی مساوات کا لحاظ رکھے اور سرکاری سطح پر عدل کے نفاذ کے لیے حکومتی شعبوں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، دار مکتبہ الہلال، ۲/ ۳۹۔ (۲) علامہ زبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس، دار الھدایۃ، ۲۹ / ۴۴۳۔ (۳) ابن منظور، لسان العرب، بیروت، دار صادر، ۱۱ / ۴۳۰، تاج العروس، ۲۹ / ۴۴۳۔ (۴) ابو البقاء الحسینی، کلیات العلوم، ف صل العین، مطبوعۃ عامر، ۱۲۸۷ھ، ص: ۶۴۔ (۵) الاصفہانی، اَبی القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القران، نور محمد کارخانہ بازار کراچی، س۔ن، بذیل مادہ ع د ل۔ (۶) علامہ عینی، عمدۃ القاری، کتاب الشہادات، باب الشہداء والعدل، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳/ ۱۹۹۔ (۷) رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ، ۲۰ / ۲۵۹۔ (۸) علی حیدر، درالحکام شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ، دارالکتب بیروت، ۱۹۹۱ء، مادہ، ۱۵/ ۳۰۵۔ (۹)

Marfat.com

مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا، معاشیات اسلام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۷۹۔ (۱۰) سیوہاروی، حفظ الرحمن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص: ۳۷۶-۳۷۷۔ (۱۱) قطب شہید، سیّد، اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۹۷۔ (۱۲) النساء ۴:۵۹۔ (۱۳) الحجرات ۴۹:۹۔ (۱۴) النحل ۱۶: ۹۰۔ (۱۵) البقرۃ ۲:۴۸۔ (۱۶) المائدۃ ۵:۸۔ (۱۷) الشوریٰ ۴۲:۳۹۔ (۱۸) یونس ۱۰: ۴۴۔ (۱۹) الجامع الصحیح البخاری، دارالسلام للنشر والتوزیع، باب فضل من ترک الفواحش، رقم الحدیث ۶۸۰۶۔ (۲۰) الجامع الصحیح المسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، باب فضیلۃ الامام العادل، وعقوبۃ، رقم الحدیث ۱۸۲۷۔ (۲۱) الشوریٰ ۴۲:۴۲، ۴۱۔ (۲۲) الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ، جامع الترمذی، موسوعۃ الحدیث الشرفی، الکتب الستۃ، دارالسلام للنشر والوزیع، ۲۰۰۸ء، کتاب الدعوات، باب حدیث فی اسماء الحسنیٰ، رقم: ۳۵۰۷۔ (۲۳) الجامع الصحیح البخاری، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمۃ عدل، رقم الحدیث ۲۴۹۲۔ (۲۴) الجامع الصحیح البخاری، باب الشرکۃ فی الرقیق، رقم الحدیث: ۲۵۰۳۔ (۲۵) نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ابواب فی قضاء الحوائج ونحوھا، باب فضل قضاء الحوائج، دار فکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ، رقم الحدیث: ۱۳۷۰۷۔ (۲۶) محمد مسعد یاقوت، نبی الرحمۃ، الزھراء للعلام العربی، الطبعۃ الاولیٰ، القاہرہ، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۱۲۔ (۲۷) مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر، رقم الحدیث ۱۸۲۷۔ (۲۸) مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف، رقم الحدیث ۱۰۰۹۔ (۲۹) مسلم، الجامع الصحیح (کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف الخ)، ۲/۶۴، رقم الحدیث ۴۴۱۱۔ (۳۰) اعلام الموقعین عن رب العالمین، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء، ۳/۱۱۔ (۳۱) قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، اسلامی کتب خانہ لاہور، س۔ن، ۳/۳۶۹۔ (۳۲) دیکھیے: بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین (م۴۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، (کتاب آداب القاضی باب انصاف الخصمین)، دائرۃ المعارف، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۵ھ، ۱۰/۱۳۶؛ ابن عماد الحنبلی ابوالفلاح عبدالحی (م۱۰۸۹ھ)، شذرات الذہب فی اخبار من ذھب، مکتبۃ القدسی ازھر، مصر ۱۳۵۰ھ، ۱/۸۵۔ (۳۳) ملاحظہ ہو: وفیات الاعیان، مکتبہ النہضۃ المصریۃ، قاہرہ، ۱۹۴۸ء، ۲/۱۶۸۔

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر مسز طلعت صدیقی - کراچی

عدل و انصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

موضوع مقالہ سیرت النبیؐ کانفرنس ۲۰۱۳ء ''عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت نہایت اہم اور عصرِ حاضر کے حالات وتقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ آج ہر فرد عدل کا متلاشی ہے۔ عدلِ اجتماعی کے فقدان نے زندگی جیسی رحمت کو زحمت بنا کے رکھ دیا ہے اور نتیجتاً ہر کوئی ہیجان و بے چینی کی کیفیت میں حق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کچھ لوگ خودکشی اور کچھ نشہ اور اشیاء کا سہارا لینے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ پاکستان میں طاغوتی قوتوں نے ایسے گھمبیر مسائل اور فتنے کھڑے کیے ہیں کہ ان پر قابو پانا انتہائی مشکل ہو گیا ہے ان حالات میں عدلِ اجتمائی کی فراہمی کی ہنگامی سطح پر ضرورت ہے۔ سب سے پہلے امت مسلمہ ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ عدل کی اہمیت ضرورت اور اسکے قیام کے فوائد وثمرات کو زورِ قلم سے ملک کے گوشے گوشے میں پہچائیں اور پھر عدلِ اجتمائی کے داعی بن کر پوری دنیا میں عدل والانصاف کا دوردورہ کریں۔ مقالہ لکھنے کیلئے صفحات کی شرط مدِ نظر ہے جبکہ حضرت محمدؐ کے عدلِ وانصاف کا دائرہ انتہائی وسیع عریج ہے اور تاریخی اوراق عدلِ حبیبؐ کے ان گنت واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ پندرہ، بیس صفحات میں ان کا استحصاد ممکن نہیں ہے پھر بھی مقررہ کردہ صفحات میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کی بھرپور سعی وجدوجہد کرونگی۔

آجکل روزوشب جو واقعات پیش آرہے ہیں۔ خاص طور پر میرے اپنے شہر کراچی میں ہونے والے واقعات نے تو کلیجہ بھی چھلنی کر کے رکھ دیا ہے۔ ان حالات کا پیش خیمہ عدل وانصاف کا فقدان اور حق تلفی ہیں۔ عدل کا نہ ملنا بھی ایک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ ظلم کسی بھی معاشرے کیلئے سمِ قاتل ہے۔ اس کے علاوہ صوبائی، علاقائی، لسانی، مذہبی وفرقہ وارانہ تعصب، پانی وبجلی کی فراہمی پر جھگڑا، اور شیعہ وسنی فساد ہمارے سلگتے ہوئے مسائل ہیں۔ ان خطرناک مسائل نے میرے روشنیوں کے شہر کراچی کو بیروت بنا کر رکھ دیا ہے۔ کوئی بھی شخص، کسی بھی لمحے اور کسی بھی جگہ پر اپنی جان کے ساتھ محنت سے کمائی ہوئی رقم بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ یہ تمام مشکلات ومسائل صرف اور صرف ناانصافیوں کی پیداوار ہیں۔ ایسے میں عدلِ اجتماعی قیام ونفاذ کے ذریعے ان حالات واقعات پر قابو پانے میں مددمل سکتی ہے، لیکن اجتماعی عدل کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اسے قیام وبقا نصیب ہوسکتی ہے جب تک اس کی پشت پر اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس واستحقاق کا گہرا شعور موجود نہ ہو۔

معانی ومفاہیم عدل!

عدل کے لغوی معنی برابر کرنے یعنی کسی چیز کو متوازن کرنے کے ہیں شرعی اصطلاح میں عدل سے مراد حق دار کو اس

Marfat.com

کا پورا پورا حق دینا ہے اور کسی ایک چیز کے برابر کوئی دوسری چیز بھی ''عدل'' کہلائے گی۔اردو زبان سے اس کے مفہوم کو لفظ ''انصاف'' سے ادا کیا جاتا ہے۔معنویت کے اعتبار سے لفظ ''عدل'' بہت وسیع لفظ ہے۔عدل کے قرآنی واصطلاحی معنی حسب ذیل ہے:

۱۔ اللہ کے ساتھ عدل
۲۔ اپنے نفس کے ساتھ عدل
۳۔ منصب رسالت کے ساتھ عدل
۴۔ اپنے اور اللہ کے درمیان حقوق اللہ میں عدل
۵۔ اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل
۶۔ دو فریقوں درمیان میں عدل
۷۔ ذیاتی معاملات میں عدل
۸۔ معاشرتی معاملات میں عدل
۹۔ معاشی معاملات میں عدل
۱۰۔ سیاسی معاملات میں افراط وتفریط سے عدل

ابن عربی کا خیال ہے کہ عدل کے حقیقی معنی برابری کرنے کے ہیں۔لیکن برابری کا عمل تمام حالات میں یکساں نہیں ہوگا۔ بلکہ نسبتوں کی تبدیلی کے ساتھ اس کا تصور بھی بدلتا جائے گا یہی وجہ ہے کہ مختلف زمانوں میں ''عدل'' کے مفہوم میں مختلف تبدیلیاں آتی رہیں۔شروع شروع میں ''عدل'' کا مفہوم حرمتِ جاں تک محدود تھا۔ جب قابیل نے ھابیل پر ہاتھ اٹھایا تو اس وقت پہلی بار انسانی زندگی کے تحفظ اور بے جا اتلاف کے تدارک کیلئے ''عدل'' کی ضرورت پیش آئی تھی تاکہ اس سلسلے کو روکا جاسکے۔حضرت موسیٰؑ کے عہد تک عدل کے مفہوم میں تھوڑی بت وسعت پیدا ہوئی۔میکن سرور کائنات کے عہد زری میں عدل کے مفہوم نے ایک اونچی اور اتنی لمبی جست لگائی کہ اس کی روشنی سیاسی،سماجی، معاشرتی اور اقتصادی میدانوں کی لامحدود وسعتوں میں بھی نظر آنے لگی۔اس طرح اسلام نے وہ تمام راستے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کردیے جہاں ناانصافی اور حق تلفی ہونے کا ذرا سا بھی احتمال تھا۔

مندرجہ بالا دلائل سے عدل کامفوم ومقصد واضح ہوکر سامنے آگیا ہے یعنی ہر عدل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظِ نفس پر اور اللہ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات کی تکمیل پر مقدم سمجھے۔تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی و ہمدردی کا معاملہ کرے۔مفہوم کے اعتبار سے معاشرتی سطح پر ایک انسان کیلئے تمام اعمال واخلاقِ حسنہ کی پاسداری اور برے اعمال واخلاق سے بچنے کے معنی مکمل طور پر عدل میں شامل ہو گئے ہیں۔لیکن اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اتنا ہی بدلہ لے سکتا ہے جتنا اس پر ظلم ہوا۔ کیونکہ یہ بھی عین عدل ہے۔ جب کہ بدلہ تو ازن وتناسب کے ساتھ لیا گیا ہو۔اس طرح عدل کے مفہوم واصطلاح میں عقیدے کا اعتدال،عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب کے سب شامل ہے۔

عدل کی اقسام اور اہم بنیادیں!

عدل کی دو اقسام ہیں: ۱۔ انفرادی عدل ۲۔ اجتماعی عدل

۱۔ **انفرادی عدل** کسی شخص کا میانہ روی اختیار کرنا اپنے نفس سے اعتدال کے ساتھ کام لینا،نفسانی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر احکام الٰہی کی پیروی کرنا ہے۔یعنی اپنی ذات کو سزا سے بچا کر جزا کی طرف لے جانا ہے۔

۲۔ **اجتماعی عدل** سے مراد وہ عدل ہے جو زندگی کے مختلف شعبوں میں مجموعی طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ زندگی کے تمام

Marfat.com

مظاہر اور سرگرمیاں اس کے دائرہ میں شامل ہیں عدلِ اجتماعی فکر، عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے یعنی اسلام کا اصل مشن ہی عدلِ اجتماعی کا قیام ہے۔ یہ حقیقت مکمل طور پر واضع ہو چکی ہے انفرادی و اجتماعی معاملات میں افراط و تفریط سے بچ کر راہِ اعتدال پر قائم رہنا عدل ہے۔ اسلام میں عدلِ اجتماعی حیات انسانی کے تمام پہلوؤں اور تمام شعبہ جات پر حاوی ہے۔ یوں عدلِ اجتماعی ہر انسان کی زندگی پر مکمل احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس میں خاص خاص شعبہ جات اور اس کے اہم ترین پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ معاشرتی عدل	۲۔ معاشی عدل	۳۔ عائلی عدل
۴۔ سیاسی عدل	۵۔ اعتقادی عدل	۶۔ قانونی عدل

ا۔ معاشرتی عدل سے مراد معاشرے کے ہر شعبے ہر طبقے اور ہر فرد کو رنگ و نسل، علاقائیت، لسانی عصبیت اور ذات پات کے فرق سے بالا تر ہو کر عدل کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں سب کا حق برابر کا ہو۔ تعلیم و تربیت کے دروازے امیر و غریب، مرد و عورت اور معذوری کے فرق سے بالا تا ہو کر سب کے لئے کھلے ہوں۔ معاشرے میں نسبتاً پسماندہ اور دبے ہوئے افراد کے ساتھ یکساں سلوک اور سب کیلئے آگے بڑھنے و اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا ایک موقع دینا ہی عدل ہے۔ معاشرتی حقوق میں پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے احقوق، یتیموں کے حقوق، مسکینوں کے حقوق، بوڑھوں کے حقوق وغیرہ شامل ہیں۔ معاشرتی زندگی میں عدل نہ ہو تو زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں معاشرتی عدل و انصاف کے سلسلے میں بار بار اور سختی سے تاکید آئی ہے۔ اِرشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

ا۔ یتیموں کے معاملات میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔ (۱)

۲۔ اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو۔ (۲)

۳۔ اگر تمہیں خدشہ ہو کہ ایک سے زیادہ کے درمیان عدل نہ کر پاؤ گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو۔ (۳)

آپ ﷺ نے پرانی تعلیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ ہمیشہ عدل سے کام لیا۔ یہاں تک کہ اگر غیر مسلم بھی فریقین ہوتے تو آپ کی کوشش ہوتی کہ اُن کے درمیان عدل و انصاف کا فیصلہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی تعلق کی بناء پر عدل کے پلڑے کو کسی ایک طرف رکنے نہ دیا اور ہمیشہ سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرتےہوئے جس کا جو حق تھا اُس تک پہنچایا کیونکہ آپ کی نظر میں عدلِ اجتماعی کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا لوگوں سے بہتر سلوک کرو تو وہ تم سے اچھا سلوک کرینگے۔ حضرت محمد ﷺ نے عدل اجتماعی کی بہترین مثالیں اس طرح پیش کی کہ کسی فردِ واحد کا حق بھی باقی نہ رہنے دیا۔ حضور ﷺ کے ارشادات ہیں۔

ا۔ جو قرابت دار کا حق ادا نہ کرے گا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (۴)

۲۔ قرابت داروں کا حق ادا کرو اس سے جنت حاصل ہوگی۔ (۵)

۳۔ تقویٰ کا بلند مقام یہ ہے کہ جو تمہیں کاٹے تم اُس سے جُڑنے کی کوشش کرو۔ (۶)

حضور ﷺ کے عدل و انصاف کا دائرہ انتہائی وسیع ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کے فرق و امتیاز کو بھی روا نہیں رکھا گیا۔ لیکن بالخصوص والدین، عزیز و اقارب، مساکین و یتامیٰ، بیواؤں اور غلاموں کے ساتھ عدل و انصاف کے واقعات سے

Marfat.com

سیرت طیبہ کے اور اوراق بھرے پڑے ہیں یہ اتنے زیادہ ہیں کہ اُس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ساری عمر عدل و انصاف کو مقدم رکھا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے۔ چناچہ جن لوگوں نے جمالِ نبوی ﷺ سے مشرف ہونے کا اعزاز حاصل کیا اُن پر حضور ﷺ کے عدل و انصاف جیسے اوصاف کا رنگ غالب رہا۔

۲۔ معاشی عدل سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو جائز ذرائع سے حصول معاش ک یکساں مواقع فراہم ہوں۔ اور ہر کوئی اپنی صلاحیت کے مطابق فائدہ اٹھا سکے۔ اسلام چونکہ ہر شعبے میں ہر انسان کیلئے عدل کا داعی ہے۔ اسلئے انسانی زندگی کے سب سے اہم شعبہ معیشت کے قیام کے لئے چار اہم قسم کی ہدایات اور تعلیمات پیش کرتا ہے:

۱۔ فرد کے لئے تعلیماتِ عدل۔ ۲۔ معاشرے کیلئے تعلیماتِ عدل۔

۳۔ ملک وقوم کیلئے تعلیماتِ عدل۔ ۴۔ بین الاقوامی معاشی عدل کیلئے تعلیمات۔

فرد کا ریاست کے ساتھ معاشی عدل! اسلامی ریاست کو زکوۃ کے ساتھ ساتھ اور دیگر ٹیکس عوام سے وصول کرنے کا حق ہے۔ ان ٹیکسوں کی ادائیگی ہر مسلمان شہری پر فرض ہے۔ معاشرے کا ہر فرد حصولِ آخرت مخلوقِ خدا کے ساتھ احسان اور ملک میں دولت کے ذریعے فساد نہ پھیلانے کی ذمہ داری قرآن کے قانون سے معیشت کا حق رکھتا ہے (۷)۔ اگر کوئی ریاستی حق ادا نہیں کرے گا تو ان میں سے کوئی بھی ریاست سے کوئی معاشی مقصد حاصل نہ کر سکے گا محتاجوں کو پہنچنے والی امداد رُک جائے گی۔ معاشرہ میں عدل صرف اس صورت میں قائم رہے گا کہ کوئی اپنا فرض ادا کرے۔ غریب اور محتاجوں کا خیال اغنیاء کی ذمے داری ہے۔ پہلی ذمہ داری اس صورت میں کہ ان پر جو ٹیکس جس تعداد میں لازم ہیں ان کو وقت مقررہ پر ادا کریں۔ اس کی عدم عدائیگی سخت ظلم اور گناہ ہے۔

اسلامی ریاست کا فرد کے ساتھ معاشی عدل:

۱۔ معاشی برعنوانیوں کا خاتمہ۔ ۲۔ االستحصال کی تمام صورتیں فوری ختم کرے۔ ۳۔ محنت و سرمائے کی چپلقش کو شرعی قوانین کے ذریعے مٹانا۔ ۴۔ دولت و ذرائع پیداوار کی منصفانہ تقسیم کرے۔ ۵۔ محتاجوں کی حفاظت کرے۔ ۶۔ روزگار کے اہل افراد کو روزگار مہیا کرے۔

معاشی عدل کیلئے بین الاقوامی سطح پر ان تجاویز پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اور اس عمل کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ معاش کی بنیاد کو انسانیت کی بنیاد پر ہو۔ نہ کہ رنگ ونسل اور سفارش کی بنیاد پر۔ تورات، زبور، انجیر، اور قرآن پاک سب میں عدل کو ایک خاص مقام دیا گیا ہے۔ قرآن نے تو غیر محارب کے ساتھ معاشی احسان کرنے کی اجازت دی اور حضور ﷺ نے کفار مکہ کو کہت میں پانچ سو دینار بھجوائے۔ (۸)

معاشی عدل اور ارشاداتِ نبوی ﷺ!

۱۔ غریبوں کی داد رسی جاری رکھی جائے۔ ۲۔ ہر حاجت مند کی حاجت بقدرِ حیثیت پوری کی جائے۔ ۳۔ قرض اسلام کے اصولوں کے مطابق لیا اور دیا جائے۔ ۴۔ اگر کوئی مالی طور پر مستحکم ہے تو دوسرے کو فائدہ پہچایئے۔ ۵۔ نظامِ معیشت میں باہمی میل جول کو روا رکھے۔ ۶۔ مصارف مستحقین کو تلاش کرنا بھی معاشی عدل ہے۔ ۷۔ ہر فرد کو چاہیئے کہ نہ رشوت دے نہ لے۔ ۸۔

Marfat.com

تمہارے ہاتھ میں دو کام ایسے ہیں جن سے پہلی قومیں حلاق ہوئیں ایک وزن ناناپنا دوسرے کم تول کر دینا۔تم ایسا نہ کرنا۔(۹)

۹۔ مزدور کو اُس کو مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دینا چاہیئے۔(۱۰)

۱۰۔ مال بیچنے والوں کاروبار میں جھوٹی قسم کھانے کا بہت احتمال ہوتا ہے تو تم اپنے مالوں میں سے صدقہ ضرور دیا کرو۔

عائلی عدل سے مراد زوجین کے درمیان عدل۔۔ بیویوں کے درمیان عدل۔۔والدین کے درمیان عدل۔۔ والدین اور اولاد کے درمیان عدل۔۔بیٹا اور بیٹی کے درمیان عدل۔۔اولاد کے درمیان عدل ہے۔۔ عدل کی ابتداء عائلی زندگی سے ہوتی ہے۔ وہ گھر دراصل حقیقت میں جنت کا نمونہ ہوتا ہے جس میں خاوند بیوی بچے اور والدین ایک دوسرے کے باہمی حقوق بہت ایمانداری اور عدل سے ادا کرتے ہیں۔کسی شخص کی ایک سے ذیادہ بیویاں ہوتو ان میں عدل سب سے ضرروری امر ہے ورنہ خاندانی انتشار ان کے لئے بربادی کا سبب ہوگا۔بچوں کے درمیان نا اتفاقی، دشمنی اور والدین سے نفرت و بغض پیدا ہونگے اس لیئے اگر کوء عدل نہیں کرسکتا تو ایک سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا نصف بدن خمیدہ ہوگا" (۱۱)

> " حضرت نعمانؓ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دیا۔ میری ماں نے کہا میں اس پر مطمئن نہیں۔اس پر رسول خدا ﷺ سے گواہی لے لو میرا باپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حقیقت بیان کی۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنی دوسری اولادوں کو بھی ایسا عطیہ دیا ہے تو میرے باپ نے کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اولادوں میں برابر سے عطیہ کرو۔جاؤ کہ یہ ظلم ہے یہ سنتے ہی میرے باپ نے وہ عطیہ واپس لے لیا(۱۲)

اسلامی اجتماعی عدل کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ انسان خود عادل اور حق پرست بن جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عدل کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے بھی سخت محنت اور جدوجہد کرے تاکہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دوسرں کی بھلائی کو بھی ہر لحہ ہر معاملے میں مدِ نظر رکھیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔۔" جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں کشادگی پیدا کرے اور اُس کی زندگی دراز ہوتو اُس کو چاہیئے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے"۔(۱۳)

> " بیوہ کی بہتری کے لئے کوشاں رہنے ولا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد یا روزہ رکھنے والے یا رات بھر نوافل پڑنے والے عابد کی طرح ہے"

۴۔ سیاسی عدل معاشرے کے مختلف عناصر طبقات، قبائل اور گروہوں کے ساتھ انصاف کرنا، ان کے حقوق کو ادا کرنا اور انہیں فرائض کی بجاآوری کے لئے تیار کرنا ہے۔اور عدل و انصاف کی ایسی فضا قائم کرنا جس میں یہ محسوس ہو کہ واقعی انصاف کیا جارہا ہے۔اس طرح شخصی یا گروہی عصیت کو عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

" اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم بے انصافی کرنے لگو! عدل کرو، یہی روح

Marfat.com

تقویٰ سے قریب ترین ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے تمام مخالفین کو معاف کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کا ایک نمایاں ترین پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے اپنی ذات کی خاطر انتقام نہیں لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک موقع پر مسلمانوں کو مصلحت وقت کے تحت اپنے کچھ مفتوحہ علاقے سے واپس آنا پڑا۔ اس موقع پر مسلمانوں نے مفتوحہ علاقے کے کچھ غیر مسلموں سے ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ان سے جزیہ لے رکھا تھا۔ جب مسلمان واپس روانہ ہونے لگے تو مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حکم دیا کہ جزیے کی رقم ان لوگوں کو واپس کر دی جائے کیونکہ اب ہم ان کے تحفظ کی ذمہ داری نبھانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جبکہ جزیہ ہم نے اسی مقصد کے تحت لیا تھا۔ عدل و انصاف اور خدا ترسی کا یہ بے مثال مظاہرہ دیکھ کر وہ مفتوحہ غیر مسلم ورنگ رہ گئے اور بے اختیار دعا کرنے لگے کہ "اللہ تمہیں ہمارے علاقے میں واپس لائے۔ اگر ہمارے ہم مذہب بھی حکمران ہوتے تو وہ رقم لوٹانے کی بجائے ہمارا بچا کھچا مال بھی ہڑپ کر جاتے:" ایک اور موقع پر جب مسلمانوں نے عدل و انصاف کا ایسا ہی مظاہرہ کیا تو یہودی بے اختیار پکار اُٹھے" یہی وہ عدل و انصاف ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں"۔

۵۔ اعتقادی عدل سے مراد ہے کہ درسِ عدل و انصاف کے لئے ہی یہ کائنات بنائی گئی ہے۔ اساسِ عدل توحید ہے، شجرہ عدل نبوت و رسالت ہے اور ثمرہ عدل آخرت ہے اسلامی عدل، مصطفوی اور حسینی عدل ایک ہی ہیں۔ سب کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔ اور انسان کو اس حقیقت پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ ہماری نیت میں عدل سے متعلق جتنی زیادہ سچائی ہوگی ہمارا اعتقاد بھی اُتنا ہی مظبوط ہوگا۔ اور پھر عدل کے معاملے میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے تمام احکامات ہر لمحہ ہمارے دل و دماغ میں موجود رہیں گے۔ جس کا سب سے بڑا فائدہ بنی نوع انسان ہوگا اور جب ہم اعتقادی طور پر عدل کے نزدیک ہونگے تو دوسروں کے ساتھ بھی عدل کریں گے۔

٦۔ قانونی عدل سے مراد یہ ہے کہ حاکم، قاضی یا جج کے سامنے کوئی مظلوم فریاد لے کر آئے تو اسے انصاف مل سکے۔ کسی شخص کی غربت، معاشرے میں کمتر حیثیت انصاف کے حصول میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ یہ بھی نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے جاہ منصب، دولت و ثروت اور اقتدار و اختیار کی وجہ سے انصاف پر اثر انداز ہو سکے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہمیشہ قاضی (Judge) کی حیثیت نمایاں، بااختیار اور ممتاز رہی ہے۔ اور اسے یہ اختیار دی جاتا رہا ہے کہ وہ خلیفہ وقت کو بھی عدالت کے کٹہرے میں طلب کر سکے۔ نسلی، خاندانی اور قبائلی برتری بھی انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیئے۔ مشہور واقعہ ہے کہ جب قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نے چوری کی اور قریش نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں یہ سفارش کی کہ مال دولت لے کر اُسے چھوڑ دیا جائے اور اس پر "حدِ سرقہ" (یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا) نافذ نہ کی جائے کیونکہ اس سے تمام قریش کی ناک کٹ جائے گی۔ اس پر آپ کا چہرہ مبارک غصے سے سُرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا۔۔

"کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے اُمتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ با اثر لوگوں کے

Marfat.com

لئے اللہ کی حدود میں رعایت کر دی جاتی تھی اور غریب لوگوں پر قانون کا نفاذ زور شور سے کیا جاتا تھا"۔

اسلامی عدل کا یہ ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ "میثاق مدینہ" کی رو سے مدینہ منورہ کے یہود اور تمام قبائل نے باہمی تنازعات کے لئے رسول اکرم ﷺ کو حاکم تسلیم کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے پہلے بھی لوگ آپ ﷺ کو آپ کی ایمانداری اور انصاف کی وجہ سے صادق وامین پکارا کرتے تھے۔

عدل بنیادی کے چند اہم بنیادی اصول!

عدل اجتماعی کا اہم نظام مندرجہ ذیل بنیادی اُصولوں پر مبنی ہے۔

۱۔ حقیقی اور مکمل انسانی مساوات
۲۔ انفرادی استحقاق کا گہرا شعور
۳۔ متوازن اور متناسب اجتماعی تکافل باہمی
۴۔ آزادی ضمیر ووجدان
۵۔ بے انصافی اور بدعنوانوں کے اثرات سے گہری آگاہی ہونا۔
۶۔ ٹھوس اور پائیدار قانوان سازی کی تائید وحمایت۔
۷۔ دل و دماغ کا اسلامی تعلیمات کی آجگاہ ہونا
۸۔ غلامانہ روش اور ذہنیت کے خلاف صف آرا ہونا۔
۹۔ بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت
۱۰۔ مصالح عامہ کی رعایت
۱۱۔ افراد کے مفادات ومصالح کو ترجیح دینا۔
۱۲۔ حسن اخلاق کا پائیدار سماجی عمارت کا ایک اہم ستون ہونا۔

اسلام اس امر کو بہت اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کی عزت و ابرو اور ان کے شرف و جاہ کے تحفظ کی ضمانت دی جائے۔ اور ان میں حقیقی خودداری اور عزت نفس پروش پائے تاکہ وہ عدل و انصاف کے قیام کے نگران اور محافظ بن کر رہیں۔ اسلام کا مقصد قانون کے علاوہ ان عوامل کے ذریعے بھی وہ ایک مکمل اور مطلق عدل اجتماعی کے قیام کی کوشش کرے اور اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ انسان کی اصل زندگی اجتماعی زندگی ہے اور ہر فرد کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ ہر فرد کی زندگی سوارنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ مساوات کی بناء پر ہر انسان اپنے حقوق حاصل کر لے گا۔ اور اس میں اپنے حقوق کی حفاظت اور تحفظ کا جذبہ خود بخود سر اُبھارے گا۔ کیونکہ مشکل سے حاصل ہونے والے شے کو حفاظت کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے انسانوں ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ تم میں اللہ کے نزدیک وہی بڑے اور برتر ہیں جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہیں۔ (۱۴)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا''۔ (۱۵)

''جو بھی نیک عمل کرے گا چاہے وہ مومن مرد ہوں یا مومن عورت۔ اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی دیں گیا اور ان کے بہتریں عمل کے بدلے بہتریں اجر دیں گے''۔ (۱۶)

اجتماعی کفالت باہمی عدل اجتماعی کے لئے ایک اہم بنیاد ہے اسلام نے اس سلسے میں فرد اور اس کی ذات، فرد اور اس کا قریبی خاندان، فرد اور جماعت، ایک قوم اور دوسری قوم، ایک نسل اور آنے والی نسلیں سب کے درمیان اجتماعی تکافل کا

Marfat.com

اصول رکھا ہے۔ ذمہ داریوں کا یہ اشتراک فرد اور اس کی اپنی ذات کے درمیان بھی مطلوب ہے۔ فرد اس امر کا مکلف ہے کہ نفس کو اس کی بے لگام خواہشات سے بز رکھے اور اس کو ہر طرح کی گندگی سے پاک کر کے اس کا تذکیہ کرے اور صلاح و کامرانی ونجات کی رہ پر قدم رکھے۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے کیونکہ جو بھی اس قسم کی حرکات کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ۔

''جس نے سرکشی کی روش اختیار کی اور حیاتی دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ نہ جہنم ہے اور جس نے رب کے حضور حاضری کے ڈر سے اپنے آپ کو ہوس ونشاط سے دور رکھا اس کا ٹھکانہ جنت ہے''۔ (۱۷)

''اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو حلاکت میں نہ ڈالو''۔ (۱۸)

مندرجہ بالا احکامات الٰہی کا اصل اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نفس کا خود ہی نگہبان بن جاتا ہے۔ نفس کو گمراہی کے راستے پر جانے سے روکتا ہے۔ اور اپنے واجبی حقوق کی ادائیگی بھی ذمہ داری سے کرتا ہے۔ نفس سے لغزش ہو تو اس کا محاسبہ کرتا ہے۔ اور اس کا خمیادہ بھگتنے کو بھی تیار رہتا ہے۔ یعنی مکمل آزادی ضمیر اور مساوات ہمہ وت ایک دوسرے پر نظر رکھ کر برائی اور بھلائی میں تمیز کرتی ہیں اور اس عمل سے دور رکھتی ہیں جس سے نقصان اور سزا کا احتمال ہو۔ یعنی فرد اور اس کے خاندان کے مابین بھی اجتماعی تکافل کا اصول کارفرما ہے۔ خاندان میں کفالت باہمی کی اہمیت وضرورت بہت اہم ہے کیونکہ یہ عنصر خاندان کی شیرازی بندی کرنے والا ہے۔ خاندان معاشرے کا سب سے اہم حصہ ہے اور اس کی قدر و قیمت ہی دراصل معاشرے کی اہم کامیابی ہے۔ معاشرہ فطرت انسانی میں گہری جڑیں رکھنے والے میلانات و رجحانات، رحمت ومودت کے پاکیزہ جذبات اور ضرورت ومصلحت کے تقاضوں کی تکمیل پر قائم ہے۔ خاندان میں کفالت باہمی کا مظاہرہ اللہ کے ان احکامات سے ہوتا ہے۔

''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ بھی تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو۔ اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہو تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے گا''۔ (۱۹)

قرآن کا یہ ضابطہ دولت کو مسلسل گردش اور تقسیم میں رکھتا ہے۔ اور اس کو ایک جگہ پر اتنی دیر تک جمع ہونے کی سختی سے مخالفت کرتا ہے کہ یہ اجتماع سماج کے لئے نقصان دہ بن کر ایک خطرہ کی مانند ہو جائے۔ اسلام کا نظام وراثت خاندان کی فضامیں محنت و معاوضہ اور حقوق و فرائض کے باہمی توازن کا ذریعہ بنتا ہے۔ ماں باپ اولاد کی ذہنی اور جسمانی ساخت میں وراثت کے ذریعے بہت سی صفات اور استعداد منتقل کرتے ہیں جو زندگی بھر ان سے جدا نہیں ہوگی۔ اور ان کے زندگی کے بہتریں سمت متعین کر دیتی ہیں۔ قرآن نے آباد اور اولاد کے درمیان تکافل کو بالکل واضح کر دیا۔ اس سلسلے میں تعلیمات نبویؐ مندرجہ ذیل ہیں:

''جب بنی اسرائیل میں گناہوں کا بازار گرم ہوا تو ان کے علماء نے انھیں روکا لیکن وہ نہ رکے۔ ان کے علماء نے ان کے ساتھ مجالس میں بیٹھنا اور کھانا پینا جاری رکھا اس پر اللہ نے ان پر عیسیٰ ابن مریم اور

Marfat.com

داؤد کی زبان سے لعنت بھیجی''۔ (۲۰)

''نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میری جان ہے جب تک ایسے لوگوں کو بزور بازو ٹھیک طریقہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کرو گے فلاح نہ پاؤ گے''۔ (۲۱)

''جب لوگوں کا حل یہ ہو جائے کہ وہ ظالم کو دیکھیں مگر اس کا ہاتھ نہ پکڑ سکیں تو پھر اللہ کو ان پر تمام عذاب بھیجتے دیر نہیں لگتی''۔ (۲۲)

''کوئی قوم ایسی ہو جس میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو اور لوگ اس کے بدلنے پر بھی قادر ہوں لیکن پھر بھی نہ بدلیں تو ان پر اللہ کی طرف سے سزائے عام نازل ہوتی ہے''۔ (۲۳)

''جس کے پاس زائد ساری ہو وہ دوسرے کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو۔ اور جس کے پاس زائد زادراہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زادراہ نہ ہو''۔ (۲۴)

''باہم لطف و کرم اور اس محبت میں مسلمان کا حال جسم کی طرح ہے کہ کوئی عضو تکلیف میں ہو تو پورا جسم بخار کے ذریعے اس کا شریک غم بن جاتا ہے''۔ (۲۵)

ان تعلیمات نبویؐ سے وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام عدل اجتماعی کے تمام بنیادی اصولوں کو اس کی تمام تر ممکنہ شکلوں سے ساتھ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کوشش میں یہ اصول ہر وقت کارفرما رہنا چاہیئے کہ فرد اور جماعت دونوں کے کلی مقاصد ایک ہی ہو۔ جو زندگی کے تمام پہلوں سے ہم آہنگ رہیں۔ اور ایک دوسرے کی تکمیل کریں۔ کیونکہ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر فرد کو اس حد تک مکمل آزادی عطا کرتا ہے جہاں تک وہ نہ خود اس کے لئے مضر ہو۔ اور نہ جماعت کے لئے نقصاندہ ہو۔ یعنی وہ جماعت کو بھی اس کے پورے پورے حقوق دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کو ان حقوق کے مقابلے میں بہت سی ذمہ داریوں کا مکلف بھی ٹھراتا ہے تاکہ زندگی اپنی افتاد اور بہاؤ کے ساتھ ترقی کے منازل طے کرتی رہے۔ اور ان مقاصد تک جا پہنچے جس کے لئے فرد اور جماعت دونوں کاشاں رہتے ہیں۔ حسنِ اخلاق دراصل ٹھوس اور پائیدار سماج کی عمارت کا پہلا اور اہم ستون ہے۔ اسی پر اس فانی اور محدود انسان کے ضمیر میں زمین کے اسمان سے تعلق جوڑنے اور فلاح کے خلود سے رشتہ قائم کرنے کا مکمل انحصار ہے۔

میری ذاتی رائے کے مطابق اگر انسان اخلاق کے اعلیٰ اور بلند ترین درجے پر جائز ہو تو وہ عدل اجتماعی کے کسی حق دار کو اُس کے حق سے محروم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر چاہے معاشی عدل ہو، معاشرتی عدل ہو، سیاسی عدل ہو یا پھر عائل عدل ہو۔ اس کیلئے ہر قسم کا عدل مہیا کرنا کسی صورت میں بھی مشکل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس اگر چھوٹی سی بھی حق تلفی اس سے ہو جائے گی تو خوف خدا کی وجہ سے اس وقت تک چین نہ پائے گا۔ جب تک کہ اس حقدار کے وہ معمولی حق ادا نہ کردے گا۔ اس سے ظاہر ھوتا ہے کہ اگر انسان فطرت میں طہارت، اختیارت، سماعت، پوری طرح سے راسخ ہو جائیں تو بلاشبہ وہ کسی کو سوئی کی نوک کے برابر بھی تکلیف نہ دے گا۔ اور پھر ایسے انسان سے ناانصافی کا احتمال بہت ہی کم ہوگا۔ عدل و انصاف اسلام کا اصل الاصول ہے اسلیئے عدل اجتماعی کا قیام وبقاء اس طور ممکن ہیں کہ اس سلسلے کی قربانیوں کا سارا بوجھ فرد پر پڑے۔ بلکہ درمیانی راہ پر چل کر اعتمادی عدل کو اس کی تمام صورتوں پر اس طرح قائم کریں کہ اس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر یکساں پڑے۔

Marfat.com

دورِ جاہلیت کا عدلِ اجتماعی!

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جب پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں دورِ وحشت تھا کہیں شرک وکفر اور بت پرستی کی لعنت نے مدنیت کو پامال کر رکھا تھا۔ یونان مصر اور روما، بابل اور نینوا کی تہذیب کی شمعیں گل ہو چکی تھیں۔صرف ایرانی تمدن کی چمک دمک نے آنکھوں کو خیرہ کر رکھا تھا۔ مگر ایک عام آدمی کے لئے راہ نجات نہ تھی ہر طرف ایک انتشار تھا۔ جنگ و جدل اور لوٹ مار ہر طرف موجود تھی۔ انسان حیوانوں سے بدتر زندگی بسر کر رہا تھا۔ عدل کا مفہوم بہت ہی محدود کر دیا گیا تھا۔ اور عدل و انصاف کے معنی کچھ نہ رہے گئے تھے۔ ہر کوئی ماحول کے ایک ایسے آہنی قفس میں بند تھا جس میں روشنی کی کوئی کرن موجود نہ تھی۔

عدل اجتماعی کا آفاقی ولافانی تصور!

انسان کی اصل زندگی اجتماعی زندگی ہے۔ اور معاشرہ میں بھلائی اس وقت ہی پھلتی پھولتی ہے۔ جب ہر فرد اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کو سنوارنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ عدل اجتماعی کا صحیح شعور ہی حقیقت میں انسان کی ترقی کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر خدا کے سوا کسی اور کے احکامات وقوانین پر عمل کو ظلم قرار دیا ہے۔ اور ظلم عدل کی ضد ہے۔ قانون عدل کا اصل ماخذ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسلیئے جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے۔ ان کا شمار ظالمین میں ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اصل حقیقت ہے کہ عدل و انصاف سے انحراف قوموں کو بدنامی اور جہالت بلکہ دائرہ مسلمانی سے خارج ہونے کا باعث بن جاتا ہے۔ عدل کرنا ہر فرد پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

" اور لوگ عدل پر قائم رہیں" (۲۶) " اے ایمان والو! عدل پر قائم رہو" (۲۷)

اسلام درحقیقت انصاف کی عملی تشکیل کا نام ہے۔ اور مذہبی قوانین پر عمل پیرا ہو کر انصاف کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ عدل کی عملی تشکیل کے احکامات وضوابط مذہب اسلام نے واضح طور پر متعین کر دیئے ہیں۔ عدل کی ترقی اور بہبود کے لئے اگر دستور بنانے ہوں تو احکامات دین میں رہ کر بنائے جا سکتے ہیں اگر چہ اس کا مقصد صحیح طور پر عدل و انصاف کا نفاذ اور ترویج مدِ نظر ہو۔ اسلام میں عدل کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کا حکم ہے۔ اللہ کا بنایا ہوا قانون لاثانی ہے۔ اس قانون کا بدل انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے بالا تر ہے اسلام عدل اور عمل کے بنیادی پہلوؤں کا صحیح تعین کرتا ہے۔ خدا کا قانونِ عدل ہر انسان کی زندگی کا مکمل حل ہے۔ اسلام میں نظامِ عدل کو مربوط کرنے کے لئے قضاء و انصاف کے شعبوں کو مکمل اور با اختیار بنایا اور قانونِ الٰہی کے دائرہ کار میں تمام فیصلوں کو بنی نوع کی بہتری قرار دیا اور ایسے اصول ترتیب دیئے جن میں ظلم اور نا انصافی کا کوئی پہلو نہ ہو اور یہ ضروری قرار دیا گیا کہ عدلِ اجتماعی قرآن وسنت اور احکاماتِ الٰہی کے دائروں میں ہوں اور اس کا کوئی پہلو عدل و انصاف کے منافی نہ ہو کوئی بھی مسلمان کسی بھی حال میں حق و انصاف سے روگرانی نہیں کر سکتا اور اپنے فیصلے میں کسی رشتہ دار کی طرفداری یا اپنے وفات کو بالا تر نہیں رکھ سکتا۔ اُسے انصاف کے تقاضوں کو اس طرح پورا کرنا ہے کہ نہ کسی پر دست درازی کی جائے اور نہ کوء دوسرا اُس پر دست درازی کرے۔ اسلام کی تعلیماتِ عدل فرد اور معاشرے دونوں کے حقوق کی مکمل حفاظت کرتی ہیں۔

Marfat.com

اسلامی عدل اجتماعی کا تصور بہت اہم اور لافانی و لاثانی ہے۔ یہ قانون اس انداز ے سے وضع کیئے گئے ہیں کہ تقاضہ انصاف سے مطابقت رکھتے ہوئے سچائی سے ہم آہنگ ہیں۔ اور اسلامی دائرہ عمل پر مبنی ایک سچائی اور تابندہ حق کا مفہوم ہے۔ اسلام کا یہی عدل اجتماعی فتنہ اور فساد اور جارحیت کا سدِ باب ہے۔ حقیقت میں دینِ اسلام عین عدل ہے اور دین کا جو تصور قرآن سنت میں پیش کیا گیا ہے اور امتیازی خدوخال عدل و انصاف کے آئینہ میں بہت ہی واضح نظر آتے ہیں۔ عدل اور انصاف کے تصور کو اسلام میں نہ صرف زندگی کی ایک ابدی اساس ٹھہرایا گیا ہے۔ بلکہ فکر اور شعور کے ہر زاویئے سے لیکر زندگی کے ہر گوشے میں جاری و ساری کیا گیا ہے۔ یعنی عدل و انصاف وہ بنیادی انسانی قدر اور عالمگیر صداقت ہے۔ جس پر انسانی معاشرہ اور آسماں سے زمین تک پھیلا ہوا یہ کار خانہ قائم ہے یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کا قیام تمام آسمانی شریعتوں کا نصب العین رہا ہے۔ اسلامی تصورِ عدل اجتماعی دنیا کے تمام افکار و نظام ہائے زندگی اور جملہ دساتیر و قوانین کے مقابلے میں ہر اعتبار سے جامع، ہمہ گیر، ارفع و اعلیٰ ہے۔

۱۔ بعثت انبیاء کی غرض و غایت، سلسلہ رشد و ھدایت حقیقت میں عدل اجتماعی کا قیام و استحکام ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے!

"ہم نے اپنے رسول کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ عدل و انصاف کے ساتھ قائم و دائم رہیں۔ (۲۸)

۲۔ اسلام میں عدل اجتماعی کا دائرہ صرف خاص خاص معاملات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اسلام کا مقصد ہر شعبہ زندگی اور انسانی کردار کی ہر سطح پر عدل کا نفاذ مقصود ہے یہی وجہ سے کہ قرآن پاک میں انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک اور گفتار سے لیکر کردار تک اخلاقی روحانی، عائلی، معاشرتی، سیاسی اور قانونی زندگی کے ہر ہلو میں عدل قائم کرنے کی تاکید و تلقین سختی سے کی گئی ہے۔

۳۔ تمام فقہی احکامات اور شرعی احکامات کی اساس و بنیاد عدل اجتماعی ہے۔ اور اسی عدل کی نسبت سے شریعت اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست، معیشت اور معاشرت تک تمام شعبہ زندگی مل کر ایک وحدت کل بناتے ہیں۔

۴۔ عدل اجتماعی یہ بھی ہے جو کہ انسانی زندگی میں بدی کی قوتوں کو شکست دے کر نیکی اور خیر کے رجحان کو ابھارتا ہے اور انسانی سیرت و کردار کی اعلیٰ پیمانے پر تعمیر کرتا ہے۔ عدل بھی تمام نیکیوں اور محاسنِ اعمال کی اساس ہے۔ عدل کے توازن کا جزبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کے لئے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہو جاتی ہے۔

۵۔ مذہب اسلام میں عدل و انصاف کی حدود اس قدر وسیع ہے کہ دینی امتیاز اور مذہبی تفریق سے بھی بالا تر رہتے ہوئے زندگی کے ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کی حیثیت سے حکم دیا گیا ہے۔ کہ اگر تمھاری کسی سے دشمنی ہے تو بھی عدل و انصاف کے مقابلے میں یہ دشمنی درمیان میں نہیں آنی چاہیئے۔ اور عدل و انصاف کی ترازہ اتنی سیدھی اور برابر ہونے چاہئے کہ گہری سے گہری محبت اور شدید سے شدید نفرت بھی اس کی دونوں پلڑوں کو برابر رکھے۔

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کے گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تمہیں عدل سے دور نہ کرے۔ یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو

Marfat.com

کیونکہ تم جو بھی کام کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح سے واقف ہے۔ (۲۹)

۶۔ اسلام میں تقویٰ کو انصاف کے قریب ترین کیا گیا۔ کیونکہ تقویٰ اسلامی زندگی کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کو پرکھنے کی اہم کسوٹی ہے۔ عدل و تقویٰ لازم و ملزوم عناصر ہیں۔ اور عدل ہی تقویٰ کی اہم ضمانت ہے جس کی تکمیل ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ قرآن کریم کی ہر تعلیم عدل کا مرقع ہے۔ اس لئے اسلام کا عدل اجتماعی ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن نے زندگی کے حسب ذیل امور میں صراحتاً عدلِ اجتماعی کا حکم دیا ہے۔

۱۔ بولنے میں عدل:۔''اور جب بولو تو عدل کا خیال رکھو۔ چاہے وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو''۔ (۳۰)

۲۔ فیصلہ کرنے میں عدل:۔''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو''۔ (۳۱)

۳۔ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل:۔''کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو''۔ (۳۲)

۴۔ گواہی میں عدل:۔''اے ایمان والوں خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو''۔ (۳۳)

۵۔ دو گروہوں میں صلح کروانے میں عدل:۔''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروا دو''۔ (۳۴)

۶۔ امانت واپس کرنے میں عدل:۔''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو''۔ (۳۵)

۷۔ مقدمات کا فیصل کرنے میں عدل:۔''اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی تاکہ اس کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرو''۔ (۳۶)

۸۔ انفاق میں عدل:۔''اور تمہیں جو دیا جاتا ہے اس میں دوسروں کا حق ہے'' (۳۷)

۹۔ کوشش و جدوجہد میں عدل:۔''اور میں انسان کو اس کے کوشش کے مطابق دیتا ہوں''۔ (۳۸)

۱۰۔ والدین کے ساتھ سلوک میں عدل:۔''اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ احسان و بھلائی کا حکم دیا''۔ (۳۹)

۱۱۔ کسی سے زیادتی کا بدلہ لینے میں عدل:۔''پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو جیسی زیادتی تم پر ہوئی۔ اتنی ہی زیادتی تم اس پر کرو''۔ (۴۰)

۱۲۔ عدل کرنے والے کے ساتھ اللہ کی محبت:۔''بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔ (۴۱)

قرآن پاک میں عدل اجتماعی کو وسیع ترین معنوں میں پیش کیا گیا ہے تاکہ ہم اسے اپنے زندگی میں مکمل طور پر غالب کر دیں۔ قرآن کے تصور عدل کا منشاء در اصل تمام انسانوں کو برابری اور مساوات کے ساتھ زندگی کی تمام سہولیات فراہم کرنا ہے۔ اگر قرآن کے ان احکامات پر کاربند ہو کر عمل درآمد کیا جائے تو معاشرہ جنت بن جائے۔ قرآن کریم امن عالم کا داعی ہے۔ اس لئے بنیادی طور پر عدل اجتماعی کا بے لاگ نظام قائم کرنے کی سختی سے تلقین کرتا ہے۔

عدل اجتماعی کے اہم اور امتیازی خصوصیات:

۱۔ معاشرت اور اذہان پر غلبہ ۲۔ تغیر و تبدیل سے مبرّا ۳۔ صفت دوام کا حصول ۴۔ مساوات و برابری ۵۔ خوف خدا تصور آخرت ۶۔ حکمران و رعایا میں یکسانیت ۷۔ عبرت ناک سزائیوں کا قیام و نفاذ ۸۔ عہدہ قضا کا کانٹوں کی سیج ہونا ۹۔ شہادت کا انتہائی اعلیٰ معیار ۱۰۔ آزاد و خودمختار عدلیہ ۱۱۔ عدل اجتماعی کا ایک خاص توازن۔

عدل اجتماعی انسانی معاشرے کی بقاء و سلامتی اور استحکام کے لئے ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک خوشحال

Marfat.com

اور متناسب و متوازن معاشرے اسی وقت معرض وجود میں آتا ہے جب فرد اور اجتماع کے مابین حقوق و فرائض کی تقسیم عدل کے اس پیمانے پر کر دی جائے کہ فرد اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لا کر اپنی مکمل شخصیت کا اظہار کر سکیں اور اجتماعی زندگی ایک بھرپور طریقے سے رواں دواں ہو سکیں۔ فرد اور اجتماع اپنی اپنی حدود میں رہ کر ایک دوسرے کے لئے انتہائی مفید ہوں یعنی حقیقت یہ ہے کہ عدل اجتماعی ایک ایسا عنصر ہے جس کی ضرورت ہر انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر ہوتی ہے۔ مثلاً بیع و شراء، مصلحت و وسائل، بحث و مزاکرہ، شہادت و گواہی، معاملات قضاء، عبادت و بندگی، دوسروں سے تعلقات و روابط وغیرہ ان سارے شعبوں میں عدل اجتماعی کی حیثیت مرکز و محور کی ہے۔ اور یہی کائنات کی جان اور روح ہے۔ غرض کہ عدل اجتماعی کے قیام کی ضرورت و اہمیت انسان کی زندگی کے تمام شعبہ جات سے لگائی جا سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے ارکان ثلاثہ ۱۔ مقننہ ۲۔ عدلیہ ۳۔ انتظامیہ تینوں ہی عدل اجتماعی کے محور کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ عدلیہ کا اصل کام ہی عدل فراہم کرنا ہے۔ مقننہ عدل کی فراہمی کے لئے قانون بناتی ہے۔ اور انتظامیہ عدلیہ کے فیصلوں پر عمل درآمد کروانے کی اہم ذمے داری ادا کرتی ہے۔ اور پھر بنی نوع انسان کی خوشحال و پرسکون زندگی کا تمام تر دارومدار ان تینوں اہم ارکان پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن و سنت میں اسلامی ریاست کے حکمران کو سب سے پہلے عدل اجتماعی کے قیام و نفاذ کا پابند کیا گیا ہے۔ تاکہ معاشرہ اور اس کے افراد تنزلی اور بربادی سے محفوظ رہ سکیں۔

عدلِ اجتماعی تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

دنیا کے لاثانی عادل اعظم نبی کریمؐ ہیں۔ آپ نے انفرادی و اجتماعی عدل کو عملی طور پر پیش کیا اور عادلانہ نظام کا قیام اور نفاذ فرد کی زندگی کے ہر شعبہ میں عام کیا اور تمام دنیا سے ہٹ کر ایسا عدل پیش کیا جو تقویٰ سے قریب ترین تھا۔ یعنی کتاب و حکمت کے تقاضے کے عین مطابق صرف عدل کو ہی کافی نہ سمجھا بلکہ عدل کے معاملے میں تقویٰ و طہارت کو بھی مطلوب و مقصود رکھنا۔ جب عادل اعظم حضرت محمدؐ دنیا میں تشریف لائے تو عدل و انصاف مفقود تھا بے اعتدالیوں اور ناانصافیوں کا دور دورہ تھا دنیائے انسانیت عدل و انصاف کو ترستی تھی۔ جہالت کا دور دورہ تھا، ظلم و ستم کا زمانہ تھا لوگ کفر و فحاشی میں مبتلا تھے ام القریٰ اور مکی زندگی میں فی الحال عدل کے تقاضے پورے نہ ہو سکتے تھے۔ ایسے میں عادل اعظم حضرت محمدؐ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور اپنے ساتھ صحابہؓ کی جماعت بھی لے گئے۔ اس کے بعد آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی تمام تر کوششیں اور جدوجہد اسلام کے عادلانہ نظام کو جاری و ساری کرنے میں صرف ہونے لگیں۔ یوں مدنی زندگی عدل و انصاف کا گہوارہ بنتی چلی گئی اور آپ کی تمام تعلیمات میں عدل کا پرتو نظر آنے لگا۔

آپؐ کے اجتماعی نظام عدل نے عرب و عجم کو حقیقی امن و امان کا درس دیا، پھر مدینہ منورہ میں فرش پر بیٹھ کر عدالت قائم فرمائی اور عدل و انصاف کے بعد ایسے ایسے فیصلے صادر فرمائے کہ دنیا مامون و محفوظ ہوئی۔ مدینہ کے دس سالہ قیام میں چوری چکاری اور شراب نوشی کا اکا دکا واقعہ سامنے آیا اور مدینہ کا معاشرہ پاکیزہ ہوتا چلا گیا۔ یعنی آپؐ نے امر خداوندی کے امتثال میں ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جس میں فرد سے لیکر معاشرے تک ہر ایک کے حقوق میں عدل کو ہی مدنظر رکھا اور کبھی کسی کا ساتھ سوئی کی نوک کے برابر بھی ناانصافی نہ ہونے دی۔ حضرت محمدؐ نے جو کچھ بھی کہا اپنی مرضی سے نہ کہا بلکہ وحی الٰہی

Marfat.com

کے مطابق عمل کیا اور باقی لوگوں کو بھی اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے قول و عمل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ ایک غزوہ کے موقعے پر آپ ﷺ صفوں کو درست فرما رہے تھے کہ آپ کے دست مبارک پر تیر لگا۔ جب صفیں سیدھی کرتے ہوئے سواد بن غزیہ کے پاس آئے تو وہ صف سے نکلے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اپنے تیر سے ان کے جسم کو اندر کی طرف کیا تو سواد بولے یارسول اللہ آپ نے مجھے تکلیف دی ہے تو یہ سنتے ہی آپ نے اپنا شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا کہ بدلہ لے لو حضرت سواد جنہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا فوراً آگے بڑھے اور آپ کے شکم مبارک پر بوسہ لے لیا۔

ایام رضاعت اور عہد طفولیت میں آپ ﷺ کا معصوم اور فطرتی عدل

ابو طالبؓ کے شیر خوار یتیم بھتیجے کے فطری عدل کی رعنائیاں عہد طفولیت میں بھی نمایاں تھیں۔ حلیفہ سعدیہ کی آغوش میں رضاعت سے جب اپنی شفیق ماں کی آغوش آئے تو عمر مبارک تقریباً تین برس کی ہوگی۔ لیکن یکے بعد دیگے ماں کی آغوش اور داد کی شفقت سے محروم ہو گئے اور آپ اپنے چچا ابو طالب کی زیر پرورش آ گئے ور یہ ان دنوں کا واقعہ ہے کہ ان کے اہل خانہ نے عکاظ کے میلے میں شرکت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ عکاظ کا مقام مکہ کے نواحی علاقے میں طائف کی جانب تھا۔ ہر سال وہاں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ وہاں پر لوگ دور دراز سے شرکت کرنے آتے تھے۔ وہاں پر لہو لعب اور سیر و تفریح کا بازار گرم رہتا تھا آپ ﷺ کی پھوپھیوں نے ان کو اپنے ساتھ لیجانا چاہا اور آپ ﷺ نے حسب معمول منع کر دیا پھوپیوں نے ابو طالب سے شکایت کی کہ محمد ﷺ کبھی ہمارے ساتھ نہیں جاتے۔ آپ ﷺ کے چچا نے جب حکم دیا کہ ان کے ساتھ جاؤ تو وہ خاموشی سے چلے گئے لیکن تھوڑی دیر بعد ہی آپ ﷺ خاموشی سے واپس آ گئے۔ بعد میں اہل خانہ نے ان سے واپسی کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فوراً جواب دیا کہ میں جب اس بڑے بت کے پاس پہنچا تو مجھے سفید کپڑوں میں ملبوس ایک بڑا طویل آدمی نظر آیا جس نے مجھ سے کہا کہ یہ جگہ تمہارے لیے نہیں ہے اس لیے واپس چلے جاؤ میں اسے دیکھ کر ڈر گیا اور سیدھا گھر چلا آیا۔ عکاظ کے میلے میں دراصل تمام لوگ ایک بڑے بت کی پوجا کیا کرتے تھے اور اس کے اردگرد چکر لگاتے تھے اور آپ ﷺ کے اہل خانہ بھی اسی مقصد کے تحت آپ کو اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے لیکن چھوٹا ہونے کے باوجود بھی آپ ﷺ کی طبعیت کے فطری عدل نے اس غلط راہ کو اپنانے سے منع کیا اور غیبی امداد کو لاشعوری طور پر قبول کرتے ہوئے واپس چلے آئے۔ واقعہ اس فطری عدل کی واضح دلیل ہے جو عہد طفولیت میں بھی آپ کی معاونت کر رہا ہے۔

قبائل قریش کا تنازع اور آپ ﷺ کا عدل اجتماعی:

اس طرح ایک اور واقعہ ہے کہ جب آپ ﷺ عہد طفولیت سے سن بلوغت میں داخل ہوئے آپ کے فطری عدل کی رعنایاں اور بھی دلکش ہو کر مقبول عام ہوتی چلی گئیں۔ صداقت آپ کی زندگی کا شعار تھی اسی وجہ سے قبائل قریش آپ کو صادق اور امین کہہ کر بلاتے تھے۔ آپ جو بات یا جو فیصلہ بھی کرتے تھے اس میں عدل ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ نہ ذاتی مفاد اور نفع و نقصان کا خیال ہوتا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کسی کی عظمت و ثروت سے متاثر ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی صدق گوئی، صدق کلامی اور صدق شناسی نے آپ کی شخصیت کو انتہائی معتبر اور معتمد بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھ کر مطمئن ہو جاتے تھے انہی دنوں کا ذکر ہے کہ قبائل قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا آغاز کیا کیونکہ حضرت ابراہیم و اسماعیل کے ہاتھوں تعمیر

Marfat.com

شدہ عمارت بوسیدہ ہو چلی تھی۔ کچھ حصے شکستہ تھے جب حالات سازگار ہوئے تو تمام قبائل قریش نے مشترکہ طور پر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ اس مقدس عمارت کی ایک ایک اینٹ کا نصب کرنا سب کے لیے پر تقدس اور پر افتخار امر تھا۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ سب سے آگے وہی رہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حجر اسود نصب کرنے کے وقت اچھا خاصا تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ قبائل زیادہ تھے اور پتھر ایک ہی تھا کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ اس مقدس پتھر کی تقدیس کے پیش نظر قریش کے قبائل کا ہر فرد اس کی تنصیب کا سہرا اپنے سر سجانا چاہتا تھا۔ ہر فرد اس اعزاز کو پانے کے لیے بے قرار نظر آ رہا تھا اور پھر یہ معاملہ اتنا زیادہ بڑا کہ نوبت خون خرابے تک آ گئی ابو امیہ بن مغیرہ قریش قبائل میں سب سے عمر رسیدہ اور جہاندیدہ شخص تھا اس نے جب حرم کعبہ میں قتل و قتال کے آثار پائے تو سب کو ایک جگہ سمجھا کر بٹھایا اور معاملے کا حل تلاش کرنے کو کہا اور پھر فیصلہ یہ ہوا کہ کل صبح جو شخص بھی حرم کعبہ میں سب سے پہلے آئے گا وہی تنصیب حجر اسود کا اعزاز پائے گا اور سب نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ دوسرے دن صبح ہی صبح قبائل قریش کے لوگوں نے دیکھا کہ حرم کعبہ کی زمین نے سب سے پہلے جو قدم چومے وہ بنو ہاشم کے جواں سال ہادی حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ کے تھے۔ لوگ آپ کو دور سے ہی دیکھ کر پکار اٹھے ''وہ امین آ گئے'' اس طرح قبائل قریش کے باہمی اخلاق و انکسار نے آپ ﷺ کو ایک موقع افتخار عطا کر دیا تھا۔ لیکن آپ کی طبعیت اور لہو میں فطری عدل بسا ہوا تھا۔ ذاتی منفعت خود بینی و خود نمائی کے جذبات آپ کے قریب بھی نہ آتے تھے آپ کی طبعیت بناوٹ سے عاری تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر کو زمین پر پھیلایا پھر حجر اسود مقام تنصیب کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے اس کو نصب فرما دیا (۴۲) اس عمل سے ہر فرد خوش اور مطمئن تھا۔ ہر طرف سے نعرہ تحسین بلند ہو رہے تھے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کے عدل اجتماعی اور فطری عدل کا آئینہ دار ہے۔

عدالت نبوی ﷺ کے تاریخ ساز فیصلے:

عدالت نبوی ﷺ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ امیر و غریب اور پست و بالا کی تفریق سے قطعی آزاد تھی۔ آپ نے دنیا کے لیے ایسا انفرادی و اجتماعی نظام عدل پیش کیا جس میں نہ عزیز و اقارب کے چشم ابرو کا لحاظ و پاس تھا اور نہ ہی دین و مذہب اور نسلیت و وطنیت کے جذبات کو آڑے آنے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے صفت عدل کی تعریف اعداء بھی کرتے تھے۔

۱۔ تاریخ کا سب سے مشہور واقعہ جس سے ہر کوئی واقف ہے کہ ایک مالدار گھرانے کی عورت فاطمہ نے چوری کی اور سزا کی مستوجب ٹھہری اس خاندان کے حاشیہ نشینوں نے آپ ﷺ سے اس کے لیے رعایت چاہی کہ وہ سزا سے بچ جائے۔ لیکن جب آپ نے یہ سنا تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا، خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلے کی قومیں اس لیے تباہ و برباد ہو گئیں کہ چوری کے مرتکب امراء کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور کمزوروں کو سزا دی جاتی تھی۔

۲۔ غزوہ بدر کے موقع پر جب حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس دوسرے قیدیوں کے ساتھ محبوس ہوئے تو انصار نے اس خیال سے کہ یہ آپ ﷺ کے قریبی عزیز ہیں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو ان کا فدیہ معاف کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں جو قانون دوسرے قیدیوں پر لاگو ہے وہی سب پر لاگو ہوگا اور اس سے سر مو انحراف نہ ہوگا۔

Marfat.com

۳۔ حضورﷺ کے عدل کا ایک اور قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بہت ساری کنیزیں اور غلام مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ان دنوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پ گئے تھے اور پانی بھرتے بھرتے حضرت علیؓ کا سینہ مبارک درد کرنے لگا تھا۔ دونوں حاضر خدمت رسولﷺ ہوئے اور عرض کی کہ جو قیدی آئے ہیں ان میں سے ایک ہمیں بھی عنایت فرما دیں۔ آپﷺ نے فرمایا! میں بخدا تم لوگوں کو ایک قیدی بھی نہیں دے سکتا کیا میں اھل صفہ کے حق کو تلف کر دوں؟ میرے پاس ان کی مدد کے لیے قیدیوں کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ حضرت علی اور فاطمہؓ ان کے جگر کے ٹکڑے تھے اور اھل صفہ سے کوئی رشتہ داری نہ تھی۔ مگر ان کی ضرورت پہلا حق تھا اور ان کی ضرورت کی خاطر گھر والوں کو نظر انداز کر دینا عدل اجتماعی کے عین مطابق تھا۔ عدل کی بہترین مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے ہر اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے یہ مثال آئینہ تقلید ہے۔

۴۔ آپﷺ کی پوری زندگی عدل سے عبارت ہے عبداللہ بن ابی سے مروی ہے کہ غزوہ حنین میں ایک صحابی کے پاؤں میں بھاری اور مضبوط جوتا تھا۔ اس جوتے سے حضورﷺ کی پنڈلی میں چوٹ آئی آپﷺ نے اس کے پاؤں پر کوڑا مار کر عدل کا تقاضا پورا کر دیا لیکن پھر دوسرے دن اس کو بلا کر کہا کہ وہ اس مار کا معاوضہ لے لے۔ چنانچہ اس کوڑے کے عوض اس کو بھیڑیں عطا کیں۔ (۴۳)

۵۔ آپﷺ کے ایوان عدالت میں بلاامتیاز و مذہب و ملت، خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے۔ اگر خود آپﷺ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ غیر مسلم ذمی کا ایک مسلمان سے جھگڑا ہو گیا تو فیصلہ کرنے کے لیے دونوں فریقین حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں کے بیان سن کر آپﷺ نے فیصلہ غیر مسلم ذمی کے حق میں دے دیا۔ غیر مسلم ذمی حضور کے عدل سے بے حد متاثر ہوا اور اسلام لے آیا۔ یہ عدل کا کرشمہ تھا کہ جنگ یرموک کے بعد غیر مسلم رعایا نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تمہارا انصاف اور تمہاری حکومت ہمیں اس ظلم سے زیادہ محبوب ہیں جس میں ہم مبتلا تھے۔ اگرچہ تاریخ اسلام حضورﷺ کے عدل و انصاف کے واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن طوالت مضمون کے ڈر سے صرف چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

عدل اجتماعی اور احادیث نبویﷺ!

جس طرح قرآن پاک میں بار بار عدل و انصاف کرنے کی تاکید کی گئی ہے اسی طرح سے متعدد احادیث نبوی میں بھی عدل کو نہایت اہم قرار دیتے ہوئے عدل کرنے والے کی جزاء کا اور نہ کرنے والے کی سزا کا بار بار ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور کسی فرد کو بھی اس کے حق سے محروم نہ کریں۔ حضورﷺ نے فرمایا۔۔۔۔۔!

۱۔ لوگوں میں سب سے بڑا سرکش اور اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مبغوض وہ شخص ہے جس کو امت محمدیہ کی کسی ذمہ داری پر مقرر کیا گیا ہو اور پھر اس نے عدل اجتماعی سے کام نہ لیا۔ (۴۴)

۲۔ جو شخص عادل بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (۴۵)

۳۔ عرش الٰہی کے سائے میں جن لوگوں کو جگہ ملے گی ان میں پہلا شخص عادل ہوگا۔ (۴۶)

Marfat.com

۴- انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے قیامت کے دن نورانی منبروں پر ہوں گے۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ شریف)

۵- قیامت کے دن وہ لوگ اللہ کے قریب ہوں گے جنہوں نے دنیا میں لوگوں کے معاملات میں ایسے فیصلے کیے ہوں جیسے اپنے ذاتی معاملات میں فیصلہ کر رہے ہوں۔ (۴۷)

۶- حضور ﷺ نے کہا میں تمہیں اچھے اور برے حکمران کے متعلق بتاتا ہوں۔ اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جن کے حق میں تم دعائیں کرتے ہو اور برے حاکم وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور ان پر لعنت بھیجتے ہو۔ (۴۸)

۷- قیامت کے دن عادل امراء ملوک اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب منبروں پر ہوں گے۔ (۴۹)

۸- قیامت کے دن جب عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس دن سات لوگوں کو سایہ ملے گا ان میں سے ایک عادل امام ہوگا۔ (۵۰)

۹- حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ایک ساعت کا انصاف اس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے جس کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں۔

۱۰- ایک ساعت کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی مدت سے زیادہ بڑا اور سخت ہے۔

۱۱- میری امت اس وقت تک خیر اور بھلائی میں قائم رہے گی جب تک اس کا شعار یہ رہے گا کہ جب وہ فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کے ساتھ کرے اور جب اس سے رحم کی درخواست کی جائے تو رحم کرے۔

۱۲- جو شخص تھوڑی روزی پر راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہو جاتا ہے اور یہی عین عدل کی نشانی ہے۔

۱۳- عدل یہ ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔ (۵۱)

۱۴- بخدا کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرے کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہی عدل ہے۔

۱۵- جس حاکم کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کے احترام میں سروقد کھڑے ہو جائیں تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (۵۲)

۱۶- جس شخص کو حاکمان عدل کی تین اقسام ہیں دو، دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں ایک وہ جو حق کو جانے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے وہ جنت میں جائے گا دوسرا وہ جو حق کو جانے اور غلط فیصلہ کریں تیسرا جو جاہل ہے اور غلط فیصلے کرتا ہے دونوں جہنمی ہیں۔

غرض کہ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک پرسکون اور خوشحال نہیں ہو سکتا جب تک اس میں عدل اجتماعی کو فروغ نہ دیا جائے اور عدل اجتماعی کو ترقی و فروغ اس وقت بھی حاصل ہو سکتا ہے جب ریاست کا سربراہ اور حکمران مکمل طور پر عادل ہو اور تمام فیصلے اللہ تعالیٰ پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کرتا ہو۔ اس کے برعکس فیصلے کرنے والے ملک اور عوام کا حال وہی ہوتا ہے جو کہ ہمارے ملک میں ہے اس کے باوجود عدل اجتماعی کی وہ شمع جو اسلام نے ضمیر انسانی میں جلائی تھی تاریخ اسلام کے تاریک ترین ادوار میں بھی نہ بجھ سکی۔ تاریخ کے تمام ادوار میں عمل اور آزادی ضمیر کی اور دوسری قدروں، طاقتوں اور تعلقات

Marfat.com

سے روحانی طور پر بلند طور پر اور مستغنی ہونے کی شان و شوکت کی ان گنت مثالیں موجود ہیں اور ان واقعات سے روشناسی ہماری اپنی زندگی کے لیے ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ تاریخ اسلام میں عدل اجتماعی کے واقعات اس دور کے حکمرانوں کے عادل ہونے کا اور بلا کی قوت وفہم وفراست کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ ان تمام واقعات کے پیچھے کام کرنے والی اصل قوت اپنے ضمیر کے آگے شرمانہ اور خدا سے ڈرنا ہے جب نفس انسانی اسلامی اسپرٹ کو اپنا لیتا ہے اور یہ روح کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے تو اسلام اس کے اندر پوری قوت کے ساتھ عدل اجتماعی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

تاریخ اسلام کے مطابق نہ صرف آپ بلکہ آپ کے صحابہ تابعین نے بھی عدل کی وہ مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظر اس کے بعد کہیں نہیں ملتی۔ یہ اسالمی اجتماعی عدل ہی کی عاط کردہ جرائد گفتارتھی کہ بھرے مجمعے میں ایک بدو حضرت عمرؓ سے پوچھ لیتا ہے کہ تمہارے پاس تمام مسلمانوں سے زیادہ کپڑا کہاں سے اور کیوں آیا؟ اور پھر دوسری طرف عادل کا یہ عالم تھا کہ وہ نہ صرف جواباً اپنی صفائی پیش کرتا ہے بلکہ سربراہ مملکت ہونے کے باوجود اس شخص کو مطمئن کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ایک مرتبہ مکہ کی گلیوں میں حضرت عمرؓ نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو آنکھیں پرنم ہوگئیں اور اس یہودی سے کہا کہ خدا کی قسم یہ انصاف نہیں کہ اس کی جوانی کی کمائی تو ہم نے بطور جذیہ لی اور بڑھاپے میں اسے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ وہ عدل ہے جو ہر مسلمان حکمران پر فرض ہے۔

عدل اجتماعی کا ایک اہم تاریخی منشور ''خطبہ حجۃ الوداع'':

تاریخ انسانی کی کوئی دستاویز، منشور اور کوئی آئین ایسا نہیں ہے جو اپنی صداقت، ابدیت، آفاقیت اور ہمہ گیریت کی بناء پر چودہ سو سال بعد بھی روز اول کی طرح زندہ و پابندہ ہو۔ تاریخ انسانی نے کئی منشور دیکھے۔ کئی قانون اور آئین بنتے، مٹتے اور بدلتے رہے مگر آپؐ کی حیات مبارک کا سب سے مشہور خطبہ حجۃ الوداع ہی اصل منشور انسانیت اور عدل اجتماعی کا اہم ترین چارٹر ہے اور رہتی دنیا تک زندہ و جاویداں رہے گا جس کا ایک لفظ بھی نہ آج تک مٹا ہے اور نہ ہی بدلا ہے۔ عادل اعظم حضرت محمدؐ کے اس چارٹر کا عکس حقوق انسانی کے ہر چارٹر کے ہر دستاویز اور ہر میثاق میں جھلکتا ہوا نظر آئے گا۔ اس کے تمام کلمات حد تواتر میں ہیں یہ خطبہ آپؐ کی ۲۳ سالہ زندگی کا جوہر اور نچوڑ ہے۔ یہ انسانی عدل و انصاف اور مساوات و حریت کا پہلا منشور ہے جو کہ انسانیت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس کے تمام الفاظ تاریخ اسلامی میں سنہرے حروف سے لکھے گئے ہیں۔

> ''کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری ہے۔ سب آدمی کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے اس لیے تم سب برابر ہو۔ جو خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی اپنے غلاموں کو پہناؤ۔ خدا نے ہر حقدار کو اس کا حق برابری اور عدل و انصاف کے ساتھ دیا ہے اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔ جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے اپنے آپ کو منسوب کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور سے اپنی نسبت جوڑے اس پر خدا کی لعنت ہے۔ ہر مجرم اپنے جرم کا ذمے دار ہے۔ باپ کے جرم کا بیٹا ذمے دار نہیں ہے۔ اور بیٹے کا جواب دہ باپ نہیں ہے۔'' (۵۳)

Marfat.com

حضرت محمدؐ کے اس منشور خاص کو پڑھ کر کوئی بھی ذی شعور پڑھ کر اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام قبیلہ ونسل، مذہب ومسلک اور ہر طرح کے تعصبات سے مبرا ہے اور صدیوں پہلے وہ عدل کے اتنے بلند مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں پر مغربی تہذیب کو پہنچنا کبھی بھی نصیب نہ ہو سکے گا۔ سپر پاور کے ضمیر اس امر کو جائز سمجھتے ہیں کہ علی الاعلان ریڈ انڈین کو مٹا دینے کی منظم کوشش کرے اور پھر گورے اور کالے کے درمیان مذموم تفریق کو روا رکھتے ہوئے کالوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرے۔ یہ بھی عین عدل اجتماعی ہے کہ قرآن بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ تمام جنس انسانی مٹی سے بنی ہوئی ہے اور ایک طرح سے پیدا ہونے اور نشوونما پانے کی وجہ سے سب کی حیثیت برابر ہے اور اگر کسی کو کوئی برتری حاصل ہے تو صرف اور صرف تقویٰ وپرہیزگاری کی بناء پر حاصل ہے۔ امارت اور غربی یا رنگ وروپ اور صحت کی بناء پر کسی انسان کو دوسرے انسان کو کسی بھی قسم کی کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب تک قانون کی نظر میں کالے اور گورے، امیر اور غریب، شاہ وگدا، رومی وشامی اور عربی وعجمی تمام برابر نہ ہوں تو معاشرے سے ظلم وفساد اور جوروستم کا ازالہ اور انسداد ممکن نہیں ہے۔ ایسی صورتحال میں زبردست لوگ زیردست لوگوں کے حقوق غصب کرتے رہیں گے۔ قوی ومضبوط لوگ کمزور و ناتواں لوگوں کو اپنا تابع وفرمانبردار بنا کر غلامی کرواتے رہیں گے اور معاشرے کا ارتقائی عمل مسدود ہو کر رہ جائے گا۔ اونچ نیچ اور طبقاتی منافرت کو ہوا ملے گی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں جنگل کا قانون تھا جس کی وجہ سے طاقتور کے منہ سے نکلی ہوئی بت ہی قانون کا درجہ رکھتی تھی چاہے وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو اور کمزوروں کے لیے ساری حدود تھیں لیکن اسلام کی نظر میں کالے اور گورے، امیر و غریب اور طاقتور و کمزور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی طاقتور بھی قانون شکنی کا مرتکب ہوگا تو اس کے لیے بھی وہی سزا اور تعزیر ہوگی جو عام قانون شکن کے لیے مقرر ہے۔(۵۴)

حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں حضرت محمدؐ نے اسلامی ریاست کے حکمرانوں کے ذمہ چند وہ حقوق پیش کیے تھے جو کہ رعایا کا حق ہیں۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں بار بار فرمایا تھا کہ شہریوں کو جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا حق حاصل ہے اور وہ شخص مسلمان ہی نہیں ہے جس سے دوسرے مسلمان کی جان و مال اور آبرو کو خطرہ ہو۔ یعنی رعایا کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کرنا مملکت اسلامیہ کے حکمران کا اولین فرض ہے اور اسلامی ریاست میں کسی شہری کی آزادی نفس، حرمت جاں اور ریاست میں کسی شہری کی آزادی نفس، حرمت جاں اور مال وآبرو پر کوئی دست درازی نہیں کی جاسکتی۔ اس کے برعکس روئے زمین پر کوئی قوم، کوئی جماعت یا کوئی فرد ایسا ضابطہ حیات پیدا نہ کر سکا جو انسانوں کے ہزاروں سال پرانے رستوں زخموں کے لیے مرہم کا کام دے سکتا۔ لیکن نبیؐ پر ایک ایسی کتاب نازل کی گئی جس نے پہلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ جس کے قانون نے پہلے تمام قانون باطل قرار دے دیئے۔ خدائی دعویٰ کرنے والوں کو غلاموں کی جگہ پر لا کھڑا کیا اور غلاموں کو شہنشاہوں کی مسند پر لا بٹھایا۔ اس کالے گورے، عربی وعجمی اور حکمران ومحکوم کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اور یہی طرۂ امتیاز ہے عدل حبیب خدا کا مرض الموت میں آپؐ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمے کسی کا قرض ہو اور اگر میں نے کسی کی جان و مال اور آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال اور آبرو حاضر ہے۔ اس دنیا میں مجھ سے انتقام لے لے۔ یہ سنتے ہی

Marfat.com

پورے مجمع میں اس دنیا میں مجھ سے انتقام لے لے۔ یہ سنتے ہی پورے مجمع میں عدل کی اس انتہاء پر سناٹا چھا گیا۔(۵۴) آپؐ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کی بندگی میں بسر کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حقوق کے لیے عدل اجتماعی کو عملی شکل میں پیش کیا اور ہر اس کام میں عدل کو مقدم رکھا جس میں اللہ کی خوشنودی تھی اور اسی کا حکم تھا۔ یعین جو کچھ خدا تعالیٰ نے کہا آپ نے عملی طور پر اس کا نفاذ کیا۔

فرموداتِ خلفائے راشدین اور عدل اجتماعی:

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی اپنے اولین خطبہ کا آغاز عدل کے احکام سے کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

''تم میں سے جو کمزور ہے وہی میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک میں اسے حق نہ دلا دوں اور جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں''۔

خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظمؓ نے خلافتِ اسلامیہ کے تمام ججوں کے نام پر جو اہم ترین فرمان جاری کیا تھا اس کے ضروری نکات کا آغاز بھی عدل سے ہی کیا تھا اور انہوں نے بھی سب سے پہلے عدل و انصاف کی فراہمی کو ترجیح دی اور کہا:

''عدل و انصاف ایک اہم فریضہ ہے مجلس انصاف میں سب کو برابر رکھو تا کہ کوئی کمزور کبھی بھی انصاف سے مایوس نہ ہو۔ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام شہری اور عمر بن خطاب دونوں عدالت کے اندر برابر نہ ہوں اس وقت تک تم قاضی کے منصب کے اہل نہیں ہو''۔

خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے تمام مقبوضہ ممالک میں اعلان کروا دیا تھا:

''اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہو جائے اور فوری طور پر دربار خلافت تک نہ پہنچ سکے تو حج کے موقع پر بیان کرسکتا ہے۔ مجھ سے اور میرے حکام سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ انصاف میں تاخیر نہ ہوگی''۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا عدل بھی ہر عام و خاص پر تھا کسی مقدمہ میں اگر آپ فریق مقدمہ ہوتے تو عدالت میں ایک عام فرد کی طرح سے حاضر ہوتے تھے اور دوسرے فریق کے برابر میں بیٹھتے تھے حضرت علیؓ نے فرمایا:

''جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل بندہ وہ عادل ہے جس کو خود بھی ہدایت پر چلنا نصیب ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی عدل کی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی عدل و انصاف میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دور خلافت میں ایک گورنر نے ان سے التجا کی کہ مجھے اپنی حفاظت کے لیے ایک قطعہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے تو آپ نے اس گورنر کے خط کے جواب میں لکھ بھیجا کہ ایک حکمران کے لیے محفوظ اور مضبوط ترین قلعہ اس کا انصاف ہے۔ تم تمام لوگوں کو ان کا حق پہنچاؤ ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرو تاکہ ہر قسم کے شر اور ہر آفت سے محفوظ رہو۔

عدل اجتماعی کا قیام، ریاست کی اہم ذمہ داری:

اسلامی ریاست کا ایک اہم ستون عدل و انصاف کا قیام ہے۔ مملکت کو صحیح بنیادوں پر چلانے کے لیے عادل اور امین

Marfat.com

ہاتھوں کی بہت سخت ضرورت ہوتی ہے۔ جدید اصول قانون کی رو سے بھی حکمران کے اہم فرائض میں عدل گستری بھی شامل ہے کیونکہ یہ حقیقت سب پر منکشف ہے کہ:

''چرواہے کا کام تو بکریوں کو بھیڑیوں سے بچانا ہے اور اگر چرواہا ہی بھیڑیا بن جائے تو پھر بے چاری بکریوں کا کیا ہوگا۔''

ایک اور جگہ پر فرمانِ رسولؐ ہے: ''حکومت اس کی سر پرست ہے جس کا کوئی سر پرست نہ ہو'' (۵۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے حکمران کی سب سے اہم ذمہ داری ہر شہری کو بلاتفریق عدل و انصاف بہم پہنچانا ہے اور جو حکمران اپنے اس فرض کی بجا آوری میں کوتاہی کا مظاہرہ کرے گا تو روز قیامت میدان حشر میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ اس لیے ہر اسلامی ریاست کے حکمران کے لیے اشد ضروری ہے کہ ایک سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہر شہری کو اس کا حق دینے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرے کیونکہ!

''کفر کے ساتھ حکومت باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم (جو کے عدل کی ضد ہے) کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی''۔

اسلامی ریاست کے ہر حکمران کو دوسروں کے لیے نمونہ تقلید ہونا چاہیے اور اپنی ذات کو دوسروں کے لیے مثال بنا کر پیش کرنا چاہیے انصاف کی فراہمی اسلامی ریاست کا اہم ترین ستون۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلوں کے لیے انصاف کو ازحد لازمی قرار دیا ہے کیونکہ عدل کے قیام کے بغیر کسی بھی فرد کو مظلومی کی حالت میں دادرسی جیسی نعمت میسر نہیں آسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے قرآن پاک میں بار بار عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کا حکم دے کر یہ بتا دیا ہے کہ انصاف ہی تقویٰ سے قریب ترین ہے اور انصاف سے فیصلہ کرتے وقت بھی سب سے اہم ضرورت اس امر کی ہے کہ فرد کے رنگ و روپ، نسل و رتبہ اور امیری و غریبی درمیان میں نہ لائی جائے اور حق دار کو بلاتفریق حق دلوا دیا جائے یعنی کسی بھی قسم کے مفاد کو درمیان میں لائے بغیر اور کسی بھی مصلحت کو نظر انداز کر کے صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق عدل کا راستہ اختیار کیا جائے اور قصور وار پر حد جاری کی جائے چاہے وہ کتنے ہی اعلیٰ منصب پر فائز ہو۔ اسلام میں رتبے کی بناء پر جرم سے استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔

جس ریاست میں مفاد پرستی اور ناانصافی ہوتی ہے اور حکمران اپنی طاقت کے بل بوتے پر زیردستوں پر زیادتیاں کرتے ہیں اور عدل کو پاؤں تلے روندتے ہیں۔ اس ملک کی عمارت آہستہ آہستہ کھوکھلی ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر کار ایک دن زمین بوس ہو جاتی ہے اور جس مملکت کا حکمران عدل و انصاف کو اپنا ایمان سمجھ کر مملکت میں پھیلاتا ہے اور عدلیہ کا احترام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات دنیا میں بھی بلند کرتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو لاتعداد انعام و اکرام سے نوازے گا۔

ریاست کے عادل حکمران کے لیے انعامات الٰہی:

۱۔ عدل کرنے والے حکمران اللہ کے نزدیک داھنی جانب بیٹھیں گے۔

۲۔ عادل حاکم اللہ کو سب سے پیارا اور مقرب ہے۔

۳۔ قیامت کے دن عادل اور نرم دل حکمران کی قدرو منزلت ہوگی۔

Marfat.com

۴- قیامت کے دن سب سے بدترین شخص ظالم حکمران ہوگا۔

۵- حاکم زمین پر سایہ خدا ہے۔ ہر شہری اس کی پناہ میں ہوتا ہے۔

۶- حکمران جب عدل کرے تو ثواب ملتا ہے۔ ناانصافی کرے تو گناہ کماتا ہے۔

۷- قیامت کے دن سایہ خدا ان کو حاصل ہوگا جو دوسروں کے ساتھ اپنے جیسا عدل کرتے ہیں۔

۸- قیامت کے دن دوزخ کی آگ انصاف نہ کرنے والے حکمرانوں سے کہے گی کہ اے حاکمو! خدا نے تمہیں قدرت دی لیکن تم نے عدل نہ کیا۔ پھر آگ ان کو نگل لے گی۔

ان تمام احادیث نبویؐ سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان معاشرے اسی لیے فتنہ وفساد، ظلم وستم اور تباہی و بربادی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں کہ ان کی ریاستیں اور حکمران عدلِ اجتماعی کے نفاذ اور قیام کو سرے سے نظر انداز کر رہی ہیں اور پھر ان لوگوں کے ساتھ سخت زیادتی ہو رہی ہے جو معاشرے میں کچھ کمزور ہیں۔ حکمران کا معاشرے کے فرد کو عدل و انصاف نہ پہنچانا ہی معاشرے کی تباہی و بربادی ہے۔

جمہوریت اور عدلِ اجتماعی:

اسلام میں مغربی طرزِ جمہوریت کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس قسم کی جمہوریت میں براہ راست نمائندے اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہیں جائز اور جس کو چاہیں ناجائز قرار دے دیں۔ اس قسم کی ریاستیں کسی دین یا مذہب کی پابند نہیں ہوتیں بلکہ عوام کی اجتماعی رائے ہی اصول اور قانون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلام میں جمہوریت ضرور ہے لیکن مطلق العنانی اور من مانی کی جمہوریت کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اسلامی مملکت کا منشاء ایک ایسی جمہوریت ہے جس میں اقتدار اعلیٰ اور اصل حکمران اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانا جائے اور ہر فیصلے و قانون میں اسی کے احکامات کو مقدم رکھا جائے۔ تمام قوانین رف اور صرف اسی کے حکم کے تابع ہوں کیونکہ اگر حکمرانی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہی انسانوں کو اقتدار دیتا ہے اس لیے اقتدار اللہ کی امانت ہے اس میں اپنی من مانی کر کے خیانت کرنا روزِ محشر سخت سزا کا باعث ہوگا ہر حکمران کا اولین فرض ہے کہ اسلامی ریاست کی مضبوطی اور فلاح کی خاطر عوام کے ساتھ مل کر عدل اجتماعی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے اصل دین کو نافذ کرے۔ کیونکہ اسلام میں کسی بھی طرح کی آمریت اور ملوکیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کے ذریعے سے اصل جمہوریت کے احکامات اور اصول وقواعد واضح طور پر پیش کر دیئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ''اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پائیں''۔(۵۶)

۲- ''اور سب سے معاملات میں مشورہ کرو'' (۵۷)

۳- ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو'' (۵۸)

اسلامی جمہوریت اور فرمان نبویؐ:

۱- میری امت گمراہی پر ہرگز مجتمع نہ ہوگی۔

۲- جماعت کو اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

۳- جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

۴- جس معاملے میں اللہ کی نافرمانی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت ہرگز لازمی نہیں ہے۔

رسول اللہ کے ان تمام اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں عدل اجتماعی کو اولیت حاصل ہے اور ایسا عدل و انصاف جس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو سب سے زیادہ اولیت حاصل ہو اور لوگوں کی فلاح و بہبود مقصود ہو۔

عدل اجتماعی ملکی امن و سلامتی کا ضامن:

کسی بھی ملک میں فتنہ و انتشار اور قتل و غارت گری کی سب سے اہم وجہ عدل اجتماعی کا فقدان ہے۔ ریاست و مملکت میں امن و امان اور کون و سلامتی کے لیے عدل اجتماعی کا نافذ شرطِ اول ہے جو کہ ایک بنیادی اور لازمی عنصر ہے۔ دنیا کے ہر معاشرے اور اقوام عالم وقوم و ملت نے قیام امن کے لیے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق عدل و انصاف کا اجراء کیا ہے اور ہر قوم کے عدل کے قیام کا معیار بھی الگ الگ رہا ہے۔ ان کے عدل کے پیمانے اپنوں اور غیروں، امیروں اور غریبوں، گوروں اور کالوں کے لیے مختلف ہیں۔ لیکن جس معاشرے میں عادلانہ اقدار کو فروغ حاصل نہ ہو اور قانون عدل کی بالادستی نہ ہو، قانون کی نظر میں تمام افراد مساوی نہ ہوں تو اس کے نتیجے میں معاشرہ ظلم وستم، فتنہ وفساد، بدامنی و بے چینی اور کلفت و انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر باہمی محبت و الفت کے بجائے بغض و عداوت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں ظلم و تعدی، قتل و غارت گری کے ساتھ ساتھ بدامنی و بے چینی حد سے زیادہ قدم جما چکی ہے اور ملک تباہی و بربادی کے قریب تر ہو چکا ہے۔ اس کا اہم سبب صرف اور روئے زمین پر اجتماعی عدل و انصاف کا فقدان ہی ہے۔ کیونکہ حضرت محمدؐ نے اس صورت حال کو ہلاکت و بربادی کا سبب قرار دیا ہے اور اس کے برعکس عدل اجتماعی کا قیام مملکت کی بقاء و استحکام کے لیے عدل و انصاف سے گہری وابستگی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس کے نفاذ سے ہی محبت و اتحاد، خلوص و یگانگت اور اتفاق میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج ہر انسان امن و سلامتی کا متلاشی نظر آتا ہے۔ اے کاش کے ہم سب لوگ ایک لمحے کے لیے غور کریں کہ ہمارے اردگرد کے افراد جو کہ ہماری ذات سے وابستہ ہیں اور ان پر جو ہمارے حقوق ہیں۔ کیا ہم ان کے حقوق مکمل انصاف اور عدل کے ساتھ ادا کر رہے ہیں؟ تو ہمیں خود جواب مل جائے گا کہ عدل کے حصول کے لیے ادائیگی عدل لازمی ہے۔ اگر ہم میں سے ہر کوئی دوسرے کے ساتھ عدل کا معاملہ رکھے تو کوئی بھی فرد عدل سے محروم نہ رہے گا اور معاشرتی، معاشی، سیاسی، سماجی، عائلی و سیاسی عدل کا حصول نہایت آسان ہو جائے گا یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود اپنی ہی راہ بنانے کے لیے ہمیں پہلے اپنا قدم ہی آگے بڑھانا ہوگا۔ اس آرزو کی بارآوری کے لیے صرف دوسروں کی طرف آس و امید لگا کر بیٹھے رہنا ہی کافی نہ ہوگا۔ قیام عدل و انصاف کے تمام اصول قرآن میں موجود ہیں۔ سنت رسولؐ ہمارا رہنمائی اول ہے، شرط صرف اور صرف سعی و جدوجہد کی ہے۔ بقول علامہ اقبال اللہ تعالیٰ منتظر پکار مسلم ہے اور کہتا ہے کہ

ع ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں — راہ دکھلائیں کسے راہبر و منزل ہی نہیں (۵۹)

عدل اجتماعی انسداد جرائم و دہشت گردی کا اہم ذریعہ

معاشرے سے تمام اقسام کی برائیوں کا خاتمہ اور سدباب امت مسلمہ کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ ہمارے نبیؐ نے

Marfat.com

بار بار تلقین کی تھی کہ تم میں سے جو بھی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو کم از کم دل سے برا سمجھے اور یہ نیکی کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے تو کیوں نہ ہم نیکی کے سب سے اعلیٰ درجے پر فائز ہو کہ اللہ کی نظروں میں سرخروئی حاصل کریں۔ فرمان الٰہی ہے:

"تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں گے اور برائیوں سے روکیں گے"۔(۶۰)

نیکیوں کا پھیلانا اور برائیوں کو روکنا ہی دراصل اسلام کا اصل مشن اور منشاء ہے اور برائیوں کا انسداد قرآن میں بہت وسعت کے ساتھ موجود ہے جو کہ صرف اور صرف عدل اجتماعی کے نفاذ اور مکمل قیام کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں عدل اجتماعی کی فراہمی کے ذریعے سے ہی معاشرے میں جرم کی بیخ کنی کی گئی ہے۔ کیونکہ جس ریاست میں بنیادی حقوق کی فراہمی عدل و انصاف سے نہیں کی جاتی وہاں کی عوام احساس محرومی کی وجہ سے برائیوں کے دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں اور اپنے حقوق حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ حقوق غلط اور ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ ناکامی کی صورت میں خودکشی تک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح عدل اجتماعی کی عدم فراہمی دن بدن جرائم اور دہشت گردی کے اضافے کا سبب بن جاتی ہے۔

اس کے برعکس جس ریاست میں عدل اجتماعی کا نظام پوری طرح سے اور اپنی اصل روح کے مطابق نافذ کر دیا جائے تو اس کے معاشرے سے جرائم کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں کے لوگوں کو ان کے حقوق حاصل ہو جانے کی وجہ سے جو سکون و خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ان کو غلط راہ کی طرف نہیں جانے دیتی۔ زیادہ تر جرائم کیونکہ اسی وقت جنم لیتے ہیں جب کسی شعبہ میں لوگوں کو عدل نہیں ملتا اور ان کی حق تلفی ان کو غلط کاری کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظام عدل کا قیام انسانی معاشرے کی بقاء اور استحکام کے لیے اور انسداد جرائم و دہشت گردی کے لیے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیام عدل کی ضرورت اشرف المخلوقات کے لیے ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ عدل اجتماعی کی عدل فراہمی جس طرح معاشرے میں جرائم کی پرورش کرتی ہے۔ اسی طرح عدل اجتماعی کا قیام اور نفاذ معاشرے سے روزانہ مندرجہ ذیل جرائم کا مکمل خاتمہ کر کے زندگی کو جنت بنا دیتا ہے۔ ۱- رشوت۔ ۲- خودکشی، ۳- بدکاری و زنا۔ ۴- فحاشی ۵- شراب نوشی ۵- سرقہ و ڈکیتی ۶- ناپ تول میں کمی۔ ۷- دھوکہ و فریب۔ ۸- جھوٹ۔ ۹- سٹہ بازی۔ ۱۰- ملاوٹ جھوٹی شہادتیں۔ ۱۱- جیب تراشی۔ ۱۲- غلط تجارت اور اغواء و دہشت گردی وغیرہ۔

غرض عدل اجتماعی کا نفاذ معاشرے کو غلط کاریوں اور جرائم سے پاک رکھتا ہے۔ کیونکہ ناانصافی انسان کے خیالات کو منتشر کر کے اس کے ذہن میں محرومی و حق تلفی پیدا کر دیتی ہے اور پھر ایک اچھا خاصا انسان اپنے اندر شیطانی قوت پا کر غلط راستے پر چلنے لگتا ہے اور وہ تمام حقوق جو اسے عدل کے ذریعے حاصل نہیں ہوتے شیطانی قوت اور غلط کاری سے حاصل کرتا ہے۔ معاشرے کی خوشحالی اور مملکت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ ہر محکمہ میں متقی و پرہیز گار محتسب مقرر کیے جائیں جو اپنے ماتحت اعمال کو ان کے فرائض کی کوتاہی، کاہلی اور بے انصافی پر تادیبی کارروائی کریں۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی جائے۔ کیونکہ یہی عین عدل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو محنت کرنے والے کے

Marfat.com

ساتھ سخت بے انصافی ہوگی اور وہ بھوکا مرنے کے بجائے کوئی غلط راہ اختیار کرے گا۔ یعنی عدل کی فراہمی انسان کے بلند کردار کی ضمانت ہے اور معاشرے کی خوشحالی کی اساس ہے یعنی معاشرے سے جرائم کی بیخ کنی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے عدل اجتماعی کا اہتمام اہم ترین امر ہے۔

عدل اجتماعی کی وسیع ترین عدالت ''میدان حشر''

اسلامی نظام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی تربیت خوفِ خدا کے ساتھ ساتھ تصور آخرت سے بھی کرتا ہے۔ اسلام انسان کو دراصل احساس جوابدہی کے ذریعے اندر سے بدلنا چاہتا ہے اور اس اندرونی تبدیلی کے لیے سب سے زیادہ زور تصور آخرت کے خوف پر دیتا ہے۔ یعنی اگر اسے ہر لحہ یہ خوف رہے گا کہ اسے اپنے کیے ہوئے ہر عمل کا جواب ایک دن ضرور دینا ہے اور اس کا ہر اچھا عمل اسے جزاء اور برا عملی سزا دے گا تو پھر وہ ضرور اپنے آپ کو برائیوں سے بچانے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی اس کے ثمرات قیامت کے دن دیکھ لے گا اور جس نے ذرا بھر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کے نتائج بھگتے گا''۔(۶۱)

''انسان اپنی زبان سے جو بات بھی نکالتا ہے۔ اس کے پاس ایک لکھنے والا ہر وقت لکھتا ہے''۔(۶۲)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جہاں تمام دنیا کے افراد کے ساتھ عدل اجتماعی ہوگا۔ جہاں پر مکمل عدل و انصاف کے ذریعے اچھے عمل کی جزاء اور برے عمل کی سزا مل کے رہے گی۔ چاہے وہ عمل سوئی کے نوک کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ عدل اجتماعی کے اس میدان میں کوئی بھی شخص اپنی امیری کی وجہ سے جرائم کا خاتمہ نہیں کروا سکے گا اور نہ ہی کوئی اعلیٰ حسب ونسب کو اپنی بخشش کا ذریعہ بنا سکے گا بلکہ سب کے ساتھ مکمل انصاف ہوگا۔ جس کو دنیا میں میں انصاف نہ ملا ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ اس کو پورا پورا حق اور انصاف دے گا۔ یعنی تصور آخرت انسان کے دل میں خوف خدا پیدا کرتا ہے اور یہ خوف خدا اس کو کسی کا حق مارنے سے کسی کے ساتھ بے انصاف کرنے سے باز رکھتا ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کونسا ہمارا محاسبہ ہوگا تو ان کے لیے فرمان الٰہی ہے:

''بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں جو اعمال وہ کرتے ہیں اور ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں''۔(۶۳)

یعنی انسان کی زندگی میں کیے جانے والے ہر عمل کا حساب ساتھ ساتھ ریکارڈ ہوتا جا رہا ہے جو کہ روزِ آخرت میں ہر انسان کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور پھر خود اعضائے انسانی اس عمل کے گواہ ہونے کی وجہ سے کوئی انسان اپنے عمل کا انکار نہ کر سکے گا۔ اس سلسلے میں فرمان الٰہی ہے:

''آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جس بدکاری کی طرف وہ چل کر گئے''۔(۶۴)

مندرجہ بالا آیات سے روزِ محشر کے عدل کی وضاحت ہو رہی ہے۔ اس دن انسان کے ہر اچھے اور بڑے عمل کے

Marfat.com

گواہ خود اس کے اعضاء ہوں گے۔ یعنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں نے جو عمل کیے ہوں گے وہ خود اس کی گواہی دیں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ انتظام کر رکھا ہے کہ باقاعدہ فرشتے ہر انسان کے عمل کا ریکارڈ رکھنے پر مامور ہیں اور روز قیامت تمام لوگوں کے سامنے ان کا ریکارڈ رکھ کر عدل کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ اچھے لوگوں کو بہترین انعامات اور برائے لوگوں کو بدترین سزائیں ملیں گی۔ روز محشر کی عدالت سب سے اہم اور بڑی عدالت ہوگی اور اس کا عمل سب سے بہترین عدل ہوگا۔ اس دن کوئی سفارش کام نہ آئے گی اور جس نے دنیا میں سفارش کے ذریعے جرائم چھپائے ہوں گے اور ناانصافی کی ہوگی تو اسے بھی سفارش کی سزا ملے گی اور دنیا کے درجات اور دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو سزا سے نہ چھوڑا جائے گا اس دن چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی عدل سے محروم نہیں رہے گا۔ جس نے بھی تھوڑی سی نیکی بھی کی ہوگی اس کو انصاف ملے گا اور کسی کا جرم کسی دوسرے کے سر تھوپا نہیں جائے گا فرمان الٰہی ہے:

''کوئی کسی کے دوسرے کا گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور انسان وہی صلہ پائے گا جو اس نے عمل کیا''۔(۶۵)

''ہر انسان کو اس کی نیکی کی جزاء اور برائی کی سزا ضرور مل کر رہے گی''۔(۶۶)

یہ تمام آیات عدل اجتماعی کی فراہمی کے سلسلے میں اہم ترین کڑیاں ہیں اور بتا رہی ہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ اس دن کسی کے ساتھ زیادتی اور بے انصاف نہ ہوگی بلکہ دنیا میں ہونے والی ناانصافیوں کے ازالے کا دن روز حشر ہوگا۔ اس دن چاروں طرف عدل کی بھرمار ہوگی۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ روز محشر کا میدان عدل کا سب سے بڑا میدان اور عدل کی سب سے بڑی عدالت ہوگا۔ کوئی مظلوم کسی دوسرے کے جرم کی سزا نہ بھگتے گا۔ نہ باپ کے جرم کی سزا بیٹا اور نہ بیٹے کے جرم کی سزا باپ بھگتے گا یعنی دنیا میں ہونے والی ناانصافی اور ڈرامے بازی کے خاتمے کا دن روز محشر ہوگا فرمان الٰہی ہے:

''اس دن نہ تو سرکشوں کا کوئی سچا دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسی سفارش کرنے والا جس کی کوئی بات مان لی جائے''۔(۶۷)

''اس دن دولت اور اولاد سے کوئی فائدہ نہ ہوگا''۔(۶۸)

بلاشبہ انسان کی دنیاوی زندگی دراصل اس کی اخروی زندگی کا مقدمہ ہے اور اصل عدل اسی دن ملے گا۔ اصل عدالت اسی دن لگے گی۔ دنیا کے موجودہ نظام کے مکمل طور پر فنا ہو جانے کے بعد ایک بہت بڑی اور زبردست عدالت لگے گی جس کا جج صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ یہ عدالت اجتماعی عدل کی سب سے اہم عدالت ہوگی۔ اس دن انسان کو عدل کی فراہمی کے لیے ایک نئی جسمانی زندگی ملے گی اور وہ کائنات کے سب سے بڑے عادل کے سامنے پیش ہوں گے۔ ایک ایسا لاثانی عادل جو کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی ناانصافی نہ ہونے دے گا وہ انسانوں کے دنیا میں کیے گئے اعمال کی جانچ پڑتال کر کے مکمل حق و انصاف کے ساتھ ہر انسان کے مقدمے کا فیصلہ کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس کے اعمال کے وزن بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے اعمال کے وزن ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا''۔(۶۹)

Marfat.com

روزِ محشر یعنی مرنے کے بعد کی زندگی کے اچھے اور برے اعمال کی سزا و جزاء عقیدہ اسلامی کی تعلیمات میں بے حد اہم ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے جو سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے جو بھی دوسرے کے حق کا خیال رکھ کر عدل کرنے کا تو اللہ تعالیٰ بھی روزِ محشر کی عدالت میں اس کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے گا۔ دنیا میں عدل اجتماعی کے قیام کا اصل مقصد یہی ہے کہ خود مظلوم یہ دیکھ لے کہ مجرم کو حق و انصاف کے تقاضوں کے مطابق سزا دی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل عدل کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ ایک دن ایسا مقرر ہو جب سراسر انصاف کا دور دورہ ہو اور یہی خاص دن ''روزِ محشر'' ہوگا۔ جب ہر کوئی عدل کی آخری حدوں کو چھولے گا اور ہر انسان کے اعمال کی جانچ پڑتال میزان عدل کے ذریعے انجام کو پہنچے گی اور فیصلہ اس خدا کے ہاتھ میں ہوگا جو عادل، خبیر، قادر مطلق، رحمان و رحیم اور غفار ہے اور ہر طرح کی طرفداری، سفارش، دھمکی، لالچ و کمزوری اور جھکاؤ سے بالاتر ہے روزِ محشر عدل کا وسیع میدان ہوگا اور خدا تعالیٰ عادل اکبر ہوگا۔

عدل اجتماعی کے قیام کے لیے چند اہم اور مؤثر تجاویز جس کے نفاذ سے ہمارا ملک امن، ترقی اور خوشحالی پا سکتا ہے

پاکستان میں اصل مسئلہ قوانین بنانا نہیں ہے بلکہ قوانین بنا کر اس کی روح کے مطابق اس پر عمل درآمد کروانا ہے۔ عدلیہ میں پیش کیے جانے والے بڑے بڑے جرائم پیشہ افراد کا بڑی تعداد میں بچ جانا ہی دراصل ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ ہمارے عدالتی نظام میں ملوث بدکردار لوگ عدل کی فراہمی میں، عدل و انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ سستے اور جلد انصاف کا حصول ہر فرد کا بنیادی حق ہے لیکن پاکستان میں یہ حق حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ خاص طور پر صوبہ سندھ میں حصول انصاف کا مرحلہ نہایت تکلیف دہ اور قابل مذمت ہے۔ ۵۱ فیصد پاکستانی عدل کے حصول کے لیے عدالتوں کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن انصاف کے حصول کے لیے ہمارے ملک کا عدالتی نظام نہایت مایوس کن اور بدعنوانیوں کا شکار ہے۔ جس کی وجہ سے باقی عوام انصاف کی ضرورت کے باوجود بھی عدالتوں کا رخ کرنا گوارہ نہیں کرتے۔ انصاف کی فراہمی کے لیے ضروری ہے کہ جج کا تقرر پوری دیانت داری سے اہلیت اور قابلیت کو معیار بنا کر کیا جائے اور اس کے بعد مسلسل تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی جاری رکھا جائے اور پھر تمام جج کی کارکردگی پر ایک رپورٹ تیار کی جانی چاہیے۔ کیونکہ دنیا بھر میں ججوں کی مانیٹرنگ ان کے اخلاق، کردار اور دیئے گئے فیصلوں کی روشنی میں کی جاتی ہے اور ان کے خلاف شکایات کا ان کی ساکھ کے مطابق کیا جاتا ہے۔ ہائی کورٹ کے جج کو ماتحت عدلیہ کے جج کی مستعدی کے ساتھ مانیٹرنگ کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کو عدل صحیح بنیادوں پر بروقت حاصل ہو سکے۔

ماتحت عدلیہ کے جج کی وقتاً فوقتاً مانیٹرنگ اور تربیت کرنے سے صورت حال کافی حد تک تبدیل ہو سکتی ہے اور یہ کام کرنے کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے۔ عدل کے حصول میں یہ تبدیلی مشکل ضرور ہے پر ناممکن نہیں ہے۔ ماتحت عدالتوں میں کام بہت زیادہ ہوتا ہے اس کی نسبت کام کرنے والے عملے کی بہت کمی ہے۔ ماتحت عدالتوں میں بعض اوقات ایک جج ۸۰ سے زیادہ مقدمات کی سماعت کرتا ہے اور بعض جج حضرات سے بدعنوانی جیسی شکایات بھی عام ہیں۔ ان کی نسبت ہائی کورٹ کے ججز کے خلاف ایسی شکایات نہیں ہیں۔ جو شخص حق پر ہوتا ہے مگر جج کی منہ مانگی رقم نہیں دے سکتا تو اکثر ناانصافی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حقیقی عدل کی فراہمی کے سلسلے میں پولیس کی تفتیش کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ پولیس کو اپنی اس اہم ذمہ داری کو خوف

Marfat.com

خدا رکھ کر سختی کے ساتھ ایمانداری سے نبھائیں۔ کیونکہ اس کے بغیر عدل کی فراہمی ناممکن ہے۔ انصاف کی فراہمی کے لیے تفتیشی نظام کو بہتر کرنا نہایت اہم ہے جب تک تفتیشی نظام صحیح نہ ہوگا۔ لوگوں کو انصاف نہ مل سکے گا کیونکہ عدالت گواہوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہے۔ غلط تفتیشی نظام لوگوں کو عدل نہ ملنے کا سب سے اہم سبب ہے جس کا انسداد ضروری ہے۔

ضمانت اور stay order جاری ہونے کے بعد بھی بہت سارے مقدمات دس دس سال تک چلتے ہیں اور لوگوں کو حقیقی انصاف نہیں ملتا۔ انصاف کے ضمن میں بار ایسوسی ایشن کا بھی بہت اہم کردار ہے ان کے اراکین بھی اتنے مضبوط نہیں ہیں جتنے ہونے چاہیے۔ ان کا ٹیکنیکی شعور بڑھانے کے لیے بھی سخت تربیت کی ضرورت ہے اور کردار سازی کے لیے بھی لائحہ عمل نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

عدالتی نظام بہترین بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وکلاء عدلیہ کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔ کیونکہ کچھ تو عدلیہ کا بھی قصور ہے اور کچھ وکلاء کی کوتاہی بھی اس میں شامل ہے۔ مقدمات کے تصفیے میں تاخیر کا ایک بڑا سبب وکلاء کی طرف سے زیادہ سے زیادہ التواء مانگنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملزموں کو ضلعی جیلوں سے لیکر عدالت میں پیش نہ کرنا بھی تاخیر کا بڑا سبب ہے۔ اس لیے عدالتی نظام کو فعال بنانے، مقدمات جلد نمٹانے اور تفتیش کے طریقہ کار کو ایمانداری کے فارمولے پر بنانے کے لیے سخت اور فوری اقدامات کی ضرورت ہے جو کہ عدل کی فراہمی کو ممکن بنانے میں مدد معاون ثابت ہوں گے۔ مندرجہ بالا تمام اہم تجاویز پر فوری عمل درآمد کر کے انصاف کے حصول کو ممکن بنا کر ناانصافی کا تدارک کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعے معاشرے کو عدل کا حصول آسان ہو جائے گا۔

عدل اجتماعی کا نفاذ عصر حاضر کی اہم ضرورت:

اگرچہ انسان کے نزدیک اہم چیز وہ ہوتی ہے جو اس کی اپنی فطری خواہش اور طبعی نظر میں اہم ہو لیکن کسی فرد کی سعادت اجتماعی ظرف اور معاشرتی ماحول کی سعادت پر مبنی ہوتی ہے لیکن اسلام نے ہمیشہ معاشرہ کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کی طرف خاص توجہ مبذول کروائی ہے اور عدل اجتماعی کا قیام ہی صلح و سلامتی کا نہایت مستحکم ستون ہے اور خوشحالی کا اہم عنصر بھی ہے۔

اس دنیا میں ظالم افراد کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ غاصب لوگ جبر و تشدد سے دوسروں کا حق چھینتے ہیں۔ لوگوں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں اور پھر وہ لوگ بہتے ہوئے آنسوؤں اور تڑپتے ہوئے دلوں کے ساتھ عدالت کے دروازے پر جاتے ہیں۔ ایسی عدالت جس کے سپرد قوم نے عدل کی اہم ذمہ داری کر رکھی ہے اور پھر ایسے میں بے بس کو انصاف مل جائے، مجرم کو جرم کی پاداش میں سزا ہو جائے اور قاتل جرم ثابت ہونے پر قابل گرفت ہو جائے تو فریادی کے گرتے آنسو تھم جاتے ہیں۔ چھینا ہوا مال واپس مل جانے پر دل کو قرار آ جاتا ہے اور فریادی جو اٹھتی ہوئی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ عدالت کے دروازے پر گیا تھا تو عدل مل جانے پر تسکین روح کے ساتھ واپس آ جاتا ہے اور اس کی زندگی میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس طرح عدل اجتماعی عام ہونے سے ہر شخص کو یقین ہوگا کہ مقدمے میں نہ رشوت مانع ہوگی اور نہ ہی سفارش مدد کرے گی۔ ہر فرد کی جان و مال اور عزت محفوظ رہے گی اور عدل کے ذریعے سے ہی ملک میں قصاص رواج پا جائے گا۔ فرمان الٰہی ہے۔

''اے اہل ایمان پوری قوت کے ساتھ عدل و قسط کے قائم کرنے والے بنو''۔(۷۰)

Marfat.com

عدل کا قیام ہر ریاست کے سربراہ کی اہم ترین ذمہ داری ہے سربراہ عادل ہوگا تو معاشرے میں عدل کے فروغ کی طرف دھیان دے گا اور اگر اس کا رجحان برائیوں کی طرف ہوگا تو معاشرے میں افراتفری اور خون خرابہ پھیلتا جائے گا۔ جیسا کہ پورے ملک اور خاص طور پر میرے اپنے شہر کراچی کی صورت حال ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ناانصاف اور ظلم وستم کرنے والے حکمران کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ ہی عذر سننے والا۔ چنانچہ اس کو سیدھا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ روز حشر صفائی کا کوئی موقع فراہم نہ کرے گا۔ اس لیے ہر ریاست کے حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اور اپنے دور حکومت میں عدل اجتماعی کی فراہمی کا نفاذ فوری طور پر کرے۔ ورنہ انسانی معاشرے کو خراب کرنے والے حکمران کے لیے بار بار تنبیہ ہے کہ وہ بڑے افراد کو زیادتیوں سے روکے اور ان کی حوصلہ افزائی نہ کرنے اور عدل کو مدنظر رکھ کر معاشرے کو ناانصافی کا شکار نہ بنائے۔ جو حکمران جرائم کی بیخ کنی اور مجرموں کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے اور بحیثیت حکمران صرف اور صرف اپنے مفادات کو مدنظر رکھتے ہیں اور عدل اجتماعی کے قیام کو مدنظر نہیں رکھتے تو ان کی اس لاپرواہی کی بہت بڑی سزا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہے اور اس کا ٹھکانہ صرف اور صرف جہنم ہوگا اور اس سے بچنے کا ذریعہ ہی تعلیمات رسولؐ ہیں۔

غرض کہ حضرت محمدؐ کی حیات طیبہ تمام بنی نوع انسانوں کے لیے رحمتوں، برکتوں اور سکون و خوشحالی کا منبع تھی، ہے اور رہے گی۔ عدل اجتماعی کی جتنی پاسداری اور نگہداشت رسولؐ نے کی وہ تاریخ مذاہب کا سب سے بڑا محیر العقول اور ناقابل فراموش کارنامہ ہیں۔ آپؐ نے فرد سے لیکر معاشرہ اور ریاست تک ہر ایک کے حقوق میں عدل کو مدنظر رکھا اور عدل کا بلند ترین معیار قائم کر کے انسانی حقوق و اقتدار کا بلند ترین معیار قائم کر کے انسانی حقوق و اقتدار کا انتہائی درجہ احترام کیا اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں بھی عدل اجتماعی کے سلسلے میں جتنی آیات پیش کی گئی ہیں وہ اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ اللہ کے نزدیک عدل و انصاف غیر معمولی اہمیت رکھنے والا عنصر ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ انسانی معاشرہ اس وقت تک فتنہ و فساد سے محفوظ اور امن و امان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا جب تک کہ بے لاگ عدل ریاست کا اصل اور اٹل اصول نہ ہو اور عدل بھی ایسا کہ جس میں نہ ذاتی رجحانات اور مفادات کا دخل ہو اور نہ دوستوں وعزیزوں و رشتہ داروں کے چشم ابرو کا لحاظ ہو۔ وہ حقیقی عدل جو غریبوں اور امیروں کے لیے مساوی ہو، پست و بلند کی تفریق، خدا اور اس کے رسولؐ کی عدالت میں روا نہیں رکھی جاسکتی۔

عدل اجتماعی کا قیام کسی بھی ریاست کی تعمیر و ترقی اور معاشرے کی خوشحالی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر انسانی جسم ایک لمحہ بھی کھڑا نہیں رہ سکتا۔ عدل اجتماعی ریاست کی اہم ترین ذمہ داری ہے لیکن ہم آج تک اس اہم ذمہ داری کو نبھانے میں ناکام ہیں اور اپنے عہد سے پھر چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارا پیارا پاکستان تیزی سے تنزلی کی طرف جا رہا ہے ہمارا قومی تشخص اور وقار و استحکام بہت خطرے میں ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ظلم و ناانصافی ہے اگر اب بھی ہم نے حالات سے سبق نہ سیکھا اور عدل اجتماعی کا عملی نفاذ (Prictical Enforcement) مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نہ کیا تو ملک کی صورت حال اور خرابی کی طرف چل نکلے گی عدل اجتماعی کا نفاذ ایک کل وقتی اور مستقل کام ہے۔ اس کے قیام جیسے اہم فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ اور نتائج پر بھرپور نگاہ رکھ کر سرانجام دیا جائے تاکہ

Marfat.com

مثبت، مؤثر، نتیجہ خیز اور دیرپا مقاصد وفوائد حاصل ہوسکیں۔ اس لیے عصر حاضر میں ملکی صورتحال کو بدلنے کے لیے اور نئے نئے چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے تعلیمات نبویؐ کے مطابق عمل درآمد ضروری ہے۔ ہماری تمام مشکلات ہیجان واضطراب اور تباہی و بربادی کے انسداد کا حل آنحضرتؐ کی سیرت پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اجتماعی طور پر عدل حبیبؐ کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنانے اور سیرت طیبہؐ پر عمل پیرا ہو کر عدل اجتماعی کے نفاذ و قیام کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اس کا تھا قوی، لوث مراعات سے پاک
جو بھروسہ تھا اس کو قوتِ بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا (۷۱)

حواشی وحوالہ جات

۱- سورۃ النساء آیت ۱۲۷۔ ۲- سورۃ النساء آیت ۲۔ ۳- سورۃ النساء آیت ۳۔ ۴- البخاری شریف، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۵۲۔ ۵- البخاری شریف، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۵۲۔ ۶- البخاری شریف، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، مصطفیٰ البابی، مصر ۱۳۵۲۔ ۷- اسلام و قانون محنت، مولانا حبیب اللہ ندوی، صفحہ ۴۷، ۴۶۔ ۸- شرح سید کبیر للسرخی صفحہ ۹۶۔ ۹- ترمذی شریف، باب التراز و۔ ۱۰- ابن ماجہ، باب المز دوری۔ ۱۱- ابو داؤد، باب بیع الشراء۔ ۱۲- صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، مصطفیٰ البابی، باب الزواج، ترمذی، نسائی۔ ۱۳- صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، باب الرزق، صفحہ ۲۳۹ تفسیر ابن کثیر حافظ عماد الدین۔ ۱۴- سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۱۳۔ ۱۵- سورۃ النساء ۱۔ ۱۶- سورۃ النحل آیت ۹۷۔ ۱۷- سورۃ النازعات، آیت نمبر ۴۱-۳۷۔ ۱۸- سورۃ البقرہ ۱۹۵۔ ۱۹- سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۔ ۲۰- ابو داؤد و ترمذی شریف۔ ۲۱- ابو داؤد و ترمذی شریف۔ ۲۲- ابو داؤد و ترمذی شریف۔ ۲۳- ابو داؤد و ترمذی شریف۔ ۲۴- ابوداؤد و ترمذی شریف۔ ۲۵- صحیح بخاری و ابو داؤد و ترمذی شریف۔ ۲۶- سورۃ الحدید، آیت نمبر ۲۵۔ ۲۷- سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵۔ ۲۸- سورۃ الحدید آیت ۲۵۔ ۲۹- سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۵۔ ۳۰- سورۃ المائدہ۔ ۳۱- سورۃ النساء آیت نمبر ۵۸۔ ۳۲- سورۃ المائدہ آیت ۸۔ ۳۳- سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸۔ ۳۴- الحجرات آیت نمبر ۹۔ ۳۵- سورۃ النساء ۵۸۔ ۳۶- سورۃ النساء ۱۰۵۔ ۳۷- سورۃ بنی اسرائیل۔ ۳۸- سورۃ النجم آیت نمبر ۳۴۔ الحجرات آیت نمبر ۹۔ ۳۵- سورۃ النساء ۵۸۔ ۳۶- سورۃ النساء ۱۰۵۔ ۳۷- سورۃ بنی اسرائیل۔ ۳۸- سورۃ النجم آیت نمبر ۳۴۔ ۳۹- سورۃ الاحقاف آیت نمبر ۱۵۔ ۴۰- سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۹۴۔ ۴۱- سورۃ الحجرات۔ ۹۔ ۴۲- مستدرک، حاکم، سیرت النبیؐ بحوالہ جمال مصطفیٰ، جلد اول۔ ۴۳- تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ ۴۶۸۔ ۴۴- رواہ عبداللہ بن بریدہ، معین الاحکام صفحہ نمبر ۸۔ ۴۵- رواہ الترمذی، و ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۳۲۴۔ ۴۶- معین الاحکام، صفحہ نمبر ۸۔ ۴۷- رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۳۲۲۔ ۴۸- الترمذی شریف۔ ۴۹- المسلم ونسائی شریف، احمد بن شعیب، باب العدل۔ ۵۰- رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف، باب العدل والنصاف۔ ۵۱- مسلم شریف، باب المز دوی و اجارہ۔ ۵۲- بخاری شریف، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، ۱۳۵۶۔ ۵۳- اسلامک ایجوکیشن، مفتی منیب الرحمٰن، صفحہ نمبر ۲۷۵۔ ۵۴- اسلامک ایجوکیشن، مفتی منیب الرحمٰن، صفحہ نمبر ۲۷۵۔ ۵۵- سنن داؤد شریف و ترمذی شریف۔ ۵۶- سورۃ الشعریٰ آیت نمبر ۳۸۔ ۵۷- سورۃ العمران آیت نمبر ۱۵۹۔ ۵۸- سورۃ النساء آیت نمبر ۵۹۔ ۵۹- علامہ اقبال کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۴۸ء۔ ۶۰- سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۴۔ ۶۱- سورۃ الزلزال آیت نمبر ۹۔ ۶۲- سورہ ق آیت نمبر ۱۸۔ ۶۳- سورۃ لیس آیت نمبر ۱۲۔ ۶۴- سورۃ لیس آیت نمبر ۶۵۔ ۶۵- سورۃ النجم آیت نمبر ۴۰-۳۸۔ ۶۶- سورۃ البقرہ۔ آیت نمبر ۲۸۶۔ ۶۷- سورۃ المومن آیت نمبر ۱۸۔ ۶۸- سورۃ الشعراء آیت نمبر ۸۸۔ ۶۹- سورۃ القاریہ آیت ۹-۶۔ ۷۰- سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۵۔ ۷۱- کلیات اقبال، علامہ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۴ء صفحہ ۳۰۲۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

نصرت جبیں۔ لاہور

عدل اجتماعی کا مفہوم

عدل کے لغوی معنی

عدل مصدر ہے اس کا مادہ ع د ل ہے۔ اس مادے میں برابری اور مساوات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ عدل متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اس کے معنی امر متوسط و معتدل کے بھی ہیں۔

هُو الأمر المتوسط بين الا فراط والتفريط ا۔

اس کے معنی وہ بات جو نفس کو سیدھی محسوس ہو اور یہ ظلم کی ضد ہے۔

ما قام في النفوس انه مستقي، وهو مند الجور ۲۔

اُردو زبان میں عدل کو بطور اسم ذات بھی استعمال کیا جاتا ہے اور بطور اسم صفت بھی، اس صورت میں اس کے معنی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔

اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی ''انصاف'' یا ''داد رسی'' کے ہیں اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم، منصفانہ اور متوازن کے آتے ہیں۔ ۳

عدل کے اصطلاحی معنی

عدل کے اصطلاحی اور لغوی معنی میں کوئی خاص فرق نہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

والعدل من ظهر منه الخير ۴۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

العدل فهو عبارة عن الأ مر المتوسط بين طرفي الأ فراط والتفريط، و ذلك امر واجب الرعاية في جميع الأ شياء. ۵۔

امام راغب اصفہانی کے مطابق:

العدل هو المساوات في المكافات ۶۔

عدل اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ یہ بندے اور رب کے حقوق کے درمیان بھی ہے اور بندے کا دوسرے بندوں کے ساتھ معاملاتِ زندگی میں بھی گویا انسان کی پوری زندگی عدل سے عبارت ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت مجید بن کعب القرضی سے کہا کہ عدل کی تعریف فرمائیں۔ فرمایا عدل یہ ہے کہ جو مسلمان تجھ سے چھوٹا ہو اس کے حق میں باپ کی مانند ہو جا اور جو بڑا ہو اس کے حق میں بیٹے کی مانند ہو جا۔ جو ہم عمر ہو اسے بھائی سمجھ اور مجرم کو اتنی ہی سزا دے جو اس کے قصور اور قوت کے لائق ہو خبردار غصہ میں اگر کسی کو تازیانہ مار بیٹھنا ورنہ تمھارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ ے

عدل و انصاف کسی قوم کے لئے زندگی کی مانند ہے اگر یہ نہیں تو قوم گویا یا مُردہ ہے۔ جس معاشرے میں عدل زندہ ہے وہ قوم زندہ رہتی ہے چاہے اس قوم کے افراد ذاتی طور پر کتنے ہی متقی کیوں نہ ہوں۔ ۸

عدل کا اسلامی تصور

عدل ہی دراصل اسلام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسولوں کو مبعوث کرنے کا ایک بڑا مقصد عدل کو قائم کرنا بتایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ ۹۔

''ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں عدل کا حکم دیا ہے۔ اور یہ عدل انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ۱۰۔

''بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔

معاشرتی لحاظ سے ہر فرد کو تلقین کر دی گئی کہ وہ عدل سے کام لے خواہ اس کے زد میں قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ آتا ہو۔

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ ۱۱۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ ۱۲۔

کسی قوم کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل سے کام نہ لو۔ عدل کرو یہ تقوی سے قریب ترین ہے۔

اسی طرح حکام اور قاضیوں کے لئے ہدایت کی گئی کہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کریں۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ ۱۳۔

''جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

Marfat.com

گویا اسلام توازن اور اعتدال کا دین ہے۔ اور یہ توازن اس انسان صالح کی خصوصیت ہے جو خالقِ کائنات اور خالقِ انسان کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارتا اور روئے زمین پر خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ ۱۴

اجتماعی عدل

اجتماع کا مفہوم

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی عدل کے مفہوم اور اس کی جامع تعریف تک پہنچنے سے قبل لفظ اجتماع کے مفہوم کا جائزہ لیا جائے۔

انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے ذہن میں ایسے کام کا نقشہ سوچتا ہے جیسے پُل بنانا، پہاڑوں سے دھاتیں نکالنا یا سوسائٹی میں اچھی باتیں رائج کرنا۔ اگر وہ ایسی کسی بات کو اکیلا پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہے تو اُسے سینکڑوں برس لگ جائیں اور بے حد محنت کرنی پڑے۔ اس لئے وہ دوسروں کو بھی اس کام میں شریک کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس مقصد کے لئے سمجھ دار لوگوں سے بحث کرتا ہے طرح طرح سے پروپیگنڈہ کرتا ہے رفتہ رفتہ اس کا نظریہ زیادہ صاف اور عام طور پر قابل قبول ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کا ایک گروہ اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کو آمادہ ہو جاتا ہے اکثر لوگ اس نظریئے کی تکمیل کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اسے اجتماع کہتے ہیں۔ یہ اجتماع کسی کام کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اُسی طرح مؤثر ہوتا ہے جس طرح مشین اور آلات۔ ۱۵

گویا اجتماع افرادِ معاشرہ کا باہمی اُمور کو ایک دوسرے کی مدد کے ذریعے انجام دینے کا نام ہے۔ انسان فطری لحاظ سے مدنی الطبع ہے وہ اپنی ہی نوع کے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہنے کو پسند کرتا ہے۔ کیونکہ اکیلا انسان جہاں عدمِ تحفظ کا شکار ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کی ضروریات و حاجات کے لئے دوسرے انسانوں کی مدد کا محتاج بھی۔

انسان کو ایک سوشل مخلوق کہا گیا ہے۔ یہ ہمیشہ اجتماعی شکل میں رہا ہے یہ اجتماع خاندان کی شکل میں ہو یا ایک گاؤں کی شکل میں ہو یا بڑے بڑے شہروں کی شکل میں ہو یا پھر جدید طرز کے ممالک کی شکل میں ہو یا اس سے بھی آگے ملل کی شکل میں ہو بہر حال انسان اپنے آپ کو کسی نہ کسی اجتماعیت کے ساتھ ضرور وابستہ کرتا ہے۔ ۱۶

تصورِ عدل اجتماعی کا جہاں تک تعلق ہے۔ تو یہ فرد اور معاشرے کے مابین اور انسان کی معاشی اور معاشرتی قدروں میں توازن اور اعتدال کا نام ہے۔ سید قطب اجتماعی عدل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے عام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے اس کا انحصار معاشی قدروں تک محدود نہیں وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔ ۱۷

مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ اجتماعی عدل کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس

Marfat.com

کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کیلئے مختلف اجتماعی اداروں کا افراد اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح کے لئے درکار ہے۔ ۱۸

اجتماعی عدل گویا افرادِ معاشرہ کے مابین توازن اور اعتدال کی قدروں کو مروج کرنے کا نام ہے۔ یہ محض اُجرتوں کی مساوی تقسیم تک محدود نہیں۔

اجتماعی عدل و انصاف کے معنی صرف یہ نہیں کہ لوگوں کو مساوی اُجرتیں ملیں اور اس طرح اقتصادی ناہمواری نہ پیدا ہو سکے، جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے لیکن یہ چیز عملی زندگی میں ناکام ہو چکی ہے۔ اس کے برخلاف اسلام ایک ایسی انسانی مساوات چاہتا ہے، جو بہت سی قدروں کی جامع ہو اور ظاہر ہے ان قدروں میں سے یقیناً ایک قدر اقتصادی بھی ہوگی جس کے مطابق سب کو ایک سے مواقع حاصل ہوں اور سب افراد اپنی عملی صلاحیتوں کے اظہار میں آزاد ہوں۔ ۱۹

عدلِ اجتماعی کے دیگر تصورات

انسان نے ہمیشہ دوسرے انسان پر مظالم ڈھائے ہیں کیونکہ وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر انسانی معاشرے ہوس اور حرص و آز پر مبنی معاشرے ہوتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کے لئے کون سا نظام متوازن اور اعتدال پر مبنی ہو سکتا ہے یہ اس جہاں کا خالق ہی زیادہ بہتر طریقے سے بتا سکتا ہے۔ رہا خود انسانوں کا معاملہ تو ہر دور کے لوگوں نے اپنے طور پر مختلف فلسفوں اور فکروں کو اپنا رہنما تو بنایا لیکن دراصل یہ سب فکریں اور فلسفے گمراہی اور جہالت کے دھکے ہیں جو کبھی سرمایہ دارانہ نظام کی شکل میں کھائے جا رہی ہیں کبھی اشتراکیت کے نام پر۔ جب انسانی معاشرہ ظلم و جور سے بھر جاتا ہے تو اُس وقت معاشرے کی اجتماعی سوچ انصاف کی آرزو ہوتی ہے ایسے میں انسانوں کے خود ساختہ نظام اور فکریں اُن پر مُسلط کی جاتی ہیں اور بہت ہی خوشنما نعروں کے ساتھ کہ معاشرے کے تمام افراد کی فلاح اور انصاف کے لیے یہ نظام اور فکر بہترین ہوگا۔ لیکن پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ دراصل انسانوں کے حقوق کے استحصال کا یہ نیا طریقہ ہے۔ گویا اصلاح احوال کے لئے کوئی بھی سوچ اور فلسفہ کارگر نہیں سوائے الٰہی نظام کے۔ ایسے معاشروں میں اجتماعی عدل کے خوشنما نعروں کی آڑ میں اجتماعی ظلم نے راج کیا۔ اس اجتماعی ظلم کی دو شکلیں پچھلی صدی میں انسانوں کا خون چوستی رہی ہیں۔ ایک اشتراکیت اور دوسرا سرمایہ دارانہ نظام۔ نظام اشتراکیت اب اگرچہ اپنی موت مر چکا ہے لیکن یہ انسانوں پر اجتماعی عدل کے نام سے روا رکھا جانے والا بد ترین اجتماعی ظلم تھا۔ یہ فرد کی آزادی کو ختم کر کے اُسے ایک مشینی کل پرزہ قرار دیتا ہے۔

یہ ظلم فرد کی شخصیت کو ختم اور اس کی آزادی و احترام کی نفی کر دیتا ہے۔ اور یہ سب جماعت کے نام سے اور مصلحت عامہ کے تحت ہوتا ہے۔ اس ظلم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرد کی طاقت شل ہو کر رہ جاتی ہے اس کی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں اور وہ جماعت کے لئے کسی کام کا نہیں رہتا۔ ۲۰

جہاں تک سرمایہ دارانہ نظام کا تعلق ہے یہ ظلم کی دوسری بد ترین شکل ہے۔ جس کے شکنجے میں آج بھی انسانیت جکڑی ہوئی ہے۔ اس نظام میں اگرچہ افراد کو اپنی صلاحیتوں کے مطبق کام کرنے کی پوری آزاد ہے لیکن معاشرے میں محنت اور صلاحیت کے مقابلے میں سرمایہ دار پھلتا پھولتا ہے۔ عام فرد کی حیثیت محض ایک صارف کی رہتی ہے جو مہنگے داموں اشیاء کو خرید

Marfat.com

کر استعمال کرتا ہے۔ یہ نظم صرف سرمایہ دار کو تحفظ دیتا ہے۔

عدلِ اجتماعی کی ضرورت و اہمیت اور تعلیمات نبوی ﷺ

اسلام واحد وہ دین ہے جو محض افکار و نظریات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک عملی دین ہے۔ اسلام بذاتِ خود دینِ عدل ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جس رب العلمین نے اسے نازل کیا۔ اُس کی اپنی صفت بھی 'عدل' ہے اور اس ساری کائنات کی تخلیق و نظام کا انحصار بھی عدل پر ہے۔

ہر چیز کو انتہائی توازن اور حسن کے ساتھ پیدا کیا جس میں کوئی میڑھ نہیں۔

﴿مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ﴾ ۲۱۔

دیکھنے والے کیا تو رحمٰن کی آفرینش میں نقص دیکھتا ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ! تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے پھر دوبارہ نظر کر تیری نظر ہر بار ناکام اور نامراد تھک کر لوٹ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے نظامِ سلطنت کو چلانے کے لئے ترازو رکھ دی جسے قرآن میں میزان کا نام دیا گیا۔ اور انسانوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ باہم لین دین اور اپنے رویوں میں انصاف کو قائم رکھیں۔ فرمایا

﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ ۲۲۔

گویا انسان اور یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عدل اجتماعی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن انسان اور پوری کائنات میں یہ فرق ہے کہ انسان واحد ہستی ہے جسے با اختیار بنایا گیا۔ لہٰذا انسانوں نے اپنے اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ کے اس قائم کردہ عدلِ اجتماعی کو ترک کر کے جب بھی اپنی ناقص فکر کو انسانوں پر مسلط کیا تو یہ دنیا ظلم اور ناانصافی سے بھر گئی۔ قرآن حکیم میں بیان کردہ اقوام گذشتہ کے واقعات اور آج کی اقوام عالم کے خود ساختہ افکار و نظریات اس کے عملی ثبوت ہیں۔ جن کے نفوذ کے نتیجے میں انسانیت نے بے شمار مظالم برداشت کیے۔ آج بھی انسانیت کسی عدل اجتماعی کی متلاشی ہے۔ لیکن یہ عدلِ اجتماعی کسی نام نہاد اشتراکیت کے نفاذ سے حاصل ہو سکا نہ سرمایہ دارانہ نظام سے۔ یہ نظام چند انسانوں نے اپنی حرص اور لالچ پر مبنی آرزوؤں کی تکمیل میں بنائے اور پوری انسانیت کو اپنا یرغمال بنا کر رکھ لیا۔

عدلِ اجتماعی اپنی حقیقی شکل میں صرف اور صرف دینِ اسلام کی صورت میں نظر آتا ہے۔ جسے دنیا نے خود اپنی آنکھوں سے نافذ ہوتے دیکھا اور اس عدل اجتماعی کے فیوض سے بہرہ مند بھی ہوئے۔ عدلِ اجتماعی محض معاشی عدل کا نام نہیں ہے یا پھر عدالتوں کے ذریعے سے ہونے والے فیصلوں کا نام ہی عدل اجتماعی نہیں ہے۔ بلکہ یہ پورے نظامِ زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ نبی ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں عدلِ اجتماعی کی تین اہم بنیادوں کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔

اسلام میں عدلِ اجتماعی کی بنیادیں اور تعلیمات رسول ﷺ

اسلامی نظام میں عدل اجتماعی تین بنیادی اُصولوں پر مبنی ہے۔

۱) آزادئ ضمیر۔ ۲) مکمل انسانی مساوات، ۳) کفالت اجتماعیہ۔

Marfat.com

۱) آزادیٔ ضمیر

آزادیٔ ضمیر دراصل انسانی حریت کا وہ پہلو ہے جس سے انسانی شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے اور اسی آزادیٔ عمل کے حوالے سے آخرت میں اُس کی جواب دہی ہے۔ گویا یہ اجتماعی نظامِ عدل میں افراد معاشرہ کی انفرادی آزادی کی اہم بنیاد ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

> اگر کسی معاشرے میں فرد کو اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی تکمیل کے مواقع حاصل نہ ہوں تو اس کے اندر انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اس کی قوتیں اور قابلیتیں دب کر رہ جاتی ہیں اور اپنے آپ کو محصور ومحبوس پا کر انسان جمود وتعطل کا شکار ہو جاتا ہے پھر آخرت میں ان محبوس ومحصور افراد کے تصوروں کی بیش تر ذمہ داریاں ان لوگوں کی طرف منتقل ہو جانے والی ہیں جو اس قسم کے اجتماعی نظام بنانے اور چلانے کے ذمہ دار ہوں۔۲۳

آزادیٔ ضمیر چونکہ انسانی شخصیت کی تعمیر و ارتقاء کا ایک اہم ذریعہ ہے لہذا کوئی نظام عدل اجتماعی کا نظام ہی نہیں کہلاسکتا جب تک کہ اُس کے افرادِ معاشرہ اپنی رائے اور عمل میں آزاد نہ ہوں

علامہ ابنِ خلدون اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

> اگر حکومت تعزیر وعقوبت کے زور پر کی جائے تو عوام کی جرات وشجاعت کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور بسا اوقات ان کے اندر سے یہ صفت بالکل معدوم ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ سختی سہتے جانے اور اُس کی مدافعت نہ کر سکنے کے باعث انسانوں میں ذلت وخواری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جس سے اُن کی جرأت و خودداری ختم ہو جاتی ہے۔۲۴

متوازن نظام وہی ہوسکتا ہے جس میں تمام انسانوں کو اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے اظہار کا پورا موقع میسر آسکے۔ زندگی کے تقاضوں کو دبانا یا کچلنا ہمیشہ سے فطرت کے خلاف رہا ہے۔

موزوں اور معقول صورت وہ ہو گی جس میں انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو نشوونما کا پُورا موقع ملے اور ساتھ ہی وہ ضروریات کی توہین آمیز حد تک غلامی سے بھی بچا رہے۔ اسلام کو ایسی ہی شکل مطلوب تھی ور اس نے جسمانی ضروریات اور روحانی میلانات دونوں کے لئے ایک ایسا ہی نظام تجویز کیا ہے۔ اس نے آزادی ضمیر کی خاطر داخل میں شعور واحساس بھی پیدا کیا اور خارجی حالات کو بھی ساز گار بنایا۔۲۵

اسلام انسان کو جس آزادیٔ ضمیر سے نوازتا ہے وہ عزت وشرف کا ہے۔ انسان کا رب ایک اللہ ہے اُس کے علاوہ جتنے بھی معبود ہیں وہ سب باطل ہیں کیونکہ یہ انسانی ضمیر کے عزوشرف کے خلاف ہے کہ وہ ایک اللہ کے بجائے دیگر کو اپنا اللہ بنا لے اور اُن کا بندہ بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ اللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ ۲۶۔

کہو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔

Marfat.com

اس آزادیٔ ضمیر میں انسان مادر پدر آزاد نہیں بلکہ آزادی کا وہی تصور ہے جو اللہ اور اُس کے رسول نے متعین کر دیا۔ گویا کچھ حدود کا اُسے پابند کر دیا گیا۔ تاکہ اعتدال کی روش اس جہاں میں باقی رہے۔

اسلام نے جہاں لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۲۷ کہہ کر انسانی آزادی کو تسلیم کیا وہاں اُسے اس بات کی بھی ترغیب دی کہ محض اپنی خواہشات کا غلام بن کر نہ رہ جائے۔ ایسی آزادی انسان کے ضمیر کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ ن اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ ۲۸۔

اے نبی ﷺ ! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ کی جدوجہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسقوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

اسلام کے عدلِ اجتماعی میں وہ نفس مطلوب ہے جو ان پھندوں سے آزاد ہو۔ تاکہ وہ ان حقیر قسم کی ضروریات سے بلند ہو۔ لیکن دوسری طرف خواہشات کو کلی طور پر ختم کر دینے کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔

سرکار دو جہاں ﷺ کی خدمت میں بعض صحابہ کے معاملے کو پیش کیا گیا جنھوں نے ہمیشہ عبادت و ریاضت اور روزے کے ساتھ رہنے کا تہیہ کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی کا تہیہ کیا۔ آپ کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

ان نفرا من أصحاب النبی ﷺ قال بعضهم لا أتزوج النسآء و قال بعضهم لا آكل اللحم و قال بعضهم لا أنام على فراش و قال بعضهم أصوم فلا أفطر. فبلغ ذلك رسولَ الله ﷺ فحمد الله و أثنى عليه ثم قال ما بال أقوام يقولون كذا و كذا، لكنى أصلى و أنام و أصوم وأ فطر و أتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني. ۲۹۔

انسان کے ضمیر کو اُس وقت شدید دھچکا لگتا ہے جب وہ محتاج ہوتا ہے اور ایسے میں بھی وہ لمحات جب وہ ایک ایک لقمے کو ترستا ہے۔ یہ شدید احتیاج اُسے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن یہاں بھی اسلامی سوسائٹی اور حکومت کو یہ فرض سونپ دیا گیا کہ ایسے محتاجوں کی احتیاجات کو پُورا کیا جائے تاکہ کوئی ذلت و خواری کی زندگی نہ بسر کرے۔

نبی کریم ﷺ ایک سائل کو ایک درہم عنایت فرماتے ہیں اور پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی سنبھالے اور جا کر جلانے کی لکڑیوں کا ایک گٹھا چن کر اُسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لائے اور فروخت کرے اور اس طرح اللہ اُس کی آبرو سلامت رکھے، اس سے کہیں بہتر ہے

Marfat.com

کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے کہ لوگوں کا جی چاہے تو اُسے کچھ دے دیں ورنہ نہ دیں۔۳۰

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

الید العلیا خیر من الید السفلی ۳۱

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

مکمل انسانی مساوات

انسانوں کے مابین مساوات کا قانون حقیقی عدلِ اجتماعی کو قائم کرتا ہے۔ لیکن اس مساوات سے مُراد محض معاشی مساوات نہیں بلکہ انسانوں کے مابین باقی حقوق میں بھی مساوات ہے۔ اسلام کا قانون مساوات جہاں آقا و غلام کو بحیثیت انسان برابر کے حقوق دیتا ہے۔ وہیں ہر انسان کی قابلیت اور صلاحیت کا معاوضہ یکساں نہیں رکھتا۔ کیونکہ استعدادِ انسانی تقاضا کرتی ہے کہ غیر معمولی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک افراد کے معاوضے اور منصب اُن افراد سے مختلف ہوں جو ان صلاحیتوں اور قوتوں میں دوسروں سے کمزور ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو وہ معاشرہ تفاوت کا شکار ہو جائے گا اور بقول سید قطب شہید:

جو فرد غیر معمولی قوت اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوگا وہ ایک دن مساواتِ مطلق کے ضابطے توڑتا ہوا آگے نکل جائے گا اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو اپنے دل میں قانون کے خلاف غیظ و غضب کی پرورش کرے گا۔ آخر کار یا تو سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا یا اس کی صلاحیتیں مُردہ اور قوتِ کار مفلوج ہو جائے گی۔۳۲

مُساوی اُجرتوں کا نام اجتماعی عدل نہیں اور اگر بالفرض آج کے بے دین اور مُلحد نظاموں کے نام نہاد عدلِ اجتماعی کے مطابق یہ مان بھی لیا جائے کہ معاشی مساوات کا نام عدل اجتماعی ہے۔ تو بھی فطرت سے بغاوت ہے۔

انسان اگر محض پیٹ کا نام نہیں ہے، اور انسانی زندگی اگر صرف معاش تک محدود نہیں ہے، تو محض معاشی مساوات کا عدل کیسے کیا جا سکتا ہے۔۳۳

حقیقت میں اسلام کا جو تصور مساوات ہے وہ انسان کی تخلیق سے ہی شروع ہو جاتا ہے کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔۳۴

انتم بنو آدم و آدم من تراب

اس لحاظ سے امتیاز و برتری کی جو شکل بھی انسانوں نے اپنے درمیان پیدا کی خواہ وہ نسلی ہو یا لسانی علاقائی ہو یا قومی ہر لحاظ سے باطل ٹھہرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَیٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ﴾ ۳۵

اے انسانو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمھیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں

Marfat.com

تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ شعار ہوں۔

جو لوگ معاشرے میں اپنے آپ کو دوسروں سے بالا تر رہنا پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کی تعظیم و توقیر کے لئے کھڑے ہوں آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کو نار جہنم کی وعید سنائی۔ فرمایا:

من احب ان یمثل له الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعده من النار ٣٦۔

جہاں تک تعلق مساوات مرد و زن کا تعلق ہے۔ اسلام نے عمل کے اعتبار سے دونوں اصناف کے گناہ اور ثواب کو برابر کا درجہ دیا۔

﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَـٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ ٣٧۔

جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔

اسلام نے عورت کو دین میں عمل کے اعتبار سے اور کسب مال اور ملکیت میں مساوات دی۔ جس سے آج کی ترقی یافتہ مادہ پرستانہ تہذیب خالی ہے۔ اسی لئے ان معاشروں میں حقوق نسواں اور خواتین کے ساتھ مساویانہ سلوک اور اُجرتوں میں مساویانہ معاوضوں کے لئے صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے۔ اسلام نے از خود یہ تمام حقوق عورت کو بن مانگے عطا کئے۔

دورِ جدید میں مساوات کا مطلب چونکہ محض معاشی مساوات لیا جاتا ہے۔ یعنی اُجرتوں میں برابری جو کہ دراصل انسانی فطرت اور اُس کی صلاحیتوں اور عمل و محنت کے حوالے سے عادلانہ مساوات نہیں۔ لیکن پھر بھی ہمیں ان پہلوؤں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جہاں انسان نے شدید قسم کی ٹھوکر کھائی ہے۔

اشتراکیت نے جس معاشی مساوات کا نعرہ لگایا اُس نے ساری عوام سے حقوق ملکیت چھین کر انھیں حکومت کا تنخواہ دار ملازم بنا دیا۔ اُن کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنا پر معاوضہ نہیں بلکہ ایک معاشی مساوات کا نعرہ لگاتے ہوئے سب کے لئے یکساں معاوضوں کا رائج کرنا جو کہ اجتماعی عدل کی رُوح کے خلاف ہے۔ دوسری طرف نظام سرمایہ داری افراد کی محنتوں اور سرمایے کو چند افراد کی گود میں ڈال کر عمومی افراد کو محروم کر دیتا ہے۔ ان کے مقابلے میں اسلام نے جس معاشی عدلِ اجتماعی کو آج سے چودہ سو سال قبل رائج کیا اُس میں ہر فرد کو حق ملکیت بھی دیا اور سرمایے کی گردش کو ممکن بھی بنایا۔

حضور ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے ادوار میں آقا اور غلام، حکمران اور شہری امیر اور غریب اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان انصاف کے معاملہ میں اُصولِ مساوات پر سختی سے عمل کیا گیا۔ قریش کی ایک عورت فاطمہ نے چوری کی حضرت اُسامہؓ نے اُسے معاف کر دینے کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا:

اے اسامہ! اللہ کی مقرر کی ہوئی سزا میں سفارش کر کے مداخلت کرتے ہو، خبر دار آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا

پھر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو مسجد میں جمع کرو مسلمان جمع ہو گئے تو آپ ﷺ

Marfat.com

نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

تم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تباہ ہوئی ہیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو تو قانون کے مطابق سزا دیتی تھیں اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیتی تھیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

فقال رسول الله ﷺ اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال ایها الناس انما اهلك الذين قبلكم انهم كا نوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحدو ايم الله لو ان فاطمه بنت محمد سرقت لعطت يدها. ۳۸؎

رہا تعلق معاشی مساوات کا تو اسلامی ریاست فرد کی صلاحیتوں اور ان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھتی ہے۔ اگر کوئی شہری اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہے تو اسے اس کی صلاحیتوں کے مطابق فوائد حاصل ہوں گے اور اگر بے یارو مددگار ہے تو اسلامی ریاست اُس کی کفالت کرتی ہے۔ اسلامی ریاست اس معاشی مساوات کی قائل نہیں جس میں ہر شخص کو جبراً ایک معیار پر لایا جائے۔ ۳۹؎

کفالتِ اجتماعیہ

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے کفالت اجتماعیہ کو رائج کیا۔ حکومت اور معاشرے کے صاحب مال افراد کے اوپر یہ ذمہ داری ڈال دی کہ معاشرے کے نادر، بے بس، بوڑھے اور معذور افراد کی کفالت کا انتظام کیا جائے۔ آپ نے حکومت کو ہر اُس شخص کا ولی قرار دیا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

السلطان ولی من لا ولی له ۴۰؎

ایک دوسری حدیث میں بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے کو مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند قرار دیا۔ فرمایا:

الساعی علی الأرملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله وكالذی يقوم اليل ويصوم النهار ۴۱؎

ايما اهل عرصة اصبح فيهم امرؤ جا ئعاً فقد برئت منهم ذمة الله تبارك الله و تعالىٰ ۴۲؎

جس بستی میں کوئی شخص صبح کو اس حال میں اُٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ پر اُس بستی کے بقاء و تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔

مزید فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالت... فان اربع فخامس او سادس (متفق عليه) ۴۳؎

جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو تو تیسرے آدمی کو مہمان بنا کر لے جائے۔۔ اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو۔

اجتماعی کفالت کی یہ صورت ممکن بھی تب ہے جب افراد معاشرہ میں یہ احساس ہو کہ مال کا اصل مالک اللہ رب العالمین ہے۔ اور بندے کو عارضی طور پر مالک بنایا گیا ہے۔ لہذا اُس اصل مالک کی راہ میں مال کو خرچ کرنے کی ترغیب دلا کر

Marfat.com

اجتماعی کفالت کو ممکن بنایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

يا ابن ادم انك ان تبذل الفضل خير لك وان تمسكه شر لك.۴۴

اسلام نے کفالتِ اجتماعیہ کی غرض سے زکوۃ کے علاوہ بھی محاصل اور صدقات وعطیات کی ترغیب دلائی ہے۔ تاکہ فرض زکوۃ کے علاوہ بھی معاشرے کے مستحق افراد کی کفالت کا بندوبست ہو سکے۔

کفالتِ اجتماعی کے حوالے سے اسلام کا شیوہ یہ ہے کہ کام کرنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ بے کار رہنے کی مذمت کی گئی۔ سربراہِ خاندان کے اوپر افرادِ خاندان کی معاشی کفالت کی ذمہ داری عائد کی گئی۔ اور معاشرے میں ہر فرد کے لحاظ سے صدقہ اور احسان کرنے پر زور دیا گیا۔ اور آخر میں حکومت کو مستحقین کی کفالت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ کفالت اجتماعی کی بہترین مثال آنحضورﷺ کے دور میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوہ اور بچوں کی کفالت کے لئے کیا جانے والا انتظام ہے اگرچہ دیگر مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ حضرت عمرؓ کا پیدا ہوتے ہی بچوں کے وظائف اس لیے مقرر کر دینا کہ انھوں نے دیکھا ایک عورت محض اس لئے اپنے بچے کا دودھ چھڑانا چاہ رہی ہے کہ اُس کا وظیفہ مقرر ہو سکے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کہ مثالی اسلامی ریاست آنحضورﷺ اور صحابہ کرام کے دور کی ہے آپ ﷺ نے حقیقی عدلِ اجتماعی کو معاشرے میں قائم کیا۔ یہ ریاست محض نظری نہیں بلکہ عملی لحاظ سے اجتماعی عدل کی بہترین مثال تھی۔ آج مسلمان معاشرے اسی لئے فساد زدہ ہیں کہ ان کی ریاستوں میں عدلِ اجتماعی مفقود ہے۔ آج بھی اُس عدلِ اجتماعی کو نافذ کیا جائے تو سسکتی اور دم توڑتی انسانیت میں پھر سے زندگی انگڑائی لے گی اور زمانے میں پھیلی بے سکونی سکون اور حقیقی فلاح میں تبدیل ہو گی۔

حوالہ جات

۱- زبیدی، تاج العرو، ۱۵/۴۷۱، دارالفکر للطباعۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ۔ ۲- ابن منظور، لسان العرب، ۹/۸۳، داراحیاء التراث العربی للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۰۸ھ: تاج العروس، ۱۵/۴۷۱، القاموس المحیط ۲/۱۳۶۱، المقری، احمد بن محمد، المصباح المنیر ۲۰۶، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۲۵ھ ۔۳- اُردو دائرہ، معارف اسلامیہ، ۱۳/۴، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۔۴- علامہ عینی، عمدۃ القاری، کتاب الشھادات، باب الشھداء والعدول، ۱۳/۲۸۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س۔ن ۔ ۵- رازی فخر الدین، مفاتیح الغیب، ۲۰/۱۰۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ ۔ ۶- مفردات القرآن ۳۲۵، نور محمد، کارخانہ تجارت، کراچی، س۔ ن ۔ ۷- محمد الغزالی، کیمیائے سعادت، ۲۹۱، مترجم، محمد احمد منیر، المیزان اُردو بازار لاہور ۲۰۱۰ء ۔ ۸- سعد بن اسعد، اسلام میں عدل، ۸، ادب اسلامی پبلیکیشنز منصورہ ملتان روڈ لاہور ۱۹۷۸ء۔ ۹- بشیر احمد، شاہ ولی اللہ اور اُن کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات ۵۵، ۵۶، مکتبہ بیت الحکمت لاہور ۱۹۴۵ء۔ ۱۰- معروف شیرازی، اسلامی نظام حکومت میں عدلیہ کا مقام اور اختیارات، ۵ ادارہ منشورات اسلامی بالمقابل منصورہ ملتان روڈ لاہور ۱۹۹۸ء ۔ ۱۱- سید قطب، اسلام میں عدل اجتماعی، مترجم (ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی)، ۹۷، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵ء ۔۱۲- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، اسلام اور عدل اجتماعی، ۱۳، ۱۴، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۰ء۔ ۱۳- ماہنامہ فکر ونظر، جولائی ۱۹۶۵ء شمارہ ۱: ۵۲، مقالہ الاستاذ احمد ذکی یمانی، عدلِ اجتماعی اور اُس کی اسلامی بنیادیں، ۵۲ ادارہ تحقیقات اسلامی، لاہور۔ ۱۴- محمد قطب، اسلام کا نظامِ تربیت، ۳۸، (مترجم ساجد الرحمان صدیقی) اسلامک پبلی کیشنز لاہور

Marfat.com

۱۹۹۸ء ۔ ۱۵- النحل : ۹۰ ۔ ۱۶- الانعام : ۱۵۲ ۔ ۱۷- المائدہ : ۸ ۔ ۱۸- النساء : ۵۸ ۔ ۱۹- محمد قطب، اسلام کا نظام تربیت، ۳۸ (مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی) اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء ۔ ۲۰- الحدید : ۲۵ ۔ ۲۱- الملک : ۳، ۴ ۔ ۲۲- الرحمٰن : ۹ ۔ ۲۳- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، اسلام اور عدل، اجتماعی، ۱۲ ۔ ۲۴- مقدمہ ابن خلدون بحوالہ مفتی محمد شفیع، دستورِ قرآنی، ۲۳، نور احمد ناظم دارالعلوم کراچی ذیقعدہ، ۲ ۱۳۷ھ ۔ ۲۵- ماہنامہ فکر ونظر، ۵۱ ۔ ۲۶- الاخلاص: ۱ ۔ ۴ ۔ ۲۷- البقرہ : ۲۵۶ ۔ ۲۸- التوبۃ : ۲۴ ۔ ۲۹- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر ۵۰۲۳، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء ۔ ۳۰- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب، الاستعفاف عن المسئلۃ، حدیث نمبر ۱۴۷۱ ۔ ۳۱- بخاری، کتاب الزکوۃ، باب لا صدقۃ الا عن ظهر غنی، حدیث نمبر ۱۴۲۹؛ مسلم الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ان العلیا علیا خیر من الید السفلی ۔۔ حدیث نمبر ۲۳۲۱ ۔ ۳۲- سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ۱۱۲ ۔ ۳۳- اسلام اور عدل اجتماعی، ۱۷ ۔ ۳۴- ابو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب فی التفاخر، حدیث نمبر ۵۱۱۶، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء ۔ ۳۵- الحجرات : ۳ ۔ ۳۶- ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب الرجل یقوم للرجل یعظمہ بذلک، حدیث نمبر ۵۲۲۹ ۔ ۳۷- النساء : ۱۲۴ ۔ ۳۸- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب قطع السارق ۔۔۔ حدیث نمبر ۴۴۱۱ ۔ ۳۹- خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ۳۰۳، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۴ء ۔ ۴۰- ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، لا نکاح الا بولی، حدیث نمبر ۱۸۷۹، دارالسلام للنشر و التوزیع، ریاض ۔ ۴۱- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الأهل، حدیث نمبر ۵۳۵۳ ۔ ۴۲- احمد بن حنبل، ۴/۲۷۳، (حدیث نمبر ۴۸۸۰)، دارالحدیث القاهرہ، ۱۹۹۵ء ۔ ۴۳- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب السّمر مع الأهل والضیف، حدیث ۶۰۲ ۔ ۴۴- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب ان الید العلیا خیر من الید السفلی ۔۔۔ حدیث نمبر ۲۳۸۸

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر آسیہ رشید۔ اسلام آباد

لغت کے اعتبار سے عدل کے معنیٰ برابری اور انصاف کے ہیں یعنی کسی چیز کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کر دینا کہ کسی ایک میں کمی بیشی نہ ہو عدل کہلاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً کسی شے کا ٹھیک اپنے محل اور حدود کے اندر ہونے کا نام عدل ہے۔ ہر جگہ ناپی تولی ہوئی برابری عدل نہیں ہوتی۔ بلکہ حقوق کا توازن و تناسب کے ساتھ ادا کرنا عدل کہلاتا ہے۔

عدل کی تعریف

عدل، ظلم و جور کی ضد ہے اور عدل کے معنیٰ: ہر حق دار کو اس کا حق بغیر کسی کمی بیشی کے دلانا ہے۔ یعنی کسی معاملے میں افراط و تفریط کے بغیر انصاف۔

اور کلمہ عدل کے مترادف الفاظ: القسط، الانصاف۔ لسان العرب میں ہے ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ:

ما قام فی النفوس انه مستقیم، وھو ضد الجور (۱)

وہ کہ جو انسانوں میں برابری کو قائم کرتے ہیں اور یہ جور کی ضد ہے۔

یعنی شریعت کے مطابق لوگوں کے ساتھ حق کا معاملہ اور خواہش نفس اور اس طرح کے دیگر کسی سبب سے ان کے حقوق پر عدم ظلم و زیادتی۔

ابوبکر رازی لکھتے ہیں:

قد انتظم العدل فی العمل والقول قال اللہ تعالیٰ "واذ قلتم فاعدلوا" (۲)

تحقیق کہ اپنے عمل اور قول کو عدل کے ساتھ منظم کرو جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بھی بات کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

سید سلیمان ندوی کے بقول:

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرہ بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں "عدل" کہتے ہیں اور اسی سے وہ معنیٰ پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں۔ یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں۔ (۳)

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دو آدمیوں کو کوئی چیز برابر دی جائے تو یہ عدل ہے بلکہ عدل کا مفہوم سمجھنے میں مودودی صاحب کی رائے آسانی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عدل کا تصور دو مستقل حیثیتوں سے قریب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیاں حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس

Marfat.com

کا مفہوم انصاف سے کر دیا جاتا ہے کہ دو آدمیوں میں تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اس سے عدل کے معنیٰ مساویانہ حقوق مراد لے لیے جاتے ہیں۔ در اصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن و تناسب نہ کہ برابری بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک معاشرے میں برابری چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت ہیں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجہ کی خدمات انجام دینے والوں اور کمتر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات (۴)

چونکہ بعض لوگ عدل کے معنیٰ سے واقف نہیں۔ اس لیے وہ مساوات کا عام مفہوم لے کر غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ عدل کا معنیٰ ہر طرح پر مساوات لینا مشکل اور محال اور بعید از عقل و فراست ہے بلکہ عدل کا معنیٰ جو چیز کسی محل کے قابل ہو۔ اس کو اپنے محل میں استعمال کرنا ہے۔ مرد کو مرد کے حقوق اور عورت کو عورت کے حقوق دینا عدل ہے۔ ان دونوں میں ہر طرح سے برابری کا نام عدل نہیں ہو سکتا۔ (۵)

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۶)

ترجمہ: اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

شیخ الہند نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ قوامین للہ میں حقوق اللہ کی طرف اور شہداء بالقسط میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ عدل کا مطلب ہے کسی کے ساتھ بدون افراط و تفریط معاملہ کرنا جس کا واقعی مستحق ہے عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "عدل و قسط" یعنی دوست دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملے میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ فضیلت حصول تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔ (۷)

معاشرتی عدل و انصاف:

دنیا کے مختلف معاشروں پر نظر ڈالیں تو ہمیں اجتماعی فضاء میں عدل و انصاف کا فقدان نظر آتا ہے۔ عدل کا دور دور تک کہیں کوئی ہمیں واسطہ نہیں پھر لوگوں کی نگاہیں یورپ، امریکہ، روس، چین اور یوگوسلاویہ کی طرف نظر اٹھتی ہیں اور جس طرح وہ ان سے سامان معیشت درآمد کرتے ہیں اس طرح ان سے اپنی مشکلات کا حل چاہتے ہیں۔ البتہ اشیاء کی درآمدات کے وقت اپنے ذخائر کا جائزہ لیتے ہیں اور بازار میں موجودہ سامان کو دیکھتے ہیں اور اپنی قوت پیداوار کا اندازہ لگاتے ہیں لیکن بنیادی اصول و قوانین حکومت اور نظام زندگی اخذ کرتے وقت اپنے فکری خزانوں کا جائزہ کی زحمت گوارہ نہیں کرتے۔ ان کی اقدار مغرب سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں وہ جمہوری اشترا کی یا اجتماعی اصولوں کے ذریعے مسائل کا حل چاہے ہیں اور اس کی خاطر اپنی روحانی متاع اور فکری سرمایہ سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور اپنے مسائل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ برائے نام

Marfat.com

مسلمان ہوتے ہیں عملاً اسلام کے داعی نہیں ہوتے۔

ان کے نزدیک دین بندے اور خدا کے درمیان تعلق کا نام ہے۔ انسانی تعلقات اجتماعی روابط زندگی کے عملی مسائل امور مملکت اور اقتصادی معاملات کا دین سے کوئی تعلق نہیں وہ برے خیال کے لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے دین کا ذکر ہی نہ کرو مذہب تو افیون ہے جیسے ظالم حکمران و سرمایہ دار، محنت کش عوام کو خواب غفلت میں مبتلا رکھنے اور بے یارو مددگار کے احساس کو مردہ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

مسیحیت رومن امپیریلزم کے زیر سایہ پروان چڑھی اس وقت یہودیت جمود کا شکار ہو کر بے جان رسموں اور کھوکھلے بے روح مظاہر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ رومن ایمپائر کے پاس اس کے وہ مشہور قوانین تھے جو اب بھی یورپ کے قوانین کا منبع ہیں۔ رومن سماج اپنی مخصوص سماجی قدریں اور خود بنایا ہوا اجتماعی نظام رکھتا تھا۔ مسیحیت نے رومن سماج کو کوئی نیا نظام یا نئے قوانین نہیں دیے بلکہ یکسو ہر کر روحانی تزکیہ وتطہیر پر زور دینا ضروری سمجھا ہے۔ مسیحیت نے یہودیت کے جامع رسوم اور اس کے بے روح مظاہر پر تنقید کی اور مردہ اسرائیلی ضمیر کو از سرنو بیدار کرنے کی سعی کی، بلا شبہ صفائے روحانی، مادی علائق سے بے نیازی کے معاملے میں مسیحیت منتہائے کمال کو پہنچی۔ اس نے روحانیت کا وہ پہلو رکھا جس سے قلب کی تطہیر ہو۔ مسیحیت نے خواہشات نفس پر قابو پانا سکھایا جس سے انسان پر فکر آخرت دنیاوی ضروریات پر غالب ہوگئی اور ان کی اصل منزل عالم خیال کی مقدس تمنائیں قرار پائیں۔ اس کی خاطر اس نے اجتماعی زندگی کو حکومت وقت کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنے سیکولر قانون کے ذریعے اس کی تنظیم عمل میں لائے۔ اس طرح کی ریاست میں عدل و انصاف کس طرح میسر ہوسکتا تھا؟

جب مسیحیت اپنی اس شکل میں یورپ میں داخل ہوئی وہاں اسے یونان کی صنم پرستانہ مادی تہذیب کی وارث رومن قوم ملی، یورپ کے دوسرے اطراف میں اسے ان قبائل سے سابقہ پڑا جو ابھی بربریت کی زندگی سے نکلے تھے۔ غیر مہذب، حرص اور ہوس میں مبتلا باہمی جنگ و جدال میں مصروف تھے۔ ان کے لیے ناممکن تھا کہ مسیحیت کی طرف رجوع کر کے دنیا کی عملی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ انہیں یہ مذہب عملی زندگی کے لیے کچھ زیادہ موزوں اور مناسب نظر نہیں آیا۔ وہ یہ سمجھے کہ مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان ایک تعلق کا نام ہے۔ انہیں یہ مشکل نہ لگا کہ چند گھنٹے چرچ میں گزار کر باقی وقت اپنے وہی وحشیانہ طور طریقے اختیار کیے رہیں۔ مسیحیت کبھی بھی ایسا نظام نہ دے سکی جو پوری زندگی پر حاوی ہو۔ اور اس دنیا کو عالم بالا سے مربوط کر سکے۔ اہل یورپ نے دین و دنیا کو الگ رکھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر چرچ معاشرتی و سیاسی زندگی سے کنارہ کشی رہتا تو مذہبی افراد اپنے مادی مفادات کا تحفظ نہ کر سکیں اپنے اثر و رسوخ کو قائم رکھ سکیں اور اپنے روحانی اقدار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

بعض ادوار میں تو چرچ کو اس قدر غلبہ حاصل تھا کہ جو کسی طرح بھی بادشاہوں کے غلبے سے کم نہ تھا۔ اس کے نتیجے میں ریاست اور چرچ انتظامیہ کے مابین کشمکش کا آغاز ہوا اور عوام نے چرچ کا ساتھ دیا جب ان دونوں طاقتوں میں صلح ہوئی تو دونوں نے اپنے مفادات تھے اور ساری نزاع دنیاوی اقتدار تھی۔ چرچ ایک مقدس اتھارٹی بن کر لوگوں کی دنیا و آخرت پر حکمران جتلاتا رہا، پروانہ مغفرت پہنچاتا اور فرامین محرومی جاری کرتا، نشأۃ ثانیہ تک یہی حال جاری رہا مگر یہ دور آیا تو چرچ نے جدید فکر اور

Marfat.com

زندگی سے گہرا تعلق رکھنے والے سائنس کے سامنے اپنے غلبہ سے دستبردار ہونا گوارہ نہ کیا اور قدیم و فرسودہ نظریات کے مخالف نئے خیالات مٹا دینے کو تل گیا۔اسی دن سے آزادی کار اور چرچ کے درمیان شدید نزاع چلا آرہا ہے۔چرچ نہ تو مصلحت کی طرح صرف مذہب پر قانع نہ پاپائیت کی طرح آخرت کے بارے میں حکم چلانے پر اکتفاء کرسکا،یورپ کی زندگی میں مذہب اور سائنس اور چرچ اور فکر ونظر کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔

اب اسلام کی طرف نظر دوڑائیں تو اسلام ایک آزاد ملک میں پروان چڑھا۔جن پر کسی شہنشاہ یا ایمپائر کا تسلط نہیں تھا۔اس کی نشوونما ایک قبائلی بدوی معاشرہ میں ہوئی یہ دین کی ابتدائی نشوونما کے لیے سازگارترین حالات تھے۔کیونکہ اسے بلا کسی حقیقی رکاوت کے وہ معاشرہ برپا کرنے کا موقع ملا جو یہ قائم کرنا چاہتا تھا۔اس معاشرہ کی تنظیم کے لیے قانون سازی اور اس کی نشوونما اور بقاء کے لے کے مختلف تدابیر اختیار کی گئیں۔اسلام انسان کے قلب وضمیر اور معاملات پر بیک وقت چھایا رہتا ہے۔ اسلام نے دونوں جہانوں کو انسان کے عالم نفسی میں جمع کیا۔

اسلام نے دین و دنیا کو بیک وقت ساتھ رکھا وہ فرد کے ضمیر اور جماعت کی عملی زندگی دونوں کا روح رواں بنا رہا۔اس کے نظام میں عملی سرگرمیاں کبھی بھی اس دینی جس سے جدانہیں ہوئیں جو برائیوں کے خلاف سب سے بڑی روک ہے۔اسلام کا اولین کام پوری انسانی زندگی کی ایک جدید تشکیل ہے،عملی زندگی سے کنارہ کش ہوکر وجدان میں گوشہ گیر ہو ہی نہیں سکتا تھا اسلام اپنے تاریخی ارتقاء میں ایک لمحہ کے لیے بھی مجبور نہیں ہوا کہ بادشاہ کے خوف سے اپنا دائرہ عمل محدود کر لے وہ ہمیشہ اپنا فرمانروا آپ رہا،یہاں تک کہ اس دور میں بھی جب جاہلیت عرب اس سے نبرد آزما تھے اس لیے کہ جاہلیت گہری جڑیں رکھنے والی سماجی روایات اور اس طرح کے مستحکم اجتماعی نظام سے محروم تھی۔جس طرح کے اجتماعی نظام سے مسیحیت،عیسائیت کو اپنے ابتدائی دور میں سابقہ پڑا۔اسلام کا میدان عمل پوری انسانی زندگی ہے روحانی بھی مادی بھی دینی بھی دنیوی بھی۔وہ موزوں ترین فضا میں پروان چڑھا اور اسے اپنے مزاج کا پوری طرح مظاہرہ کرنے کا موقع ملا کوئی دین/مذہب سماج سے کٹ کر اپنا صحیح مزاج برقرار نہیں رکھ سکتا چاہے سماج کے آزاد مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

برائے نام مسلمان جو مذہب سے دوری اختیار کیے ہوئے ہوں ان کا سماج کبھی اسلامی سماج نہیں قرار دیا جا سکتا کہ جن لوگوں نے اسلامی احکام کو اپنے اجتماعی نظام اور قوانین سے دور رکھا ہو۔کیونکہ اسلام ہی ہے کہ بندگی صرف رب کی ہو۔حاکیت رب کی اولین صفت ہے(۸)۔

اسلام کا ناقابل تقسیم اکائی ہونا خاص بات ہے اس کے عبادات،معاملات قوانین ہدایت سب مل کر ایک کل بنتے ہیں جو ناقابل تجزیہ ہے۔یہاں مراسم عبودیت مزاج اور مقاصد کے اعتبار سے معاملات زندگی اور نظام حیات سے جدانہیں۔چنانچہ نماز جو اہم ترین عبادت ہے جہاں اس کا منشاء یہ ہے کہ فرد و جماعت دونوں ایک صاحب قدرت و جبروت الہ کی طرف متوجہ ہوں سب ایک قبلہ کی طرف متوجہ ہوں،وہیں ایک طرح کی مساوات اور ایک جزا و سزا کا اختیار رکھنے والی ہستی کی نظر میں برابری کا احساس دلانا بھی مقصود ہے۔سب اسکے بندے اور سب برابر ہیں۔یہی عقیدہ انسان کو انسانوں کی بندگی سے نجات دلانا ہے۔یہی انسانی فہم کو بندوں کی بندگی سے ہر شائبہ سے دیکھنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

اس دین کا مطالعہ کرنے والے تو اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اجتماعیت اس کے مذہبی آداب و رسم و رواج اور نظام زندگی میں سرایت کیے ہوئے یہ ایک طاقتور بنیادی فکر بن کر پورے نظام میں جاری و ساری ہے۔اسلام صرف عبادت پر زور نہیں دیتا بلکہ اجتماعی زندگی اس کا اثاثہ ہے۔اجتماعیت کو دین سے کاٹ کر علیحدہ کرنا انسان اور اس دور کی آفت ہے دین کا مظہر نہیں۔

اس کی ترغیب ہمیں قرآن نے دی اس کی تاکید محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔اسلام کے اصل منبع کے قریب رہنے والے مخلص صحابہ کرام نے بھی یہی سمجھا تھا۔قرآن میں اللہ رب العالمین فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ...﴾(۹).

فرض نماز میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ نماز کی فرائض کی ادائیگی کے بعد جو وقت بچتا ہے وہ سعی وعمل اور زندگی کی جدوجہد کے لیے فارغ ہے۔اسی میں انسان عملی زندگی کے تقاضے پورا کرتا ہے۔اللہ رب العالمین فرماتے ہیں: ﴿وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًاO وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾(۱۰)

اس لیے کہ دن میں زیادہ تر وقت معاش میں صرف ہوتا ہے نہ کہ عبادات مفروضہ میں۔اسلام میں عبادات محض مراسم بجالانیکا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کا ہر لمحہ احکام الٰہی کے تابع کرنے کا نام ہے یہ اجتماعی اور بھلا کام اور اجتماعی خدمت عبادات میں شمار ہوتے ہیں۔(۱۱)

دنیا کے مختلف معاشروں میں تصور عدل

یہودی تصور عدل:

موجودہ موسوی شریعت میں ہمیں قانون عدل کی لچک کہیں نظر نہیں آتی اور نہ ہی عفو و درگزر کی کوئی صورت،تورات کی کتاب احبار میں ہے:

> ''اور جو انسان مار ڈالے گا سو مار ڈالے گا۔توڑنے کے بدلے میں توڑنا،آنکھ کے بدلے میں آنکھ دانت کے بدلے میں دانت''(۱۲)

دوسری بات جو یہودی تصور عدل میں پائی جاتی ہے وہ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی میں امتیاز ہے۔ایک ہی معاملہ اگر یہودی کے ساتھ کیا جاتا تو وہ ناجائز قرار اور اگر غیر یہود سے کیا جاتا تو جائز مثلاً

> ''جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات سال بعد ضرور معاف کر دیا جائے مگر پردیسی سے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے''(۱۳)

> ''سود لینا ممنوع ہے باپ بھائی کو سود پر قرض نہ دیتا مگر پردیسی کو سود پر قرضہ دیا جا سکتا ہے(۱۴)

تالمود جس میں یہودیوں کے قانون کا تفصیلاً ذکر ہے اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہودیوں کے غیر اقوام کے متعلق قوانین جتنے سخت ہیں اس سے ان کی سوچ اور عمل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مثلاً عہد نامہ عتیق اور تالمود اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان تفریق کرتی ہے۔(۱۵)

Marfat.com

سید ابوالاعلیٰ مودودی بیان کرتے ہیں:

''تالمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیل کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کرے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری ہوئی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ گردوپیش آبادی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے۔ غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان کرنا چاہیے غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اس کو بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہیے۔ ربی اشماعیل کہتا ہے ''اگر امی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے۔ اگر امیوں کے قانون کے تحت جتوا سکتا ہے تو اس کے تحت جتوائے اور کہے کہ یہ تمہارا قانون ہے اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کرسکتا ہو کرے۔ ربّی شموایل کہتا ہے کہ ''غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھایا جائے'' (۱۶)

عدل و انصاف کے اس تصور نے یہود میں برائیاں پیدا کر دی تھیں اور کر دی ہیں۔ یہود کے قانون میں لچک کے فقدان نے انہیں سخت مزاج درشت بنا دیا تھا۔ قرآن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (۱۷)

یہود حرام خوب بن گئے کیونکہ وہ غیر اسرائیلی سے سود کو جائز سمجھتے اور گری پڑی چیز کو ہضم کر جاتے قرآن نے ان کی اس صفت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چونکہ یہود اسرائیل اور غیر اسرائیل میں امتیاز برتتے تو اس سے ان میں تکبر و نخوت کوٹ کوٹ کر بھر گئی قرآن نے اس کا بھی ذکر کیا ہے (۱۸)

چونکہ یہود خود کو اللہ کی لاڈلی قوم سمجھتے تھے اور اپنی پیدائشی برتری نے ان کو گناہوں پر دلیر بنا دیا تھا اس لیے وہ کہتے تھے کہ دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی نہیں مگر چند دن یہ تو غیر اسرائیلیوں کے لیے ہے۔ قرآن کریم میں ہمیں اس کا بھی تذکرہ ملتا ہے (۱۹)

اسرائیلیوں کے اس قانون امتیاز نے انہیں اتنا دلیر کر دیا کہ انہوں نے اسرائیلی فرد کے لیے شرعی قوانین میں بھی ترمیم شروع کر دی۔ (۲۰)

آج ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں سود خوری اس وقت دنیا کی اسی فیصد معاشیات پر قابض ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیز کی بھاگ دوڑ ان کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کے لیے اس میں سوچنے کا پہلو جہاں موجود ہے وہاں عملی طور پر بھی معاشرتی ترقی میں جب تک آگے نہیں بڑھیں گے اور اپنی محنت علم و عمل کے بل بوتے پر ملک کو نفع نہیں دیں گے اس وقت تک غیر اقوام کے ہاتھوں پستے رہیں گے۔ لمحہ فکریہ ہے اس پر تمام علماء، اسکالرز، سائنسدان اور معاشی ماہرین کو سوچنے اور کوئی ایسی پالیسی بنانے کی ضرورت ہے تا کہ سود سے بھی نجات ہو اور ملک کو بھی نفع اور مذہب پر بھی عمل ہو۔ آج مذہب سے دوری ہی مسلمانوں کو اس قدر پیچھے کیے ہوئے ہے۔ آج ان اسلام دشمن طاقتوں کی اتنی جرآت اسی لئے ہوئی ہے کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل چھوڑ دیا ہے۔ اسلام دشمنی میں یہود کتنے سخت ہیں جس کی وجہ سے پہلے گستاخانہ خاکوں اور تصاویر اور اب گستاخانہ وڈیو بنا کر مسلمانوں کو جذباتی اشتعال دلانے میں اپنی کتاب تالمود کے انہی قوانین کی پیروی کی کوشش کر رہے ہیں،

Marfat.com

جن کا میں نے اوپر تذکرہ بھی کر دیا ہے کہ غیر اسرائیلی کے ساتھ کے سلوک روا رکھنا ہے اور کسطرح تمیز، انہیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا موسیٰ اور داؤد، و دیگر انبیاء کی یہ تعلیمات تھی لیکن یہ تو ان کی بھی توھین کرتے ہیں۔ جبکہ یہ جانتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شان بلند ہے اس سے ان کی شان میں کمی نہیں واقع ہوتی بلکہ اسطرح کی حرکات سے مسلمانوں کی نبی پاک ﷺ سے محبت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

عیسوی تصور عدل:

موسوی تصور عدل میں ہمیں درگزر کی کوئی گنجائش نہیں ملتی جبکہ عیسوی عدل اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایک طرف ہمیں افراط نظر آتا ہے تو دوسری طرف تفریط۔ یہاں سب کچھ عفو و درگزر کے حوالے کر دیا گیا اور قصاص کی کوئی گنجائش نہیں۔

کسی بدی کا بدلہ بدی سے نہ دو کیونکہ یہ کام تو حیوان بھی کرتے ہیں بدی کا نیکی کے ساتھ دو جو تم سے عداوت رکھے اس کے لیے دعا مانگو(۲۱)۔

لوقا میں لکھا ہے کہ آگ آگ سے نہیں بجھائی جاتی بلکہ پانی سے، اس لیے کہتا ہوں کہ بدی پر بدی غالب نہ آئے بلکہ نیکی کے ذریعے سے (۲۲)۔

عیسائی بھی کلام الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوئے تھے(۲۳)۔

یہودیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے آئے تھے۔ لہٰذا یہ بھی اپنے آپ کو باقی اقوام سے برتر اور خدا کا چہیتا سمجھنے لگے(۲۴)۔

پھر عیسوی تصور عدل میں عفو و درگزر کی تعلیم تھی جو فطرت انسانی سے بھی متضاد تھی اس لیے دیندار طبقہ نے ترک دنیا اور رہبانیت اپنائی (۲۵)۔

جس معاشرے میں تعزیرات و قصاص کا قانون سرے سے ہی نہ ہو وہاں امن و امان کیسے برقرار رہ سکتا ہے۔ قانون عدل میں اسی کمی نے ان کو بھی خرابیوں میں مبتلا کر دیا تھا اور انہی براہیوں میں یہ آج بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں اجتماعی عدل کسی بھی معاشرے کے سکون اور امن کی بنیاد ہے۔ جو ان کے ہاں سرے سے پایا ہی نہیں جاتا تو اس پر عمل کسطرح کریں؟

عہد جاہلیت میں نظام عدل

عرب عدل کو بہت اہمیت دیتے تھے طلوع اسلام سے قبل مکہ میں ایسے رجحانات پائے جاتے تھے جن کو منظم حکومت کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔ شہر میں مختلف قبائل رہتے تھے اور ہر ایک قبیلہ کے سپرد تنازعات کا تصفیہ تھا اور سردار قبیلہ یہ فرض سرانجام دیتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی یہ خدمت انجام دی تھی۔ مجرم کو قتل کرنے کا حق مقتول کے ورثاء یا سردار قبیلہ کو پہنچتا تھا لیکن جرمانے یا ایک سو اونٹ کے معاوضے پر راضی نامہ بھی ہو سکتا تھا۔ حدود کی بہت سخت سزائیں ہوتی تھیں مثلاً چور کے ہاتھ کاٹے جاتے اور زانی کو سنگسار کیا جاتا یا کوڑے لگائے جاتے۔ اسلام نے جاہلیت کے بعض رسم و رواج سے فائدہ تو اٹھایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے صرف ان رسوم سے استفادہ کیا کہ جو قرآنی احکامات کے مطابق تھے اور جنہیں عقل سلیم بھی تسلیم کرتی تھی۔

عربوں میں نظام عدل کی درج ذیل شکلیں رائج تھیں:(۲۶)

Marfat.com

☆ پنجائیت۔

☆ پیچیدہ مقدمات میں کاہنوں سے رجوع کیا جاتا تھا جو مذہبی پیشوا یا علم غیب کے مدعی تھے۔

☆ تحکیم، یعنی ثالث یا حکم کا کام ادا کرنے والی بعض شخصیتیں۔مثلاً ایک مشہور حکم عامر بن ظرب العدوانی تھا۔

ان تین طریقوں کے علاوہ ایک اور غیر معمولی طریقہ بھی زمانہ جاہلیت کے دور میں پایا جاتا تھا۔شہر مکہ میں ''حلف الفضول'' کا ایک ادارہ قائم تھا۔یہ ایک اجتماعی حلف تھا۔اس کا مقصد یہ تھا کہ شہری حدود میں جو مظلوم پائے جائیں ان کی مدد کی جائے اور ظالم کو سزا دی جائے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس معاہدے میں شرکت فرمائی۔یہ ادارہ بنوامیہ کے عہد تک قائم رہا(۲۷)

مکہ کی شہری ریاست میں بھی نظام عدل موجود تھااور تین طریقوں کی شکل میں پایا جاتا تھا(۲۸): ☆ ضلعی کونسل (الاسراہ) ☆ مجلس اعلیٰ (دار الندوہ) ☆ کثیر المقاصد ادارے۔

اسلام میں عدل کی اہمیت:

اسلام میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ اگر عدل و انصاف نہ ہو سکے تو انسانی معاشرہ درہم برہم ہوجاتا ہے اور اس کا امن وسکون ختم ہو جاتا ہے اور امن وسکون کا ختم ہونا لازمی طور پر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے امن شرط اولین ہے اور امن کا حاصل ہونا انصاف کے بغیر ناممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے بندوں کو عدل و انصاف کی خاص طور پر اور بار بار تاکید کی ہے۔مثلاً

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾(۲۹)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم فرماتا ہے

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾(۳۰)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو

اوپر کی آیات میں تو دوسروں کے معاملہ میں عدل و انصاف کا حکم دیا لیکن سورۃ نسأ میں اس سے بھی ایک قدم آگے یہ فرمایا کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف سے کام لو اور بلاشبہ یہ بہت ہی کٹھن منزل ہے۔فرمایا:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ﴾(۳۱)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو خواہ تمہیں گواہی خود اپنے خلاف اور اپنے والدین اور اعزاء کے خلاف دینی پڑے۔

علامہ سید سلیمان ندوی اس آیت کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''عدل و انصاف کی راہ میں ان دونوں سے بھی زیادہ ایک کٹھن منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔(۳۲)

Marfat.com

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم کی روشنی میں اہل ایمان کو اس کٹھن منزل کی راہنمائی بھی پوری طرح کی گئی ہے۔ارشاد خداوندی ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾(۳۳)

اے ایمان والو! انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے گواہ بنو،اگر چہ تمہارا اپنا اس میں نقصان ہی ہو۔یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا اگر وہ دولت مند ہے یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔تو تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم زبان ملو گے (اگر تم نے ہیر پھیر کیا۔ اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا) یا کچھ بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

ان آیتوں میں عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ جڑ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔کہا گیا کہ معاملات میں عدل و انصاف کی حمایت تمہارا مقصد ہو۔جو کچھ کہو یا کرو خدا لگتی کہو اور خدا واسطے کہو۔ عدل و انصاف کے فیصلہ اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آئے۔نہ عزیزوں اور قرابت داروں کا۔نہ دولتمندوں کی طرفداری کا،نہ محتاج پر رحم کا۔پھر اس فیصلہ اور گواہی میں کوئی بات لگی لپٹی نہ رکھی جائے،نہ حق کا کوئی پہلو جان بوجھ کر بچا لیا جائے۔مطلب یہ ہوا کہ فیصلہ اور گواہی میں دولتمند کی خاطر نہ کرو اور نہ محتاج پر ترس کھاؤ اور قرابت کو بھی نہ دیکھو۔جو حق ہو وہ کرو یا کہو۔پھر سچ کہنے میں کوئی توڑ مروڑ نہ کرو کہ سننے والا شبہہ میں پڑ جائے یا پوری بات نہ کہو۔کچھ چھپا لو۔تو یہ سب باتیں عدل اور انصاف کے خلاف ہیں۔کسی غریب کی غربت پر ترس کھا کر فیصلہ میں ردو بدل کر دینا بظاہر نیکی کا کام دکھائی دیتا ہے مگر درحقیقت یہ ایک مقدس فریب ہے۔فیصلہ میں ترس کھا کر بے ایمانی کرنا بھی ویسا ہی جیسا کیس کی خاطر رکھ کر یا کسی کی بزرگی کو مان کر یا کسی کی بڑائی سے مرعوب ہو کے بے ایمانی کرنا ہے۔غرض یہ ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں کوئی اچھا یا برا جذبہ حاکم کے لیے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے۔

اسی طرح اس آیت کا اشارہ ادھر بھی ہوا کہ جو گواہ کسی فریق کو نفع پہنچانے کی غرض سے طرف دارانہ گواہی دیتا ہے۔ وہ غلطی میں مبتلا ہے۔اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اس کا نگران نہیں ہوسکتا۔اس لیے نہ گواہوں کو اس لیے طرفداری کرنی چاہیے اور نہ خود کسی فریق کو گواہ کی طرف داری کے ذریعہ سے اپنی منفعت کا خیال دل میں لانا چاہیے بلکہ دونوں کو اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دینا چاہیے کہ وہی ان کا سب سے بہتر اور سب سے بڑھ کر ولی ہے۔

لوگ اجتماعی عدل و انصاف کے فیصلہ یا گواہی میں اسی لیے غلط بیانی کرتے ہیں کہ جس فریق کی طرفداری مقصود ہے۔اس کو فائدہ پہنچ جائے۔تو ارشاد ہوا کہ اللہ اپنے امیر اور غریب دونوں بندوں کے حق میں تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ تمہاری کم بین نظر تو آس پاس تک جا کر رہ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب کچھ ہے۔ وہ سب کچھ دیکھ کر اور سب کچھ جان کر اپنے بندوں کے ساتھ وہ کرتا ہے جس میں ان کی بھلائی ہے،غور کیجیے کہ ان لفظوں میں عدل و انصاف کا فلسفہ کس خوبی

Marfat.com

سے ادا کیا گیا ہے۔

عدل و انصاف کی اہمیت کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے مطابق (جس کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ مسلمان حاکم اگر ظالم ہوتو اس کی حکومت تباہ ہو جاتی ہے اور اگر کافر حاکم انصاف پسند ہوتو اس کی حکومت باقی رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اچھے اور سمجھدار مسلمان حکمرانوں نے ہمیشہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے اور ظلم و ناانصافی سے حتی المقدور دور رہنے کی کوشش کی ہے۔عدل و انصاف کے حامل مسلمان حکمران کے لیے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سایہ مین لے گا۔جن میں سے ایک شخص امام عادل (منصف حاکم) ہوگا۔(۳۴)

علامہ جلال الدین دوانی اپنی مشہور ومعروف تصنیف ''اخلاق جلالی'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت رسالت پناہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ فرمودہ کہ نزدیک تریم مردمان بخدائے تعالیٰ از روئے منزلت در روز قیامت بادشاہ عادل است یعنی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن قدرو منزلت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ نزدیک شخص بادشاہ عادل ہوگا''۔ اس سے آگے علامہ صاحب کہتے ہیں: در حدیث مصطفوی است ''**عدل ساعة خير من عبادة سبعين سنة**'' یعنی عدل یک ساعت بہتر از عبادت ہفتاد سال ست، چہ اثر عدل یک ساعت بہمہ عباد و در رہمہ بلادمی رسد ومنتہائے متمادی می ماند، (یعنی حدیث مصطفوی میں ہے کہ ایک ساعت یا ایک گھڑی کا عدل ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ (بقول علامہ) ایک ساعت کا عدل تمام بندوں اور تمام شہروں تک پہنچتا ہے اور مدت دراز تک باقی رہتا ہے)۔(۳۵)

اسلامی حکومت جب ملوکیت میں بدل گئی اور حکمرانوں نے اپنی عیش پرستی کے لیے غریبوں کا استحصال کرنا شروع کیا تو معاشرے میں جرائم میں بھی اضافہ ہونے لگا۔حکمرانوں کے اس طرز عمل کی وجہ سے ان کے کوئی مخالف بھی پیدا ہو گئے۔ان ظالموں نے معاشرے سے جرائم کے خاتمے کی بجائے اپنے مخالفوں کوختم کرنے کے لیے ان پر شرعی حدود کا نفاذ شروع کردیا۔ اس صورت حال نے عظیم فقہاء کو بہت پریشان کیا۔ چنانچہ انہوں نے چوری کی شرعی حد کی اس طرح تشریح کی کہ حکمرانوں کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اسے اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرسکیں۔اس بارے میں امام شافعی نے یہ فتویٰ دیا کہ معاشرہ چونکہ اسلام کے عدل اجتماعی کی برکتوں سے محروم ہے اس لیے کسی چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جا سکتے۔ہاں اسے اس جرم سے باز رکھنے کے لیے قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔یہاں تک کہ وہ اس جرم سے توبہ کرے بعد کے مسلمان حکمرانوں نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے،امام شافعی کے اس فتویٰ کو اختیار کر لیا(۳۶)

قرآنی تصور عدل:

قرآن وسنت کی بہت سی نصوص میں عدل کا حکم وارد ہوا ہے۔نیز ان میں اس کی فضیلت کا بیان آیا ہے۔عدل کے متضاد عمل کا نتیجہ ظلم ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ. إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا﴾(۳۷)

Marfat.com

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اور امر یہاں وجوب کے لیے ہے اور مسلم و کافر سب کو شامل ہے، جیسا کہ کلمہ ''الناس'' سے سب واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل کو ہر ایک کے لیے، ہر ایک پر، ہر حال میں واجب کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۳۸)

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

عہد رسالت میں عدل:

مسلمانوں کا نظام عدلیہ اقوام عالم کے لیے ازمنہ وسطیٰ میں صدیوں تک مستقل راہ بنا رہا (اور دوسری متمدن قوموں کے نظام ہائے عدل گستری پر نمایاں فوقیت کا حامل رہا)۔ برصغیر پاک و ہند جس میں مسلمانوں نے ۸۰۰ سال تک حکومت کی، سلاطین دہلی کا زمانہ اسلامی قوانین کی ترویج میں نہایت اہم زمانہ ہے۔ اس عہد کی یادگار تالیفات کی ضیاء پاشیوں سے آج کا معاشرہ بھی منور ہو رہا ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہے جس کا اثر آج تک قائم ہے۔ عدل کو عربی میں قضاء بھی کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر قوم اور تہذیب میں عدل و انصاف کا کچھ نہ کچھ تصور پایا جاتا ہے لیکن یہ تصور ہر زمانے میں ہر جگہ ایک سا نہیں رہتا۔ ہر قوم ہر زمانے کے عدل کو ایک خاص تخیل اور زاویہ کی نگاہ سے دیکھا اور ہر زمانے میں سزا کا تصور و معیار جداگانہ رہا۔

اسلامی عدل کا سب سے بڑا ماخذ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک عہد ہے۔ جس میں زمانہ جاہلیت کے تمام رسوم و رواج اور ادارے معطل قرار دیے گئے۔ یوں تو مکہ میں ہی ایک اسلامی سماج بن گیا تھا لیکن مدینہ ہجرت کے بعد ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی، جس دستور پر مدینہ کی ریاست کی بنیاد پڑی وہ دنیا کا بہترین دستور شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز دستور ہے جس میں قبائل سے عدل کا حق چھین لیا گیا۔ اور ایک مرکزی ادارہ قائم ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک سب سے افضل اور سب کے لیے قرار پائی۔ کیونکہ آپ کی ذات عدل و انصاف کا آخری اور بہترین مرجع تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾

اے رسول ان کے درمیان احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ کرو

اس طرح مومنین کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

Marfat.com

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾(۳۹)

اے رسول! تمہارے رب کی قسم لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی بوجھ یا بھار محسوس نہ کرو اور تمہارے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے پہلے ہی بیت عقبہ کی رو سے ہر قبیلے میں نقیب مقرر کیے گئے۔ جو اپنے قبیلے کی نمائندگی کرتے تھے یا منظم کرتے تھے۔اس کے علاوہ ایک عریف ''دس آدمیوں پر ایک عہدہ دار) مقرر کیا۔ جب نقیب کے فیصلے سے ناراضگی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مرافع ہوتا تھا۔ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاضی مقرر فرمائے جو فیصلہ کرتے تھے۔(۴۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو نبی کا گورنر مقرر کیا۔ اور یہ عمال فیصلہ قرآن و حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اور سب راست قانون سازی کے ذریعے سے مقرر ہونے والے قانون کے پابند تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں خطبہ حجۃ الوداع بھی عظیم الشان منشور اساسی ہے جو اسلامی عدل کے لیے ایک بہت بڑا پروانہ اور اعلان حقوق انسانی ہے جس میں تمام یا ہر انسان کے بنیادی حقوق تک بیان کیے گئے ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کی مثال دنیا کے کسی تمدن میں موجود ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں قضاۃ، احتساب، مصالحت، صدقات، پولیس، جلاد کا محکمہ قائم ہو چکا تھا۔(۴۱)

عہد نبوی میں اجتماعی تصور عدل کی چند مثالیں

ایک مرتبہ ایک یہودی اور انصاری پیغمبروں میں افضلیت پر بحث کر رہے تھے۔ دوران بحث یہودی نے موسیٰ علیہ السلام کو اس انداز سے پیش کیا جیسے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوں۔ انصاری یہ برداشت نہ کر سکے اور اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ یہودی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں شکایت پیش کی، فریقین کو سن کر حضور کریم صلی اللہ وآلہ وسلم نے مقدمے کا فیصلہ فرمایا اور نصیحت کے طور پر کہا ''دوسرے پیغمبروں پر میری فوقیت میں مبالغہ نہ کرو۔ روز قیامت سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں جاگنے والوں میں سب سے پہلا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے تخت کے برابر کھڑے ہیں'' (۴۲)

عبداللہ بن سہیل کو خیبر کے یہودیوں نے شہید کر دیا۔ مقتول کے وارث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا، لیکن اس واقعہ کی کوئی عینی شاہد پیش نہ کر سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سو اونٹ خون بہا میں دلوا دیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کسی آدمی کو پکڑ لایا، عرض کیا کہ اس آدمی نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب اس کو بھی اسی طرح سے مار ڈالو۔ قاتل نے اس شخص سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور مجھے

Marfat.com

معاف کر دو تمہارے لیے یہی بہتر ہے اور تمہارے بھائی کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ معاملہ یوم حشر پر چھوڑ دے۔اس پر اس شخص نے قاتل کو چھوڑ دیا، بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ قصاص کے بدلے میں یہی بہتر تھا کہ مقتول حشر کے دن اللہ سے فریاد کرے کہ یا اللہ اس شخص نے میری جان کیوں لی (۴۳)

ایک شخص سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔چند روز کے بعد وہ تقاضے کے لیے آیے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دو۔انصاری نے کھجوریں دیں لیکن وہ کم تر درجہ کی تھیں۔انصاری نے کہا: تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو؟ بولا ہاں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی عدل نہ کریں گے تو اور کون کرے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وآل وسلم کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور فرمایا: ''یہ بالکل سچ ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر کھجوریں دلوائیں۔ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ مستعار لیا۔اتفاقاً وہ پیالا گم ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا تاوان ادا کر دیا۔اسی طرح ایک دفعہ بنومخزوم کی ایک بلند مرتبہ عورت نے چوری کی۔قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ ملزمہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید کو سفارش کے لیے تیار کیا۔انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی کی درخواست کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے۔وہ غریبوں کو تو سزا دیتے تھے اور امیروں کو بخش دیتے تھے۔خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

خلافت راشدہ میں عدل

خلافت راشدہ کے زمانے میں مملکت کا پورا نظم ونسق قرآن وسنت نبوی کا آئنہ دار تھا۔قرآن وحدیث ہی مملکت کا دستور تھا۔عہد صدیقی میں تمام اکابر صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہر مشکل مسئلہ میں رجوع فرماتے تھے۔قرآن شریف کی جمع اور ترتیب آپ ہی کا کام تھا۔خلافت کے لیے باتفاق آراء آپ کے ہاتھ پر جو بیت کی گئی وہ بیت خاصہ کہلاتی ہے (۴۴)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جو مقدمات آتے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بعض اہم قانونی مسائل طے فرمائے بہت سے مسئلوں کی وضاحت بھی کی اس کی ایک مثال حق حصانت کے سلسلے میں ملتی ہے۔جس میں خود حضرت عمرؓ فریق تھے۔آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اے عمر اس بچے کے لیے اس کی ماں کا تھوک تمہارے دیے ہوئے شہد سے بہتر ہے۔اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قانون وراثت میں بھی ایک اہم مثال قائم فرمائی۔آپ نے یہ فرمایا کہ دادا حقیقی بہنوں اور بھائیوں کو وراثت سے محروم کر دے گا۔خلیفہ اول کے اس خیال سے امام ابو حنیفہ متفق ہیں۔چند حضرات اس خیال کے مخالف ہیں ان میں امام ابو یوسف، امام محمد امام مالک، امام شافعی، حضرت علی علیہ السلام، امام زید شامل ہیں۔

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک جمہوری حکومت کا نقشہ مرتب کیا اور ایسے طرز حکومت کی بناء ڈالی جو اسلام کی حقیقی روح تھا۔آپ کی مجلس شوریٰ میں حضرت عثمان، حضرت علی علیہ السلام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل، حضرت اُبی بن کعب، زید بن ثابت جیسی شخصیات تھیں۔کوئی ملکی مسئلہ کثرت رائے کے بغیر طے نہیں پاتا تھا۔(۴۵)

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ نے عہد رسالت کو نمونہ بنایا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری پیروی کی اور بہت سی مثالیں قائم کیں۔ عہد فاروقی میں عدالت کا ایک جداگانہ نظام قائم ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہر ضلع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اگر کوئی حاکم، عامل یا قاضی کے تقرر کے وقت اقربا پروری، وسعت نوازی اور جانب داری سے کام لے تو عامل یا قاضی کے غلط فیصلوں کی وجہ سے حاکم اور قاضی کے سر جو گناہ ہوگا اس میں وہ امیر بھی برابر کا شریک ہوگا جس نے اس کا تقرر کیا تھا اسی طرح کسی شخص کو امارت یا قضاء کا عہدہ سپرد کرتے وقت اگر امیر کے پیش نظر صرف مسلمانوں کی بھلائی ہو تو صحیح فیصلوں کی وجہ سے حاکم اور قاضی کو جو اجر ملے گا اس میں امیر بھی برابر کا شریک ہوگا۔ اگر حاکم یا قاضی بددیانتی سے کوئی فیصلہ کرتے تو اس کے گناہ میں امیر شریک نہ ہوگا۔ اسی طرح قاضی شریح کو بھی تقرر کے وقت حضرت عمرؓ نے ایک ہدایت نامہ دیا اور تاکید کی تھی کہ کتاب اللہ اور سنت میں کوئی چیز نہ ملے تو حق پرست اماموں کے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کریں۔ اگر یہ اجتہاد کام نہ دے تو اپنی رائے کام میں لائیں اور اہل علم وصلاح سے مشورہ کریں۔

اسی طرح ایک اور فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں پہلے قرآن کے مطابق فیصلہ کریں اور اگر اس سے کوئی مسئلہ حل نہ ہو سکے تو حدیث سے اور اگر اس حدیث سے بھی حل نہ ہو سکے تو اجماع کے ذریعے طے کریں اور اگر اس سے بھی حل نہ ہو سکے تو اجتہاد کریں۔ نیز وہ قاضیوں کو مشکل اور اہم مسائل کے متعلق فیصلے لکھ کے بھیجتے تھے (۴۶)۔

سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے دنیا میں عدل وانصاف کی وہ مثالیں قائم کیں جن کی نظیر ان کے بعد دنیا والوں کو نہیں مل سکتی اور سیدنا علیؓ وہ قول بالکل صحیح ثابت ہوا جس میں حضرت علیؓ نے سیدنا عمر سے فرمایا تھا:

''آپؓ نے اپنے بعد کے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے'' (۴۷)

سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں نہ صرف حکومت کا ڈھانچہ بہتر بنایا بلکہ رعایا کے ساتھ بھی ایسی ہی عدل و انصاف کا سلوک کیا کہ وہ آپ پر اپنی جان چھڑکنے لگے۔ آپ کی رعایا میں مسلمان اور غیر مسلم سبھی لوگ تھے۔ عموماً سربراہان مملکت دوسری اقوام سے اچھا سلوک نہیں کرتے لیکن آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ان کی گرویدہ ہو گئیں آپ کے عہد کا سب سے نمایاں وصف شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ، خویش و بیگانہ، شریف و رزیل، مسلم و غیر مسلم قانون کی نگاہ میں سب برابر تھے۔ یہ آپ کی تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ خلفاء راشدین نے اپنے ادوار میں عدل و انصاف کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے رشوت اور ناجائز وسائل آمدنی کے سد باب کے لیے بھی تدابیر اختیار کیں۔ مثلاً آپ قاضیوں کے بے شمار مراعات دیتے تھے۔ چنانچہ سلیمان ربیعہ کو ۵۵۰ درہم ماہوار ملتے تھے۔ قاضی کو تجارت کی ممانعت تھی۔ نیز غیر مسلموں کو اجازت تھی کہ خود اپنے مقدمات کا فیصلہ کریں۔ پس عہد فاروقی میں نگرانی اور مرافع کا نظام بھی بہت ترقی پا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ تمام لوگوں سے عہدہ داروں کے دعوے سنتے اور ان کے سخت باز پرس کرتے۔ مساجد میں عدالتی اجلاس بھی ہوتے تھے۔ عدالت کے دروازے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پہلی مرتبہ قید خانے بنوائے اور اس مقصد کے لیے صفوان بن امیہ کا مکان ۴۰۰۰ درہم میں خریدا۔ فدک کے مسئلہ میں حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیروی کی تھی۔ حضرت عمر نے اپنی ایک مملوکہ زمین جو خیبر میں تھی وقف کر دی تھی۔ اور یہ پہلا وقف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

Marfat.com

زمانے ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عمل میں آیا تھا۔لیکن شبلی نعمانی کے مطابق پہلا وقف اس وقت ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تھی۔

عہد عثمانیؓ میں حضرت عمرؓ کے دور میں کیے گئے اضافے ہی بحال رہے۔اور ان کے عہد میں ایک عمارت دار القضاء کے نام سے بنائی گئی۔

عہد مرتضوی میں چونکہ حضرت علیؓ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور انہیں قانون وراثت عول اور رد کے اصولوں کے بانی سمجھے جاتے تھے۔ قانون شہادت کے سلسلے میں حضرت علیؓ نے ایک نئی اصلاح کی۔ پیش ہونے والے گواہوں کا تذکیہ کہ زیادہ معتبر ہیں یا نہیں؟ جھوٹی گواہی کی شہادت لیتے وقت دوسرے گواہوں کو عدالت سے ہٹا دیتے تھے۔اور صداقت کے لیے مخفی تحقیقات کرتے تھے۔

عدلیہ کی جو وقت اور شان عہد نبوی اور تینوں خلفاء کے دور میں تھی وہ عہد مرتضوی میں بھی قائم رہی۔آپ بذات خود عدالت میں قاضی کے رو برو بہ حیثیت فریق مقدمہ حاضر ہوئے۔چنانچہ آپ قاضی شریح کے پاس ایک مقدمہ لے گئے اور اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو بطور گواہ پیش کیا۔قاضی شریح نے باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس انصاف سے حضرت علیؓ اتنے خوش ہوئے کہ قاضی شریح کی تنخواہ ۵۰۰ درہم کر دی۔آپ کی عدالت میں وراثت کا ایک مقدمہ پیش ہوا۔ایک ایسے لڑکے کی وراثت بحث طلب تھی جس کے دو سر دو سینے تھے لیکن نچلا دھڑ ایک ہی تھا۔سوال یہ تھا کہ اس کو ایک حصہ ملے گا یا دو۔حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسے سو جانے دو اور پھر دیکھو کہ سانس دونوں سروں سے برابر آتی ہے یا نہیں۔اگر دونوں سروں سے برابر آتی ہے تو دو حصے ملیں گے۔اور اگر ایک ہی سر سے سانس آتی ہے تو ایک ہی حصہ(۴۸)۔

عدل کی فراہمی عدلیہ کی بنیادی ذمہ داری ہے اور قاضی اپنے اس عظیم کام کے ذریعے معاشرے کو امن فراہم کرتا ہے۔اسی کی وجہ سے معاشرے کا ہر فرد مسلم،غیر مسلم اپنی جان و مال کی عزت کے متعلق مطمئن ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے حقوق کی ادائیگی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو لوگوں کی اصلاح وتبلیغ کے ساتھ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کا کام بھی سونپا ہے۔(۴۹)

قرآن وسنت کے احکامات کی بناء پر صحابہ کرام نے قضاۃ کی اہمیت اور معاشرے کے لیے اس کی عظیم ضرورت کا ادراک کیا۔حضرت عمر نے جب عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا تو اس کے ساتھ عدالتی طریقہ کار سے متعلق ہدایات بھی جاری فرمائیں یہ ہدایت ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام خط میں تھیں اس میں عدل و انصاف کی اہمیت اور عدلیہ کی آزادی کے متعلق ہے(۵۰)۔ سیاست الملوک میں عدل کی بڑی اہمیت ہے۔موسیٰ بن یوییٰ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”عدل کسی بھی ریاست کا روشن چراغ ہے۔عدل کے چراغ کو ظلم کی آندھی سے نہ بجھاؤ۔ظلم کی آندھی سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔جبکہ عدل کی ہوا ثمر آور ہوتی ہے احکام میں عدل حکومت کی بنیادی صفات میں سے ہے“(۵۱)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حمص کے عامل نے لکھا:

”حمص شہر شکست و ریخت کا شکار ہے اور مرمت درکار ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا اس

Marfat.com

کو عدل سے مضبوط کرو اور اس کی شاہراہوں کو ظلم سے پاک کرو'' (۵۲)۔

اجتماعی عدل کی ایک قسم معاشی عدل بھی ہے۔ اجتماعی عدل کی ایک قسم معاشی عدل بھی ہے اور اسی معاشی عدل کے ذریعے ہم معاشرے سے دولت کی طبقاتی تقسیم کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔مغربی معاشی نظاموں میں معاشرے پر ایسے بدنما اثرات مرتب کیے ہیں جن کی وجہ سے معاشرے سے معاشی عدل کا خاتمہ نظر آتا ہے۔اسلام نے ایک منظم معاشی نظام کی تصویر پیش کی ہے اسلام نے تقسیم دولت کا ایک پورا نظام وضع کیا ہے جس کی رو سے امیر لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال سے غربا کا حصہ نکالیں۔اسلام نے تقسیم دولت کا جو نظام دیا ہے اس کی وجہ

☆ مساویانہ تقسیم ہے۔

☆ عاملین کو دیانتداری سے محاصل کی وصولی کا حکم دیا ہے اور لوگوں میں عدل کے ساتھ دیانت داری کرنے کی تلقین ہے۔

☆ صرف دولت میں اعتدال میں میانہ روی (۵۳)

غیر مسلموں کے ساتھ بھی عدل کا حکم:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے عدل کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وہ ان کے ساتھ شدید بغض رکھتے ہوں۔مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔دین میں عدل کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہم پر فرض کیا ہے حتیٰ کہ ہمارے ان دشمنوں کے بارے میں جو ہمارے خلاف جرائم کا ارتکاب کرتے ہوں،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى. وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا. ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾(۵۴)

اور جب تم بات کہو تو انصاف کی کہو،خواہ معاملہ رشتہ داری کا ہی کیوں نہ ہو،اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

ان باتوں کی اللہ نے تمہیں ہدایت کی ہے،شاید کہ تم نصیحت قبول کرو (۵۵)

ابن کثیر علیہ الرحمہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ قریب و بعید کے ساتھ قول و فعل میں عدل کا حکم دیتا ہے۔ وہ ہر ایک کے لیے عدل کی ہدایت فرماتا ہے۔ ہر وقت، ہر حال میں۔(۵۶)

اور یہ بھی سنت میں وارد ہے کہ رعیت کے درمیان عدل قائم نہ کرنا بہت بڑے خطرے کا باعث ہے۔چنانچہ معقل بن یسار المزنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما من عبدٍ يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته الا حرم الله عليه الجنة(۵۷)

کوئی ایسا بندہ نہیں جس کو اللہ تعالیٰ اس کی رعیت کا ذمہ دار بنائے اور اس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ اپنی رعیت سے دھوکا کرنے والا تھا،مگر یہ کہ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہو۔

شیخ الاسلام بن تیمیہ نے فرمایا: دنیا میں لوگوں کے معاملات جن میں کئی قسم کے گناہ شامل ہو سکتے ہیں،عدل کے ساتھ ہی درست ہو سکتے ہیں۔اور اکثر حقوق کی درستی اس طرح ہوتی ہے کہ ظلم اس میں شامل ہوتا ہے اگرچہ گناہ میں وہ مشترک

Marfat.com

نہ بھی ہوں۔اور اس بارے میں کہا گیا ہے :اللہ تعالیٰ عدل کرنے والی ریاست کو قائم رکھتا ہے اگر چہ وہ کافرہ ہو اور اس ریاست کو قائم نہیں رکھتا جس میں عدل نہ ہو اگر چہ وہ مسلمانوں کی ہو۔اور کہا جاتا ہے کہ دنیا عدل اور کفر کے ساتھ تو قائم رہے گی لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ نہیں رہے گی۔عدل ہر چیز کا نظام ہے جب دنیا کے معاملے کو عدل پر قائم کیا جائے گا تو وہ قائم ہو گی خواہ عدلم کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور جب اسے عدل سے قائم نہیں کیا جائے گا تو وہ قائم نہیں ہو گی۔اگر چہ اس کا صاحب ایمان والا ہو،آخرت میں اسے کوئی اجر نہ ملے گا۔(۵۸)

ابن قیم نے کہا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں تا کہ لوگ عدل پر قائم ہوں اور وہ عدل ہی ہے جس پر آسمان و زمین قائم ہیں۔پس جب عدل کی علامات ظاہر ہو گئیں اور اس کا چہرہ منور ہوا خواہ کسی بھی طریقے سے ہوا،پس وہی تو اللہ کی شریعت اور اس کا دین ہے۔

ہر سلیم العقل انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ اسلام کن خصوصیات والے انسان پیدا کرنا چاہتا ہے۔کسی فرد یا جماعت سے کتنی ہی عمیق یا کتنی ہی شدید دشمنی ہو۔جب گواہی دینے کا مرحلہ سامنے آئے گا،مسلمان کی زبان سے ایک حرف بھی ایسا نہ نکلے گا، جو حق و انصاف کے عین مطابق نہ ہو۔

یاد ہوگا کہ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین نصف پیداوار کی بناء پر یہودیوں کے حوالے کر دی گئی تھی اور عبداللہ بن رواحہ کو بٹائی کے لیے بھیجا جاتا تھا۔وہ پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو انبار لگوا دیتے اور یہودیوں سے کہتے کہ جو حصہ چاہو اٹھالو، یہودی کہتے:زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔مسلمانوں کا وظیفہ حیات روئے زمین پر یہی تھا اور ایسے یہ اصول حیات عالمی امن کے ضامن ہو سکتے ہیں۔وہ افراد یا گروہ اس وظیفے کی بجا آوری سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں،جن کی زبانوں سے الفاظ نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے،پھول جھڑ رہے ہیں لیکن ان کے دل،ان کی طبیعتیں اور ان کی ذہنیتیں نہایت پست اور امن بر انداز اغراض سے یک قلم آلودہ ہیں۔یہ وہی شیوہ ہے جس پر مدینہ منورہ کے یہودی عربوں کے تعلق میں کاربند تھے اور کہا کرتے تھے:

لیس علینا فی الامیین سبیل، و یقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون(۵۹)

امیوں(یعنی عربوں)کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ہم پر کچھ مؤاخذہ نہیں(یعنی ان کے ساتھ دیانت داری والا برتنا ضروری نہیں)اور یہ کہہ کر وہ اللہ پر تہمت باندھتے ہیں۔حالانکہ اچھی طرح جانتے ہیں حقیقت حال کیا ہے؟

یعنی جس گروہ سے ذاتی اغراض وابستہ ہیں،ان کے متعلق ایک نظام اخلاق اور ایک ضابطہ نیک و بد ہے لیکن جن سے کوئی خاص علاقہ نہیں،ان کے باب میں بالکل دوسری روش اور دوسرے اصول پیش کیے جاتے ہیں۔(۶۰)

اسلام میں عدل اجتماعی کے میدان متعین نہیں ہیں۔بلکہ وہ زندگی کے سارے پہلوؤں میں واجب ہے۔جن میں سے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور اجتماعی پہلو بھی ہیں۔نیز عدلیہ،فوج اور تعلیم یعنی ہر طرح کے افراد کی سطح پر اس کی تطبیق واجب ہے۔اجتماعی عدل کسی بھی معاشرے کی امن و فلاح کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ہم نے گزشتہ صفحات میں مختصراً دنیا کے گزری

Marfat.com

اقوام اور موجودہ دور کے عدل کا ایک مختصر تصویر پیش کیا ہے۔اس میں آپ کو سب سے بہتر عدل فراہم کرنے کی ضمانت صرف اسلام دیتا ہے۔کیونکہ یہ عالمی امن کے لیے بہترین ٹانک ہے۔جس سے اقوام اور معاشرے پرسکون بناتے ہیں اور ظلم کا خاتمہ کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔اس کی مثالیں ہمیں اسلام کے ہر دور میں ملتی ہیں مثلاً عمر بن عبدالعزیز اور برصغیر میں مسلمانوں کا سنہری دور جیسے اورنگ زیب عالمگیر،شیر شاہ سوری،شہاہ جہان،کا دور اس میں سرفہرست ہے۔

فہرست مصادر و مراجع

ا۔ابن منظور افریقی،لسان العرب،ص۴۳۰،المجلد الحادی العشر،دار صادر بیروت نیز دیکھیے محمد مرتضٰی زبیدی،تاج العروس من جواہر القاموس (باب الام) ص:۴۷۶،المجلد الخامس عشر،دار الفکر،بیروت لبنان،۱۴۱۴ ہجری،لوئیس معلوف،المنجد فی اللغہ، انتشارات اسلام،تہران،ایران۔اسماعیل بن حماد جوہری، الصحاح، دار الحدیث قاہرہ،مصر۔۲۔(ابوبکر احمد بن علی رازی، الجصاص، احکام القرآن،ص۲/۲۴۴ مطبعہ اوقاف۔۳۔سلیمان ندوی،سیرۃ النبی،جلد۶ ص۳۹۷۔۴۔سید عبدالصبور طارق،مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل،ص۱۴،اسلامی تاریخ و تمدن ص ۱۵۷،سید ابو الاعلی مودودی،اسلامی ریاست،ص ۶۶۲، اسلامک پبلیکیشنز۔ ۵۔ضرورۃ القرآن ج دوم،ص۴۹،پروفیسر مولانا قاضی زاہد الحسینی،پبلشر ندارد۔ ۶۔المائدہ:۸۔ ۷۔۔قرآن مجید مترجم حضرت شیخ الہند ص ۱۴۰۔ ۸،۔تفصیل کے لیے دیکھیے۔النساء:۶۵, الحشر:۷, مائدہ :۴۴۔۔۔۹۔الجمعہ ۹:۱۰۔۱۰۔النباء :۱۰:۱۰۔ ۱۱۔سید قطب شہید،اسلام میں عدل اجتماعی،مترجم:ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی،ص ۵۳ تا ۱۰۵اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۲۔احبار:۲۴:۱۷،مروج الذہب،۲۱:۱۲،گنتی،۳:۳۱،استثنا،۱۱:۱۹۔۱۳۔استثناء۱۵:۳۔ ۱۴۔ایضاً۔ ۱۵۔مثلاً استثناء ۱۵:۱،۳نیز دیکھیے ایضاً ۲۳:۲۰۔ ۱۶۔تالمود،مستلینی، پال آئزک ہرشوں، لندن، ۱۸۸۵،صفحات ۳۷۔۲۱۰، ۲۲۱، نیز دیکھیے سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد ا، ص ۶۶۔۲۔ سورۃ آل عمران، حاشیہ ۶۴، ۱۹۹۲ء، ادارہ ترجمان القرآن) نیز دیکھیے۔ archive.org/sterm/atalmudicm/sceloohersgoog#page/m258/mod/2up(A Talmudic Miscellany)۔ ۱۷۔دیکھیے البقرہ :۴۷،نیز دیکھیے المائدہ :۸۲۔۱۸۔ دیکھیے المائدہ :۴۲،البقرہ:۱۷۴ نیز دیکھیے الجمعہ ۶:۶۲۔ ۱۹۔دیکھیے البقرہ :۸۰۔ ۲۰۔المائدہ :۴۱۔ ۲۱۔متی۵:۴۵۔لوقا۶:۲۸۔۲۲۔لوقا۱۲:۲۱نیز دیکھیے متی ۵:۲۱،۲۲،متی،۵:۳۸۔ ۴۵،متی ۱۸:۲۰۔ ۲۳۔المائدہ:۴۱۔ ۲۴۔المائدہ :۱۸۔۲۵۔الحدید:۲۷،نیز دیکھیے سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست قرآن و سنت کی روشنی میں،علماء اکیڈمی،شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف لاہور،ص۲۴۴ تا ۲۴۸۔ ۲۶۔سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست قرآن و سنت کی روشنی میں،علماء اکیڈمی،شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف لاہور،ص ۲۴۸ تا ۲۵۰۔ ۲۷۔ڈاکٹر حمید اللہ،مجلہ عثمانیہ،جلد ۱۱،شمارہ ۱،۲،ص۱۹،۲۰،نیز دیکھیے سیرۃ ابن ہشام ص ۷۹،۸۰۔ ۲۸۔نقوش رسول نمبر جلد یازدھم شمارہ نمبر ۱۳۰،ص۶۰۲،جنوری ۱۹۸۵،ادارہ فروغ اردو لاہور۔ ۲۹۔النحل:۹۰۔ ۳۰۔النساء :۵۸۔ ۳۱۔النساء ۱۳۵۔ ۳۲۔سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، ج۶، ص:۱۲۰۔ ۳۳۔النساء ۲۰۔ ۳۴۔محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد، الحدیث:۶۶۰۔ ۳۵۔سید عبدالصبور طارق،مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل،ص ۱۵ تا ۲۰۔ ۳۶۔پروفیسر رفیع اللہ شہاب،عدل کا اسلامی تصور،مقبول بکس،لاہور،۱۹۹۹،ص۱۹،۱۸۔ ۳۷۔النساء:۵۸۔ ۳۸۔مائدہ :۸۔ ۳۹۔سورہ النساء :۶۵۔ ۴۰۔امام

Marfat.com

سرخسی، المبسوط،ص۱۰۹، مطبعہ السعادۃ مصر، ۱۳۳۱ ہجری۔ ۴۱۔شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، جلد ۲ ص ۷۶۔ ۴۲۔صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف۔ ۴۳۔سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ،ص ۱۹۱، حدیث ۸۱۹۔ ۴۴۔سیرۃ الصدیق ص،۵۹ تا ۶۰، پروفیسر محمد عبدالحفیظ صدیقی، برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد،ص ۳۹۔ ۴۵۔کنز العمال، جلد ۳ ص ۱۳۴، حیدر آباد، طبقات ابن سعد، آرام باغ کراچی، ۴۶۔کنز العمال، ازالۃ الخفاء اور اخبار القضاۃ وغیرۃ میں متعدد فتوے ملتے ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھیے پروفیسر محمد عبدالحفیظ صدیقی، برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری،ص ۴۵، ۴۶، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔ ۴۷۔ابن جوزی، سیرۃ عمر بن خطاب۔ ۴۸۔لطرق الحکمیہ ص ۵۲، بحوالہ سوانح اہلبیت ص ۱۲۸۔ ۴۹۔سورۃ حدید میں ۲۶/۵۷۔ ۵۰۔کنز العمال،ص۳/۱۷۴۔ ۵۱۔محمد بن یوسف، واسطۃ السلوک فی سیاسۃ الملوک،ص ۲۳۔ ۵۲۔محمد بن یوسف، انور المعروسی، الشریح والقضاۃ فی اسلام،ص ۸۳، ۱۹۸۴، موسسۃ شباب الجامعۃ الاسکندریہ۔ ۵۳۔تفصیل کے لیے دیکھیں توبہ: ۴۰۔ ۵۴۔الانعام: ۱۵۲۔ ۵۵۔سیاست شرعیہ، ابن تیمیہ، ابوالکلام آزاد۔ ۵۶۔ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج ۲ مترجم مولانا محمد صاحب جونا گڑھی مکتبہ قدوسیہ ۱۹۹۹،ص ۱۳۲۔ ۵۷۔السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد دہم،ص ۸۷ تا ۸۹، حیدر آباد (دکن)۔ ۵۸۔ابن تیمیہ، ۲۸۰، سیاست شرعیہ، مترجم محمد اسماعیل گودھروی، تاجران کتب قرآن کراچی، موسوی مسافر خانہ، سن ندارد، امام غزالی، احیا علوم الدین، ج ۱، نیز دیکھیے ابن قیم کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم۔ ۵۹۔آل عمران: ۷۵۔ ۶۰۔ابو الکلام آزاد، رسول رحمت، مرتب غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۱ء

نیز آپ درج ذیل کتب بھی ملاحظہ کیجیے

☆ تالمود، ایچ پولانو، مترجم سٹیفن بشیر، مکتبہ عناویم گوجرانوالا پاکستان طبع سوم، ۲۰۱۰ء۔ ☆ کتاب مقدس بائبل، سوسائٹی انار کلی لاہور۔

☆ ڈاکٹر سعود سلمان، سلیمان قاسم و دیگر، اسلام کا سیاسی نظام، مترجم خدا بخش کلیار، نشریات لاہور۔

☆ سیرت النبی کے درخشاں پہلو (الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول) عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، ترجمہ غلام احمد حریری، نعمانی کتب خانہ لاہور۔

☆ طالب الہاشمی، حسنت جمیع خصالہ، القمر انٹر پرائزز لاہور

☆ مطالعہ سیرت، ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی۔

☆ مصطفی سباعی مترجم معروف شاہ، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، ☆ سیرت الرسول، مولانا اسد القادری

☆ اسلام کا نظام صرف دولت اور انفاق، پروفیسر فائزہ احسان صدیقی، ☆ اسلامی خطبات۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شاہین کوثر مغل۔ مظفر آباد، آزاد کشمیر

ابتدائیہ

تمام تر تعریفیں اس خالق و مالک، حاکم شش جہات، مدبر مکان و زماں کیلئے ہیں جو زندگی کو جمود اور موت کو وجود عطا کرتا ہے۔ جو رحمٰن و رحیم بھی ہے، جبار بھی اور قہار بھی۔ جو زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کی وسعتوں کا مالک ہے۔

اور ہزاروں درود و سلام اس سالار کارواں پر جو ظلمت و ناانصافی میں آفتاب درخشاں، ماہ تابان بن کر اُبھرا جو سب کا مشترک ہادی، سب کا خیر خواہ ہے۔ ایک نظر سے سب کو دیکھنے والا ہے ایک لاٹھی سے ہانکنے والا ہے۔ اپنوں، غیروں، دوستوں، دشمنوں، عورتوں، مردوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرنے والا۔ مسجد نبوی میں کرسی عدالت پر جلوہ فگن ہو کر عدالتوں کے فیصلہ کرنے والا۔

جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر ضابطہ حیات و ضابطہ عدل عطا کیا۔ تا کہ مخلوق خدا جب کاسہ عدل و انصاف لیکر اس کی عدالت میں آئے تو منشائے الٰہی کی رو سے فیصلہ پائے۔

اس لیے اگر وہ امیروں کا راہنما ہے تو غریبوں کا راہنما ہے۔ مزدوروں کا راہنما ہے تو کاشت کاروں کا راہنما ہے۔ گورے کا راہنما ہے تو کالے کا بھی۔ اہل عرب کا قائد ہے تو اہل ایران و روم کا بھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام پہنچانے کیلئے جسے منصب رسالت کے عظیم منصب پر فائز کیا۔ دنیا کے گوشے گوشے کونے کونے قریہ قریہ شہر شہر سو بہ سو بستی بستی اللہ کا پیغام اور حق و صداقت اور عدل و انصاف پہنچایا۔ آپ ﷺ کی سیرت ہر رُخ ہر پہلو ہر چیز سے مکمل ہے۔ آپ ﷺ کی نظر میں ساری انسانیت ایک جیسی، آپ ﷺ کا سلوک ایک جیسا، آپ ﷺ برتاؤ ایک جیسا، آپ ﷺ کی رحمت ایک جیسی، آپ ﷺ کا فیصلہ ایک جیسا، آپ ﷺ کا عدل ایک جیسا، آپ ﷺ کی نظر اور آپ ﷺ کا طرز مخاطب ایک جیسا۔ آپ ﷺ کا کلام عدل الٰہی میں ڈوبا ہوا ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ (سورہ النجم) کی منہ بولتی تصویر ہے۔

تمام عالمین کیلئے رسول ﷺ کی ذات ایک جیسی ہے۔ انسان کی نگاہ جب رسول رحمت ﷺ کے سلوک عام پر نگاہ دوڑاتی ہے تو پکار اُٹھتی ہے۔

یہ دل حضور پاک ﷺ کے ہر فعل پر فدا — یہ جاں نثار آپ ﷺ کی ایک ایک بات پر
یہ کس کے سبب سارے اندھیرے سمٹ گئے — دن کا گماں تیرنے لگا کالی رات پر
وہ کس نے رنگ و نسل کے سب بت گرا دیے — کس نے لگائی ضرب گراں ذات پات پر

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کسی زمانے، کسی خطے، کسی گروہ، کسی نسل کیلئے حاکم نہیں بنایا بلکہ آپ ﷺ کی نبوت حکمرانی

Marfat.com

ہمہ گیر کائناتی اور ابدی ہے۔ آپ ﷺ کے فیصلے سب کیلئے یکساں ہیں۔ آپ ﷺ کا نام نامی اتنا پیارا، اتنا مقدس اور میٹھا ہے کہ آپ ﷺ کا نام لیتے ہوئے ہونٹ پیار سے جڑ جاتے ہیں۔

ے جہاں میں نہیں آیا کوئی اسلام سے بہتر
محمد ﷺ وہ نام ہے کہ نہیں اس نام سے کوئی بہتر

عدل کیا ھے؟

مساوی سلوک، برابر بدلہ، ایک جیسا ماپنا، برابر تولنا، افراط وتفریط کے درمیان کا راستہ عدل ہے(۱)۔ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں ذرہ برابر بھی کمی یا بیشی نہ ہو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔ یعنی صداقت، حقانیت اور حق پر مبنی کلام کیا جائے اور عمل کیا جائے (۲)۔

انگریزی لغت میں: (۳)Equal treatment between human sects and nations۔

امام راغب المفردات القرآن میں لکھتے ہیں اَلعَدَالَۃُ وَالْمُعَادَلَۃُ کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی اعتبار سے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا۔ عدل و انصاف کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن عدل کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے(۴)۔ جیسے احکام شرعیہ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:

﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا﴾ (۵) (اس کے برابر روزے رکھنا)۔

عدل وعدیل کے الفاظ ان چیزوں کیلئے بولے جاتے ہیں جن کا ادراک حواسِ ظاہرہ ہوتا ہے۔ جیسے وہ چیزیں جن کا تعلق ناپ تول یا وزن سے ہوتا ہے۔ پس عدل کے معنی دو چیزوں کا برابر ہونے کے ہیں۔

بِالْعَدْلِ قَامَتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (کہ عدل سے زمین وآسمان قائم ہیں)۔

اگر عناصر اربعہ سے کائنات نے ترکیب پائی ہے جس سے ایک عنصر میں بھی اس کی معینہ مقدار سے کمی بیشی ہو جائے تو نظامِ کائنات قائم نہیں رہ سکتا یعنی اعتدال لازم ہے(۶)۔

مزید لکھتے ہیں کہ عدل دو قسم پر ہے اول عدل مطلق ہے جو عقلاً مستحسن ہوتا ہے۔ یہ نہ تو کسی زمانہ میں منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی کسی اعتبار سے تعدی کے ساتھ متصف ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی کے احسان کے بدلہ میں اس پر احسان کرنا اور جو تمہیں تکلیف نہ دے اسکی ایذا رسانی سے باز رہنا۔ دوم عدل شرعی جسے شریعت نے عدل کہا ہے یہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔ قصاص جنابات کی ریت اور مال مرتد کی اصل وغیرہ (۷)۔

چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

﴿فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ﴾(۸)

پس اگر کوئی جیسی زیادتی تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔

﴿جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُهَا﴾(۹) برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔

یعنی کسی چیز کا برابر بدلہ دینا عدل ہے یعنی نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے (۱۰)۔

Marfat.com

دراصل عدل کا لفظ مصدر ہے۔ چنانچہ آیت ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ ''اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ بنالو'' میں عدل کی معنی عدالت ہیں۔ قرآن میں ہے۔

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۱۱) (اور مجھے حکم ہوا کہ تم میں انصاف کرو)۔

﴿اَوْعَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ ''اس کے برابر روزے رکھنا'' میں عدل سے مراد یہ ہے کہ وہ روزے طعام سے فدیہ کے برابر ہوں کیونکہ فدیہ میں مساوات کے معنی ملحوظ ہیں تو اسے بھی عدل کہہ دیا جاتا ہے (۱۳)۔

بعض نے کہا عدل کا لفظ فریضہ سے کنایہ ہے مگر اس کے معنی وہی ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں اور صرف کا لفظ نَافِلَةٌ ہے اور یہ اصل فرض سے بڑھ کر کام کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا یہ باہم تقابل کے اعتبار سے عدل و احسان کے ہم مثل ہیں۔ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کسی قسم کی نیکی نہیں ہوگی جو قبول کی جائے۔ ﴿بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ دوسروں کو خدا کی مثل اور نظیر قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت ﴿وَهُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ کہ ہم معنی ہوگی۔ بعض نے اس کے معنی یہ کیے کہیں کہ وہ افعال الٰہیہ کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں بعض نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عدل کرنا مراد لیا ہے (۱۳)۔

ایام معتدلات۔ معتدل زمانہ یعنی جب رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ عادل بین الاقربن اس نے دو چیزوں کے درمیان موازنہ نہ کیا عَادِلَ الْاُمُرَ کسی معاملہ میں پھنس گیا اور کسی جانب سے فیصلہ نہ کر سکا اور جب کوئی شخص زندگی سے مایوس ہوجائے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے وُضِعَ عَلٰى يَدَيْ عَدْلٍ یعنی اب وہ زندہ نہیں رہ سکتا (۱۴)۔

عدل کا اصطلاحی مطلب:

عدل وانصاف کے الفاظ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا اصطلاحی مطلب دو چیزوں کو برابر تقسیم کر دینا ہے۔ چیزوں کو صحیح مقام پر رکھنا (۱۵)۔

یعنی جو بات ہم کہیں اور جو کام ہم کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اُترے۔ اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ اخلاق کے ترازو میں عدل و انصاف کا پلہ کچھ بھاری نہیں (۱۶)۔

عدل کی ضد:

عدل کی ضد ظلم ہے۔ ظلم نام ہے اَلتَّصْرِيفُ فِي الْحَقِّ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۱۷)۔ یعنی کسی چیز کو اس کے جائز مناسب اور موزوں مقام پر نہ رکھنا کسی کا حق چھین لینا۔ اسے اس کے جائز مقام سے محروم کر دینا (۱۸)۔

عدل جہاں امن، اطمینان اور ترقی کا ضامن ہے وہاں ظلم وفساد اور بے چینی پیدا کرتا ہے۔ افرا تفری، بگاڑ واضطراب، شر و بغاوت اکثر ظلم کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جب روئے زمین پر ظلم عام ہو جائے تو قوموں، ملتوں، گروہوں، خاندانوں اور طبقوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے۔

رسول ﷺ نے فرمایا "اے بندو! میں نے اپنے لیے اور تمہارے لیے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو (۱۹)"۔ آپ ﷺ نے فرمایا وَاتَّقُوْا الظُّلْمَ اِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ظلم سے بچو ورنہ قیامت ظلمات بن جائے

Marfat.com

گا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ظالم کو خدا مہلت دیتا پھر اس کو پکڑتا ہے تو نہیں چھوڑتا (۲۰)۔ ظلم کرنے والوں کے نشان مٹ گئے، نمرود، فرعون ظلم کی وجہ سے بے نام و نشان ہو گئے۔ ظلم خواہ کسی نوعیت کا ہو اس کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ اس کے نقصانات کثیر الجیز ہیں۔ ظلم خاندانوں، معاشروں، طبقات اور ممالک کو تباہی اور بردباری کے عمیق غار میں دھکیل دیتا ہے۔ ظلم کی صورت میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ مایوسی سے گہرے بادل منڈلانے لگے ہیں۔ علوم وفنون کی ترقی رک جاتی ہے۔ کسی کا مستقبل محفوظ نہیں رہتا۔ ظلم طبیعتوں کو ویران آبادیوں کو برباد اور معاشروں کو اُجاڑ دیتا ہے۔ جن بستیوں میں ظلم و ستم ہوتا ہے وہاں انسانی سکون رخصت ہو جاتا ہے (۲۱)۔ اسی لیے ارشاد الٰہی ہے۔

نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو (۲۲)۔

اسی ظلم نے معاشرہ انسانی کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہ ظلم و ستم کی داستانیں جب تاریخ سے ملتی ہیں تو انسانی روح کا بن جاتی ہیں (۲۳)۔ دنیا میں تباہی اور بربادی کا سبب عدل و انصاف سے انحراف اور ظلم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

﴿اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا﴾ (۲۴)۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم۔

یعنی ظالم کو ظلم سے روکو اور اگر مظلوم ہے تو ظلم سے بچاؤ یہی عدل ہے۔ ظلم تباہی لاتا ہے اسی لیے ایک انسان کی جان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ گویا ہر اچھے اور بُرے کام کا پورا پورا بدلہ دینا عدل کہلاتا ہے اس میں کمی بیشی کرنا ظلم ہے۔

عدل اجتماعی:

عدل اور اجتماع لازم و ملزوم ہیں۔ اجتماع کی بقا عدل سے ہے۔ اجتماع کے بغیر عدل کا تصور ہی نہیں۔ جہاں افراد کا معاشرہ یا اجتماع ہوگا وہاں عدل لاگو ہوگا۔ عدل اجتماعی سے مراد یہ ہے کہ انسانی اجتماع میں برابری اور یکسانیت۔ یعنی افراد معاشرہ بحیثیت انسان برابر ہوں۔ ہر ایک کو اپنے حقوق حاصل ہوں۔ کسی کو قوم یا علاقے کی بنا پر فضیلت حاصل نہ ہو۔ جہاں قانون کو سب پر بالادستی حاصل ہو۔ ہر ایک کو کام کا معقول معاوضہ مل رہا ہو۔ جہاں امیر و غریب ایک صف میں کھڑے ہوں۔ جہاں غریب کی آواز بھی ارباب اختیار تک پہنچتی ہو۔ جہاں چھوٹے بڑے، ادنیٰ اعلیٰ، کالے گورے، نوری فرنگی، حبشی زندگی کو ایک لاٹھی سے ہانکا جاتا ہو۔ ایک ضابطہ، ایک قانون، ایک اصول ہو۔ جہاں حاکم وقت بھی کٹہرے میں ایک عام آدمی کے برابر کھڑا ہو۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز (۲۵)

عدل اجتماعی یہ ہے کہ بحیثیت انسان برابر ہوں صرف تقویٰ کی برتری ہو۔ جہاں خاندانی رعونیت اور جاہ و جلال کی بنا پر فیصلے نہ تبدیل کیے جاسکیں۔ معاشرے میں معاشی اور اقتصادی مساوات موجود ہو۔ ہر ایک کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوں۔ جہاں خلیفہ اپنے بیٹے کو شرعی سزا دے کر قانون و عدل کا بول بالا کرے۔ جہاں رحمت العالمین اپنے آپ کو مقاصد کیلئے پیش کر دیں (۲۶)۔

اہل مشرق یا مغرب کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کے ہاں عدل اجتماعی پورے طور پر موجود ہے۔ یہ دین اسلام ہی

Marfat.com

ہے جس نے ایسا معاشرہ قائم کر دکھایا جہاں غلام کا بیٹا بھی اپنی اہلیت کی بنا پر دربار رسالت میں فوجوں کی سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ جہاں زرخرید غلام کے بیٹے کا نکاح البشر کی پھوپھی زاد بہن سے ہو سکتا ہے۔ جہاں ابوذر اپنے غلام کو مارتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذر زمین پر گرتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں کہ اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دے تاکہ میری نخوت نکل جائے۔ جہاں حضرت علیؓ اور یہودی کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے(۲۷)۔

جہاں خلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ قریشی النسل ایک غلام کے بیٹے اسامہ کو گھوڑے کی رکاب تھامے پیدل چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سب سے بڑا عادل اللہ تعالیٰ ہے:

اسلامی تعلیمات میں عدل کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے انسان زندگی میں جنت کی جھلک دیکھ سکتا ہے اور ایک مثالی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے جو اسلام کے اولین مقاصد میں سے ایک ہے۔ عدل اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام عادل بھی ہے۔ علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا جو حق ہے(۲۹)۔

قرآن پاک میں کئی دفعہ یہ حقیقت لفظوں میں دوہرائی گئی ہے۔ فرمایا۔

﴿وَاللّٰهُ یَقْضِی بِالْحَقِّ﴾ (۳۰) اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ﴾ (۳۱)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے عدل قولی کو ظاہر کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں قرآن پاک کی ذیل کی آیت میں یکجا ہیں۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۳۲) اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔

عدل اجتماعی کی اقسام:

کسی معاشرے، کسی اجتماع، کسی بستی، کسی گروہ کے عدل کا جائزہ لینے کے درج ذیل امور کو دیکھنا اور جانچنا ضروری ہے۔ کیا وہاں کے معاشرے میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ کسی کو طبقے، علاقے خاندانی وجاہت و اثر ورسوخ کی بنا پر فضیلت حاصل تو نہیں ہے۔ کیا وہاں قانونی مساوات ہے؟ کیا قانون کے سامنے سب برابر ہیں؟ کیا وہاں قانون کو بالادستی حاصل ہے؟ یعنی قانون کے سامنے کالا گورا عربی عجمی اپنا پرایا دوست دشمن امیر وغریب سب برابر ہیں۔ کیا وہاں معاشی عدل ہے یعنی سب کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں؟ اور ہر ایک کو کام کا پورا معاوضہ مل رہا ہے۔ دین اسلام ایسے ہی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں عدل کی درج ذیل اقسام موجود ہوں۔

(الف) انسانی عدل ومساوات:

انسانی عدل ومساوات کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ

Marfat.com

عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾(۳۳).

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے پرہیزگار ہے۔

اسلام ایک دعوتی عمل ہے اور دعوت صرف باہمی احترام اور مساوات کے ماحول میں انجام پاتی ہے۔ انسانی تحقیر اور اُونچ نیچ میں یہ کام ممکن نہیں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے بھی احترام آدمیت کو قائم رکھا۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کے ساتھ ظالمانہ اور جارحانہ رویہ نہیں رکھا بلکہ دین کے آفاقی اور عادلانہ نظام کو رواج دیکر انسانوں کے درمیان انسانیت کے ناطے تفریق ختم کر دی اور ذات پات کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ(۳۴) اللہ نے آدم کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

دین کے نزدیک انسانوں کے درمیان عدل یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کی عزت و تکریم کرے اور محبت سے پیش آئے۔

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ (۳۵).

ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے۔

رسول اللہ نے فرمایا۔

اَلتَّعظِیمُ لاَمَرِ اللہِ وَالشفقَة عَلیٰ عَیَالَ اللّٰہ(۳۶)۔

اللہ کے احکام کی تعظیم اور اس کی مخلوق سے محبت رکھو۔

انسانوں کے درمیان برابری کی اس سے زیادہ مثالیں پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتیں۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا اس میں یہی فرمایا "اللہ نے تمہارے جاہلیت کے غرور اور خاندانی افتخار کو ختم کر دیا تم سب آدم کی اولاد ہو"۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ زیادہ عدل و مساوات کا جامع نمونہ ہے۔

یَا اَیُّھَاالنَّاسُ الَا انَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وانَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ الَا لَا فَضْلَ لعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ ولا لاسود عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی(۳۷).

ہاں بے شک تمہارا رب ایک اور تمہارا باپ ایک ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

دین سلام نے روز ازل سے انسانوں کے درمیان برابری کا درس دیا اور اسی درس سے رنگ و نسل اور قوموں کا تفاخر مٹ جاتا ہے۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بلال حبشی، صہیب رومی اور سلیمان فارسی صحابہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اور کسی کو اس لیے افضل نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ فلاں علاقے اور قبیلے کا ہے۔

Marfat.com

(ب) قانونی عدل:

قانون عدل سے مراد ہے کہ قانون سب کے لیے یکساں۔ کوئی طبقہ، گروہ، فرد، قبیلہ قانون سے بالاتر نہ ہو۔ انصاف کے اس کٹہرے میں غریب بھی کھڑا ہو اور حاکم بھی، ظالم بھی ہو مظلوم بھی، ایک ادنیٰ ملازم بھی اور اعلیٰ پائے کا افسر بھی۔ انسانی معاشرے میں افراد کی کشمکش اور ٹکر کو ایک عادل حاکم اور انصاف پسند عدلیہ کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے ایسی عدلیہ کا وجود جو مظلوم کی دادرسی کرے اور انصاف کے ترازو کے پلڑے اسطرح برابر رکھے کہ بڑی سے بڑی محبت اور شدید سے شدید عداوت کے دونوں پلڑوں میں کسی طرح نہ جھکا سکے۔

عدالتوں میں بے انصافی یا گواہی میں غلط بیانی کے دو سبب ہوتے ہیں۔ یا تو ہم کسی رشتہ داری کی بنا پر سچی گواہی اور حق کا فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں کرتے یا کسی کی عداوت غلط بیانی پر مجبور کرتی ہے۔ قرآن پاک نے ان دونوں اسباب کی بنا پر غلط بیانی اور بے انصافی سے منع فرمایا ہے اور دل کا حکم دیا ہے۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ(۳۸).

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ وہ گواہی اپنی ذات والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا سید سلیمان ندوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اس آیت میں واضح ہے کہ عدل و انصاف ہی تمہارا مقصد ہو۔ جو کچھ کہو خدا لگتی کہو اور خدا واسطے کہو۔ عدل و انصاف کے فیصلے اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آئے نہ عزیزوں اور رشتہ داروں کا نہ دولت مندوں کی طرف داری کا نہ محتاج پر رحم کا پھر اس فیصلہ اور گواہی میں کوئی بات لگی لپٹی نہ رکھی جائے۔ اور حق کا کوئی پہلو جان بوجھ کر نہ چھپایا جائے (۳۹)"۔

اسلامی قانون افراد معاشرہ کی برابری کا قائل ہے اور قانون میں جو رعایت یا سزا کسی ایک کیلئے مقرر ہے اس میں امیر غرب کی کوئی تمیز نہیں۔ حضور ﷺ نے خود پکار کر اپنے آپ کو بدلہ کے پیش کر دیا (۴۰)۔ اسی لیے عدالتی نظام کی کامیابی کا دارومدار ایک طرف متقی خدا ترس اور پیکر انصاف جج اور قاضی پر ہے تو دوسری طرف پیکر صدق و وفا گوہوں پر ہے۔ اسی لیے دین کا حکم کسی کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی اور اچھے یا بُرے جذبے وسلوک کرنا چاہے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور عدل و انصاف کی خوف خدا اور اپنے انجام آخر کو سامنے رکھ کر برابر ہونی چاہیے۔

(ج) معاشی عدل و مساوات:

دین اسلام معاشی عدل و انصاف کا علمبردار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں ہر شخص کی بنیادی ضرورتیں پوری اور یکساں وسائل معاش میسر ہوں۔ کوئی شخص بنیادی ضرورتوں کیلئے بے بس نہ ہو اور جو محنتی ہو اس کو محنت کا معقول معاوضہ مل رہا ہو۔ اسلام نے مالی نظام کو اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات سے جدا نہیں کیا۔ بلکہ ہر عمل جس میں خدا کی خوشنودی اور نوع انسان کی بہتری ہو عبادات قرار دیا۔ ارشاد ہے۔

Marfat.com

ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر دی (الروم)۔

جہاں جائز کام اور محنت کے ذریعے روزی کمانے کی اسلام اجازت دیتا ہے وہاں کسی بے روزگار اور معذور کیلئے بنیادی ضرورتوں کا فراہم کرنا حکومت اور سوسائٹی کا فرض سمجھتا ہے۔ اسی اسلام معاشی عدل و انصاف کی بنیاد درج ذیل حقائق پر رکھتا ہے۔

(۱) کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور حقیقی حاکم اور مالک اللہ ہے۔ جو کچھ کسی کے پاس اللہ کی امانت اور اسے قانون الٰہی کی روشنی میں ہی تعرف کا اختیار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ (۴۱) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو بنی نوع انسان کی خاطر مسخر کیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (۴۲).

۳۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی تنگی اور فراخی مصلحت کے تحت اور انسان کی آزمائش کی خاطر اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَا اٰتٰىكُمْ﴾ (۴۳)

۴۔ جنہیں رزق کی فراخی عطا کی گئی ان کا فرض ہے کہ وہ مفلس اور محتاج لوگوں کی مدد کریں۔

﴿وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (۴۴) اور ان کے مال میں ضرورت مند سائل اور محروم کا حق ہے۔

اسلام جائز وسائل سے کمائی ہوئی دولت میں حق ملکیت تسلیم کرتا ہے اور جب دولت ایک حد سے تجاوز کر جائے تو زکوٰۃ عائد کرتی ہے تاکہ غرباء کے حقوق ادا ہوں۔

لہٰذا اسلامی مملکت کے اندر وہ اشیاء جن سے مفاد عامہ وابستہ ہو کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں بلکہ حکومت کی ملکیت ہوتی ہے۔ اور حکومت کو اللہ کے احکام کی روشنی میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ سمندر، دریا، پہاڑ، جنگلات اور معدنیات وغیرہ پر اسلام براہ راست حکومت کا قبضہ تسلیم کرتا ہے (۴۵)۔

ہر شخص کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنا اور اسے اس کی صلاحیت کے مطابق ذریعہ معاش مہیا کرنا حکومت کا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص ضروریات زندگی سے محروم ہو کر وقت گذار رہا ہے اس کے بارے میں اہل محلہ اور حکومت کے ارکان اللہ کو جواب دہ ہوں گے (۴۶)۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد جس بستی میں کسی شخص نے اسی حالت میں صبح کی وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی والوں سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔ دین اسلام معاشی عدل کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کو ضروری قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾(۴۷).

مختصر یہ کہ دین اسلام نے عدل اجتماعی کا بہترین نظام دیا۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو شخص بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ ہو۔ معاشی نا انصافی اور اُونچ نیچ ختم ہو جائے۔

عدل کی اہمیت:

دین اسلام مین عدل کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے ذریعے انسان زندگی میں جنت کی جھلک دیکھ سکتا ہے اور مثالی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔ جو اسلام کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

یہ طویل ترین کائنات اور اس کا نظام اور استحکام عدل کے بل بوتے پر قائم ہے۔ اس کے اجزا میں اگر توازن نہ رہے تو ایک لحہ کیلئے بھی قائم نہ رہ سکے۔ اسطرح کائنات ارضی کی تمام اشیاء میں مخصوص توازن پایا جاتا ہے۔ خدا کے 99 صفاتی ناموں میں ایک نام عادل بھی ہے۔ اللہ عادل ہے، انبیاء عادل ہیں اور تمام انبیاء کی تعلیم کا مقصد بھی عدل ہے۔ صدیقین عادل ہیں۔ عبادالصالحین عادل ہیں، مومنین اور متقین عادل ہیں۔ بندوں میں عدل کی صفات خداوندکا ہی پرتو ہے۔ اسی لیے اللہ اپنے بندوں کو عدل کی طرف بلاتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ (۴۸)۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۴۹) "بے شک اللہ انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے"

﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (۵۰) "ہم نے تم کو اعتدال پسند بنایا"

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۵۱).

(ا) جہاں عدل نہیں وہ بقا نہیں:

پوری دنیا کا نظام جو زمین کے ذروں سے آسمان کے ستاروں تک پھیلا ہوا ہے عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کی یہ دلیل بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی کائنات پر حکمرانی اور مکمل انصاف اور کامل عدل قائم کیے ہوئے ہے۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾(۵۲).

اللہ نے اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہی گواہی فرشتے اور انصاف پر قائم رہنے والے عالم بھی دیتے ہیں۔

لہٰذا عدل اور معاشرے کی بقا و دوام لازم و ملزوم ہیں۔ جہاں عدل نہیں وہاں بقا نہیں۔ معاشرے کا استحکام و مضبوطی عدل کیوجہ سے ہے۔ جہاں عدل نہ ہو وہاں نہ معاشرے کی صلاح اور فلاح ہے نہ افراد کی۔ اسی لیے ارشاد رب العزت ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾(۵۳).

"اے ایمان والو! انصاف کی حمایت میں کھڑے رہو اور اللہ کیلئے گواہ بنو اگرچہ اس مین تمہارا نقصان ہی

Marfat.com

ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں کا"

(۲) امن و امان:

مال و دولت، جاہ و حشمت، نسلی تفاخر اور خانداری برتری نے امن کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ انصاف غائب اور ظلم عام ہے۔ بیسویں صدی کے عین نصف میں صرف ہٹلر نے لاکھوں انسانوں میں موت بانٹ دی۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو ہلاکت کی وادی میں دھکیلا کہ ایک لاش اور ایک قبر کا روایتی اختیار کرنا ممکن نہ رہا۔ اپنا جرم زمین کے پیٹ میں چھپانے کیلئے بے شمار قسم کے گھڑے کھدوائے ان قبروں کا مقصد یہ تھا کہ وحشت و بربریت کی یہ کہانی یہاں ہی ختم کر دی جائے۔ لیکن ظلم آخر ظلم ہے جو نمایاں ہو کر ہی رہتا ہے۔

عدل و انصاف ہی وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں امن رہتا ہے اس کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا۔ جارج ہیل لکھتا ہے: ''مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے امن اور سلامتی کا مذہب ہے'' (۵۴)۔
موسیو کاسٹن کار کہتا ہے۔

"روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہی تو دنیا کا امن کبھی قائم نہیں رہ سکتا" (۵۵)۔

عدل و انصاف میں قوموں، ملکوں، ملتوں اور اداروں کی پہچان ہے۔ یہ سوسائٹی کی بنیادوں، حکومتوں اور اداروں کو قائم رکھتا ہے۔ اگر عدل اُٹھ جائے تو احساس محرومی بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ اس قول کے گرد گھوم رہی ہے۔

اَلْمُلْكُ يَبْقَى مَعَ الْكُفْرِ وَلَا يَبْقَى مَعَ الظُّلْمِ (۵۶).

"حکومت کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں"

دو جماعتوں کے درمیان صلح کرا دینا قرین عدل و انصاف ہے۔ جھگڑے و فساد کو مزید ہوا دینے سے کسی کا سکون سلامت نہیں رہتا جب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف میدان میں لڑ رہے ہوتے ہیں تو اس وقت عدل کی قوت اور نیکی کرنے کی صلاحت کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہوتا ہے۔ اس دشوار مرحلہ پر بھی مسلمانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا۔

"اور اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کی طرف رجوع کرے۔ تو دونوں میں عدل و انصاف سے صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

(۳) حاکم کیلئے عدل کی اہمیت زیادہ ہے:

عدل و انصاف حکومت و سلطنت کیلئے بہت ضروری ہے۔ حاکم اگر عادل ہوگا تو رعایا مطمئن رہے گی اور اپنے معاملات انجام دے سکی گی۔ عدل کے بغیر مظلوم کی فریاد کون سنے گا اور اس کے حق کو کون محفوظ رکھے گا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو سایہ رحمت میں رکھے گا۔ ان میں ایک عادل حاکم ہوگا"

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے۔

"بعض لوگ میرے پاس آکر اپنے آپ کو اپنی زبان درازی سے سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں

Marfat.com

اور اپنے حق میں فیصلہ صادر کر لیتے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جہنم کی آگ پھانکتے ہیں" (۵۷)

عادل حاکم ہمیشہ دنیا میں کامیاب رہتا ہے۔ لوگ اس کی دل سے قدر کرتے ہیں اور اس کے انصاف پر مبنی فیصلوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اگر حاکم عادل ہو تو معاشرہ کی توجہ قومی اور تعمیری کاموں کی طرف مبذول رہتی ہے۔ اور ایسے معاشرے میں مساوات قائم ہوتی ہے۔

دنیا میں وہی قومیں عروج پر پہنچتی ہیں اور وہی ادارے مستحکم ہوتے ہیں اور ترقی کا عمل رواں دواں رہتا ہے جن کے ہاں عدل قائم رہے۔

(۴) شرف انسانیت کا تحفظ:

اسلام کے نزدیک اس کائنات کی افضل ترین مخلوق انسان ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (۵۸)۔

"ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور خشکی اور تری میں سواری دی"

انسان کا سارا شرف ساری عزت اور بلندی اس کے ساتھ عدل کرنے میں ہے۔ اس کے حقوق اسی صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں جب اس کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جائے اور ظلم سے بچایا جائے۔ دین اسلام کے نزدیک شرف انسانیت کی بنا پر ہی ہر انسان عدل و انصاف کا مستحق ہے۔

لہٰذا انسانی جانوں کو ظلم سے بچانا دین کے مستحسن ہے۔ اللہ تعالیٰ عدل اور اعتدال چاہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ زمین پر فتنہ و فساد پھیلایا جائے۔ اسے یہ بھی پسند نہیں کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں اور ان کے امن و چین کو تباہ کر دیں۔

دیگر مذاہب میں عدل اجتماعی:

اسلام اور دیگر مذاہب عدل و انصاف کی وجہ سے امتیاز ہیں۔ عدل اسلام کی شان، پہچان، آبرو اور زینت ہے۔ جبکہ دیگر مذہب اس حسن سے عاری ہیں۔ ان کی مذہبی تاریخ میں ظلم و تشدد، قتل و غارت اور نفرت و تعصب پایا جاتا ہے۔

ہندومت اور عدلِ اجتماعی:

ہندومت طبقاتی تقسیم، ذات پات، اُونچ نیچ کا قائل ہے۔ لہٰذا اس مذہب میں عدل جیسی خوبی کا فروغ پانا محال ہے۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ مخالف اور دشمن کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ "غیر مذہبوں کو آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے۔ ان کے کھیت کھلیان کو نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ لوگ بھوک و افلاس سے مر جائیں (۵۹)"۔

آج بھی ہندوستان میں ظلم و ستم مذہب کی بنیاد پر کیا جا رہا ہے۔ مسجدوں اور عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے۔ سینکڑوں مساجد مقتل گاہیں بن گئی ہیں (۶۰)۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب یجروید کی تعلیم کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے کہ دھرم کے مخالفوں کو آگ میں جلا دو (۶۱)۔ اپنے مخالفوں اور درندوں سے پھڑوا ڈالو (۶۲)۔ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا کر مارتی ہے اسی طرح ان کو تڑپا کر مارو۔ ان کی گردنیں کاٹ دو، مخالفوں کا جوڑ جوڑ بند کاٹ دیا جائے (۶۳)۔ اس دنیا میں

Marfat.com

جو کچھ ہے وہ برہمن کا ہے کیونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے (٦٤)۔

ہندومت دیگر مذاہب سے اس قسم کا رویہ اپنانے کی تعلیم دیتا ہے کہ ان کے دھرم میں دیگر مذاہب کے حوالے سے انتہا پسندی کا نظریہ ایسا ہے جس میں صرف انتہا پسندی، ظلم وتشدد، نفرت پائی جاتی ہے (٦٥)۔ وہ دوسروں سے حق ملکیت چھینتا ہے وہ کہتا ہے "شودر کو مال و دولت جمع کرنے کا حق نہیں (٦٦)"۔

عدل اجتماعی اور یہود کا رویہ:

یہودی قوم انصاف سے عاری، ظلم سے بھرپور قوم کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ ان کے ظلم وتشدد اور انتہا پسندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے جہاں یہ بتایا کہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، بدتمیزی کرتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی ضابطہ اخلاق موجود نہیں۔

﴿وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (٦٧) "ناحق انبیاء کا قتل کرتے ہیں"

بقول ڈاکٹر حمید اللہ ان کی تورات تحریف شدہ ہے اس میں ظلم کی تعلیم ملتی ہے۔ "اور ہم نے کسی کو باقی نہیں چھوڑا سوائے چارپایوں کے اور اس مال کو جو ہم نے شہروں سے لوٹا (٦٨)"۔

یہودیوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ان کو تکلیفیں اور اذیتیں دیں۔ اسی لیے ان کی پوری تاریخ جبر وتشدد، قتل و غارت گری سے عبارت ہے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ اور خود حضورﷺ کے قتل کی کوششوں میں مصروف رہے۔ ان کا ظلم اس قدر بھیانک تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: Encyclopedia of Jews Religion 1965 (٦٩)۔

قرآن نے ان کے متعلق اسطرح بیان کیا ہے۔

﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (٧٠)۔

"پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر کے گھروں سے نکالتے اور ان کے خلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو"

ملک گیری کے متعلق کہا گیا کہ جب تم یردان سے پاک ہو کر کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ۔ ان کی مورتیاں فنا کر دو، ان کے اُونچے مکانوں کو ڈھا دو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں انہیں خارج کر دو۔ اور خود وہاں آباد ہو جاؤ۔ کیونکہ میں نے یہ زمین تم کو دی کہ اس کے مالک بنو۔

یہود نے اپنے معاصر اہل مذہب پر زیادتیاں کیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو "متی الخیل" کے بقول صلیب پر چڑھا دیا گیا اور پیٹ پھاڑ کر انتڑیاں باہر نکال دی گئیں (٧١)۔ قرآن کہتا ہے کہ نہ سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا۔

یہودیوں کو جب موقع ملتا مسلمانوں کے ساتھ ظلم کرتے۔ یہودیوں رویوں اور مظالم کا عالمانہ تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہودی ظلم بڑی حد تک ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہیں جسکی وجہ سے انہیں وطن سے کئی بار نکالا جا چکا تھا۔ سب سے پہلے انہیں قبل مسیح وطن بدر ہونا پڑا اس لیے درپے عمل نے یہودیوں کو دور تک پھیلا دیا (٧٢)۔

Marfat.com

مدینہ میں انہی یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا حال سننے کے ساتھ ساتھ ان ناموس پر بھی ہاتھ ڈالا۔ قینقاع کے ایک شخص نے ایک مسلمان لڑکی کو سر بازار عریاں کر دیا اور خوب ٹھٹھہ اُڑایا۔ ایک مسلمان نے اس یہودی کا خاتمہ کر دیا۔ جواباً یہودیوں نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔ بالآخر مسلمان سے جنگ ہوئی اور یہودیوں کو باہر نکلنا پڑا(۷۳)۔

گویا یہودیوں کی تاریخ میں عدل و انصاف کی کوئی قدر نہیں تھی۔ ان کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حد سے گزرے ہوئے ظالم اور متشدد تھے۔

عیسائیوں میں عدل اجتماعی کا وجود:

عیسائی بھی بربریت میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ عدل و انصاف سے بہت دور تھے اور ظلم میں آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بڑے مظالم میں انسانوں کا قتل، فصلوں اور باغوں کو تباہ کرنا اور بستیوں کو جلا کر راکھ کر دینا باعث فخر سمجھا جاتا تھا۔ سکندر اعظم نے شام کے تجارتی شہر صدر کو صرف چھ مہینے کے سخت محاصرے کے بعد فتح کیا۔ آٹھ ہزار بے گناہ انسانوں کو قتل کیا اور تیس ہزار کو غلام بنا لیا۔ مفتوحین کیلئے اس زمانہ میں صرف دو ہی صورتیں ہوتی تھیں یا قتل کر دیے جاتے تھے یا غلام بنا لیے جاتے تھے۔

مورخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے وہ اس کیلئے باعث ننگ ہے۔ جیٹسن کے عہد میں یہ عالم تھا کہ اپنے عقیدے کے مطابق مخالفین کو مار ڈالنا کوئی جرم نہ تھا(۷۴)۔

قسطنطین اعظم نے جب عیسائیت کو قبول کیا اور مسیحیت مملکت کا مذہب بنا گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی شمشیر زنوں کے سامنے کوئی اخلاقی حد قائم نہ رہ سکی۔ مسیحیت تلوار کے زور سے پھیلتی گئی اور انسانی خون سے خدا کی زمین رنگین ہو گئی۔ اور شرانگیزی، ظلم اور غارت گری ہمیشہ کیلئے عیسائیت میں آئین حیات بن گئی۔ ۶۳۰ میں ہرقل نے عیسائی پادریوں اور مذہبی راہنماؤں کے ایما پر یہودیوں سے انتقامی جذبے کے تحت بدترین انتقام لیا۔ اور یہودی مفتوحین کا اسطرح قتل عام کیا کہ صرف رومی مملکت میں یہودی بچ سکے۔ جو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے یا کہیں چھپے رہے(۷۵)۔

۷۰ء میں طیطیس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام حسین لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا۔ اس نے ستانوے ہزار آدمی گرفتار کیے جن میں گیارہ ہزار بھوک کی تاب نہ لا کر مر گئے۔ اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ پینتیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ خسرو نے ۶۴۵ میں بیت المقدس کو فتح کر کے نوے ہزار انسانوں کو قتل کیا اور عبادت گاہوں کو آگ لگا دی(۷۶)۔ اور قیصر جیٹسن نے جب افریقہ کے دنداثوں پر حملہ کیا تو اس نے پانچ لاکھ کی اس پوری قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ایک سرسبز و شاداب بستی کو ویرانے میں تبدیل کر دیا(۷۷)۔

زرتشت اور عدل و انصاف:

زرتشت کی تاریخ بھی عدل سے عاری اور ظلم سے بھری ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے زیر قبضہ عیسائیوں پر بدترین مظالم ڈھائے۔ تاریخی روایات کے مطابق خسرو پرویز نے اپنی پے در پے فتوحات کے باعث مغرور ہو کر عیسائیت کے خلاف مقدس جنگ کا اعلان کیا۔ "نوے ہزار عیسائیوں کو تہہ تیغ کیا۔ پورے شہر کو بڑی بے دردی سے لوٹا۔ یروشلم کے بہت سے کلیسا

Marfat.com

جن میں لکلیۃ القیامۃ بھی شامل تھا ان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ وہ اصل صلیب جو عیسائی دنیا کی مقدس ترین ہے ایرانی اسے بھی اُٹھا کر ساتھ لے گئے (۷۸)"۔

تاہم بعد ازاں زرتشت کے پیروکاروں کی جانب سے تاریخ کے مختلف ادوار میں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا رہا۔ ان کے کلیساؤں کو تباہ و برباد کیا جاتا رہا۔ راہب مردوں اور راہب عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ اذیت ناک سزائیں دی جاتی رہیں (۷۹)۔

جو لوگ عیسائیت قبول کر لیتے ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی جاتی۔ ان پر ایسا ظلم ڈھایا جاتا کہ جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ کبھی کانوں اور آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا کبھی زبان کھینچ کر نکال لی جاتی تھی۔ انتہا پسندی کا عالم یہ تھا کہ ان بدنصیبوں کے ایک ایک عضو کو کاٹا جاتا۔ پیشانی اور چہرے کی کھال کھینچ لی جاتی۔ آنکھوں اور باقی جسم پر سلاخیں چھوڑی جاتی تھیں۔ سب سے زیادہ دہشت ناک سزا یہ تھی کہ جلاد پہلے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹتا پھر پاؤں کی پھر کلائیوں تک ہاتھ کاٹ ڈالتا اور پھر ٹخنوں تک پاؤں۔ اسکے بعد کہنوں تک باہیں کاٹتا اور پھر گھٹنوں تک پنڈلیاں پھر ناک اور کان کاٹتا اور سب سے آخر میں سر۔

یہ ہے دیگر مذاہب میں ظلم کی بھیانک تصویر اور ظالموں کا اصل چہرہ۔ ان کے اندر کی گھناؤنی تصویر جس کے تصور سے روح کانپ جاتی ہے۔ ایسے اقوام سے عدل کی توقع کسطرح رکھی جا سکتی ہے۔ جن کا انسانیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ جن کے اندر درندگی، سفاکی، شقاوت، بہیمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

کیا اسلام سے عدل و انصاف نہیں پھیلا؟

دین اسلام ظلم کرنے نہیں آیا بلکہ ظالم ہاتھ روکنے کیلئے آیا ہے۔ مظلوم کی دادرسی کیلئے آیا ہے۔ اچھے اور برے کا حساب برابر کرنے آیا ہے۔ اسلام اندھا دھند غارت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ حد سے تجاوز کرنے پر دفاع کرتا اور صلح کی پیش کش پر صلح کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی عدل کی وجہ سے دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ (۸۰).

اسلام سلامتی کا دین ہے، مساوات کا دین ہے، انصاف کا دین ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس کیلئے دین کامل (۸۱)، دین الحق (۸۲)، دین قیم (۸۳) اور صراط مستقیم (۸۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ ایسا عادلانہ نظام پیش کرتا ہے کہ جس میں اکثریت و اقلیت کے حقوق مساوی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "خبردار ظلم سے بچتے رہنا (۸۶)"۔

دین اسلام ایسا دین ہے جس نے معاشرہ انسانی کی بنیاد ہی عدل و انصاف پر رکھی۔ اور انسان کی جبین نیاز کو پتھروں، درختوں، دریاؤں، سمندروں، سورج اور دیگر معبودان باطل سے ہٹا کر وحدہ لاشریک کے آستانہ واحد پر لا کھڑا کیا۔ اس نے عدل اجتماعی کا ایسا شفاف و پاکیزہ نظام دیا جس سے لوگوں کو ان کے گھروں پر انصاف ملے اور انصاف میں اپنے پرائے کی تمیز نہ ہو (۸۷)۔

مشرکین اسلام نے اسلام کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ بڑی شدت سے پھیلایا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ پھر اس کا جواب بھی غیر مسلموں نے ہی دیا۔

Marfat.com

پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں۔

"قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس میں جبری تبدیلی مذہب کا حکم پایا جائے (۸۸)"۔

جارج سیل لکھتا ہے۔

"اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اس کو تو انہوں نے بھی قبول کیا جن کا محمد ﷺ کی قوت سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ اور وہ بھی اس میں داخل ہوئے جنہوں نے عربوں کو ان کی فتوحات سے محروم کیا (۸۹)"۔

یہی بات فن لے گبن، ایچ جی ویلز، جان بیکٹ اور بے شمار مورخین نے لکھی ہے۔

"History makes it clear however, that the legened of fanatical Muslim sweeping through the world and forcing Islam at the point of the sword upon conqurel races is one of the most fantastically absured myths that historia have ever repeated"(۹۰)

پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی تصنیف "دعوت اسلام" میں لکھتا ہے۔

مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ جس منصفانہ رواداری کا مظاہرہ کیا ہے اس کا سلسلہ آنے والی نسلوں نے بھی جاری رکھا۔ انکو دیکھتے ہوئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جن عیسائی قبائل نے اسلام قبول کیا انہوں نے برضا و برغبت کیا (۹۱)۔

برطانیہ کی مشہور مصنفہ کاریں آرم اسٹرانگ سیرت طیبہ ﷺ پر اپنی کتاب Muhammad A Westren Attempt to Understanding Islam میں اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

Muhammad, founded a religion and a tradition that was not cultural on the sword despite the westren myths and whose name Islam signifies peace and reconciliation.(۹۲)

جارج سیل اعتراف کرتا ہے۔

"مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے ایک عادلانہ اور منصفانہ اور امن کا مذہب ہے (۹۳)"۔

یورپی عالم آرلینڈ لکھتا ہے۔

"اگر دنیا ظلم سے نجات حاصل کر کے امن کا گہوارہ بننا چاہتی ہے تو اسے محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا پڑے گا (۹۴)"۔

جارج برناڈ شا نے کہا تھا۔

If a man like Muhammad were to assume the dictatorship of the

Marfat.com

modren world, have solve problem in a way that would being it much needed peace and happiness.(۹۵)

"اگر محمد ﷺ جیسا کوئی آدمی موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو اس کے مسائل کو اسطرح حل کر دے گا کہ دنیا میں امن اور خوشحالی ہو جائے گی"۔

مہاتما گاندھی کا اعتراف ہے۔

"میں نے پیغمبر اسلام اور آپ ﷺ کے صحابہ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے جس نے اسلام کے متعلق جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے اس سے مجھے پختہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کی ترقی و اشاعت میں تلوار ہر گز کام نہیں کر رہی تھی۔ تب اس کی تعلیم اور تجربہ تھا۔ جس نے اس عہد کی زندگی میں اسلام کی ضرورت کو تسلیم کرا لیا۔ سب سے زیادہ جس چیز نے اثر کیا وہ محمد ﷺ کی ذات ہے۔ کس قدر سادگی سے اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کر کے اخلاق، ہمدردی، بے خوفی، خدا ترسی اور عدل و انصاف کا ایسا پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا کہ ہر ایک اس کے کمال کا قائل ہو گیا(۹۶)"۔

وہ جدید کام جو اسلام کر سکتا ہے وہ دنیا کا کوئی ضابطہ نہیں کر سکتا۔ یورپین آبادی اسلام کی اشاعت و ترقی سے لرزتی ہے۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکی۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا جلوہ تاریک اعظم میں ضرور پہنچے گا (۹۷)۔

مسٹر ایم۔ ایس کا کہنا ہے کہ "اسلام کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس انسان کو بوسیدہ روایات کے ظلم سے نجات دلائی۔ جس نے انسانیت کو تباہ کر دیا تھا"۔ ٹیگور کے مطابق محمد ﷺ حاملین صداقت، عدل و انصاف کے مالک اور انسانوں سے الفت رکھنے والے تھے (۹۸)۔

تھامس لکھتا ہے "تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی صرف محمد ﷺ دلوں کو فتح کرنے والی عظیم شخصیات میں سب سے زیادہ عظیم شخصیت محمد ﷺ کی ہے(۹۹)"۔

ایڈورگبن کے مطابق آپ ﷺ نے بگڑی ہوئی انسانیت کو متحد کیا اور نیکی، سچائی اور عدل و انصاف کے ساتھ رہنے کا سبق سکھایا(۱۰۰)۔

پروفیسر ہرگرونجی، انجمن اقوام حضور ﷺ نے بنائی یہ اسلام ہی جو پوری انسانیت اعلیٰ اخلاق انسانیت اور اجتماعی طور پر منظم ہونے اور برابری کا درس دیتا ہے (۱۰۱)۔

قرآن کا منشاء عدل وانصاف:

قرآن وہ ضابطہ حیات ہے جو عدل اجتماعی کا ضامن ہے۔ دوسروں کے حقوق کی پاسداری کا اعلان کرتا ہے اس کے پیغام میں جھول اور نقص نہیں ہے۔ قرآن نے زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ کھینچا ہے خواہ اس کا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے، خاندانی نظم سے ہو یا معاشرتی آداب سے، اقتصادی قوانین سے یا اصول تہذیب سے اس میں عدل کو نظر انداز کر کے جو اصول اور قانون وضع ہو گا وہ اجتماع کیلئے ناقص اور ادھورا ہو گا۔

Marfat.com

عدل معاشرے کی سلامتی کا ضامن ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں تینتالیس مقامات پر عدل کی تلقین کی گئی اور ظلم سے روکا گیا ہے (۱۰۲)۔ ارشاد رب العزت ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۱۰۳) (یقیناً اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)

جو اہل حق کے ساتھ مومنین کے ساتھ ظلم نہیں کرتے اللہ تعالیٰ قرآن میں ان سے بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۱۰۴)۔

اللہ تم کو اس بات سے نہیں روکتا کہ ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کے ساتھ عدل و انصاف کے معاملے کا حکم دیتا ہے۔

عدل و انصاف کے معاملے میں اسلام کا کردار اس قدر شفاف اور بے داغ ہے کہ اس میں رتی بھر اُونچ نیچ کا نام و نشان نہیں۔ ارشاد قدرت ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۰۵)

(اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو)۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (۱۰۶)۔

اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگئی۔

قرآن عدل کیوجہ سے مسلمانوں کو وسط اُمت قرار دیتا ہے۔

﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (۱۰۷)۔ (ہم نے تم کو اعتدال پسند اُمت بنایا ہے)۔

بے آسرا اور یتیموں کے معاملے میں قرآن پاک میں ہدایت ہے۔

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (۱۰۸) (اور یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو)

قرآن قرابت داری کی بنا پر ظلم سے منع کرتا ہے اور عدل کا حکم دیتا ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (۱۰۹) (اور جب بات کرو تو انصاف کی خواہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو)

گواہی دینے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا قرآن کا منشاء ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (۱۱۰)۔

اے ایمان والو انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اگرچہ وہ گواہی اپنی ذات یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

Marfat.com

دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت کے جذبے قرآن کے نزدیک اس سے بالاتر نہیں ہونے چاہیے عدل کو لازم اور مقدم ہونا چاہیے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾(۱۱۱)۔

تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کیونکہ انصاف کرنا ہی پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔

قرآن معاملات میں ایمانداری اور عدل کو لازمی قرار دیتا ہے۔

﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (۱۱۲) (یہ کہ امانت ان کے امانت داروں کو پہنچا دو)۔

اس طرح قران پاک معاملات میں عدل پر سختی سے زور دیتا ہے۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۱۳) (اور تم انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو)۔

﴿وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾ (۱۱۴) (اور دستاویزات لکھنے والا انصاف سے لکھے)۔

زندگی کے ہر معاملے میں توازن کو ملحوظ خاطر رکھنا ہی قرآن کا منشا ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۱۱۵) (اگر تمہیں شک ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے)۔

عدل اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اسکی واحدنیت کی بھی دلیل یہ ہے کہ وہ کائنات میں حکمرانی مکمل انصاف اور عدل کے ساتھ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (۱۱۶)۔

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ انصاف کرنیوالا ہے اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں۔

قرآن عدل کو قائم رکھنے کیلئے ہر قسم کے ظلم سے روکتا ہے اور سچے مومن کی شان یہ بیان کرتا ہے۔

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (۱۱۷)

(وہ غصہ برداشت کرنیوالے، درگزر کرنے والے ہیں)۔

قرآن عدل و انصاف پر کاربند رہنے والوں کو متقی قرار دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے۔

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۱۱۸) (عدل کرو یہ تقوی کے قریب ہے)۔

اسی طرح ایک دوسرے سے خیر خواہی اور سلامتی بھی عدل ہے۔

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾ (۱۱۹)۔

اور جب تم کو کوئی سلامتی کی دعا دے تو اس سے بہتر الفاظ میں سلام کا جواب دو یا کم از کم انہی الفاظ کے ساتھ دعا دو جو پہلے شخص نے کیے تھے۔

Marfat.com

دین میں کسی کو زبردستی داخل کرنا قرآن کے نزدیک عدل کے خلاف اور ظلم ہے۔ اسی لیے فرمایا۔

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنَ﴾ (۱۲۰)۔ دین میں جبر نہیں۔

قرآن عدل و انصاف پر اس قدر زور دیتا ہے کہ اس کے نزدیک اجماع اور تمدن سے کٹ جانا اور نفس کشی کرنا ظلم ہے۔ اس لیے فرمایا۔

وَلَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَام (۱۲۱) اسلام میں رہبانیت نہیں۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

تو ادھر اُدھر کی بات نہ کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزن کی خبر نہیں تیری راہبری سے سوال ہے

اس میں شک نہیں کہ انسان نے زندگی کے ہر دور میں اپنی آسائشوں سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ دھرتی کے سینے پر بکھری ہوئی نعمتوں کو سمیٹا، سمندر کھنگال ڈالے، چاند پر پہنچا اور ستاروں پر تصرف حاصل کیا۔ لیکن روح کے تقاضے پورے نہیں کر سکا۔ اسی طرح اُمت مسلمہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی سیرت اور ضابطہ حیات کو بھلا دیا۔ قرآن کی عطا کردہ ابدی اقدار کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا دیا ہے۔ عدل و انصاف کی روح کمزور ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ نے عدل و انصاف کی جو مشعل ہاتھوں میں تھمائی تھی اس کی روشنی میں چلنے کے بجائے ظلمت کی تاریکیوں میں بھٹکنے لگی ہے۔

گھر سے لیکر خاندانوں تک، خاندانوں سے معاشرے تک، معاشرے سے بین الاقوامی حالات تک انسانیت انصاف کا کاسہ گدائی لیکر پھر رہی ہے۔ قریہ قریہ کوچہ کوچہ گلی گلی بے انصافی کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس ظلم اور ناانصافی سے بنی آدم کی کوئی بستی، کوئی شعبہ محفوظ نہیں ہے۔ مشرق سے مغرب شمال سے جنوب تک انسان عدل و انصاف کی بھیک مانگ رہا ہے۔ اس نے کشکول پھیلایا ہوا ہے لیکن انصاف نہ ملنے پر مایوس اور بددل ہو رہا ہے۔ اُمت مسلمہ طاغوتی طاقتوں کے ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ اقربا پروری، رشوت ستانی، مفاد پرستی، نفسا نفسی نے عدل و انصاف کا گلہ گھونٹ رکھا ہے۔ غیر مسلموں نے بھی اس صورتحال کو محسوس کیا ہے۔ بقول ٹائن بی:

"ہمارے مسائل کا حل سائنسی تجربہ گاہوں میں نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ہمارے مسائل اخلاقی ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ انہی معاشرتی بیماریوں کو خود سے حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ اس لیے دور حاضر کی ضرورت ایمان کا احیاء ہے"۔

نعیم صدیقی لکھتے ہیں۔

"پوری اولاد آدمؑ کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے۔ اور ہر طرف دولت و اقتدار کی ہاتھا پائی ہو رہی ہے۔ آدمیت کے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے۔ تمدنی ترقی کے ساتھ جرائم اور تشدد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انسانی ذہن اور کردار میں ایسا بنیادی فساد آگیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منحوس پرچھائی سے محفوظ نہیں۔ اخلاقی قدریں چوپٹ ہو چکی ہیں اور قانون روح عدل سے خالی ہو رہا ہے (۱۲۲)"۔

Marfat.com

"دولت کے خزانے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ مگر ناانصافی کی وجہ مخلوقِ خدا بھوک و ننگ اور محرومی کے عذاب میں گرفتار ہے۔ ہزار گنا تنظیمیں اور وحدتیں موجود ہیں۔ انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی کا تعلق کم اور چیتے اور بھیڑیے کا زیادہ ہے۔ اخلاقی، سیاسی، تہذیبی شعور کے چرچے ہیں مگر ظلم و تشدد کے ناپاک حربے انسانیت کے خلاف کام میں لائے جا رہے ہیں(۱۲۳)"۔

حالات دن بدن ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ انصاف کے بجائے ظلم کا دور دورہ ہے۔ محلے، قصبے، شہر، دیہات، ادارے، تنظیمیں، دفاتر عدل و انصاف کی روح سے محروم ہیں۔ اُمت مسلمہ ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ قانون کی حکمرانی کے بجائے طاقت کی حکمرانی کا اصول رائج ہے۔ انصاف ہے اگر تو نیلام ہو رہا ہے۔ اس کی قیمت لگائی جا رہی ہے۔ غرض ہر طرف بے حسی، قتل و غارت کی خون آشام مصیبتوں کا سامنا ہے۔ ہر نیا سورج ظلم کی ایک نئی داستان کے ساتھ طلوع ہو رہا ہے۔

سارا فلونڈرس عالم اسلام پر ڈھائے جانے والے انسانیت سوز مظالم کے بارے میں معترف ہے کہ "زندگی عراق میں بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں۔ ہم نے مجنونانہ قتل عام اور دہشت گردی کی انتہائی صورت کے استعمال کا مشاہدہ کیا ہے۔ نوع انسان کی تاریخ میں کرہ ارض کے ایک چھوٹے جزو پر کبھی اتنی زیادہ قومی، کبھی اتنی زیادہ فوجی، معاشی اور سیاسی قوت کا ارتکاز نہیں کیا گیا(۱۲۴)"۔

ایک طرف طاغوتی طاقتیں مسلمانوں کا پیچھا کر رہی ہیں تو دوسری طرف مسلمان مسلمان سے دست و گریباں ہے۔ بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ سڑکیں، بازار، گلیاں، خون سے رنگیں ہیں۔ ہر طرف موت کا خوف ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر گولیاں چلنے لگی ہیں۔ وطن عزیز کا شہر کراچی آگ اور خون کا منظر پیش کر رہا ہے۔ بستیاں ویران ہیں۔ عدل و انصاف خود ماتم کناں ہے۔ مائیں بچوں سے، بہنیں بھائیوں سے، باپ بچوں سے، عزیز عزیزوں سے، دوست دوستوں سے محروم ہو رہے ہیں۔

یہ کیسا انصاف ہے کہ " بستیاں ویران، سڑکیں سنسان، گھر برباد اور قبرستان آباد ہو رہے ہیں۔ سیاسی استحکام اور معاشی استحکام عدل و انصاف کی کمی سے رخصت ہو رہا ہے۔ "دنیا طلبی کا بحران بڑھ گیا ہے جس میں دوسروں کے حق پر دست درازی کرتے ہوئے ذرا بھی خوف خدا اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی جا رہی۔ زندگی کی ہوس اتنی بڑھ گئی کہ مسافرِ طمع کو کسی منزل پر قرار اور طائرِ حرص کسی بام بلند آشیانہ نہیں۔ دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار اُونچی سے اُونچی سطح تشفی کیلئے کافی نہیں۔ بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہے(۱۲۵)"۔

عام آدمی طاقتور لوگوں کے ظلم کا نشانہ بن رہا ہے۔ رشوت کے بغیر جائز کام بھی ممکن ہی نہیں۔ کرپٹ آفسران مزید کرپشن پھیلا رہے ہیں۔ انصاف کی عدم دستیابی احساس محرومی کو بڑھا رہی ہے۔ اُمت مسلمہ ہمہ گیر ظلم کے شکنجے میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ جو مجرم ہیں وہی منصف بن رہے ہیں۔ دہشت گردی کے واقعات نے امن غارت کر دیا ہے۔ "وسائل حیات کا بڑا حصہ جو انسان کیلئے بہتر زندگی کا سامان فراہم کرنے کی ضمانت ہوتا تھا وہ آج دنیا کو جہنم میں تبدیل کرنے پر صرف ہو رہا ہے(۱۲۶)"۔

قرآن نے ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھانے کی ممانعت کی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کھلے عام جاری ہے۔ جس کی وجہ سے آپس میں نفرتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ آخر ان سب مشکلات کا مداوا کیا ہے؟ دکھتی رگوں پر مرہم پوشی کا کام کون انجام

Marfat.com

دے سکتا ہے؟ اس درد کا درماں کون ہے؟ اس کے لیے فقط ایک ہی آسرا ہے۔ وہ آسرا دامنِ مصطفیٰ ہے۔ جہاں انسانیت مسرت سے جھوم اُٹھتی ہے۔

میرا کیا کر سکے گی بھنور میں بھلا
ناز ہے آپ ﷺ پر اے حبیب خدا
آپ ﷺ کا نام لے کر بیڑہ میرا
ڈوبتے ڈوبتے بھی سنور جائے گا

ظلم کی تاریکی میں ڈوبتی انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان:

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیا امکان پر (جگن ناتھ)

اس آفتاب عالمتاب نے انسانیت کو درخشندگی عطا کی۔ چار دانگ عالم کو اپنی آفاقی کرنوں سے مہرتاباں بنا کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ انسانیت کے راہبر، کامل ملجا و ماویٰ، ہمدرد و غمگسار، دکھوں کا مرہم، زخموں کا مداوا، بے چاروں کا چارا، بے سہاروں کا سہارا، ٹوٹی ہوئی اُمیدوں کی آس ہیں۔ انسانیت کا میر کارواں کیلئے عدل کیلئے بحر کراں، ظالموں اور غاصبوں کیلئے شمشیر برّاں ہیں۔ آپ ﷺ کے عدل کا نور جاری ہے۔ ہر ملک، ہر گوشہ، ہر قریہ، ہر کوچہ، ہر کس و ناکس کیلئے آپ ﷺ کی رحمت کا سایہ ہے۔ "نوع انساں کی کوئی بستی اور بنی آدم کا کوئی گھرانہ اس سے خالی نہیں (۱۲۷)"۔

دکھ اور غم و اندوہ انفرادی ہو اجتماعی، واردات ذات کے حوالے سے ہوں یا ملی ناطے سے، کسی ایک مسلمان کا نشیمن برق زدہ یا پوری انسانیت تباہی و بربادی کا شکار ہو جائے ہر دکھ، ہر مصیبت اور ظلم میں نگاہیں اس ملجا و ماویٰ کی طرف اُٹھتی ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ شرف رسالت مآب کی سیرت طیبہ کے اسی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "نبی اکرم ﷺ کی روشن نشانیاں ایسی ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ان کے بغیر لوگوں کے درمیان عدل قائم نہیں ہو سکتا (۱۲۸)"۔

آپ ﷺ کی سیرت پاک عدل الٰہی سے ذرہ بھر ہٹی ہوئی نہیں۔ آپ ﷺ کے قول پر قرآن نص ہے اور آپ ﷺ کے فعل پر بھی قرآن نص ہے۔ گھر کی اصلاح ہو یا خاندان اس میں عدل کا نفاذ کس طرح سے کریں؟ اس کیلئے سیرت طیبہ ہی راہنمائی کا معدن ومنبع ہے۔

﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾(۱۲۹).

یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر اُتاری تا کہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ۔ اور خدا کے راستے کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد رب العزت ہے۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ

Marfat.com

﴿عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَ الْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(۱۳۰)

محمد رسول ﷺ ان کی نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور گندی چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں جس کے تلے وہ دبے ہوئے ہیں۔ ان پھندوں سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نئی اور مثالی تہذیب، نیا تمدن اور نیا معاشرہ عطا کیا(۱۳۱)۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی۔ انسانوں کے مزاج بدل گئے۔ دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا۔ انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کی نفع پہنچانے کی) لگ گئی۔ جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے۔ نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور در و دیوار پر سبزہ اُگنے لگتا ہے اس طرح بعثت محمدی ﷺ کی بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔ انسانیت صدیوں کی نیند سے سوتے سوتے بیدار ہوگئی۔ یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ اور آپ ﷺ کی رحمت للعالمین کا کرشمہ ہے(۱۳۲)۔

آپ ﷺ کی آمد سے قبل کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو دنیا میں نہ پائی جاتی ہو۔ سارا معاشرہ کلی بگاڑ کا شکار تھا۔ ہر طرف فتنہ فساد تھا، ظلم تھا بے چینی تھی۔ اس ظلم کے نتیجے میں انسان کا سکون لُٹ چکا تھا۔ عدل و انصاف کا نام تک نہیں تھا۔ نہ خوف خدا تھا جسکی وجہ سے بگاڑ بڑھتا جا رہا تھا۔ اجزا منتشر تھے۔ ظلم کا نشانہ بیٹیاں، بیویاں اور مائیں تھیں۔ سماجی انصاف کا یہ عالم تھا کہ جس طرح اشیاء کی مزید خرید و فروخت ہوتی ان کے دام ٹھہرائے جاتے اس طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا۔ رشوت و خیانت، ظلم و شقاوت، بے مروتی، انسانی تحقیر اس قوم کا وطیرہ بن چکی تھی(۱۳۳)۔ گبن لکھتا ہے:

"چھٹی صدی عیسوی میں اس سلطنت کا زوال اور پستی انتہا پر تھی اس کی مثال تنا آور درخت کی سی تھی جس کے سائے میں قومیں پناہ لیتی تھیں۔ اب اس کا صرف تنا رہ گیا تھا جو سوکھتا جا رہا تھا(۱۳۴)"۔

حضور ﷺ کی آمد کے اثرات:

آپ ﷺ کی آمد نے زندگی کا رُخ بدل دیا۔ اس میں خدا کی مدد سے ایمان و عقیدہ پیدا فرما دیا۔ زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ دبی ہوئی صلاحیتیں اُبھار دیں۔ وہ بے جان پتھر تھا ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا۔ بے حس و حرکت مردہ تھا وہ زندہ ہو کر دنیا پر حکومت کرنے لگا۔ جو خود پہلے نابینا تھا جس کو خود راستہ کا پتہ نہ تھا اب ساری دنیا کا راہبر و راہنما بن گیا۔

آپ ﷺ کی انسانی دنیا کی توجہ اور تعلیم سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا کہ دنیا نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عظیم الشان شخصیتیں دیکھیں جو عجوبہ روزگار اور دنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں(۱۳۵)۔

گویا آپ ﷺ کی آمد سے کون و مکاں روشن ہو گئے۔ غنچہ و گل پہ بہار آ گئی۔ چراغِ زندگی کو زیت ملا۔ باغوں کے

Marfat.com

غنچے مسکرائے۔ غار حرا کے دیئے جگمگائے۔ عورتوں نے عصمت کا تاج پایا اور ظلم کی تاریکیاں عدل کے نور میں گھل گئیں۔

دشتِ عرب فیوض خدا میں نہا گیا
اک ھادی عظیم ہدایت کو آگیا
اک آخری شکست اندھیروں کو مل گئی
الحاد و کفر و شرک کی بنیاد ہل گئی

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

"یہ پیغام محمدی ﷺ ہی ہے جس نے یورپ، پچھم، اُتر، دھکن ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی راہنمائی کیلئے ملک وقوم اور زبان کی تخصیص نہیں۔ اسکی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب برابر ہے۔ ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی اور ہر طرف اس کے عدل کا نور چمکا۔ آپ ﷺ کی توجہ اور تربیت سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایسا عظیم الشان انقلاب رونما ہوا اور دنیا نے ایسی ایسی عادل شخصیات دیکھیں جس کا عدل تاریخ میں ضرب المثل بن گیا"۔

دنیا کو مساوات، عدل و انصاف، نیکی، تعاون، محبت کا سبق کس نے دیا؟ ظلم کی چکی پست باپ کے ہاتھوں قتل ہونے والی صنف نازک کو وجہ رحمت کس نے بنایا؟ اور اسکو مرد کی آبرو، زیست اور لباس کسی نے قرار دیا؟ کس نے وراثت میں سوتیلے بیٹوں میں تقسیم ہونے والی ماں کے بے حرمتی کو تقدس وعزت میں بدل کر اس کے قدموں تلے جنت بچھا دی؟ اس کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے کہ محسن، مشفق، مربی، ھادی کامل، مبشر، عادل، نبی رحمت ﷺ نے۔

حضور ﷺ کے انقلاب عدل و انصاف نے انسانیت کیلئے ایک عالم نو کا آغاز کیا۔ انسانیت کو اپنے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ اس کی تاب روشش جہت کائنات کو روشنی ملی۔ انسان اپنے مقام سے بے خبر تھا اسی بے خبری کے نتیجے میں وہ سورج چاند ستاروں کی چمک سے مرعوب ہو کر انہیں اپنا معبود بنائے ہوئے تھا۔ پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی گہرائی سے متاثر ہو کر انہیں خدا کا درجہ دیے ہوئے تھا۔ شہنشاہوں، راجوں، مہاراجوں، شاہوں اور راہبانوں کی جلالت وحشمت سے مسحور ہو کر انہیں خدا کا درجہ دیے ہوئے تھا۔ اتنا دبا ہوا تھا کہ اُبھرتی چیز کے سامنے جھک جاتا۔ اتنا ڈرا ہوا تھا کہ ہر ڈراونی شے کی بندگی پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ اتنا سہا ہوا تھا کہ ہر ایک کا زور اس پر چلتا تھا۔ اتنا سمٹا ہوا تھا کہ اپنی وسعت کا ادراک ہی نہ ہو سکا۔ اتنا گھٹا ہوا تھا کہ اس بحر بیکراں میں سانس لیتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اور اتنا جکڑا ہوا تھا کہ ہر نئی زنجیر کو اپنے لیے تقدیر سمجھتا تھا۔ حضور ﷺ نے آکر اسے بتایا کہ تیری حرمت کعبے سے افضل، تیری ذات راز الٰہی ہے۔ تیری تخلیق حرف کن سے نہیں خاص دستِ قدرت سے ہوئی۔ تو امامت الٰہی کا حامل ہے۔ تجھے ارادہ اختیار کا وصف عطا کیا گیا۔ تو ذرہ ہستی میں صحرا ہے وجود میں قلزم ہے(۱۳۷)۔

آپ ﷺ کی اس تعلیم صداقت، عدالت اور شجاعت کا اثر یہ ہوا کہ انسان اپنی ہستی کی پہچان بھی کرنے لگا اور دوسروں کے حقوق کا ادراک بھی کرنے لگا۔ وہ دوسروں کا حق غصب کرتا تھا۔ اب اپنا حق بھی دوسروں کیلئے چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا (جسکا ثبوت مواخات مدینہ میں ملتا ہے)۔ جو ظالم تھا لیکن عدل نبوت سے اکتساب کرتے ہوئے عدل و انصاف کی مثالیں

Marfat.com

رقم کر دیں۔ جو دوسروں کے ظلم کے سامنے سمٹا ہوا تھا اسکی اپنے رعب و جلالت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بننے لگے۔

دو نیم اس کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اس کی ہیبت سے رائی (۱۳۹)

"جو انسان دیوس دیوتاؤں کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہتا تھا آج وہ یزدان بکمند آور کا نعرہ متا لگاتا نظر آتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ کائنات کا اعتبار انسانیت کا وقار یہ سب کچھ صاحب لولاک کے دم قدم سے ہے(۱۴۰)"۔

دنیا کو ظلم و ستم سے، قتل و غارت سے، طبقاتی تقسیم سے، بھوک ننگ سے، ناانصافی سے جو اماں ملی تو وہ پیغمبر حق کے دامن رحمت سے ملی۔ "شاہی قبا وہ عبا انسانی آبادی کیلئے وبالِ کملی تھی جو گرفتارانِ بلا کیلئے نسخہ شفا ہی، بادشاہی کی وسیع سلطنتیں اپنے باشندوں کیلئے سخت تنگ شکنجے تھے۔ جب یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا کے مظلوموں کیلئے اپنے اندر افلاک کی وسعت رکھتی تھی۔ آنے والے آتے گئے۔ نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے۔ ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحر و بر سمٹ گئے(۱۴۱)"۔

یعنی انسانیت کیلئے شاہ و گدا، آقا و بندہ، کالے گورے، امیر و غریب، علاقہ وقبیلہ کا امتیاز مٹ گیا۔ اور آستانہ رسول ﷺ پر سب ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔

"ایک مجلس کے اندر جو مسجد نبوی ﷺ کے کچے دالان میں ہوئی تھی وہ عدل و مساوات کا خوبصورت عکس پیش کرتی تھی۔ مکے کے مہاجر، مدینے کے انصار، فارس کے سلمان، حبش کے بلال، روم کے صہیب، روساء میں عثمان غنی، غرباء میں عبداللہ، اشرف، علی و عمر اور خانوادہ غلامان میں سے انس ایک ساتھ اس طرح بیٹھے نظر آتے تھے کہ دیکھنے والا اگرچہ انہیں مختلف رنگوں میں دیکھتا مگر ان سب پر صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ غالب ہوتا۔ وطنیت ان کی مختلف تھی مگر مقصدیت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کی زبان الگ تھی مگر عقیدہ و ایمان ایک تھا۔ ان کی نسل جداگانہ تھی مگر اصل ہمیشہ ایک رہی۔ یہ عزت یہ توقیر یہ منصب یہ اعزاز حرماں نصیبوں، خاک نشینوں، سوختہ بختوں، حبشیوں اور غلام زادوں کو کس کے طفیل نصیب ہوا۔ اسی در یتیم کے صدقے جس کے عدل و انصاف نے ہر یتیم کو در یتیم بنا دیا۔ اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا(۱۴۲)"۔

نبی اکرم ﷺ کا عدل و انصاف:

آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ، کوئی پل، کوئی گوشہ عدلِ الٰہی سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔ رنج ہو یا راحت ہر حال میں انصاف سے کام لیتے تھے۔

رسالت مآب کی نجی زندگی:

عدل و انصاف کا سلسلہ ہمیشہ گھر سے شروع ہوتا ہے۔ اندرون خانہ عدل ہے تو باہر بھی ہو گا۔ حضور ﷺ کی حیات پاک کا ایک ایک گوشہ ایک ایک پہلو روز روشن کی طرح ہے۔ جس میں رائی برابر بھی اُونچ نیچ نہیں۔ گھر ہو یا مجلس میں، نجی زندگی میں یا منبر پر ہر جگہ ایک ہی رنگ ایک ہی نمونہ قول و فعل وحی الٰہی سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا نہیں ہے۔ وگرنہ یہ اکثر برے لوگوں کی زندگی تضاد لیے ہوتی ہے۔ باہر نکلے تو مصنوعی لبادہ اوڑھ لیا۔ گھر پہنچے تو پستی میں جا گرے۔ باہر سادگی اور تواضع دکھائے گھر کو پلٹے تو عیش و تنعم میں ڈوب گئے۔ لیکن سرکار دو عالم کا عدل و انصاف کا معاملہ معاشرتی اور نجی زندگی میں ایک جیسا نظر آتا ہے۔

Marfat.com

پرائیویٹ اور پبلک کی زندگی کسی کا جتنا زیادہ اختلاف ہوتا ہے اتنا ہی اس کا مرتبہ ادنیٰ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے گھر میں ہمیشہ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا اور گھر کی فضا کو کبھی اوجھل نہ ہونے دیا۔ حسن سلوک سے کسی کو کوئی شکوہ کوئی گلہ نہ تھا۔ سب کے ساتھ مساوی برتاؤ سب کی ضروریات کا برابر خیال تھا۔ شہنشاہ دو عالم ہوتے ہوئے بھی سارا بوجھ ازواج مطہرات پر نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ اندرون خانہ اپنے ذاتی کام خود کرتے تھے تاکہ گھر کے اندر بھی عدل کا نمونہ ہو۔ آپ ﷺ کی زندگی قرآن کا عکس ہے آپ ﷺ کے قول پر بھی قرآنی نص ہے اور فعل پر بھی۔ آپ ﷺ سراپا قرآن ہیں۔

"حضور ﷺ ان نام نہاد بڑے لوگوں میں سے نہ تھے جو دوسروں کے غم میں دکھاوے کیلئے گھلے جاتے ہیں لیکن گھر کیلئے سنگدل اور تغافل ثابت ہوتے ہیں۔ باہر کی زندگی پر ہنگامہ ہوتی ہے لیکن گھر کی پھیکی اور بدمزہ۔ آپ ﷺ کو ازواج مطہرات کے ساتھ سچی محبت تھی۔ ان کا مساوی خیال رکھتے اور مساوی احترام کرتے تھے۔"

اپنے بچوں کیلئے محبت بھرے جذبات تھے۔ بچوں کو گود میں لیکر پیار کرتے۔ حضرت فاطمہ آتیں تو اُٹھ کر استقبال کرتے۔ بچوں کو گود میں لیتے اور کندھوں پر بٹھاتے (۱۴۳)۔

بچوں کے درمیان مساوات کو پسند کرتے اور تفریق و امتیاز سے منع کرتے تھے۔ بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دیتے۔ کیونکہ یہ ظلم اور ناانصافی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے "جو دو بیٹیوں کو پال کر جوان کر دے قیامت کے روز اس کے اور میرے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہوگا جتنا کہ میرے ہاتھ کی دو انگلیاں (۱۴۴)"۔

معاشرتی زندگی میں عدل اجتماعی:

نبی اکرم ﷺ کی زندگی جیسی گھر کے اندر ویسی ہی باہر تھی۔ وہی رنگ وہی طریقہ وہی سلوک وہی اخلاق و شائستگی مخاطب کے ساتھ کلام میں عدل و انصاف کا سلوک کرتے۔ کسی کی بات کو کاٹ کر دوسرے کو جواب نہ دیتے نہ کسی کو ٹوکتے اور نہ سخت لہجہ اختیار کرتے۔

محفل میں بات سننے میں عدل و انصاف کا مظاہرہ کرتے۔ جب تک بات کرنے والا اپنی بات مکمل نہ کرتا تو اس کی طرف سے نگاہ نہ پھیرتے۔ کسی مجلس میں جاتے تو اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ صحابہ کرام ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوں۔ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جاتے۔ دوسروں کے کندھوں سے پھاند کر بیچ میں گھسنے کو ناپسند کرتے اور فرماتے۔

اَجْلِس كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ (۱۴۵)۔ اسطرح اُٹھنا بیٹھنا جسطرح اللہ کا بندہ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔

ساتھیوں سے زانو بڑھا کر نہ بیٹھتے۔ یعنی عدل و مساوات کا خیال رکھتے۔ اہل مجلس کو گفتگو میں نیا موضوع نہ چھیڑتے بلکہ جو سلسلہ کلام چل رہا ہوتا اسی میں شامل ہو جاتے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے مخاطب کے ساتھ سات کام لیتے یعنی ایک ہی طرف دھیان نہ دیتے بلکہ ہر طرف دھیان دیتے تاکہ کوئی یہ محسوس نہ کرے کہ دوسرے کو مجھ پر فوقیت دی ہے۔ کسی کی بات نہ کاٹتے نہ ٹوکتے الا یہ کہ حق کے خلاف ہو۔ اس صورت میں یا تو ٹوک دیتے یا چہرے پر ناگواری آجاتی اور اُٹھ کر چلے جاتے۔ ناپسند تھا کہ کھڑے کھڑے کوئی اہم بحث چھیڑ دی جائے۔ ناپسند باتوں سے یا تو اعتراض فرماتے یا اشارہ سے منع کر دیتے (۱۴۶)۔

عدل و انصاف اور توازن کا اتنا خیال تھا کہ کسی کی ملاقات کیلئے جاتے تو زبردستی اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں

Marfat.com

کرتے بلکہ تین بار اجازت طلب کرتے اگر جواب نہ ملتا تو واپس چلے جاتے اور اس بات کا برا نہ مناتے۔ خود راستی اور انصاف سے کام لیتے اور اوروں کو بھی اس کی نصیحت کرتے (۱۴۷)۔

انصاف کے معاملے میں دوسروں کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا جو اپنوں کے ساتھ ہوتا۔ ایک یہودی بیمار بچے کی عیادت کیلئے بھی تشریف لے گئے۔ منافقین کے لیڈر عبداللہ ابن ابی کی بھی عیادت کی (۱۴۸)۔ آپ ﷺ کے عدل و انصاف کی تصویر حضرت انس نے بھی بیان کی کہ " دس سال تک میں آپ ﷺ کی خدمت میں رہا نہ کبھی زیادتی کی نہ سختی دیگر غلاموں اور لونڈیوں کو مارا نہ انتقام لیا۔ بجز اس کے کہ آپ ﷺ اللہ کے راستے میں جہاد کریں یا قانون الٰہی کی مقرر کردہ حرمتوں کے تحفظ کیلئے کاروائی کریں (۱۴۹)"۔

معاہدہ حلف الفضول اور عدل و انصاف:

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک 24 برس کی ہوئی تو آپ ﷺ کو حرب فجار میں شرکت کی۔ یہ لڑائی قریش مع کنانہ اور قیس کے درمیان ہوئی۔ اس لڑائی میں قریش برسرِحق تھے۔ کیونکہ اس جنگ میں مظلوم کی حمایت اور ظالم کے خلاف جنگ کا اعلان تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے قریش کا ساتھ دیا۔ آپ ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا بلکہ عدل و انصاف کی خاطر مظلوم کا ساتھ اور ظلم کی مخالفت کی (۱۵۰)۔ آپ ﷺ نے اور سمجھ دار لوگوں کو ملک کے راستوں کا خطرناک ہونا، مسافروں کا لٹنا، غریبوں پر زبردستوں کا ظلم بیان کر کے ان سب کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ فجار کی لڑائی سے واپسی کے ایک مہینہ بعد شوال میں تمام خاندانوں میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اوس، بنو تمیم شامل تھے۔ ایک انجمن قائم ہوئی جو حلف الفضول کے نام سے مصروف ہوئی۔ اس کی اہم دفعات یہ تھیں۔

۱۔ مکہ سے بدامنی دور کی جائے گی۔

۲۔ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

۳۔ مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی۔ خواہ وہ مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی۔

۴۔ زبردست کو زبردست پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا (۱۵۱)۔

خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے۔ اور وہ مظلوم کے ساتھ اس وقت ظالم کے خلاف اُٹھا ہوتا کہ وہ مظلوم کا حق ادا کرے۔ یہ اسوقت تک ہوتا رہے گا جب تک سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور حرائے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں ہماری معیشت میں (۱۵۲)۔

صلح حدیبیہ اور حجۃ الوداع:

انسانی تاریخ میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ عدل، امن، تحمل کا ایک زریں نمونہ ہے۔ اس میں قریش مکہ اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے پیش کی گئی شرائط بعید از انصاف اور یک طرفہ تھیں۔ لیکن آپ ﷺ نے معاشرے میں امن کے فروغ کیلئے کمال صبر، فراست و دانش کا ثبوت دے کر جنگ کو صلح اور امن میں بدل دیا۔

اس معاہدے کے ذریعے آئندہ کیلئے یہ مثال قائم ہوگئی کہ اسلام دھونس، زبردستی، جبر و ظلم کا قائل نہیں بلکہ برابری،

Marfat.com

عدل و مساوات اور ایثار کا مذہب ہے۔

اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے انصاف و انسانی مساوات کا درس دیگر پوری انسانیت کو بحیثیت انسان محترم قرار دیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ خطبہ حجۃ الوداع 10 مارچ 632 ھجری کو دیا گیا جس میں انسانی حقوق کا تحفظ کیا(۱۵۳)۔ اس خطبہ میں تمام انسانوں کو برابری کی بنا پر سلوک کا مستحق قرار دیا گیا۔ اور فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی، عصبیت اور آباء کا فرق ختم کر دیا ہے اب یا تو مومن متقی ہوگا یا فاجر متقی، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔ کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ماسوائے تقویٰ کے'' (۱۵۴)۔

حضور ﷺ نے یہ کلمات انسانیت کی برابری، مساوات اور عدل اجتماعی کے عکاس ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل 432 میں جبروت مکلوت طوائف ملوکی تہذیبی و تمدنی پسماندگی انار کی معاشرتی ناہمواری انسانیت پر ظلم اور ذلت اور پستی کے مناظر ہر طرف یکساں تھے۔ ایسے میں بلالحاظ مذہب و ملت، رنگ و نسل، آبادی و علاقہ، انسانوں کے درمیان مساوات حقوق کا ایسا چارٹر پیش کرنا اور اس کو عملی طور پر لاگو کرنا ھادی اعظم کا ہی کارنامہ تھا۔ اور تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ کر دیا کہ سب کے سب انسان بحیثیت برابر ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا عدل و انصاف:

دین اسلام عدل و انصاف کے معاملے میں ایک نگاہ رکھتا ہے۔ اس میں قوم وقبیلہ، آقا و غلام، دوست و دشمن، مرد اور عورت، ذات و برادری، امیر و غریب، کالے اور گورے، نوری فرنگی، حبشی اور زنگی، اپنے پرائے، اور مسلم اور کافر کی کی قید نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے۔ تاہم آپ ﷺ کو حکم دیا گیا " آپ کہہ دیں کہ میں ہر اس کتاب کو مانتا ہوں جو اللہ نے اُتاری اور مجھے خدا سے یہ حکم ملا ہے کہ میں تمہارے مابین انصاف کروں۔ اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہم کو ہمارے کاموں اور تم کو تمہارے کاموں کا بدلہ ملے گا۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اسی کی طرف سب کو پھر کر جانا ہے(۱۵۵)"۔

آپ ﷺ نے قرآن کے احکام کا عملی نمونہ بن کر وہ معاشرہ قائم کر کے دکھایا جس پر انسانیت قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔ انسان کے سارے دکھوں کا درماں اور سارے مسائل کا حل اسوہ نبوی میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے بتا دیا ہے کہ دین اسلام ہی وہ واحد دین ہے جسکی آغوش عدل و انصاف صرف اپنوں کیلئے نہیں بلکہ غیروں کے لیے بھی اسی طرح ہے۔ یہ دنیا کی تاریکیوں کو روشنی میں بدل سکتا ہے۔

عدل کے متعلق اپنے اور پرائے برابر کرنے کے سلسلہ میں قرآن کے چھوٹے چھوٹے جملے موتیوں جیسے خوبصورت دل میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔ سرور کائنات ﷺ کی زبان سے ادا ہوں ان کے اسوہ حسنہ مترشح ہوں تو دنیا کو امن و انصاف کی جنت مل سکتی ہے۔

(الف) یہود کے ساتھ عدل و انصاف:

آپ ﷺ کے یہود کے ساتھ معاہدہ میں یہود اور مسلمان کو ایک قوم قرار دیا۔ ہمارے باہم تعلقات خیر خواہی پر مبنی

Marfat.com

ہوں گے۔ اور اگر کوئی شخص مخلفانہ کاروائی کرے گا تو سب مل کر ظالم کے خلاف لڑیں گے (۱۵۶)۔

ایک بار ایک یہودی اور مسلمان کا تنازعہ ہوا آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا یہ نہ دیکھا کہ دوسری طرف مسلمان ہے بلکہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو آپ ﷺ کے ہاں سفارش کی جرأت نہیں ہوتی تھی (۱۵۷)۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا فَاِنَّهَا لَيْسَ دُوْنَهَا............ (۱۵۹)۔

مظلوم کی پکار سے بچو کیونکہ اس کی پکار کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

(ب) عیسائیوں کے ساتھ عدل وانصاف:

یہود کی طرح عیسائیوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اسی طرح طے کیا جاتا تھا۔ انسان کی حیثیت میں انہیں مسلمانوں کے برابر جگہ دی جاتی۔ اہلِ نجران کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ مسلمان جو چیزیں عاریتاً لیں گے ان میں کوئی چیز ضائع ہو جائے گی تو ادا کی جائے گی۔ اہل نجران کی جان و مال، مذہب، گرجے مذہبی راہنما ہم سب کے حقوق ادا کرنے کی ذمہ داری ہیں (۱۶۰)۔

۶ ہجری میں سینائے مصر کے سینٹ کیتھرائن کے پادریوں سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ شقیں شامل ہیں کہ عیسائیوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ کوئی بشپ منصب سے معزول نہیں ہوگا۔ نہ خانقاہ سے نکالا جائے گا۔ نہ اس کا مذہب بدلہ جائے گا۔ نہ کوئی گرجا منہدم کیا جائے گا۔ گرجوں کی مرمت کیلئے مسلمان مالی مدد کریں گے (۱۶۱)۔

حضرت علی کا فرمان ہے "جو غیر مسلم ہمارے ماتحت ہوں ان کا خون بہانا ہمارے خون کے برابر ہے"۔

مشرکین مکہ نے آپ ﷺ پر اور صحابہ کرام پر ظلم وستم کیے لیکن جواب میں آپ ﷺ نے صبر کیا۔ ان کے ظلم کے بدلہ میں ظلم نہیں کیا۔ اہلِ مکہ، اہلِ طائف نے جو ظلم ڈھائے اس کے بدلہ میں آپ ﷺ نے برداشت دکھائی اور تلوار اُٹھانے سے گریز کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا۔ جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔ اس طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کی اوسط میں دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان میں دشمن کا ماہانہ ایک آدمی قتل ہوا۔ اور اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے: "میں رحمت کا پیغمبر ہوں ظلم کا نہیں (۱۶۲)"۔

(ج) کفار کے ساتھ عدل وانصاف:

غیر ملکی سفراء کا قتل آپ ﷺ نے ممنوع قرار دیا۔ سلیمہ کذاب کے دو سفیر آئے باوجود یہ کہ مرتد واجب القتل تھے مگر آپ ﷺ نے فرمایا اگر سفیروں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں ان کی گردن اُڑا دیتا (۱۶۳)۔

آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے یہ اصول تھے کہ جو عہد کرو پورا کرو، پڑوسی سے ظلم و زیادتی نہ کرو۔ سازشیں نہ کرو، ظلم میں کسی کی حمایت نہ کرو، دشمن کی شکست کے بعد اس کے ساتھ تذلیل کا معاملہ نہ کرو۔ اس سے بڑھ کر اسلام کے عدل و انصاف کی مثالیں اور کیا ہوسکتی ہیں۔

دین اسلام نے عالم کفار و مشرکین کی درجہ بندی کی ہے یعنی ایک کفار اہل قتال (Combatant) دوسرے غیر

Marfat.com

اہل قتال یعنی Non-combatant غیر لڑاکا۔ لڑاکا کفار کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا لیکن غیر لڑاکا کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیا گیا۔ ارشاد رب العزت ہے۔

﴿لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾(۱۶۴).

اللہ تم کو اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا تم ان پر احسان کرو اور ان سے انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

محمد یحیٰی خان اپنی کتاب پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"عربستان میں جو انقلاب محمد ﷺ برپا کرنا چاہتے تھے وہ انقلاب فرانس سے کہیں بڑا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ رسوم و شعائر عرب، تعوذ روسا کے قبائل اور اتحاد قبائل کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انقلاب فرانس، فرانسیسیوں کے درمیان تو عدل و مساوات پیدا نہ کر سکا مگر پیغمبر اسلام ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب نے مسلمان دنیا کے درمیان مساوات قائم کر دی اور ہر قسم کے خاندانی، طبقاتی اور مادی امتیازات کو مٹا دیا (۱۶۵)"۔

دنیا کے اقوام کو جب عدل و انصاف، اخوت و رواداری اور مساوات نسل انسانی کے بنیادی حقوق کی فراہمی کی فکر ہوئی تو ان کے نمائندوں نے لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ جیسی عالمی تنظیمیں قائم کیں۔ لیکن ان کا آغاز ہی جارحانہ ہوا۔ اس لیے اپنے مقاصد میں بُری طرح رفت مطلوب ہے تو سیرۃ طیبہ کو مشعل راہ بنائے بغیر چارہ نہیں (۱۶۶)۔ کیونکہ سیرۃ طیبہ نے ہمیشہ درس دیا ہے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ بُرا چاہنے والوں کے ساتھ بھلائی کرو جو تمہارا قصور کریں ان کو معاف کرو جو تم پر ظلم کریں ان کے ساتھ انصاف کرو (۱۶۷)۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

دوستوں کے ساتھ دوستی بڑی بات نہیں دشمنوں کے ساتھ دوستی اصل خوبی ہے (۱۶۸)۔

ایک اعرابی نے خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے وہ بات بتایئے جس کے کرنے سے جنت مل جائے۔ آپ ﷺ نے اس کو چند باتیں بتائیں اور فرمایا ظالم رشتہ دار کے ساتھ بھی انصاف و عنایات کرو (۱۶۹)۔

اہل مکہ مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے تھے تو قحط پڑ گیا۔ ابو سفیان نے خدمت اقدس میں آکر آپ ﷺ کو دعا کیلئے کہا۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو قحط ختم ہوگیا۔ اسی طرح اہلِ طائف نے ظلم کیا لیکن جواباً ظلم نہیں کیا بلکہ رحمت و انصاف سے کام لیا (۱۷۰)۔

ایڈورڈ گبن، سائمن لکھتا ہے۔

محمد ﷺ ایک ایسے انسان تھے کہ انہوں نے بکھری انسانیت کو متحد کر کے نیکی، احسان اور انصاف کے ساتھ زندہ رہنا سکھایا (۱۷۱)۔

Marfat.com

تھامس لکھتا ہے۔

تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک تنہا آدمی نے بگڑے ہوئے قبیلیوں کو بدل کر منصف مزاج بنا دیا ہو(۱۷۲)۔

سید امیر علی لکھتے ہیں۔

غیر مسلم رعایا کے ساتھ اسلام نے ہمیشہ انصاف اور نیکی کو مدنظر رکھا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو مذہب پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں کبھی مزاحمت نہیں کی اور کبھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا(۱۷۳)۔

غزوات میں عدل:

نبی اکرم ﷺ کی حیات پاک کا ایک ایک ورق ایک ایک حرف ساری دنیا کے سامنے کہیں تشدد کا شائبہ بھی نہیں۔ گھر ہو یا معاشرہ، مسجد ہو یا منبر، امن کے معاملات ہوں یا جنگ کا میدان ہر جگہ سراپا عدل ہیں۔ یہی عدل و انصاف غزوات میں بھرپور آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔

آپ ﷺ کے غزوات اور سرایا کی کل تعداد ۸۱ ہے(۱۷۵)۔ حضور ﷺ کے غزوات کی کل تعداد ۲۷ ہے (۱۷۶)۔ عہد نبوی کے مجموعی شہدا کی تعداد ۲۵۱، کفار مقتولین کی تعداد ۷۵۹ ہے(۱۷۷)۔

نبی اکرم ﷺ نے غزوات میں عدل و اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حد سے تجاوز، ظلم اور بستیاں اُجاڑنا مقصد نہیں تھا بلکہ اسلام کا دفاع اسلامی سرحدوں کا اور جان و مال کا تحفظ مقصد تھا۔ "یہی وجہ ہے کہ پہلے غزوہ سے لیکر آخری غزوہ تک مقتولین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے(۱۷۸)"۔

اسی لیے آپ ﷺ جب کسی بھی صحابی کو سپہ سالار بنا کر بھیجتے وقت یہ نصیحت کرتے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ پھلدار درخت نہ کاٹنا نہ جلانا (۱۷۹)۔

آپ ﷺ کی جنگ خونریزی، قتل و غارت اور ظلم وتشدد کیلئے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ برائی، ظلم اور حد سے تجاوز کے خلاف تھی۔ اس لیے کہیں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا(۱۸۰)۔

قرآن پاک میں جبر سے مسلمان بنانے کی سخت مخالفت کی ہے۔ کیونکہ یہ عدل کے خلاف ہے۔ قرآن پاک کی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ میں اس عمل سے کہا گیا(۱۸۱)۔

﴿إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾(۱۸۲)۔ آپ ﷺ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔

﴿لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ﴾(۱۸۳)۔ آپ ﷺ ان پر مسلط نہیں۔

غزوات میں نبی اکرم ﷺ کی اعتدال کی پالیسی اور منصف مزاجی کے بارے میں ڈاکٹر میخائل نے لکھا ہے۔

Muhammad was only the man in history who was supermely successful on both the religous and the secular level. (۱۸۴)

اس وقت کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، لبنان میں مظالم بڑی طاقتوں کے بغیر منصفانہ رویے کا نتیجہ ہیں کہ دنیا ایک بار پھر عالمی جنگ کا سامنا رہا۔ نتیجتاً افغانستان اور عراق پر عسکری جارحیت مسلط کی گئی اور گوانتا ناموبے، ابوغریب جیسے ان گنت

Marfat.com

تشدد کے مراکز قائم کیے جہاں انصاف کا مذاق اُڑایا گیا(۱۸۵)۔

آپ ﷺ نے جو انقلاب بپا کیا جس میں ۸۲۸۱ جنگوں میں مقتولین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ کامل انتظام مملکت انسان دوستی اور عدل و اعتدال پر استوار رہا(۱۸۶)۔

حضور ﷺ کی بحیثیت منصف اور قاضیوں کے ضابطہ اخلاق:

دین اسلام افراد معاشرہ کے درمیان بغیر لحاظ کسی تعریف کے بغیر کسی تقسیم و امتیاز کے عدل و انصاف کا پلڑا برابر کرنے کو کہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾(۱۸۷)۔

اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر۔

اے رسول ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس حق آیا ہے۔ ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔ ایک اعرابی کا قول ہے یا رسول اللہ ﷺ **اقض بيننا** ہمارے درمیان میں فیصلہ کرو۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

اَقِيْمُوا حُدُودَ اللّٰهِ فِى الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَلَا يَاخُذُكُمْ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لائم(۱۸۸)

اللہ کی حدیں بلا تمیز دور و نزدیک سب پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرو۔

آپ ﷺ کے عہد میں ایک اونچے گھرانے کی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ کچھ لوگوں کو خیال آیا اگر اس کو سزا ہوگی تو جگ ہنسائی ہوگی۔ حضرت اُسامہ کو آمادہ کیا کہ وہ رسول ﷺ کے پاس جا کر عورت کو چھوڑ دینے کی سفارش کریں۔ جب اُسامہ حضور ﷺ کی خدمت میں گئے اور اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کیلئے لب کشائی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اُمَمٌ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيْعِ وَيَتْرُكُوْنَ الشَّرِيْف وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ لَوْ فَاطِمَة فَعَلَت ذٰلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا(۱۸۹)۔

تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ نیچ لوگوں کو سزا دیتے تھے اور بڑوں کو چھوڑ دیتے تھے۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

قاضیوں کیلئے ضابطہ اخلاق:

حضور ﷺ کے دور میں ابو عبیدہ بن جراح نجران کی عدالت کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس طرح حضرت علی حضرت معاذ بن جبل حضرت ابو موسیٰ عدالت یمن کے قاضی مقرر ہوئے (۱۹۰)۔

قاضی اور عدالت کا پہلا کام یہ ہوتا کہ فریقین کے درمیان صلح کرا دے۔

﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۹۱) (پس لوگوں کے درمیان عدل سے صلح کرا دو)۔

نبی اکرم ﷺ احکام قرآنی تفسیر و وضاحت تھا۔ آپ ﷺ تمام اخلاقی قدروں کو منشائے الٰہی کے مطابق معاشرے

Marfat.com

میں فروغ دیا اور معاشرتی استحکام کے عدل اجتماعی کو بہت اہمیت دی۔

حضورﷺ نے قاضیوں اور ججوں کیلئے ایک ضابطہ اخلاق دیا جس کے اہم اصول یہ ہیں۔

مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ دیا جائے۔ کسی ایک فریق کے بیان پر اعتماد کر کے یک طرفہ کاروائی نہ کی جائے۔ آپﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کو یمن بھیجنے کی نصیحت فرمائی۔

فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخِرِ كَمَا سَمِعْتَ كَلَامَ الْأَوَّلِ(۱۹۲).

جب تیرے سامنے دو فریق مقدمہ بیٹھ جائیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ سنانا جب تک دوسرے فریق کا بیان اس طرح نہ سن لے جس طرح پہلے کا سنا۔

قانون لوگوں کی نیتوں اور اندرونی باتوں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اس لیے قاضی کو چاہیے کہ ظاہری شہادت اور ثبوت کے مطابق فیصلہ کرے۔ حضورﷺ ہر مقدمے میں ظاہری ثبوت اور گواہوں کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ آپﷺ کا فرمان ہے۔

أُمِرْتُ أَنْ أَحْكُمَ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ(۱۹۳).

مجھے حکم دیا گیا کہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کروں اور اللہ دلوں کے بھیدوں کا مالک ہے۔

عدالتی کارروائی کے کسی مرحلے پر قاضی کو کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ کی قطعاً اجازت نہیں۔ قاضی کو چاہیے کہ دیکھنے اور بات کرنے میں بھی فریقین کے درمیان مکمل مساوات برتے۔ حضورﷺ نے فرمایا۔

سَوِّ بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ فِي لَحْظِكَ وَلَفْظِكَ(۱۹۴).

نگاہ اور کلام میں فریقین کے مابین مساوات قائم رکھیے۔

مقدمہ میں منصفانہ فیصلے پر پہنچنے کیلئے قاضی کو ہر قسم کے ذہنی کھچاؤ اور غیض وغضب سے آزاد ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر قاضی ذاتی جذبات سے مغلوب ہو کر مجرم کو اس کے جرم کی مقدار سے بڑھ کر سزا دے بیٹھے گا اور انصاف نہ کر سکے گا۔ حضورﷺ نے تنبیہ فرمائی۔

لَا يَقْضِ الْقَاضِي بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ(۱۹۵).

مجرم کو ثبوت جرم پر سزا دی جائے اگر اس کے خلاف شہادتیں کمزور ہوں جس سے اس کا جرم مشتبہ ہو جائے تو اُسے شک کا فائدہ دیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلام کا اصول یہ ہے۔

اِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ(۱۹۶).

بے شک امام یا قاضی کا کسی کو معاف کرنے میں غلطی کرنا بہتر ہے بجائے اس کے کہ وہ کسی کو سزا دینے میں غلطی کرے۔

ثبوت مدعی کے ذمے ہے اور بصورت عدم شہادت مدعا علیہ سے اپنی بے گناہی کی قسم لی جائے۔

Marfat.com

آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِی وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ(۱۹۷).

شہادت اور ثبوت مدعی کے ذمے ہے اور قسم مدعا علیہ پر ہوگی۔

فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھ لیا جائے یہ اگر مقدمے کا حل قرآن وسنت میں موجود ہے تو اس کے مطابق کا صریح فیصلہ قرآن وحدیث میں نہ ملتا ہو تو قاضی کو قیاس کر کے اپنی رائے پر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی اجازت ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو جب قاضی بنا کر بھیجا تو اس سے پوچھا کہ مقدمات کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا پھر اللہ کے رسول ﷺ کی سُنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر وہاں بھی حکم موجود نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ اپنی رائے پر فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس طرز کو پسند فرمایا۔ یہی طریقہ بعد کے تمام قاضیوں کیلئے نمونہ بن گیا۔

صحابہ کرام اور عدل اجتماعی:

خلفائے راشدین مقدمات کا فیصلہ نبی اکرم ﷺ کی پیروی میں کرتے تھے۔ مصنف المبسوط لکھتا ہے۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَقْضِیْ وَالْخُلَفَاءُ بَعْدَہٗ (۱۹۸) (پہلے رسول اللہ ﷺ فیصلہ کیا کرتے تھے اور بعد میں خلفاء)۔

مصنف عمدۃ القاری لکھتے ہیں۔

اَوْلَی النَّاسِ بِالْقَضَاءِ اَلْخَلِیْفَةُ (۱۹۹) (سب لوگوں سے زیادہ فیصلہ کرنے کا حقدار خلیفہ ہوتا ہے)۔

حضرت ابو بکر جب عہد خلاف پر متمکن ہوئے تو پہلے خطبہ اجتماعی کیلئے اعلان کیا۔

حضرت ابو بکر کا فرمان ہے۔

قاضی عدالت کے معاملہ میں خلیفہ کے اثر سے آزاد ہے۔ اگر خلیفہ کسی فیصلے پر جمود کرے یا نظر ثانی کا حکم دے تو قاضی کو حق حاصل ہے کہ خلیفہ کے حکم کو مسترد کر دے(۲۰۰)۔

الضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح علیه حقه ان شاء الله والقوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق منه(۲۰۱).

تم میں سے کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک میں اسکا حق نہ دلاؤں۔ اور تم سے قوی ترین میرے نزدیک کمزور ہوگا جب تک میں دوسرے کا حق نہ لے لوں۔

دین اسلام میں قانون کو ہی بالا دستی حاصل ہے اور عدالت سربراہ مملکت کو طلب کر سکتی ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسی روشن مثالیں موجود ہیں۔

حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحابہ کرام نے عدل وانصاف کا حق ادا کیا اور عدل وانصاف کی اعلیٰ مثالیں قائم ہیں۔ وہ اپنے آپ کو قانون وانصاف کیلئے اسی طرح جوابدہ سمجھتے تھے جس طرح ایک ادنیٰ خادم۔

کتاب الاحوال میں ایک واقعہ درج ہے کہ حضرت عمر جابیہ کے مقام پر تھے کہ ایک ذمی بھاگتا ہوا آیا۔ اس نے

Marfat.com

بتایا کہ مسلمان بغیر اجازت کے دس باغ میں گھس کر انگور کھا رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر بات درست نکلی تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ باغ والوں کو انگور کی قیمت دی جائے (۲۰۲)۔ حضرت عمر اور حضرت علی کا انصاف ضرب المثل بن گیا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو شرعی سزا دے کر عدل کا بول بالا کیا (۲۰۳)۔ ایک دفعہ غسان کے فرمانروا جبلہ بن الیہم جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا طواف کعبہ کے وقت کسی بدو کو تھپڑ مار دیا۔ حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو آپ نے کہا "اگر تم نے ایسی حرکت کی ہے تو اسکا بدلہ لیا جائے گا (۲۰۴)"۔

ایک بار حضرت علی ایک مقدمے کے سلسلے میں قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے تو قاضی نے آپؓ کو ابو تراب کہہ کر پکارا حضرت علیؓ نے فرمایا تم نے مجھے کنیت سے کیوں پکارا۔ جو عزت کی علامت ہے۔ یہ بے انصافی ہے اتنی سی بات کو آپؓ نے عدل کے خلاف سمجھا اور قاضی کو مکمل انصاف برتنے کی نصیحت کی (۲۰۵)۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے۔ جب تک کسی شخص کے خلاف ایسے آدمی گواہی نہ دیں جن کی عدالت و دیانت ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے اس وقت اس پر کوئی تعزیز نہیں ہو گی (۲۰۶)۔ قتل نفس میں مسلمان اور ذمی ریت برابر قرار دی گئی۔ جیسا کہ امام اعظم نے تصریح فرمائی کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ یہودی اور نصرانی کی ریت مسلم کے ریت کے مثل ہے (۲۰۷)۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ قضا ایک فرض اور محکم ذمہ داری ہے ایک قانون ہے (۲۰۸)۔

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں کسی سے گھوڑا خریدا۔ سودا پکا ہو جانے کے بعد اس پر سوار ہو گئے۔ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور زخمی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے گھوڑا واپس کرنا چاہا لیکن مالک نے قیمت واپس کرنے اور گھوڑا واپس لینے سے انکار کر دیا۔ دونوں مدعی اور مدعا علیہ کی حیثیت سے قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی دعویٰ اور جواب دعویٰ سننے کے بعد حضرت عمر سے کہا "جو چیز آپ خرید چکے ہیں وہ اب آپکی ہے اگر واپس کرنا ہے تو اسی حالت میں واپس کیجئے جیسی خریدی تھی (۲۰۹)"۔

گویا صحابہ پر نبی اکرم ﷺ کا عکس تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی وہی ضابطہ اختیار کیا جو نبی اکرم ﷺ کا تھا۔ عدالت میں مدعا اور مدعا علیہ کو ایک نظر سے دیکھنے کی ہدایت کی۔ کمزور اور طاقتور کے درمیان امتیاز ختم کر کے ایک سلوک کا حکم دیا۔ عدل اجتماعی کی وہ اعلیٰ روایت قائم کی جو آج بھی سند ہے (۲۱۰)۔

اُمت مسلمہ اور عدل اجتماعی:

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۲۱۱)۔

اُمت مسلمہ کے اولین دور میں اسی طرح کا نظام عدل قائم کیا گیا۔ قضا اپنے فیصلے اپنے اجتہاد اور عقل کی روشنی میں کیا کرتے تھے۔ عدالت کا محکمہ اپنے اختیارات اور فرائض میں بالکل آزاد تھا (۲۱۲)۔

حکومت کے ذاتی رجحانات کا عدلیہ پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ عباسی عہد امام ابو یوسف قاضی القضا کے عہدے پر فائز ہوئے اور اس دور میں اجتماعی عدل مستحکم تھا (۲۱۳)۔

Marfat.com

کندی کا بیان ہے کہ قاضی کے ہاں جب کوئی شخص گواہی دیتا اور جو امامت میں مشہور ہوتا تو اس کی گواہی کو قبول کرلیتا۔ اگر گواہ غیر معروف ہوتا تو اس کے پڑوسیوں سے اس کے حالات دریافت کیے جاتے پھر عمل ہوتا (۲۱۴)۔

قاضی ابوخزیمہ بھی اسی قدر منصف مزاج تھے اگر وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوتے تو اس دن کی تنخواہ نہیں لیتے تھے۔

اُمت مسلمہ اس وقت بڑی طاقتوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ اس میں عدل و انصاف جیسی خوبی کا فقدان ہے۔ بڑی طاقتوں کا رویہ ظالمانہ، سفاکانہ اور غیر عادلانہ ہے۔ ان میں جسکی لاٹھی اُسکی بھینس کا اصول رائج ہے۔ اور مسلم ممالک کے خلاف برسر ظلم ہیں۔ لیکن دوسری طرف مسلمان مسلمان سے دست وگریباں، بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان ٹکڑوں میں تقسیم ہیں۔ اور اُمت مسلمہ کو غیروں کے سامنے ندامت کا سامنا ہے۔

اُمت مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ مساوات اور عدل اجتماعی کی وہ مثالیں جو نبی پاک، صاحب لولاک نے پیش کیں انہیں جاری و ساری رکھے۔ کیونکہ رب العزت کا یہی حکم ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (۲۱۵).

اسی ارشاد کے تحت اُمت مسلمہ کی ذمہ داری نیکی کو پھیلانا بدی سے روکنا ہے۔ اور بدی کو روکنا ظلم کو روکنا اور نیکی پھیلانے کیلئے عدل و انصاف ضروری ہے۔ یہ انصاف گھر کی چار دیواری سے شروع ہر کر خاندانوں بستیوں سے ہوتا ہوا ملکوں اور قوموں تک وسعت اختیار کرے اور عالمی سطح تک عدل و انصاف کے پہنچانے سے ایک جیسے ہونے چاہیے۔ امن کے دعویداروں کا رویہ غیر عادلانہ نہیں ہونا چاہیے۔ جب عالمی سطح پر عدل کا فقدان ہوگا تو ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگی۔ کیونکہ جس معاشرے میں عدل نہیں وہاں امن وسکون کا خواب زمین شور میں سبزہ اُگانے کے برابر ہے۔

اگر اُمت مسلمہ قرآن کی عطا کردہ ابدی اقدار اور نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں معاشرے میں عدل و انصاف کو فروغ دے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان روئے زمین کی سب سے بڑی طاقت نہ بن جائیں (۲۱۶)۔

صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، عدل و انصاف تاہم محبت و شفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کیلئے ہر مسلمان انفرادی سطح پر ان کا عملی نمونہ بن جائے (۲۱۷)۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان دین کا سچا داعی اور عدل و انصاف کا پاسدار بن جائے۔

اگر اُمت مسلمہ کا جسم و روح دونوں صحیح معنوں میں سیرت مصطفیٰ ﷺ کی پیروی میں لگ جائیں تو جہاں میں ہدایت کا چراغ بن جائے۔ اور وہ جہاں بھی جائے اس کے اردگرد کا ماحول اس کا کردار اور اس کے پاکیزہ الفاظ سے جگمگائے۔ وہ حضور ﷺ کے پیغام سیرت اور صفات داعی بن کر حق و انصاف کا پیغام گھر گھر پہنچائے۔

خلاصہ بحث

الغرض نبی اکرم ﷺ نے صدیوں سے ظلم وستم کی تاریکیوں میں ڈوبی تشدد، بہمیت اور درندگی کا شکار انسانیت کو اتحاد و مساوات، اخوت و بھائی چارہ، رواداری، برداشت اور عدل و انصاف کے جوہر سے مالا مال کیا۔ خود قرآن کے احکام کا عملی

Marfat.com

نمونہ بن کر وہ معاشرہ قائم کر دکھایا جس پر انسانیت قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔

آپ ﷺ صرف ایک پیغمبر نہیں بلکہ عادل اور منصف بھی ہیں۔ انسانیت کے دکھوں اور غموں کا مداوا بھی ہیں۔ اسوۂ نبوی میں آپ ﷺ نے بتا دیا کہ دین اسلام ہی وہ چراغ ہے جو بے حسی، قتل و غارت کی خون آشام آندھیوں کا مقابلہ کر کے معاشرے کو عدل و انصاف کے نور سے معمور کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو انصاف کا وہ نظام دیا جس کے تحت ایک آدمی خلیفہ وقت سے باز پرس کر سکتا ہے۔

میدان عرافات میں ایسی برابری اور عدل اجتماعی کا نمونہ نظر آتا ہے جہاں بادشاہ و غلام، کالا اور گورا ایک جیسی دو چادروں میں لبیک اللّٰھم لبیک کی صدا بلند کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کے جانی دشمن آپ ﷺ کے عدل و انصاف کی قدر کرتے تھے۔ آپ ﷺ مظلوموں کی فریاد سن کر دادرسی کرتے۔ اسلامی معاشرہ نے اگر ترقی کی تو نبی اکرم ﷺ کے عدل و احسان کے صدقے میں۔

آج ہم اسی عدل و انصاف کو سامنے رکھیں گے تو آگے بھی بڑھیں گے اور اسوہ رسول ﷺ پر چلنے کا حق بھی ادا کر سکیں گے۔

لہٰذا جذبات کی اُلجھن میں احساسات کی گھٹن میں خواہشات کی طوفانی لہروں، تمناؤں کے ہجوم میں آرزوں کے سیلاب میں محبت ونفرت کے اُبلتے جذبات میں اگر ہم چاہیں کہ ہمارا ضمیر مطمئن رہے۔ ہمارا مزاج اعتدال میں رہے کوئی قدم اُٹھانے کے بعد ہمیں ظلم و زیادتی کی وجہ سے شرمندگی نہ ہو تو ضروری ہے کہ کالی کملی والے کا دامن مضبوطی سے تھام لیں۔ اپنی زندگی زیادتی و نا انصافی کے بجائے انصاف کے رنگ میں رنگ لیں۔ تو یقیناً اللہ ہمیں ظالموں سے محفوظ رکھے گا جسطرح خانہ کعبہ کو اصحاب فیل سے بچایا تھا۔ اگر ہم راہ عدل پر چلنے لگے تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اور آخرت کی سعادتوں کو سمیٹ لیں۔ ہمہ وقت ہر فرعون کے ظلم کو روک سکتے ہیں۔ الطاف خداوندی کے حق دار بن سکتے ہیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہو گی ترنم آفریں باد بہار
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
پھر جبینِ خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

حواشی وحوالہ جات

۱- فیروز اللغات، فیروز سنز اُردو بازار لاہور۔ ......۲- فتح الباری جلد ۱۰ ص ۳۶۸۔ ......۳- Equal treatment between human and nations, Oxford Dictionary ......۴- راغب اصفہانی، مفردات قرآن کشمیر بلاک ٹاؤن لاہور۔ ...... ۵- ایضاً۔ ...... ۶- راغب اصفہانی مفردات قرآن جلد دوم ص ۶۷۶ کشمیر بلاک ٹاؤن لاہور۔ ...... ۷- ایضاً۔ ...... ۸- البقرہ۔۴۲۔ ...... ۹- ایضاً۔ ...... ۱۰- راغب اصفہانی مفردات قرآن جلد دوم ص ۶۷۶ کشمیر بلاک ٹاؤن لاہور۔ ......۱۲- صحیح مسلم کتاب الاول۔ ......۱۳- متفق علیہ من حدیث علیؓ و فی مسند عبدالرزاق العدل فریضہ ومن حدیث انس و حدیث انس و ابی ہریرہ۔ ......۱۴- امام راغب اصفہانی، المفردات قرآن، جلد دوم ص ۶۷۷، شیخ شمس الحق کشمیر بلاک

Marfat.com

لاہور۔ ...... ۱۵- ایضاً۔ ...... ۱۶- کشف المحجوب۔ ...... ۱۷- ایضاً۔ ...... ۱۸- امام راغب اصفہانی، المفردات قرآن۔ ...... ۱۹- سورہ لقمان ۳۔۳۱۔ ......
۲۰- صحیح مسلم، باب التحریم الظلم۔ ...... ۲۱- ایضاً۔ ...... ۲۲- غلام رسول، اسلام کا معاشرتی نظام، شیخ بشیر اینڈ سنز اُردو بازار لاہور۔ ...... ۲۳- المائدہ۔۵۔
...... ۲۴- چوہدری غلام رسول، اسلام کے کارہائے نمایاں، علی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۰ص ۲۲۱۔ ...... ۲۵- صحیح بخاری و صحیح باب تحریم الظلم۔ ۲۶-
چوہدری غلام رسول، اسلام کے کارہائے نمایاں، علی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۰ص ۴۸۷۔ ...... ۲۷- ایضاً ص ۲۵۰۔ ...... ۲۸- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ،
شیخ غلام علی اینڈ سنز، اُردو بازار لاہور ص ۳۱۲۔ ...... ۲۹- کتاب الاسماء الصفات بیہقی ص ۶۱ آلہ آباد۔ ...... ۳۰- سورہ مومن ۲۰۔ ...... ۳۱- سورہ احزاب
۴۔ ...... ۳۲- سورہ انعام۔ ...... ۳۳- سورہ الحجرات ۴۹۔۳۔ ...... ۳۴- مشکاۃ المصابیح، کتاب الاداب کراچی قدیمی کتب خانہ ۳۹۷۲۔ ...... ۳۵- بیہقی
السنن کتاب الایمان۔ ...... ۳۶- صحیح البخاری کتاب المساقلت۔ ...... ۳۷- بخاری ابواب مناقب۔ ...... ۳۸- سورہ النساء۔۱۳۵۔ ...... ۳۹- سید سلیمان
ندوی سیرت النبی ﷺ۔ ...... ۴۰- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، جلد دوم فیروز سنز کراچی ۱۹۶۲ ص ۲۱۳۔ ...... ۴۱- البقرہ۔۲۸۴۔ ...... ۴۲- سورہ لقمٰن
۳۱۔۳۰۰۔ ...... ۴۳- سورہ الانعام ۶۔۶۵۔ ...... ۴۴- الذریت۔ ۵۔۱۹۔ ...... ۴۵- یوسف امین، اسلام کا معاشی نظام۔ص ۴۳۔ ...... ۴۶- چوہدری غلام
رسول، اسلام کا سیاسی نظام، علمی کتب خانہ لاہور ص ۲۳۶۔ ...... ۴۷- سورہ البقرۃ۔۲۱۹۔ ...... ۴۸- سورہ یونس۔۶۔ ...... ۴۹- سورہ النساء۔۴۔ ......
۵۰- سورہ البقرۃ۔۱۴۳۔ ...... ۵۱- سورہ النساء۔۳۰۔ ...... ۵۲- آل عمران۔۲۔۱۸۔ ...... ۵۳- سورہ النساء۔۳۱۔ ...... ۵۴- ثانی حافظ تجلیات رسالت،
فضلی سنز اُردو بازار لاہور ص ۱۰۔ ...... ۵۵- ایضاً ص ۱۰۹۔ ...... ۵۶- صحیح بخاری باب العدل ۳۱۰۱۔ ...... ۵۷- صحیح بخاری و مسلم۔ ...... ۵۸- البقرہ۔۴۔
...... ۵۹- یجروید۔۵۱۳۔ ...... ۶۰- ڈاکٹر سیف الدین، ماہنامہ فاران سیرت نمبر کراچی جنوری ۱۹۰۶۔ ...... ۶۱- یجروید اودھیا ۱۳ منتر۔ ...... ۶۲- یجروید
اودھیا منتر ۱۲۔ ...... ۶۳- یجروید ۱۵، ۱۷ و ۱۹۔ ...... ۶۴- منوشاستر باب اول۔ ...... ۶۵- سام وید منتر ۱۰۔ ...... ۶۶- منوشاستر باب دہم۔ ۶۷-
سورہ آل عمران ۱۱۲۔ ...... ۶۸- ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کا سیاسی نظام، علمی کتب خانہ لاہور، ص ۲۳۰۔ ...... ۶۹- Encyclopedia of Jews
Religion 1965۔ ...... ۷۰- سورہ البقرہ۔ ...... ۷۱- نیازی، ڈاکٹر لیاقت علی خان، مطالعہ سیرت پروگیسو پبلشر میانوالی ۱۹۹۰ ص ۱۱۴۔ ۷۲-
بوڈلے آروی سی محمد رسول اللہ ﷺ ص ۱۶۷۔ ...... ۷۳- ایضاً ص ۱۲۹۔ ...... ۷۴- ایضاً۔ ...... ۷۵- ابوالحسن ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و
زوال کا اثر، مجلس نشریات کراچی ص ۴۷۔ ...... ۷۶- ایضاً۔ ...... ۷۷- رضوی، سید واجد علی، رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں ص ۲۷۲۔ ۷۸-
الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیا النبی ﷺ ۱۹۵۱۔ ...... ۷۹- ایضاً۔ ...... ۸۰- سورہ البقرہ۔ ...... ۸۱- سورہ النصر، آیت ۱۶۔ ...... ۸۲- ایضاً۔ ...... ۸۳- سورہ
توبہ، آیت ۳۳۔ ...... ۸۴- سورہ فاتحہ۔۷۔ ...... ۸۵- حافظ ثانی، تجلیات سیرت، فضلی سنز اُردو بازار کراچی۔ ...... ۸۶- ترمذی سنن جلد ۵ ص ۶۶۵۔
...... ۸۷- غلام احمد حریری، اسلام کے کارہائے نمایاں، مرکزی کتب خانہ لاہور ص ۲۰۴، ۲۰۶۔ ...... ۸۸- Anold T.W The Preaching of
Islam P. 424۔ ...... ۸۹- ایضاً۔ ...... ۹۰- De lacy, oleavy, Islam ate the crossreads, London 1923, P.8۔
...... ۹۱- T.W. Anold, Preaching of Islam, London 1913, P. 91۔ ...... ۹۲- Karen Armstrong,
Muhammad A Westren Attempts to Understanding Islam, P.266۔ ...... ۹۳- حافظ ثانی تجلیات سیرت، فضلی سنز
اُردو بازار کراچی ص ۱۰۱۔ ...... ۹۴- عیسائی پادری والٹر پیسن ڈی ڈی۔ ...... ۹۵- B.D. Artical۔ ...... ۹۶- Mahatma Gandhi,
Speaking on the Character of Muhammad (PBUH)۔ ...... ۹۷- ایضاً۔۹۹۔ ...... ۹۸- رسالہ پیشوا، ۱۳۵۷ھ رسول نمبر
۱۲۸۔ ...... ۹۹- رسالہ پیشوا، ۱۳۵۷ھ رسول نمبر ۱۲۹۔ ...... ۱۰۰- Edrward Gibbin, P. 118۔ ...... ۱۰۱- Prof. Hurgronje, The
Realization of the Ideas of League of Mations, P.4۔ ...... ۱۰۲- محمۃ القاری، ص ۲۱۹۔ ...... ۱۰۳- سورہ نحل۔ ۱۶۔۹۔ ......
۱۰۴- سورہ الممتحنہ۔ ۸۔ ...... ۱۰۵- سورہ النساء۔ ...... ۱۰۶- سورہ انعام آیت ۱۱۴۔ ...... ۱۰۷- ایضاً۔ ...... ۱۰۸- سورہ النساء۔ ۱۲۷۔ ...... ۱۰۹- سورہ
الانعام۔۱۵۳۔ ...... ۱۱۰- سورہ النساء ۴، ۱۳۵۔ ...... ۱۱۱- سورہ المائدہ۔۵۔۸۔ ...... ۱۱۲- سورہ النساء۔۵۸۔ ...... ۱۱۳- سورہ البقرہ۔۲۹۳۔ ۱۱۴-
سورہ البقرہ ۲۸۳۔ ...... ۱۱۵- سورہ النساء ۳۰۔ ...... ۱۱۶- سورہ آل عمران۔۸۔ ...... ۱۱۷- سورہ آل عمران۔۱۳۴۔ ...... ۱۱۸- سورہ المائدہ۔ ۱۱۹-
سورہ الانفال۔۴۱۔ ...... ۱۲۰- سورہ البقرہ۔ ...... ۱۲۱- سورہ النساء۔ ...... ۱۲۲- نعیم صدیقی، محسن انسانیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۵ ص ۵۲۔ ......
۱۲۳- ایضاً۔ ...... ۱۲۴- مترجم محمد امین بٹ، فہد پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴۔ ...... ۱۲۵- سراج منیر، ملت اسلامیہ، تہذیب و تقدیر، ص ۱۷۲۔ ...... ۱۲۶- پروفیسر

Marfat.com

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مسز طاہرہ فردوس۔ کوئٹہ

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ کسی حصے میں کمی بیشی نہ ہو اسے عربی میں عدل کہتے ہیں(۱)۔عدل ایک مثبت صفت ہے جس سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔عدل ہی وہ جوہر ہے جس سے نظام حیات قائم ہے۔اس کے بغیر فرد اور معاشرہ فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔عدل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کے (۹۹) ناموں میں سے ایک نام "عدل" (عدل والا) بھی ہے۔علماء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ "اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے،وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے(۲)۔" قرآن پاک میں اس بات کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔سورۃ غافر میں قیامت کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حقانیت کا ذکر ان الفاظ میں ہوا۔

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ﴾(۳)

"اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے"

اسی طرح اس کی بات حق ہے۔وہ جو کہتا ہے اس میں حق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ﴾(۴)

"اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾(۵) (اور تیرے رب کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ پوری ہوگئی)۔

چونکہ کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی عدل واحسان سے کام لیں۔فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۶) (بے شک اللہ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے)۔

عام طور پر عدل کو ایک قانونی قدر کہا جاتا ہے اور اسے اخلاقی فضیلت کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ یہ ایک اخلاقی فضیلت ہے۔اس کی غیر موجودگی اجتماعی زندگی کو فساد سے دوچار کر دیتی ہے۔معاشرہ ظلم کا شکار ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ عدل ایک ایسی اخلاقی فضیلت ہے جس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔عدل اجتماعی زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اسلام نے عدل واحسان کے امتزاج سے نیا نظام تشکیل دیا ہے جو ایک طرف اجتماعی زندگی کا تحفظ کرتا ہے تو دوسری طرف فرد اور معاشرے کے اخلاقی مزاج کو تقویت دیتا ہے۔عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو۔دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ان تمام آراء کے تناظر میں یہ بات واضح ہے۔کہ عدل کا دائرہ وسیع ہے۔جو زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔لفظ عدل کو محض مقدمات کے فیصلے تک ہی محدود کر

Marfat.com

دینا بذاتِ خود عدل کے منافی ہے۔رسول اللہ کی عملی زندگی کے تناظر میں بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آپؐ کے ہاں عدل کا تصور انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک،گھر سے بازار تک،بازار سے عدلیہ کے درودیوار تک اور پھر حکومت کے ایوانوں حتیٰ کہ مساجد و مکتب کی زندگی سب میں عدل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔آپؐ کی تعلیمات میں عدل ایسا ستون ہے جن پر معاشرتی فلاح اور اصلاح کا دارومدار ہے۔عدل فرض ہے جب کہ احسان نفل یعنی"پسندیدہ" امر ہے۔

عدل اجتماعی کا حقیقی تصور

عدل کا پہلا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے مابین عدل کرے،مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنے نفس پر اور اللہ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اللہ کے احکام کی مکمل تعمیل کرے اور ممنوعات و محرمات سے پوری طرح بچتا رہے۔

عدل کا دوسرا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے،یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت کا پہلو نکلتا ہو۔

عدل کا تیسرا تصور یہ ہے کہ انسان اللہ کی ساری مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی سے پیش آئے اور کسی معمولی سے معمولی معاملے میں بھی کسی معاملے کا فیصلہ کرانے کی غرض سے آئیں، تو ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کرے۔ذاتی رجحان،ذاتی میلان یا قرابت داری کی عصبیت آڑے نہ آئے۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال،عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔

حضرت محمدؐ نے اجتماعی عدل کا یہ اصل الاصول بتایا ہے کہ''دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تم سے سلوک کریں''۔

ظاہر ہے انسان طبعاً چاہتا ہے کہ لوگ اس سے احسان یا حُسن سلوک کریں اور بالفرض اگر ایسا نہیں کرتے تو عدل تو بہرحال کریں۔عدل بلاشبہ ایک جمالیاتی قدر ہے۔یہ مقتضائے فطرت انسانی اور مشیت ایزدی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اور انسان کی نظر میں احسان کی قدرواہمیت عدل سے زیادہ۔وجہ یہ ہے کہ عدل سے انسان کو وہ کچھ ملتا ہے جس کا وہ حقدار ہوتا ہے اور اسے وہ کچھ دینا پڑتا ہے جو اس پر واجب ہوتا ہے۔لیکن احسان ایک سے زائد جمالیاتی اقدار کا حامل ہے۔لہٰذا اس سے انسان کو عدل سے زیادہ خیرو حسنہ ملتی ہے۔یہاں اس لطیف نکتے کی وضاحت کر دی جاتی ہے کہ قرآن حکیم محض سماجی عدل Social Justice کا نہیں، عدل مطلق(Absolute Justice) کا حکم دیتا ہے اور اس پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ عدلِ مطلق یعنی کل زندگی پر حاوی عدل کے علاوہ احسان کا بھی حکم دیتا ہے(۷)۔

اسلام کے نزدیک معاشرتی احسان کی ایک حسین صورت حسن خلق ہے۔جس کی غیر معمولی اہمیت وفضیلت کا اندازہ آپؐ کے اس ارشاد سے با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ "حسنات یا نیکیوں میں سے سب سے زیادہ وزنی نیکی حسن خلق ہے"۔ احسان کی اصطلاح میں تکریم انسانی، حسن تخاطب،خندہ پیشانی، حسنِ معاملہ،حسن ظنی،اسلام و دعا،مصافحہ و معانقہ،عیادت و تعزیت، ہمدردی وغمگساری،حسن معاونت ونصرت، ایثار وقربانی وغیرہ وغیرہ کا معنی ومفہوم پایا جاتا ہے۔

Marfat.com

عدل کا فریضہ پہلے پہل رسالت مآب نے خود انجام دیا ہے۔آپؐ اسلام میں پہلے قاضی اور منصف رہے ہیں۔ چونکہ آنحضرتؐ نبی اور رسول ہیں۔اس لئے آپؐ کے فیصلوں کو بھی قطعیت حاصل رہی ہے۔کیونکہ آپ سے بالاتر کسی کو آپ کے فیصلوں کی چھان بین کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ آپ کے فیصلے مکمل طور پر انصاف پر مبنی رہے ہیں کہ جن سے فریقین ہمیشہ مطمئن ہو کر گئے ہیں۔اس طرح سے رسالت مآبؐ کی حد تک عہدہ قضا کی ہر دو حیثیات یعنی اختیار سماعت اپیل واختیار نگرانی ونظر ثانی بھی آنجنابؐ کے پاس ہی رہی ہے۔آپؐ نے اس فریضے کو بہ تمام وکمال انجام دیا ہے۔آپؐ نے فیصلوں سے کسی کے ماتھے پر کبھی شکن نہیں آئی۔ یہاں تک کہ کفار اور یہود بھی آپؐ کے احکام سے مطمئن ہو جاتے تھے۔آنحضرتؐ نے غیر مسلموں کے فیصلوں میں بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھا ہے۔ان کے درمیان فیصلہ کرتے وقت ان کی روایات کا خاص طور پر خیال فرماتے تھے۔احادیث میں آیا ہے کہ "ایک یہودی عورت زنا کے الزام میں پیش ہوئی آپؐ نے اس کے دینی رہنما کو بلوایا اور دریافت کیا کہ ان کے ہاں کیا سزا موجود ہے۔پھر انہی کے دینی احکام کے مطابق حکم صادر فرمایا۔" یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ غیر مسلموں کے آپس کے معاملات میں ان پر اسلامی قوانین کو مسلط نہیں کیا جا سکتا (۸)۔

عدل اجتماعی کی اہمیت

کسی بھی ریاست کا سب سے اہم شعبہ "عدل" ہوتا ہے۔قوانین خواہ کتنے ہی عمدہ اور بہترین کیوں نہ ہوں اور انتظامیہ کیسی ہی مضبوط اور طاقتور کیوں نہ ہو، جب تک تنازعات کا فیصلہ صحیح اور بروقت نہ ہو۔حق دار کو اس کا حق نہ دلوا دیا جائے اور ظالم کو ظلم سے نہ روکا جائے اس وقت تک ریاست میں امن کا قیام محال ہے۔ جو لوگ عدل و انصاف کو تباہ کرتے ہیں انکو عدل تباہ و برباد کر دیتا ہے اور جو لوگ عدل و انصاف قائم کرتے ہیں تو ان کی عدل و انصاف حفاظت کرتے ہیں۔ اسلام نے عدل کے بارے میں اجمالی تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف کا حکم فرمایا۔یعنی عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے عدل و انصاف کا مطالبہ کیا۔

ناپ تول میں عدل کو ضروری قرار دیا (۹)۔جیسے کتابت معاہدہ، عدل کے ساتھ دستاوی لکھوانا، عدل و انصاف کی گواہی دینا۔گویا قرآن نے عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا اور بتایا کہ ایک مسلمان کے قول وفعل معاشرتی اور معاشی زندگی اور سیاسی وعمرانی زندگی میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہونا ضروری ہے۔خصوصی طور پر عدالتی زندگی میں تو ظالم و مظلوم کو عدل ملنا ضروری ہے۔کسی غریب و بے کس پر اس کی غربت اور بے کسی پر ترس کھا کر عدل کے خلاف فیصلہ کرنا بظاہر نیکی کا کام دکھائی دیتا ہے۔لیکن درحقیقت یہ ایک مقدس فریب ہے جو شیطان انسان کے ذہن میں ڈالتا ہے۔فیصلہ میں ترس کھا کر بے ایمانی کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کسی کی خاطر میں رکھ کر یا کسی بزرگی کو مان کر یا کسی شخص کو بڑائی سے مرعوب ہو کر بے ایمانی کرنا ہے۔غرض یہ کہ عدل و انصاف کی راہ میں اچھا یا برا جذبہ حاکم کے لئے ٹھوکر کا پتھر نہ بنے (۱۰)۔

دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا بھی ایک عدالتی معاملہ ہے اس لئے اس میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔یہ حکم اس حالت میں دیا گیا ہے جب تلواریں نیام سے نکل چکی ہوں۔اور ایک دوسرے کے سردار سینہ پر گر رہی ہوں یعنی اس وقت جب عقل کی قوت اور نیکی کی استعداد کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو۔اس عالم میں بھی اہل اسلام

Marfat.com

عبدالماجد، عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں، ص ۱۱۴۔ ...... ۱۲۷- سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، لاہور ادارہ اسلامیات، ص ۱۴۳۔ ...... ۱۲۸- ایضاً۔ ...... ۱۲۹- سورہ ابراہیم۔ا۔ ...... ۱۳۰- سورہ الاعراف۔۱۵۷۔ ...... ۱۳۱- ابوالحسن ندوی، اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۱۳۸۔ ......۱۳۲- ایضاً۔ ......۱۳۳- ابوالحسن ندوی، اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثر، ص ۱۱۰۔ ......۱۳۴- سید سلیمان ندوی، انسانی دنیا پر مغرب کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۰ ص ۳۱۔ ...... ابوالحسن ندوی، اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۱۱۳۔ ...... ۱۳۶- ایضاً۔ ...... ۱۳۷- ایضاً۔ ...... ۱۳۸- علامہ اقبال، کلیات اقبال، غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۹۶ ص ۲۰۵۔ ...... ۱۳۹- خورشید گیلانی، فکر اسلامی، لاہور خورشید گیلانی ٹرسٹ، ۲۰۰۳ص ۱۰۔ ...... ۱۴۰- ایضاً ص ۱۱۔ ...... ۱۴۱- ایضاً۔ ......۱۴۲- ایضاً۔ ......۱۴۳- ترمذی، باب اولاد، ۲۱۱۰۔ ......۱۴۴- صحیح مسلم، باب الادب۔ ...... ۱۴۵- نعیم صدیقی، حسن انسانیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ص ۱۲۸۔ ...... ۱۴۶- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، فیروز سنز لاہور جلد اوّل ۴۹۰۔ ...... ۱۴۷- ایضاً۔ ...... ۱۴۸- مولانا مودودی، سرور عالم ﷺ ۱۶۱۔ ...... ۱۴۹- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز اُردو بازار لاہور ص ۲۴۰۔ ...... ۱۵۰- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۲۸۔ ...... ۱۵۱- السہیلی الروض الانف ج ا۔ ......
۱۵۲- ڈاکٹر حمید اللہ، حضور ﷺ کا سیاسی نظام اُردو بازار لاہور ص ۱۲۲۔ ......۱۵۳- سنن ابی داؤد ۱۲۸۔ ......۱۵۴- سورہ المائدہ۔ ...... ۱۵۵- جعفری رئیس، احمد، اسلام اور مذہبی رواداری ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ص ۱۹۸۔ ...... ۱۵۶- الازہری، قاضی مجیب الرحمان، تاریخ اسلام، اسلامک پبلیشرز لاہور ص ۱۲۱۔ ...... ۱۵۷- محمد رؤف، المناوی، شرح فیض القدیر شرح جامع الغیر بیروت ۱۹۷۲ ص ۱۴۷۔ ...... ۱۵۸- ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی، مترجم ڈاکٹر سعید الرحمان، مغازی رسول ﷺ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷۔ ...... ۱۵۹- عبدالرحمان، اسلام میں مذہبی رواداری، اسلامک پبلیکیشنز لاہور۔ ......
۱۶۰- حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، ص ۱۳۶۔ ...... ۱۶۱- اُردو دائرہ معارف الاسلامیہ جلد ۱۹، ص ۲۲۱۔ ......۱۶۲- سورہ الممتحنہ۔۸۔ ......۱۶۳- محمد یحییٰ، پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں، ص ۱۶۶۔ ......۱۶۴- جارما ڈیوک پکھتال، اسلامی ثقافت، ص ۵۸۔ ...... ۱۶۵- ظفیر الدین، اسلام کا نظام امن، ص ۱۵۸۔ ...... ۱۶۶- صحیح بخاری و مسلم۔ ...... ۱۶۷- مستدرک الحاکم، المکاتب، حیدر آباد دکن، جلد ۱۲، ص ۲۱۷۔ ...... ۱۶۸- ایضاً۔ ۱۶۹-
Thoms, Claye, in -۱۷۰ ...... Haward, Gibbion, History Sacacen Epiros, 1870, London, P.276
-۱۷۲......۔ Lamartine, History De la Tarquie, 1954, Paris Vol II, p. 277 ......۱۷۱- امیر علی، روح اسلام، ص ۴۲۳۔
ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور جلد دوم، ص ۳۸۱۔ ......۱۷۳- ایضاً۔ ......۱۷۴- شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ جلد دوم، ص ۱۳۰۔ ...... ۱۷۵- ایضاً۔ ...... ۱۷۶- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، جلد دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز اُردو بازار لاہور، ص ۲۷۲۔ ...... ۱۷۷- ایضاً ۱۷۹۔ ......
۱۷۸- ایضاً ۱۷۱۔ ...... ۱۷۹- سورہ البقرہ۔۲۵۶۔ ......۱۸۰- سورہ اعراف۔۱۷۲۔ ...... ۱۸۱- سورہ شوریٰ۔۴۵- ......۱۸۲- شیریں ٹی ہنٹر، دی فیوچیر آف اسلام اینڈ دی ویسٹ، ص ۲۴۔ ......۱۸۳- سید اسعد گیلانی، حضور ﷺ کی حکمت، لاہور ادارہ ترجمان القرآن، طبع دوم ص ۵۰۔ ......۱۸۴- ایضاً ص ۵۱۔ ...... ۱۸۵- عمدۃ القاری، عیسیٰ، جلد ۱۱، صفحہ ۴۱۶۔ ...... ۱۸۶- مشکاۃ، کتاب الحدود ص ۳۱۳۔ ...... ۱۸۸- صحیح بخاری، اقامۃ الحد علی والوضیع و شریف۔ ...... ۱۸۹- تاریخ اسلام، غلام احمد، علمی کتب خانہ لاہور۔ ۲۲۰۔ ......۱۹۰- سورہ الحجرات۔۴۹- ......۱۹۱- المبسوط جلد ۱۶، ص ۶۶۔ ......۱۹۲- عمدۃ القاری جلد اول۔ ......۱۹۳- المبسوط جلد ۱۶۔ ......۱۹۴- ایضاً۔ ...... ۱۹۵- عمدۃ القاری جلد ۱۱۔ ...... ۱۹۶- موطا امام مالک۔ ...... ۱۹۷- المبسوط جلد ۱۶، ص ۸۶۔ ...... ۱۹۸- عمدۃ القاری جلد ۱۱، ص ۱۱۔ ...... ۱۹۹- ابن ہشام، امر سقیفہ بنی ساعدہ۔ ...... ۲۰۰- فتاوی عالمگیری، باب خامس، کتاب آداب قاضی۔ ...... ۲۰۱- المبسوط، جلد ۱۶، ص ۸۶۔ ......۲۰۲- ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اُردو بازار لاہور ۲۸۱۔ ......۲۰۳- المبسوط جلد ۱۶، ص ۸۷۔ ......۲۰۴- ایضا ...... ۲۰۵- ایضاً۔ ...... ۲۰۶- تاریخ العقاء فی الاسلام ۱۹۳۷۔ ...... ۲۰۵- فتح القدیر جلد ۲۔ ...... ۲۰۸- المبسوط، ص ۶۰۔ ...... ۲۰۹- تاریخ اسلام، رشید احمد قاسمی، قریشی پبلشرز لاہور، ص ۲۵۶۔ ...... ۲۱۰- علامہ اقبال۔ ...... ۲۱۱- ایضاً۔ ......۲۱۲- کتاب القضا، ص ۵۶۴۔ ......۲۱۳- ایضاً۔ ......۲۱۴- سورہ آل عمران ۱۱۰۔ ...... ۲۱۵- ایضاً۔ ...... ۲۱۶- ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، کراچی ص ۷۹۔ ......
۲۱۷- ایضاً ص ۱۲۵۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مسز طاہرہ فردوس۔ کوئٹہ

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ کسی حصے میں کمی بیشی نہ ہو اسے عربی میں عدل کہتے ہیں(۱)۔عدل ایک مثبت صفت ہے جس سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔عدل ہی وہ جوہر ہے جس سے نظام حیات قائم ہے۔اس کے بغیر فرد اور معاشرہ فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔عدل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کے (۹۹) ناموں میں سے ایک نام "عدل" (عدل والا) بھی ہے۔علماء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ "اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے،وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے(۲)۔" قرآن پاک میں اس بات کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔سورۃ غافر میں قیامت کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حقانیت کا ذکر ان الفاظ میں ہوا۔

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ﴾(۳)

''اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے''

اسی طرح اس کی بات حق ہے۔وہ جو کہتا ہے اس میں حق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ﴾(۴)

"اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾(۵) (اور تیرے رب کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ پوری ہوگئی)۔

چونکہ کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی عدل واحسان سے کام لیں۔فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۶) (بے شک اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے)۔

عام طور پر عدل کو ایک قانونی قدر کہا جاتا ہے اور اسے اخلاقی فضیلت کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا۔حالانکہ یہ ایک اخلاقی فضیلت ہے۔اس کی غیر موجودگی اجتماعی زندگی کو فساد سے دوچار کر دیتی ہے۔معاشرہ ظلم کا شکار ہو جاتا ہے۔بلاشبہ عدل ایک ایسی اخلاقی فضیلت ہے جس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔عدل اجتماعی زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔اسلام نے عدل و احسان کے امتزاج سے نیا نظام تشکیل دیا ہے جو ایک طرف اجتماعی زندگی کا تحفظ کرتا ہے تو دوسری طرف فرد اور معاشرے کے اخلاقی مزاج کو تقویت دیتا ہے۔عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو۔دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ان تمام آراء کے تناظر میں یہ بات واضح ہے۔کہ عدل کا دائرہ وسیع ہے۔جو زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔لفظ عدل کو محض مقدمات کے فیصلے تک ہی محدود کر

Marfat.com

سے یہ کہا گیا کہ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور اگر (تم) مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے تم (بھی) لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خداوندی کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب وہ رجوع کرے تو دونوں میں برابری اور عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔(۱۱)

حضور اکرمؐ کا بلا امتیاز عدل:

حضور اکرمؐ صفت عدل کا مظہر تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرۃ العرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمہ داری آپؐ پر آ پڑی تھی۔ آپؐ اذیت و مصائب اور تصادم کے جس مراحل سے گزرے تھے ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپؐ منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے لیکن آپؐ کے حسن اخلاق نے عدل و انصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔
آنحضورؐ کے سامنے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم رہا۔ جس میں عدل قائم کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ عدل چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو کہ یہی تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔"(۱۲)

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ الا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو توڑا ہو۔ تو اس کو (قانوناً) سزا ملی ہو(۱۳)۔

لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کیلئے آپؐ نے جس طرح اہتمام کیا اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔
اسی طرح فاطمہ مخزومیہ کا واقعہ مشہور ہے۔ آپؐ نے سزا کا فیصلہ دیا تو آپؐ کے محبوب خاص اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی جس پر آپ کو غصہ آیا اور فرمایا۔

"بنی اسرائیل اس لئے تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے۔"(۱۴)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کی خدمت میں قصاص کا کوئی مقدمہ پیش ہوتے نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس میں آپؐ نے عفوو درگزر کا مشورہ نہ دیا ہو(۱۵)۔

عدل و احسان دراصل عفوو انتقام کے درمیان اعتدال کی راہ ہے۔ اور دونوں کی جامعیت سے ایک ایسی اخلاقی فضا قائم ہوتی ہے جو انسانی قدروں کے تحفظ اور لطیف احساسات کی پرورش کا باعث ہوتی ہے۔
ایک منصف اور عادل حاکم کے بارے میں حدیث روایت ہے۔

" کہ قیامت کے روز سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا جب کہ اللہ کے سایہ کے سوا اور

Marfat.com

کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سب سے پہلا شخص عدل و انصاف کرنے والا امام اور حاکم ہے"(١٦)

سیرت اور حدیث میں آپؐ کے عدل و انصاف کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔ اور آپؐ کے فیصلوں اور ان واقعات کی روشنی میں ہر شخص یہ بات کہنے پر مجبور ہے کہ آپؐ نے کبھی کوئی عدل کے خلاف کام نہیں کیا، نہ کسی سے انتقام لیا نہ ہی اپنے مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دی اور نہ ہی دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیا بلکہ آپؐ نے عدل و انصاف کی شان دار اور روشن مثالیں قائم کیں۔ قبیلہ مخزوم کے سردار کی بیٹی فاطمہ کا واقعہ بہت مشہور ہے اس نے چوری کی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کے کہنے پر سرکار دو عالمؐ کے محبوب اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی جس پر آپ کو غصہ آیا اور فرمایا۔

> "تم سے پہلے لوگ صرف اسی لیے تباہ اور ہلاک ہوئے کہ جب کوئی وضع دار شخص ان میں چوری کرتا تو اس پر قانون لاگو نہ کرتے اور جب کوئی غریب وفادار شخص چوری کرتا تو قانون حرکت میں آتا اور اس پر حد جاری کرتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔"(١٧)

اسی طرح غزوہ بدر میں صحابہ کرامؓ کو صفیں بنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جب صحابہؓ صفیں بنا چکے تو سرور کائنات حضور اکرمؐ صفوں کے لئے تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ جب ایک صف کے سامنے سے آپ کا گزر ہوا تو سیدنا سواد بن عزیر صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں جو تیر تھا اس سے ان کے جسم کو ایک کچوکا دیا، اور فرمایا "استقد یا سواد" اے سواد صف کو برابر کرو یعنی پیچھے ہٹو۔ سوادؓ پیچھے تو ہٹ گئے لیکن ساتھ ہی عرض کی "اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے مجھے تیر سے کچوکا دیا۔ مجھے وہاں درد ہو رہا ہے۔ میں قصاص کی التجا کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور عدل قائم کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے" رسولؐ اللہ نے فوراً اپنے اپنے شکم مبارک سے کپڑے کو ہٹا دیا اور فرمایا" اے سواد! میں حاضر ہوں اپنا قصاص لے لو۔"

سواد جھپٹ کر آئے اور آپؐ کے شکم مبارک کو چوم لیا اور سینے لگا لیا۔ آپؐ نے پوچھا "اے سواد! اس حرکت کی کیا وجہ ہے؟" سواد نے عرض کیا "یا رسول اللہ! سارے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ حضورؐ کی اس آخری ملاقات میں میری جلد آپؐ کے جسم مبارک سے چھو جائے" آپؐ نے محبت بھرے جواب پر انہیں دعائے خیر سے نوازا۔(١٨)

مجرم پر ترس کھانے کی ممانعت:

قرآن کریم نے جرم ثابت ہونے کے بعد مجرم کو سزا دیتے وقت اس پر ترس کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لئے کہ یہ عدل کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ﴾(١٩)

زانی عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو کوڑے مارو اور تمہیں ان پر ہرگز ترس نہیں آنا چاہیے۔

قرآن مجید اس کی مزید وضاحت فرماتا ہے: ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں

Marfat.com

وہی فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں:

☆ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں۔

☆ دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں۔

☆ تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتے ہیں وہ دراصل ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اولاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے اس کا یہ فعل عدل و انصاف کے خلاف ہے۔کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہو سکتا تھا تو خدا نے دے دیا تھا، اسلئے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہو کر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی اور اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے(۲۰)۔

عبداللہ بن صفوان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ میں اپنی چادر پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے ان کی چادر چرا لی۔ پھر وہ چور کو لے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے (اعتراف جرم کے بعد) ملزم کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو صفوان نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔آپؐ نے فرمایا تم نے میرے پاس آنے سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا۔(۲۱)

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آپس میں اپنی حدوں کو معاف کر دو۔ پھر جب وہ میرے پاس پہنچ جائے گی تو (اس حد کا جاری ہونا) واجب ہو جائے گا۔(۲۲)

ان احادیث میں اجتماعی طور پر مسلمانوں کو ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی تاکید کی گئی ہے۔تقویٰ اور پرہیز گاری کا تقاضا ہے کہ دوست و دشمن دونوں کے ساتھ یکساں عدل وانصاف کیا جائے نہ کسی کے ساتھ رعایت ہو اور نہ حق تلفی۔

عدلیہ کی بالا دستی اور (نظام انصاف)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو معتدل و متناسب بنا کر مقصد اور مشن اس کے سپرد کیا وہ بھی اس ترکیب تخلیق سے گہری مناسبت رکھتا ہے یعنی ایک ایسا متوازن، معتدل اور متناسب نظام کا قیام (نظام انصاف) جس میں ظلم و استحصال اللہ سے بغاوت، اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی، انسانی حقوق کی پامالی نہ پائی جاتی ہو اور فرد، معاشرہ، معیشت، سیاست، ثقافت، قانون، تعلیم، غرض ہر شعبہ حیات میں مکمل عدل پایا جائے۔نظام عدل کے قیام کے لئے قرآن وسنت کی جو تعلیمات، اصول اور لائحہ عمل بتایا ہے اس ہی کے ثمر سے معاشرے میں عدل و انصاف کے راستے کشادہ ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم عدل کی جامع اور مثبت اصطلاح کو ظلم، فساد، عدوان اور طاغوت کی اصطلاحات کی مخالف اصطلاح کے

Marfat.com

طور پر استعمال کرتا ہے۔ جو لوگ زمین میں فساد اور ظلم پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عادل، مطیع اور متقی بندوں کے ذریعے تبدیل کرتا ہے تاکہ زمین میں قیام عدل ہو اور انصاف افراط و تفریط کی جگہ متوازن طرزِ حیات اختیار کر سکیں۔

فرمایا گیا:

﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ (۴۳)

''اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا''۔

قرآن مجید نے اس میں مزید واضح اشارہ کیا ہے۔

''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو'' (۴۴)

اسی طرح گواہوں کے حوالے سے بھی عدل کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے کہ عادل افراد کو گواہ بنایا جائے اگر غور کیا جائے تو نظام عدالت ہو، عدالت میں گواہی ہو، یا خاندانی معاملات میں کسی دو افراد کا گواہ بنانا ہو ان سب کا قریبی تعلق اس مجموعی نظام کے ساتھ ہے۔ جس کا قیام اور جس کے لئے جدو جہد کو انسان کا مقصد تخلیق قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے زمین پر خلافت الٰہیہ کے قیام کو ان افراد سے وابستہ و مشروط کر دیا ہے جو خود جادہء عدل و توازن پر قائم ہوں۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس جانب پایا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی عظیم صفت عدل کے تناظر میں انسان کو اپنا خلیفہ بنانے کے لئے اس توازن و عدل پر تخلیق فرمایا جو اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے لئے لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی تناظر میں قرآن کریم نے امت مسلمہ اور امت مسلمہ میں ایک ایسے گروہ اور جماعت کی ضرورت پر زور دیا ہے جو نقطہ اعتدال و توازن یا وسط کو اختیار کرے اور یہی اس کی پہچان ہے۔ وہ غلو، شدت پسندی اور انتہا کے رویے کے مقابلے میں توازن، عدل اور میانہ روی کو اختیار کرنے والی امت ہو۔

"اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو" (۴۵)

عدلیہ کا قیام ریاست کی اہم ترین ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے۔ عموماً عدلیہ کی بالادستی کے دعوے تو سب حکومتیں کرتی ہیں مگر جب ان کے بڑے لوگ عدل و انصاف کی زد میں آتے ہیں تو اس بالادستی کو ختم کرنے کے لئے مختلف حربے اور طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً ججوں کو تبدیل کر دینا، موجود قوانین میں ترمیم و تنسیخ وغیرہ۔ لیکن اسلام نے عدلیہ کی بالادستی کا جو عملی مظاہرہ کیا ہے دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلامی تاریخ عدلیہ کی بالادستی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ خود نبی اکرمؐ نے اسلامی ریاست کا بانی حاکم اور قاضی ہوتے ہوئے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا۔

اے لوگو! میرا تمہارے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو تو میری کمر موجود ہے وہ بدلہ لے لے۔ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو یا میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری

Marfat.com

جان و مال اور آبرو حاضر ہے۔اسی دنیا میں وہ انتقام لے لو، مجمع میں سناٹا تھا۔صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسے دلوا دیئے گئے(۲۶)۔

اس بات کی شہادت موجود ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی دیگر مقامات پر عدالت ہائے قضا قائم فرمانا شروع کر دی تھی۔ جو آزادانہ طور پر وہاں کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتی تھی۔

احادیث مبارکہ ہے کہ معاذ بن جبلؓ یمن کے لئے قاضی مقرر ہوئے روانگی سے قبل رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا "فیصلے کیسے کرو گے؟"

"اللہ کی کتاب کے مطابق" انہوں نے جواب دیا۔

"اور اگر وہاں وہ مسئلہ نہ ہوا؟"

"پھر اللہ کے رسولؐ کی سنت سے رہنمائی حاصل کروں گا"

"اور اگر وہاں سے بھی کوئی مثال نہ ملے؟"

"پھر میں اپنے فہم کو استعمال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھوں گا۔"(۲۷)

(بہتر فیصلہ کے لئے)

انصاف پسندی کو ہوائے نفس اور دنیا کی کوئی خواہش و شہوت نہیں ڈگمگا سکتی اور اسی وجہ سے وہ اللہ کی محبت رضا اعزازات اور انعامات کا مستحق قرار پاتا ہے اور اسی لئے بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۲۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے، نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

"عدل کرنے والے، اللہ رب العزت کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ کے پاس ہوں گے، اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل و عیال کے معاملات میں اور جو کام ان کے سپرد تھے ان میں عدل کرتے تھے۔"(۲۹)

اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ عدل کرنا اس وقت بہت مشکل ہو جاتا ہے جب کوئی دشمن سامنے ہو، لیکن اسلام نے اس حالت میں بھی عدل کا حکم دیا ہے۔ اسلام، دشمن قیدیوں سے بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔حضرت عمرؓ اپنے عاملوں کو رخصت کرتے وقت انہیں یہ ہدایت کرتے۔

"میں تمہیں جابر و قاہر بنا کر نہیں بلکہ امام اور رہنما بنا کر بھیجتا ہوں۔مسلمانوں کو مار پیٹ کر انہیں ذلیل نہ کرنا، نہ ان کی تعریف کر کے انہیں آزمائش میں ڈالنا، ان کے حقوق چھین کر ان پر ظلم نہ کرنا اور مسلمانوں کی سہولت اور خوشحالی کے لئے ہر طرح کا اہتمام کرتے رہنا"(۳۰)

عدل کی ایک نادر مثال سیدنا عمرؓ کی ہے کہ آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے کہا کہ ہم آپ کی

Marfat.com

بات سنیں گے، نہ عمل کریں گے کیونکہ آپ نے اپنے حصے سے زیادہ کپڑا لیا ہے۔ تمام مسلمانوں کے حصے میں ایک چادر آئی تھی، آپ لمبے قد کے ہیں۔ ایک چادر میں لباس (تیار) نہیں بن سکتا، پھر ایک ہی چادر میں آپ کا لباس کس طرح تیار ہو؟ آپ پہلے اس سوال کا جواب دیں۔ آپ اس وقت ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل پر حکمران تھے۔ انتہائی طاقت ور تھے، چاہتے تو اس آواز کو دبا سکتے تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اپنے بیٹے عبداللہؓ سے فرمایا کہ وہ اس سوال کا جواب دیں۔ انہوں نے اٹھ کر کہا میں نے اپنے حصے کی چادر والد محترم کو دے دی تھی، اس طرح آپ کا لباس بنا(۳۱)۔

اس قسم کی اور بے شمار مثالیں ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں جب کسی میں کوئی صلاحیت پائی جاتی تھی تو یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ وہ کسی غلام کا بیٹا ہے یا کسی اونچے مرتبے والے کا بیٹا ہے، اسے عہدہ دے دیا جاتا ہے۔ نبی کریمؐ نے سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا، جبکہ اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ ان سب کو سیدنا اسامہؓ کے زیر قیادت روانہ فرمایا۔ یہ شخص اور اجتماعی عدل کی مثالیں ہیں۔

اسلام نے عدلیہ کو آزاد قرار دیا ہے اور جج کو خدا کے سامنے جوابدہ بنا دیا ہے تاکہ وہ رعایت سے کسی کے حق میں فیصلہ نہ دے یا حکومت اور حکمرانوں سے مرعوب ہو کر فیصلے صادر نہ کرے۔ امت ایسے تو اعداد اور طریق کار مرتب کرنے کا اختیار رکھتی ہے جس سے انصاف کو یقینی بنانے کے لئے سماعت اپیل اور نگرانی کے ادارے قائم کئے جا سکیں۔

رسول اکرمؐ کا عدل اجتماعی، سیاسی بصیرت اور حسن تدبر

بلاشبہ انفرادی سطح پر عدل کا اختیار کرنا اسلام کے اولین مطالبات میں سے ایک اہم تعلیم ہے۔ قرآن و سنت جتنی شدت سے عدل کا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اس شدت کے ساتھ عدل اجتماعی کے قیام کو امت مسلمہ کا مقصد اور ہدف قرار دیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو اسلام اور دیگر مذاہب اور نظاموں میں بنیادی فرق اسلام کا تصور اجتماعیت رہی ہے۔ دیگر مذاہب فرد کی نجات، فرد کی روحانیت اور فرد کے تزکیے پر زور دیتے رہیں۔ جبکہ اسلام عبادات کا معاملہ ہو یا معاشی اور معاشرتی مسائل، ہر شعبہ حیات میں عدل اجتماعی کو اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ آج بھی آنحضرتؐ کی تعلیمات نہایت واضح ہیں۔

آپؐ نے انسانیت کی عظمت، احترام، حقوق انسانی "عدل و مساوات" کے متعلق وہ دائمی تصور حقوق و فرائض عطا فرمائے جو بلا خوف تردید انسانیت نوازی اور انسانی حقوق پر حتمی اور دائمی دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہے۔

"میثاق مدینہ" رسالت مآبؐ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن و سلامتی، آزادی اور عدل و انصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے۔ یہ وہ تاریخی معاہدہ ہے جس کی بدولت رسول اکرمؐ نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم فرمایا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب کے فلسفہ عدل و انصاف کی بناء پر آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا۔

"میثاق مدینہ" میں حکمران اور رعایا کے حقوق و فرائض انہیں عدل و انصاف کا قیام کو اس دستور نے ایک نہایت اہم اور عرب کے لئے انقلابی اصلاح یہ کی کہ لوگ اپنے حقوق اپنی یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کی مدد سے حاصل کرنے کی جگہ انصاف رسانی کو ایک مرکزی اور پبلک ادارہ بنا دیں۔ اس دستور کی رو سے محسن انسانیت رسول اکرمؐ نے امت کے لئے لائے

Marfat.com

ہوئے احکام اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیے۔اور عہد نبویؐ میں ذات اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ کے مقدمات کا تصور ان نظائر کی موجودگی میں کیا جا سکتا ہے۔کہ اسلام میں بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا اس کو عملاً مسترد کر دیا۔ ملکیت کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالتی داروگیر سے محفوظ نہ رہ سکے تو دیگر عہدیدار اور عام افراد بھی تعمیل زیادہ توجہ اور مساویانہ تصور کے ساتھ کرینگے(۳۲)۔

اس آئین کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں۔امن، سلامتی، آزادی، انصاف و مساوات اور حکمران و رعایا کے حقوق و فرائض کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمدؐ نے دین کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ اجتماعی عدل کی بحالی، امن کے قیام، ظلم کے خاتمے اور مظلوموں کی داد رسی کو بنیادی اہمیت دی۔

حضرت ابو بکر صدیق کا بیان ہے کہ ایک موقع پر میں تورات انجیل کے عالم ورقہ بن نوفل کے پاس گیا، میں نے ان سے پوچھا آخری نبی کیا تعلیم دیں گے؟ جواب ملا ان کی تعلیم یہ ہوگی کہ ظلم نہ کرو، ظلم نہ سہو اور ظلم نہ ہونے دو۔

مظلوموں کی داد رسی، کمزوروں، محتاجوں اور مفلوک الحال طبقے کی امداد و اعانت کے حوالے سے محسن انسانیت نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ اور اسوہ حسنہ کو ایک خاص امتیاز اور اہمیت حاصل ہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے بعثت نبویؐ کے اس اہم اور تاریخی موڑ پر جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی، آپؐ کی تائید اور حوصلہ افزائی کے طور پر جو کلمات کہے وہ آپؐ کی شخصی عظمت، انسان دوستی اور مظلوموں کی داد رسی کے حوالے سے آپؐ کی صفت رحمۃ العالمین کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔انہوں نے اس موقع پر کہا ہرگز نہیں، بخدا، اللہ آپ ؐ کو کبھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔ کیوں آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے آسرا لوگوں کو بوجھ اٹھاتے ہیں۔فقیر لوگوں کو کمار کر دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب ہیں اہل حق (مظلوموں) کی اعانت کرتے ہیں(۳۳)۔

رسول اکرمؐ کے نزدیک مظلوموں کی داد رسی کتنی اہم تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعثت سے قبل آپؐ نے معاہدہ حلف الفضول میں ایک اہم رضاکار کے طور پر شرکت فرمائی۔آپؐ اس انجمن کے اہم رکن تھے جس کا مقصد معاشرے سے ظلم کا خاتمہ، عدل کی بالادستی اور مظلوموں کی دادرسی تھا۔ یہ معاہدہ سرزمین عرب پر پہلا تاریخی معاہدہ تھا۔جس میں شریک ہونے والے رضاکار متحدہ طور سے اپنے شہر(مکہ) میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو انکا حق دلاتے (۳۴)۔

اس معاہدے کی اہم وضاحت درج ذیل ہیں۔

☆ مکے سے بدامنی دور کی جائے گی۔

☆ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا

☆ مظلوموں کی امداد کی جائے گی، خواہ مکہ کے باشندے ہوں یا اجنبی

☆ زبردست کو زیردست پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا(۳۵)۔

محسن انسانیتؐ نے اس تاریخ ساز معاہدہ عدل و انصاف میں بھرپور اور فعال کردار ادا کیا۔اس معاہدہ کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عہد نبوت میں ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

Marfat.com

"اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں نہ بدلتا اور آج بھی اس معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں شرکت کے لئے تیار ہوں" (۳۶)

فتح مکہ کے دن قریش کے ظالم سردار آپؐ کے سامنے سرنگوں کھڑے تھے۔ آپؐ چاہتے تو ان سے ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے۔ مگر آپؐ تو سراپا رحمت اور عدل و انصاف تھے۔ آپؐ نے سب کو معاف کر دیا۔ آپؐ کے حسن سلوک سے سب مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ سماجی انصاف و عدل کا خیال مسلمانوں کو اتنا تھا کہ وہ کبھی ظلم کا بدلہ بے جا طور پر نہ لیتے اور سزا دینے میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھتے (۳۷)۔

عدل اجتماعی کی بنیادیں

اسلامی عدل اجتماعی کی بنیاد کسی سوشل کنٹریکٹ پر نہیں ہے جس کی تعبیر ہر دور میں صاحب اختیار افراد اپنے مفاد کے پیش نظر کرتے رہیں۔ اسلامی اخلاق و قانون کا ماخذ کسی فرد یا کسی گروہ کی اپنی پسند یا ناپسند نہیں بلکہ خالق انصاف کی جانب سے نازل وہ قوانین و اصول ہیں جو انسانوں کو دہرے اخلاقی معیار سے نجات دلا کر زندگی کے تمام معاملات کو توحیدی نظر سے دیکھ کر ایک وحدانیت میں لے آئے ہیں جس انسانی معاشرے میں دہرے اخلاقی معیار پائے جاتے ہوں وہ عدل اجتماعی سے محروم رہتا ہے۔

عدل اجتماعی کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں کسی بھی انصاف کا اختیار پایا جاتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام عمل میں لایا جائے یہ اسی وقت ممکن ہے جب زندگی سے بنیادی تضادات کو خارج کرتے ہوئے اپنے معاشی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی قانونی اور ثقافتی مسائل کو صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت و فرمان کا تابع کر دیا جائے۔ گویا اسلامی عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد توحید خالص ہے۔ توحید کا ایک اہم مطالبہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار ہو وہ جادہء عدل کو اختیار کرے، یعنی حقوق و فرائض کی بجا آوری میں کسی سستی وغیرہ ذمہ داری کا شکار نہ ہو۔

عدل اجتماعی کیلئے ضروری ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار پایا جاتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب زندگی سے بنیادی تضادات کو خارج کرتے ہوئے اپنے معاشی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، قانونی اور ثقافتی مسائل کو صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت و فرمان کا تابع کر دیا جائے۔ گویا اسلامی عدل اجتماعی کی پہلی بنیاد توحید خالص ہے۔ توحید کا ایک اہم مطالبہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور جہاں کہیں بھی انسان کا اختیار ہو وہ جارہء عدل کو اختیار کرے، یعنی حقوق و فرائض کی بجا آوری میں کسی سست اور غیر ذمہ داری کا شکار نہ ہو۔

عدل اجتماعی کی دوسری اہم بنیاد آزادی ہے، یعنی ایک شخص اپنے آپ کو ان تعصّبات سے آزاد کر دے تو بعض اوقات خاندانی روایات، توہمات، رسوم و رواج اور قبیلہ یا برادری کے صدیوں پرانے طرز عمل کو قانون کا درجہ دے دیتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے جب اپنی قوم کو توحید اور عدل پر قائم ہونے کی دعوت دی تو ان کا ردعمل یہی تھا کہ

﴿قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾ (۳۸)

"کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور

Marfat.com

زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے"

یہ جاہلی عصبیت، یہ باپ دادا کی روایت پر فخر و ناز اسلام کے تصورِ حق و باطل سے ٹکراتا ہے۔ اسلام جس عالمی اخلاقی نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے اس میں عظمت اور قطعیت صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات اور اس کے انبیاء و رسل کے فیصلوں کو حاصل ہے۔ اور جو انکار کرے وہ منکر قرار پاتا ہے اسی کا نام ظلم ہے۔ آزادی کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک شخص کو شعور کی آزادی اور فیصلے کی آزادی حاصل ہو۔ اس پر ایسے تصورات اور ایسی ثقافت کو زبردستی مسلط کر دیا جائے جو اس کے بنیادی عقائد و تصورات سے ٹکراتی ہو۔ چنانچہ آج عالمگیریت کے سہارے یک قطبی سامراجیت اپنی ثقافت کو جس طرح دنیا بھر کی اقوام پر تعلیم، معاشی حکمت عملی، سیاسی دباؤ کے ذریعے مسلط کرنے میں مصروف عمل ہے۔ یہ جارحیت کی ایک واضح شکل ہے۔ اسلامی عدل اجتماعی ہر فرد کو آزادی رائے، آزادی اجتماع اور آزادی عمل دے کر شعور و آگہی اور معروف و منکر کی آفاقی بنیادوں کی روشنی میں کسی عمل کو اختیار کرنے یا رد کرنے کا پورا حق دیتا ہے۔ اور سیاسی گرفت کی بناء پر عملاً انسانوں سے ان کی قوت فیصلہ چھین لیتا ہے اور انہیں اپنی سامراجیت کا غلام بنا لیتا ہے۔ اسلامی نظام عدل اس استحصال سے نجات کا نام ہے۔

☆ اسلامی عدل اجتماعی کی تیسری بنیاد تمام انسانوں کو بحیثیت انسان یکساں قرار دینا ہے کیونکہ تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور رنگ و نسل یا زبان کی بناء پر ان میں کوئی تفریق کرنا ایک ظالمانہ رویہ ہے۔ چنانچہ تمام انسان قانون کی نگاہ میں مساوی ہیں البتہ عقل کا مطالبہ ہے کہ اپنے وظیفہء حیات اور تقسیم کار کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری اور جواب دہی یکساں نہ ہو۔ لیکن اپنی ذمہ داری صلاحیت اور کارکردگی کے لحاظ سے انکا معاوضہ مختلف ہونا ایک فطری تقاضائے عدل ہے۔

☆ اسلام کے عدل اجتماعی میں تقسیم دولت کی بنیاد استطاعت، صلاحیت اور ضرورت کو قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایک شخص استطاعت رکھتا ہو لیکن سعی نہ کرے، صلاحیت رکھتا ہو لیکن اپنے اختیار کو استعمال نہ کرے، تو وہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو اپنی صلاحیت اور ذمہ داری کو عدل کے ساتھ ادا کر رہا ہو۔ گویا یہاں بنیاد نہ طبقاتی نظام ہے نہ زیادہ مال اور وسائل رکھنے والوں کی حکمرانی و برتری، یہ صلاحیت ایک نظام امانت ہے۔ جس میں امانتیں صرف ان کے اہل کو ہی دی جاسکتی ہیں۔

☆ اسلام تمام انسانوں کو جدوجہد اور اکتساب رزق کے مناسب مواقع کی فراہمی کو بھی معاشرے میں اجتماعی عدل کے قیام کے لئے ضروری قرار دیتا ہے اور یہ ذمہ داری معاشرے اور حکومت کو سونپتا ہے کہ سب کے لئے مواقع کی فراہمی کو یقینی بنائیں، اور جو مجبور ہوں ان کو ایسا سہارا فراہم کیا جائے کہ وہ عزت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے دولت کی گردش کو برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اجتماعی زکوٰۃ، انفاق اور مقدمات کے نظام کو مستحکم کرتا ہے۔ نظام زکوٰۃ انفاق، بیع اور تجارت کے فروغ کے نتیجے میں معاشی طور پر پس ماندہ افراد کو سہارا دے کر خود انحصاری کی طرف لے جاتا ہے۔ کسی بھی انسانی معاشرے میں حادثات کے نتیجے میں کل تک جو صاحب وسائل تھا وہ مفلوک الحال بن سکتا ہے۔ اسلئے اسلامی عدل اجتماعی میں تکافل اجتماعی کا تصور اسلامی معاشرے کے

Marfat.com

قیام کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا تھا۔ اور ایسے مواقع پر انسانی ہمدردی اور تعاون کی بنیاد پر تکافل اجتماعی کا ادارہ جس میں معاشرے کے افراد اپنا حصہ ڈالتے ہیں اس نقصان کو پورا کرتا ہے (۳۹)۔

قیام عدل کی حکمت عملی

اسلام کے اتنے جامع عدل اجتماعی کی موجودگی میں کیا وجہ ہے کہ امت مسلمہ میں معاشی بدحالی، تعلیمی زبوں حالی اور فکری و عملی انتشار اور سیاسی عدل استحکام پایا جاتا ہے۔ عالم اسلام کس طرح اپنی اصلاح کر سکتا ہے، اور کیا اسلامی عدل اجتماعی ایک عالمی نظام عدل کے قیام کی بنیاد فراہم کر سکتا ہے؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا پندرہ سو سال کی گردش کے بعد تاریخ کے جس موڑ پر پہنچ گئی ہے اس میں ساتویں صدی عیسوی میں پائے جانے والے رجحانات اور معاشی، معاشرتی اور اخلاقی زبوں حالی سے گہری مماثلت پائی جاتی ہے اگر وہ قدیم جاہلیت تھی تو آج جدید جاہلیت ہے۔

قیام نظام عدل کی ایک ایسی تحریک جسے آج سے پندرہ سو سال قبل رسول اکرمؐ نے برپا کیا تھا، آج وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے جس طرح اس تحریک کے قیام کے وقت آپؐ کے سامنے ہدف اور مقصد واضح تھے، اسی طرح آج بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ جو حکمت علی آنحضرتؐ نے وضع فرمائی تھی کیا آج اس میں حالات اور وقت کے لحاظ سے کسی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

اسلام میں سیاست، معیشت اور عدل و انصاف اور دیگر امور کے لئے بعض بنیادی اشارے موجود ہیں لیکن یہ اشارے کسی ایک طرز حکومت کو معین نہیں کرتے بلکہ طرز یا نظام کا معاملہ امت کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ تا کہ امت ان اشاروں یا ان مقاصد کے لئے زمان و مکان کے مطابق خود کوئی راہ تلاش کرے اور اس پر امت کا اجتماع ہونا لازم ہے۔ 1970ء کے انتخابات میں بھی یہی موضوع زیر بحث رہا اور پھر 1977ء میں اگرچہ قومی اتحاد نے 1973ء کے آئینی ڈھانچے کو تسلیم کرتے ہوئے اخلاقی نظام پر زور دیا جس میں عدل، مساوات اور اقتصادی انصاف کے لئے اشارے موجود تھے اور اسی نظام کو نظام مصطفیؐ سے منسوب کیا۔ اور علماء کی سطح پر آج بھی یہ بحث جاری رہی کہ نظام مصطفیؐ ہی میں نظام عدل اور سیاسی مسائل کا حل موجود ہے۔

اقتدار اعلیٰ کے بارے میں کم وبیش ایک تصور موجود رہا ہے کہ اسلام کے فلسفہ سیاست میں اقتدار اعلیٰ کا مالک رب کائنات ہے۔ اسلامی ریاست میں صاحبان امر اس اقتدار کو بطور امین بروئے کار لاتے ہیں۔ یہی وجہ رہی کہ حکمران کو ظل اللہ مانا گیا۔ پاکستان میں جتنی آئینی کوشش ہوئیں ان میں بھی اقتدار اعلیٰ کے اسی تصور کو اپنایا گیا۔

> ”1973ء کے آئین میں اقتدار اعلیٰ کا ان حروف میں ذکر آیا ہے تمام کائنات پر صرف اللہ تعالیٰ کو اقتدار حاصل ہے اس اختیار کو پاکستان کے عوام ایک مقدس امانت کی طرح خداوند تعالیٰ کے متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے بروئے کار لائیں گے“ (۴۰)۔

تاریخ اسلام کا یہ ایک عجیب تضاد ہے کہ تمام خلفاء امراء اور سلاطین نے اقتدار اعلیٰ کے اس تصور کے ساتھ اپنی شخصی

Marfat.com

حکومتیں قائم کیں۔ اگرچہ قولاً اس بات کا اظہار کرتے رہے کہ مالک اور مختار صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن تمام امور کو اپنی مرضی منشاء اور مفاد کے مطابق طے کرتے رہے۔ لیکن ان تمام جائز و ناجائز فیصلوں پر قرآن و سنت کی مہر ثبت کرتے رہے۔ اور آج بھی یہی وطیرہ دیکھنے میں آتا ہے۔

اجتماعی عدل جسے اسلام نے عبادت قرار دیا ہے۔ قرآن کریم اور اسوہ حسنہ میں سب سے زیادہ عدل و انصاف پر اصرار کیا گیا ہے۔ آپؐ نے اپنی حیات طیبہ میں اس کی اعلیٰ مثالیں بھی قائم کر کے دکھائی ہیں۔ لیکن رسول اکرمؐ کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں سب سے زیادہ کمزور شعبہ یہی انصاف کا رہا ہے۔ مسلمانوں نے بدترین قاضی پیدا کیے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے اور اپنے آقایان نعمت کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہر موقع پر قرآن و سنت بھلا دیا ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہوا کہ عدلیہ کو مستحکم نہیں کیا جا سکا۔ عدلیہ ہر دور میں حاکم کے تابع رہی ہے۔ اور وہ لوگ عہد و قضاء کو قبول کرتے جن کو ذاتی اغراض اس کے لئے مجبور کرتے۔ مسلمانوں میں قاضی بننا عزت نہیں بلکہ ذلت کی دلیل ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ نے قضاء کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اگر یہ عہدہ باعث افتخار ہوتا تو یہ بزرگ کبھی اس سے اجتناب نہ کرتے اور مسند قضاء کو ٹھکرا کر بدترین تکالیف برداشت نہ کرتے۔ مسلمان آج علمی اور عملی طور پر بھی اپنے ملک میں کوئی منصفانہ نظام قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ بلکہ فطری اور عملی طور پر بھی دنیا کے کسی بھی نظام میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کی غربت، افلاس، عدل و انصاف مساوات اور اقتصادی مسائل پر کوئی کام نہیں ہو سکا۔ قرآن و سنت میں دلیل موجود ہے۔ رسول اکرمؐ نے اپنی زندگی میں اپنی روٹی اپنے سے زیادہ مستحق لوگوں کو دے کر یہ مثال قائم کی ہے کہ نفس ایمان کے تابع ہے۔

حضرت عمرؓ نے ریاست کی ذمہ داری کو اس قدر بڑھا دیا کہ نہ صرف انسانوں بلکہ دریائے نیل کے کنارے کتوں کو رزق کی ذمہ داری قبول کرلی۔ لیکن کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ اس قدر اعلیٰ اصولوں کی موجودگی میں بھی افراط و تفریط کی بدترین مثالیں صرف مسلمان ملکوں ہی میں نظر آتی ہیں۔

یہ سب باتیں قابل غور ہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا کہ اسلام نے نظریہ اور فلسفہ کے طور پر ارفع ترین اصول فراہم کیئے لیکن عملی زندگی کے تمام میدانوں میں فکر اور عمل کا ایک زبردست بعد سراہت کر گیا ہے۔ یوں تو ہمارے پاس بے شمار اقوال اور امثال موجود ہیں لیکن ان کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہو سکا ہے۔ اور ہماری عملی زندگی حیوانیت کی بدترین نظیر پیش کرتی ہے۔

کیا اب ہمیں "پدرم سلطان بود" کے سہارے زندہ رہنا ہوگا یا کوئی عملی اقدام کریں گے اسلام کے اصولوں کو عوام کی زندگی کا حصہ بنانا ہوگا اور مسلمانوں کو اجتماعی طور پر نظام عدل کو فعال بنانا ہوگا۔ معاشرہ کو امن و سلامتی اور آئینی تحفظ دینا ہوگا۔ وہ تحفظ کہ جس کی ضمانت خود ہمارے دین نے دی ہے۔ اور انسانوں کی قوت کو منظم کر کے نظام عدل کے قیام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنا ہوگا۔

حوالہ جات

(۱) المفردات، امام راغب اصفہانی، ۳۲۵۔ (۲) کتاب الاسماء والصفات للامام ابی بکر احمد بن حسن البیہقی: ۱/ ۱۴۱۔ (۳) سورۃ

Marfat.com

الغافر/ ۲۰۔ (۴) سورۃ الاحزاب/ ۴۔ (۵) سورۃ الانعام/ ۱۱۵۔ (٦) سورۃ النحل/ ۹۰۔ (۷) حسن انقلاب/ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، فیروز سنز کراچی، ص ٦٦۔ (۸) اسلامی ریاست تصور اور حقائق/ طاہر محمد خان، فکشن ہاؤس لاہور، ص ۷۵۔ (۹) سورۃ الانعام/ ۱۵۲۔ (۱۰) اسلام کا نظام عدل، حکیم محمود احمد ظفر، مطبوعہ مکتبۃ الحسن لاہور۔ (۱۱) سورۃ الحجرات/ ۹۔ (۱۲) سورۃ المائدہ/ ۸۔ (۱۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود والانتقام لحرمات اللہ۔ (۱۴) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، کتاب الحدود، باب ما جاء فی کراہیۃ ان یشفع فی الحدود۔ (۱۵) ابوداود، سلیمان بن اشعث، کتاب الدیات، باب الامام یامر بالعفو فی الدم۔ (۱٦۰) مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ۔ (۱۷) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، کتاب الحدود، باب ما جاء فی کراہیۃ ان یشفع فی الحدود۔ (۱۸) امتاع الاسماع، تقی الدین احمد المقریزی: ۱/ ۸۵۔ (۱۹) سورۃ النور آیت ۲۔ (۲۰) تفہیم القرآن، ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص ۴۷۵۔ (۲۱) سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، بیروت: ۳/ ۱۵۷، رقم ۲۵۹۵۔ (۲۲) سنن ابی داود: ۴/ ۱۲۲، رقم ٦ ۴۳۷۔ (۲۳) سورۃ البقرۃ: ۲۵۱۔ (۲۴) سورۃ النساء: ۵۸۔ (۲۵) سورۃ البقرۃ: ۱۴۳۔ (۲٦) ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۴/ ۴۵۷۔ (۲۷) ترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی۔ (۲۸) الممتحنۃ: ۸۔ (۲۹) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر۔ (۳۰) کتاب الخراج، امام ابو یوسف، ترجمہ نجات اللہ صدیقی، مطبوعہ مکتبہ کراچی، ص ۳٦۷۔ (۳۱) حقوق وفرائض پُرامن اور خوبصورت معاشرے کی بنیاد، حافظ صلاح الدین یوسف، مکتبہ الہدیٰ کوئٹہ، ص ۲۲۷۔ (۳۲) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۸۲۔ (۳۳) بخاری، کتاب الادب۔ (۳۴) رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۷ء ص ۵۸۔ (۳۵) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء: ۱/ ۱۲۸۔ (۳٦) ابن الاثیر الجزریؒ، الکامل فی التاریخ، دار صادر بیرت: ۲/ ۱۴۱۔ (۳۷) نقوش رسول نمبر (۳)، محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء ص ۴۳۱۔ (۳۸) سورۃ یونس، ۸۷۔ (۳۹) ترجمان القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، البلاغ ٹرسٹ۔ (۴۰) اسلامی ریاست تصور اور حقائق، طاہر محمد خان، فکشن ہاؤس لاہور، ص ۱۷۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر عائشہ عشرت رضوی - کراچی

اسلامی نظریۂ حیات

اسلام کے لغوی معنی اطاعت، جھکنے، سر تسلیم خم کرنے اور مکمل سپردگی کے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی امن، سلامتی اور آشتی کے ہیں۔ اسلام وہ دین ہے جو خدا کی حاکمیت کی بنا پر ایک پورا ضابطۂ زندگی پیش کرتا ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے کیونکہ خدا کے قانون کے آگے جھکنے اور اس کی اطاعت کرنے کا نام اسلام ہے اور اس میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ خدا کی بندگی اور اطاعت کے نتیجے میں زندگی کا جو نقش ابھرے گا وہ امن وسلامتی اور آشتی کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا اس میں قلب کو اطمینان حاصل ہوگا اور انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حقیقی امن اور سکون قائم ہوگا۔ مکمل ضابطۂ زندگی کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لئے اسے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اخلاق اور تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کیا ہے مادی اور جسمانی احتیاجات کی تسکین کے لئے وسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ زمین و آسمان میں ودیعت کردیا ہے اور اخلاق وتمدنی رہنمائی کے لئے اس نے انبیاء بھیجے جنہوں نے انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ سکھایا۔

ترجمہ: اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔

انسان کے لئے سب سے کٹھن اور کڑا وقت وہ ہوتا ہے جب دوسروں کے علاوہ خود اپنوں سے بھی اسے انصاف کرنا پڑتا ہے، اور انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے اور بیگانہ میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ ایک ایسے ہی موقع پر آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ تھا:

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسولِ خداؐ سے اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہؐ اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے بھانجے عباسؓ کو فدیہ کے لئے بغیر چھوڑ دیں؟ آپؐ نے فرمایا: ایک درہم بھی اُن سے نہ چھوڑو"۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

زید بن سعنہ (ایک یہودی) کے آپ مقروض تھے۔ وہ تقاضہ کے لئے آیا۔ حالانکہ وعدہ کی تکمیل میں ابھی تین دن باقی تھے۔ آپ کے شانۂ مبارک سے چادر اتار لی۔ کپڑے پکڑ لئے اور بدکلامی شروع کردی۔ حضرت عمرؓ موجود تھے، انھوں نے سختی سے اسے ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا: "تمھیں چاہئے تھا کہ مجھے قرض اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اسے

Marfat.com

معقول طرح تقاضا کرنے کی ہدایت کرتے تم (میری طرف سے) اس کا قرضہ ادا کردو، اور وہاں بیس صائع زیادہ دینا، کیونکہ تم نے اسے ڈانٹا ہے''۔

محاصرۂ طائف کے وقت صحابہ نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ ان کفار ومشرکین کو بد دعا دیجئے۔ آپؐ نے یہ ''بد دعا'' دی۔ اسے خدا ثقیف کو راہِ ہدایت دکھا، اور توفیق دے کہ میرے پاس آجائیں۔

عدل کا مفہوم:

عدل اصل میں مصدر ہے جو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ عدل کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا، برابر کرنا، افراط وتفریط کے درمیان توازن قائم رکھنا۔ اصطلاح میں عدل: ''کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں اس کے مقابلے میں لفظ ظلم آتا ہے جس کے معنی ہیں

"وضع الشیء فی غیر محله" ترجمہ: کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔

اُردو میں ''انصاف'' کا لفظ عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لفظ اعتدال بھی اسی سے بنا ہے جبکہ قرآن کریم میں اس کے لئے ''قسط'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

قرآن کا تصورِ عدل:

قرآن پاک میں عدل اور اس کے مشتقات کئی مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً عدل کے معنی فدیہ کے ہیں جیسے

﴿وَ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ ﴿1﴾

ترجمہ: اور ان سے فدیہ میں کچھ نہ لیا جائے گا۔

﴿وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ ﴿2﴾

ترجمہ: اگر وہ ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) فدیہ دینا چاہے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔

عدل کے معنی برابر یکساں کے بھی آتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔

﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾

ترجمہ: یا اس کے برابر روزے رکھے تا کہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے۔ ﴿3﴾

ابو عمر کے بقول عدل بالفتح کے معنی قیمت کے بھی ہیں فدیہ کے بھی، مرد صالح کے بھی اور حق وانصاف کے بھی۔ ﴿4﴾

قرآن شریف میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات چھبیس مرتبہ آئے ہیں اسے اس کی اہمیت اور تصور کی وسعت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ عدل اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے جس تنوع کا حامل ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اس کا جائزہ ایک اصطلاح کے طور پر لینا چاہتے ہیں۔

اگر ہم عدل کے استعمالات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے تصور میں دو متصل حقیقتیں پنہاں ہیں: ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ ہمارے ہاں ''انصاف'' کی جو اصطلاح استعمال ہوتی ہے وہ عدل کا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کرتی کیونکہ اس کا مطلب

Marfat.com

نصف کی تقسیم ہے۔عدل بعض حالات میں بلا شبہ مساوات کا متقاضی ہوتا ہے جیسے حقوق شہریت وغیرہ مگر بعض دوسری حیثیتوں میں مساوات عدل کے منافی معلوم ہوتی ہے۔جیسے والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات۔عدل کامفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے متعین کردہ حقوق میں توازن قائم کیا جائے۔اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر شخص کواس کے اخلاقی،معاشرتی،معاشی قانونی،سیاسی،حقوق ادا کیئے جائیں۔

یہ ساری کائنات عدل کی بنیاد پر قائم ہے اگر اس میں عدل و توازن باقی نہ رہے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم کے زریعہ کئی مقامات پر عدل اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔مثلاً

○ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ ﴿5﴾

ترجمہ: بیشک اللہ عدل واحسان اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے

اللہ کی صفات میں سے ایک صفت اس کا عادل ہونا ہے۔اللہ کا کلام قرآن کریم خود بھی سراپا عدل ہے اورمخلوق خدا کوبھی عدل و انصاف کاحکم دیتا ہے۔ارشادربانی ہے۔

○ ﴿وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ ﴿6﴾

ترجمہ: اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔

عدل اللہ کی ایک صفت ہے۔اس کے اسماء حسنٰی میں ایک اسم عدل بھی ہے۔یعنی اس کی بات اس کا فعل اور اس کا فیصلہ توازن و تناسب کے منافی نہیں ہوتا۔وہ خودحق وعدل ہے اوراس کی ذات سے صادر ہونے والی ہر شے حق وعدل ہے۔

○ ﴿وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ ﴿7﴾

ترجمہ: اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں کرسکتے۔بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت اس بیان کا حصہ ہے جس میں عظمت الٰہی اور اس کے مطلق اختیارات کا ذکر ہے۔قیامت کے دن انسانی اعمال کا جو فیصلہ ہوتا ہے اس میں کوئی زیادتی اورحق تلفی نہیں ہوگی۔اس سے پہلے کی آیات میں اللہ کا اعلان موجود ہے کہ کسی پر ظلم نہیں ہوگا یہ اس کےفعل عدل کی مثال ہے۔

انسان مصلحتوں کے پردے میں صحیح بات کہنے سے گریز کرتا ہے حق کو چھپاتا ہے اور اس طرح عدم توازن اور عدم تناسب کا ارتکاب کر کے عدل کے منافی رویہ اختیار کرتا ہے لیکن قادر مطلق حق بات کہنے سے نہیں رکتا کہ یہی اس کہ صفت عدل کا تقاضہ ہے۔

عربوں کی رسم متبنیٰ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا۔

○ ﴿ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ ط وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ ھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ﴾ ﴿8﴾

ترجمہ: یہ سب تمھارے منہ کی باتیں ہیں اللہ تو حق بات کہتاہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے

Marfat.com

انفرادی عدل:

انسان اپنے انفرادی رویوں اور مزاج کے لحاظ سے افراط وتفریق اور ظلم و زیادتی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ وہ حب مال اور حب ذات کے باعث متوازن طرزعمل سے ہٹ جاتا ہے اور اس کا یہی انفرادی رویہ بڑے بڑے اجتماعی خطرات کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔قرآن نے اس کے مزاج کو معتدل رکھنے کے لیے خصوصی ہدایات فرمائی ہیں۔

قرآن پاک کی اصطلاح ''القسط'' (۹) انہی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ ﴿10﴾ ترجمہ: کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے

﴿لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا. اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ ﴿11﴾

ترجمہ: اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اِترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔

اجتماعی عدل:

عدل فرد کی زندگی میں اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ معاشرے کے اجتماعی وجود کے لیے۔اسلام نے اجتماعی نظام میں عدل کی وہی اہمیت ہے جو کسی عمارت میں اساس کی ہوتی ہے۔ مستحکم اجتماعی عدل کے تحت معاشرتی، سیاسی، معاشی اور قانونی عدل کے پہلو آتے ہیں۔قرآن نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک نقطہ نظر دیا جسے اپنانے سے صحت مند معاشرتی ماحول قائم کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے ان نکات کی قولی وعملی تشریح منقول ہے۔جسے کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔اجتماعی عدل اسلامی نقطہ نظر سے ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔

> ''زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں وہ فکر وعمل اور ضمیر و وجدان سب پر چھایا ہوا ہے اس کا انحصار معاشی قدروں پر ہے یہ اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں بلکہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے''۔ ﴿12﴾

سیاسی عدل:

انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر سب سے زیادہ ظلم کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب معاشرے کا سیاسی انتظام غیر عادل ہاتھوں میں ہو کیونکہ ظالم سیاسی نظام افراد معاشرہ سے نہ صرف ان کے حقوق چھینتا ہے بلکہ ان کے امن وسکون کو بھی برباد کردیتا ہے۔قرآن نے قوت اور عدل کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔سیاسی عدل کے مفہوم میں انتظامی و تنظیمی ظلم و بگاڑ کو دور کر کے ایسی فضاء قائم کرنا ہے کہ کوئی شہری محرومی کا شکار نہ ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق محفوظ نظر آئیں۔جان و مال، عزت و آبرو اور حریت واختیار ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ رہیں۔اسلام نے حقوق وفرائض میں جو عادلانہ نظام قائم کیا ہے وہ اپنی انفرادیت وافادیت کے باعث آج بھی اسی طرح پرکشش ہے جیسے چودہ برس پہلے تھا۔

معاشی عدل:

حیات انسانی میں توازن و ہم آہنگی کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اسے برقرار رکھنے میں معاشی عدل کو بنیادی حیثیت

Marfat.com

حاصل ہے۔ معاشی زندگی میں ظلم و استحصال، زراندوزی و اسراف وتبذیر سے ہوتا ہے جبکہ اسلام انفاق فی سبیل اللہ، حق معیشت کی مساوات اور ایثار کے اصولوں سے معاشی عدل کی راہ ہموار کرتا ہے دورِ حاضر معاشی فلسفوں اور اقتصادی انقلابات کی زد میں ہے۔ باہمی کشمکش اور تصادم نے معاشی ظلم کے ہولناک مناظر پیش کیے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے خود غرضانہ اور ظالمانہ نظاموں سے نجات کی صورت اسلام کا نظام عدل ہے۔ ناجائز ذرائع اختیار کرنے اور لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر دولت سمیٹنے کے ظالمانہ طریق سے روکتے ہوئے اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حکام کے سامنے پیش کرو کہ لوگوں کے مال جانتے بوجھتے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔﴿13﴾

قانونی عدل:

اجتماعی زندگی میں جب حقوق و فرائض میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے، حقوق پامال ہوتے ہیں یا فرد اور اجتماع کے وجود کو خطرات لاحق ہوتے ہیں تو ضوابط وقوانین ہی تحفظ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے آغاز ہی سے قوانین وضوابط کی تشکیل وتنفیذ کا عمل شروع کر دیا تھا۔ فساد و بگاڑ کو امن و استحکام میں بدلنے کے لیے قوانین کا عادلانہ استعمال مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون سازی اور تنفیذ قانون ایک طویل عمل ہے جو حیات انسانی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ انسان نے اپنے لیے اپنی عقل، تجربے، مشاہدے اور باہمی مشاورت سے قوانین بنائے اور خالق انسان نے بھی اپنی حکمت بالغہ کے تحت اسے اصول وضوابط عطا فرمائے انسان کے پاس قوانین کی اصولی اور تشریعی تفاصیل کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باجود انسانی معاشرے ظلم و ناانصافی کا شکار اور عدل کی برکات سے محروم ہیں۔ اس کا ایک سبب تو عادلانہ قوانین کے شعور کا فقدان ہے اور دوسری وجہ ان قوانین کے درست نفاذ میں کوتاہی ہے۔ قرآن نے حکمت الٰہی سے وہ اصول دیئے ہیں جن کے ادراک اور تعمیل سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے عملی نفاذ کا نمونہ بھی عطا کیا ہے تاکہ اس کی پیروی سے ہر دور میں قیام عدل کا عمل جاری رکھا جا سکے۔ تمام انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص کم شعوری اور کوتاہی کے باعث ظلم کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآنی نقطہ سے قیام عدل انبیاء کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔

عدل اور قسط کا مفہوم:

ائمہ لغت نے عدل کے معنی القضاء بالحق بیان کئے ہیں یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور قسط کے معنی ہیں النصیب یعنی حصہ اور حق۔ دونوں کا حاصل مراد ہے۔

''حق دار کو اس کا حق دلانا اور دینا'' عدل کا تقاضا مساوات اور برابری نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ بغیر کسی افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور متوازن ہونی چاہیئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلوں میں سے کسی پلّہ کو جھکا نہ سکے اور ظلم کے معنے ہیں وضع شیءٍ فی غیر محلّہ ''کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے علاوہ دوسرے مقام پر رکھنا''۔

یعنی حقدار کی حق تلفی کرنا:۔ کسی شخص کا حق روک لینا اور دبا دینا بھی ظلم ہے اور اس کا حق دوسرے کو دے دینا بھی ظلم

Marfat.com

ہے اور حق کی ادائیگی میں کمی کرنا یا تاخیر کرنا بھی ظلم ہے۔

قضاء کا مفہوم :

لفظ قضاء لغت میں قضٰی یقضی سے مصدر کا صیغہ ہے اصل میں قضائی تھا عربی زبان کے ایک قاعدے کے مطابق یا ء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ لغت کی کتابوں میں اس لفظ کے متعدد معنے آئے ہیں لیکن فریقین کے درمیان کسی تنازعے کا فیصلہ کرنا اس کا کثیر الاستعمال مفہوم ہے۔ یعنی ''اس نے فریقین کے درمیان تصفیہ کر دیا اور ان پر اپنا فیصلہ نافذ کر دیا''۔ اسی اساسی مفہوم کی مناسبت سے فقہاء نے قضاء کی قانونی اور اصطلاحی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہے۔ ''قضاء کے معنی ہیں لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ نے نازل کیا ہے۔'' ﴿14﴾

فصل الخصو مات و قطع النازعات. ﴿15﴾

''جھگڑوں اور تنازعات میں فیصلہ کرنا''

الاخبار عن حکمٍ شرعی علی سبیل الالزام ﴿16﴾

''شرعی فیصلہ سنانا اس طرح پر کہ اس کا نافذ کرنا لازم ہو جائے''

قاضیوں کا تقرر فرض ہے:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ''لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو'' ﴿17﴾

داوٗدؑ کو حکم دیا گیا تھا کہ ''لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو'' ﴿ 18﴾

اُمت مُسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ انصاف قائم کرو اور اس پر قائم رہو ﴿19﴾

یہ آیتیں اور عدل و قسط کے متعلق پہلے ذکر کردہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ عدل کا قیام فرض ہے۔ ظاہر ہے قیام عدل اور حکم بالحق کا فرض قاضیوں کے تقرر کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے اس فرض کی ادائیگی کے لئے ''نظام القضاء'' یعنی عدلیہ کا قیام اور قاضیوں کا تقرر بھی فرض ہے۔

علامہ کاشانی حنفیؒ متوفی ۵۸۷ ھ مذکورہ آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''قاضی مقرر کرنا فرض ہے اس لیے کہ اس کا تقرر دوسرے فرائض کی ادائیگی کے لئے کیا جاتا ہے اور وہ ہے فیصلہ کرنا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام اعظم یعنی خلیفہ کا تقرر فرض ہے اور اسکے فرض ہونے میں اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خلیفہ اپنے فرائض منصبی تنہا ادا نہیں کر سکتا اس لئے لازماً اس کو نائب کی ضرورت پڑے گی جو اس فرض ادائیگی میں اسکا قائم مقام ہو اور نائب قاضی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف علاقوں میں قاضی بھیجا کرتے تھے امام محمدؒ نے قضاء کو ایک ''محکم فریضے'' کا نام دیا ہے۔

قاضی عادل کی فضیلت اور ظالم یا نا اہل قاضی کی مذمت

بعض احادیث میں قاضی کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور بعض میں اس کی مذمت کی گئی ہے اسی طرح اسلافؒ سے

Marfat.com

بھی دونوں قسم کے اقوال نقل ہوئے ہیں اور دو قسم کا طرزِ عمل نقل ہوا ہے کسی نے قاضی بننے سے انکار کیا ہے اور کسی نے یہ منصب قبول کیا ہے۔

احادیث رسولؐ اور روایاتِ سلفؒ کا یہ اختلاف ''اختلاف تضاد'' نہیں بلکہ ''اختلافِ تنوع'' ہے۔یعنی قاضی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ قاضی ہے جو اہلیت رکھتا ہو، خود اس منصب کی خواہش اور طلب نہ کرتا ہو لیکن جب یہ ذمہ داری اس کو سونپ دی جاتی ہے۔تو پھر وہ عدل و انصاف اور پوری تحقیق کے ساتھ درست فیصلے کرتا ہے۔

فتویٰ عالمگیری میں ہے:

''قضا ایک محکم فریضہ اور قابل اتباع سنت ہے۔۔۔۔۔لیکن اس شخص کے لیے قضاء کی ذمہ داری قبول کرنا حرام ہے جس کو اپنے نفس کی یہ کمزوری معلوم ہو کہ میں انصاف قائم کرنے سے عاجز ہوں اور خواہش نفس کی پیروی سے بچ نہ سکوں گا''۔﴿20﴾

فیصلہ کرنے کا شرعی طریقہ:

قضاء شرعی کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم سے حکم معلوم کیا جائے اس کے بعد حدیث رسول پر فیصلہ دیا جائے۔اس کے بعد اجتماع امت اور سنت صحابہ کو پیش نظر رکھا جائے اگر تینوں ماخذ میں کوئی صریح حکم نہ مل سکے تو پھر قاضی اجتہاد کرے اور نظائر کی روشنی میں فیصلہ دے۔

''رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت پوچھا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے۔معاذؓ نے جواب دیا کہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔اگر اس میں کوئی صریحی حکم نہ مل سکا تو پھر سنتِ رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر ان دونوں میں کوئی صریح حکم نہ مل سکا تو پھر اجتہاد کروں گا۔اس پر رسول اللہؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے معاذؓ کو صحیح طریقہ معلوم کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ ﴿21﴾

قیامِ عدل کا عمل:

عدل کے لئے جہاں اہل افراد درکار ہیں وہیں معاون اور سازگار ماحول بھی ضروری ہے۔ نیز عادلانہ فیصلہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سچی گواہی کا انتظام نہ ہو کیونکہ چرب زبانی اور غلط بیانی سے فیصلوں پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے۔رسول اللہ جیسے صاحب وحی اپنے رفقاء کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انما انا بشر و انه یاتینی الخصم فلعل بعضهم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له فمن قضیت له لحق مسلم فا نما هی قطعة من النار فلیحملها او یذرها﴿ 22﴾

ترجمہ: میں ایک انسان ہوں اگر میرے پاس کوئی مقدمے والا آتا ہے اور ایک دوسرے سے بہتر بات کرتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سچا ہے اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں تو جس کو میں کسی مسلمان کا حق دلادوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے اس کو لے یا چھوڑ دے

قیام عدل کے عمل میں جہاں مدعی کو خوف خدا دلایا گیا ہے وہاں جھوٹی گواہی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جھوٹی

Marfat.com

گواہی کے رواج سے پورا نظام عدل درہم برہم ہوسکتا ہے۔قرآن کریم میں ہے۔

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ ﴿23﴾

ترجمہ: اور جب بات کہوتو عدل کروخواہ کسی قرابت دار کا معاملہ کیوں نہ ہو۔

عدلیہ:

معاشرے میں عدل و انصاف کی ضرورت سب سے زیادہ عدلیہ کے شعبہ میں ہوتی ہے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر جائز نا جائز غلط وصحیح میں تمیز کی جاتی ہے۔اس لئے عدالتی شعبے میں ایک مکمل ضابطہ پیش کیا قرآن حکیم میں ہرع ضابطہ سے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں۔اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر وہ مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنھیں تم گواہوں میں پسند کرلو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بُلائے جائیں تو انکار نہ کریں﴿24﴾

سچی گواہی سے متعلق احادیث میں بھی آیا ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا۔''جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے﴿25﴾۔ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ''لوگوں میں انصاف کرنا یہ بھی خیرات ہے''۔﴿26﴾

اسلام نے عدالت میں عادل قاضی کے تقرر کو شرط قرار دیا ہے تا کہ وہ ہر وہ طبقہ کے لوگوں کو انصاف فراہم کرے،کسی کے دباؤمیں نہ آئے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جب قضاء اور فیصلے کے لئے ایسے حاکم و قاضی کی طرف بلایا جائے جو عادل اور قرآن و سنت کا عالم ہوتو اس کے پاس جانا ضروری ہے البتہ اگر وہ قاضی کتاب وسنت کے علم اور ان کے دلائل سے بے بہرہ ہوتو اس کے پاس فیصلے کے لئے جانا ضروری نہیں۔

حضورﷺ نے قاضی کو اس حد تک احتیاط برتنے کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر قاضی غصّے کی حالت میں ہوتو کوئی فیصلہ نہ کرے کیونکہ اس حالت میں اس سے انصاف کے تقاضوں میں کوتاہی ہوسکتی ہے۔

مذہبی عدل و انصاف کے عالمی اصول:

ا)مذہبی جذبات کا احترام

اسلام پر یہ اعتراض عام ہے کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ جارحانہ ہے وہ اپنے مخالفین کے مذہبی جذبات کی رعایت نہیں کرتا اور ان کی قابل احترام شخصیت پر جارحانہ جملے کستا ہے۔اس کی تنقید ہی مذہبی دل آزاری کا سبب بنتی ہیں۔اسلام کا دین توحید ہے اور اس نے شرک پر زبردست تنقید کی ہے اور اس کی کمزوریاں واضح کی ہیں وہ باطل کو باطل اور کفر کو کفر اور گمراہی قرار دیتا ہے۔لیکن وہ اتنا بھی بے روادار نہیں کہ غصہ میں آکر کوئی کسی شخص مذہب،باطلہ کے معبدوں کے لئے نازیبا اور غلط استعمال کرے اس لئے اس کے ردعمل میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کرنے لگیں یہ بات سخت نازیبا ہے۔ارشادالٰہی ہے۔

Marfat.com

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّو اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ﴿27﴾

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کے سوا جنہیں پکارے ہیں تم انہیں برا نہ کہو کہ وہ حد سے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ رب العزت کو برا کہنے لگیں"۔

سورۃ الانعام کی اس آیت میں قرآن حکیم نے مذہبی ہم آہنگی اور مفاہمت عمل کا وہ اصول پیش کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی اصول کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام رنگ ونسل اور غریبی و امیری کی بناء پر کسی کو فوقیت نہیں دیتا۔﴿28﴾

۲) اسلام اور نظریہ غیر مذاہب:

مذہبی مفاہمت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ بالعموم دنیا میں ہر نظریہ اور مذہب کے حاملین اور پیروکاروں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے نظریے و مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب ونظریات ختم ہو جائیں اسی خواہش وکوشش میں عدم برداشت اور تشدد کا عنصر بھی جنم لیتا ہے لیکن اسلام کی جدو جہد کا مرکز صرف یہ خیال ہے کہ دوسرے اس دعوت حق کو سمجھیں اور مفاہمت عمل سے پیش آئیں لیکن بائیں ہمہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ جبر و جور یا گالی گلوچ سے کام لیا جائے۔ بلکہ وہ صاف اور واضح الفاظ میں یہ اعلان کرتا ہے:

﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَO لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَO وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُO وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْO وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُO لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾﴿29﴾

ترجمہ: کہہ دیجئے اے کافروں۔ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو۔ اور نہ تم کرو گے جن کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرو گے جن کی میں کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔

سورۃ الکافرون کی یہ آیتیں رواداری و مذہبی ہم آہنگی اور مفاہمت عمل کا ایسا میثاق ہیں جو اپنی نوعیت میں بے مثال و بے نظیر ہے اور لکم دینکم ولیدین پر مشتمل الفاظ مذہبی ہم آہنگی اور مفاہمت عمل کا ایسا چارٹر ہیں کہ جس پر دنیا کی کسی قوم کا عمل۔ صرف نظری و اصولی طور پر نہیں بلکہ تاریخی شواہد اس پر گواہ ہیں۔

صحابہ کرام کا عدل تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں:

خدا خالق آقا ہونے کے ساتھ عادل و رحیم بھی ہے اس کی صفات ربوبیت، عدل اور رحم ہی کی بنا پر کائنات میں تنوع کے ساتھ ساتھ توازن واعتدال ہے وہ جس طرح جسمانی زندگی کا رب ہے، اسی طرح اخلاقی روحانی زندگی کا بھی رب ہے، اس لئے اس کی صفت ربوبیت کا اور صفت عدل کا بھی تقاضہ تھا کہ وہ اپنے بندوں کو راہ ھدایت دکھاتا، چنانچہ اسنے وحی کے ذریعے سے یہ راہ منکشف کی اور صفت عدل کی بنا پر یوم آخر میں اچھے اور بُرے کام کا بدلہ دے گا۔ خلافت اور نیابت کا تصور حاکم کو من مان کار روائی سے باز رکھتا ہے اور اپنے آپ کو مخلوق خدا کا مالک نہیں بلکہ خدا کا امین اور بندوں کا خادم سمجھتا ہے۔ وہ ہر لحہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہیں اس کے ملک میں ظلم و زیادتی راہ نہ پا جائیں۔ عدل و انصاف کے نفاذ کے لئے وہ ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔

Marfat.com

خلافت اور آخرت کے تصور سے جو احساس ذمہ داری انسانی ذہن میں پیدا ہوتا ہے اس کی چند مثالیں الہام تمدن کے دور و ادوار سے پیش کی جاتی ہیں۔

ایک جلیل القدر خلیفہ جو اپنے زمانے کے سب سے بڑے حکمراں تھے موٹا جھوٹا پہنتے اور روکھا سوکھا کھاتے۔ اگر کوئی شخص کوئی لذیذ کھانا پیش کرتا تو پوچھتے کہ کیا سب مسلمان یہی کھاتے ہیں یا کھا سکتے ہیں؟ جب جواب نفی میں ملتا تو کھانا واپس کر دیتے۔ ایک اور خلیفہ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ سرکاری کام کے لئے جو شمع جلتی تھی اس کی روشنی سے ذاتی کام نہ لیتے۔ اگر کوئی ذاتی گفتگو چھیڑ دیتا تو فوراً اس کو گل کر دیتے اور اپنا ذاتی چراغ منگوا لیتے۔ یہ تھا عدل وانصاف جو ایک حاکم الوقت اپنی ذمہ داریاں خدا بزرگ کی رضا کے مطابق ادا کرتا ہے۔

سیّدنا فاروق اعظمؓ کے نظام حکومت کی خصوصیات:

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی حیات ہی میں آپ کو اپنے بعد مسلمانوں کا خلیفہ نامزد فرما دیا تھا اور امت اسلامیہ کے تمام اکابر، صحابہ کرام اور مسلمانوں کے ہر طبقہ کے افراد نے دل سے اس نامزدگی کو قبول کیا۔ یہ وہ خلیفہ دوم ہیں کہ جن کیلئے رسول اللہ ﷺ کا ایک مشہور فرمان ہے۔

خیارکم من الجاهلیة خیارکم فی الاسلام

ترجمہ: یعنی تم میں جو لوگ جاہلیت کے دور میں بہترین تھے وہی اسلام لانے کے بعد بھی بہترین ثابت ہوئے۔

اگر کسی ہستی پر آپ کا یہ فرمان صادق آتا ہے تو وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں حضرت عمر فاروقؓ اسلام لانے سے پہلے بھی مکی معاشرہ میں ایک نمایاں مقام و رتبہ رکھتے تھے آپ کی خاندانی وجاہت، اعلیٰ نسبی اور غیر معمولی شجاعت، علم و حکمت، تدبر و دانائی کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے سردارانِ قریش نے آپ کو سفارت کے اہم اور نازک منصب پر فائز کر رکھا تھا۔ مکہ کی شہری حکومت کے تمام بیرونی تعلقات، معاہدات اور لین دین کے معاملات آپؓ کے ہاتھوں انجام پایا کرتے تھے۔

اس معاشرہ میں آپ کی حیثیت ایک اعلیٰ قائد و مدبر، ایک زیرک سپہ سالار اور ایک بہترین سفارکار کی حیثیت سے سارے عرب دنیا میں تسلیم کی جاتی تھی یہی وجہ تھی کہ جب آپؓ نے اسلام قبول فرمایا اور اپنا ہاتھ جناب محمد ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا تو اسلامی دعوت میں ایک نئی روح سرایت کر گئی اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی ہمہ جہت شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں ظاہر ہے کہ آپ کی ہستی پر سرکار دو عالم ﷺ کی عظیم الشان تربیت کے انمٹ نقوش ثبت ہوئے تھے۔ اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور سمجھانے میں ایک مجتہد مطلق کا مقام آپ کو حاصل تھا۔ آپؓ کے عطا کردہ نظام حکومت کی نمایاں ترین خصوصیت عدل و انصاف کا ایک مستحکم اور جامع نظام قائم کرنا تھا۔ آپ کے نزدیک حکمران کی حیثیت یتیم کے مال کی متولی کی تھی۔ آپ کا تعلیمی نظام ہو، معاشی نظام یا سیاسی و سماجی امور سلطنت ہو یا عدلیہ ہو سب میں عدل و انصاف نظر آتا ہے۔ صرف ایک پہلو کو واضح کرتی ہوں کہ جو نظام حکومت کی چوتھی خصوصیت عام رعایا کے ساتھ اخوت اور برابری کا برتاؤ ہے اس برتاؤ کی بنا پر عام شہری اپنے آپ کو معاملات ریاست میں برابر کا شریک سمجھتا تھا اس معاملے میں آپؓ نے مساوات کا جو

Marfat.com

اصول اختیار کیا اس کی رو سے غیر مسلم شہری کے حقوق بھی اتنے ہی قابل احترام اور مقدس تھے جتنے مسلمانوں کے حقوق۔''مسلمانوں کو اہل کتاب کے بارے میں قرآن کریم نے ایک مستقل پالیسی دے دی''۔حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کا ایک واقعہ عدل و انصاف تمام لوگوں کے لئے تھا۔جو سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۲۹ میں بیان ہوئی:

ترجمہ: کہ وہ جزیہ ادا کریں اور اسلامی مملکت میں رہ سکتے ہیں۔

اور یہی سبب تھا بیت المقدس کی فتح کے بعد یہ معاہدہ ہوا جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا۔
اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو بن العاص۔اور عبدالرحمٰن بن طوف اور معاویہ بن ابی سفیان یہ معاہدہ ۱۵ ہجری میں لکھا گیا۔﴿30﴾

گویا عمر فاروقؓ نے بیت المقدس سے یہودیوں کی پانچ سالہ جلا وطنی کو منسوخ کر کے انہیں بیت المقدس میں داخلے کی اجازت دی عدل و انصاف کا تقاضہ پورا کرتے ہیں عیسائیوں یا نصاریٰ کو امان دی یہود کی ایلیا سے جلا وطنی ختم کر دی گئی اور اہل کتاب کے دوسرے گروہ کو امان دی۔اس کے علاوہ مسلمانوں اور یہودیوں کو قرطبہ،بغداد،استنبول اور بخارا میں باہمی امن و سکون سے ساتھ ساتھ رہنے کی مثالیں بھی ہیں۔نیز مسلمانوں نے اپنی مفتوحہ سلطنتوں میں عیسائیوں کو بھی امان دی اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا۔

عدل و انصاف کی فراہمی آج ہمارے معاشرے میں قتل و غارت گری دہشت گردی،املاک کی تباہی کا بڑا سبب عدل وانصاف کا نہ ہونا ہے کسی بھی معاشرے کی ترقی میں عدل و انصاف کے اثرات انسان تو انسان جانوروں پر بھی پڑتے ہیں۔
حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں جب پانی پینے کے دوران ایک بھیڑیے نے بکری پر حملہ کر دیا تو چرواہے کی زبان سے بے اختیار نکلا لگتا ہے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا انتقال ہو گیا اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔اسی طرح جنگ عظیم دوم کے درمیان صحافیوں کے گروہ نے برطانوی وزیر اعظم چرچل سے پوچھا کیا ہم جنگ ہار رہے ہیں تو چرچل نے تاریخی جواب دیا تھا کہ کیا اگر ہماری عدالتیں انصاف کر رہی ہیں تو ہم جنگ نہیں ہار سکتے۔اندازہ کریں،عدل و انصاف کے اثرات کہاں کہاں مرتب ہوتے ہیں۔آج سوئے قسمت ہمارے معاشرے میں رشوت،اقربا پروری ظلم و زیادتی ہماری زندگی کا حصہ بن گئی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ عدل و انصاف ایسی فطری ضرورت ہے جس کے بغیر امن و آشتی پر مبنی معاشرے کا قیام ممکن نہیں،دوسرے معنوں میں جس معاشرے میں عدل و انصاف ہی نہ ہو وہ وحشی و جانوروں کا معاشرہ ہے۔اگر معاشرے میں عدل و انصاف کو عام کر دیا جائے ہر ایک کو اس کی دہلیز پر انصاف ملے تو یقیناً ہمارے معاشرے سے قتل و غارت گری،دہشت گردی،لوٹ مار اور اس طرح کی ہر برائی کا سد باب ہو جائے گا۔

اسلام وہ دین ہے جو نظام عدل اجتماعی ہے

﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ﴿31﴾ ترجمہ: تاکہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں

اسلام میں انسان کو ایک ایسا نظام عدل اجتماعی عطا کر دیا گیا جو واقعتاً ''المیزان'' کے حکم میں ہے اور تمدن و اجتماعیت کے جملہ نازک اور پیچیدہ مسائل میں مختلف پہلوؤں سے ''راہ وسط'' کا تعین کر دے اور معاشرت،معیشت اور سیاست تینوں کے

Marfat.com

ضمن میں صراط مستقیم اور سواء السبیل کو پوری طرح واضح کر دے تا کہ نہ معاشرتی بے راہ روی کا کوئی امکان باقی رہے نہ معاشی استحصال کا نہ سیاسی جبر کا۔ یعنی ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ حاصل ہو جائے اور معاشرہ پوری طرح عدل و انصاف اور اعتدال وتوازن پر قائم ہو جائے۔

مذہب اسلام اور آزادی اختیار:

قرآن کریم میں کہیں بھی اشارہ اس امر کا نہیں ملتا کہ جو شخص یا جماعت دعوت اسلام کا جواب انکار کی صورت میں کر دے اس کے ساتھ کسی قسم کی بھی زیادتی روا رکھی جائے۔قرآن کریم جتنا اپنی دعوت کی حقانیت اور صداقت، مفاہمت اور عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اتنا ہی زور اس امر پر دیتا ہے کہ اس پیغام حق کو سننے کے بعد جو تمھارا ضمیر کہے، جو بنیادی رائے ہو اس پر عمل کرو۔ارشاد الٰہی ہے۔

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾﴿32﴾

ترجمہ: اس سے کہہ دو کہ حق ہمارے رب کی طرف سے ہے جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے''۔

اسلام میں جبر وکراہ کی ممانعت:

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں ہر طرح کی مخلوقات کو پیدا فرمایا پھر انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔انسانوں میں بھی اللہ رب العزت نے یکسانیت نہیں رکھی بلکہ مختلف قبائل، برادریوں اور رنگ ونسل کے حامل افراد تخلیق کے لئے اور ان کو دنیا کے مختلف حصّوں میں پھیلایا اور اسلام ان کے ختم کرنے کی بات نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک مفاہمت عمل راواداری و برداشت کی تلقین کرتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ﴿33﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے انسانوں کو راستہ دکھایا ہے اور اب وہ تو شکر گزار بنے یا ناشکرا (کافر)

عدل اجتماعی کا تصور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

(وضاحت)

عدل اجتماعی کی بہترین مثالیں ہمیں اسوہ رسول ﷺ میں ملتی ہیں۔قریش کے معزز قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کرتی ہے حد نافذ کرنے سے پہلے اس کے عزہ نے اسامہ بن زید کو آپ ﷺ کی خدمت میں سفارش کرنے کی درخواست کی حالانکہ آپؐ ابن زید کا بہت خیال فرماتے تھے۔جس کے جواب میں آپؐ فرماتے ہیں

انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفسى بيده لو ان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلك لقطعت يدها﴿ 34﴾

ترجمہ: تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی لئے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو

Marfat.com

قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمد) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔

اسلام دین فطرت ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔اسنے زندگی گزارنے کیلئے انسان کوکئی فطری اصول وقوانین دیئے ہیں۔وہ ہمیں بلاتفریق عدل کرنے کا حکم دیتا ہے اور ناانصافیوں سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔خواہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو۔یہود ونصاریٰ اسلام کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے مگر اسلام نے ان سے بھی مساویانہ عدل قائم رکھنے کی تاکید کی ہے اور حضورؐ کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا:

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ ﴿35﴾ ترجمہ: اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں۔

یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ایک اور مقام پر آپ کو ہدایت دی گئی کہ

ترجمہ: اور جب آپ ﷺ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کریں۔

یہ آیات ثابت کر رہی ہیں کہ آپؐ کی ذات گرامی کو دنیا میں عادل بنا کر بھیجا گیا۔تمام کتب سیرت اور تاریخ اسلام کے اوراق آپؐ کے عدل و انصاف کے واقعات سے پُر ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ایک جماعت آپ کے گرد تھی اس اثنا میں ایک شخص نے اپنے بدن کا سارا بوجھ آپؐ پر ڈال دیا آپؐ نے ایک پتلی سی چھڑی سے اُسے ہٹا دیا لیکن چھڑی کی نوک سے اس کے چہرے پر ایک خفیف سی خراش آگئی۔آپؐ نے فوراً اس سے فرمایا، مجھ سے انتقام لے سکتے ہو۔اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے بطیب خاطر آپ کو معاف کیا (ابوداؤد)۔

آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جب خدا کے عرش کے سائے کے سوا دوسرا سایہ نہ ہوگا۔خدا سات شخصوں کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جس میں ایک شخص عادل بھی ہوگا۔اسلام کے احکام دو طرح کے ہیں مستقل اور وقتی، جو مستقل احکام ہیں ان میں تو کسی طرح کا ردو بدل نہیں ہوسکتا لیکن جو وقتی احکام ہیں ان میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے بشرطیکہ عدل و قسط کا تقاضا ایسا ہی ہو دنیا کے مذاہب میں اسلام وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے اپنے تمام احکام، شرائط، تغیرات اور اصولوں میں سختی کے ساتھ جس چیز کو مدنظر رکھا وہ عدل ہے۔اسلام یہ گوارا نہیں کرتا کہ انسان قانون کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

احادیث کے مطالعے سے یہ بات اچھی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ نبیؐ فرماتے تھے۔''جو تم میں سے قربانی کرے اسے چاہیئے کہ تین روز کے بعد تک اس کا گوشت نہ رکھے (بلکہ تقسیم کردے) جب دوسرا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا گزشتہ سال کی ہی طرح کریں (اور کل گوشت تقسیم کردیں) فرمایا نہیں بلکہ، کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع کرو اس سال چونکہ لوگوں پر تنگی تھی اس لئے میں نے چاہا تھا کہ تم اس طریقے سے ان کی مدد کرو اب

Marfat.com

اسکی ضرورت نہیں۔﴿36﴾

دنیا کا پہلا تحریری دستور:

جہاں تک مدینے کا تعلق ہے تو وہاں سوائے اس کے کوئی امکان نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مدد آپ کرے۔ان حالات میں مدینہ تشریف لانے کے بعد جب شہری مملکت قائم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا دستور مدعن فرمایا اور دنیا کا پہلا دستور تحریری طور پر منضبط کر کے نافذ بھی کیا۔اس میں ایک عجیب وغریب حکم دیا گیا جسے انقلابی نوعیت کا کہا جاسکتا ہے۔وہ یہ کہ انصاف بجائے انفرادی کے مرکزی شے ہوگا۔یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچا ہے تو وہ براہ راست فرد کو سزا نہیں دے گا بلکہ مرکزی عدالت سے رجوع کرے گا۔حاکم عدالت بغیر رعایت کے پوری غیر جانبداری کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ کرے گا اور ظالم کو سزادے کر مظلوم کو اس کا حق دلائے گا اس کے بارے میں کچھ دفعات اور بھی ہیں۔وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالم کی حمایت کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ چاہے اس کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔فرض کیجیے کہ میرے بیٹے نے کسی کا قتل کردیا ہو تو باوجود باپ ہونے کے مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنے بیٹے کی حمایت کروں اور پولیس کی طرف سے اس کی گرفتاری کے وقت مدافعت کروں۔اس کے بر خلاف یہ کہا گیا ہے کہ انصاف ایک خدائی حکم ہے۔لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ انصاف کے لئے پورا تعاون کرے اور کسی ظالم کو نہ بچائے،چاہے وہ اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مدینے کی حد تک ایک انقلابی حکم دیا گیا اور انصاف جو وہاں انفرادی کام تھا اس کو ایک مرکزی اور حکومتی فریضہ قرار دیا گیا۔

عدل انبیاء کے ساتھ:

قرآن مجید میں بعض انبیاء کے نام آئے ہیں اکثر کے نہیں آئے ہیں لیکن قرآن جن کے نام لیتا ہے اور جن کا نام نہیں لیتا،سب کا بلا استثنا احترام کرتا ہے۔ان کی تعلیمات کو"ہدایت" "نور" اور اسی طرح کے پُر شکوہ الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ان کے کردار و سیرت کے جمال و کمال کا ذکر کرتا ہے۔ان کے ایثار و قربانی،فدویت اور دوسرے محاسن نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور انھیں وہی منزلت دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں۔

عام طور پر پیروانِ رسل کا معمول اور اصول یہ رہا ہے کہ وہ اپنے نبی کے ساتھ تو پورا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہیں لیکن دوسرے انبیاء کی ذات وصفات کا استخفاف کرتے ہیں بلکہ ان کی توہین تک کرتے ہیں اور انھیں اپنے نبی کے مقابلے میں ایک عامی کی سطح پر لا کھڑا کرتے ہیں۔

لیکن اسلام اس اصول کا سخت مخالف ہے،وہ جملہ انبیاء کا احترام کرتا ہے اور ان کی عزّت وعظمت کے اعتراف میں ذرا تامل نہیں کرتا۔

عدل کافروں اور مشرکوں کے ساتھ:

ضروری ہے کہ اب احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں اس موضوع پر ایک نظر ڈال لی جائے۔کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ کی شفقت و رافت کا کیا عالم تھا؟اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے ہوگا:

حضرت عبداللہ بن عمر،رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:"جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ

Marfat.com

جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے سنگھائی دیتی ہے۔﴿37﴾

''کافروں اور مشرکوں کی بربادی بھی آپ کو گوارا نہ تھی''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ پر یومِ احد سے سخت دن بھی کبھی آیا ہے؟ فرمایا تمہاری قوم کے ہاتھوں سب سے زیادہ سخت ایذا میں نے یومِ عقبہ کے موقع پر اس دن اُٹھائی ہے جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے آگے پیش کیا۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے رنجیدہ ہو کر لوٹا۔ ابھی مجھے افاقہ بھی نہ ہوا تھا کہ میں قرب ثعالب میں پہنچ گیا، میں نے وہاں سر رکھ دیا۔ اتنے میں ایک ابر کا ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہو گیا۔ میں نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو جبرئیل موجود تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی کہ آپ ﷺ کی قوم کی باتیں اور ان کا جواب اللہ نے سُن لیا۔ اور آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال (فرشتہ کوہ کو بھیجا ہے کہا آپ جو کچھ اس کو ان ظالموں کے بارے میں حکم فرمائیں وہ اسے بجا لائے، پھر خود ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کر کے کہا اللہ نے آپؐ کی قوم کی باتیں سُن لیں ہیں۔ میں ملک الجبال ہوں جسے اللہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپؐ مجھے کوئی حکم دیں، بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپ پسند کریں تو میں مکہ کی دونوں پہاڑیوں (جبل ابوقبیس اور جبل احد) سے ان کو کچل دوں؟ حضورؐ نے جواب میں فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کے صلب سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں اور کسی شہ کو اس کا شریک نہ کریں۔﴿38﴾

کافروں کے ساتھ بھی اقدارِ انسانی کا پورا لحاظ آپؐ فرماتے تھے۔

''حضرت اسما بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس مع اپنے والد کے آئیں، حالانکہ وہ مشرک تھیں۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب قریش سے (ترج مقاتلہ کا) معاہدہ تھا۔ پس میں نے رسول اللہؐ سے فتویٰ پوچھا۔ میں نے کہا میری ماں میرے پاس آئی ہیں کیا میں ان کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اپنی ماں کے ساتھ (اچھا) سلوک کر''۔﴿39﴾

عورت خواہ کافر ہو یا مشرک اس کا قتل آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے۔

''حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے ایک غزوہ میں ایک عورت کو مقتول پایا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو (میدان جنگ میں) منع فرمایا۔﴿40﴾

عدل قیدی کے ساتھ:

ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

''حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: قیدی کو رہائی دلاؤ۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو''۔﴿41﴾

مسکینوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لئے جہاں رسالت مآب کا یہ ارشاد تھا کہ ان کی مدد کی جائے وہاں جو لوگ طالب اِمداد ہوتے ہیں ان کے لئے بھی فرمایا کہ سوال اسی وقت کریں جب کوئی چارہ کار نہ رہے ورنہ اپنی روزی خود کمانے کی کوشش کریں۔

''حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جو لوگوں

Marfat.com

کے پاس سوال کرتا پھرے اور وہ اسے ایک لقمہ دو لقمے یا ایک خرمہ دو خرمے دے دیں بلکہ مسکین وہ شخص ہے جسے اس قدر غنا حاصل نہ ہو جو اسے بے احتیاج کر دے اور اس کا حال لوگوں کو نہ معلوم ہو کہ اسے صدقہ دیا جائے اور نہ وہ خود کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرے''۔﴿42﴾

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مجھے سخت بھوک لگی میں حضرت عمر کے پاس گیا اور قرآن کی ایک آیت پڑھنے کو کہا۔وہ گھر گئے اور میرے لئے دروازہ کھول دیا، میں چلا تو بھوک کی وجہ سے منہ کے بل گرا۔ دیکھا تو آنحضرت ﷺ سر پر کھڑے ہیں۔فرمایا ابو ہریرہ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ!وسعدیک،پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور میری حالت پہچان گئے اور مجھے اپنے گھر میں لے گئے اور ایک دودھ کا پیالہ پلانے کا حکم دیا۔میں نے پیا پھر آپؐ نے فرمایا''اور پی۔میں نے پیا۔پھر فرمایا''اور پی''۔میں نے اور پیا حتیٰ کہ میرا پیٹ بھر گیا۔اور پیالہ کی مانند ہو گیا۔پھر میں عمر سے ملا۔اور اپنی بھوک اور ان کے پاس آنے کا قصہ بیان کیا۔اور کہا:میں نے آپ سے آیت پڑھنے کے لئے کہا،حالانکہ میں اس آیت کا سب سے زیادہ قاری ہوں۔حضرت عمر نے کہا مجھے تمھارا گھر میں لانا (اور کھانا کھلانا) سُرخ اونٹوں کے گلہ سے زیادہ پسند ہے (لیکن کیا کروں میں تمھارا مقصد نہ سمجھا تھا)۔﴿43﴾

عدل و احسان سوسائٹی کے ساتھ

سوسائٹی کوئی الگ اور جداگانہ چیز نہیں،افراد کے مجموعے کا نام ہے۔پس ضروری ہے کہ وہ باتیں تحریر کی جائیں جو عدل و احسان کا تقاضا پورا کرتی ہوں اور ان باتوں سے احتراز کیا جائے جن سے یہ تقاضا مجروح ہوتا ہو،سوسائٹی اور سماج سے متعلق ہم ایک ہی آیت پیش کرینگے انّ اللہ یامرکم بالعدل والاحسان،یہ مفہوم کو پورے طور پر حاوی ہے اسکے بعد ضروری ہے کہ موضوع سے متعلق کچھ آثار و اخبار بھی پیش کر دئے جائیں۔

انسان کو اگر اللہ تعالیٰ نے فراغت اور کشائش عطا فرمائی ہے تو اس کے وضع و طریق سے اس کا اظہار بھی ہونا چاہئے جو شکر نعمت کی دلیل ہے:

> حضرت ابو الاحوص کے والد فرماتے ہیں:''رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن پر پھٹے کپڑے دیکھ کر فرمایا، تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کیا، مجھے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطا کیا ہے، اونٹ اور بکریاں بھی دی ہیں۔آپ نے فرمایا تو اس کا اثر تم پر نمایاں ہونا چاہئے''۔﴿44﴾

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے بارے میں ستار عیوب ہونا چاہئے:

''نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ صلعم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے پُکار کر فرمایا اے وہ جماعت جو زبان سے اسلام لائی ہے،اور اس کے دل تک ایمان نہیں پہنچا،مسلمانوں میں عیب نہ نکالو،اور نہ ان کے متعلق ننگ و عار باتیں کرو اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے لگو جن کا ظاہر کرنا بُرا سمجھا جاتا ہو۔کیونکہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ایسی پوشیدہ بات کے پیچھے پڑے گا اور اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑے گا،اس کا پردہ چاک کر کے اسکو ذلیل و رسوا کر دے گا۔اگر چہ اپنے محمل کے اندر

Marfat.com

ہو۔ (حضرت نافع) فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر نے کعبہ کی طرف نظر کی اور فرمایا: سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں، تو کس قدرت عظمت والا ہے اور تیری عزت و حرمت کتنی ہے مگر مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔''

نظم وضبط کا تقاضا اور امن و امان کی بنیاد یہ ہے کہ انسان جائز امور میں ارباب اختیار کی اطاعت کرے:

''حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسالت مآبؐ نے فرمایا: (حاکم کے) حکم کو سننا اور فرمانبرداری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے خواہ وہ حکم اسے پسند آئے یا نہ آئے۔ جب تک کہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پس اگر اسے کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے نہ سُننا واجب ہے اور نہ اطاعت کرنا''۔﴿45﴾

اختتامیہ

دنیا بھر میں انتہا پسندی اور دہشتگردی کی جڑ میں پائی جانے والی ناانصافیوں، استحصالوں اور بالادستی کی پالیسیوں کو ختم کرنے کے لئے جس فہم و فراست، تدبر اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے ہم مسلمان اس کے لیے تحریک چلائیں۔ بنی نوع انسان کے اس مسائل کا حل فقط رحمت للعالمین ﷺ کی تعلیمات اور ان کو عطا ہونے والی کتاب ہدایت قرآن کی تعلیمات کے عملی نفاذ کے ذریعے ممکن ہے پہلے ہم خود صحیح معنوں میں اہل ایمان کا کردار اپنے اندر پیدا کریں اور پھر اقوام عالم کو صحیح راستہ دکھائیں اور بنی نوع انسان کے مسائل کے حل میں اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں اجتماعی سطح پر پائی جانے والی معاشرتی بے راہ روی، معاشی استحصال اور سیاسی جبر اور۔۔۔۔انفرادی و اجتماعی سطح پر ہماری اپنے دین سے دوری کے باعث آج غیر مسلموں کو ہمارے خلاف انگشت نمائی کی نہ صرف جرأت ہے بلکہ وہ ہمارے دین پر بھی بے بنیاد خیال آرائیاں کر رہے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ محمد ﷺ کی عظمت کو غیر مسلم نے بھی تسلیم کیا ہے۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا اعتراف مذاہبِ عالم کے غیر مسلم دانشوروں کو بھی ہے۔ مہندر سنگھ بیدی سحر کیا خوب کہتے ہیں:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں
یہ ذاتِ مقدس تو ہر انسان کو ہے محبوب
مسلم ہی نہیں وابستہ دامانِ محمدؐ

سخت افسوس!! شان رسالت میں گستاخی اور توہین امیزی کے ذریعے اسلام، مسلم امہ اور مہذب انسانوں کی دل آزاری انتہائی گھنونا اقدام اور حد درجہ نا قابل برداشت ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کے نام پر آپ ﷺ کی توہین اور شانِ رسالت میں گستاخی کو کوئی مہذب انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ دین اور دنیا دونوں کے آئین سے غداری، پروردگارِ عالم کے میثاق سے انحراف ڈیڑھ ارب مسلمانوں اور دنیا کے مہذب انسانوں کے عقیدے، مذہب اور پوری انسانیت کی توہین ہے جس کا کوئی جواب اور کوئی عذر قبول نہیں کیا جاسکتا، یہ ایسا بدترین جرم ہے جس کی تائید اور اعانت بھی بدترین جرم سے کم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے!! اُمّت مسلمہ کے اربابِ علم و دانش، علماء و مشائخ اور اربابِ اختیار کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں

Marfat.com

میں ان کے اس عظیم منصب (اُمت وسط) ہونے کا احساس بیدار کریں اور اُمت وسط کا کردار وعمل ان میں پیدا کریں۔دین کا فہم صحیح فہم ان کے اندر پیدا ہو اور اس کے لیے سب سے پہلے تو یہ دعا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرما اور ہمارے سینے کو علم دین کے لیے کھول دے ہمیں کتاب وسنت پر مضبوطی سے عمل کرنے کی توفیق دے۔نیز ہمارے کردار وعمل میں افراط وتفریط کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے۔ہمیں دین پر استقامت عطافرما۔اگر انتہا پسندی ہمارے کردار وعمل کے کسی پہلو میں پائی جاتی ہے تو اس کو دور فرمادے۔اور عالم اسلام میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اسلام کا نظام عدل اجتماعی نافذ فرمادے،قائم فرمادے اور انفرادی طور پر بھی ہمیں انتہا پسندی سے بچا اور اجتماعی طور پر بھی۔ثم آمین۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حواشی وحوالہ جات

۱-سورۃ البقرہ آیت ۱۴۸۔......۲-سورۃ الانعام آیت ۷۰۔......۳-سورۃ المائدہ ۹۵۔......۴-لسان العرب جلد ۱۱ص ۴۴۳۔ ......۵-سورۃ النحل آیت ۹۰۔......۶-سورۃ الانعام آیت ۱۱۵/۴......۷-سورۃ المومن آیت ۲۰۔......۸-سورۃ الاحزاب آیت ۴۔......۹-یہ لفظ قرآن پاک میں ۲۲ مرتبہ آیا ہے(الاسراء ۳۵ الشعراء ۱۸۲- الانبیاء ۴۷- الرحمٰن ۹......۱۰-سورۃ الاعراف آیت ۲۹۔......۱۱-سورۃ القمان آیت ۱۸۔......۱۲-بحوالہ: العدالۃ لا جتماعیہ فی الاسلام۔......۱۳-سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۸۔...... ۱۴۔بدائع الصنائع از کاشانی حنفی طبع بیروت ۱۹۷۴ء صفحہ ۲ جلد ۷......۱۵۔البحرالرائق نقلاً عن المحیط صفحہ ۲۷۷ جلد ۶ طبع بیروت......۱۶۔معین الحکام از شیخ علاؤ الدین طرابلسی صفحہ ۶......۱۷-سورۃ المائدہ ۴۸......۱۸-سورۃ ص ۲۶......۱۹-النساء ۱۳۵......۲۰-عالمگیری صفحہ ۳۰۶ جلد ۳......۲۱۔ابو داؤد الا قصیدہ باب اجتہاد، ترمذی الاحکام باب ماجاء فی القاضی...... ۲۲۔بحوالہ: مسلم کتاب الاقضیۃ باب الحکم بالظاہر ۱۲۸/۵ بخاری، کتاب الاحکام باب موعظۃ الامام ۱۱۲/۸......۲۳-سورۃ الانعام آیت ۱۵۲......۲۴-سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲۔......۲۵-بخاری شریف۔......۲۶-صحیح بخاری۔......۲۷-سورۃ انعام آیت ۱۰۸۔ ......۲۸۔کتاب بحوالہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور......مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذہب عالم احمد عبداللہ المسدوی۔مذاہب عالم کراچی......۲۹۔سورۃ الکافرون (مکمل)۔......۳۰-بحوالہ تاریخ ابو جعفر جریر طبریؒ......۳۱-سورۃ الحدید آیت ۲۵۔...... ۳۲-سورۃ الکہف آیت ۲۹۔......۳۳-سورۃ الدھر آیت ۳۔......۳۴۔بحوالہ ترمذی، کتاب الحدود ۳۸/۴۔ابن ماجہ، کتاب الحدود باب الشفاعۃ: ۸۵۱/۲۔......۳۵-سورۃ اشوریٰ آیت ۱۵۔......۳۶-بحوالہ: صحیح بخاری کتاب الاضاحی۔......۳۷-صحیح بخاری، باب فضل الجہاد......۳۸۔صحیح بخاری، بحوالہ: کتاب بدء الخلق۔......۳۹۔صحیح بخاری، بحوالہ: کتاب العلم۔......۴۰۔صحیح بخاری، بحوالہ: کتاب المغازی۔......۴۱-صحیح بخاری الحوارالعین وصفھن۔......۴۲-صحیح بخاری باب وجوب الزکوۃ۔......۴۳۔بحوالہ صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ۔......۴۴-صحیح ترمذی ابواب البروالاحسان۔......۴۵-صحیح ترمذی ابواب الجہاد۔

﴿کتابیات﴾

۱- 1940ء اسلام اور عدل واحسان رئیس احمد جعفری، ندوی- ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ، لاہور۔

Marfat.com

۲- اسلامی ریاست ڈاکٹر حمید اللہ (طیب پبلشرز،لاہور۔

۳- اسلامی سیاست تالیف مولانا گوہر رحمان، شیخ الحدیث دارالعلوم تفہیم القرآن،مردان۔ المنار بک سینٹر، منصورہ ملتان روڈ۔،لاہور پاکستان

۴- اسلام کا نظام حکومت مولانا مدانصاری (الفصل ناشران،لاہور اُردو بازار۔

۵- جامع صحیح الامام البخاریؒ،مولانا امام بخاریؒ،طبع قدیمی کُتب خانہ تجارت کتب۔

۶- 2004اسلام کا عمرانی نظام پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ، ناشر گل فراز احمد علم و عرفان پبلشرز ۳۴-اُردو بازارلاہور۔

۷- القرآن یونیورسٹی اسلام آباد۔

۸- ۲۰۰۴ قرآن کا تصور عدل ڈاکٹر خالد علوی ناشر دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔

۹- ۲۰۰۲ اسلامی نظریہ حیات مولفہ خورشید احمد ناشر شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی

۱۰- عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی تالیف ڈاکٹر محمد حمید اللہ مطبوعہ حیدر آباد۔

۱۱- ۱۹۹۹رسالہ دعوۃ ناسر طابع دعوۃ اکیڈمی ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد۔

۱۲- ۱۳۰۲الحجۃ اللہ البالغۃ مؤلفہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم :حضرت علامہ ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی، ناشر :نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب،کراچی۔

۱۳- سفیران خدا ترتیب و تحقیق مسعود مفتی ناشر خزینۂ علم و ادب الکریم مارکیٹ اُردو بازار،لاہور۔

۱۴- سیرت احمد مجتبیٰ از شاہ مصباح الحق۔

۱۵- الفوز العظیم جلد دوم مقالات سیرت النبی ﷺ پروفیسر فائزہ احسان صدیقی۔

۱۶- سیرت النبیؐ تالیف سید سلیمان ندوی رب پبلشرز،کراچی،مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۵۳ء۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

نعیمہ راؤ- بہاولپور

الحمدلِلّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلواة والسلام علی رسوله محمد و علی اله و اصحابه وازواجه و زریته و اتباعه اجمعین ٥اما بعد

سلام اس ذاتِ اقدس پر سلام اس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
(جگن ناتھ)

محسنِ انسانیت، قائدِ تمدن، رہنمائے کاروان انسانیت، ماہِ کامل، نورِ مجسم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور اُسوہ حسنہ وہ واحد منبع ہے جس سے عالمِ اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی بھلائی کے لئے رہتی دُنیا تک سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ یہ یہی وہ ''انسان کامل'' ہے جس کو خلعتِ وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا کہ ''آپ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنایا گیا۔(۱)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۲)

(بلا شبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے)

آج کے اس پُر اضطراب دور میں سیرت پاک ﷺ کی روشنی میں ہمارے لیے سامان رحمت و برکت، سرمایۂ راحت و رافت، سکون قلب و ذہن ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے حالات، حیات، عادت اور اخلاقِ حسنہ اور عہدِ رسالت کے تمام واقعات پوری دُنیا کے انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے رُشد و ہدایت کی مثال اور منبع رحمت ہے۔ حدیث پاک ہے۔(۳)

''انما بعث لا تممه مکارم الاخلاق''

''میں تو اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں'' (کنز الاعمال جلد دوم صفحہ ۵)

رسول ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ اور آپ کا اُسوۂ حسنہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے لائق تقلید نمونہ ہے۔ وہ رشکِ بہاراں، رشک ارم، ابشار ضیاد، خلد بداماں، ختم نبیاں ﷺ دورہ نبوت کے تیرہ برس تک مکہ کی سرزمین میں ضوفگن رہے(۴) اور دس سال مدینہ میں ضیا پاش رہے، گویا 23 برس تک ظلمت کدہ عرب بقعۂ نور بن گیا۔ آپ کا ذکر اتنا بلند ہوا کہ کون و مکاں کی ساری رفعتیں اور تمام بلندیاں اس اسم مقدس اور اس عظیم ہستی کے سامنے پست ہو کر رہ گئیں۔ اور جب نبی رسول اللہ ﷺ عرفان الٰہی اور قُرب الٰہی اور قُربِ ذات کے نقطۂ معراج پر کھڑے ہو کر مادی زندگی کی تنظیم و ترتیب فرماتے ہیں۔ تو اس سے روحانی مراتب میں فرق نہیں آتا بلکہ مادی تنظیم میں نیابتِ الٰہی کا صحیح رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ

Marfat.com

ہے کہ ملکی و ملی اُمور بطریقِ احسن انجام دینے کے لیے فضائل قلبی نہایت ضروری ہیں مثلاً خلوص، دیانتداری، ہمدردی و ایثار، خوفِ خدا اور عزمِ استقلال وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ظاہری و باطنی اوصاف کے اعتبار سے ایک مکمل ذات ہے یہ کامل ذات تمام انسانوں کے جملہ عملی و ارتقائی مراحل کے لیے راہنمائی کا کام دیتی ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آئنہ از خاکش بر وید آرزو

یاز نورِ مصطفیٰ اُو رابہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

(جاوید نامہ)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات نسلِ انسانی کے تمام افراد کے لیے اور زندگی کے روحانی و مادی پہلوؤں میں راہنمائی کا مرتبہ رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات ایک آفتاب ہے۔ جس کی نورانی کرنیں مومنوں کی کائناتِ قلبی کو منور کرتی ہیں۔ آپ ﷺ بدرِ کامل ہیں جس کی ٹھنڈی میٹھی روشنی تسکین جاں کا باعث بنتی ہے۔ آپ کی ذات بابرکات ایک بحرِ بیکراں ہے۔ جو طالبوں کو مہر گوہر ہائے مطلوب سے نوازتی ہے اور تشنگانِ معرفت کو سیراب کرتی ہے۔ مومن اپنی روحانی زندگی کے لیے ہر لحظ آپ ﷺ کا محتاج ہے۔ واجب الاتباع کی ذاتِ گرامی ایک مکمل نمونہ ہے اور مومن اپنی ہر مشکل کا علاج نبی پاک ﷺ کے اتباع میں پائے گا۔ آپ ﷺ نے رئیس مملکت، جرنیل، جج، امام، مُدبّر غرض ہر حیثیت سے ایک عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ بقول سیّد سلمان ندویؒ کے الفاظ میں ''غرض ایک شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور مکمل اخلاق کا مجموعہ صرف محمد رسول ﷺ کی شخصیت ہے۔ (خطبات مدارس 1071)۔

ان چند لائنوں کا مقصد واضح ہے کہ آج جس موضوع پر قلم لکھ رہا ہے یعنی ''عدل اجتماعی'' سیرتِ پاک ﷺ کی روشنی میں دیکھنے کے لیے قلم کی سیاہی پہلے دل کا احاطہ کرے گی اور پھر بتدریج نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ کے تناظر میں اس اہم موضوع کی وسعت کو سمیٹنے کی ایک کوشش کی جائے گی۔ تا کہ ہم ''عدلِ اجتماعی'' کو اپنا کر ہدایت حاصل کریں۔ انشاء اللہ و تعالیٰ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات نسلِ انسانی کے تمام افراد کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔

عدل

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (القرآن)

عدل کے لغوی معنی برابر اور سیدھا کرنا، توازن اور تناسب قائم کرنا، افراط و تفریط سے بچنا، نیز انصاف اور قسط کا تعلق بھی عدل کے ہم معانی الفاظ میں ہے۔

شریعت میں ''عدل'' کے معانی ہر چیز کو اُس کے صحیح موقع و محل میں رکھنا اور زندگی کے ہر شعبہ میں توازن و تناسب قائم کرنا، عدل کے ایک اور معانی کسی چیز کا اپنی جگہ ہونا یا کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کرنا کہ اُن دو میں سے کسی میں بھی ذرا سی بھی کمی بیشی نہ آجائے۔ اسے عربی میں ''عدل'' کہتے ہیں۔

Marfat.com

عدل کی ضد ''ظلم'' ہے۔

الختصر عدل سے مراد زندگی کے تمام شعبوں میں معاشرتی، معاشی، عدالتی، سیاسی، انفرادی و اجتماعی وغیرہ میں حقوق کی متناسب و متوازن تقسیم ہے۔

عدل کا وسیع تر مفہوم'اعتدال' ہے اس کے معانی ''رواداری'' کے ہیں۔ معاملات میں بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔

اسلام اور عدل:۔

اسلام ''دینِ عدل'' ہے۔ افراط وتفریط کے درمیان اسلام جادۂ اعتدال ہے۔ اسلام نقصان سے پاک دین ہے اور عدل ہر قسم کے تعصب کو مٹانے والا دین ہے۔ قرآن پاک نے تعصبات کو ختم کرنے کی اعلیٰ پیرائے میں تعلیم دی ہے۔

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنادیئے ہیں۔ بے شک اللہ کے نزدیک ہم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے''۔ (القرآن)

اسی آیت کی تشریح رسول پاک ﷺ نے ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر فرمائی تھی۔ ''نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ عجمی، عربی سے افضل ہے۔ نہ گورا، کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے، ہاں اگر فضیلت ہے تو صرف ''تقویٰ'' کی بنیاد پر۔

''عدل'' اللہ سبحان وتعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے اسماء الحسنیٰ میں ایک نام ''عادل'' بھی ہے اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل کا حکم دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (نحل) ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔''

اعتدال کی بحثیں ہمارے علماء اخلاق کے ہاں یونانی فلسفے کے پس منظر میں کی گئی ہیں، قوتِ علمیہ، قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا نام فضیلتِ اخلاق ہے اور ''عدمِ اعتدال'' کا نام رذیلت، حالانکہ فضائل و رذائل کا یقین احکامِ الٰہی اور وحی ربانی کے اُصول سے ہے۔ ہمارے پیشِ نظر انسانی رویوں کے عملی پہلوؤں کا تجزیہ ہے اور ان میں انتہا پسندانہ رُجحان اور یک طرفہ جھکاؤ کے بجائے اعتدال کی روش ثابت کرنا ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل وہ طریقۂ کار ہے جس میں کمال درجہ توازن اور تناسب قوانین فطرت کے ساتھ مطابقت کرتا نظر آتا ہے۔ اسلامی عدل و انصاف ان احکامات اور آداب و اطوار کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے اُمت کو سکھائے ہیں جس میں انسانی ضروریات، اس کے احساس اور خاص طور پر اُس کے ماحول اور نفسیات کو دیکھتے ہوئے اُس کے عمل اور ردِعمل کے نتیجے کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے سزا کے معیار کو متعین کیا گیا ہے۔

''عدل'' دل سے جنم لیتا ہے۔ دل ایک کھیت کی مانند ہے جسے نرم کرنا، حسد، نفرت اور بخل وغیرہ کے خاردار پودے اُکھیڑنا، اُس میں انسانی محبت اور دیگر جذباتِ صالحہ کا بیج بونا قرآنی تعلیمات سے آبیاری کرنا اور شیطانی ترغیبات سے بچانا اور غلطی کا احساس دِلانا ''عدل'' ہے۔

Marfat.com

اسلامی فلسفہ تاریخ، کتاب و سنت کی تعلیمات نے جب اپنا تاریخی اور تاریخ ساز کردار ادا کرنا شروع کیا تو اس کے پس منظر میں اسلام کا تاریخی شعور، فلسفہ و تاریخ اور نظریہ حیات، کائنات بھی کارفرما تھا۔ اسلام نے تاریخ کا واضح و متعین نظریہ اور عملی فلسفۂ عدل بتایا...... جسے سنت اللہ سے تعبیر کیا گیا جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں اللہ سبحان و تعالیٰ کے قوانینِ قدرت کے پیشِ نظر قدرتی اور فطری طور پر اسلام کا نظامِ عدل ایک تعمیری و انقلابی نظریہ حیات اور مکمل و مثالی نظام زندگی کی شکل میں آیا تو اِس نے کفر و شرک، جاہلیت و جہالت، مادیت و مظاہر پرستی، قومی و قبائلی عصبیت اور انسان دشمنی، شہنشاہیت و طبقہ واریت، دین و دُنیا کی تفریق، بداخلاقی و ناشائستگی اور تمام غیر انسانی افکار و اعمال پر خطِ تنسیخ پھیر دیا، اور حقیقت پسندی و حق پرستی، مساوات و انسان دوستی، انسان کے شرف و عزت، دین و دنیا کی وحدت اور ایک صالح معاشرتی تہذیب و تمدن اور عالمگیر انسانی ''بین العدل'' کی تعمیر و تشکیل کا راستہ ہموار کر دیا۔ آفتاب کی روشنی، ماہتاب کی چاندنی اور موسم کے تغیرات کی طرح پوری دنیائے انسانیت کو متاثر کر ڈالا۔

عدل اور سلطنت:۔

عدل صرف انتظامِ سلطنت کے لیے ہی درکار نہیں بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں اس کا اختیار لازمی ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا ایسا معیار قائم کیا ہے کہ اس میں امیر و غریب اور دین و ملّت کی کوئی قید نہیں۔ قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہیں۔ سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے

> ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لیے گواہی دو، اگرچہ اپنی ذات کے خلاف ہو، ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف۔ اگر کوئی مالدار ہے یا فقیر ہے اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔''
>
> اس طرح اللہ کریم نے غیر مسلموں اور دشمنوں سے بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔

عدل یا عدالت

ڈاکٹر لیاقت علی خان اپنی کتاب ''اسلام کا نظام حیات'' (۵) کے باب حضور ﷺ کا عدل میں لکھتے ہیں کا نظام تو قبل از اسلام بھی موجود تھا۔ لیکن ہر زیادہ تر قبائلی طرز کا نظام تھا، ملکی آبادی میں ہر ضلع میں اپنا ادارۂ عدل موجود تھا، ایک ادارہ ''حلف الفضول'' جو ہر قسم کے عدل و انصاف کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا، خود رسول اکرم ﷺ بھی اس کے اراکین میں شامل تھے جثعم خاندان کے ایک فرد کی لڑکی کا اغواء ہو جانا، اور پھر لڑکی کے باپ کی فریاد پر حلف الفضول کے اراکین کا اس شخص کی تلواریں سونت کر مدد کرنا۔ عدل اور انصاف کے قائم ہونے کی بہت بڑی دلیل تھا۔ خود رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا جب انہوں نے حلف الفضول میں حصہ لیا تھا کہ اگر اسلام میں بھی اس وفاق کے نام پر مجھے مدد کے لیے پکارا تو میں سرخ اونٹوں کی قیمت پر بھی اس کا جواب دوں گا۔ (بحوالہ نقوش، رسول نمبر جلد یازدہم، جنوری 1975، ص 7-6)۔

اس دور میں ایسا ادارہ ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ علاوہ ازیں عکاظ کے میلے میں بھی ثالثی کے فرائض انجام دیئے جاتے تھے۔ یہ اسلام سے پہلے کا عدل تھا، بعد از اسلام عدل و انصاف کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ قرآن حکیم میں

Marfat.com

ارشادِ ربانی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (المائدہ) ''بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

سورۂ المائدہ میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

''انصاف کیا کرو کہ یہ پرہیز گاری کی بات ہے۔''

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۹ میں حکم ہے۔

''پھر اگر وہ (زیادتی کرنے والا گروہ) رجوع کرے تو ان فریقین کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کروادو۔''

''ابن القیم'' فرماتے ہیں کہ:

یہ آیات اسلام کے نظامِ قضاء کی اساس اور بنیاد ہیں۔ محمد بن الفرج الاندلسی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''اقضیۃ الرسول'' میں لکھتے ہیں کہ اسلام کے نظام عدل میں عدل کو ''تقویٰ'' کہا گیا ہے،

اللہ تعالیٰ عدل کو پسند فرماتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ جو دین لے کر مبعوث ہوئے وہ دین عدل ہے۔ اسلام مساوات کا حکم دیتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

''اگر میری بیٹی فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (بخاری شریف)

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ عدل کو پسند فرمایا اور ''عادل و صادق'' مشہور ہوئے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو عدل کی تاکید فرمائی۔

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ (شوریٰ) ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

''مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ رضا اور ناراضگی دونوں حالتوں میں کلمۂ حق کہوں۔''

عدل گستری:۔

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب ''عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی'' میں رقم طراز ہیں کہ

نبی پاک ﷺ سے پہلے عدل گستری کے نظام کا مقصد صرف جرائم کی ذمہ داری اور وعدوں میں حقوق کا تعین ہوا کرتا تھا۔ عرب میں کچھ لوگ خانہ بدوش اور بدوی تھے، (۶) منتقل وطن پر کچھ لوگ حضری زندگی گزارنے لگے، کچھ لوگ پرانے طریق حیات پر گامزن رہے، ان تمام ساجوں کے اصولِ عدل گستری میں فرق ناگزیر تھا۔

حضری زندگی وجود میں آئی تو پہلے پہل قبیلہ وار حاکم وعدالت وجود میں آئے، قبیلے کا سردار اپنے ماتحتوں کے لیے نظم ونسق کا حاکم بھی ہوتا ہے اور حاکم عدالت بھی، ایک اور قبیلے کے دو افراد میں ہونے والے جھگڑے کا فیصلہ سردا قبیلہ کرتا، جو عموماً فریقین کا معمر رشتہ دار ہوتا، لیکن جھگڑا دو مختلف قبیلوں کے افراد میں ہو تو کسی تیسرے قبیلے کے سردار کو ثالث بنایا جاتا، تمدنی ترقی، شہری مملکت کا دور اور قریبی قبائل کے کچھ حصوں کا شہر مکہ میں توطن پذیر ہونے سے عدل گستری کے لیے نہ صرف پرانے ازلام وایسار برقرار رہے، بلکہ بعض نئے ادارے بھی وجود میں آئے۔

مملکت حکم کے دس وزیروں سے چھٹا ''اشناق'' (۷) کے اور دسواں ''حکومہ'' کے فرائض میں مشغول ہوتا تھا اور یہ

Marfat.com

دونوں عدل گستری سے متعلق تھے۔

حکومہ، کا عہدہ قبیلی بنی سہم سے وارثتاً چلا آرہا تھا۔ اس کے پاس عام مقدمے لائے جاتے تھے۔ اس قبیلے کا سردار فیصلہ تو سناتا لیکن اس کے نفاذ کے وسائل اس کے پاس نہ تھے یہ کہ چیز عہدِ اسلام میں رسول اکرم نے بڑھائی۔ اور اسے فرائض مملکت میں شامل کیا۔

عدل گستری کا سلسلہ:۔

عدل گستری کے سلسلے میں دوسرا عہدہ ''اشناق'' کا ہے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان سے چلا آتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جو کوئی کسی ایسے جرم یا ناقابل فعل کا ارتکاب کرتا جو قابل راضی نامہ ہوتو ''عہدہ دار اشناق'' اس بات کا تعین کرتا کہ کس پر اور کتنی مالی ذمہ داری عائد کی جائے۔ اور پورا شہر اس فیصلہ کو مان لیتا۔ اور ملزم کا خاندان ہرجانے کی رقم ادا کرتا۔

یہ حکمران کا اولین فریضہ ہے کہ عدل گستری کے سلسلے میں وہ غیر جانب دار ہو اور انصاف کے ساتھ حسب ضرورت وموقع رحم بھی کرے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اپنے مضمون ''اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں'' لکھتے ہیں کہ

''عرب اپنی جاہلیت کے زمانے میں بھی عدل گستری کو اہمیت دیتے تھے، دوسرے الفاظ میں حکومت کا اگر واحد نہیں تو سب سے بڑا فریضہ عدل گستری سمجھا جاتا تھا۔''

اسی طرح۔

''اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں نائب بنایا ہے۔ اس لیے لوگوں میں حق طور سے فیصلے کیا کرو۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے دیگر ممالک میں بھی عدل گستری کی اہمیت برابر تسلیم کی جاتی رہی ہے اور اسلام نے اس اہمیت گھٹانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اسے انسانیت کا عین اقتضاء اور خدا کی نیابت کا پہلا فریضہ قرار دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنا اور اس نے عدل و انصاف سے کام نہ لیا اور اس حال میں وہ مرگیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات:

ادیانِ عالم میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی اس طرح رہنمائی کرتا ہے کہ کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔ قرآنِ پاک میں اِرشاد ہے کہ

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: 89)

''اور ہم نے آپ ﷺ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے

﴿فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ (البینة:٣) ''اس (قرآن) میں تمام کامل اور درست احکام جمع ہیں۔''

Marfat.com

اسلام کی تعلیمات کے دو پہلو ہیں:۔

اسلام کی یہ جامع اور مکمل ہدایات و تعلیمات دو طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ جو عقائد اور احکامات ہیں جو اسلام کی روح اور غیر متبدل ہیں۔

۲۔ جو طرزِ معاشرت، علوم و فنون، زبان و ادب، اور رسم و رواج کے متعلق تعلیمات ہیں، وہ متبدل اور لچکدار ہیں اور وقت اور علاقائی مناسبت سے بدل سکتی ہیں۔

دین اسلام وہ ضابطۂ حیات ہے جو عین فطرت کے اُصولوں کے مطابق ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبے کی تعمیر کرتا ہے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل دُنیا میں مذہب کا عام تصور یہ تھا کہ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح یہ بھی ایک شعبہ ہے اور یہ انسان کی دینوی زندگی کے ساتھ ایک ضمیمے کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ بعد کی زندگی میں نجات کے لیے ایک سرٹیفکیٹ کے طور پر کام آئے۔ اس کا تعلق کلیتاً صرف اس رشتے سے ہے جو انسان اور اس کے معبود کے درمیان ہے۔ لہٰذا جس شخص کو نجات کے بلند مرتبے حاصل کرنا مقصود ہو اُس کے لیے ضروری ہے کہ دینوی زندگی کے تمام شعبوں سے لاتعلق ہو کر اسی ایک شعبے کا ہو جائے۔ لیکن جسے اتنے بڑے مراتب مطلوب نہ ہوں صرف نجات مطلوب ہو اُس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ دینوی کاموں کے ساتھ چند مذہبی رسمیں ادا کر کے معبود کو خوش کرتا ہے۔

ہمارا مذہب اسلام مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ کو احاطہ کیے ہوئے ہے اگر یہ کہا جائے کہ اسلام اور اسلامی عدل و انصاف و احسان یا مسلمانوں کا ''طریقۂ عدل'' ایک ہی طرزِ زندگی کے نام ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

گویا انسانی زندگی کا ہر پہلو اور ہر فعل عدل کا حصہ ہے۔ لہٰذا بحث کرتے وقت اس کی زندگی کے مختلف پہلو اور ماحول پر بھی غور کرنا پڑتا ہے نیز علم و ادب ملکی حالات کا بیان...... اسباب اور طرز معاشرت و مذہبی عقائد سب پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب آپ ﷺ کی ذاتِ برکاتِ انسانی کا وہ بحرِ بیکراں ہے جو انسانیت کو گوہر ہائے مطلوب سے نوازتی ہے۔ اور یہ وہ دین ہے جو حکمت کی اساس پر قائم ہے اور جسے اللہ رب العزت نے انسانوں کے لئے بہترین طریقۂ زندگی قرار دیا اور خود اس کے لئے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ......

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا کہ

''آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا''(المائدہ:۱۰)

سیرت النبی ﷺ:۔

اللہ سبحان و تعالیٰ نے ''سورۂ مائدہ'' میں فرمائے گئے اپنے قول کو سب سے پہلے اپنے محبوب ﷺ کی ذاتِ اَقدس پر عملی طور پر اس طرح نافذ کیا کہ وہ ہر حکمِ الٰہی پر پہلے خود عمل کر کے دکھاتے، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ تو ناممکن یا مشکل بات

Marfat.com

ہے اور اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہر حکم الٰہی پر پہلے خود عمل فرماتے پھر دوسروں کو اس کی تلقین کرتے، نماز کا حکم آیا تو آپ ﷺ نے خود نماز پڑھی اور پھر اس کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ''صلوا کما رایتمونی اُصلی'' یعنی اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو...... وضو کی تعلیم دی تو خود وضو کر کے فرمایا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی لئے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکت کو لوگوں کے لیے نمونہ کہا اور جس طرح اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا اسی طرح آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔

مقاصدِ شریعتِ اسلام اور سیرت النبی ﷺ:۔

اسلام کے تمام عقائد و عبادات کے اہتمام سے اصل مقصودِ اعلیٰ سیرت و کردار کی تعمیر ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے اور نماز روزہ کے اہتمام کا مقصد صرف چند باتوں کو تسلیم کر لینا یا چند رسموں کا بجالانا ہی نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ایمان کی روشنی جو انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اس سے ہمارا باطن جگمگا اُٹھے، نماز اور روزے سے جو کردار بنتا ہے وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی خصوصیت بن جائے۔ کیونکہ امتحان اور آزمائشوں کا اصل میدان سیرت و کردار ہی ہے۔ اور انسان کا اصل خزانہ اس کی مضبوط اور پاکیزہ سیرت ہی ہے۔ یہی چیز اس کو انفرادی زندگی میں بھی بلند مقام اور تقویٰ سے سرفراز کرتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی۔

مذہب انسان کو اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کی زندگی میں توازن، صبر، حوصلہ، سکون، اطمینان، عفوودرگزر اور رحم دلی جیسے اوصاف پیدا کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں سچائی اور اخلاقی کشش تھی جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی تھی۔

ہرقل کی مثال:

روم کے بادشاہ ہرقُل کے پاس جب رسول اللہ ﷺ کا تبلیغی نامۂ مبارک پہنچا، اس وقت قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام میں موجود تھا۔ جس کی قیادت ابوسفیان کر رہا تھا (اس وقت تک اس نے ایمان قبول نہ کیا تھا) ہرقُل نے تحقیقات کے لیے ان لوگوں کو دربار میں بلایا اور ان سے رسول ﷺ اور دین اسلام کے متعلق مختلف سوالات پوچھے ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ

''کیا کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد اس دین کو بار سمجھ کر واپس پھر جاتا ہے؟''

ابوسفیان نے جواب دیا ''نہیں''

اس پر ہرقل نے کہا:

''ایمان کی بشاشت جب دلوں میں سما جاتی ہے تو اس وقت یہی کیفیت ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری)

اسلام سے قبل کی شریعتیں افراط و تفریط کا مظہر تھیں۔ مثلاً تورات کے اصول عادلانہ انتقام پر مبنی ہیں یعنی ان کے ہاں قصاص کا یہ حکم تھا کہ

''جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا......اور کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے گا سو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت''

Marfat.com

جبکہ انجیل کی تعلیم سراسر عفو پر مبنی ہے۔ اس کا حکیمانہ وعظ یہ ہے۔

''تم سن چکے کہ کہا گیا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے دوسرا گال بھی اسی کی طرف پھیر دے''

لیکن کیا اس سرتاپار روحانی اخلاقیات پر ایک دن بھی کوئی عیسائی قوم یا ملک عمل کر سکا؟ ان دونوں تعلیمات کے مقابلے میں اسلام نے جو تعلیم پیش کی وہ اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے۔ عدل، قانون ہے اور احسان، اخلاق ہے اور اسلام کے تمام احکامات میں دونوں اصول برابر جاری ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(سورة البقرة ۱۷۸)

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں برابری کے بدلے کا حکم ہوا۔ آقا کے بدلے آقا، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت اس عادلانہ حکم کے بعد اخلاق کا حکم ہے۔ تو اگر اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو دستور کے مطابق اس کی پیروی کرنا اور نیکی کے ساتھ اس کو ادا کرنا۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہوئی۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھر زیادتی کرے تو اس کے لیے دکھ کی سزا ہے۔''

میانہ روی کی اس تعلیم میں اتنی کشش تھی کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچتے چلے آتے تھے۔ اور ان تعلیمات کی برکت سے عرب کے قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کی جنگیں انتہائی معمولی باتوں پر شروع ہوتیں تو سالہا سال تک ختم نہ ہوتیں۔ وہی قبائل جو کئی پشتوں تک ان لڑائیوں میں الجھے رہتے تھے، ایک دوسرے سے اس طرح بھائی بن کر ملے کہ خون کے رشتے کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یوں ارشاد فرمایا۔

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾(آل عمران ۱۰۳)

''اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر تم بھائی بھائی بن گئے۔''

وہی قوم جسے اس کی اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے جانوروں سے تشبیہ دی جا رہی تھی۔ ایسی متمدن اور مہذب قوم بن کر دنیا کے نقشے پر ابھری کہ چند برسوں کے اندر ہی پوری دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ اس کے ساتھ ہی جو اسلامی عدل عرب سے نکل کر عجم میں آیا اور یہاں کی دوسری تہذیبوں سے واسطہ پڑا تو نئے چیلنجوں کا مقابلہ اعتدال کی راہ پر رہتے ہوئے کیا اور اپنی

Marfat.com

انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے ان کے کچھ اثرات تو قبول کیے لیکن اپنی اصل شکل کو بگڑنے نہ دیا۔ اور یہی نشانی ہوتی ہے زندہ قوموں کی۔ کیونکہ کوئی بھی قوم خلاء میں جنم نہیں لے سکتی۔ ''عدل و انصاف عبادت ہے''۔ پچھلی نسلوں کے تجربات سے مستفید ہوتے ہوئے نئے مدارج طے کرنے سے کامیابی کے در کھلتے ہیں۔

اجتماعی عدل:

اسلام محض ایک مذہب نہیں، دین ہے یہ محض انسان اور رب کے پرائیویٹ تعلق کا نام نہیں ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس میں عدل اجتماعی، کو ماٹو (Moto) کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن پاک میں اس کے لیے اور ''دین حق اور المیز ان'' کے لفظ آئے ہیں۔

عدل و انصاف کی فراہمی

عدل و انصاف کی فراہمی کسی بھی معاشرے کے امن و بقا کی حقیقی ضامن ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عدل نہ ہو تو ظلم بڑھتا چلا جاتا ہے اور جہاں ظلم ہو وہاں فساد پھیلتا ہے۔ اور فساد معاشرتی زندگی کی ناکامی اور آخر کار مکمل تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رزم حق و باطل میں راستے دو ہی ہوتے ہیں۔ ایک راستہ ''حق'' کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ باطل کی طرف اختیار کے لیے انسان کو ایک دوراہے پر کھڑا کر دیا جاتا ہے کہ چاہے تو حق کا ساتھ دے کر رب تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنے اور چاہے تو باطل کے ساتھ کفرانِ نعمت کرے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کے فیصلے اٹل اور ہمیشہ کے لیے ہیں۔ مسلمان خوش بخت ہے کہ حق و باطل میں تفریق کرنے والے ''علم الفرقان'' کا واقف اور وارث ہے۔ بشرط یہ کہ اس کا قدر دان ہو۔ یعنی اگر تو حق الوسع اپنی اس بیش قیمت وراثت کی قدر کرے گا تو اس پر کوئی دوسرا غالب نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس سے لاتعلقی کا رویہ اپنائے گا تو دوہری سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

پیراگراف کی تمہید کا مقصد ''عدل اور عدل اجتماعی'' کو سمجھنے میں معاون ہوگا اور اس کے لیے ہمیں وصالِ نبی پاک ﷺ کے وقت اور اہل ایمان کے لیے جو کڑے امتحان سے کم نہ تھا، کی طرف جانا ہے۔ جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک ایسا مثالی کردار ادا کیا جس کی یاد میں آج بھی اہل اسلام کے لیے ایک مشعلِ نور ہیں۔ حبیب اللہ ﷺ سے انتہا کی محبت رکھنے والے ''یارِ غار'' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ ''لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عاشقِ رسول ﷺ کے جذبات بھی تسلیم و رضا کی طرف مائل ہو گئے اور تلوار نیام میں ڈال لی حالانکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جذباتی کیفیت اُس وقت یہ تھی کہ مسجد نبوی ﷺ میں موجود لوگوں کو اُنہوں نے دھمکی دی کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو وہ اس کی گردن ماردیں گے۔ یا اس کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔

اقتدار کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ اہل ایمان کے لیے اُس کا یہ جملہ بلاشکر و شبہ بصیرت افروز اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے لیکن ایک اسلامی ریاست کی بقا کے دو ایسے سنہری اصول بھی اس میں درج ملتے ہیں جن پر عمل کیے بغیر مسلمان کا بحیثیت قوم وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ ایک یہ کہ آپؓ

Marfat.com

نے فرمایا ''جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم پر میری اطاعت کرو لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں ہے۔ اگر میں اچھے کام کروں تو آپ لوگ میری مدد کریں لیکن اگر برائی کروں تو مجھے ٹھیک کر دینا۔ سچائی اور راستی ہی امانتداری ہے اور جھوٹ خیانت ہے اور دوسرا یہ فرمایا 'تم میں سے کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اللہ کے حکم سے دوسرے کا حق وصول نہ کرلوں۔

پورے خطبہ کے الفاظ پر بغور نظر دوڑائیں تو اس میں ہر جملہ فکر انگیز اور رہنما اُصول نظر آتا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا دو اصول مسلمان قوم کے لیے انتہائی بلکہ اہم ترین ہیں۔ یعنی پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ صاحب اقتدار اگر تو اسلامی نظریاتی وابستگی پر قائم اور پختہ رہے تو اس کی اطاعت کی جائے اور اگر قرآن وسنت کے خلاف فیصلے کرنا شروع کردے تو اس کی اطاعت ترک کر دی جائے اور دوسرا اہم ترین اصول یہ ہے کہ حکمران معاشرے میں عدل و انصاف کا نظام قائم کریں۔ خلافتِ راشدہ کے مثالی ادوار انہی راہنما اصولوں پر عمل کی بہترین مثال ہیں۔

اِنسانی تاریخ کا سرسری جائزہ بھی یہ دِکھاتا ہے کہ نظریات سے وابستگی صرف اہل اسلام کے لیے ہی کامیابی کی کنجی نہیں، بلکہ اقوامِ عالم میں سے جس قوم کے حکمرانوں نے بھی انسانی بھلائی میں کیے گئے فیصلوں پر استقامت اختیار کی اپنے ماحول میں ایک حد تک ضرور کامیاب ہوئے۔ سوشلزم، کمیونزم، اور کیپٹلزم وغیرہ جیسے نظریات کی مثالیں سامنے ہیں کہ وقتی طور پر ایک حد تک انہیں کامیابیاں ضرور ملیں مگر لیکن وقت گزرنے کے ساتھ سب ناکام ثابت ہوئے۔

لیکن مذہب اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے ''اعتدال'' کی ایسی روش سکھائی کہ افراط و تفریط کی گنجائش ہی نہ چھوڑی۔ اور یوں انسان خوف و رجا کا مجموعی روّیہ اپنا کر ''عدل'' کا عمدہ نمونہ پیش کرسکتا ہے۔ اسلام کے تصورِ اعتدال کا دوسرا مظہر عفو و انتقام ہے۔ حیاتِ انسانی میں اجتماعی سرگرمیاں کئی مسائل پیدا کرتی ہیں۔ انسان باہم ملتے اور معاملہ کرتے ہیں تو کمی بیشی کا امکان رہتا ہے۔ صاحبِ قوت کبھی زیادتی کرتا تو کبھی کمزور کا حق مارا جاتا۔ اجتماعی زندگی میں توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسا ''انتظامِ عدل'' موجود ہو کہ حق دار کا حق ضائع نہ ہو اور دست درازی کرنے والے ہاتھ کو روکا جا سکے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اس انتظام کے لیے شرائع و مناہج عطا فرمائے اور انسانوں نے بھی قوانین و انصاف کے نظام وضع کیے۔ الہامی نظاموں میں یہودیت اور عیسائیت کو اسلام کے پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یعنی اور جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا ور کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے، سو جیسا کرے گا ویسا پائے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔

عدل و انصاف اور اجتماعی ہم آہنگی (سیرت پاک ﷺ کی روشنی میں)

نظریہ عقیدہ، عبادات، اخلاق اور امور زندگی میں تقارب و تعلق نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، نمک اور آگ (ابن ماجہ)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت فرمایا! جو شخص آگ دے گا گویا اُس نے وہ ساری چیزیں صدقے میں دے دیں جو اُس آگ نے پکائی ہیں اور جس نے نمک دیا اُس نے ساری چیزیں صدقے دے دی جن کو نمک نے اچھا بنایا، اور جس شخص نے کسی ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تھا تو اُس

Marfat.com

نے گویا کسی کو زندہ کردیا (بخاری جلد دوم باب الصدقہ 'بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن نومبر 2007')

اس حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کے حوالے سے آپ ﷺ نے پوری انسانیت کے لیے پانی، نمک، اور آگ کی نعمتوں کی قدر و قیمت سمجھادی انہی انعامات میں دنیا بھر کی ساری تہذیبیں اور ثقافتیں مشترک ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے''۔ اس حکمت کی تلاش میں نظام عدل اس کے استحکام کو ایسے اپنانا کہ اپنی شناخت ختم نہ ہو اور 'صبغۃ اللہ' غالب رہے، آپ ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہے۔

اقبال نے ''بال جبریل'' میں کیا خوب رباعی کہی ہے:

خودی کے زور سے دنیا پہ چھاجا
مقام رنگ بو کا راز پاجا
برنگ بحر ساحل آشنا رہ!
کف ساحل سے دامن کھینچتا جا

دوسری اقوام عالم تو بات ہی صلیبی جنگوں (Crusades) اور تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilization) سے شروع کرتے ہیں وہ مسلمانوں کو مجبور محض (Presecute) کرتے ہوئے اپنے مذہب اور عدل کے طریقے پر زور دیتے ہیں۔

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (البقرہ256) صرف امت وسط کا طرہ امتیاز ہے جو جبروجور کے ذریعے دوسروں کی تہذیب و ثقافت پر حملہ آور نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ نے نسب و نسل و رنگ کی برتری کو تقویٰ کے ذریعے ختم کر کے ان کو شیر و شکر کر دیا۔ آپ ﷺ نے ''حلف الفضول'' جیسے معاہدے میں شریک ہو کر فلاح انسانیت کا درس دیا۔ حجراسود کی تنصیب پر قبائل عرب کو اپنی حکمت کاملہ کے طفیل خون خرابہ سے بچالیا۔ مکالمہ و مباحثہ کا اندازِ جداگانہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی۔ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ۔(اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ دانائی سے، اور اچھی نصیحت سے اور ان سے ایسے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو)، (سورۃ النحل:125)

نبی ﷺ نے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''آپ ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے'' (الشعرآء:214) کی تعمیل میں اُس دور کی طریقہ عدل کے مطابق ایک روز آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی: یا صباحاہ (ہائے صبح)! یہ پکار سن کر قریش کے قبائل آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ ﷺ نے انہیں خدا کی توحید اپنی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ وقتِ ضرورت غیر مسلموں کی پناہ حاصل کر سکتے ہیں، خواہ پناہ دینے والا اہل کتاب میں سے ہو، مثلاً نجاشی کہ وہ اس وقت نصرانی تھا، بعد میں مشرف با سلام ہوا، مشرک ہو، مثلاً وہ لوگ جن کی پناہ لے کر حبشہ سے واپس آنے والے مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تھے اور رسول ﷺ کے چچا ابو طالب اور مطعم بن عدی جس کی پناہ لے کر رسول ﷺ طائف سے واپسی پر مکہ میں داخل ہوئے تھے (دُروس سیرت

Marfat.com

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی: ص 177)۔

خطبہ حجۃ الوداع:

آپ ﷺ نے عرفات کے میدان میں ''خطبہ حجۃ الوداع'' میں انسانیت میں ہم آہنگی کے لیے منشورِ انسانیت (Character of Humanity) پیش کرتے ہوئے فرمایا:

یقیناً تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پہ اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا دن، مہینہ اور جگہ محترم اور مقدس ہے۔ یاد رکھو! آج سے جاہلیت کے تمام رسوم و رواج ختم کر دیے گئے ہیں اور سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ اسلام سے پہلے کہ تمام سود معاف کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، یقیناً خدا نے انہیں تمہارے قبضے میں دیا ہے اور خدا ہی کے حکم سے تمہارے لئے ان سے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ان کے اوپر تمہارے بھی کچھ حقوق ہیں، اور وہ یہ کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہیں کرتے، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں ہلکی سزا دے سکتے ہو اور ان کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ تم انہیں مناسب کھانا اور کپڑا مہیا کرو۔ میں تمہارے درمیان خدا کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تو کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے بیک زبان ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک پہنچادیا اور حق ادا کردیا۔ اُمت کو نصیحت کر دی جو آپ ﷺ کی ذمہ داریاں تھیں ادا کردیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی اُنگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! تو گواہ رہنا''۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے منیٰ میں ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرنا کہ میرے بعد کفر میں گرفتار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو'' (صحیح بخاری فتح الباری 107:8 صحیح مسلم 82:1 بحوالہ سیرت رحمت عالم ﷺ: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری)۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا کرتے ہوئے عرب و عجم میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تمام قوموں کے تقارب اور ہم آہنگی کے سلسلے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کے معنی اور اس کے مقاصد کی بہت عمدہ تعبیر کی جس سے ان کے دور کے واقعات اور ان کے دین کے مقاصد کے گہرے شعور کی دلیل ملتی ہے۔ ربعی بن عامرؓ نے فارس کے قائد سے کہا: ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف نکالیں''۔ صحابہؓ رسالت کو اہل زمین کی طرف لئے پھرتے تھے اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے سے انہیں انتہائی مسرت ہوتی۔ اور وہ اس کے ساتھ اپنے اہداف کا شعور رکھنے والے، اپنے عقیدے کی اشاعت کے حریص، اور آنحضور ﷺ کے قول کا ادراک رکھنے والے تھے جو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے خیبر کے دن فرمایا: (لئن یهدی الله بك رجلا واحد خیر لك

Marfat.com

من ان یکون لك حمر النعم)(اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے) (سیرت رحمت عالمﷺ: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری)۔

آپﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اہل اسلام سے یہود نصاریٰ کو اختلافات کے حل کے لیے مشترکہ نکات کی بنیاد پر مکالمے کی دعوت دی:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾(آل عمران:٦٤)

اے نبیﷺ کہو! ''اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف اللہ کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔''

آپﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو فرقوں میں منقسم ہونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾(سورۃ الانعام ١٥٩)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔''

آپﷺ نے عدل و مساوات میں تقرب کو ملحوظ خاطر رکھا۔ یہودی اور نصرانی کتابیہ سے نکاح ان کے اہل کتاب ہونے کی بنا پر قرآن نے جائز ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اگر انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے لیکن بہتر حال وہ آسمانی مذہب کے حامل ہیں۔ اسلام نے جس طرح ان کا ذبیحہ جائز قرار دیا ہے اسی طرح ان عورتوں سے رشتہ مصاہرت قائم کرنا بھی جائز ٹھہرایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾(سورۃ المائدہ:۵)

''جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔''

عدل و احسان:۔

قرآن پاک نے اس امر کے لیے جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ عدل و احسان کی ہے۔ اسلام نے عدل و احسان کے امتزاج سے جو نظام تشکیل دیا ہے وہ ایک طرف اجتماعی زندگی کا تحفظ کرتا ہے تو دوسری طرف فرد اور معاشرے کے اخلاقی مزاج کو تقویت دیتا ہے۔ قرآن پاک کا بیان ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾(النحل:٩٠)

Marfat.com

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان (دونوں) کا حکم دیتا ہے۔

اسلام اگر قانوناً ہر مظلوم اور صاحبِ حق کو یہ اختیار بخشتا ہے کہ وہ چاہے تو بدلہ لے تو اس سے بلندتر یہ بات بھی رکھی ہے کہ وہ ظالم کو معاف کردے بلکہ برائی کی بجائے اس کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس مجموعی تعلیم نے حکومت کے قانون، انتقام و عدل اور شخص کی اخلاقی روحانیت کی تکمیل دونوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھا۔ اس لیے اسلام نسلِ انسانی کی حفاظت، ترقی اور نشوونما کا پوری طرح کفیل ہے۔ اور ذاتی اخلاق کے ذریعے لوگوں کی روحانی تکمیل کا ذریعہ بھی۔

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ. وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران)

''اور جو غصہ کو دبانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (الاعراف)

''معاف کرنے کی خو اختیار کیجئے، نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کیجئے۔''

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ٥ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ﴾ (المؤمنون ۹۶.۹۸)

''(مشرکوں کی) برائی کا جواب بھلائی سے دیں، ہم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں، کہہ دیں کہ اے میرے پروردگار میں شیطانوں کی چھیڑ چھاڑ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے رب اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔''

عدل و احسان دراصل عفو ا انتقام کے درمیان ''اعتدال'' کی راہ ہے۔ اور دونوں کی جامعیت سے ایک ایسی اخلاقی فضا قائم ہوتی جو انسانی قدروں کے تحفظ اور لطیف احساسات کی پرورش کا باعث ہوتی ہے۔

اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے اعتدال کی ایسی روش سکھائی کہ افراط وتفریط کی گنجائش ہی نہ چھوڑی اور یوں انسان خوف و رجا کا مجموعی رویہ اپنا کر حسن اخلاق کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔

سماجی عدل اور اسلام:۔

ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب عدلِ اجتماعی یعنی ''سماجی انصاف یا سوشل جسٹس'' ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں۔

۱۔ سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات

۲۔ سیاسی سطح پر حریت

۳۔ معاشی سطح پر عدل و انصاف

چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنی و اعلیٰ کا امتیاز ہو، نہ سیاسی میدان میں جبر و استعداد کا راج، اور بندہ و آقا ''حاکم و محکوم'' کی تقسیم ہو، نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال

Marfat.com

کے باعث Have اور Have not یعنی ''مترفین اور محرومین'' میں منقسم ہوں۔ بندے اور اللہ کا تعلق بلاشک و شبہ اعلیٰ تر مقام رکھتا ہے۔ یعنی اسلام انفرادی سطح پر بندۂ مومن کو جو بلند ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ ''رضائے الٰہی اور فلاحِ اُخروی'' کا حصول ہے لیکن اس حقیقت سے صرف نظر کرلینا بھی شدید قسم کی بے حسی اور نا انصافی ہوگی کہ جس خطۂ ارض میں نظامِ اجتماعی ظالمانہ اور استحصالی ہو وہاں کے لوگوں کی عظیم اکثریت کولہو کے بیلوں اور بار برداری کے جانوروں کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے اور فرمان نبوی ﷺ کہا (ذالفقران یوکوں کفرا) یعنی قریب ہے کہ ''فقر و احتیاج کفر کی صورت اختیار کرلیں'' اور بقول شاعر......!

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کردیا!
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غمِ روزگار کے

کے مصداق میں نہ تو اتنا شعور باقی ہے کہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرسکیں نہ اتنی فرمت ہوتی کہ بیٹھے رہے تصورِ جاناں کیے ہوئے۔

کے مصداق اس کو یاد کرسکیں۔ امام الہند، شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور لوح قلب و ذہن پر نقش کرلینے کا مستحق ہے کہ ''تقسیم دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دو دھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے۔''

جس کے نتیجے میں ایک جانب محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہوتا جاتا ہے جس سے عیاشی اور بداخلاقی جنم لیتی ہے اور دوسری جانب فقر و احتیاج کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلام اپنے چوٹی کے عمل کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' قرار دیتا ہے۔ جس کا اصل ہدف قیام ''عدل اجتماعی'' اور ظلم و جبر اور استحصال اور استبداد کا خاتمہ ہے۔

اسلام میں عدل اجتماعی یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآن حکیم کی عام تعلیمات سے آسانی سے لگایا جا سکتا ہے جو تین بلند ترین سطحوں یعنی ''ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور اُمت مسلمہ کے فرائض منصبی'' کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ اسلام کی اصل اساس ایمان اباللہ ہے اور ایمان باللہ اور معرفتِ الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ کے اسماء وصفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے ''اسماء حسنیٰ'' کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نامِ نامی اور اِسم گرامی ''العدل'' بھی ہے یعنی سراپا عدل اور مجسم انصاف۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''خود اللہ بھی گواہ ہے اور تب فرشتے اور تمام اہل بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔'' ''اور اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔(سورۃ الحجرات)

انقلابی آیت:

اس اہم موضوع پر قرآن حکیم کی سب سے زیادہ ''انقلابی آیت'' سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ ہے جس کے بارے میں بلاخوف وخطر اور تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور اور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دُنیا کے پورے انقلابی لٹریچر میں کہیں نہیں مل سکتی۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ

Marfat.com

عَزِیْزٌ﴾

اس آیت کا ترجمہ ڈاکٹر اسرار احمد نے بعض تشریحی اضافوں کے ساتھ یوں کیا۔

''یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں ہو اور (جو لوگ اس میزان عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں ان کی سرکوبی کے لیے) ہم نے لوہا اُتارا جس میں (حرب و ضرب) کی شدید قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور (اس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) کہ اللہ (ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ کون ہے جو (لوہے کی حربی قوت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اور اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہوتے ہوئے، (ورنہ) یقیناً اللہ (خود) نہایت زور آور اور مختارِ مطلق ہے۔''

اس آیہ مبارک میں نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردیا ہے کہ:

اولاً: شریعت خداوندی کی اصل حیثیت ایک ''میزانِ عدل و قسط'' کی ہے۔ جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض تو لے جانے چاہیں۔

ثانیاً: بعثت انبیاء و رسل اور نزولِ وحی و کتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ میزانِ عدل و قسط بالفعل ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تُل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اس میں تول کرلیا جائے۔

اور اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ''گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!'' کے مصداق عشق و محبت کے دعوے باطل اور کتاب الٰہی کی تلاوت و قرآءت کا ذوق و شوق بے مقصد ہو جاتا ہے۔

ثالثاً: اس میزانِ عدل و قسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام دعوت و تبلیغ، وعظ و تلقین، انذار و تبشیر اور ترغیب و ترہیب سے لیا جائے گا۔ وہاں قوت و طاقت کا استعمال بھی قطعاً غلط یا مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ حسب ضرورت نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

رابعاً: جس طرح انسان کی حیات دُنیوی کا اصل مقصد از روئے قرآن ابتلا و آزمائش ہے جیسے کہ وارد سورۃ الملک کی آیت نمبر۲ میں جس کی ترجمانی کی ہے۔ ترجمان حقیقت علامہ اقبال رحمۃ اللہ نے اپنے اس حکیمانہ شعر میں کہ

قلزم ہستی سے تو اُبھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی

خامساً: وہ صاحبِ ایمان جو اس امتحان میں پورا اُتریں اللہ کے نزدیک بلند ترین مقام و مرتبہ کے مستحق ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے ''مددگار'' قرار پائیں گے۔

چنانچہ ''سورۃ الحدید'' کی اس آیت کی طرح ''سورۃ الشوریٰ'' کی آیت نمبر ۱۷ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے۔''یعنی یہ وہ اللہ ہے جس نے کتاب بھی حق کے ساتھ نازل فرمائی اور میزان بھی'' اس سے پہلے آیت نمبر۱۵ میں نبی

Marfat.com

ﷺ کی زبانِ مبارک سے ''مجھے ہے حکم اذاں لاالہ اللہ'' کے انداز میں کہلوایا گیا ہے۔

﴿وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ یعنی مجھے حکم ہوا کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں۔

نبی پاک ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری اُمت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔

قرآنِ حکیم میں سورالحج کی آخری آیت، سورۃ البقرہ کی آیت (نمبر۱۴۳) میں شہادت ''علی الناس'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت (۱۱۰،۱۰۴) میں ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت نمبر (۱۳۵) اور سورۃ المائدہ کی آیت (نمبر۸)، میں ذرا سی لفظی ترتیب کے فرق کے ساتھ ''عدل و قسط'' کی گواہی اور نظامِ عدل وقسط کو قائم کرنے لیے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہو جانے کا تائیدی حکم دیا گیا ہے۔ اور یہی اجتماعی عدل ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾

اے اہل ایمان! پوری قوت کے ساتھ عدل وقسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو۔ خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف جا رہی ہو۔

سورۃ المائدہ میں فرمایا......

''اے ایمان والو! پوری قوت کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور عدل و قسط کی گواہی دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ عدل سے انحراف کرو ہر حال میں عدل سے کام لو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔''

اس کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ قرآن پاک مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین نہیں کرتا بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ سورۃ النساء (۱۴۸) کے یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ

''اللہ کو بری بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں۔ سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو اور اجتماعی سطح پر یہ بات نہایت واشگاف الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۹ میں ایسے لوگوں کی مدح و ستائش کے انداز میں تعریف کی کہ ''جن پر ظلم و زیادتی کی جائے وہ اس کا بدلہ اور انتقام لیتے ہیں۔''

اور سورۃ البقرہ کی آیت 179 کے الفاظ ''یعنی اے ہوش مندو! تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے'' غور طلب ہے...... اور ہوش مند ضرور غور فکر کریں گے۔

حاصل کلام ''اجتماعی عدل'' کا یہ ہے کہ بحیثیت دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر، سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اقامتِ دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظامِ عدل اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے۔ اور اصل فضیلت اور خوبی یہ ہے کہ جس کا اعتراف دشمن بھی کریں شام رسول ﷺ، ایچ، جی ویلز نے نبی پاک ﷺ وسلم کے عدل اجتماعی کے حوالے سے آپ کو شاندار ہدیہ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ اپنی تالیف A Concise

Marfat.com

History of the world میں آنحضورﷺ کے خطبۂ ''حجۃ الوداع'' کے کچھ حصے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''اِنسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت دیئے گئے تھے۔ چنانچہ مسیح ناصری کے ہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ ان اُصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمدﷺ نے۔''

معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی حصولِ پاکستان کے اصل مقصد کی وضاحت اس طرح کی ''ہم پاکستان حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اُصول حریت واخوت ومساوات کا ایک عملی نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کرسکیں''۔

احتساب

تمام شعبہ ہائے حیات میں احتساب کو زندگی کا حصہ سمجھ کر نافذ کرنا چاہیے، اس پر مغرب ومشرق کی متفق ہیں، آپﷺ نے فرمایا: الا کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ(۷) ۔تم مین سے ہر فرد نگہبان (محتسب) ہے اور ہر شخص کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ احتساب کے معنی ہیں نگرانی/ مانیٹرنگ Monetring اور سزا دینا، قرآن کریم میں یہ لفظ چار معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے یہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' دینی منصب ہے۔ آپﷺ نے احتساب کو رواج دینے کے لیے فرمایا، ''لوگو خود اپنا احتساب کرو، قبل اس کے حساب کیا جائے''(۸)۔ قیامت کے دن سب کا احتساب ہوگا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے وہ اپنے ماتحت اولا، بیوی، ملازمین، عوام کے اعمال وافعال کی نگرانی کرے، انہیں جہنم سے بچائے(۹)۔ اور اس کام کے لیے ایک مستقل جماعت ہونی چاہیے(۱۰)۔ جن لوگوں نے احتساب کا عمل چھوڑ دیا قرآن کریم نے ان کی مذمت کی ہے(۱۱)۔ حکومت نے یہ بہت اچھا قدم اٹھایا ہے کہ ضلعی نظام نافذ کر کے یوسی تا ضلع مانیٹرنگ نظام قائم کردیا جائے۔ ضرورت ہے اسے مزید بہتر بنایا جائے اور تحفظ فراہم کیا جائے، اگر ہم احتساب کو اپنا لیں، صحافی قلم کے ذریعے، علماء وعظ وتصنیف کے ذریعہ حکمراں قانون کے ذریعہ نافذ کریں اور کسی کو احتساب سے بالاتر قرار نہ دیا جائے، تو انشاء اللہ ہم جلد داخلی مسائل پر قابو پالیں گے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اسلام کا عالمی مذاہب وعدل کے ساتھ تقارب وہم آہنگی کا پہلو:

اسلام کے عالمی نظام میں عدل، امن، مشاورت، انسانی حقوق، جہاد اور جدید آلات حرب کی تیاری، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ، فرقہ واریت کی حوصلہ شکنی، خود انحصاری، خود کفالت، رواداری کا فروغ اور رفاہی اداروں کا قیام اور خدمت خلق، تبلیغ اسلام، تعلیمی اداروں کا قیام جدید مسائل کا حل، اسلامی تہذیب کا تحفظ اور فروغ، احتساب کا نفاذ، فرد، خاندان اور معاشرہ کی تربیت بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، ایک مسلمان اور مسلم حکمراں کی ذمہ داری ہے وہ ان پر خصوصی وجہ دے۔

عدل ومساوات کے قیام کی ذمہ داری:

عالمی مذہب وتہذیبوں کے علمبرداروں کی طرح بحثیت مسلم ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے وہ ذاتی زندگی میں انصاف

Marfat.com

کا راستہ اختیار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ (کونوا قوامین بالقسط)۔ یہ عدل اولاد کے معاملہ میں بھی ہونا چاہیے، عائلی زندگی میں بھی ہونا چاہیے۔ اگر کسی عدالت کا سربراہ ہے تو مدعی و مدعی علیہ کے درمیان عدل کا نفاذ کرے۔ اگر ملک کا سربراہ ہے تو اپنی عوام کے درمیان بلاتخصیص مذہب ونسل سب کے ساتھ برابری اور انصاف کا سلوک کرے، کسی کو مذہب و قومیت یا کسی اور بنیاد پر ظلم کا نشانہ نہ بنائے، علامہ مناوی نے انصاف اور عدل کو مترادفات میں شمار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم قرآن کے ساتھ مشروط کر کے دیا ہے: ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ﴾ قرآن کے مطابق فرد کی ذمہ داری ہے اس کا نفاذ کرے اور عدل بلاتخصیص مذہب ونسل ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جو غیر مسلم ہمارے ماتحت ہوں ان کا خون ہمارے خون کے برابر ہے، ان کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے''۔ مسلم امت کی بدقسمتی یہ ہے کہ بیشتر ممالک میں آمر حکمران مسلط ہیں۔ عوام کو انصاف میسر نہیں ہے یا انصاف پیسوں کے ذریعہ حاصل کرنا پڑتا ہے، حالانکہ یہ مفت حاصل ہونا چاہیے، ضرورت ہے عدلیہ کو مکمل آزادی دی جائے اور عدلیہ ہر قانون و ہر فرد کے خلاف دادرسی کر سکے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''کفر کے ساتھ حکومت قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں''۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے معاہدہ ''حلف الفضول'' کا احیاء فرمایا جس کا مقصد امن کا قیام مسافروں کا تحفظ اور مظطروں کی امداد تھا۔ عدل کا ایک پہلو صوبوں اور صوبوں میں بسنے والی تمام قوموں سے برابری کا سلوک بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا المسلمون شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والناس ،یعنی پانی چارہ اور آگ سب کو یکساں ملے، آج پانی اہم ترین تنازعہ کا سبب ہے، چارہ کی جگہ روزگار نے لے لی ہے۔ عبدالخالق سہریانی نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے۔ ظلم نام ہے: التصرف فی حق الغیر بغیر حق۔ یعنی غیر کی حق تلفی، دوسری تعریف کی گئی ہے: وضع الشیء فی غیر موضعہ، آپ ﷺ نے فرمایا: اتقوا الظلم فإنّ الظلم ظلمات یوم القیامۃ۔ یعنی ظلم سے بچو ورنہ قیامت کے دن سامنے آئے گا، دوسری جگہ فرمایا: انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً ۔ اپنے بھائی کی مدد کرو اگر ظالم ہے تو ظلم سے روکو مظلوم ہے تو ظلم سے بچاؤ، یہی عدل ہے، جب تک عدل عام نہ ہو ظلم کا خاتمہ نہ ہو اور سب کے ساتھ مساوی سلوک نہ ہو امت مسلمہ عنداللہ مجرم رہے گی۔

عدیم النظیر منصف وقاضی محمد ﷺ:

نبی اکرم ﷺ نے بطور منصف بھی انسانیت کے لیے عظیم اسوۂ چھوڑا ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ اس نے نبی کو قاضی مقرر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے نزاعی معاملات وخصوصیات کے فیصلے کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''اور ہم نے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ونگہبان ہے پس آپ لوگوں کے درمیان جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق حکم کیا کریں اور جو دین حق آپ کے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں۔''

حضور اکرم ﷺ مغربی مفکرین کی نظر میں:۔

یوں تو تاریخ عام میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں جن کی تعلیمات وکردار کو ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے

Marfat.com

نمونہ کے طور پر پیش کیا، ایک طرف شاہان عالم کے پرشکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے لشکر ہیں۔ ایک طرف حکماء فلاسفر کا گروہ ہے دولت مند افراد کے خزانے اوران کی تجوریاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آدم کے بیٹوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ مقدرنیہ کا سکندر، روم کا قیصر، ایران کا دارا، یورپ کا آئزک نیوٹن ہر ایک کی زندگی کشش رکھتی ہے، سقراط، افلاطون، ارسطو، اور یونان کے دیگر فلاسفر سے لے کر تمام حکماء اور فلاسفرز کی زندگی میں ایک خاص رنگ نمایاں ہے۔

نمرود، فرعون، شداد، ہامان، ابوجہل، افلاطون اور ہومر سے لر کر آج تک کوئی بھی اپنی شیریں زبانیوں کے باوجود کوئی مثالی معاشرہ نہ بنا سکے۔ اپنے حسن عمل کا کوئی خوشنما نمونہ اپنے پیچھے نہ چھوڑ سکے۔ آج دنیا میں اگر کوئی سیرت ہے تو وہ پیغمبر اسلام محمدﷺ کی سیرت ہے۔ اگر کوئی کردار ہے تو وہ پیغمبر اسلام کا کردار ہے۔ اگر کوئی مذہب ہے تو وہ پیغمبر اسلام کا مذہب ہے اگر کوئی نظریہ ہے تو وہ پیغمبر اسلام کا نظریہ ہے جو آج بھی دنیا کو امن و آشتی رواداری و صلح جوئی، اخوت و محبت کا درس دیتا ہے اور عمل کی صورت میں اس کا ضامن بھی ہے اسلامی تعلیمات کا بنیادی محور ہی یہ قرار دیا گیا ہے کہ ہر سلسلے میں رسولﷺ کی اطاعت کی جائے۔ قرآن کریم کی تمام آیات مبارکہ اس بات کی شاہد ہیں کہ جہاں بھی اطاعتِ خداوندی کا حکم دیا گیا، اسی سے ملحق اطاعت رسولﷺ کا بھی امر دیا گیا ہے۔ اس طرح معاشرتی خدو خال کی بہتری اور تمدنی ارتقاء کا سبق حاصل کرنے کے لیے اس بات کا اہل ایمان کو دیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں اور احکامات رسول کو بجالائیں۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ان کے لیے راہِ نجات ہے اب اس ضمن میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ نے امتِ مسلمہ کو کس طرح کے احکامات دیئے۔ مزید یہ کہ احکامات کی نوعیت کے ساتھ ان احکامات کے دینی سیاسی، اور معاشرتی، مذہبی و ثقافتی پہلو کیا تھے؟ ان سے مسلمانوں کی زندگیوں میں کیا انقلابات برپا ہوئے؟ اس ضمن میں ایک بار پھر ہمیں مآخذ ازل یعنی، قرآن کریم کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرتﷺ نے قرآن کریم کو ایک نظریے کی صورت میں پیش کر کے اس کی عملی تفسیر اپنی زندگی کے ذریعے امت مسلمہ کو سمجھادی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾، بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

اسوۂ حسنہ دراصل آنحضرتﷺ کی انفرادی و اجتماعی اعمال کا نام ہے، جہاں آپ کے قول وفعل میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے، اگر ہم سیرتِ طیبہ پر بغور نظر ڈالیں تو ہم اُس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یوں تو آنحضرتﷺ کی سیرت مبارکہ کے بیشتر گوشے ہیں مگر آپﷺ کی زندگی کا اہم گوشہ بحیثیت ''داعی امن و اخوت'' ہے۔ کیونکہ آپﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو اخوت و محبت کی لڑی میں پرو دیا جو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار تھا، اس نے توحید الٰہی کے رشتے میں لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک کر دیا کہ جس کی مثال مواخات کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ دنیا کا کوئی متمدن سیاسی معاشرہ آج تک دینی، سیاسی ثقافت کے ضمن میں اس طرح کی کوئی مثال پیش نہ کر سکا۔ اور نہ برطانیہ کے میگنا کارنامے نے برطانوی قوم کو اخوت کا یہ درس دیا، اور نہ ہی امریکہ کے نظریہ آزادی نے مواخات کا پرعمل دہرایا جبکہ انجمنِ اقوام اور اقوام متحدہ کے منشور ہنور عالمی برادری کی تشکیل میں اس طرح کی مثال پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ محسنِ انسانیت عالمِ انسانیت میں سب سے برتر اور سب سے زیادہ لائق احترام وتکریم ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا

Marfat.com

اعتراف مذاہب عالم کے غیر مسلم دانش وروں کو بھی ہے، مشہور امریکی ماہر فلکیات اور دانش ور ڈاکٹر میخائل۔ ایچ۔ ہارٹ اور ان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اہلیہ نے دنیا کی مشہور شخصیت کا مطالعہ کیا اس مطالعہ کا حاصل انہوں نے "The No. 100" نامی کتاب لکھی جو ۵۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں تاریخ انسانی کی سوائی ترین شخصیات کے حالات درج ہیں، جنہوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر نمایاں ترین اثرات ڈالے۔

کتاب میں پیغمبر اسلام کو سرِ فہرست رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مصنف کے مطالعہ کے مطابق وہ تاریخ کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

"Muhammad was the only man in history who was supermely successfull on both the religious and the secular levels"

''پوری انسانی تاریخ میں محمد ﷺ وہ واحد شخصیت ہیں جو مذہبی اور دنیاوی اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب و کامران اور سرفراز ٹھہرے۔''

معروف فرانسیسی محقق اور دانشور ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں:

اگر اشخاص کی زندگی بزرگی اور وقعت کا اندازہ ان کے کارناموں سے لگایا جاسکتا ہے تو ہم کہیں گے کہ محمد ﷺ انسانی تاریخ میں سب سے عظیم شخصیت گزرے ہیں۔

مغربی دنیا کا نامور دانشور اور مورخ جان ولیم ڈریپر لکھتا ہے

A History of the Intellectural Development of the Europe. (John William Draper)

میں پوری انسانی تاریخ اور پوری انسانی نسل انسانیت پر آپ ﷺ کی عظمت و برتری اور اثر انگیزی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

۵۶۹ میں جسٹس نین کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ ہستی پیدا ہوئی جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔

ہندو دانشور و پیغمبر اسلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے مضمون ''محمد ﷺ کا جیون چرتر'' میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مشاہیر کی سوانح حیات پڑھنے میں صرف کیا ہے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت محمد ﷺ ایک عظیم تر انسان ہیں جن کے مقابلے کا انسان روئے زمین پر نظر نہیں آتا۔

ممتاز ہندو سیرت نگار ''سوامی لکشمن پرشاد'' لکھتے ہیں:

دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں، رحمت العالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبین، باعث فخر موجودات، سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ، احمد

Marfat.com

مجتبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ (کتاب عرب کا چاند: صفحہ ۲۲)

پروفیسر راما کرشن راؤ اپنی کتاب ''محمد ﷺ پیغمبر اسلام'' میں لکھتے ہیں۔

تمام اعلیٰ کردا اور تمام انسانی سرگرمیوں میں آپ ﷺ پیرو کی مانند ہیں۔

ہندو شاعر شیش چندر سکسینا کیا خوب کہتے ہیں:

یہ ذات مقدس تو ہے ہر انسان کی محبوب
مسلم ہی نہیں وابستہ دامانِ محمد ﷺ

مغربی مصنف ڈینی سن کا اعتراف:

مغربی مصنف ڈینی سن اپنی کتاب ''جذبات بحیثیت احساسِ تمدن'' اس تاریخی حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اس وقت ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصرِ مشید جس کی تعمیر پر چار ہزار سال صرف ہوئے تھے منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور نوعِ انسانی پھر اس بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی جہاں ہر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا ور آئین وضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ یہ اَمر موجبِ حیرت واستعجاب ہے کہ اس قسم کا عدل عرب کی سرزمین میں بعثتِ نبوی سے ہی پیدا ہوا اور اس وقت پیدا ہوا جب اس کی اشد ضرورت تھی۔

پیغمبر اسلام ﷺ عدیم المثال محسن انسانیت واحد پیکرِ عمل رہنما:۔

صحف الہامہ اور مذہبی کتابوں مثلاً تورات، انجیل، زبور اور شاندار۔ گیتا، مہا بھارت، رامائن آوا گرنتھ اور قرآن حکیم کے تقابلی معالطہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضورِ ختم رسالت، سرورِ عالم ﷺ، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ عدیم المثال محسن انسانیت اور واحد پیکرِ عمل راہنما ہیں۔ بلا شبہ رسول اکرم ﷺ ہی پوری کائناتِ ارض کے رہبرِ اکمل ہیں۔

نبی پاک ﷺ کا عدل

رسول اکرم ﷺ کی صفتِ عدل کا مظہر تھے، جزیرۃ العرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمہ داری آپ پر آ پڑی تھی۔

آپ اذیت و مصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے ان کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپ منتقم ہوتے۔ مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کی طرح ساتھ دیتے لیکن آپ کے حسن اخلاق نے عدل و انصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔

آپ ﷺ نے عدل کے بارے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ عدل چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو یہی تقویٰ کی بات ہے۔''

سیرت وحدیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کے فیصلوں اور آپ ﷺ کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں ان سے

Marfat.com

ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی عدل کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا، جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے وہ روایت کافی ہے جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے:

آپ ﷺ نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو یا میں نے کسی کو جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسے دے دیئے گئے۔

لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے جو اہتمام کیا اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ فاطمہ فخز ومیہ کا مشہور واقعہ ہے جسے آپ ﷺ نے سزا کا فیصلہ سنایا تو آپ ﷺ کے محبوب خاص اسامہ بن زیدؓ نے سفارش کی جس پر آپ ﷺ کو غصہ آیا اور فرمایا:

''بنی اسرائیل اس لیے تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے۔''

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے نبی ہم نے آپ ﷺ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی کے مطابق فیصلہ کریں، اور آپ خیانت دار لوگوں کے طرف دار ہرگز نہ بنیں۔''

آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی اس فیصلہ کن حیثیت کا اعتراف اور عدل و انصاف کے طرزِ عمل کا اعلان کریں۔

''اے نبی کہہ دیں کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔''

قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ خود ساختہ یا مسلمانوں کے مقرر کردہ ''جج'' نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''جج'' تھے۔ آپ ﷺ کا منصف و عادل ہونا رسالت سے الگ نہیں تھا بلکہ رسول ﷺ کی حیثیت میں آپ ﷺ ایک جج تھے، جو شخص رسول اکرم ﷺ کو عادل و منصف تسلیم نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہے۔ اور جو ان کے فیصلوں سے انحراف کرے اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور یہ امتیاز صرف آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں''۔

آپ ﷺ عدل کا طریق کار اس ولایتِ خاصہ کا مظہر ہے جو کسی بھی ولی قاضی یا حاکمِ اعلیٰ کو حاصل نہیں۔

ایک اعرابی (دیہاتی) دو اونٹ فروخت کرنے کے لیے دیہات سے مدینہ آیا ایک مسلمان نے وہ اونٹ اس سے خرید لیے اور کہا، میرے ساتھ مکان پر چل میں قیمت ادا کرتا ہوں۔ اور اسے گھر میں بٹھا کر دوسرے راستے سے بازار میں لے جا کر بیچ کھائے اور خود روپوش ہو گیا اور جب یقین ہو گیا کہ اب اعرابی رو پیٹ کر چلا گیا ہوگا تو باہر نکلا، وہ اعرابی اس کی تلاش میں تھا، فوراً پکڑ کے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے دریافت کیا، تم نے اس دیہاتی کے ساتھ یہ دھوکہ بازی کیوں کی؟ اب اس کے اونٹوں کی قیمت ادا کر، اس نے کہا وہ تو میں کھا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا "تو چوروں کا باوا ہے" اور اعرابی سے فرمایا اسے بازار لے جا کر فروخت کر دے اور اپنا حق وصول کر لے۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس شخص کو لوگوں کا قاضی بنایا گیا گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے قاضیوں کی تین قسمیں بیان کرتے ہوئے حق و انصاف کو فلاح کا مدار قرار دیا۔

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قضا کا منصب تین قسم کا ہوتا ہے، جن میں سے ایک جنت میں اور دو دوزخ میں جاتے ہیں، جنت میں وہ قاضی جائے گا جس نے حق کو پہچانا اور حق کے ساتھ فیصلہ کیا، اور جس نے حق کو پہچانا اور فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخ میں جائے گا، اور جس نے لوگوں کے درمیان اپنی جہالت سے فیصلہ کیا اور حق کو نہ پہچانا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔"

عہدہ قضا کی نزاکت بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے قاضی کے لیے عملی رہنمائی کے اصول بھی بیان فرمائے، کتبِ حدیث میں وہ ہدایات موجود ہیں جو آپ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ اور حضرت علیؓ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمائی تھیں۔

حضرت علیؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا

"جب کوئی دو شخص کوئی معاملہ لے کر تیرے پاس آئیں تو پہلے کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کر، جب تک دوسرے کا بیان نہ سن لے کیونکہ اس کا بیان تجھے فیصلہ کرنے میں مدد دے گا۔ حضرت کہتے ہیں اس کے بعد مجھے کبھی کسی معاملے کا فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا۔"

آپ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے لیے اصل چیز اس کا اخلاص ہے، اخلاص کی صورت میں اس کے فیصلوں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب حاکم فیصلہ کرنے لگے تو اجتہاد کرے، اگر اس کا فیصلہ حق بجانب ہوگا تو اسے دہرا ثواب ملے گا۔ اور اگر کوشش کے بعد بھی فیصلہ میں غلطی ہوئی تو ایک اجر ملے گا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

"حاکم غیظ و غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قاضیوں کو اپنی تنخواہوں سے زیادہ کچھ نہیں وصول کرنا چاہیے کیونکہ اس کے بغیر نظام عدل مستحکم نہیں رہ سکتا، فرمایا:

"جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کے کام کی اُجرت متعین کر دی اس کے بعد اگر وہ کچھ لے گا تو یہ خیانت ہے۔"

آپ ﷺ نے جھوٹے دعووں، غلط شہادتوں اور چرب زبانی و غلط بیانی سے مقاصد حاصل کرنے کو ناپسند فرمایا۔

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

''جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں پس وہ ہم میں سے نہیں، اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔''

عمرو ابن شعیب اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا:

''خائن مرد و عورت، زانی مرد و زانیہ عورت کی شہادت جائز نہیں نہ دشمن کی دشمن پر اور نہ اس شخص کی جو کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعی علیہ پر۔''

ان کے علاوہ بھی زریں اصول ہیں جنہیں نظامِ عدل میں بنیادی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک قاضی کے فرائض بھی انجام دیئے اور اپنی بے نظیر فراست سے لوگوں کے معاملات حل کیے۔ آپ ﷺ لوگوں کے مقدموں کا فیصلہ کرتے، مشکلات کا حل نکالتے، ان کے سوالوں کا جواب دیتے اور ان کی الجھنوں کو حل کرتے۔

آپ نے زنا کے معاملات میں فیصلے فرمائے، کتبِ حدیث میں یہ فیصلے مذکور ہیں، مثلاً ایک آدمی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ مسجد میں تھے، اِس نے بتایا کہ وہ زانی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اعتراض فرمایا، اس نے چار مرتبہ اقرار کیا، پس جب چار مرتبہ اس نے گواہی دے دی تو آپ ﷺ نے اس کو بلا کر پوچھا!

کیا تو دیوانہ ہے؟ بولا نہیں، فرمایا کیا تو محصن ہے؟ کہنے لگا ہاں، فرامایا اسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔

اس طرح کے کچھ اور واقعات بھی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے زنا کی سزا دی۔

آپ ﷺ نے اشیاء کی حلت و حرمت کے بارے میں بھی فیصلے فرمائے، مثلاً غزوہ خیبر کے موقعہ پر لوگوں نے پالتو گدھے ذبح کر کے پکانے شروع کر دیے۔ یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرما کر حلت و حرمت کا ایک ابدی اصول عطا فرمایا۔

ابن سعد کہتے ہیں:

''پس آنحضرت ﷺ نے ''پالتو گدھے، خچروں کا گوشت کا ور کچلی والے درندے اور پنجوں سے پھاڑ کھانے والے پرندے حرام قرار دیئے، آپ ﷺ نے مردار پرندہ، لوٹ اور اُچکے ہوئے مال کو بھی حرام قرار دیا۔''

آپ ﷺ نے عائلی زندگی کے معاملات میں بھی عدل کو پیشِ نظر رکھا، نکاح کے بارے میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی آنحضرت محمد ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اس کے باپ نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (کہ چاہے تو اپنا نکاح باقی رکھے چاہے توڑ دے)۔

خلع

ابن عباس سے روایت ہے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ:

Marfat.com

میں ثابت کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب چینی نہیں کرتی، البتہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کی فرمابرداری نہیں کر سکوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تو اس کا باغ اس کو لوٹا دے گی؟ کہنے لگی ہاں، چنانچہ اس نے باغ لوٹا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جدائی کا فیصلہ دے دیا۔

طلاق

رُکانہ بن عبدیزید بنو مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر اسے بہت افسوس ہوا تو حضور ﷺ نے اس سے پوچھا تو نے کیسے طلاق دی تھی؟ اس نے کہا میں نے تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا اس ایک ہی مجلس میں؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو ایک ہے، چاہے تو رجوع کرے۔ پس اس نے رجوع کرلیا۔

لِعان

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ انصار کے ایک مرد نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو حضور ﷺ نے اس سے قسم لی پھر دونوں میں تفریق کروادی امام ابن قیم حضانت کے ضمن میں آپ ﷺ کے قضایا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خضانت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے پانچ فیصلے ہیں۔

۱۔ حضرت حمزہ کی بیٹی اس کی خالہ کے سپرد فرمادی جو حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھی اور فرمایا استحقاق میں خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے اور اگر لڑکی ہو تو خالہ کا نکاح ہو جانے کے باوجود اس کی حضانت کا حق ختم نہیں ہوتا۔

۲۔ ایک آدمی اپنے نابالغ لڑکے کو حضور اکرم ﷺ کے پاس لایا۔ وہ اور اس لڑکے کی ماں لڑکے کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ ماں مسلمان نہیں تھی۔ حضور ﷺ نے بچے کو اختیار دیا اور فرمایا، خداوند اس کی رہنمائی کر، چنانچہ وہ ماں کی طرف چلا گیا۔

۳۔ رافع بن سنان مسلمان ہوئے اور ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کردیا۔ اور حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہا، میری بیٹی دودھ چھوڑ چکی ہے، راجع نے کہا میری بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں بچے کو بلاؤ، پس وہ ماں کی طرف مائل ہوئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا، الٰہی! اس کی راہنمائی فرما! چنانچہ وہ باپ کی طرف مائل ہوگئی۔ اور باپ نے اسے پکڑ لیا۔

۴۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی میرا شوہر چاہتا ہے میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ وہ مجھے ابو عتبہ کے کنوئیں سے پانی پلاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قرعہ اندازی کرلو، شوہر نے کہا میرے بیٹے کے معاملے میں کون مجھ سے جھگڑتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بچے کو اختیار دیا کہ وہ ماں یا باپ میں سے ایک کو چُن لے اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا وہ اسے لے گئی۔

۵۔ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جب تک تو نکاح نہ کرے اس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پہاڑی نالیوں کے بارے میں حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے درمیان جھگڑا

Marfat.com

ہوگیا۔ حضورﷺ نے فرمایا زبیرتم اپنے کھیت کو سیراب کرو۔ پھر ہمسائیہ کے لیے پانی چھوڑ دو۔ انصاری نے کہا یہ اس لیے کہ یہ آپﷺ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں؟

یہ سن کر آپﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔

پھر فرمایا۔ زبیر! اپنے کھیت کو پانی دو پھر پانی روک رکھو یہاں تک کہ کھیت کی منڈیر تک پہنچ جائے۔ پھر ہمسائیہ کے لیے چھوڑ دا۔ غرض رسول اللہ نے صریح حکم میں زبیر کو ان کا پورا حق دیا جبکہ انصاری نے آپﷺ کو غضبناک کیا تھا۔ آپﷺ نے عدل کے تقاضوں کے مطابق جو فیصلہ کیا اس میں دونوں کا فائدہ تھا۔

آپﷺ نے ایک قاضی کی حیثیت سے بے نظیر اُسوۂ چھوڑا ہے۔ جسے اپنانے سے انسانی معاشرہ عدل کے بہترین معیار سے مستفید ہوسکتا ہے۔

نبی پاکﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہ اور عدل و انصاف

نبی کریمﷺ نے عدل کو اختیار کیا اور صحابہ کرام کو بھی عدل و انصاف کو اپنا شعار بنانے پر زور دیا۔ آپﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کرام نے عدل کی روایت کو زندہ و تابندہ رکھا، اور اس سلسلے میں درخشاں مثالیں قائم کی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا تھا اس میں اسلام کے نظام عدل کے بہترین اصول بتائے گئے ہیں۔

ا۔ رشوت سے اجتناب

۲۔ عدالتی امور میں مکمل مساوات

۳۔ اقربا پروری سے اجتناب

تاریخ اسلام از شاہ حسین الدین احمد ندوی، میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت میں عدل و انصاف کے سلسلے میں مشکل سے کسی فرماں روا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ آپ کے ایوان عدالت میں ادنی و اعلیٰ، مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔

ایک دفعہ گورنر مصر حضرت ''عمرو بن العاصؓ'' کے بیٹے نے ایک مصری کو بلا وجہ کوڑے لگوائے، وہ فریاد لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں باپ بیٹے کو طلب فرمایا اور مصری کو حکم دیا کہ اس گورنر زادے کو کوڑے لگاؤ اور عمروؓ بن العاص مخاطب کر کے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔

ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا، تم نے کب سے انہیں اپنا غلام بنالیا،

حضرت عمر نے اپنے بیٹے ابو شحمہ کے شراب پینے پر آپؓ اس پر حد لگائی حالانکہ وہ بیمار تھا۔ لیکن آپ نے سزا کا حکم دیا۔ وہ کوڑوں کی تاب نہ لا کر فوت ہوگیا، اس طرح آپ نے عدلِ فاروقی کا بے نظیر نمونہ پیش کیا۔

اسلام کے نظام قضاء میں عدل و انصاف اور عدالتی احترام کی ایک اعلیٰ مثال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے کہ آپ ایک قاضی کی عدالت میں عام شہری کی طرح پیش ہوئے۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان اپنی کتاب ''اسلام کا نظام حیات'' میں باب ''حضور اکرم کا نظامِ عدل'' میں لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

''اسلام کے نظام عدل میں کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں، قاضی کو دونوں اطراف کا مؤقف سن کر فیصلہ دینے کا حکم ہے، قاضی قانون کے ان سرچشموں سے استفادہ کرتا ہے اور اپنے فیصلے ان مصادرِ شرعیہ کی روشنی میں کرتا ہے:
ا۔قرآن۔ ۲۔سنت ۳۔اجماع ۔۴۔قیاس، استباط، استدلال، ساسقلاح، اور مصالح مرسلہ۔ نیز اجتہاد الماوردی نے ''الاحکام السلطانیہ'' میں لکھا ہے کہ اسلام کے نظام قضاء میں قاضی کی یہ خصوصیات ہونی چاہیں۔

ا۔علم فقہ میں ماہر

۲۔دیانت دار اور راست گو

۳۔انصاف قائم کرنے والا ہو۔سنجیدہ، خاموش، نیز اعلیٰ کردا کا مالک ہو۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، مضمون ''حضورِ اکرم ﷺ کا نظام عدل'' میں لکھتے ہیں۔

اسلام کے نظامِ عدل میں خواتین بطور قاضی مقرر کی جا سکتی ہیں۔ امام مالکؒ اما م شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک مسلمان خاتون بطور قاضی مقرر کی جاسکتی ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک مسلمان خاتون حدود وتعزیرات کے مقدمے میں قاضی بننے کی اہل نہیں ہوتی۔

اسلامی قلم رو میں شعبۂ قضا کا آغاز نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ہوا تھا، آپ ﷺ اسلام کے پہلے قاضی تھے۔

آپ ﷺ کے فیصلوں کی نوعیت کے متعلق اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ سے یہ حدیث مروی ہے فرماتی ہیں:

دو آدمی رسول اکرم ﷺ کے پاس اپنے مقدمے کا فیصلہ کروانے کے لیے آئے ان دونوں کے درمیان وراثت کا کوئی جھگڑا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے سے پہلے فرمایا کہ میں انہی دلیلوں کی بنا پر فیصلہ کروں گا جو تم لوگ پیش کرو گے ہو سکتا ہے کوئی شخص اپنی چرب زبانی کے بل پر اپنے حق میں ایسی دلیلیں پیش کرے گا جو دوسرا نہ پیش کر سکے، میں تو انہیں دلیلوں کے مطابق فیصلہ کروں گا جو میرے سامنے پیش کی جائیں گی۔

لیکن یاد رکھو اگر کوئی شخص میرے فیصلے کے باوجود اپنے بھائی کی جائیداد کا کچھ حصہ ناجائز طور پر حاصل کر لیتا ہے تو دراصل وہ اپنے لیے آگ کا ٹکڑا حاصل کرتا ہے، قیامت کے دن وہ آگ کا ٹکڑا اس کے گلے میں پڑا ہوگا اور وہ پھونکوں سے اسے اور بھڑکا رہا ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی یہ بات سن کو وہ دونوں رو پڑے اور ایک نے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنا حق بخوشی اپنے بھائی کو دینے کو تیار ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور جائیداد کو انصاف اور شریعت کے احکام کے مطابق آپس میں تقسیم کرو۔ تم میں سے ہر ایک کی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک اور درست معاملہ کرے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے اس فیصلے میں مسلمان امت کے لیے سبق ہے۔

اسلام کے عدالتی نظام میں فقہاء کا بھی کافی کردا رہا ہے۔ پروفیسر محمد بہاالحق رانا کی نظر ثانی شدہ کتاب ''آفاقی تہذیب وتمدن'' میں بیان ہوا ہے کہ عدل ہماری پوری زندگی پر محیط ہے، اور عدل کے دو شعبے ہیں، انفرادی عدل، یعنی اپنے نفس کے ساتھ عدل اور اعتدال سے کام لینا، اور اسے غیر معمولی سہولت یا تکلیف میں مبتلا نہ کرنا، انفرادی عدل کہلاتا ہے۔ اور عدل کا

Marfat.com

دوسرا شعبہ اجتماعی یا جماعتی عدل ہے مطلب عائلی اور معاشرتی زندگی میں کرنا۔ ناپ تول، عدالتی معاملات، غیر مسلموں سے عدل اور دو جماعتوں میں عدل کرنا۔ قرآن کرم میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے۔'' (مائدہ)

یہودی و نصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے اس پر بھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔'' مائدہ

دوسرے اہم بات عدل کے سلسلے میں قرآن کریم میں اقربا پروری سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

''اور جب تم (گواہی کی) بات کہو تو عدل کو ملحوظ رکھو چاہے کوئی رشتہ دار کیوں نہ ہو''

(اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو' النساء:۱۲۷

عدل سے معاشرہ مستحکم ہوتا ہے، حق دار کو حق ملتا ہے معاشرتی مساوات کی نشوونما ہوتی ہے حقوق کو تحفظ ملتا ہے، نہ صرف دنیا میں بہتری بلکہ آخرت میں بھی عظیم کامیابی ملتی ہے۔ سب سے بڑھ کر تقویٰ اور اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ (المائدہ۸)

عدل ایک نہایت اعلیٰ صفت ہے اور اسلام کا طرۂ امتیاز ہے اور اسلام اپنے پیروکاروں کو اس اعلیٰ صفت سے متصف دیکھنا چاہتا ہے۔

﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (حجرات) (یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

پاکستان اور عدل:۔

دورانِ تحریک آزادی پاکستان کے عظیم قائد محمد علی جناح سے سوال پوچھا گیا کہ جس جدید مملکت اسلامیہ سے آپ مسلمانان ہند کو اپنی بے لوث اور مدبرانہ قیادت فراہم فرما رہے ہیں اُس مملکت آزاد میں کونسا آئین نافذ فرمائیں گے؟ بڑے اعتماد اور انتہائی پرعزم انداز میں مختصر سے جواب میں فرمایا۔

''ہمارا آئین کوئی نیا نہیں بلکہ وہی ہوگا جس کی روشن دفعات پچھلے چودہ سو سال سے مسلمانانِ عالم کو ایک جامع ضابطۂ حیات فراہم کرتی ہیں اور جن کی بدولت ہی اقوام عالم میں انہیں ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔''

آپ کے الفاظ نے مملکت جدید کے آئینی ڈھانچے کے بارے میں مخالفین کے ذہنوں میں اُٹھنے والے شکوک و شبہات دور کردیئے۔ یعنی قرآنی آئین کی بنیادی شق ہی یہ ہے کہ اپنے انفرادی اور اجتماعی تمام معملات کا رخ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کی سمت میں رکھا جائے۔

پاکستان کا مطلب کیا؟...... لا الہ الا اللہ...... یہی وہ نظریاتی نعرہ تھا جس نے برصغیر ہند کے مسلمانوں کو ان کی حقیقی پہچان کرائی تو سب کے سب متحد ہوئے ایسی مضبوط اور مؤثر قوت بن کر اُٹھے کہ انگریز اور ہندو سازشی ذہن بھرپور گٹھ جوڑ کے

Marfat.com

باوجود ان کی طاقت کے سامنے بے بس ہو گئے۔

مالک ارض و سماوات نے ایک ایسا خوبصورت خطہ ارض ان نعرہ باز مسلمانوں کے حوالے کر دیا جس کی دُنیا بھر میں کوئی مثال نہ تھی۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ کا حقیقی مطلب تو اس ملک میں اسلامی نظام کا رائج کرنا تھا۔ تاکہ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کو فروغ ملتا، مساوات اور برابری کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان ''عدل و انصاف'' کے فیصلے ہوتے اور عوام الناس کی جان و مال اور عزت محفوظ رہتی...... مگر ملک عزیز کی آہ سارا پینسٹھ (۶۵) سالہ تاریخ دکھاتی ہے کہ زیادہ تر معاملات اس کے برعکس ہی چلے...... حکمرانوں نے جابرانہ مزاج کے مطابق اسلامی قوانین کی دھجیاں بکھیر دیں۔ طبقاتی تفریق کی پروان نے قانون و انصاف کا مذاق بنالیا۔ مقامی سیاسی اور حکومتی ارباب اختیار نے محکوموں اور شریف النفس شہریوں کے لیے انصاف اس قدر مہنگا اور طویل کر دیا کہ لوگ تھانے، کچہریوں سے مایوس بلکہ خوفزدہ ہوئے اور اپنے بنیادی حقوق کے لیے بھی عدالتوں اور حکومتی اداروں کی بجائے سڑکوں، بازاروں میں نکل آئے اور انصاف مانگنے کی بجائے زبردستی چھیننے کی راہ پر چل نکلے...... باغیانہ رویہ رکھنے والوں کی پذیرائی نے انہیں زندگی سے بھی بے زار کر دیا۔

عدل و انصاف کی فراہمی کسی بھی معاشرے کے امن اور بقا کی حقیقی ضامن ہوتی ہے، مگر میرے ملک عظیم میں اس کی کوئی ضمانت نظر نہیں آتی...... ملک عزیز میں آج ہر سو پھیلا فساد یہی نشاندہی کرتا ہے کہ عدل کے معاملے میں پاکستانی معاشرہ انتہائی ستم رسیدہ ہے۔ نظام عدل کے اوّلین ذمہ دار یعنی پولیس اور عدلیہ اپنی بدعنوانیوں کی وجہ سے عوام الناس کی نظروں میں انتہائی ناقابل اعتبار ہو چکے ہیں۔

جبکہ ہماری کتاب قرآن حکیم میں اللہ سبحان و تعالیٰ عدل و انصاف کے بارے میں اہل ایمان کے لیے حکم دیتے ہیں کہ ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔ (المائدہ:۸)

نظام فطرت میں عدل و توازن میں مخلوقات کی بقا کا ضامن ہے۔ کیا ہمارے ملک میں ایسا عدل و توازن یا انصاف نظر آتا ہے؟...... خالق انسان نے انسان کو باہم معاملات میں عدل و احسان کا حکم فرمایا...... (سورہ النساء ۱۳۵) میں ارشاد ہے (اے ایمان والو...... انصاف پر قائم رہو...... اور کیا آج ہم انصاف پر قائم ہیں) جبکہ مملکت پاکستان اسلام کے نام پر معجزے کے طور پر انعام میں ملی جبکہ معاشرتی زندگی اور خوشحالی کا حقیقی راز بھی انسانی مساوات اور معیاری عدل و انصاف میں ہے۔

کس قدر افسوس ناک بات کہ ہم آج عدل اور عدل اجتماعی کے کسی بھی فریم میں فٹ نہیں آ رہے۔ دُنیا کو اخلاقی اقدار کا سبق سکھانے والے مسلمان بحیثیت قوم (پاکستان) خود اُلٹی چال چل پڑے۔ قرآن و سنت سے غافل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضگی کے ساتھ معاشرتی عدل و انصاف سے بھی دُور ہو گئے۔ اور کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ غیر اقوام کے لیے آسان اور تر نوالہ بن گئے۔

ملک عزیز پاکستان کے سب ادارے کھیل تماشہ بن کر بکھر گئے، اور عدل و انصاف کی عدم فراہمی نے اس کی شکل کو بدشکل بنا دیا۔ خود ساختہ آئین و قانون اور اخلاقی اقدار کی پستی نے ذلت کا نشان بنا دیا۔ ملکی عدلیہ کی تاریخ میں کوئی فیصلہ کہیں انصاف پر اگر نظر بھی آتا ہے تو اس کے پیچھے کسی غیر مسلم عادل ہی کا قلم ہوتا ہے...... قانون سے فرار اور عدل سے انکار نے

Marfat.com

معاشرتی زندگی کو اس قدر آلودہ کر دیا کہ صفائی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔ حق و انصاف کی بات ناگوار محسوس ہوتی ہے۔ بحیثیت قوم آج ہم عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہے...... صحیح نہ غلط کسی بھی سمت کا تعین نہیں کر پا رہے۔ عوام حکمران سب بے سمت سرپٹ بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

پاکستان جو نظریاتی مملکت ہے اور جس کا قیام (لا الہ الا اللہ) کی بنیاد پر ہو۔ اسی کی بقا بھی اسی پر ہے۔ انشا اللہ کیونکہ عدل و انصاف کے بغیر کوئی بھی معاشرہ اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی جمہوری روایات پروان چڑھ سکتی ہیں۔ آمرانہ سوچ ''عدل و انصاف'' کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ ملک عزیز ایسی ہی سوچ کی ایک عبرتناک تجربہ گاہ بنی ہوئی ہے۔ کہ 'عدل' کی عدم موجودگی سے طاقتور آسائش پا رہے جبکہ کمزور دہشت زدہ اور ملکی بقا سے مایوس ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے بطور ''فرد'' ملت کا ''ستارہ'' بن کر چمکنے کا راستہ صرف (لا الہ الا اللہ) ہی ہے اور ہمارے مکمل حقوق سنتِ نبوی ''محمد رسول اللہ ﷺ'' پر عمل پیرا ہونے پر ہی مل سکیں گے۔ اس لیے اس ملک کے نظام عدل کو پھر پاکیزہ تر کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی رسی کو مکمل تھامنے پر ہی مل سکے گا...... انشاء اللہ۔

موجودہ نظام حکومت کے جابرانہ تسلط، منافقانہ قول و قرار اور غیر اسلامی طور طریقوں نے قرآنی حکم کے خلاف کافر سے دوستی اور مسلمان سے دشمنی، ریاستی اداروں کی تباہی، دستر خوانی قبیلہ کے ہاتھوں قومی سرمایہ کی لوٹ سیل، ایجنسیوں کے ہاتھوں اپنے ہی شہریوں کی پر اسرار گمشدگی اور غربت و افلاس میں پسے عوام الناس کے سامنے ترقی و خوشحالی کے منافقانہ نعرے...... لا الہ کی بستی کو پستی کیطرف دھکیل رہے ہیں اس لیے اس میں اُس ''نظام عدل'' کو رائج کرنا ہوگا جس کی مثال تمام عالم اجماع اپنا کر سرخرو ہو رہے ہیں۔ من حیث القوم ''اجتماعی عدل'' کی پیروی میں ہی ہمیں انفرادی ''عدل و انصاف'' کی شکل نظر آتی ہے۔ اور یہ شکل علم اور بہترین علم ''علم اللہ پاک'' یعنی معرفت الٰہی سے حاصل کرنا ہوگا۔

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین:

رحمۃ للعالمین وہ ہے جو کافروں کو بھی با آواز بلند سناتا ہے۔ ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین''۔ رحمۃ للعالمین وہی ہے جو تمام عالم سے نیکی اور عمدہ سلوک کی تعلیم اس طرح دیتا ہے ''اور اللہ تم کو لوگوں کے ساتھ نیکیاں اور اچھا سلوک کرنے سے نہیں روکتا بلکہ اللہ تو ایسے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

مزید ارشاد فرمایا! ''بدی کا بدلہ نیکی سے دو پھر جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے وہ تمہارا گرم جوش حامی بن جائے گا''۔ آپ ﷺ نے جملہ اقوام سے اسی لیے معاہدات کیے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی قومیت کی وحدت قائم رہے اور اقوام عالم عدل و انصاف میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت ملتی رہے۔ ایک دوسرے کے عدالتی فیصلوں کا قرب حاصل ہو اور آپس میں ربط و ہم آہنگی پیدا ہو۔ ''حلف الفضول'' سے لے کر ''خطبہ حجۃ الوداع'' تک آپ ﷺ کے ہر فعل، آپ ﷺ کے ہر معاہدے، آپ ﷺ کے ہر خطبے سے عالم انسانی کو ایک نیا سبق ملا ہے اور ہر نئے سبق سے بنی نوع انسان کی عظمت و رفعت کا درجہ بلند ہوا۔ جس کو ساری انسانیت کا امام بننا ہو، اس کو ہر لحاظ سے اپنے اندر وسعت پیدا کرنا ہوگی اور ایک دنیا کو اپنے اندر سمونا ہوگا اور ساتھ لے کر چلنا ہوگا اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ جدوجہد کرتا ہے۔

Marfat.com

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جن دیوں میں جان ہوگی وہ دیے رہ جائیں گے

اسلام ان ہی ابدی صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جنہیں زمین و آسمان کے مالک نے انسان کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاء کے ذریعے بیان فرمایا ہے اور جن کو اپنی مکمل ترین شکل میں آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول اور فعل کے ذریعے انسانیت کو تفویض فرمایا۔ یہ وہ صداقتیں ہیں جن پر کبھی کہنگی کا سایہ نہیں پڑسکتا جو ہر دور اور ہر زمانے کے لیے مساوی طور پر سچی ہیں۔ اس کے بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہیں۔ جو زمان و مکان کی وقتیں ان کے لیے زنجیر پا بن سکیں۔ ان کو جس طرح خالق حقیقی نے بیان فرمایا ہے اس کے لیے ماضی حال اور مستقبل یکساں ہیں جس طرح سورج ''پرانا'' ہونے کے باوجود ہر صبح نو کے دامن کو روشنی سے بھردیتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی تعلیمات بھی ''عدل و انصاف'' کی ہر گردش اور تاریخ و تمدن کی ہر پیش قدمی کے لیے تازہ پیغام کی علمبردار ہیں۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیاتِ ابدی ہے — یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر ہے
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں — جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

خلاصۂ کلام:

اسلامی عدل ایسے انتظام کا نام ہے جس کا ضمیر وخمیر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین و ایمان ہے؛ وہ خدائی رنگ 'صبغۃ اللہ'' میں رنگا ہوا ہے، اور ایمان و اذعان کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے اس کو دینی رنگ اور ربانی آہنگ اور ایمانی روح سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ قرآن کریم اور رسالت محمدیہ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ یہ دنیا بلا حاکم و مالک کے، یا کئی حاکموں کی مشترکہ ملکیت نہیں بلکہ اس کا ایک ہی بادشاہ ہے جو اس کا خالق و صانع اور اس کا حاکم و مدّبر ہے، اور خلق و امر کا اختیار اسی کو ہے:الا لہ الخلق والامر۔ اسی کا نام پیدا کرنا ہے اور اسی کا کام حکم دینا ہے۔ اور آپ ﷺ نے دین و دنیا کی علیحدگی کے نظریے کو حرفِ غلط بنا کر پوری زندگی کو عبادت، ساری روئے زمین کو سجدہ گاہ بنادیا اور انسان کو متحارب و متصادم چھاؤنیوں سے نکال کر ''عمل صالح'' خدمت انسانیت، اور اللہ کی رضا جوئی کے وسیع اور متحدہ محاذ پر لا کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے انسانیت اور زندگی کی ایک نئی خوشگوار زندگی مہیا کی۔ اور اسے زمین کی پستی سے اٹھا کر عزت و سیادت، اعتماد وخوداری اور اعتماد علی اللہ کے اوجِ ثریا پر پہنچادیا۔ سبحان اللہ۔

تجاویز وسفارشات

☆ عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ نام کے نہیں بلکہ عملاً سچے مسلمان بنیں۔ مسلم امہ آج کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ صہیونی طاقتیں آور بالا دست مغرب جب کہتا ہے کہ وہ مسلم دنیا میں جمہوریت نافذ کرنا چاہتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ مغرب اپنے تصورّ کو مسلم ممالک میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ جو صریحاً غیر اسلامی ہیں۔'' اگر آج تمام مسلمان ایمان اور اخلاص کے ساتھ متحد ہو جائیں تو وہ ایک بہترین نظام تشکیل دے سکتے ہیں۔ جس میں کسی صیہونی

Marfat.com

طاقت کو دخل دینے کی جرأت نہ ہوگی۔

☆ اُمت مسلمہ کو کسی ایسے معاہدے میں شریک نہیں ہونا چاہیے، جو اسلام کی اہانت کا موجب ہو۔ ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ''اجتماعی عدل'' کہیں بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ، اور اہل نجران کی آل اولاد کی چال تو نہیں۔

☆ مسلمانوں کو بطور خاص سائنسی ٹیکنالوجی علوم پر توجہ دینی چاہیے، باہمی تقرب و ہم آہنگی کے فروغ کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ مگر ''بین المذاہب عدل و انصاف'' کے بارے میں خبردار رہنا بھی چاہیے، کیونکہ امریکہ ثقافتی عالمگیریت کے خواب کی تعبیر کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

☆ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ پوری دنیا کو رسول اللہ کے عالمی پیغام سے ''ادعو بالحکمۃ کے اسلوب سے آگاہ کریں۔

☆۔ اجتماعی طور پر دنیا کو ایک ایسی تنظیم بنانے کے سلسلے میں مدعو کریں جو عین اسلامی تعلقات کے مطابق ہو اور ''اسلامی عدل و انصاف'' کی آئینہ دار ہو جس کے نتیجے میں حلم و بردباری صبر و تحمل، مذہبی رواداری، اخوت و مساوات اور عدل و انصاف پر مبنی ایسا نظام قائم ہو سکے جو عالم انسانیت کی رنگ و نسل، زبان و وطن اور مذہب وعقیدہ کے تعصّبات سے بالاتر ہو کر خدمت کر سکے۔

☆ تمام مذاہب کا احترام یکساں طور پر کیا جائے۔ مذہبی بنیادوں پر کسی کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ باہمی مفاہمت کے لئے مکالمے اور ڈائیلاک آپس میں کریں تاکہ مسلم ممالک میں قوت اتحاد پیدا کر سکیں۔

☆ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان متعدد بنیادی اختلافات کے باوجود، دونوں تہذیبوں میں ایسے عناصر موجود ہیں، جن میں دونوں کے درمیان شراکت اور باہمی احترام کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ بات بے حد ضروری ہے، کہ مغرب اسلام کے ساتھ معاندانہ طرز عمل ختم کرے۔

آج دُنیا ایسی عالمگیر ''عدل و انصاف'' کی متلاشی ہے، جس میں تمام انسانوں کے مابین اخوت و اتحاد کا قیام عمل میں آئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلم اُمہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور اس آیت ربانی ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا﴾ کے مطابق ''کہ سب مل کر اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو'' کی عملی تفسیر بن جائیں تو دیکھیں کسی قوم میں انشاء اللہ العزیز اتنی جرأت نہ ہو سکے گی کہ وہ اسلام اور ''عدل و انصاف'' سے محبت کرنے والوں کے اتحاد میں رخنہ ڈال سکیں۔ اس کے لئے اقوام عالم کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔ جو سرتا پا انسانیت کے رہنما اور فطرت انسانی کے ترجمان ہیں۔

اُن کے ہم فدائی ہیں جو رسول اکرم ﷺ ہیں — جو کہ فخر عیسیٰ ہیں افتخارِ آدمؑ ہیں

جن کا ہے لقب طٰہٰ اور خطاب ہے یٰسین — جو حبیب خالق ہیں جو طبیب عالم ہیں

اس دعا کے ساتھ مقالہ مکمل کرتی ہوں کہ اے خدائے عزوجل! مجھ گنہگار کو اسوۂ حسنہ کے اتباع کی توفیق عطا فرما، اور رسول اللہ ﷺ سے محبت اور عشق کے حوالے سے میری اس حقیر سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما لے۔ (آمین)

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین o

○○○○○○○

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

نادیہ طارق- لاہور

اسلام دین حق جسے رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا اور انسان نے زندگی کے ہر معاملے میں اس سے رہنمائی حاصل کی ہے۔دیگر اصول وضوابط کے طے کرنے کی طرح انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا نہیں،انسانوں کے خالق کا ہی کام ہے دوسری کوئی ہستی نہ اس کی مجاز ہے کہ عدل وظلم معیار تجویز کرے اور نہ کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔انسان نے اپنے آپ کو خود تخلیق نہیں کیا کہ معیار عدل تجویز کرنے کا مجاز ہو۔انسان تو اللہ کی مخلوق اور رعایا ہے اور اصول وضوابط طے کرنا تو خالق اور مالک کا کام ہے۔یہ صرف ایک انسان کے محدود اختیار کی بات نہیں اگر بہت سے بلند مرتبہ انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال کرلیں تو پھر بھی انسانی علم کا محدود پن اور کوتاہی انسانی عقل پر خواہشات وتعصبات کے غلبے سے اس کا کوئی امکان نہیں کہ انسان خود اپنے لئے ایسا کوئی نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو۔انسانی سوچ ہر انسان کے جذبات واحساسات کو سمجھنے سے عاری ہے اور نہ ہی وہ انسان کے لئے تسلی بخش فیصلے کے تعین کردہ اختیار رکھ پاتی ہے۔حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہوسکتا ہے جسے ایک قادر مطلق اور عالم الغیب والشہادۃ ہستی نے بنایا ہو۔

میرے اس مقالے کا موضوع عدل اجتماعی کا تصور ہے لہذا سب سے پہلے عدل کے لغوی اور اصلاحی مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے۔

معنی ومفہوم

لغت کے اعتبار سے عدل کے معنی برابری اور انصاف کے ہیں۔یعنی کسی بوجھ یا چیز کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کر دینا کہ کسی ایک میں کمی یا بیشی نہ ہو عدل کہلاتا ہے۔برائی کا برابر بدلہ تو عدل ہو گا لیکن اس سے زیادہ بدلہ ظلم ہو جائے گا۔اسی طرح نیکی کا بدلہ برابر کا دینا تو عدل ہو گا لیکن اس سے زائد سلوک کرنا احسان کہلائے گا۔عدل کے مفہوم کو علماء اور مفکرین نے اس طرح سے بیان فرمایا:

امام راغب اصفہانی کے نزدیک "کسی شے کے اپنے اصل مقام پر اور اپنی حدود کے اندر رہنے کا نام عدل ہے"
آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی ملنا چاہیے۔

ابوالبقاء حنفی فرماتے ہیں کہ عدل ظلم کی ضد ہے۔عدل یہ ہے کہ حقدار کو حق دلایا جائے اور جس کا حق نہیں ان سے لے لیا جائے۔

Marfat.com

سید شریف فرماتے ہیں: عدل افراط وتفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔

سید علی ہجویریؒ کے الفاظ میں ''عدل کے معنی کسی چیز کو اس کے صحیح موقع اور محل میں رکھنے کے ہیں''(۱)۔

عملی زندگی میں عدل و انصاف یہ ہے کہ لوگ بات کریں تو سچی کریں۔کام کریں تو نیک نیتی اور خلوص سے کریں۔تولیں تو پورا تولیں۔وعدہ کریں تو ایفا کریں۔غرض زندگی کا ہر عمل اللہ کی ہدایت میں ہو۔تا کہ اللہ کی نعمتوں کا صحیح شکر ادا ہو جائے۔

عدل کو اگرچہ اردو میں انصاف اور برابری کے معنی دیئے جاتے ہیں لیکن اس کی بھی کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔عدل سے دراصل مراد یہ ہے کہ لوگوں میں حقوق کی برابر برابر یا نصف تقسیم ہے۔پھر اس سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق سمجھ لئے جاتے ہیں جو حقیقتاً فطرت کے خلاف ہے۔اصل بات یہ ہے کہ عدل کا تقاضا حقوق کا توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔اگرچہ بعض حیثیتوں سے تو عدل کے معنی بالکل مساوات ہے جیسے حقوق شہریت مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات وغیرہ وغیرہ۔ظاہر ہے اللہ کا مقصد عدل ہے مساوات نہیں بلکہ حقوق میں توازن اور تناسب ہے اور جب اللہ عدل کا حکم دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی،معاشرتی،قانونی،معاشی،تمدنی و سیاسی غرض ہر طرح کے حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔"(۲)

عدل و احسان اور مساوات کے مفہوم کو مزید واضح انداز میں سمجھنے کے لئے مولانا مودودی کے قابل قدر خیالات سے مستفید ہوتے ہیں جن کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب اسلامی ریاست میں اس طرح سے کیا۔

پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔دوسرا یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتا ہے۔مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن ہے نہ کہ برابری(۳)۔

عدل کے مندرجہ بالا معنوں کو سمجھ لینے کے بعد اب عدل کو اسلام کے تناظر میں دیکھتے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصد ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ وہ عدل قائم کرے۔

اسلام میں عدل کا تصور

اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ کوئی فرد واحد یا کوئی جماعت اور گروہ دیگر انسانوں کے لئے عدل کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب کرے جو دیگر افراد کی سہولت و تسکین کے بجائے تکلیف اور دل آزاری کا موجب بنے اور پھر اسے بالجبر لوگوں پر مسلط کر دے اور پھر احتجاج کی بھی گنجائش نہ چھوڑے۔یہ اختیار عام انسانوں کے لئے تو کیا خلفاء راشدین کے لئے بھی نہیں تھا اور خود نبی اکرمؐ نے بھی اپنے مقام کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام میں کسی ڈکٹیٹر کے لیے کوئی گنجائش

Marfat.com

نہیں رکھی۔ تمام اصول وضوابط کو مرتب کرنے اور احکامات کے تعین کا حق صرف اور صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ آپ ؐ کی تمام تر تعلیمات بھی اللہ کی مرضی و منشاء کے مطابق ہوتیں۔ رسولؐ اللہ اور خلفائے رسولؐ کے نظام میں صرف شریعت الٰہی تنقید سے بالاتر تھی۔ اس کے بعد ہر شخص کو ہر وقت ہر معاملے میں زبان کھولنے کا پورا حق حاصل تھا۔

عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اس نقطہ نظر کی دلیل کے لئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحدید فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ. اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (۴)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ انسان انصاف پر قائم ہو اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں۔ تا کہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون لوگ بنا دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے۔

اگر ایک مسلمان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدلات اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔ جس لمحے اُسے عدل کی ضرورت کا احساس ہو گا۔ اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسولؐ کے سوا کسی کے پاس نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ بھی مان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں کرنا ہے کہ اسلام پورا کا پورا اسلام، بنا کم و کاست اسلام قائم کر دیا جائے۔ عدل اسلام سے ایک کسی چیز کا نام نہیں ہے، اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے(۵)۔

اللہ تعالیٰ جب عدل کا حکم دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی، معاشی، تمدنی و سیاسی غرض ہر طرح کے حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جائیں تا کہ اس پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس طرح فرماتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۶)

ترجمہ: بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

مومنوں کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی بھی حالت میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دیں ان کو ہمیشہ انصاف کرنا چاہیے کیونکہ عدل ہی تقوی سے قریب تر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (۷)

ترجمہ: اور گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے تو جب بات کہو تو (فریق مقدمہ) قرابت مند ہی کیوں نہ ہو انصاف کرو۔

Marfat.com

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۸)

ترجمہ: مسلمانوں انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کے باعث نہ ہو کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو عدل و انصاف ہی پرہیز گاری سے قریب ہے۔

عدل اجتماعی

انسان ایک معاشرتی جانور ہے۔ اپنی زندگی کو آسان اور پر آسائش بنانے کے لئے وہ ہر وقت دوسروں کا محتاج ہے۔ انسان کی ابتداء ایک مرد ایک عورت اور ان کی اولاد سے ہوتی ہے جس سے خاندان بنتا ہے ان خاندانوں سے قبیلے اور برادریاں بنتی ہیں جو آگے چل کر ایک قوم کو وجود میں لاتیں ہیں۔قوم ایک ریاست کا نظام بناتی ہے ان سب اداروں کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود ہے اور افراد جو ان اداروں کے ماتحت ہیں ان سے وہ خدمت لینا جو بحیثیت مجموعی تمام افراد معاشرہ کی فلاح و ترقی کے لئے مطلوب ہو یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عدالت اجتماعیہ کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔انسانی فلاح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ افراد پر خاندانوں کا، خاندان پر قبیلوں اور برادریوں کا اور تمام افراد اور چھوٹے اداروں پر ریاست کا اقتدار ہو تا کہ کوئی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم نہ کر سکے۔

عدالت اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و عداوت کو روکنے کے لئے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد سے وہ خدمت بھی لی جا سکے جو اجتماعی فلاح کے لئے درکار ہے(۹)۔

عدل اجتماعی کو مزید سمجھنے کے لئے معاشرتی، قانونی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔

معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ تاکید ایسے شوہر کو کی گئی ہے جو ایک سے زائد شادیاں کرے۔اسے یہ اجازت عدل کی شرط کے ساتھ دی گئی ہے اگر کوئی مرد ایک سے زائد بیویاں رکھ کر عدل و انصاف سے کام نہ لے تو قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (۱۰)

ترجمہ: پس اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا

﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (۱۱)

پس ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔

رکن اعلیٰ کی حیثیت سے مرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انصاف کرے۔انتظامی امور میں فوقیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طاقت کے بل بوتے پر من مانی کی جائے بلکہ برتری کا مطلب یہ ہے کہ نظم و ضبط کو چلانے کے لیے انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بھی عدل و انصاف ضروری ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

Marfat.com

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ (۱۲)

ترجمہ: یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو۔

وزن اور پیمانے میں عدل و انصاف کرنا شریعت کا تقاضا ہے اس لئے ارشاد ہوا

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۳)

ترجمہ: اور انصاف کے ساتھ ناپ تول کرو۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں اور قانون کے محافظوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ عدل و انصاف کی میزان کو مضبوطی سے تھامے اور کسی ایک فریق کی طرف ناجائز جھکاؤ نہ رکھے۔

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۱۴)

ترجمہ: جب لوگوں کے جھگڑے نمٹانے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

سیاسی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انصاف کی تلقین کی ہے اور سیاسی انصاف صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی ضروری ہے۔

اسلام کی تہذیب کا نمایاں وصف عدل و اعتدال ہے جس کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں مسلمانوں کے لئے ایک محاذ جنگ پر رکے رہنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے جو کچھ جذیہ وصول کیا تھا پورا لوٹا دیا اس انصاف کو دیکھ کر غیر مسلم کہنے لگے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے علاقوں میں تمہیں واپس لائے تاکہ ہم دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکیں۔ ہمارے ہم مذہب بھی حکمران ہوتے تو وہ کچھ بھی نہ لوٹاتے۔ بلکہ ہمارا بچا کچھا سرمایہ بھی ہڑپ کر جاتے۔

ایک ایسے ہی دوسرے موقع پر جب مسلمانوں نے یہودیوں کو اُن کا زر و مال اسی لئے لوٹا دیا کہ وہ ان کی حفاظت سے قاصر تھے تو یہودی پکار اٹھے ''یہی وہ عدل و انصاف ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں'' (۱۵)۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو اُمَّۃً وَّسَطًا کا خطاب دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ امت افراط و تفریط سے محفوظ رہ کر راہ اعتدال پر قائم ہے۔ دین اسلام مسلمانوں کو معاشی زندگی میں اعتدال پر دیکھنا چاہتا ہے اور معاشی عدل سے مراد ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا اجر ملے۔ معاشرے کے کمزور طبقات و افراد کے حقوق کی پاسبانی کی جائے اور طاقتور افراد و طبقات کو اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ ان کے حقوق تلف کریں۔

مسند بزاز میں حضرت حذیفہ سے مشہور روایت ہے کہ دولت مندی میں محتاجی میں اور عبادت میں عدل و اعتدال اور میانہ روی کتنی اچھی روش ہے۔" غرض یہ کہ اسلام نے جس طرح عدل کو واضح کیا ہے اس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی (۱۶)۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں فرمایا

''تم میں سے جو کمزور ہے وہ میری نگاہوں میں طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کی شکایت دور کروں

Marfat.com

اگر خدا نے چاہا اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میری نگاہوں میں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے کمزور کا حق نہ لے لوں اگر خدا نے چاہا''۔(۱۷)

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر آپ سے ملیں جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو آپؓ نے فرمایا۔

''لوگو میں نے اپنے ان اعمال کو اس لئے مقرر نہیں کیا کہ تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازی کریں۔ بلکہ ان لوگوں کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ معاشرہ میں عدل و انصاف کریں۔اقتصادی توازن برقرار رکھیں اور تمہاری تمام جائز ضرورتوں کو پورا کریں۔پس اگر کسی عامل نے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اس کا قصاص لوں''

راوی کہتا ہے کہ اس اعلان پر صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا امیر المومنین آپؓ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں آپؓ نے فرمایا اٹھو اور اس سے قصاص لو یہ سن کر عمروؓ بن العاص اٹھے اور کہا امیر المومنین اگر آپ اپنے اعمال کے سلسلہ میں یہ پالیسی اختیار کریں گے تو یہ ان کو بہت شاق گزرے گی اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا۔ جسے آپؓ کے بعد آنے والے خلفاء بھی اختیار کر لیں گے۔حضرت عمرؓ نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عامل سے اس شخص کا قصاص نہ لوں جب کہ میں نے رسول اللہ کو خود اپنے سے قصاص لیتے دیکھا ہے(۱۸)۔

رسول اللہ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمرانوں،گورنروں سے عام لوگوں کو ملاقات کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتا کہ انصاف میں تاخیر نہ ہو۔آنحضورؐ نے فرمایا:

اگر کسی شخص کو عوام پر صاحب اختیار بنا دیا جائے لیکن وہ مسلمانوں پر اپنا دروازہ بند کر دے یا کسی ایسے شخص کو جس پر ظلم ہوا ہو یا وہ ضرورت مند ہو۔داخلہ کی اجازت نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کا دروازہ بند کر دے گا جبکہ وہ خود ضرورت مند ہوگا یا مفلسی کی حالت میں ہوگا(۱۹)۔

محسن انسانیت کا فلسفہ عدل

محسن انسانیت،معلم کتاب وحکمت سید الانبیاء حضرت محمدؐ کی حیات مبارکہ دلیل آفتاب کی روشن مثال ہے۔آپؐ نے دین اسلام کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کا واضح تعارف اور موثر ابلاغ کرتے ہوئے نوع انسانی کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالا۔طبقہ واریت،طبیعت پسندی،مال و دولت کی برتری جیسی غیر انسانی غیر اخلاقی قدروں اور اسلام کے معاشرتی انصاف کے مسلمہ اصولوں اور اخلاقی قدروں کا اجالا آفاق میں پھیلایا۔

عصری علوم و افکار کے اس دور جدید میں کوئی بھی مکتبہ فکر یا سماجی اور اقتصادی اصلاح کا دعوے دار طبقہ انسانی جان کی خدمت اور مخلوق خدا کے احترام کا اس سے بہتر اور جامع تصور پیش نہیں کر سکتا۔ جسے عہد رسالت مآبؐ میں عملاً بروئے کار لایا گیا اور آج بھی مسلم معاشرے میں انصاف،صلہ رحمی اور مساوات کے اصول،تعلیمات رسولؐ پاک کے زریں نکات ہیں۔تاریخ

Marfat.com

گواہی دے رہی ہے کہ یہی اسلام کے فلاحی اور عادلانہ طرز حکومت کی سو فیصد کامیابی کا راز تھا (۲۰)۔

عدل واحسان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے آپؐ نے مخلوق خدا کو خدا کا کنبہ ٹھہرایا اور بہترین شخص کی خوبی یہ ٹھہری کہ جو خدا کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔رسولؐ خدا کی سیرت کا یہ توجہ طلب پہلو ہے کہ آپؐ نے مخلوق خدا کو بطور فرد اور معاشرے اور بحیثیت قوم خود داری اور خوف خدا سے جینے کا سلیقہ سکھایا۔فرسودہ روایات کے اندھیرے سے بنی نوع انسان کو نکالا اور اپنی تعلیمات کے ذریعے افراد کے درمیان حق تلفی سے گریز،رنگ ونسل کی عصبیت سے نجات،عدل و انصاف کی حاکمیت اور احکام قرآن کی پیروی باہمی رواداری،صلہ رحمی خدا شناسی اور خدمت خلق کا ٹھیک ٹھیک مفہوم سمجھایا ہے۔آپؐ نے عدل وانصاف کے زریں اصول کو کسی قیمت بھی ہاتھ سے نہ جانے کی تلقین کی خواہ صورتحال کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ قریش ایک مخزومی عورت کے بارے میں فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی اور حضورؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا۔قریش نے کہا کہ کون اس کے بارے میں رسولؐ خدا سے بات کرے بعض نے کہا اسامہؓ بن زیدؓ سے رسولؐ خدا کو محبت ہے اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں۔چنانچہ اسامہؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا تم خدا کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔

پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا،فرمایا تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوگئیں کہ ان میں جب کوئی شرف وعزت والا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتیں تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا (۲۱)۔

آنحضرتؐ جب کسی شہر میں قاضی کا تقرر فرماتے تو ہدایت ہوتی کہ وہاں کے لوگوں کو آیت قرآنی سنائیں اور اسلام کے احکام سکھائیں۔ان سے یہ بھی کہا جاتا کہ ان کے مقدمات کا فیصلہ اسلامی احکام کے مطابق عدل وانصاف سے کریں۔

آپؐ نے ہر اُس کیفیت میں سے فکر وخیال میں تغیر واقع ہوسکتا ہو اس حالت میں فیصلہ اور قضاء سے منع فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے صاحبزادے کو ایک خط لکھا عفہ کہ حالت میں دو آدمیوں کے مابین کوئی فیصلہ نہ کرو، کیونکہ رسولؐ اللہ کو ارشاد فرماتے سُنا کہ کوئی حاکم اس حالت میں دو آدمیوں کے مابین فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ حالت غضب میں ہو (۲۲)۔

تقرری کے وقت قاضی حضرات کو جو عدالتوں کے سربراہ ہوتے یہ بات بخوبی سمجھا دی جاتی کہ اسلام کی ہدایت کے خلاف جو کام کیے جائیں گے وہ کالعدم قرار دیئے جائیں گے۔

سیرت ابن ہشام اور طبری میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ جب عمرو بن خرم یم کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تو آپؐ نے انہیں ایک تحریری حکم نامہ بھی دیا۔اسلامی نظام حکومت کی تاریخ میں یہ فرمان نبویؐ ہمیشہ یاد رہے گا۔اس مفصل اور جامع دستاویز میں تاکید کی گئی کہ لوگوں کو بے لاگ عدل فراہم کیا جائے۔مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے۔مقتدر حکم کو ظلم وستم کو روکنے اور زیادتی سے باز رہنے کی تلقین بھی کی گئی (۲۳)۔

احادیث کی کتب میں جسمانی ضرر رسانی کی صورت میں مجروح کے معاوضے کا بھی ذکر ملتا ہے تاکہ متاثرہ فریق کی حق دہی ہوسکے۔احادیث میں دیت کی اہمیت بھی واضح کی گئی ہے۔عہد رسالت اس وعدہ خداوندی کا آئینہ دار ہے کہ خالق

Marfat.com

کائنات کو اپنی تمام مخلوق محبوب ہے اس لئے کسی کو قتل کرنا۔ایذاء پہنچانا،حق تلفی کرنا،ظلم وستم کرنا اللہ کے نزدیک ہرگز پسندیدہ فعل نہیں البتہ صلہ رحمی ایک دوسرے کی مدد اور رہنمائی کرنا پسندیدہ عمل ہے۔

اسحاق بن منصورؒ سے روایت ہے کہ ہم کو عبدالرزاق نے خبر دی کہ ہمکو معمرؒ نے خبر دی کہ انہوں نے ہمامؒ سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے،انہوں نے آنحضرتؐ سے آپؐ نے فرمایا آدمی کے بدن کے ہر جوڑ پر ہر دن جس میں سورج نکلتا ہے خیرات لازم ہے۔لوگوں میں انصاف کرنا یہ بھی ایک خیرات ہے(۲۴)۔

تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ منورہ کی وسیع وعریض اسلامی فلاحی ریاست میں قومی حمیت عدل و انصاف اور خوش حالی کا ایسا دور تھا کہ صاحب نصاب کو ڈھونڈنے سے بھی مستحق زکواۃ نہیں ملتا تھا۔

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست نے ایک فلاحی اور منصفانہ اور بنیادی حقوق کے یکساں محافظ مثالی معاشرے کا تجربہ پوری دنیا کو کامیاب کر کے دکھایا۔محسن انسانیت نے جہاں انسانوں کو غلامی کی ذلت کالے گورے کے فرق و امتیاز سے نجات دلا کر شرف انسانیت سے سرفراز کیا وہاں معاشرے میں اقتصادی،معاشی انصاف اور حق رسی کے لئے اصلاحات بھی نافذ کیں(۲۵)۔

آخر میں اگر موجودہ دور میں مسلمانوں کی حالت زار پر نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلام کے ان زریں اصولوں سے غافل ہو کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو بے سکون کر لیا ہے۔یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار نایاب ہو رہی ہیں۔ہمارے اس زبوں حال معاشرے کو تعلیمات نبویؐ کو اختیار کرنے اور اس بار ان رحمت کی افادیت کو زندگی کی تاریک اور کانٹوں بھری راہ میں مشعل فردوس بنانے کی ضرورت ہے۔

ایسا اسلامی معاشرہ جو عدل و انصاف اور مساوات محمدیؐ کا دعوے دار ہو وہ عملی اتباع بھی کرے تا کہ فرد خاندان،امیر غریب طبقہ حکام اور عوام سب کے سب اسلامی غیرت وحمیت اور خود داری سے سرشار کتاب و سنت کے سچے پیروکار بن جائیں۔

حوالہ جات

(۱) عدل، اسلام اور جدید سیاسی وعمرانی افکار، جعفری: اصفر علی شاہ، ص ۱۲۱۔ (۲) عدل: مطالعہ تہذیب اسلامی، بھٹی پروفیسر محمد ارشد خان، ص ۱۰۷-۱۰۸۔ (۳) اسلامی ریاست: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۱۸۳۔ (۴) القرآن الحکیم، الحدید: ۲۔ (۵) اسلام اور عدل اجتماعی، اسلامی ریاست، مودودی، سید ابوالاعلیٰ، ص ۶۰۷- ۶۰۸۔ (۶) القرآن الکریم، النحل: ۹۰۔(۷) القرآن الحکیم، الانعام: ۱۵۳۔ (۸) القرآن الحکیم، المائدہ: ۸۔ (۹) اسلامی ریاست، مودودی، سیدابوالاعلیٰ، ص ۲۱۱۔ (۱۰) القرآن الحکیم، النساء: ۱۳۔ (۱۱) القرآن الحکیم، النساء: ۱۲۹۔ (۱۲) القرآن الحکیم، النساء: ۱۲۷۔ (۱۳) القرآن الحکیم، الانعام: ۱۵۲۔ (۱۴) القرآن الحکیم، النساء: ۵۸۔ا) اجتماعی عدل، اسلامیات، زیرنگرانی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ص ۱۹۷۔ (۱۶) اجتماعی عدل، ص ۱۹۸۔)۱۷) اسلام میں معاشی اور سماجی انصاف کا تصور (مقالہ)، مظہر الدین صدیقی، بحوالہ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۰۱۔ (۱۸) کتاب الخراج (ترجمہ)، مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ص ۳۶۹- ۳۷۰۔ (۱۹) مشکوٰۃ المصابیح (ترجمہ)، محمد بن عبداللہ الخطیب، ج ۶، ص ۱۹۶۔ (۲۰) محسن انسانیت کا فلسفہ کا عدل، اقبال احمد صدیقی، میلاد النبیؐ ایڈیشن، روزنامہ جنگ لاہور۔ (۲۱) اسوہ حسنہ (جلد سوم)، بنت الاسلام، ص ۲۳۵-۲۳۶۔ (۲۲) دین ودنیا، انصاف اور غصہ باب، ۱۶۹، ص ۵۲۱۔ (۲۳) محسن انسانیتؐ کا فلسفہ عدل، اقبال احمد صدیقی، عید میلاد النبیؐ ایڈیشن، روزنامہ جنگ۔ (۲۴) صحیح بخاری، باب قول النبی، جلد اول (مترجم)، ص ۹۹۔ ترجمہ علامہ وحید الزمان۔ (۲۵) اسلام اور جدید اقتصادی نظریاتی، پروفیسر منور حسین چیمہ، ص ۵۴۶۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر شہناز بشیر۔ فیصل آباد

خوشبوؤں کا اِک نگر آباد ہونا چاہیے
اس نظامِ زر کو اب برباد ہونا چاہیے
ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو بھی صاحبِ اولاد ہونا چاہیے
(عطاء الحق قاسمی)

عدلِ اجتماعی کا تصور

عدل کے لغوی معنی ہیں سیدھا رکھنا، برابری کرنا اور کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔ اور اصطلاحی طور پر عدل کے معنی "انصاف کرنا" ہیں۔ انصاف سے مراد بھی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنے کے ہیں۔

عدل ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ لغات قرآن کے نامور محقق اور قرآنی اصطلاحات کے مسلم شارح علامہ راغب اصفہانی نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔

" کسی شے کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کرنے کا نام عدل ہے کہ جنہیں اگر ترازو میں رکھ دیا جائے تو ترازو بالکل سیدھی رہے۔"

فتح الباری میں عدل کے معنی یہ لکھے ہیں۔

" کسی بوجھ کو اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرہ بھر کمی بیشی نہ آئے۔"

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ

"عدل کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کی ضد ظلم کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا جو اس کے مناسب حال نہ ہو" (کشف المحجوب)

عام اصلاح میں ایک ایسا قانون جس کی نظر میں سب انسان برابر ہوں۔ جہاں حاکم و محکوم، بادشاہ و رعیت، امیر و غریب، شریف و وضیع اور کالے گورے کی کوئی بھی تفریق نہ ہو۔ انصاف وہ جنسِ عام ہے جسے ہر کوئی بغیر کسی جبر و اکراہ یا خوف وطمع کے آسانی سے حاصل کرسکتا ہو۔

آئمہ مفسرین نے عدل کی تشریح وتوضیح میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ محمد ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل کے اصل معنی تو برابر کرنے کے ہیں۔ تاہم مختلف نسبتوں سے اس کے معانی میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے مثلاً عدل کا ایک مفہوم یہ

Marfat.com

ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے حقوق کو اپنے نفس پر اور اللہ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اللہ کے احکام کی مکمل تعمیل کرے اور ممنوعات و محرمات سے پوری طرح بچتا رہے۔

عدل اجتماعی کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔اس تناظر میں یہ بات واضح ہے کہ عدل کا دائرہ کار وسیع ہے جو زندگی کے ہر پہلو پہ محیط ہے۔لفظ عدل کو محض مقدمات کے فیصلے تک محدود کر دینا بذات خود عدل کے منافی ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کی عملی زندگی کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آپ ﷺ کے ہاں عدل کا تصور انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک، گھر سے بازار تک، بازار سے عدلیہ کے درودیوار تک اور پھر حکومت کے ایوانوں حتیٰ کہ مساجد و مکتب کی زندگی سب میں عدل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام دین ہے عدل کا، مساوات کا، میانہ روی اور اعتدال کا، "اعتدال "عدل کا وسیع تر مفہوم رکھنے والا لفظ ہے۔اعتدال کی رو سے انسان کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو عدل سے باہر ہو بلکہ اعتدال، عدل کا مرہون منت ہے۔افراط و تفریط میں اسلام درمیانی راہ کا حکم دیتا ہے۔جس کو میانہ روی کہا جاتا ہے۔"معاملات میں بہترین رویہ میانہ روی ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تمام چیزیں عدل و اعتدال اور تعدیل پر قائم ہیں۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔اسلام نے دین فطرت ہوتے ہوئے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔کیونکہ اعتدال خالق کائنات کے آئین قدرت کی شرطِ اول ہے جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے اگر یہ توازن قائم نہ رہے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے کیونکہ یہی نظام عالم کی اساس ہے۔

قرآن پاک نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ "اور آپ ﷺ کے رب کی ہر بات واقعیت اور اعتدال کی بنیاد پر پایہ تکمیل کو پہنچی۔اس لئے کہ کائنات میں اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ (سورۃ الانعام:115)۔ پھر اس توازن اور اعتدال کی خاطر مالک نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ مقرر فرما دیا کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن طریقے سے جاری و ساری رہے۔ چنانچہ اعلان ہوا۔

"ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازے کے ساتھ تخلیق فرمایا"۔(سورۃ القمر:49)

جہاں پر عناصر میں یہ اعتدال طبعی اور جبری ہے وہاں اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے سے حضرت انسان کے لئے اسے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا تاکہ اگر وہ چاہے تو اسے اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کر لے اور اگر چاہے تو اسے ترک کر کے دنیا و آخرت کی صعوبتوں کا شکار ہو جائے۔اس اختیار اور انتخاب کی بنیاد پر انسان کو معاشرے میں عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل و انصاف اپنانے کی ہدایت فرمائی۔انبیائے کرام کی بعثت اور کتب سماوی کے نزول کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ عدل و اعتدال کو اپنائیں اور زندگی میں جادہ عدل سے ہٹنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ انسانی زندگی میں امن و سکون کا انحصار عدل پر ہے اور عدل ہی کے سہارے معاشرے کو توازن اور اعتدال کے ساتھ منظم کیا جا سکتا ہے۔اسی لئے نبی اکرم ﷺ

Marfat.com

نے ایک فرد سے لے کر جماعت تک زندگی کے ہر شعبہ میں عدل قائم کرنے کی تعلیم دی کیونکہ ہر زاویہ حیات میں اسلامی فکر کی اصل الاصول بات یہی ہے۔

اسلامی معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون کے پس منظر میں بھی یہی مرکزی تصور کار گر ہے۔ اور دین کامل کے سارے ضابطے اسی پر قائم ہیں۔ اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو انتہائی راہوں کو چھوڑ کر 'انفاق فی سبیل اللہ' کا معتدل راستہ دکھایا۔ وہاں پر سیاست میں مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام تجویز فرمایا۔ اسی طرح جہاں پر رہبانیت اور قارونیت کی افراط وتفریط سے نجات دلائی وہاں پر اعتدال اور توازن پر مبنی "عدل اجتماعی" کے اسلامی تصور کو پیش فرمایا۔ اسی بنیاد پر جہاں ایک طرف ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ وہاں دوسری طرف قتل کا قصاص واجب قرار دیا تاکہ قانون مکافات میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور محمد عربی ﷺ کا نظام عدل پوری طرح قائم ہو جائے۔

خالق کائنات کی بنائی ہوئی ساری چیزیں عدل و اعتدال پر قائم ہیں۔ زمین کی گردش ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے کے لئے بھی اگر راہ عدل سے ہٹے تو کرہ ارض تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ شمس وقمر، نجوم و کواکب جس نظام کے تابع ہیں اس سے ذرا سا منحرف ہوں تو یہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ اگر ہمارا کوئی عضو کام کرنا بند کر دے تو ہم بیمار پڑ جائیں۔ نظام کائنات کو دیکھیں بارش اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ دانہ اپنے وقت پر بویا جاتا ہے۔ فصل اپنے وقت پر اگتی ہے۔ گویا سارے کام نظامِ عدل پر مبنی ہیں۔

اعتدال اختیار کرنے سے انسان افراط وتفریط سے بچ جاتا ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اعتدال کی راہ ہی زندگی میں کامیابی کی ضامن ہے۔ انسانی زندگی کی بقاء اور اس کے امن وسکون کا انحصار عدل اجتماعی کے قیام پر ہے۔

عدل اجتماعی کی اہمیت کا تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں جائزہ لینے سے پہلے لازم ہے کہ عدل کی اہمیت کا قرآن و سنت کی روشنی میں مختصر جائزہ لیا جائے۔

عدل اجتماعی اور ارشادات ربانی :-

عدل اللہ تعالیٰ کو انسانی معاشرت میں اس قدر مطلوب ہے کہ امت مسلمہ کو ہر موقع پر یہی پیغام دیا کہ عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

فیصلوں میں عدل:-

''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو'' (سورۃ النساء:58) اچھی باتوں میں سب سے پہلے عدل و انصاف کرنے کا ہی حکم ہے۔

عدل و احسان :-

"بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے" (النحل :90) مگر احسان کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عدل کا پلڑا کسی صورت جھکنے نہ پائے۔

Marfat.com

عدالتی معاملات میں عدل :-

عدل و انصاف کی ضرورت خاص طور پر عدالتی معاملات میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پہلو میں بھی عدل و انصاف کالحاظ رکھا ہے "اے ایمان والو! تم عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔ تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، بلکہ عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ترعمل ہے۔ (المائدہ: 8)

اس آیت میں انصاف کو اقرب الی التقویٰ فرمایا ہے۔ تقویٰ کے درجے پر پہنچ کر انسان صحیح معنوں میں انسان کامل بن جاتا ہے۔ متقی آدمی نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی سے عداوت رکھتا ہے۔

مصالحت :-

دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا بھی ایک عدالتی معاملہ ہے۔ جب عقل کی قوت اور نیکی کی استعداد کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہو تو اس عالم میں بھی عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ "اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو پھر ان میں سے ایک (فرقہ) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے۔ اس سے تم (بھی) لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے اور جب رجوع لائے تو دونوں میں برابری کے ساتھ صلح کروادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (الحجرات:10)

مہذب معاشرہ :-

اسلام مہذب معاشرے کے قیام پر زور دیتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا جب تک اس قوم کے افراد آپس میں باہمی تعاون کا مظاہرہ نہ کریں۔ اور بدی کے کاموں سے اپنے بھائیوں کو نہ روک لیں۔ "نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔" (سورۃ المائدہ:3)

لین دین میں درمیانی راہ :-

تجارت ایک ایسا شغل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ رزق رکھا ہے اس میں ناانصافی کے مواقع بہت زیادہ ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ "اور وزن انصاف کیساتھ پورا کرو اور تولنے میں کمی نہ کرو (الرحمٰن :9)

امام عادل کی فضیلت :-

قیام عدل امام عادل کے بغیر ناممکن ہے اس لیے امام عادل کی فضیلت و بزرگی کی بہت تاکید کی گئی ہے حکم ربانی ہے "عدل کرو، اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" یہاں عادل کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست قرار دے رہے ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں عدل اجتماعی :-

حضور نبی کریم ﷺ اسی عظیم مقصد کے لیے مبعوث کیے گئے تھے کہ معاشرے میں پائی جانے والی ہر قسم کی ناہمواریوں کو دور کر کے عدل برپا کریں۔ اچھے کو اچھا مقام دیں اور برے کو بری جگہ سے نکال کر اچھائی کی خوبی سے سجادیں۔

بحیثیت عادل فرائض منصبی کی ادائیگی :-

ہجرت کے بعد مدینہ کی شہری ریاست میں جب چھوٹے موٹے جھگڑے ہوجاتے۔ تو قبیلوں کے سردار انہیں طے

Marfat.com

کروادیتے تھے۔ورنہ مقدمے آپ ﷺ کے پاس آتے۔ آپ ﷺ فریقین کے بیانات سن کر معاملے کی تحقیق کرتے اورعدل کے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے تھے۔

نیک نیتی :-

سیدنا عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی فیصلہ کرنے والا اپنی کوشش کے مطابق فیصلہ کرے اوراس کا فیصلہ درست ہوتو اس کے لیے دواجر ہیں اوراگر اس کی کوشش کے باوجود اس سے غلطی ہوجائے تو (پھر بھی) اس کے لیے ایک اجر ہے (صحیح بخاری)۔

آپ ﷺ نے حاکم کو اس کی غلطی پر بھی اجر کا حقدار قرار دیا ہے۔بشرطیکہ فیصلہ کرتے وقت اس کی نیت درست ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انسانی زندگی کے اس عظیم پہلو کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

جائز حسد :-

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو اشخاص کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں۔ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کی اور وہ اسے اللہ کی راہ میں مسلسل خرچ کرتا رہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت عطا فرمائی اور وہ اسے لوگوں کو سکھانے اور ان کے درمیان عدل کرنے میں مشغول ہو (صحیح مسلم) یہاں آپ ﷺ نے عدل کو ان اشیاء میں شامل فرمایا دیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں مقابلہ ہوتا ہے۔جس چیز کو رب کائنات خصوصی اہمیت دیں اسے رسول اللہ ﷺ کس طرح نظر انداز کرسکتے ہیں۔ یہ عدل و انصاف کی اہمیت کا بین ثبوت ہے۔

غصے میں فیصلے سے اجتناب:-

حضرت ابی بکرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''تم میں سے کوئی بھی دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' (بخاری ومسلم) اس حدیث مبارکہ میں قاضی یا جج سے کہا گیا ہے کہ وہ غصے، تشویش، بھوک، پیاس، زیادہ شکم سیری، بیماری، جلد بازی، اونگھ اور نیند کے غلبے وغیرہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کرے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے۔

طاقت ور سے کمزور کا حق دلانا:-

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا کہ وہ اُمت کیسے پاک ہوسکتی ہے جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق نہ دلوایا جاسکے۔(ابن ماجہ) اگر حاکم کمزور کا حق دلوانے میں دیدہ دانستہ کوتاہی کے مرتکب ہوں انہیں جواب دہی پر مجبور نہ کیا جاسکے تو پھر ساری قوم مجبور شمار ہوگی۔

جج یا قاضی کے لیے مشکل لمحات :-

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کو منصب قضاء پر فائز کیا گیا تو سمجھ لو کہ اسے بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا۔'' (بلوغ المرام، بحوالہ ''عدل وامن'' از شفیق احمد بلوچ)

جج کے لیے فیصلوں میں کئی مشکل لمحات آجاتے ہیں اگر وہ صحیح فیصلہ کرے تو دنیادار لوگ اس سے ناراض ہوجائیں گے۔

Marfat.com

اور اگر وہ غلط فیصلہ دے تو آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں بغیر چھری کے ہلاکت سے مراد دین کی بربادی ہے بدن کی نہیں۔

عرش کے سائے میں:۔

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا سات آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے جب اللہ کے عرش کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا ان میں پہلا وہ امام یا حاکم ہے جو انصاف کرتا ہو دوسرا وہ جوان جو اللہ کی اطاعت میں مگن رہتا ہو'' (صحیح بخاری)۔

عدل اجتماعی کی اہمیت۔۔۔تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا جہنم کے کنارے پر کھڑی تھی۔ انسان اپنی انسانیت گم کر چکا تھا۔ حکمران رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیل کر دادِ عیش دے رہے تھے۔ بے شمار انسان غلامی کی زنجیروں میں پابند سلاسل ہو کر جانوروں کی مانند مجبور اور بے دست و پا تھے۔ کسی کے لیے عدل و انصاف کا حصول ممکن نہ تھا۔

ایسے تاریک دور میں ''آفتاب عالم'' طلوع ہوا جس کی نورانی کرنوں سے دیکھتے ہی دیکھتے سارا عالم روشن ہو گیا۔ بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی۔ ظلم و جور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹ گیا۔ سسکتی دم توڑتی انسانیت میں جان آ گئی۔ جو لوگ مظالم کے اندر دب چکے تھے اٹھ کھڑے ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ نبی اکرم ﷺ نے کائنات انسانی کو اسلام کے ایسے منصفانہ اور عادلانہ قوانین عطا فرمائے جو باہمی ہمدردی، حسن سلوک، اخوت و مروت اور عدل و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں جن سے دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل نظام زندگی بن کر دنیا والوں کے سامنے اس طرح اجاگر ہوا کہ چاردانگ عالم پر چھا گیا۔ عدل اجتماعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک غیر معمولی اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ انسانی معاشرہ اس وقت تک فتنہ و فساد سے محفوظ اور امن و امان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ جب تک بے لاگ انصاف سوسائٹی کا اٹل اصول نہ ہو ایسا انصاف جس میں نہ ذاتی رجحانات کا دخل ہو نہ دوستوں عزیزوں اور رشتہ داروں کے چشم و ابرو کا پاس و لحاظ ہو۔ وہ انصاف جس طرح غریب کے لیے کیا جائے اسی طرح امیر کے لیے بھی ہو۔ پست و بلند کی تفریق خدا اور رسول ﷺ کی عدالت میں اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین کی عدالت میں روا نہیں رکھی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے بار بار اور تسلسل کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ عادل و منصف ہے۔ رسول جو اس کا نائب ہے اسے بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ کبھی اور کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کے راستے سے منحرف نہ ہو۔

تعلیمات نبوی کے مطابق مسلمانوں کو ہر حالت میں انصاف پر کاربند رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور انصاف طلب کرنے والا کسی دشمن قوم کا فرد ہی کیوں نہ ہو، ہر حالت میں انصاف کرنے کا حکم ہے۔ اس حکم میں اسلامی نظام عدل کی بڑی خوبی اور ضرورت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ اسلام تمام انسانی برادری کو امت واحدہ بنانے کا داعی ہے اس لیے اس کے عدل و انصاف کا ترازو دوست و دشمن میں امتیاز نہ کرے بلکہ ہر دور کے لیے مساوی رہے اور ہر کوئی کہے کہ ''حق بہ حقدار سید'' اگر ان دو باتوں پر دنیا بھر کی عدالتیں اور وطن عزیز کے جج صاحبان کاربند ہو جائیں تو نہ صرف اسلام کے نظام عدل کا شہرہ ہوگا بلکہ ہر

Marfat.com

مظلوم کو خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو انصاف ملنے لگے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا بھر میں انسانوں میں باہمی اخوت ومودت کا رشتہ پیوستہ ہونے لگے گا اور آہستہ آہستہ لوگ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں امت واحدہ بننے کے قریب تر ہو جائیں گے۔

معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ دراصل عدل و انصاف ہی ایک کامیاب اورمہذب معاشرے کی جان ہے۔ اگر یہ معاشرتی زندگی سے نکل جائے تو پھر انسانی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے قبل از نبوت ہی اپنا کردار بے داغ اور قابل رشک رکھا۔ اسی معاشرے میں رہ کر آپ ﷺ نے عدل وانصاف کے تقاضے پورے کیے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں عدل اجتماعی پر مبنی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

انفرادی حقوق کی پاسداری:۔

نبی اکرم ﷺ نے جس معیاری نظام عدل کو دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے اس کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ اس نظام کے ذریعے مملکت کے ہر فرد کے حقوق کی مکمل ضمانت دی گئی ہے۔ انفرادی حقوق ہی دراصل نظام عدل کی بنیاد ہیں۔ اس لیے یہ بات ارباب حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت کے ہر باشندے کی عزت و آبرو، جائیداد و مال، جسم وجان، چادر اور چاردیواری کے تحفظ کا اہتمام کریں اور عدل و انصاف کی بنیاد پر ہر اس شخص کے حقوق کی پاسداری کا بندوبست کریں جو ان کی مملکت کا شہری ہے ورنہ وہ نا اہل تصور ہوں گے۔ اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

امیر وغریب کے لیے یکساں انصاف:۔

آپ ﷺ کے عطا کردہ نظام عدل میں نہ کوئی افراط وتفریط ہے نہ کسی کے لیے خاص امتیاز وتفریق۔ جو قانون فقیر کے لیے ہے وہی بادشاہ کے لیے بھی ہے اور جو آئین سرمایہ دار کے لیے وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لیے بھی۔ جو قوانین اپنوں کے لیے ہیں وہی غیروں کے لیے بھی۔ یہاں تک کہ حاکم ومحکوم میں سے کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں۔ قانون کی نظر میں سب کے سب برابر کی حیثیت کے مالک ہیں۔ کیونکہ ہر شہری کو بلا امتیاز انصاف مہیا ہونا نہایت ضروری ہے۔ معاشرہ اسی صورت میں فلاحی اور اسلامی معاشرہ کہلایا جاسکتا ہے جب اس میں رہنے والوں کو بلا امتیاز انصاف میسر ہو۔ اگر معاشرے میں امیر اور طاقتور لوگ اپنے اثر ورسوخ سے قانون کی گرفت سے بچ جائیں اور تمام قانونی پابندیاں صرف غرباء کے لیے ہوں تو ایسا معاشرہ 'جس کی لاٹھی اس کی بھینس' والا معاشرہ کہلاتا ہے۔

آسان اور سستا انصاف:۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو دونوں کو وصیت فرمائی کہ ''نرمی برتنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا اور باہم متحد رہنا، آپس میں اختلاف نہ کرنا۔'' (مشکوۃ باب ماعلی الولاۃ)۔

اس لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ عوام کے لیے انصاف کا حصول مشکل بنا دیا جائے اور ایسے قواعد وضوابط وضع

Marfat.com

کے جائیں جن سے عام آدمی اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے دوسروں کا دست نگر ہو کر رہ جائے اور عدل و انصاف تک پہنچ سکے۔ اس لیے وہ حکومت یقیناً ظالم وجابر ہے جو عدل و انصاف کا معاوضہ یعنی کورٹ فیس وصول کرے کیونکہ یہ حکومت کا ہی فریضہ ہے کہ اپنے عوام کو ہر حال میں سستا بے لاگ اور آسان انصاف مہیا کرے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ انتظامیہ اور عدلیہ کا ہر کارندہ اپنے دفتری امور میں اس قدر دلچسپی لے گویا وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اور اپنے فرائض منصبی سے اس طرح عہدہ برآ ہو کہ عدل و انصاف کے متلاشی کو آسانی سے انصاف میسر آسکے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''جو شخص پبلک کی خدمت کے لیے متعین کیا جائے اور پھر وہ لوگوں کی حفاظت اور نگرانی اتنی نہ کرے جتنی وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے تو ایسا شخص جنت کی خوش بو بھی نہیں سونگھ سکے گا''۔ (جمع الفوائد بحوالہ ''مجمع کمالات سیرت'' از پروفیسر عبدالجبار شیخ)۔

انصاف پسند جج یا قاضی:۔

ایک دفعہ نبی آخرالزماں ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم جانتے ہو قیامت کے دن گرمی اپنے شباب پر ہوگی اور اس دن اللہ جل شانہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس شدت کی گرمی میں وہ کون لوگ ہوں گے جو اس سایہ خداوندی میں پناہ لینے کے لیے آگے بڑھیں گے صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ افراد حکومت کہ جب ان سے کلمہ حق کہا جاتا ہے تو بے چوں چرا قبول کرتے ہیں اور جب وہ عدالت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو پورا انصاف کرتے ہیں، اپنے پرائے اور غریب و امیر میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

عدالتی فیصلہ کے بارے میں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا بعض لوگ میرے پاس آکر اپنے آپ کو زبان درازی سے سچا ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ صادر کروا لیتے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ کہ وہ جہنم کی آگ پھانکتے ہیں۔

درِ رحمت:۔

ارباب حکومت لوگوں سے ایسا رویہ اختیار کریں کہ جس سے عوام اور رعایا کو اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرنے میں سہولت ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ۔ ''لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مند انسانوں پر بند کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازوں کو اس کی اس ضرورت اور محتاجی پر بند کر لیتا ہے جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

اس ارشاد مبارک کی روشنی میں منصف اور جج کو ہر وقت اپنی عدالت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے تاکہ ہر کوئی بلاخوف و خطر آسکے اور کسی طرح کا خطرہ لاحق نہ ہو۔

تاریخ نبوی ﷺ کا تاریخ ساز فیصلہ:۔

اسلامی نظام عدل میں بلا رعایت اور عادلانہ طریقہ کار سے فیصلے صادر فرمانے کا جو دستور العمل نبی اکرم ﷺ نے تجویز فرمایا ہے اس کی مثال خود آپ ہی کی سیرت مطہرہ سے ملتی ہے جبکہ آپ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو شریف اور اونچے خاندان کی لڑکی تھی۔ قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ کون ایسا شخص ہو سکتا

Marfat.com

ہے جو رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر طے پایا کہ اس کی جرات صرف اسامہ بن زید ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ کے بہت چہیتے ہیں۔لوگوں کے اصرار پر اسامہ نے لب کشائی کی جسارت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم سے پہلے والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا نیچ لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ میری بیٹی وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔'' (صحیح بخاری)۔

جواب کا لب و لہجہ ملاحظہ فرمایئے کہ جب آپ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو کس مضبوطی کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ جس میں شریف زادی کے لیے اس کی شرافت کی وجہ سے کسی قسم کی رعایت ہرگز نہ تھی۔

عدل کی فضیلت اور ظلم کی مذمت:۔

اسلام میں زندگی کے ہر شعبے میں عدل کو بڑا مقام حاصل ہے۔ظلم اسلامی نظام حیات میں ایک بہت بڑا جرم اور گناہِ عظیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان نبوت سے بھی عدل و انصاف کی فضیلت کا بیان ہوا اور ظلم و جور کی مذمت کی گئی جیسا کہ ارشاد سرور کائنات ﷺ ہے:

''جس نے مسلمانوں کے لیے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا اس کے بعد اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لیے جنت ہے۔ اگر اس کا الٹا ہوا تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔'' (کتاب والترہیب)

نیز یہ فرمایا کہ جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ نیز یہ بھی فرمایا۔

''اے ابوہریرہؓ ! ایک گھڑی کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی معصیت سے بڑھا ہوا اور زیادہ سخت ہے جبکہ ایک گھڑی کا انصاف ان ساٹھ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں۔'' (کتاب الترغیب والترہیب)''

عدل و انصاف کی فضیلت کے بیان میں فرمایا کہ۔

''تین شخصوں کی دعائیں رد نہیں جاتیں۔ روزہ دار کی بوقت افطار، منصف حاکم کی اور مظلوم کی۔'' (کتاب الترغیب والترہیب)

حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے عہد میں عدل و انصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھایا اور اپنے اسوہ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اہل افراد کا تقرر:۔

اسلام میں عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ منصب قضا پر صرف ایسے لوگوں کو فائز کیا جائے جو ہر لحاظ سے اس کے اہل ہوں کیونکہ عدالت کا شعبہ ہر کس و ناکس کے حوالے نہیں کیا جا سکتا اگر ایسا ہوا تو یہ بات مملکت کی تباہی کا باعث ہوگی۔حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

''جب امانت برباد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔ کہا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ ! امانت کی بربادی کیا ہے ؟ فرمایا جب کام اس کے نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو'' السیاستہ الشرعیہ)''

منصف کے لیے خالصتاً تقویٰ کی بنیاد پر فیصلے جاری کرنے کا حکم ہے ایسے فیصلے ریاست کے بہترین مفاد میں ہوں گے اور خود اسکا وقار بلند کریں گے ورنہ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جس دور میں عدلیہ نے اجتہادی غلطی کی یا دیدہ ونادیدہ عدلیہ کا وقار ملحوظ نہ رکھا اسی دور میں اسلامی ریاست کونقصان پہنچا۔

عقل وفہم کا مالک:۔

قاضی یا جج کے لیے لازم ہے کہ بہترین عقل وفہم کا مالک ہو اور مشکل سے مشکل معاملات پر غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ آقائے دوجہاں ﷺ کا ارشاد ہے۔

''کوئی حاکم جب انصاف اس طرح کرتا ہے کہ غور وفکر کے بعد درستی پالیتا ہے تو اسے دوگنا اجر ملتا ہے اور جب فیصلے میں اس سے غلطی ہوجاتی ہے تو وہ صرف ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔'' مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء)

عہدہ کی طلب نہ ہو:۔

جس شخص کو منصب قضا پر فائز کیا جائے وہ ذاتی طور پر اس عہدے کی طلب نہ رکھتا ہو۔ جو شخص عہدہ قضا کا طالب نہیں ہوتا اس کی طرف فرشتہ اتارا جاتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔

خود نبی کریم ﷺ نے عہدہ کے خواہشمند کو عہدہ سپرد کرنے سے اجتناب فرمایا۔

''خدا کی قسم ! میں کسی ایسے شخص کو کام کا ذمہ دار نہیں بناؤں گا جو مجھ سے اس کا سوال کرے گا یا جو اس کا حریص ہوگا۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)''

تندخو اور بدمزاج نہ ہو:۔

اسلام نے تو ایک عام آدمی کو بھی رفق وملاطفت اور حسن خلق کی تعلیم دی ہے چہ جائیکہ ایک جج یا قاضی ہی اس سے محروم ہو۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

''اللہ نرم خو ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور جو کچھ نرمی پر عطا کرتا ہے وہ سختی پر نہیں دیتا (مشکوٰۃ باب الرفق والحیاء)

اس لیے کہ سخت گیری ظلم کی دلیل ہے۔ جج قانون کے مطابق صحیح صحیح فیصلہ کرے اور خواہ مخواہ اپنی طبیعت کو سختی پر مائل نہ کرے جس سے ناانصافی ہو۔

ناجائز تحفے تحائف:۔

امام الماوردی نے ایک روایت اس ضمن میں اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' میں یوں نقل کی ہے۔

Marfat.com

''نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ حکام کے تحفے ان کی گردن میں بمنزلہ طوق ہوں گے اور اگر قبول کرنے کے فوراً بعد اس کی مکافات کردیں تو مالک ہوجائیں گے۔ اگر فوراً مکافات نہ کریں اور دینے والے کو واپس دینا بھی دشوار ہوجائے تو بیت المال میں داخل کردیئے جائیں۔ کیونکہ قاضی کے مقابلے میں بیت المال ان تحائف کا زیادہ مستحق ہے۔

شخصی آزادی کا حق:-

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی کو بغیر کسی قانونی جواز کے نہ ہی گرفتار کیا جائے گا اور نہ اس کی شخصی آزادی پر کوئی قدغن لگائی جائے گی۔ پابندی صرف صاف اور شفاف عدالتی اور قانونی کاروائی کے بعد لگائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اسلام شخصی آزادی کو ایک نعمت شمار کرتا ہے۔ ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ سے سوال کرنے لگا یارسول اللہ ﷺ! میرے ہمسائے کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس شخص نے دوبارہ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب اس نے تیسری بار سوال کیا تو حضور ﷺ نے اس شخص کے ہمسائے کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ سوال کرنے والے کے سوال پر آپ ﷺ کی خاموشی دراصل مسجد میں موجود حکومتی اہلکار کو اپنی قانونی پوزیشن واضح کرنے کا موقع فراہم کرنا تھی۔ مگر جب وہ سرکاری اہلکار کچھ بھی نہ بولا تو حضور اکرم ﷺ نے بلا جواز گرفتاری کے خاتمے کا حکم دے دیا۔ ("بحوالہ اسلام میں انسانی حقوق" مصنف ڈاکٹر طاہر القادری)

صفائی پیش کرنے کا حق:-

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنا موقف بیان کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ آپ ﷺ نے یہ بنیادی حق عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "جب تیرے پاس دو فریق فیصلہ کروانے کے لئے آئیں تو اس وقت تک (فیصلے کے بارے میں) کلام نہ کرو جب تک دوسرے فریق کو بھی اسی طرح نہ سُن لو جس طرح پہلے فریق سے سُنا تھا۔" (بیہقی، السنن، الکبریٰ)

مندرجہ بالا تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام میں عدل اجتماعی کا نظام اپنی نمایاں اور امتیازی خصوصیات کی بناء پر اپنی جگہ یقیناً بے مثال اور باکمال ہے اور بھلائیوں کے باوصف ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر دُنیا والے صحیح معنوں میں یہ اصول اپنالیں تو اس سے مستفیض ہوکر دونوں جہاں کی فلاح اور مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں اور اسلامی نظامِ عدل کی برکات سے بہرہ یاب ہوسکتے ہیں۔

آقائے دوجہاں ﷺ کے پیش کردہ اسی عدل اجتماعی کی بدولت اسلامی معاشرہ ایک مثالی اور ممتاز معاشرہ بن کر اُبھرا۔ جب تک عدل و انصاف کا خورشید جلوہ گر رہا۔ حاکم و محکوم بندہ و آقا اور محتاج و غنی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے رہے۔ معاشرے میں ہر طرح کا امن وسکون بڑھتا چلا گیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف نے نمایاں اثر دکھایا اور عرب کے ریگزار کے اُمی بدو آقا ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اس کے فیض سے یوں مہذب و متمدن بن گئے کہ تاریخ میں آج بھی ان کے نام ستاروں کی طرح روشن ہیں۔

آپ ﷺ کو اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ سے جو محبت تھی اس سے ہم سبھی واقف ہیں۔ غور فرمایئے چکی پیستے پیستے

Marfat.com

ہتھیلیاں گھس جاتی ہیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ مبارک پر نیل پڑ جاتے ہیں۔تو ایک دن آپ ﷺ کی لختِ جگر آقا ﷺ سے ایک خادمہ کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں تو جواب ملتا ہے۔ "اے فاطمہؓ! ابھی تک صُفّہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے تو تمہاری درخواست کیسے قبول کرلوں؟ یہ آقا ﷺ کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ آپ ﷺ نے دوسروں کو جو کہا اس پر ہو بہو عملاً بطور نمونہ عمل کر کے بھی دکھایا۔

آج بھی اگر مسلمان کہلوانے والے اپنے کردار و عمل سے عدل و مساوات کا درس دے کر اپنے فیضِ تربیت کو عام کریں تو ایک عالم کو راحت وچین ابدی نصیب ہوسکتا ہے۔نظام عدل کا قیام اگر پورے پورے تقویٰ سے ہو تو انسانی معاشرے میں غیر معمولی انقلاب رونما ہوسکتا ہے۔عدل و انصاف کی عدم موجودگی انتہاپسندانہ سوچ کو جنم دیتی ہے۔اذہان منفی طور پر سوچنے لگتے ہیں تو نتیجہ تباہی و بربادی ہوتا ہے۔

عدل سے محروم معاشروں میں نیکی اور برائی کا تصور مٹ جاتا ہے اور جہاں نیکی و برائی کی تمیز نہ رہے وہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی حالت زار کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ایسے منفی عناصر معاشرے کی زیادتیوں کا انتقام پوری قوم سے لینے کے لئے غداری اور تخریب کاری کی صورت میں میدان میں اُترتے ہیں۔بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ: " کفر پر قائم معاشرہ باقی رہ سکتا ہے لیکن جس معاشرے میں ظلم ہو وہ باقی نہیں رہ سکتا"۔

دوسرے لفظوں میں عدل و انصاف کا نہ ہونا ہی ظلم ہے۔

انسانی معاشرہ عدل کے بغیر نہیں چل سکتا۔اس لئے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جب اس پر ناروا پابندیاں عائد کی جائیں یا اس کے حقوق کو ناجائز طور پر دبایا جائے تو وہ اس کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔اور ہر اس دروازے پر دستک دیتا ہے جہاں سے اسے عدل و انصاف کی توقع ہوتی ہے۔

اگر آج بھی ہم تعلیماتِ نبوی ﷺ کے مطابق عدل و انصاف کا دامن تھام لیں تو معاشرے میں اجتماعی مثبت سوچ کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ایسا معاشرہ جہاں لوگ مثبت انداز سے سوچیں گے وہ جلد اقوام عالم میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لے گا۔ورنہ منفی سوچ انتہا پسندانہ اور تشدد پسندانہ نظریات کو جنم دیتی ہے۔جو معاشرے کے لئے زہر قاتل ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں عدل اجتماعی کا مختصر جائزہ لینے کے بعد یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ عالم اسلام اور پاکستانی معاشرے میں عدل اجتماعی کی اصل صورتحال کیا ہے؟ کیا اُمت مسلمہ کے کمزور طبقات کی انصاف تک رسائی ہے؟ کیا ہم پھر تو دورِ جہالت کی طرف نہیں لوٹ رہے؟ کیا ہم احترام آدمیت، باہمی احساس، رواداری اور خیر خواہی کے جذبوں کی آبیاری کر رہے ہیں؟ کیا ہم انصاف کی پامالی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

اس کے لئے ہم عالم اسلام اور پاکستانی معاشرے میں عدل اجتماعی کی صورتحال کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس ابتر صورتحال کی اصلاح کیسے ممکن ہے۔

عدل اجتماعی اور عالم اسلام :-

اگر ہم مسلمانوں کے ماضی کا مطالعہ کریں تو ایک سنہرا دور نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے جہاں خلیفہ وقت بھی مدعی

Marfat.com

بے شانہ بشانہ قاضی کی عدالت میں ایک عام شہری کی حیثیت سے کھڑا ہوتا تھا۔مسلمانوں کے مثالی دور میں اللہ تعالٰی نے سب سے زیادہ عزت مسلمانوں کو عطا کر رکھی تھی۔مگر آج موجودہ اقوام میں سب سے کمزور حالت ایک اللہ کے ماننے والوں کی ہے۔آج کا مسلمان خوار و زبوں ہے۔کوئی درد دل رکھنے والا دانشور مسلمانوں کے اس مقدمے کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آج کا مسلمان بُری طرح انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔مسلمان کی سب سے بڑی خرابی جسے یہ اپنی خوبی تصور کرتا ہے وہ عدل و انصاف سے انحراف ہے۔اگر حاکم ہے تو رعایا کو اپنا زر خرید غلام سمجھتا ہے۔ہوس اقتدار اور ذمہ داری کے فقدان نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔آج دریائے نیل کے کنارے کتے کے بھوک سے مر جانے پر باز پرس کا احساس مر چکا ہے۔

آج مسلمانان عالم جسد واحد کی بجائے اکائی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ہماری اسی کمزوری کی بناء پر اغیار نے ہمارے محبوب ﷺ کی ذات اقدس پر حملے کئے۔گستاخانہ فلمیں بنائیں،قرآن کی توہین کی،ہماری بیٹیوں کو سر عام رسوا کیا۔آج وہ طاقت وقوت ہمیں حاصل کیوں نہیں جو ایک مسلمان کا خاصہ تھی۔اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم نے ایک اللہ،اس کی کتاب اور اس کے محبوب ﷺ کی اتباع کو ترک کر دیا۔غیر مسلموں نے غیر اللہ کے پجاری ہونے کے باوجود ہمارے قرآن اور عدل و انصاف کو مضبوطی سے تھام لیا ہے۔اسی لئے وہ قومیں مسلمانان عالم کو کچل رہی ہیں۔یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر عمل پیرا ہیں۔
"کہ اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو خدا کی قسم میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

مقام افسوس ہے کہ 95 فیصد اسلامی ممالک ایسے ہیں جہاں حکمرانوں کے لئے الگ قانون ہے جبکہ عام آدمی کے لئے دوسرا قانون ہے۔سعودی عرب میں اگر چہ وہ اسلام نافذ نہیں جو شارع اسلام محمد عربی ﷺ نے اپنی سُنت سے نافذ کیا تھا مگر پھر بھی جو کچھ ہے غنیمت ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس معاشرے میں بڑی بڑی برائیوں کا تناسب دوسرے اسلامی ممالک سے کم ہے۔مثلاً زنا کاری،چوری،شراب نوشی اور راہزنی کے واقعات کم سے کم ملتے ہیں اور کچھ حد تک عدل کی اصل روح بھی کارفرما ہے۔(بحوالہ "اسلامی ریاست کے خدوخال" مصنف فخر الدین صدیقی)

غیر مسلم اقوام عالم میں مسلمان،مقتدر مغربی طبقات،سرکاری اہلکار،جمہوری مجالس کے ارکان،منتخب ارکان ایوان،مجالس دانش،تھنک ٹینک،ذرائع ابلاغ اور سول سوسائٹی کے موثر حلقوں میں اسلام کی عدل پر مبنی حقیقی تعلیمات اور مثبت رویوں کو جدید انداز استدلال کے ذریعے اجاگر کرنے کی کوشش کریں تو بعید نہیں کہ ان کے لئے کسی حد تک خیر سگالی کے جذبات (گڈ ول) پنپ جائیں۔متوازن اور اعتدال پسندانہ سوچ کی بدولت اپنے لئے مخالفانہ ماحول میں نرمی اور ہمدردی کا گوشہ پیدا کر سکتے ہیں۔

کسی بھی اسلامی ریاست کی اساس اور بنیاد کو صرف نظام عدل کے ذریعے توانا،مضبوط،موثر اور مستحکم بنایا جا سکتا ہے۔جس کے لئے رہبر انسانیت ﷺ کی تابدار اور درخشندہ حیات طیبہ رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے۔اسی میں اسلامی انقلاب کی نوید مضمر ہے اور یہی ملت اسلامیہ کی بقاء کا راز ہے۔

عدل اجتماعی اور پاکستانی معاشرہ

اسلامی ممالک بلکہ پوری دُنیا میں پاکستان کو اہم مقام حاصل ہے۔یہ وطن ہمارے لئے عطیہ خداوندی ہے۔پاکستان

Marfat.com

آسمان کی رفعتوں کو چھوتے پہاڑوں، گل پوش وادیوں، خوش کن مرغزاروں اور چمکتے دمکتے سبزہ زاروں کی سرزمین ہے۔ حرارت پیدا کرنے والے صحرا اور عروس آزادی کی مانگ بھرنے کے لئے جری بہادروں کی افواج ہیں۔ پاکستانی قوم کی محنت، ذہانت، قابلیت اور بہادری کا پوری دُنیا اعتراف کرتی ہے۔ سائنس، طب، انجینئرنگ، زراعت، دفاع اور کھیل کون سا ایسا شعبہ ہے جہاں پاکستانیوں نے اپنی ذہانت اور قابلیت کا لوہا نہ منوایا؟ ایٹمی طاقت ہونے کے ناطے پاکستان اُمت مسلمہ کا علمبردار ہے۔ اہل اسلام کی امیدوں کا مرکز ہے۔ ٹیلنٹ اور قدرتی وسائل سے ہم مالا مال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اتنی عنائتوں اور نوازشوں کے باوجود ہم پوری دُنیا میں ابھی تک وہ اعلیٰ مقام حاصل نہیں کر پائے جو کہ ہم مسلمانوں کا خاصہ تھا۔ آج ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ نا انصافی، کرپشن، دہشت گردی اور بد امنی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ معاشرتی نا انصافیوں اور عدل و انصاف سے انحراف نے ہمیں ایسے معاشی، معاشرتی، سیاسی، اندرونی اور بیرونی مسائل میں اُلجھا دیا ہے کہ ہم ابھی تک ایک منظم اور ترقی یافتہ قوم کا روپ دھارنے میں ناکام ہیں۔

آج ہم نے نظام عدل کو فراموش کر دیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف افرا تفری اور بد امنی کی فضا ہے۔ جلسے جلوس، جلاؤ گھیراؤ، ہڑتال، احتجاج اور لانگ مارچ جیسے اوچھے ہتھکنڈے ذرائع کمیونیکیشن کا رُوپ دھار چکے ہیں حتیٰ کہ ملکی امن تک داؤ پر لگ چکا ہے یہ سب کیا ہے؟ یہ عدل سے انحراف کی سزا ہے۔

بدقسمتی سے ہم نے عدل کو صرف آج کے عدالتی نظام تک ہی محدود کیا ہوا ہے۔ یہ نظریہ ایک محدود سوچ پر مبنی ہے۔ ہمارا آفاقی مذہب اسلام دین فطرت ہے۔ وہ تو عدل کو زندگی کے ہر شعبے میں اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خدا وند کریم کا یہ ہم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے نظام حیات چلانے کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کو ہمارے درمیان مبعوث فرمایا۔ جن کی تعلیمات ہمارے لئے راہِ ہدایت اور ذریعہ نجات ہیں۔

عدل و انصاف کی عدم موجودگی نے ہمیں خودغرض بنا دیا ہے۔ باہمی احساس، احترامِ آدمیت، معاشرتی وقار اور باہمی خیر خواہی کے جذبے عنقا ہو چکے ہیں۔

اگر ہم نے ایک مثالی معاشرہ بنانا ہے تو اللہ اور رسول ﷺ کی سُنت پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف پر کاربند ہو جائیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انفرادی عدل ہی اجتماعی عدل کا پیش خیمہ ہے۔ ہر فرد، ادارے اور محکمے کا اپنے فرائض ذمہ داری اور دیانتداری سے سرانجام دینا عدل کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی سے انحراف اور جانبداری برتنا ناانصافی کی بدترین مثالیں ہیں۔ عدلیہ کے ساتھ ساتھ ایک عام آدمی سے لے کر اعلیٰ حکام تک ہر وقت، ہر جگہ اور ہر معاملے میں عدل اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اگر ہم آج بھی اپنے ملک اور معاشرے میں امن، اقوام عالم میں اعلیٰ مقام اور دُنیا و آخرت میں فلاح پانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ذاتی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی معاملات میں عدل کا ہی دامن تھامنا ہو گا اور خالقِ کائنات کے اس حکم پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔ "عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب ترین راہ ہے۔" (سورۃ المائدہ: 8)

انفرادی طور پر ہماری یہ ڈیوٹی ہے کہ ہمیں جو بھی منصب دیا جائے ہم اس سے انصاف کریں۔ ہم وہ فیصلہ کریں جو

Marfat.com

ہمارے مفادات سے تو ٹکرائے مگر کتاب اللہ سے نہ ٹکرائے کیونکہ اسی میں ہماری بقاء ہے۔

مگر ہم نے تو عادت سی بنا لی ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی جائیں امتیازی سلوک کے حق دار بن جائیں۔ ہماری زبان ہی قانون ہو۔ جہاں کہیں بھی رہیں سب چیزیں ہمارے دائرہ اختیار میں ہوں۔ جبکہ اس کے برعکس بحثیت مسلمان ہمارا قانون "Law of rule" نہیں بلکہ "Law of Justice" ہے۔ آج ہم نے اسلام کے سنہری اصولوں کو بھلا دیا ہے۔ جائز و ناجائز کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ ہمارے قول وفعل میں تضاد ہے۔ ہم نے دوہرے معیار اپنائے ہوئے ہیں۔ دوسروں کی معمولی کمزوریاں ہمیں دکھائی دیتی ہیں اور اپنے عیب ہمیں بالکل نظر نہیں آتے۔ اگر ہم معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں منافقت کو ترک کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے اصلاح کا عمل اپنی ذات سے شروع کرنا ہوگا۔ معاشرتی رویوں اور روزمرہ معمولات میں عادلانہ سوچ کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ وطن عزیز کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنانے کے لئے ہر سطح پر خالصتاً اسلام کے نظام عدل کو نافذ کیا جائے۔

اصلاح احوال کیونکر ممکن ہے؟

مفتیان دین اور جدید علوم پر حاوی وکلاء کا تقرر:

موجودہ دور میں عدل و انصاف کا قیام استحکام ریاست کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتا ہے۔ اس لئے کہ جدید تہذیب و تمدن نے جہاں علم کی روشنی میں اضافہ کیا ہے وہاں بدگمانی اور بے اطمینانی کو بھی بڑھا دیا ہے۔

ادھر شعبہ وکالت کا قانونی پیچیدگیاں دور کرنے کے لئے بال کی کھال اُتارنا اور بحثوں کو لمبا کر کے شکوک کے دروازے کھولنا اور جج کے لئے فیصلوں کو مشکل تر بنانا بھی فکر انگیز ہے۔ اس کام کے لئے حکومت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ سرکاری طور پر مفتیان دین اور جدید علوم پر حاوی وکلاء کا تقرر خود سے کریں تاکہ عوام الناس کے لئے سستے انصاف کا حصول آسان ہو جائے اور جج صاحبان کامل غیر جانبدار ہو کر کام کریں۔

پیچیدہ عدالتی نظام:-

ہمارا عدالتی نظام اس لئے پیچیدہ ہے کہ اسے ہم نے مشرق و مغرب کے قوانین کا ملغوبہ بنا دیا ہے۔ اگر ہم وطن عزیز کے خیر خواہ ہیں تو ہماری ناقص رائے میں ضروری ہے کہ نظام عدل کو اسلامی خطوط پر چلانے کے لئے بے داغ کردار کے مالک دانشوروں، علماء اور جج صاحبان پر مشتمل ایک کمیشن بنایا جائے۔ اسلامی نظام عدل کے اجراء سے نہ صرف فیصلے جلد از جلد ہوا کریں گے بلکہ بہت حد تک عوام الناس کو بھی مطمئن کیا جا سکے گا۔ امید ہے ہمارے اولوالامر ریاست کے استحکام کے لئے اس طرف خصوصی التفات کریں گے۔ اس لئے کہ ہمارا عدالتی نظام متعدد Stages رکھتا ہے۔ ان سے گزر کر جب ایک مدعی انتہا تک پہنچتا ہے تو اکثر اوقات وہ مطمئن ہونے کی بجائے بدگمان ہو جاتا ہے۔

بہترین اسلامی فکر کے حامل قوانین:-

پاکستان میں نفاذ شریعت آرڈیننس، قاضی عدالتوں کے قانون، قانون شہادت، دیت اور قصاص کے قوانین کی ترتیب

Marfat.com

وتجسیم، اسلامی نظریاتی کونسل، شریعت کورٹ اور دیگر متعلقہ اداروں کے ماہرین نے جس محنت و کاوش کے بعد ان قوانین کو مرتب کیا ہے وہ اپنی جگہ لائق تحسین ہے کیونکہ یہ قوانین نفاذ اسلام کے سلسلہ میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں جن سے عوام الناس کو عملی طور پر نفاذ اسلام کی برکات اور خوبیوں کا مشاہدہ کرنے کا موقع مل سکے گا۔اب تک جو شکوک و شبہات مخالفین اسلام پھیلاتے چلے آرہے ہیں۔بہت حد تک ان کے چھٹ جانے اور ختم ہوجانے کا قوی امکان ہے۔

اگر چہ ان قوانین کو وقت کے تقاضوں کے مطابق اور تجربے کے بعد مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے تاہم اپنی موجود شکل میں بھی یہ قوانین بہترین اسلامی فکر کے حامل ہیں۔اس لئے ارباب بست وکشاد کو چاہیے کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر انہیں پاکستان میں عملاً نافذ کر دیں تاکہ عوام الناس اسلامی نظام عدل کی حقیقی برکات سے بہرہ یاب ہوسکیں۔

یہ مقالہ اس خوفناک تضاد کو سامنے لانے میں معاون ثابت ہوگا جو ہمارے کردار اور آقائے نامدار ﷺ کی تعلیمات میں موجود ہے۔اس مقالے کا اصل پیغام یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا احیا کریں۔نظام عدل و رحمت کو ٹھیک اس عملی نقشے پر استوار کریں جو قرآن کے اصولوں کو سامنے رکھ کر قائد انسانیت ﷺ نے وضع فرمایا تھا۔

میں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوں کہ یہ ادنیٰ سی کاوش عدل سے باغی فرعونوں کے دلوں میں کوئی انقلاب تو نہیں لا سکے گی مگر انہیں اتنا سوچنے پر ضرور مجبور کر دے گی کہ ان کی غیر عادلانہ سوچ، اقرباء پروری، نظریہ ضرورت، احتجاج یا انتقام نے انصاف کا کس بے دردی سے خون کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ایک جگنو کے دمکنے سے تیرگی کی دبیز تہہ نہیں اُچٹ سکتی اور یہ بھی درست ہے کہ کشمیر، لبنان، عراق، افغانستان اور میانمار میں ایک بے آبرو ہوتی ہوئی مسلمان بیٹی کی سسکیوں کی آواز کی ہلکی سی گونج سے سب لوگ باخبر نہیں ہو سکتے۔رات کی تاریکی ایک دیئے کی لو سے نہیں چھٹ سکتی۔لیکن سیاہ شب کا غبار بن کر جینے، جھوٹ کو سچ کا آنچل اوڑھانے، تاریکی کو روز روشن سمجھنے اور ذاتی مفادات کی خاطر لوگوں کا حق دبانے سے زندگی کا مقصد حاصل نہیں ہوا کرتا بلکہ اس سے تو عاقبت خراب ہوا کرتی ہے۔جبکہ زندگی کا مقصد تو عدل و انصاف، روا داری اور مساوات کے سنہری اُصولوں پر عمل درآمد سے ہوتا ہے ورنہ:۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
ولے کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو کبھی معاف

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مس بشریٰ بتول-کوئٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، اللہ کی ذات پاک ہر غلطی و خطا سے مبراء۔ وہ ذاتِ پاک کریم، اور نگہبان کل جہاں، کُل عالم کا خالق و مالک، تمام اختیارِ کائنات رکھنے کے باوجود ہمیشہ اپنی رحمت کو اپنے غضب پر حاوی رکھتا ہے۔ جس کا اپنا نام "العدل" ہے وہ خود عدل کرتا ہے اور عدل کو پسند کرتا ہے۔ اور اُس ذاتِ پاک نے اپنے پیارے حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ صاحب تاج، شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ، صدر العلیٰ، نور الھدیٰ، کھفِ الوریٰ، مصباحِ الظلم، جمیل الشیم، شفیع الامم، صاحبِ الجود والکرم، سید المرسلین، خاتم النبین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، راحتہ العاشقین، مراد المشتاقین، شمس العارفین، سراج السالکین، مصباح المقربین، محب الفقراء والغرباء والمساکین، سید الثقلین، نبی الحرمین، امام القبلتین، وسیلۃ فی الدارین، صاحب قاب وقوسین، محبوب رب المشرقین والمغربین، جدالحسنِ والحسین، مولنا و مولیٰ ثقلین، ابی القاسم ابنِ عباللہ، نور من نوراللہ ہیں۔ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمۃ للعالمین بنایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراسر رحمت ہی رحمت ہیں۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾

اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو۔

پھر جب ایک ایسا شخص جو کہ اللہ پاک کا آخری نبی ہے۔ اور جس کے بارے میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

اور ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

وہ نبی جس کو رحمۃ للعالمین بھی کہا گیا اور ساتھ ہی ساتھ عدل کرنے کا بھی حکم دے دیا گیا تو پھر اُس نبی پاک ﷺ کی شخصیت کے بارے میں اللہ پاک قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورہ التوبہ.١٢٨)

تمہارے پاس ایک ایسا رسول ﷺ آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، تم پر جو تکلیف گزرتی ہے وہ اس پر بھی بھاری ہوتی ہے، اس کو تمہاری بھلائی کی حرص ہے، وہ مومنوں پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔

جس دین کے نبی کی یہ خصوصیت ہو کہ وہ لوگوں کا بھلا کرنے کے لئے حریص (بھلائی کرنے کا انھیں لالچ تھا) ہو۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پر بھروسا رکھنے والے، مستقل مزاج، عزمِ صمیم کے مالک، نرم خو،

Marfat.com

اصلاحِ حال کے سچے طالب، گم راہی سے خائف، رحمت کے خواہاں، بلکہ رحمۃ للعالمین، سچائی کے پرستار، عبادت گزار، مغفرت کے لئے دعا گو، سیدھی راہ کے داعی، عذاب الٰہی سے پناہ مانگنے والے اور تمام انسانوں کے لئے، تمام زمانوں کے لئے، تمام خطوں کے لئے نمونۂ کامل تھے۔ اور انہوں نے تا حیات حق و صداقت، عظمت و سرفرازی اور فلاح و سعادت کا راستہ دکھایا۔ یہ تمام کی تمام خوبیاں ظاہر کرتی ہیں ایک ایسے عظیم انسان کی خصوصیات کہ جس نے اپنی ساری حیاتِ پاک میں انسانیت کی فلاح کے لئے کام کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری حیاتِ پاک ہی عدل و انصاف پر مشتمل نظر آتی ہے۔ یعنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام حیاتِ پاک میں ہر موقع پر عدل ہی عدل نظر آتا ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک کی روشنی میں دیکھیں تو عدل کے یہ مفہوم سامنے آتے ہیں کہ:

عدل کے لغوی معنی ہیں کہ: برابر اور سیدھا کرنا، توازن اور تناسب قائم رکھنا، افراط و تفریط سے بچنا، کسی چیز یا بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دینا ہے کہ ذرا سی بھی کمی یا بیشی نہ ہو۔ اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔ اس طرح عدل کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام ہم کریں وہ حق اور سچائی کی میزان پر پورا اُترتا ہو۔ غرض اقوال ہوں یا اعمال، وہ بہر حال اور بہر طور میزانِ عدل پر پورے اُتریں۔ نیز انصاف اور قسط کا لفظ بھی عدل ہی کے ہم معنی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ عدل کی تعریف میں لکھتے ہیں: وضع الشیء فی محلہ۔ یعنی کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا عدل ہے اور اس کی ضد ظلم ہے۔ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔ (کشف المحجوب)

اس تعریف کی رو سے نیکی یا برائی دونوں کا یکساں بدلہ عدل کہلائے گا۔ لیکن نیکی کا زیادہ بدلہ احسان اور برائی کا زیادہ بدلہ ظلم ہوگا۔

عدل سے مراد محض انصاف اور مساوات نہیں۔ بلکہ بہت دفعہ تو عدل قائم کئے جانے کا ثبوت ہی مساوات کے ہونے سے ہوتا ہے مثلاً شہری اور معاشرتی حقوق وغیرہ مجموعی طور پر عدل سے مراد زندگی کے تمام شعبوں معاشرتی، معاشی، عدالتی، سیاسی، انفرادی اور اجتماعی ہر طرح سے حقوق کی مناسب تقسیم ہے۔ اور عدل اگر انفرادی حیثیت میں کیا جائے تو فرد کی بہتری کے لئے کام کرتا ہے اور اگر اجتماعی طور پر کیا جائے تو اقوام کی بہتری و ترقی کے لئے کارگر ثابت ہوتا ہے۔

عدلِ انفرادی اور عدلِ اجتماعی:

ایسا عدل جس سے فردِ واحد کو فائدہ پہنچے وہ انفرادی اور جس عدل سے افراد یا اقوام کو فائدہ پہنچے عدلِ اجتماعی کہلاتا ہے۔ ویسے مجموعی طور پر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ عدل انفرادی بھی اثر دکھانے میں اجتماعی اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی کہ اگر فرد کے معاملے میں عدل ہو تو افراد، قبائل یا اقوام کو بھی فائدہ ہوتا ہے فرق بس یہ ہے کہ بعض دفعہ فائدہ براہِ راست اور بعض دفعہ Indirect ہوتا ہے۔ براہِ راست فائدے میں اقوام کو فائدہ ہوتا ہے اور Indirect فائدے میں کسی کے لئے کئے گئے عدل کے فیصلے کے مثبت اثرات اُن اقوام کو ہوتے ہیں۔

عدل اجتماعی کی اہمیت:

اسلام دینِ عدل ہے۔ افراط و تفریط کے درمیان یہ عدل کی راہ دکھاتا ہے۔ اور اگر یہی عدل پوری قوم و ملت کے

Marfat.com

لئے کیا گیا تو اُس کے اثرات پوری قوم کے لئے مثبت ثابت ہوتے ہیں۔

۱) عدل تقاضائے فطرت: اسلام دینِ فطرت اور عدل تقاضائے فطرت ہے۔کائنات کا پورا نظام عدل اور توازن پر ہی قائم ہے۔ اگر ان میں عدم توازن کی کیفیت پیدا ہوجائے تو پورا کائنات کا نظام درہم برہم ہوجائے۔مثال کے طور پر نظامِ شمسی عدل کے قاعدہ پر قائم ہے۔اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار میں مخصوص رفتار سے گردش کررہے ہیں۔اگر ایک سیارہ دوسرے کے دائرہ گردش میں داخل ہونے کی سعی کرے تو سارا نظام منتشر ہوجائے اسی طرح جسمِ انسانی اور معاشرۂ انسانی بھی عدل کا متقاضی ہے۔ اس لئے کہ اگر انسانی اعضاء کی بناوٹ میں یا اُن کی کارکردگی میں توازن نہ رہے تو صحت عدم توازن کا شکار ہوجائے گی اور یہی صورتِ حال معاشرے کے معاملہ میں پیش آئے یعنی معاشرہ عدم عدل کا شکار ہوجائے تو اُس میں رہنے والا محض کوئی ایک شخص نہیں بلکہ پورا کا پورا معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہوکر ٹوٹ پھوٹ کی نذر ہوجائے گا۔

۲) قرآنِ پاک میں عدل کے احکامات: عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے اسماء الحسنٰی میں ایک نام عادل بھی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی عدل و انصاف اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔جیسا کہ سورہ النحل کی آیت نمبر ۹۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔

اس آیت کے اس مختصر حصے میں اللہ پاک تین ایسی چیزوں کا حکم دیتا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔

پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افادِ معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔مثلاً حقوقِ شہریت میں۔مگر بعض دوسری حیثیتوں میں مساوات بالکل خلافِ عدل ہے۔مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کئے جائیں۔

دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس ولحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہوجانا۔ یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا ہے کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کرکے دیکھتا رہے کہ اسکا کیا حق ہے اور اسے وصول کرکے چھوڑے، اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دیدے۔ایسے ایک

Marfat.com

ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اجتماعی محاسن کو نشو و نما دینے والی قدریں ہیں۔

تیسری چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے وہ صلۂ رحمی ہے جو کہ احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔اور اس صورت میں اسلام معاشرے کے خوشحال افراد پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے سے کم معاشی حالات رکھنے والے افراد کا خیال رکھے اور اُن کی تمام جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے امداد کرے۔

یہ تینوں چیزیں مل کر ہی عدل کی بنیاد کو مضبوط بناتی ہیں اور پھر یہ عدل ذاتی سے نکل کر اجتماعی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔اور نا صرف افراد کی بلکہ اقوام کے استحکام کا باعث بنتا ہے۔

عدل کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ پاک کی سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۳۵ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لئے گواہی دو، اگرچہ اپنی ذات کے خلاف ہو۔یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف، اگر کوئی مالدار ہے یا فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم دبی آواز میں گواہی دو گے یا منہ موڑو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انصاف کی روش پر چلنے والے بن جاؤ۔یعنی کہ ظلم کو مٹایا جائے اور اس کی جگہ عدل و راستی قائم ہو۔ اور اس سلسلے میں اگر تمہیں کہیں گواہ بننا پڑے تو وہ بھی محض اللہ پاک کی رضا کے لئے ہو نہ کہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے۔اوراس سلسلے میں اپنی ذات کے خلاف بھی حق بات کو مت چھپاؤ۔اور نہ ہی کسی کی امارت کی وجہ سے حق بات سے ہٹنا چاہیئے۔ اور نہ ہی کسی غریب پر ترس کھا کر حق کو نہ چھوڑنا اس کے ساتھ ساتھ اس آیتِ مبارکہ میں غیر مسلموں اور دشمنوں سے بھی عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳) عدل کے قیام کے لئے اللہ پاک کا رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کو حکم: ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک پوری اُمتِ محمدیہ ﷺ کے لئے تا قیامت قابلِ تقلید نمونہ ہے۔اس لئے اللہ پاک کی ذاتِ عظیم نے آپ ﷺ کو عدل اپنانے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی متبرک کتاب قرآنِ پاک میں سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ (اے نبی ﷺ کہہ دیجئے) کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔

۴) عدلِ کے قیام کے لئے رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ:

ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کے ساتھ ساتھ اپنے ارشادات میں قیام عدل پر بہت زور دیا ہے۔آپ ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ ہیں کہ:

۱) ظالم حکمران کے سامنے حق و عدل کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے

۲) قیامت کے روز جب خدائے بزرگ و برتر کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔اس روز سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ اپنے

Marfat.com

سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ان میں سے ایک عادل حکمران بھی ہوگا۔
ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ:
۳) مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ رضا اور ناراضگی دونوں حالتوں میں کلمہ عدل کہوں
ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور روایت ہے کہ:
۴) آنحضور ﷺ بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ۔ اے اللہ! مجھے فقر وغنا دونوں حالتوں میں اعتدال عطا فرما۔
ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ:
۵) جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنا، اس نے ان کے ساتھ خیانت کی۔یعنی عدل و انصاف سے کام نہ لیا۔اور اس حال میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا اور عادل بادشاہ کے لئے یہ مژدہ ہے کہ وہ جنتی ہے۔اور روزِ قیامت میں (اللہ تعالیٰ) اس کو اپنے سائے میں جگہ دے گا۔
ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدالتی فیصلے کے معاملہ میں سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:
۶) بعض لوگ میرے پاس آکر اپنے آپ کو چرب زبانی سے سچا ثابت کر کے حق مین فیصلہ صادر کرالیتے ہیں مگر اس طرح وہ جہنم کی آگ پھانکتے ہیں۔
مسلمانوں کے امیر کے بارے میں حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:
۷) اگر کوئی آدمی دس آدمیوں کا بھی امیر بنایا جائے تو قیامت کے دن اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے پھر یا تو اس کا انصاف اس کو کھول دے گا یا اس کا ظلم اس کو تباہ کردے گا۔
مسلمانوں کے حکمران کے بارے میں حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ
۸) قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے قریب منصف اور حاکم ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض مستحق نفرت اور سخت عذاب کا مستحق یا سب سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔
مسلمانوں کے سربراہ مملکت کے بارے میں حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ
۹) سربراہ وحکمران زمین میں اللہ کا سایہ ہوتا ہے، اس کے مظلوم بندے اس سایہ کی پناہ لیا کرتے ہیں، جب وہ انصاف کرے تو اس کے لئے اجر ہوگا اور رعایا پر اس کی شکر گزاری لازم ہے اور اگر ظلم کرے تو اس پر گناہ ہوگا اور رعایا پر صبر لازم ہے۔
حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں عدل اجتماعی کے لئے کام کرنا آسان بھی ہوجاتا ہے اور معاشرے کے لئے فائدہ مند بھی ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ پاک میں عدلِ اجتماعی کیلئے کیئے گئے اہم اقدامات:

۱): نبوت سے قبل کا اھم کام: (مسئلہ تنصیبِ حجرِ اسود کاحل): ہمارے پیارے حضور نبی پاک

Marfat.com

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک قبل از نبوت بھی امن کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ اور پُر امن اور عدلانہ طریقے سے ایسے تاریخی فیصلے کئے کہ رہتی دُنیا تک اُن فیصلوں کی پُرامن حیثیت یاد رکھی جائے گی۔ مثلاً۔ نبوت رسولِ پاک ﷺ سے قبل جب خانہ کعبہ میں حجرِ اسود کی تنصیب کا معاملہ سامنے آیا تو ہر قبیلہ دست و گریباں ہونے کو تیا رتھا کہ اس معاملے کو رسولِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی پُرامن اور مدبرانہ طریقے سے حل فرمایا کہ اہلِ عرب مدتوں پر محیط خون ریز لڑائیوں سے بآسانی بچ گئے۔ اسلام پر طنز کرنے والے اور ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک کو تنقید کا نشانہ بنانے والے یہ نہیں سوچتے کہ اگر اُس وقت نبوت سے قبل ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حجرِ اسود کی تنصیب والے معاملے کو پُرامن حل نہ بھی کرواتے تو ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا بگڑنا تھا۔ معاملہ تو سرداروں کا تھا کونسا یہ ذاتی نوعیت کا معاملہ تھا کہ ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاندانی طور پر کوئی فائدہ مطلوب تھا۔ تو یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے پیارے حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نبوت سے قبل بغیر کسی ذاتی فائدے کے مسائل پُرامن حل کراتے ہیں تو بعد از بعثت یہ کیونکر ہوگا کہ وہی شخص امن کے خلاف کام کرے گا یا ایسا کرنے کی اپنے پیروکاروں کو تعلیم دے گا۔ غرضیکہ اسلام لفظ ہی سلامتی سے نکلا ہے تو یہ تا قیامت امن کا پیغام ہی دیتا رہے گا۔ اور امن کی خواہش اور امن کے لئے کوشش دونوں ہی ہمیشہ سے اسلام کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ اور آج بھی دنیا میں جن معاشروں نے امن کے قیام کو اہمیت دی ہے وہی کامیاب و کامران ہیں۔

۲) میثاقِ مدینہ: ہجرت مدینہ (۱ ہجری) کے بعد رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودِ مدینہ کے ساتھ تاریخ ساز معاہدہ ''میثاقِ مدینہ'' کیا۔ جو غیر مسلم رعایا کے ساتھ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا پہلا معاہدہ ہے۔ معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی منفرد کتاب ''THE FIRST WRITTEN CONSTITUTION'' میں تحقیق اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ''میثاقِ مدینہ'' دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ یہ معاہدہ مذہبی رواداری اور فراخ دلی کی ایک مثال ہے۔ جس پر دنیا فخر کرسکتی ہے۔ موجودہ دور کی اقوامِ متحدہ بھی فریقین میں اس سے بہتر اور رواداری پر مبنی معاہدہ نہیں کراسکتی۔ جس کے مقاصد، پُر امن بقائے باہمی، مثالی مذہبی رواداری، قیامِ امن تھے، اورانسانی اقدار کے تحفظ کے لئے ایک عدلانہ نظام کی بنیاد رکھنے میں بھر پور مدد ملی۔ ایک عظیم الشان ریاست کی تاسیس اور تنظیم و تدبر سرکارِ دو عالم کا وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر تاریخِ عالم نہ تو اب تک پیش کرسکی ہے اور نہ ہی کر سکے گی۔ اس تاریخی معاہدہ کی بدولت غیر مسلموں اور مختلف المذاہب افراد و اقوام کے حقوق و فرائض، مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا۔ چنانچہ یہودِ مدینہ اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری پر مبنی اس تاریخی صحیفہ کی بدولت مندرجہ ذیل حقوق و مراعات حاصل ہوئیں۔

۱: اللہ کی حفاظت اور ضمانت ہر فریق کو حاصل ہے۔

۲: شرکاء معاہدہ کے غیر مسلم ممبروں کو بھی مسلمانوں کی طرح سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ اور ہر گروہ کو مکمل مذہبی آزادی اور اندرونی خودمختاری حاصل ہے۔

Marfat.com

۳: شرکاء معاہدہ کے دشمنوں سے مسلم اور غیر دونوں مل کر جنگ کریں گے اور مشترکہ طور پر اخراجات جنگ برداشت کریں گے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں ایک دوسرے کے بھی خواہ ہیں۔

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: ''یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔

یہودیوں کے ساتھ مذہبی رواداری، آزادی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی یہ تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں۔ مذہبی رواداری، امن و سلامتی، آزادی اور انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

۳) : غزوہ بدر میں فتح کے بعد مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کرنے اور قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم: غزوۂ بدر ۲ ھجری میں لڑی گئی۔ اس میں ۳۱۳ مسلمانوں نے شرکت کی۔ اور اس غزوہ میں اللہ پاک کی مدد سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جہاں مسلمانوں نے مکہ میں بہت تکالیف برداشت کیں تھیں۔ یہ فتح اُن کی ایمانی طاقت اور حوصلہ بڑھانے کے لئے ایک سنگِ میل ثابت ہوئی۔ مگر یہ دیکھیں کہ مسلمانوں نے اپنے پیارے نبی کے احکامات کی کیسے تعمیل فرمائی کہ جنگ جیتنے کے بعد بھی مفتوح قوم کے افراد میں سے کسی کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کیا۔ بلکہ جنگ کے بعد مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی کرنے کی بُری روایت کو بھی ختم کیا اور قید ہو جانے والوں کے ساتھ وہ بہترین مثالی سلوک کیا گیا کہ رہتی دنیا تک اُس کی مثال قائم رہے گی۔ اسیرانِ جنگ دو، دو چار چار صحابہؓ کو تقسیم کردیئے گئے۔ اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہؓ نے اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ اُن کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں کی ہر ضرورت کا اپنے سے بڑھ کر خیال رکھتے۔ عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آکر صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مشورہ دیا کہ سب دشمن ہیں سب کو قتل کردیا جائے۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ یقیناً ایک بہترین معاشرہ تشکیل دینے کی کوششوں کا حصہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے امن پسند ارادوں سے بھی آگاہی دلاتا ہے کہ اسلام میں ہمیشہ ہی اپنے دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی روایت قائم کی ہے۔

۴) : معاہدے : حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری حیاتِ پاک میں جس قدر بھی معاہدے دوسری دشمن اقوام کے ساتھ کئے اُن تمام کے تمام میں یہ کیا گیا کہ اپنے حریف کو بھی عزت دی گئی۔ اور معاہدے کے بعد اُسی اپنی حلیف قوم کے ساتھ اپنی پوری کوشش میں معاہدے کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اور ان تمام کوششوں کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان سکون امن اور سلامتی کے ساتھ رہ سکیں اور اپنے زیادہ تر وسائل لڑائیوں اور جنگوں میں صرف کرنے کی بجائے دین کو پھیلانے کے کام میں لگائیں۔ اور ان معاہدوں کو کرتے وقت بھی اپنی ساتھی دوسری قوم کے مفادات کو

Marfat.com

نظر انداز نہیں کیا گیا تا کہ اسلام میں مستقبل میں بھی کوئی ایسی روایت کی پیروی نہ کرے کہ صرف اپنے مفادات کو پیشِ نظر رکھے اور دوسروں کو نظر انداز کرنے یا نیچا دکھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے انسان کی فطرت کے مخالف کام کی ترغیب نہیں دیتا اسی لئے اس معاملے میں بھی انسانوں کو عزت دے کر اُن سے مثبت کام کروانے کا کام لیا گیا تا کہ معاشرے میں ایک عدل بھری فضا قائم ہو سکے۔

اللہ پاک نے معاہدے کی پابندی کے بارے میں بھی بہت تاکید فرمائی ہے اس سلسلے میں قرآنِ پاک کی سورہ التوبہ آیت نمبر۔۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْــٴًـا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾

ترجمہ: مگر جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے اور انہوں نے تمہارا کسی طرح کا قصور بھی نہیں کیا۔ نہ ہی تمہارے مقابلے میں دوسرے کی مدد کی تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہو، اسے پورا کرو۔

اللہ پاک نے جہاں اس بات کو بہت واضح طور پر بتا دیا کہ ہمیں آپس میں دوسرے مظلوم مسلمانوں کی ضرور مدد کرنی چاہیے مگر وہیں پر صلح کے معاہدے کی پاسداری کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے بارے میں واضح احکام دے کر بہت زیادہ تاکید بھی فرمائی ہے اس سلسلے میں قرآنِ پاک کی سورہ الانفال آیت نمبر۔۷۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ م بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾

ترجمہ: اگر (مظلوم مسلمان) دین کے معاملہ میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔ اِلّا یہ کہ تمہارے اور اُن کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہو۔ اور خدا تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

۵): صلح حدیبیہ: صلح حدیبیہ وہ زندہ مثال ہے کہ رہتی دنیا تک ایسی مثال ملنا ناممکن ہے۔ صلحِ حدیبیہ کا معاہدہ ۶ ہجری میں ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جانثار ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے مکہ کا سفر اختیار کیا۔ مگر مکہ کے لوگوں نے اسے مسلمانوں کی چال سمجھا اور ہر اطراف سے راستہ روکا۔ آخر کار یہ شرائطِ صلح طے پائے:

- ☆ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
- ☆ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔
- ☆ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) میں۔
- ☆ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
- ☆ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکّہ میں جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

☆ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

ابھی معاہدہ کی شرائط طے پائی ہی تھیں۔معاہدہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ حضرت ابوجندلؓ جو کہ اسلام لا چکے تھے۔اور مکہ والوں نے انھیں قید کر رکھا تھا اور بیڑیوں کے ساتھ زخم زخم جسم کے ساتھ آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔معاہدہ طے کرنے والا شخص جو کہ سہیل تھا کہنے لگا کہ ''محمد ﷺ صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔اسے واپس کر دیں'' آنحضرت ﷺ سے بھی ابوجندلؓ کی حالت دیکھی نہ گئی اور فرمایا کہ ابھی معاہدہ قلمبند نہیں ہوا ہے مگر وہ شخص نہ مانا اور ابو جندلؓ کو واپس کر دیا گیا۔

صلح کی ایسی شرائط جو مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف نظر آتی تھیں،اور ابو جندلؓ کی واپسی پر مسلمان بہت پریشان اور اُداس ہوئے۔آخر نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کی اللہ پاک کا یہی حکم ہے۔اور پھر صلح کے تین دن بعد آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راستے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔سورہ الفتح کی یہ پہلی آیت جس میں اس صلح کو فتح قرار دیا گیا۔اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ ترجمہ:''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی''۔

صلح حدیبیہ بظاہر ناپسندیدہ شرائط تھیں مگر سب سے پہلے یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسلمان ہمیشہ امن پسند ارادے رکھتا ہے اور اس معاہدے نے اسلام کے پُر امن ارادوں کو ثابت بھی کیا۔مگر صلح حدیبیہ وہ معاہدہ ہے کہ جس سے اسلام اور مسلمانوں کو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

☆ قریش کا اسلام کو دولتِ نوزائیدہ اور مذہب کی حیثیت سے تسلیم کرنا: صلح حدیبیہ بلا شبہ فتح مبین ہی تھی۔وقت نے ثابت کر دیا کہ اس صلح میں سیاسی حکمت اور دور اندیشی دونوں اسلام اور عرب کے مستقبل میں اثر انداز ہو کر رہیں۔اس سے پہلے قریش رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرکش یا باغی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔لیکن حدیبیہ میں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حریف و مقابل تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ تھا۔گویا حدیبیہ میں اہلِ مکہ نے اسلام کو دولتِ نوزائیدہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔پھر اس صلح نامہ کی رو سے مسلمانوں کا حق زیارت وطواف تسلیم کرنے کے یہ معنی تھے کہ اہلِ مکہ کے نزدیک اسلام کو بھی عرب کے دوسرے مذاہب کا مقام حاصل ہے۔

☆ خاندانی تعلقات کی بحالی: مسلمانوں کے خاندان مکہ میں رہ گئے ہوئے تھے اس صلح کے باعث اُن خاندانی تعلقات کی بحالی ہونے سے مسلمانِ مدینہ سے مکہ آ جا سکتے تھے۔اس کے باعث مسلمانوں کا کردار بلاشبہ ایک مثالی حیثیت رکھتا تھا اس لئے اُن کے عزیز و اقارب اور بہت سارے قریبی ساتھی متاثر ہوئے بناء نہ رہ سکے اور بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

☆ تجارتی تعلقات کی ترویج: مکہ اور مدینہ کے درمیان تجارتی تعلقات بھی بحال ہوئے اس سے مسلمانوں کی معاشی حالت میں بہتری آنے لگی۔اور مسلمان معاشی طور پر استحکام کی طرف راغب ہوئے۔

☆ اشاعتِ اسلام کے وسیع مواقع (سلاطین کو اسلام کی دعوت): صلح حدیبیہ کے بعد جنگ سے امان ہو جانے کے بعد اشاعتِ اسلام کے وسیع تر مواقع میسر آئے۔اور یہی وہ دور تھا کہ جب حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف سلاطین کو اسلام کی دعوت دی۔ان سے فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کو بہت آسانی سے دور دراز کے علاقوں تک پھیلنے کے

Marfat.com

مواقع میسر آئے۔

☆ مختلف قبائل کے ساتھ مصالحت: معاہدۂ حدیبیہ ہو جانے کے بعد ایسے مختلف قبائل کے ساتھ معاہدے ہوئے جو کہ عربوں کے حلیف قبائل تھے اُن کے ساتھ مسلمانوں نے بھی معاہدہ کیا تاکہ اس صلح کو اچھے اور صحیح پُرامن طریقے سے کام میں لایا جاسکے۔صلح حدیبیہ کی بناء پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت ﷺ کے حلیف ہوگئے اور ان کے حریف بنوبکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کرلیا تھا۔ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں رُک گئیں۔

☆ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص کا قبول اسلام: حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص نے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں اشخاص اسلام کے لئے بہت مضبوط شخصیت ثابت ہوئے۔اور بعد میں ان دونوں کی اصحاب کی اسلام کے لئے خدمات بے شمار ہیں۔

☆ یہ صلح حدیبیہ ہی تھی جو کہ فتح مکہ کا باعث بنی

۶): فتح مکہ: صلح حدیبیہ کی بناء پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت ﷺ کے حلیف ہوگئے اور ان کے حریف بنوبکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کرلیا تھا۔ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں رُک گئیں۔مگر بہت عرصہ تک رُکی رہیں کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہورہا تھا۔صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا تو بنوبکر نے انتقام کے لئے بنوخزاعہ پر حملہ کردیا۔انہوں نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔مگر اُن کا وہاں پر قتلِ عام کیا گیا۔جب نبی پاک ﷺ کو یہ خبر ملی تو رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا۔آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

☆ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے

☆ قریش بنوبکر کی حمایت سے الگ ہوجائیں

☆اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے تیسری شرط منظور کی۔اس کے بعد مکہ کی طرف فوج کشی کی گئی۔مکہ پہنچ کر آپ ﷺ نے اعلان کردیا کہ جوشخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے۔اس کے بعد تمام دشمنانِ دین کے لئے عام معافی کا اعلان فرمادیا۔اس زمین پر تاریخ اس سے قبل کسی اتنی پُرامن فتح کی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی۔اور عدل اور عدل بھی ایسا کہ نا صرف اُس وقت کے مسلمان اس سے سبق حاصل کرسکیں بلکہ تاقیامت بے نظیر کارنامہ بھی ہے۔جس نے پوری مسلمان قوم کا سرفخر سے بلند کیا۔

۷): خطبہ حجۃ الوداع: خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کی وہ مثال پیش کرتا ہے کہ آج تک تمام دنیا کی تنظیمیں مل کر بھی انسانی حقوق کے لئے ایسا کام نہیں کرسکتیں۔اس میں انسانی جان کی حرمت، ادائے امانت، سود کی حرمت، جاہلیت کے قتل وجراحات پر خطِ تنسیخ، مذہب میں سے خارجی رسوم کا دخل منع کردیا گیا، شوہر اور بیوی کے باہمی حقوق کا تحفظ کیا گیا۔

یعنی کہ رسولِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری حیاتِ پاک ہی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ

Marfat.com

آپ ﷺ سے بڑھ کر عدل و انصاف کرنے میں کوئی آپ ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔ جیسے نازک حالات سے بھی نبی آخرالزمان، اور ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوچار ہونا پڑا مگر عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

موجودہ حالات میں عدلِ اجتماعی کے لئے تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں کیسے رہنمائی ملتی ہے؟ اللہ پاک کی تخلیق کردہ یہ عظیم الشان کائنات جس کی وسعتوں کا احاطہ کرنے سے انسانی عقل عاجز اور درماندہ ہے، جو مسلسل طور پر تبدیلیوں کے عمل سے گذر رہی ہے۔ اس کائنات کے تمام اسرار و رموز کو انسان کو سمجھانے کے لئے اصل انتظام بھی خود اللہ پاک کی ذات نے ہی فرمایا کہ جب اپنے انبیاً علیہ السلام مبعوث فرمائے۔ اور اس سلسلے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر تمام انسانیت پر احسانِ عظیم فرمایا کہ انسانیت آئے روز کے بدلتے ہوئے قوانین سے نجات پائے اور نبی آخرالزمان، اور ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا میں رہتی دنیا تک کا نظامِ حیات دین اسلام کی صورت میں عطا فرمایا۔ اُس خالقِ کائنات نے ہمارے لئے قوانین کی تکمیل فرمائی اور اس دنیا میں امن وآشتی سے رہنے کے لئے طریقۂ کار تجویز فرمادیا اب ہمیں صرف اُسے اپنی زندگیوں میں لاگو کرنا ہے۔

حیاتِ انسانی خواہ کسی بھی انسانی معاشرے میں رہ رہی ہو۔ معاملاتِ عدل کو زندگی کے مختلف شعبوں میں کچھ اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱) مذہبی معاملات میں عدل: مذہبی معاملات میں عدل کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں سے راہنمائی ملتی ہے۔

ا) غیر مسلموں کے ساتھ معاملاتِ عدل عقیدہ کی بنیاد پر:

ہمارا بحیثیت مسلمان عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اور سلسلۂ نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی، کوئی رسول نہیں آئے گا۔ بلاشبہ یہ عقیدہ ہی پوری اُمت کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ مگر پھر بھی ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے قول وفعل میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ اور اپنے عقیدے کو اس معاشرے میں رہنے والوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھ کر عدل کے ساتھ استوار کریں۔ تمام اہم عقائدِ اسلام میں عدلانہ نظام ہے، مثلاً نماز، روزہ ہر امیر غریب پر فرض ہے زکوٰۃ اور حج صاحبِ حیثیت لوگوں پر فرض کی گئی ہے

۔عدل عقیدے کی بنیاد پر کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ کیونکہ جب آپ کے سامنے والا فریق اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ہی انکاری ہو۔ تو اُس سے بات کرتے ہوئے اپنی مذہب کی حدود کو برقرار رکھنا ہے۔ اس بارے میں بھی اللہ پاک نے قرآنِ پاک کی سورۃ آلِ عمران آیت نمبر۶۴ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾

ترجمہ: کہہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں برابر

Marfat.com

ہے کہ وہ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب قرار نہ دے، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ لوگ اعتراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

یعنی کہ ثابت ہوا کہ اگر غیر مسلم سے مذاکرات کرنا پڑیں تو وہ مانیں یا نہ مانیں مگر ہمیں اُن کے سامنے حق رکھنا ہے۔ اور اُن حدود کا تعین کر کے پہلے ہی اُنھیں بتا دینا ہے کہ جو بھی ہو اللہ پر ہی ایمان رکھتے ہیں۔ مفاہمت اس بات پر قطعاً ممکن نہیں کہ ہم تمہاری (غیر مسلموں کی) خاطر اللہ پر ایمان ختم کر دیں۔

۲) غیر مسلموں کے ساتھ معاملاتِ عدل معاشرتی امن کی خاطر: سورہ الانفال آیت نمبر: ۶۱ اور ۶۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ط هُوَالَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾

ترجمہ: اور اگر وہ دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم تو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ (یعنی) اس بات کا خوف نہ کر کہ شاید صلح کر کے دشمن تجھے دھوکہ دے دے۔ تحقیق اللہ پاک سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر دشمن تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے لئے کافی ہے وہی اللہ جس نے اپنی نصرت سے تیری مدد کی اور مومنوں کی ایک جماعت تجھے دے کر تیری تائید کی۔

عدل و انصاف کے معاملے میں آپ ﷺ نے کافروں اور دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے دور میں یہودی اور عیسائی بھی اپنے مقدمات آپ ﷺ کے پاس لاتے کیونکہ انہیں یہاں انصاف ملتا تھا۔ جیسا کہ ایک بار ایک یہودی اور مسلمان کا تنازعہ ہوا تو آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا۔

۳) کافروں کے بتوں اور خداؤں کو بُرا نہ کہنے کی تاکید: ہمارا مذہب اسلام جہاں اپنے ماننے والوں کی دینی تربیت کرتا ہے۔ تو ساتھ میں ہی معاشرے کے آداب بھی سکھلاتا ہے کہ اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ کفار کے بتوں اور خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ جب ہم کفار کے خداؤں کو بُرا بھلا کہیں گے تو جواباً وہ بھی ہمارے رب کو بُرا بھلا کہیں گے۔ جو کہ بہتر بات نہیں۔ بلاشبہ اُن کے خدا تو جھوٹے ہیں مگر ہمارا رب تو سچا ہے اس لئے جب وہ ہمارے رب کو بُرا کہیں تو یقیناً بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنا رویہ سورۃ الکافرون میں بیان کردہ بات کے مصداق تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین۔ یعنی جن لوگوں کے بارے میں ہمیں اندازہ ہو جائے کہ یہ اللہ پر ایمان نہیں لانے والے تو اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور خود شرک سے بچا جائے۔

۴) دین میں میانہ روی: عدل کے ایک معنی افراط و تفریط سے بچنے کے بھی ہیں اس لئے میانہ روی بھی عدل کے ضمرے میں آتی ہے۔ اور ہمارا مذہبِ اسلام ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں میانہ روی کی تاکید کرتا ہے۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآنِ پاک سورہ النساء آیت نمبر: ۱۷۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے کہ:

Marfat.com

﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ ترجمہ: اے اہلِ کتاب! دین میں غلو کرنے سے بچو۔

اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلك من قبلکم بالغلو فی الدین.

''تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کے باعث ہلاک ہوئے۔''

ایک اور جگہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''اپنے اوپر سختی نہ کرو، ورنہ سختی تم پر لازم کردی جائے گی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو اس پر سختی کی گئی اس گروہ کے بچے ہوئے افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں''۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا مذہب ہمیں میانہ رو رہنے کی تعلیم اس لئے دیتا ہے کہ ہم نارمل انسانوں کی طرح نارمل زندگی گزاریں۔نہ تو سارا وقت صرف عبادات میں صرف کردیں کہ اپنے عیال کے رزق و روزی کے لئے دوسروں کے محتاج ہو جائیں۔یا پھر اپنے باقی حقوق پورے نہ کریں۔ہم انسانوں کے درمیان رہ کر اُن جیسی زندگی گذاریں تا کہ ہماری معاشرتی مطابقت بھی صحیح ہو۔اور اچھے شہری بھی ہوں اور اچھے مسلمان بھی کہلائیں۔

۲) : معاملاتِ سیاست برائے عدلِ اجتماعی: اسلام نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب وتہذیب کے لئے جو ادارے قائم کئے ہیں ان ریاست ایک سیاسی حیثیت رکھتی ہے۔اور اگر اسلامی ریاست کی جڑیں مضبوط اور اسلام کے لافانی اصولوں پر مبنی ہیں تو وہ ایک فلاحی ریاست بن کر لوگوں کے لئے بہترین طریقے سے کام کرے گی۔

الف: داخلی سیاست: وہ سیاست جو زیادہ تر ریاست کے اندرونی معاملات کے ساتھ کام کرے۔

۱) عدل اجتماعی کی ضمانت: اسلام ریاست کے معاشرتی وظائف کا ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشرتی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔بے شک انسان ایک خاندان کی صورت میں رہتے ہوں یا کہ کسی مملکت کی صورت میں ہر جگہ پر عدل ایک لازمی چیز ہے۔اور اگر عدل خاندان کی صورت میں درکار ہو تو بھی خاندان میں موجود ہر شخص اور رشتے کے معاملے میں ہمارا مذہب عدل کا حکم دیتا ہے۔ اور اگر یہی عدل مملکت میں درکار ہو تو مملکت میں موجود ہر فرد کو بلاامتیازِ رنگ ونسل، مذہب اور خاندان ہر فردِ واحد کو عدل مہیا کرنا مملکت یا ریاست کی ذمہ داری ہے۔اور ہمارا مذہب ریاست میں رہنے والے کسی بھی شخص پر ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔اس بارے میں قرآنِ پاک کی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر: ۸ میں اللہ پاک نے واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾

(اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ راہ انصاف سے ہٹ جاؤ)۔

اور اسلام نے صرف اتنی بات کہہ کر معاملے کو ختم نہیں کردیا بلکہ ان اسباب کو دور کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو امن کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔اس کے لئے طاغوت کی قوت کو ختم کرو اور زمین سے فتنے کو بالکل مٹادو۔تب ہی حقیقی امن قائم ہوسکتا ہے۔اس بارے میں قرآنِ پاک کی سورہ البقرہ :۱۹۳میں ارشاد ربانی ہوا ہے کہ:

Marfat.com

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾

ترجمہ: اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فتنہ وفساد ختم نہ ہو جائے۔اور دین اللہ کے لئے خالص نہ ہو جائے۔اگر وہ فساد سے باز آجائیں تو ظالموں کے سواکسی پر زیادتی نہیں کرنا چاہیئے۔

یعنی کہ اُن اسباب کوختم کرے جو معاشرے میں موجود کسی بھی فرد کو نقصان پہنچائے اور بلاتخصیص مذہب ہر شخص کو عدل وانصاف فراہم کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔عدل وانصاف کے قیام پر اصرار کرتے ہوئے دو باتوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ایک یہ کہ اگر مقدمے کا ایک فریق قرابت دار ہوتو بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور دوسرے یہ کہ اگر ایک فریق دشمن ہوتو بھی اُس کے ساتھ انصاف کیا جائے۔یعنی رشتے کی رعایت اور دشمن کی دشمنی بھی مسلمان کو جادۂ عدل سے منحرف نہ کرے۔قرآنِ حکیم میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر:۱۷۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ م بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾

ترجمہ: ہاں جس کو اُس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہوجائے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمے) معقول طور پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنااور (قاتل کے ذمے) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا۔

پس بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ عدل ایک ایسی فطری ضرورت ہے کہ اس کے بغیر امن وآشتی پر مبنی سماج کا قیام ممکن نہیں ہے۔جس معاشرے میں عدل نہیں اُسے تو غیر ترقی یافتہ لوگوں کا معاشرہ ہی کہا جائے گا۔غرضیکہ اگر ہم اپنے معاشرے میں ترقی چاہتے ہیں تو سب سے پہلے عدل کا قیام کرنا ہوگا پھر ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہوا جاسکے گا۔جیسا کہ ہمارے پیارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاستِ مدینہ میں موجود ہر شخص کو عدل فراہم کیا جس کے باعث ہی وہ ایک فلاحی ریاست بنی۔اور ہمارے لئے آپس میں مل جل کر عدل کے ساتھ رہ کر اچھا اور ترقی یافتہ معاشرہ بنانے کی مثال قائم ہوئی۔کوئی بھی اسلامی ریاست اپنی ریاست میں رہنے بسنے والے تمام لوگوں کے لئے معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ عدلِ اجتماعی قائم کرنے کی ذمہ دار ہے۔اور اسلام تو اتنا مضبوط معاشی نظام دیتا ہے کہ اس کی تعلیمات کے مطابق:

جس کا کوئی وارث نہیں ریاست اُس کی وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے:

ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

السلطان ولی من لاولی له — حکومت ہر اس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار) ہے۔جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ:

من ترك كلا فالينا — یعنی جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا

Marfat.com

بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمے ہے۔

ایک خلیفۂ راشد نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ:

> خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اُس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لئے اس کو کوئی زحمت نہیں اُٹھانا پڑے گے۔

اور یہ کہا کہ:

> خدا کی قسم! اگر اہلِ عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لئے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑوں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امر کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے کہ:

> اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غرباء کے لئے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ان اُمرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے اس میں زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

> اے لوگو! صدقہ دو کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی لئے لئے پھرے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے۔ (یعنی اس کا حاجت مند ہو)

یہ ہے وہ اعلیٰ درجے کا عدلِ اجتماعی جو کہ سماجی انصاف، آزادی اور اخلاقی ترقی عطا کرتا ہے۔

۲) شخصی آزادی: اسلام روئے زمین پر رہنے بسنے والوں کے لئے آسانیاں عطا کرنے کے لئے آیا ہے تا کہ اس دنیا میں رہنے والے ہر فرد کو اس کی زندگی آسانی اور سہولت سے گذارنے کا حق عطا کرتا ہے۔ اور ہر فرد واحد کو بلا تفریقِ رنگ ونسل و مذہب آزادی دیتا ہے۔اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہر شخص کی انفرادی آزادی محفوظ ہوگی اور اُسے یہ ضمانت اُس وقت تک حاصل رہے گی جب تک وہ اپنی آزادی کو دوسروں کی آزادی کے سلب کرنے یا جماعت کے حقیقی مفاد کو نقصان پہنچانے یا خطرے میں ڈالنے کے لئے استعمال نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے کے دوران ایک شخص نے اپنے ہمسایوں کے بارے میں پوچھا جو شبے کی بناء پر گرفتار کر لئے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ سوال سن کر سکوت فرمایا تا کہ اگر گرفتاری کی کوئی معقول وجہ ہو تو معلوم ہو جائے اور جب کوئی چیز سامنے نہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> خلوا له جيرانه (ابو داؤد) (اس کے ہمسایوں کو رہا کردو)

Marfat.com

اسلام کا یہ اُصول ہے کہ:

لا یؤسر رجل فی الاسلام بغیر عدل (موطا) (اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا)۔

اسی شخصی آزادی میں ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ کہ وہ اختلاف رائے کو خون ریزی اور فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنا لے۔ اس کی بہترین مثال وہ رویہ ہے جو حضرت علیؓ نے خوارج کے مقابلے میں اختیار فرمایا جو ریاست کے وجود ہی کی نفی کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ:

''تم جہاں چاہو رہو، اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خون ریزی اور رہزنی نہ اختیار کرو اور ظلم سے باز رہو''

اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا کہ دین کے معاملے میں جبر سے کام لیا جائے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر:۲۵۶ میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ:

﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔

مطلب یہ واضح ہوا کہ ایک اسلامی ریاست میں ہر شخص آزاد حیثیت سے رہنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور ان تمام باتوں پر اسلام کے سنہری دور میں مکمل طور عمل بھی کیا گیا۔

۳) انسانی جان و مال و ناموس کی حرمت: اسلام فتنہ و فساد کو ختم کرنے اور امن قائم کرنے پر یقینِ کامل رکھتا ہے۔ اور فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے دینِ محمدی ﷺ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ کم سے کم انسانی جان کے ضیاع پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ پاک نے تو انسان ہی کو موضوع بنا کر اس کی ساری زندگی کے لئے قوانین وضع کئے ہیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ مذہب اُسی انسان کی بقا کے لئے کام کرے اور پھر اُسی کو مارنے اور ختم کرنے کے لئے ترغیب دے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد ۸۲ غزوات و سرایا کا اہتمام فرمایا۔ مفتوحہ علاقوں کو دنوں میں تقسیم کیا جائے تو ۲۷۴ میل یومیہ بنتا ہے۔ مگر تمام جنگوں میں کُل جانی نقصان دونوں اطراف سے صرف ۱۰۱۸ ہے۔ دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقہ زیرِ نگیں تھا۔ یہ سب کچھ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُر حکمت منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا کہ انسانی جان کی حرمت کا خاص خیال رکھا گیا۔ اس سلسلے میں قرآنِ پاک کی سورۃ المائدہ آیت نمبر:۳۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے کہ:

﴿اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ز ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾

ترجمہ: کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی اور ہمارے رسول ﷺ ان کے پاس کھلے حکم لا چکے ہیں پھر ان میں سے بہت لوگ زمین

Marfat.com

میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

ریاست ضمانت دیتی ہے کہ اپنے شہریوں کے جان و مال اور ناموس پر نہ خود ہاتھ ڈالے گی اور نہ کسی اور کو ڈالنے دے گی۔ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

فذلك المسلم الذی له ذمة الله ورسوله فلا تخفروا الله فی ذمته (بخاری)

پس یہ وہ مسلم ہے جس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ تو خبردار، اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں غداری نہ کرو۔

كل المسلم على المسلم حرام دمه و ماله و عرضه (مسلم)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

اسی طرح غیر مسلم شہریوں کے باب میں بھی اصول یہ ہے کہ:

''جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور اس کی دیت کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہوں گے۔''

یعنی کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی شے لے سکے۔

۴) ذاتی انا کو پس پشت ڈال کر قومی مفاد کو پیشِ نظر رکھنا: انسان جب بھی کسی بھی دوسرے انسان سے کچھ معاہدہ یا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو خواہ وہ معاملہ ذاتی نوعیت کا ہو، سیاسی نوعیت کا، سماجی، معاشی و معاشرتی نوعیت کا، غرضیکہ ہر معاملے میں ایک انسان کو اپنی ذاتی انا کو پسِ پشت ڈال کر دوسرے انسان یا گروہ کے لوگوں کی بات کو اہمیت دینا پڑتی ہے۔ اور ذاتی انا کو ساتھ رکھیں تو دنیا میں ہمارا گذارا مشکل ہو جائے۔ امن کے معاملے میں مفاہمت تو بہت بڑا کام ہے لیکن اگر کوئی خاندانی معاملہ ہی طے کرنا ہو خواہ بچوں کی شادی بیاہ کا معاملہ ہی ہو ہمیں کسی نہ کسی حد تک اپنی ذاتی انا کو چھوڑنا پڑتا ہے اور معاملے کو سلجھانے یا طے کرنے کا کام پھر ہی سرانجام پا سکتا ہے ورنہ ہر جگہ کے سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی اور امن و امان اور سلامتی کے لئے سوچا گیا کوئی بھی منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے اور معاملات کو سلجھانے کا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ اس لئے عام روزمرہ زندگی معاملات ہوں یا پیچیدہ سیاسی اُلجھاؤ ہمیں اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو، ذاتی منفی رائے کسی بھی فریق کے بارے میں اگر ہم رکھتے ہوں تو ان سب معاملات کو بھلا کر معاملے کے سلجھاؤ کی طرف بڑھنا ہوتا ہے اور یہی طریقہ کار کامیابی کی طرف لے جاتا ہے

ب: خارجی سیاست (International Affairs): اسلام نے جہاں ریاست کے اندرونی حالات کو بہتر بنانے کے لئے کام کرنے کا حکم دیا ہے وہیں پر اسلام کی عالمی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے دوسرے علاقوں یا مملکتوں کے ساتھ بہترین تعلقات رکھنے کی بھی اہمیت واضح کی ہے۔

۱) پوری انسانیت عیال اللہ: اسلام جغرافیائی حدود کو انسانیت کو مستقل طور پر بانٹنے والی حدود نہیں مانتا۔ وہ

Marfat.com

ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنا چاہتا ہے۔جو ایک قانون کے تابع اور ایک مرکز سے وابستہ ہو۔اورجس میں انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیزنسل، رنگ، زبان اور وطنی حدود نہ ہوں۔ بلکہ پوری انسانیت ایک خاندان بن جائے۔اور اگر فرق ہوتو ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جو کہ کسی قوم، رنگ یا نسل سے وابستہ نہیں بلکہ پوری انسانیت ان کے سلسلے میں برابر ہے۔ ہر شخص انہیں حاصل کرسکتا ہے۔حدیث نبویﷺ میں پوری انسانیت کو''عیال اللہ'' کہا گیا ہے کہ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ. (بیہقی)

ترجمہ: ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو عیال اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

یعنی اسلام کی سیاستِ خارجہ کا یہ بھی ایک اہم پہلو ہے کہ وہ پوری اُمت مسلمہ کی وحدت کا داعی ہے۔اور ریاست کو ایسی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے جو تمام مسلمانوں کو جوڑنے والی اور اُن میں تعاون اور بھائی چارہ قائم کرنے والی ہوں۔ اللہ پاک قرآن پاک کی سورہ المومنون آیت نمبر: ۵۲ میں ارشادفرماتے ہیں کہ:

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾

ترجمہ: اور دیکھو! یہ تمہاری امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تقویٰ اختیار کرو۔

اس سے یہ بھی چیز واضح ہوگئی کہ سیاستِ خارجہ کا ایک خاص مقصد پورے عالم اسلام کی سیاسی آزادی ہے۔مسلمان آزاد پیدا ہوا ہے وہ صرف اللہ پاک کی ذات کا غلام ہے۔اس سے زیادہ عدلِ اجتماعی کی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کرسکتا۔جو کہ نہ صرف لوگوں کو قومی طور پر جوڑے رکھنے کا باعث ہے بلکہ فقط ایک اسلام کے رشتے سے ہم سب ایک ہو جاتے ہیں اور پھر سب امتیاز ایک کلمۂ طیبہ کے سائے تلے آنے کے بعد فوراً ہی ختم ہو جاتے ہیں۔اور اس روئے زمین پر کہیں بھی اللہ پاک پر اور رسول اللہﷺ پر ایمان لے آئے وہ اس عظیم عالم برادری کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے۔اور سارے تفرقات مٹ جاتے ہیں۔

اللہ پاک کی ذات پاک ہم سب مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ہم واقع حقیقی طور پر ایسا ہی کیا کریں۔پھر نہ ہم جیسی کوئی قوم ہے نہ ملت۔

۲) Win Win Situation Concept:

بین الاقوامی تعلقات میں اچھی خارجہ پالیسی ایک بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔اور کسی بھی دوسری ریاست قوم یا قبیلے کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے اگر ہم win win situation کا تصور ذہن میں رکھیں۔ یہ کوئی تکنیک نہیں بلکہ انسانی تعلقات کے حوالے سے پورا فلسفہ ہے۔ یہ دل اور دماغ کی ایک کیفیت یا سوچ کا ایک انداز ہے جو ہر انسانی تعلق میں باہمی فائدے کی تلاش میں رہتا ہے۔اور اس میں معاہدوں یا مسئلوں کے حل اپنے اندر باہمی فائدے اور اطمینان لئے ہوں۔تمام متعلقہ لوگ فیصلے کے بارے میں اچھا محسوس کریں اور طے ہو جانے والی چیزوں کو اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ اس میں زندگی کو

Marfat.com

تعاون کے حوالے سے دیکھا جاتا ہے مقابلہ کی نظر سے نہیں۔ زیادہ لوگ چیزوں کو قطعیت کے انداز میں دیکھتے ہیں: طاقتور یا کمزور، سخت یا نرم، جیت یا ہار۔ لیکن اس قسم کی سوچ بنیادی طور پر کمزور ہوتی ہے اور اُصول کی بجائے طاقت اور رتبے کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ Win Win Situation کے زاویہ نظر کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے سب کے لئے سب کچھ میسر ہے کہ ایک بندے کی جیت کا مطلب دوسروں کی محرومی نہیں ہوتا یا یہ کہ ایک بندے کی جیت دوسروں کے ہار جانے پر منحصر نہیں ہوتی۔ یہ ایک تیسرے حل والا طریقہ ہے۔ اس طرح کے تصور کو ذہن میں رکھ کر اگر کوئی کام شروع کریں گے تو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

☆ انسان دوسرے انسان کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے بات کریگا۔ کیونکہ وہ ہار جانے کے تصور سے آزاد ہوگا کہ وہ کسی بھی کام کا آغاز کرنے سے پہلے ہی اگر یہ سوچتا ہے کہ جو بھی ہو مجھے نقصان نہیں ہوگا تو وہ اس سارے کام کو مفاہمت پسندی کے بہترین اُصولوں کو اپناتے ہوئے خوش دلی سے کرے گا۔

☆ ہارنے کا خوف نہ ہونے کے باعث آپس کے تعلقات کو بہتر استوار کرنا آسان ہو جائے گا اور اُن تعلقات کی بنیاد بھی برابری کے اُصولوں پر رکھی جائے گی۔

☆ انسانی صلاحیتیں بہتر طور پر پروان چڑھیں گی۔ اور اُن کے وسائل آپس کے لڑائی جھگڑوں میں ضائع ہونے کی بجائے لوگوں کی فلاح و بہبود پر استعمال ہوسکیں گے۔

ظاہری طور پر یہ تصور سٹیفن۔آر۔کووے کا اپنی کتاب پُر اثر لوگوں کی سات عادات میں دیا گیا ہے۔ مگر اگر ہم بحیثیت مسلمان اس پر غور کریں تو یہی تمام چیزیں تو ہمارے مذہب کی بنیاد ہیں۔ جہاں ہم نبی پاک ﷺ کے دور میں نظر دوڑائیں تو اندازہ ہوگا کہ حضور نبی پاک ﷺ نے جو بھی معاہدے فرمائے اُن میں کبھی بھی فریق کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کی بلکہ زیادہ تر معاہدے کیئے ہی اسلیئے گئے کہ مل جل کر اتحاد باہمی کے ساتھ اور ایک دوسرے کی عزت کرتے ہوئے اور آپس میں وسائل کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جاسکے اور خواہ مخواہ میں وقت اور مال کا ضیاع نہ ہوتا رہے۔

۳)امن کا قیام: روئے زمین پر انسان کی آمد سے لے کر آج تک امن نوعِ انسانی کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔ دنیا میں اسی امن کو یقینی بنانے کے لئے اور فتنہ و فساد، جنگ و جدل، باہمی خون ریزی اور معرکہ آرائی، تشدد اور جبر و استبداد، ظلم، دھونس، دھمکی اور انسانوں پر انسانوں کی خدائی کو ختم کرنے کے لئے ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام لے کر آتے رہے ہیں اور جو دعوت پیش کرتے رہے ہیں۔ اس دعوت کا نام ہی ایمان ہے۔ بلاشبہ ایمان اور امن اس لئے بھی لازم و ملزوم ہیں کیونکہ جب ایک انسان اللہ پاک پر اور آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہے تو وہ اپنے پختہ یقین کا اظہار کر کے اللہ پاک کے سامنے آخرت کی حاضری اور جواب دہی کے خوف کے باعث وہ دنیا میں بھی انتشار و فساد کو خلافِ ایمان سمجھ کر تشدد، خونریزی اور جنگ و جدل سے دور رہتا ہے۔ اور جب سارا معاشرہ ہی اللہ پر یقین، نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحیح اور مکمل طور ایمان لے آئے تو زمین سے فساد کا خاتمہ ہو جائے۔

قرآن پاک میں انسانوں کے ایسے اقدامات کی مذمت کی گئی ہے جن سے امن کو خطرہ ہو اور فساد پھیلے۔ قرآنِ پاک

Marfat.com

کی سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۲۰۴ اور ۲۰۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ہے کہ:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ لا وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ٥ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾

ترجمہ: اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی باتوں پر گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہوتے ہیں اور جب پیٹھ پھیر کر جاتے ہیں تو ملک میں فساد پیدا کرتے ہیں، کھیتی اور نسل کو برباد کرتے ہیں، اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور ہمارے پیارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ پاک کے ہر حصے میں سب سے زیادہ جس چیز کی کوشش فرمائی وہ یہ تھی کہ جو بھی کام ہو خواہ وہ تبلیغِ دین کا ہو، یا کسی علاقے میں اسلام پھیلانے کی غرض سے مہم جوئی کی گئی ہو مگر دنیا کے فاتحین کے رویہ سے ہٹ کر ایک بہترین رویہ ہمیں حیاتِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نظر آتا ہے کہ ہر کام میں امن کو اوّل طور پر اہمیت دی جاتی ہے اور اُس کام کے آغاز سے لے کر اس کے فاتحانہ انداز میں اختتام تک امن ہی امن پیشِ نظر رہا تا کہ کم سے کم جان و مال کے نقصان بلکہ بہت مقامات تو ایسے بھی ملتے ہیں کہ امن کی خاطر اپنا اور اپنی قوم کا ظاہری طور پر ہونے والے نقصان کو بھی قبول فرمایا جیسا کہ میثاقِ مدینہ میں حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہود ایک شاطر قوم ہے اُن کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ یہی صورتِ حال صلح حدیبیہ میں نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں کفارِ مکہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا تا کہ امن کے ہی ساتھ اسلام کے اصل مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔ ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو چودہ سو سال پہلے امن اور انسان کی ہستی کی بقا کو لازم قرار دیتے ہوئے اُس کی Survival کے لئے کام کیا۔ جبکہ جدید دنیا کے پیروکاروں کے لئے Maslow's theory of Hierarchy of Human Needs بھی یہی بتاتی نظر آتی ہے کی انسان کی بنیادی ضروریات میں سب سے پہلی ضرورت اُس کی سلامتی ہے یعنی باقی دنیاوی تمام ترقی کے دعوے دھرے رہ جائیں اگر انسان ہی باقی نہ رہے۔

۴) دشمن کی طرف سے صلح کی پیشکش پر لبیک کہنا: اگر بدترین اور سخت جانی دشمن بھی جنگ کے دوران یا اُس سے قبل اپنی طرف سے صلح کی پیشکش کرے تو ہمارا دین تو ہے ہی ساری انسانیت کی فلاح کے لئے۔ اور اس کو لانے والے اپنے حبیبِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا کہ انسانیت کی فلاح اور خواہ مخواہ کی خون ریزی کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس بارے میں اللہ کریم اپنی کریمی صفات کے پیشِ نظر اپنے پیارے نبی محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ النسآء آیت نمبر۔۹۰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ لا فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ تم سے جنگ کرنے سے کنارہ کشی کریں اور نہ لڑیں۔ اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام)

Marfat.com

بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر (زیادتی کرنے کی) کوئی گنجائش نہیں رکھی۔

۵) دشمن کی طرف سے بد عھدی پر معاھدہ منسوخ کرنے کی اجازت: اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ جبر اور زبردستی کا کسی بھی معاملے میں قائل نہیں ہے۔ اس لئے مسلمانانِ اسلام کے لئے قیامت تک کے لئے یہ پیغام ہے کہ اگر مسلمانوں نے اپنی طرف سے دشمن قوم کے ساتھ کوئی عہد یا صلح نامہ کیا ہوا ہے اور اُن کی طرف سے تو کسی بھی قسم کی بدعہدی کے معاملے میں اللہ پاک اسلام کے قوانین کو رسولِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرماتے ہی منع فرمادیا۔ مگر اس قسم کی زیادتی اگر دشمن قوم کی جانب سے ہو اور وہ قوم بدعہدی اور خیانت کرے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرے یا اُن سے خفیہ معاہدے کرے تو اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کی عظمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انھیں اُس معاہدے کی تنسیخ کی اجازت عطا فرمادی ہے۔ جیسا کہ سورہ الانفال آیت نمبر: ۵۸ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾

ترجمہ: پھر اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا خطرہ ہو تو معاہدہ برابری کی بنیاد پر فسخ کردو۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔

۶) مذاکرات کر کے مسئلے کا حل نکالنا: دنیا میں کہیں پر بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو۔ اُس کے لئے کتنی ہی پُر تشدد قسم کی تحریک چلائی جائے مگر تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے۔ کہ آخر کار مسئلے کا صحیح اور پائیدار حل آخر کار مذاکرات سے نکلا ہے۔ دُنیا کے ہر فورم پر مذاکرات کی اہمیت ہے بلکہ تسلیم کی جاتی ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع حیاتِ پاک سے اس کا سبق نہ ملے۔ بلکہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام نے اپنی ابتداء سے لے کر عروج تک کبھی بھی مل بیٹھ کر مذاکرات کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا۔

۷) سیاسی پناہ یا امان: سیاسی امان یا سیاسی پناہ کی اہمیت آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی بہت زیادہ ہے۔ اور اسلام نے اس کے لئے بھی چودہ سو سال پہلے اُصول وضع کردیئے ہیں۔ اور قرآنِ پاک کی سورہ التوبہ کی آیت نمبر: ۶ میں اللہ پاک سیاسی پناہ کے اُصول بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾

ترجمہ: اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا طلب گار ہو تو اُس کو پناہ دو۔ حتیٰ کہ اللہ کا کلام (اچھی طرح) سُن لے۔ پھر (بھی اسلام نہ لائے تو) اسے امن کی جگہ واپس پہنچادو۔

یہ پناہ خواہ میدانِ جنگ میں دی گئی ہو یا پہلے سے۔ دونوں صورتوں میں اس پناہ کا احترام لازم ہے۔ پناہ کا جائز اختیار خواہ وہ کسی فرد کو دی جائے یا کسی قوم کو امیر یا سپہ سالار کو ہی ہوتا ہے۔ تاہم ایک عام مسلمان، حتیٰ کہ غلام یا عورت بھی اگر پناہ دے دے تو وہ موثر ہوتی ہے۔

اور اس سیاسی پناہ یا امان کو نبھانا مسلمانوں کی مشترکہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ امان بھی دراصل عہد ہی کی ایک قسم ہے۔ عہد وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ امان صرف جان و مال و آبرو کی حفاظت کا عہد ہے۔ پناہ لینے والے کے بھی کچھ

Marfat.com

حقوق و فرائض معین ہوتے ہیں۔ مثلاً جاسوسی اور بغاوت کے سوا کوئی جرم اس کی امان کو ختم نہیں کرسکتا۔ البتہ اس کے جرم کی سزا ملکی قانون کے مطابق دی جائے گی جہاں وہ رہائش پذیر ہو۔ آج کل حکومتیں جو دوسرے ملکوں کے بعض افراد کے لئے ویزا جاری کرتی ہیں۔ ان کی حقیقت بھی امان ہی سے ملتی جلتی ہے۔ یہ ویزا سسٹم تو دو مسلم ریاستوں میں بھی چلتا ہے۔ جبکہ امان صرف مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ہوتی ہے۔

۸) مصالحت کا طریقہ کا اپنانا: مصالحت لفظ نکلا ہے مصلحت سے یعنی کہ حالات کے تقاضے کے مطابق کوئی بھی کام سرانجام دینے کے لئے تدبیر کرنا یا کوئی پالیسی مرتب کرنا۔ یعنی یہ اُن امور کے احوال کا علم جن کا وجود انسان کی قدرت و اختیار میں ہو صحیح طور پر اور وقت و حالات کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھ کر کیا جائے۔ یعنی لازمی نہیں ہے کہ ایک ہی طریقہ کار ہر سطح اور ہر میدان میں کارگر ہو مگر اُس میں حکمت کے ساتھ ایسے تبدیلی کرنا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے منافی بھی کوئی چیز نہ ہو اور اپنا بھرپور اور جامع طریقے سے مقصد بھی حاصل ہو جائے اور اگر کہیں دشمن اپنی چال چلنے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ بھی نا کام ہو۔ کیونکہ اُسے تو ایک عام طریقے کار کے تحت آپ کے اگلے کام یا حکمتِ عملی کا اندازہ لگا سکتا ہے مگر مصلحت کے ساتھ کئے کام میں نقصان کا اندیشہ کم ہوتا ہے اور بے شک اللہ اور اُس کے حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق نیک نیتی سے کئے گئے کام میں اللہ پاک آسانی اور خیر بھی رکھ دیتا ہے اور پھر وہی مصلحت کارگر ہو کر فائدہ بھی پہنچاتی ہے۔

۹) حریف کو اہمیت دینا: حریف وہ شخص یا قبیلہ ہوتا ہے جس کے ساتھ دشمنی کسی بھی حد تک بڑھی ہوئی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بھی ہو سکتے ہیں مگر ہمیں اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے بے شمار ایسی امثال ملتی ہیں کہ حضور نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے کی بھلائی اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی جان و مال وعزت و آبرو کے تحفظ کے لئے ایسے معاہدے بھی کئے جو کہ ایسی اقوام کے ساتھ تھے جو کہ مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور مسلمانوں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کرتے تھے مگر پھر بھی ہر موقع پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حریف کو اہمیت دے کر اُن کے ساتھ مذاکرات کئے تاکہ اسلام کو امن کی فضا میں پھیلانے کا مناسب موقع مل سکے۔ آج بھی اگر ہم اپنی دشمنیوں کو ختم کرنے کے لئے اپنے حریف کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کے ساتھ مذاکرات کرلیں تو کوئی حرج نہیں کہ اگر آج کی بدامنی سے بھرپور فضا میں امن کی طرف راغب کرسکیں۔

۳) معاشرتی معاملات میں عدل اجتماعی: معاشرتی زندگی میں عدل کے لئے باہمی تعلقات اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو ملحوظ رکھا جائے تو معاشرہ بے انصافی اور عدم توازن کا شکار ہوجاتا ہے۔ اسلام معاشرتی عدل و انصاف کا درس دیتا ہے۔ اس کی نظر میں تمام ابنِ آدم برابر ہیں۔ مگر معاشرے کے افراد میں آپس میں ادب و احترام کا پہلو زیادہ رکھتا ہے۔

۱) معاشرتی امن کے لئے عدل کے تحت عفو در گذر: عفو سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کی خطا اور قصور کو معاف کردیا جائے اور انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کیا جائے۔ عفو درگذر سے کام لینے والا شخص جب اپنی انتقام لینے کی خواہش کو دبا کر لوگوں سے اچھا سلوک کرتا ہے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ لوگ اُس اچھے انسان کی خوبی کو کبھی بھی نہ مانیں۔

Marfat.com

اس کی مثال اگر ہم پیغمبرانہ تاریخ سے لیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف فرمایا۔ اور اپنے پیارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ پاک میں قریش اور مکہ کے لوگوں کے کیئے گئے ظلم دیکھیں اور پھر حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اپنے بدترین دشمنوں کو مکمل طور پر معاف فرمادیا۔ حتیٰ کہ وہ خاتون ہندہ جس نے غزوہ اُحد میں حضرت حمزہؓ کو شہید کروایا اور پھر آپؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ آپ ﷺ نے اُسے بھی معاف فرمادیا۔ اس کا مثبت اثر یہ ہوا کہ لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

۲) رواداریٔ رسولِ پاک ﷺ: یہ اخلاقی صفت عفوو درگزر سے ملتی جلتی ایک صفت ہے کہ اس میں باہمی تعلقات میں خیر خواہی کا جذبہ انتہائی حد تک مثبت طریقے سے موجود ہوتا ہے۔ اس میں دوسرے انسانوں کی معمولی غلطیوں اور خطاؤں پر ایک صاحبِ اقتدار یا صاحبِ حیثیت شخص گرفت نہ کرے۔ رواداری کی بناء پر معاشرے میں اخوت اور بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ اور مجموعی طور پر معاشرے کی فضا میں امن کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیاتِ پاک میں ہمیشہ ہی رواداری کا مظاہرہ فرمایا خصوصی طور پر اگر دیکھا جائے تو خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر جتنے بھی معاہدے کیئے بے شک اُس وقت آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے ساتھی کمزور تھے یا طاقت میں مگر معاہدے میں دوسرے کا انتہا سے زیادہ خیال رکھا معاہدۂ نجران آج کی عیسائی دنیا کو حیران کرنے کے لئے رواداری کی ایک مثال ہے۔

۳) مساوات: معاشرتی کاموں میں مساوات کا بھی بہت اونچا مقام ہے۔ اسلام میں مساوات سے دو باتیں مراد ہیں، ایک قانونی مساوات اور دوسرے معاشرتی مساوات۔ قانونی مساوات کے تحت تمام افرادِ ملت کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ غلام ہو یا آقا، امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل سب کے لئے قانون کی پابندی یکساں ضروری ہے۔ کسی کو کسی بناء پر کوئی برتری اور فوقیت حاصل نہیں۔ پھر اسی قانون مساوات سے مراد یہ بھی ہے کہ ہر ایک کو ترقی کے، خواہ وہ معاشی لحاظ سے ہو یا علمی لحاظ سے یا معاشرتی یکساں مواقع حاصل ہوں۔ معاشرتی مساوات سے مراد یہ ہے کہ نشست و برخاست میں، عبادت میں، سماجی تقریبات میں یا عام اجتماعی زندگی میں کسی کو اولیت وفضیلت حاصل نہیں۔ امیر وغریب مسجد میں شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ تقریبات میں ایک دوسرے کے قریب بیٹھیں، یعنی کہ اسلام میں اونچ نیچ اور برتری اور کمتری کا معیار دنیاوی دولت کی بنیاد پر نہیں رکھا گیا۔

٤) معاشی معاملات میں عدلِ اجتماعی: اسلام معاشی طور پر معاشرے کو مستحکم بنانے کے لئے عدل کی راہ اختیار کرتا ہے۔

۱) نظامِ زکوٰۃ: اسلام کا نظام زکواۃ جہاں معاشرے کے افراد کی معاشی حالت کو درست کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ وہیں پر دولت کے ایک ہی جگہ ارتکاز کو بھی روکتا ہے۔ اور معاشرے کے وہ امراء جو اگر یہ نظام نہ ہوتا تو اپنی دولت کو فقط اپنے ہی پاس رکھیں۔ اور نا صرف اپنی دولت اپنے پاس رکھیں بلکہ اُن غرباء اور مساکین سے کبھی رابطہ تک نہ کرنے کی کوشش کریں کہ یہ بات اُنھیں اُن کے Status کے خلاف لگے کہ ایک غریب اور مسکین کے ساتھ کس لئے میل جول رکھنے کی

Marfat.com

ضرورت ہے۔ اسلام اس تفریق کو مٹانے کی غرض سے زکواۃ کا ایک بہت نظام اُس کے تمام اُصول وضوابط کے ساتھ سمجھا دیا ہے تاکہ معاشرے میں دولت کے ارتکاز کو روکا جاسکے۔ اور معاشرے میں ایسی فضا قائم ہو کہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تو تیار ہوں مگر لینے والے نہ ہوں۔اور یقیناً ایسے ہی معاشرے فلاحی معاشرے کہلاتے ہیں۔

اور اس نظامِ زکواۃ میں ہمارے پیارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے بڑھ کر عدل کا یہ کام فرمایا کہ اپنی آل کے لئے زکوٰۃ لینا ناجائز قرار دے دیا گیا تاکہ لوگ حیاتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ ﷺ کی محبت میں اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی آل کی محبت میں صرف اور صرف آلِ رسول ﷺ کو ہی زکوٰۃ نہ دیتے رہیں اور دوسرے لوگوں کے محروم رہ جانے کا امکان باقی رہ جاتا تھا۔ اس لئے ایسا کیا گیا کہ آپ ﷺ کی آل کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ کسی بھی معاشرے کے معاشی استحکام کے لئے کیا ہی اعلیٰ ظرفی کا کام ہے۔

۲) **جزیہ:** حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ اسلام کی قوت عرب میں زیادہ ہونے کے باعث یہاں پر آباد بیشتر اقوام نے بخوشی اسلام قبول کرلیا۔سرزمین حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام اقوام نے بخوشی اسلام کی دعوت قبول کی اور حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے جانثار بن گئے۔اس لئے اسلام نے بھی اُن کی جان و مال، عزت وآبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام تر ذمہ داری اپنے سر لے لی۔اور اس کے بدلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم ان پر مقرر کی۔ جو کہ جزیہ کہلائی۔

غیر قوموں میں سب سے پہلے حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ ھجری میں خیبر، فدک، وادی القریٰ، اور تیماً کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔اس وقت تک آیتِ جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا۔ ان بنا پر باہمی رضا مندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے۔ وہ آیتِ جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے۔اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود رکھیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔ ۹ ھجری میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے۔

۵) قانونی معاملات برائے عدلِ اجتماعی:

۱) **ملکیت و تصرف کا حق:** ہمارے پیارے نبی ختم الرسلین، خاتم النبین، رسولِ خدا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں یہ درس دیا ہے کہ اسلام تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً اللہ پاک کی عطا اور اس کی ملکیت قرار دیتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ معاشی معاملات میں انسان کو اس عظیم تر ملکیت کے تصور کے تحت، انفرادی ملکیت و تصرف کا حق دیتا ہے۔یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں۔لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت آلۂ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔ دراصل اسلام ملکیت کے اس محدود حق کو ایک امانت کی شکل دیتا ہے اور اس میں تصرف کے اختیار کو بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیوں سے محدود کرتا ہے۔عدل جس کا بنیادی مقصد ہی ہر نظام کو توازن میں رکھنا ہے۔ اُس کے مطابق اسلامی ریاست میں رہنے بسنے والے ہر فرد واحد کو بلا تفریقِ رنگ ونسل و مذہب آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں

Marfat.com

زمین و جائیداد رکھ سکتا ہے۔اور ایسا عدل کا نظام مجموعی طور پر اسلامی ریاست کو مضبوط کرنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔

۲)حدود و تعزیرات: معاشرے کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے لئے اس میں جہاں باہم ادب و احترام لازمی ہے وہیں پر معاشرے کے جرائم پیشہ افراد کو راہ راست پر لاکر بہتر معاشرے کی تشکیل کے لئے حدود و تعزیرات کا تعین کرنا اور پھر اُس پر عمل کرنا اور کروانا ایک بہترین اسلامی معاشرے کا خاصہ ہے اور اس سے معاشرے کے افراد کے درمیان بے اطمینانی اور حقوق کو غصب کرنے والی باتوں کا خاتمہ ہو کر افہام و تفہیم کی فضا رکھنے والا معاشرہ تشکیل پائے گا۔اور اس نظام میں ریاست میں رہنے والے ہر مذہب کے شخص کے لئے حدود و تعزیرات کا نظام اُس کے مذہب کے مطابق لاگو ہوتا ہے۔ یعنی کہ اگر اسلامی ریاست میں ایک عیسائی رہتا ہے تو اسلامی قوانین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے فیصلہ اسلامی قانون یا قرآنِ پاک سے نہیں بلکہ اس کے مذہب کی تعلیمات کے مطابق کیا جائے گا۔ اس قدر آزادی اور متعین حدود میں رہتے ہوئے جزا و سزا کا تصور پیش کرتا ہے۔

سرکارِ مدینہ ﷺ کو صد ہا قبائل سے واسطہ پڑتا تھا جو باہم دشمن ہوتے تھے۔ ایک کی بجا حمایت پر بھی دوسرے کی ناراضگی کا اندیشہ ہوتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے ان پیچیدہ حالات و مشکلات میں بھی انصاف فرمایا۔ اگر ہم دربارِ رسالت ﷺ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ استغاثہ دائر کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صخرؓ نے میری پھوپھی پر قبضہ جما رکھا ہے تو آپ ﷺ نے حضرت صخرؓ کو بلا کر حکم دیا کہ ان کی پھوپھی ان کے حوالے کردو۔ اس کے علاوہ بھی ان سے متعلقہ بہت ساری شکایات کا ازالہ فرمایا حالانکہ حضرت صخرؓ اور ان کا قبیلہ اسلام کا بہت مضبوط حامی تھا ایسا کرنے سے وہ حمایت جانے کا بھی امکان موجود تھا۔ مگر رسولِ پاک ﷺ نے عدل اجتماعی کی خاطر یہ فیصلہ صادر فرمایا۔

۶): عائلی زندگی میں عدل اجتماعی: حضور نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیماتِ عالیہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ عائلی زندگی پورے معاشرے کی بنیاد ہے۔ وہ گھر جنت کا نمونہ ہوتا ہے۔ جس میں میاں بیوی، والدین اور اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل و انصاف سے ادا کرتے ہیں۔ ازدواجی زندگی میں عدل کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے۔ جس کی ایک سے زائد بیویاں ہوں کیونکہ وہ ایک بیوی اور اس کی اولاد کی طرف نسبتاً زیادہ توجہ دے گا۔ تو لازماً دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے حقوق کی نگہداشت نہ ہو سکے گی۔ اس طرح خاندان میں عدم توازن اور انتشار پیدا ہوگا۔ اور پورا گھر جہنم بن جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب بعض خصوصی حالات کے پیشِ نظر ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی تو عدل کی شرط کے ساتھ۔ چنانچہ سورہ النساء کی آیت نمبر (۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی بیویوں میں عدل قائم کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو۔ تو اسے فقط ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ عدل سے یہاں مراد نان و نفقہ اور جنسی تعلقات میں مساوات و برابری قائم کرنا ہے۔ اور اس معاملے میں نا صرف ازواج کے معاملہ میں عدل کا حکم ہے بلکہ اولاد میں سے بھی کسی بیوی کی اولاد کو بہتر سمجھنا اور کسی کو زیادہ اہمیت نہ دینے کے جیسے رویئے سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اولاد میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان بھی فرق نہ کرنے کی

Marfat.com

تاکید فرمادی گئی ہے۔ اگر گھر میں ایسا عدل موجود ہوگا تو یہی گھر بہترین معاشرے کی بنیاد بنے گا۔

۷) اخلاقی معاملات میں عدلِ اجتماعی:

۱) احسان: اپنی نوعیت کے اعتبار سے عفوو درگذر اور رواداری دراصل احسان کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ اصل میں عدل دینِ موسوی (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت) کا طرۂ امتیاز تھا اور احسان عیسائی شریعت کی بنیاد ہے۔ اسلام نے اس کے بین بین ایک ایسی متوازن راہ منتخب کی جس پر چل کر عدل بھی قائم رہے اور احسان کا دروازہ بھی نہ بند ہو بلکہ بعض معاملات میں احسان کی ایسے خوب صورت الفاظ میں ترغیب دلائی گئی ہے کہ نیک اور صالح مسلمان عدل کا مطالبہ کرنے کی بجائے احسان کرنے میں اپنی سعادت سمجھے۔ یعنی کہ پھر احسان کے معنی یہ ہوئے کہ کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جو اُس کے لئے فائدہ مند ہو اور یہ برتاؤ عقلاً اور شرعاً صحیح ہو۔ یعنی مختصراً یہ کہا جائے گا کہ احسان اصل میں حقوق العباد کی بالکل صحیح طور پر ادائیگی کا نام ہے۔ اور جب کسی بھی معاشرے میں یا کوئی بھی شخص اپنی ذاتی حیثیت میں حقوق العباد صحیح ادا کرے گا تو یقیناً وہ شخص بہت اعلیٰ مقام کا حامل ہوگا۔

عدلِ اجتماعی کے فوائد: ویسے تو عدل چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں کے ہی بے انتہا فوائد ہیں۔ مگر عدلِ اجتماعی کے اثرات فرد کے ساتھ ساتھ معاشرے پر بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جہاں انفرادی عدل افراد کی زندگیوں میں توازن لاتا ہے وہاں اجتماعی عدل اقوام کی زندگیوں میں ناصرف توازن لاتا ہے بلکہ اقوام کی بقا کا ضامن بھی بن جاتا ہے۔

۱) استحکامِ معاشرہ: عدلِ اجتماعی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معاشرے کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ حقدار کو اس کا حق مل جاتا ہے اور وہ مطمئن ہوجاتا ہے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملتی ہے اور آئندہ وہ کسی پر ظلم کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ غریب و کمزور لوگوں کی زندگی محفوظ ہوجاتی ہے۔ اور وہ امن وسکون حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ایک صحت مند معاشرہ کا قیام عمل میں آتا ہے۔

۲) معاشرتی مساوات: اسلامی عدل کی نظر میں مال و دولت، رنگ و ملت، مذہب وعقیدہ نہیں۔ تمام افراد کو یکساں نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ میں مساوات قائم ہوتی ہے۔

حبِ الٰہی: انصاف کرنے والوں کا معاوضہ حبِ الٰہی ہے۔ اللہ پاک نے قرآنِ پاک کی سورہ الحجرات کی آیت نمبر(۹) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

۳) تقویٰ: عدل تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اس بارے میں اللہ پاک نے قرآنِ پاک کی سورہ النساء کی آیت نمبر(۸) میں ارشاد فرمایا ہوا ہے کہ: ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ عدل کرو۔ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

۴) حقوق کی حفاظت: عدل سے کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔ کیونکہ عدل سے جان، مال اور عزت محفوظ ہوجاتی ہے۔ اور لوگ ایک دوسرے پر دست درازی نہیں کرتے۔ اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيَاةٌ﴾ یعنی قانون قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ اللہ پاک کا عطا کردہ قانون و نظام ہے۔ انسانی نظام میں نفس، علم اور عقل کی کمی کی بنا پر ضروری ہے پھر یہ کہ ہزار احتیاط کے باوجود کسی نہ کسی مرحلے میں جانبداری بھی آجاتی ہے۔

Marfat.com

اور اسلامی تمام تعلیمات و ہدایات کی طرح یہ نظام بھی صرف فکری ونظری طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے بلکہ عملی طور پر بھی دنیا نے اس کا بار بار مشاہدہ کیا ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں بھی خلفاء راشدین وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے عہد میں بھی اور اس کے بعد بھی، اس سے زائد کیا ہوگا کہ حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں تقریر فرمائی:

> اے لوگو! میں نے اگر کسی کی پیٹھ پر کوڑے لگائے ہوں تو میری پیٹھ حاضر ہے کوڑے لگالے، میں نے جس کی آبرو کی بابت کچھ کہا ہو، وہ میری عزت و آبرو کو کہہ لے، میں نے جس کا مال لیا ہو وہ میرا مال لے لے اور میری جانب سے بغض و عداوت کا خدشہ نہ کرے، اس لئے کہ یہ میرا معمول و مزاج نہیں ہے بلکہ صاف سُن لو کہ تم میں وہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اگر اس کا کوئی حق ہے تو لے لے یا پھر معاف کردے کہ میں اللہ کے سامنے اس حال میں حاضر ہوں کہ بالکل پاک وصاف ہوں۔

۵) اخوت: اسلام عدل و انصاف و درگذر اور احسان اور پھر مساوات کی بات پر اختتام نہیں کرتا کہ اونچ نیچ کے امتیازات کے منفی ہونے کو ختم کرے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اس لحاظ سے ان کے تعلقات ایسے ہونے چاہیئے کہ حقیقی بھائیوں کے ہوتے ہیں۔یعنی کہ باہم شفقت اور رحم والے خیالات و جذبات ایک دوسرے کے لئے رکھتے ہوں۔ایک دوسرے کے خیر خواہ، خدمت گذار اور نیازمند ہوں اور جو چیزیں اُن کے آپس کے تعلقات کو خراب کرنے والی ہوں اور دلوں میں کدورت پیدا کرنے والی ہوں اُن سے خود بھی اجتناب کیا جائے اور دوسروں کے معاملے میں بھی کوشش کی جائے کہ وہ ان چیزوں سے بچ سکیں۔اخوت کے یہ تعلقات ایک طرف تو ملتِ اسلامیہ کو بحیثیتِ قوم مستحکم کرنے کا باعث بنتے ہیں اور دوسری جانب ایک پُر امن اور صالح معاشرے کی تشکیل میں بھی مدد گار ہوتی ہیں۔آپس میں بھائی چارہ کے لئے خدائے وحدہ لاشریک نے قرآنِ پاک کی سورۃ الحجرات آیت نمبر: ۱۰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾

ترجمہ: مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح وصلح کا رویہ رکھو۔

۶) خیر خواهانه فضا: جب معاشرے میں حکامِ بالا عدل کریں گے تو ایسے معاشرے کی عام فضاء خیر خواہی، تعاون، امداد، اشتراکِ عمل، مواخاۃ، ایثار و بھائی چارہ پر مبنی ہو جاتی ہے۔اور لوگ بلا تمیز رنگ ونسل، و مذہب ایک دوسرے کے لئے محبت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ یہ سب صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے کہ جب اجتماعی طور پر عدل کی فضا ہو۔اور ایسا عدل ہو کہ حاکم سے لے کر عام آدمی یا غلام سب کو اپنے لئے انصاف میسر ہو۔

۷) انفرادی اور اجتماعی ذمه داری کا احساس: ایسا معاشرہ جس میں لوگوں کو ان کے حقوق میسر ہوں، کہیں پر کسی کو چھوٹا بڑا نہ ہو بلکہ عزت کا معیار تقویٰ کی بنیاد پر ہو۔اور سارے معاشرے کو اس ریاست کے حکمران بہترین طور پر عدل، انصاف کے ساتھ کام کررہے ہوں تو ایسے معاشرے کے ہر ہر فرد میں اجتماعی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگا جس میں لوگ ایک دوسرے کے خیر خواہ بھی ہوں گے اور اسی خیر خواہی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرنے والے

Marfat.com

افراد بن جائیں گے۔مگر اس سب کے لئے بھی شرط اولین اجتماعی عدل ہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ: اسلام ان ابدی صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے جنہیں زمین و آسمان کے مالک نے انسانوں کی ہدایت کے لیے آئے انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے بیان فرمایا ہے اور جن کو اپنی مکمل ترین شکل میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول اور اپنے عمل کے ذریعے سے انسانیت کو تفویض فرمایا۔یہ وہ صداقتیں ہیں جن پر کبھی کہنگی اور فرسودگی کا سایہ نہیں پڑسکتا، جو ہر دور اور ہر زمانے کے لئے مساوی طور پر سچی ہیں اور جن میں مرور زمانہ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی انسان کے ذہن کی پیداوار نہیں ہیں جو زمان و مکان کی وقتیں ان کے لئے زنجیر پا بن سکیں۔اُن کو جس خالقِ حقیقی نے بیان کیا ہے اس کے لئے ماضی، حال اور مستقبل یکساں ہیں اور اسے زماں و مکاں کی مجبوری لاحق نہیں۔جس طرح سورج پرانا ہونے کے باوجود ہر صبح نو کے دامن کو نئی روشنی سے بھر دیتا ہے۔اسی طرح اسلام کی تعلیمات بھی تہذیب کی ہر گردش اور تاریخ کی ہر پیش قدمی کے لئے تازہ پیام کی علمبردار ہیں۔البتہ ہر دور اور ہر زمانے میں جو ضرورت ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان ابدی صداقتوں اور ان کے تقاضوں کو اس زبان میں اور اس طریقے سے بیان کیا جائے جو اس دور میں معروف اور جس کے ذریعہ سے اس دور کا ذہن پوری طرح سمجھ سکے اور انہیں اپنی گرفت میں لے کر نئی زندگی کی تعمیر وتشکیل کا کام انجام دے سکے۔اور اس تمام کام کی تشکیل وتکمیل کے لئے عدل انتہائی ضروری اور لازمی چیز ہے۔عدل اگر ذاتی معاملات میں ہو تو ایک انسان کی ذاتی عائلی زندگی، ذاتی معاشرتی زندگی، ذاتی معاشی زندگی اور ذاتی اخلاقیات پر مثبت اثرات ڈالتا ہے اور اگر یہی عدل اجتماعی ہو تو اقوام کی زندگی کے ہر ہر پہلو کو سنوارنے میں مددگا ہوتا ہے۔اور اُس قوم کی بقا کا ضامن بن جاتا ہے۔اور ہمارے پیارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ایسی ہے کہ جس نے ہر مقام پر جہاں ذاتی معاملات میں عدل کی ضرورت کو بذاتِ خود مدِ نظر رکھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تاکید وتلقین فرمائی۔وہیں پر اُس عرب معاشرے کی بگڑی ہوئی قوم کو دینِ اسلام کے جھنڈے تلے لانے کے لئے عدلِ اجتماعی کے اصولوں کے تحت کام فرمایا۔حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے بھی اور منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد بھی اجتماعی عدل پر زور دیا۔اسلام کا اگر مفصل مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں اس کا ہر جُز بذاتِ خود اجتماعیت کا داعی ہے۔یعنی اگر کلمۂ طیبہ سے آغاز کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام کے دائرے میں داخل ہونے والا ہر شخص اسلام کے اجتماعی نظام کا حصہ بن جاتا ہے پھر اس پر ہر مسلمان کی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض ہوجاتے ہیں۔معاملاتِ زندگی دیکھیں تو بھی حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر معاملے میں خواہ وہ حالتِ جنگ ہو یا کہ امن اجتماعی عدل کے تحت کام کرتے نظر آتے ہیں۔

الغرض یہ کہنا بجا ہوگا کہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتماعیت کے داعی تھے اور عدلِ اجتماعی اس اجتماعیت کا خاصہ تھا۔

اب آج کے دور کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج ہمیں اجتماعی عدل کے اصولوں کو اپنانا ہوگا اور اپنے ذاتی، قومی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، اخلاقی، سیاسی، بین الاقوامی مسائل کو انتہائی پُر امن طریقے سے حل کرنے لئے کوئی لائحہ

Marfat.com

عمل تشکیل دینا ہوگا۔تا کہ ہم مسلمان بحیثیت ایک مضبوط قوم کے دنیا کے سامنے اپنا مثبت پہلو پیش کرسکیں۔اور آج جو ہمیں غیر قومیں غلط سمجھ رہی ہیں اُن کی سوچ بدل جائے اور پھر ہم سب مل جل کر پوری دنیا کے مسلمانوں کی بالخصوص اور ساری انسانیت کی بالعموم خدمت کرسکیں۔

اسلام ہی اخلاقِ عالم کا وہ پسندیدہ ترین دین ہے کہ جس نے عدل و انصاف کا معیار بلند رکھا ہے اور قرآن میں اس لئے بہت زیادہ تاکید فرما کر عدل و انصاف کی اہمیت اور زیادہ اجاگر کردی گئی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب یہی عدل اجتماعی طور پر پوری قوم بلکہ اقوام کے لئے قابلِ عمل ہو تو فرد سے لے کر معاشرے تک ہر کسی کے اخلاق، معاشرت، معاش، تعلیم، سیاست ہر گوشے کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس پر عدلِ اجتماعی کے مثبت اثرات نہ ہوتے ہوں۔اسی لئے اسلام اپنے ماننے والوں میں یہ صفت دیکھنا چاہتا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا	لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اے بنی آدم! آسمانی کتابوں کی روشنی میں اور مثالیں جو کہ انبیاء علیہ السلام نے حل کر کے تمہارے لئے باقی چھوڑی ہیں پھر ان لوگوں کے حل شدہ پرچوں کی مدد سے جنکے جوابات سوالوں کے عین مطابق ہیں اپنی عملی زندگی کو گذارو تا کہ جہنم میں جانے سے بچ سکو۔ اور جنت میں ہمیشہ کے لئے آرام پاؤ۔ قیامت کے روز اللہ پاک کو فرشتوں کے سامنے انسان کا انجام دیکھ کر پریشان نہ ہونا پڑے کیونکہ اللہ پاک نے فرشتوں کی شکایت انسانی کو رد کیا تھا اور وہ قیامت کے دن ضرور اللہ پاک کو دوبارہ یاد کرائیں گے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔خدا کرے تمام انسان محنت سے انجام کو سامنے رکھتے ہوئے زندگیاں پرہیزگاری سے گذاریں۔اور اللہ پاک ہمیں رسول پاک ﷺ کے طفیل ہم سب کے حال پر رحم فرمادے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما کر ہمیں اپنا بہترین بندہ اور حضور نبی پاک ﷺ کا بہترین امتی بنادے۔اے اللہ پاک! تو ساری دنیا میں جہاں جہاں امتِ محمدی ﷺ ہے انھیں ہدایت نصیب فرما اور ان کی حفاظت فرما اور انھیں خیر کے راستے پر چلا۔ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی اللہ پاک تو سب کو سیدھے راستے پر چلا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا۔آمین۔ ثم آمین۔

حوالہ جات

(۱): زاد المعاد ابن قیم جلد اوّل (۲): بخاری و مسلم و ابوداؤد (۳): تفہیم القرآن جلد اول، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ناشر، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ (۴): تفہیم القرآن جلد دوم، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ناشر، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ (۵): پیارے نبی ﷺ کے پیارے فیصلے، تحقیق و تالیف: منصور احمد بٹ، بلسم پبلی کیشنز، لاہور۔ (۶) اسلام ایک عالمگیر مذہب، مولانا حافظ محمد ندیم قاسمی، عمر پبلی کیشنز، لاہور (۶): نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمتِ عملی، مرتب: محمد یٰسین سروہی، مشتاق بک کارنر، لاہور۔ (۷) اسلام ایک عالمگیر مذہب، مصنفہ: مسز شمع حامد، ناشر تخلیقات، لاہور۔ (۸) اسلامی ریاست تصور اور حقائق، طاہر محمد خان، ناشر فکشن ہاؤس، لاہور۔ (۹) سیرۃ النبی ﷺ جلد اوّل، علامہ شبلی نعمانی (۱۰): سیرۃ النبی ﷺ جلد دوم، علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی (۱۱): سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۱۴۳۱ھ۔۲۰۱۰ء مقالاتِ سیرت، دعوت و تبلیغ کی حکمتِ عملی۔ تعلیماتِ نبوی

Marfat.com

(علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں، شعبہ تحقیق و مراجع، وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان۔اسلام آباد (۱۲): اسلامی نظریہ حیات، مؤلفہ خورشید احمد، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی (۱۳): پُر اثر لوگوں کی سات عادات، تصنیف سٹیفن آر۔کووے مترجم ڈاکٹر ظفر مرزا، ناشر: تخلیقات، لاہور (۱۴): اسلامی بیداری، تصنیف ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ترجمہ: سلمان ندوی، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور (۱۵): القرآن الکریم ترجمہ: حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ (۱۶): حکمتِ تبلیغ، (تفہیم القرآن اور دیگر نگارشاتِ سید ابو الاعلیٰ مودودی) مرتبہ سید اسعد گیلانی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور (۱۷): رسولِ اکرم ﷺ اور رواداری، مؤلف ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی (۱۸): تفسیر ابنِ کثیر، تالیف علامہ عماد الدین ابنِ کثیر مترجم مولانا محمد صاحب جونا گڑھی، ناشر مقبول بک سٹال، شیخوپورہ (۱۹): رہبرِ کامل ﷺ، مصنف مولانا عبدالمجید سوہدروی، ناشر مسلم پبلیکیشنز، گوجرانوالہ (۲۰): اسلام کی چار بنیادیں، مؤلف ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ، لاہور (۲۱): قرآن، جہاد اور آنحضور ﷺ کی جنگی حکمتیں، پروفیسر خالد پرویز، حق پبلیکیشنز، لاہور (۲۲): اسلام جدید دور میں، سلمان حسین خان، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور (۲۳): مقالات سیرت "دور حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ۔تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں، قومی سیرت کانفرنس، ۲۰۰۴، وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان۔(۲۴): رموز معرفت، صوفی بشیر احمد، ناشر صدیق سنز، کراچی (۲۵): حیاتِ محمد ﷺ، محمد حسین ہیکل مترجم، ابو یحییٰ امام خان، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور (۲۶): نورستان (قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی) مصنف حکیم محمد سعید، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، پاکستان (۲۷): دینِ اسلام کی کامیابی کے اسباب، مصنف ماسٹر شیر علی، آواز اشاعت گھر، لاہور (۲۸): نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بحیثیتِ سپہ سالار تالیف فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ، ناشر مکتبہ السلام، لاہور (۲۹): ابو حیان، البحر المحیط، ج ۲، ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۹ء (۳۰): اسماعیل حقی، روح البیان، ج ۲، ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱ء

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مس رعنا لیاقت- راولپنڈی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ ومن تمسک بشریعتہ الی یوم الدین. اما بعد

آج دنیا میں جس قدر بدامنی، ظلم زیادتی، جنگیں، فسادات اور دہشت گردی ہو رہی ہے۔ اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں نظام عدل اجتماعی کا قائم نہ ہونا ہے۔ اگر دنیا میں ایک صالح نظام عدل قائم ہوتا تو آج دنیا میں امن اور سکون ہوتا۔ جب حق دار کو اس کے حق سے محروم کر دیا جائے گا اور اس کے لیے عدل و انصاف کے تمام دروازے بھی بند کر دیے جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص اپنا حق دھونس وزبردستی سے خود چھین کر لے گا، جب ہر شخص ایسا کرنا شروع کر دے گا تو اس سے امن تباہ اور انارکی پھیلے گی۔ آج کل ہمارے ملک میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل و انصاف بھی ہے۔ یہ دراصل سچائی اور راستبازی ہی کی ایک شکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس عدل و انصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس قوم اور سماج میں عدل و انصاف نہ ہو وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا اور دنیا میں بھی اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ قرآن مجید، کتاب وسنت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو اور ''میزان'' سے مراد عدل و انصاف ہی کے قوانین ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو (قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں انبیاء ورسل کی آمد کا مقصد بیان فرمایا ہے۔ رسولوں کی اولین ذمہ داری لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نافذ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر زماں حضرت محمد ﷺ کو بھی دنیا میں نظام عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت العالمین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے نظام عدل انصاف کی بنیاد رکھی اور عدل اجتماعی کی ایسی مثال قائم کی جس کی دنیا میں اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسلامی تاریخ میں جس چیز نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی اور امت کو چار چاند لگائے وہ مسلمانوں کا عدالتی نظام تھا اسی نظام کی بدولت مسلمان قضاۃ نے عدل و انصاف کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ عقل دنگ رہ گئی۔ اس سلسلہ میں

Marfat.com

خلفائے راشدین کا دور تو خاص شہرت رکھتا ہے بعد کے ادوار میں قاضی شریح، قاضی ابویعلی، قاضی ابویوسف، قاضی ابن خلکان جیسے قدو قامت کے دیگر قاضوں نے بے لاگ اور جرات مندانہ عدالتی احکام جاری کر کے ملت اسلامی کے اندر عدلیہ کا زبردست نظام قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو بھی زمام امامت سونپی ہے اس کے پیچھے دو اصول کارفرما رہے ہیں، ایک یہ کہ وہ قوم علم ومعرفت میں دوسروں پر سبقت لے جائے دوسرے وہ عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنا لے۔ خود مسلمانوں کے اندر جب تک یہ دونوں باتیں رائج رہیں، سنت الٰہی مسلمانوں ہی کو دوسروں پر عزت و سرفرازی اور فوقیت دیتی رہی اور جب مسلم معاشرہ میں علم کی بجائے جہالت اور عدل کی جگہ ظلم کا دور دورہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے زمام قیادت چھین لی۔

عدل کے لغوی معنی:

عدل عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ (ع۔ د۔ ل) العدل کے لغوی معنی ہیں اونٹ کے دونوں طرف کو جو بوجھ لادا جاتا ہے اور جو ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک عدل کہلاتا ہے۔ لہذا اس کے بنیادی معنی ہیں برابر ہونا ہے۔ عدل کا مطلب عوض، بدلہ، معاوضہ، انصاف اور برابر کے ہیں۔ امام ابوبکر عزیزی سجتانی نے عدل کے معنی فدیہ کے بیان کیے ہیں۔

- ☆ **عدل:** اسم مذکر ہے، اس کے معنی ہیں۔ برابری، نصفت مساوات، نظیر، مانند، نیاو، انصاف، معدلت، داد، دادگستری۔
- ☆ **عدالت کرنا:** یہ فعل متعدی ہے اس کے معنی ہیں انصاف کرنا، حق رسی کرنا، نیاو کرنا، کچہری کرنا، اجلاس کرنا وغیرہ۔
- ☆ انگریزی زبان میں عدل کے معنی ہیں: To act justly, equitably, with fairness To proportion to adust properly as to relative magnitoed.

العداله والمعادلة کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہونا اور عدل وانصاف کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن عدل کا لفظ معنوی چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۷) جیسے احکام شرعیہ: چنانچہ اسی معنی میں فرمایا: ﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ "یا اس کے برابر روزے رکھنا"۔

عدل کی تعریف علمائے لسانیات نے یوں کی ہے وضع الشیء فی محله یعنی کسی چیز کو اپنے صحیح مقام ومحل پہ رکھنا۔ عدل ہی کے بل پہ یہ ارض سماء قائم ہیں اگر کوئی ایک سیارہ بھی اپنے مقام سے ایک انچ سرک جائے تو کروڑوں سیارے ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ اللہ نے آسمانوں کو اٹھا کر ان میں عدل وتوازن قائم کر دیا۔

عدل کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں عدل سے مراد بغیر کسی کمی بیشی کے ٹھیک ٹھیک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے کا نام "عدل" یا انصاف ہے۔ مفکرین اسلام کے نزدیک "عدل" کی تعریف ہے۔ امام راغب اصفہانی کا کہنا ہے کہ: "مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے، یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی سے ملنا چاہیے"۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے عدل کی یوں تعریف کی ہے: "عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب، ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو، دوسرے یہ کہ ہر ایک کو

Marfat.com

اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔'' امام غزالی کی نظر میں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ: ''کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھا جائے''۔

اجتماعی کے لغوی معنی:

اجتماعی، اجتماع سے ہے جس کا مادہ (ج۔م۔ع) اس کے معنی ہیں مجمع، بھیڑ، اکٹھا ہونا، سمٹنا، جمع ہونا، اجتماعات، اجتماعی: منسوب بہ اجتماع، پورے طور پر، مجموعی طور پر۔ اجتماع: نجومیوں کی اصطلاح میں سورج اور چاند کا ایک ہی وقت میں ایک ہی برج پر جمع ہونا۔ الجمع: اکٹھا کرنا، جمع کرنا متفرق چیزوں کو اکٹھا کر دینا، چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ملا دینا۔ نیز لوگوں کے گروہ کو بھی الجمع لشکر، مجتمع قبیلہ، الجامع۔ ہر وہ چیز جس کے اجزاء باہم ملے ہوئے اور مجتمع ہوں۔ مختلف قبائل کے لوگ جو ایک جگہ جمع ہو جائیں، نیز کسی چیز کی جڑ کے جمع ہونے کی جگہ۔ جمع الکف، بندھی ہوئی مٹھی۔ الجمعون: اس سے مراد ''سب لوگ'' تو اس سے لازم یہ مراد نہیں ہوگا کہ کوئی ایک شخص بھی باقی نہیں رہا، مقصد اکثریت ہوگا۔

عدل اجتماعی کی تعریف:

عدل اجتماعی سے مراد وہ عدل ہے جو تمام انسانوں کو بلاتفریق مذہب، رنگ و نسل کے حاصل ہو۔ ایسا بے لاگ عدل جس کے دائرہ قانون سے کوئی باہر نہ ہو، چاہے وہ خلیفہ وقت ہو یا کوئی غریب فقیر دونوں کو یکساں طور پر انصاف ملے۔ جہاں کسی کو کسی عہدے یا کسی منصب کی وجہ سے کوئی استثناء حاصل نہ ہو۔ مولانا مودودی نے عدل اجتماعی کی تعریف یوں کی ہے:

> ''عدالت اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ کہ ہے افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و تعدی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل رہے اور مختلف افراد و مجتماعات سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے''۔

مفکرین کی آراء میں ریاست کا سب سے بڑا مقصد اجتماعی عدل ہے اگر کوئی ریاست اجتماعی عدل کے قیام میں ناکام ہو تو وہ بیکار ہے۔ معاشرتی نقطہ نظر سے بھی ریاست کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اجتماعی عدل کو قائم کرے۔ اسلامی ریاست بھی اس اہم فریضہ پر توجہ دیتی ہے۔

> Social justice is jusice exercised within a socity, particularly as its execesed by and among the various social classes of that society.

عدل کی اہمیت ازروئے قرآن:

ا۔ عدل ہی تقویٰ ہے:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے عدل کی اہمیت وفضیلت ان الفاظ میں بیان کی ہے: اللہ تعالیٰ نے عدل کی اہمیت و فضیلت بیان کرتے ہوئے عدل کو تقویٰ کا لازمی جز قرار دیا ہے اور فرمایا: ﴿اِعْدِلُوْا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔

Marfat.com

عدل، تقویٰ سے قریب ہے۔ یعنی تقویٰ جو تمام دین و شریعت کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کے لیے کسوٹی ہے اس سے موافقت رکھنے والا طرزِ عمل یہی ہے کہ دشمن کی دشمنی کے باوجود اس کے ساتھ کوئی معاملہ عدل وحق سے ہٹ کر نہ کیا جائے۔ اس سے دین میں تقویٰ کا مقام واضح ہوا کہ تمام نیکیاں درحقیقت اسی کی جڑ سے ہیں۔

۲- عدل کی تاکید:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار عدل کی تاکید فرمائی ہے فیصلوں میں عدل کا خاص خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو یہ کہ عدل کے ساتھ کرو''۔

شریعت اسلامیہ میں جن امور کا بہت زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے ان میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی ہے۔ عدل و انصاف کرنے والوں کو بلند مراتب کی خوشخبری دی گئی ہے اور ظالمانہ فیصلے کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑی وعیدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلوں کے قوانین اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بھیجے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرنے ہی سے انصاف ہوگا، نیز اللہ کے قانون میں جس کی جو چیز ہو اور جس کا جو حق ہو وہ حق اور وہ چیز مستحق کو دلانے سے انصاف قائم ہوگا۔

۳- خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کرتے وقت نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ ''پس خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو''۔ ایسا انصاف جس سے روئے زمین سے ہر بغی اور ظلم ختم ہو جائے اور ہر حق دار کو اس کا حق مل جائے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، رشتہ دار ہو یا کوئی بعید شخص، دوست ہو یا دشمن، غنی ہو یا فقیر اور عدل بھی محض اللہ کے لیے ہ اور کسی فرد یا جماعت یا قوم کے مفاد کے لیے نہ ہو اور ہر میلان اور ہر ہوائے نفس اور ہر مصلحت سے پاک ہو۔ اس قدر منزہ اور پاکیزہ عدل ہو کہ اگر انصاف کی زد تمہارے اپنے والدین اور اولاد پر پڑتی ہو، تب بھی عدل ہو۔

۴- حق و انصاف کا ساتھ دینا:

عدل کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ ہمیشہ حق و انصاف کی بات کی جائے، چاہے وہ آپس کے معاملات ہوں یا کسی مقدمہ میں گواہی دینی ہو ہمیشہ حق اور انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ ''اور جب بات کہو انصاف کی کہو''۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہر قسم کی بات کو شامل ہے خواہ وہ بات کسی معاملہ کی گواہی ہو یا حاکم کی طرف سے فیصلہ یا آپس میں مختلف قسم کی گفتگو ان سب میں ارشاد قرآنی یہ ہے کہ ہر جگہ ہر حال میں بات کرتے ہوئے حق و انصاف کا خیال رہنا چاہیے، کسی مقدمہ کی گواہی یا فیصلہ میں حق و انصاف قائم رکھنے کی معنی ظاہر ہیں کہ گواہ کو جو بات یقینی طور معلوم ہو صاف صاف کہہ دے۔

۵- عدل و احسان کی تلقین:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و احسان کی تلقین کرتے ہیں۔ احسان سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ .

Marfat.com

رویہ، رواداری، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا، یہ انصاف سے ایک زائد چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے زیادہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ ”بے شک اللہ عدل، احسان اور قرابت والوں کو دینے کا حکم دیتا ہے“۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور سلوک و احسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ عدل تو فرض، احسان نفل اور کلمہ توحید کی شہادت بھی عدل ہے، ظاہر باطن کی پاکیزگی بھی عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ باطن کی صفائی سے بھی زیادہ ہو۔ رشتے داروں، مسکینوں، مسافروں کو ان کا حق دو اور بے جا خرچ نہ کرو۔

۶۔ نبوت کا مقصد عدل اجتماعی:

نبوت و رسالت کا مقصد جو قرآن میں بیان ہوا ہے وہ عدل اجتماعی کا قائم کرنا ہے، انبیاء کو جو اولین کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ ”اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں“۔

مطلب یہ ہے کہ میں ان ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں میرا کام یہ نہیں ہے کہ کسی گروہ کے حق میں اور کسی کے خلاف تعصب برتوں۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے اور وہ ہے سراسر عدل و انصاف کا تعلق، جس کسی کی جو بات حق ہے میں اس کا ساتھی ہوں خواہ وہ غیروں کا غیر ہی کیوں نہ ہو اور جس کی جو بات حق کے خلاف ہے میں اس کا مخالف ہوں خواہ وہ میرا قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

عدل اجتماعی کی اہمیت تعلیمات نبوی کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے اپنی پاکیزہ تعلیمات اور روشن اسوہ حسنہ سے دنیا کو منور فرما دیا۔ قیامت تک آنے والی انسانیت آپ کی سدا بہار تعلیمات کو مشعل راہ بناتی رہے گی۔ اس لیے کہ آپؐ نے حق و باطل، حلال و حرام واضح کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے تمام شعبہ زندگی میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے دنیا سے ظلم کے خاتمے کے لیے ایک ایسا نظام عدل قائم فرمایا جس کی اس سے پہلے دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے عدل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

حضور ﷺ کی عدل کے بارے میں تاکید:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی اونچے درجے کا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے قسم ہے اللہ کی! اگر (فاطمہؓ) محمد ﷺ کی بیٹی بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں“۔

عادل شخص اللہ کے سایہ رحمت میں ہوگا:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”سات حضرات ایسے ہیں کہ (آخرت میں) اللہ انہیں اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ جس روز کہ اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک امام عادل ہے“۔

Marfat.com

عادل حکمران اللہ کا محبوب ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ نفرت اور سب سے دور بیٹھنے والا ظالم حکمران ہوگا۔ اس باب میں ابن ابی اوفی سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابو سعید کی حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف اس سند سے جانتے ہیں''۔

امام کے مسلمانوں کے لیے ڈھال ہے:

''حضرت ابو ہریرہ النبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا امام ڈھال ہے اس کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے امام دی جاتی ہے پس اگر اللہ کے تقویٰ کا حکم کرے اور عدل و انصاف کرے اور اس کی وجہ سے اس کے لیے ثواب ہوگا اور اگر وہ اس کے علاوہ (برائی) کا حکم کرے تو یہ اس پر وبال ہوگا''۔

عدل اجتماعی بنیادی کے اصول

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے عدل اجتماعی بنیادی کے مندرجہ ذیل اصول بیان کیے ہیں:

۱- مساوات:

مساوات عدل کا لازمی اور بنیادی جز ہے اس کے بغیر عدل کا قیام ممکن نہیں۔ مساوات کے تحت دو چیزوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ تمام انسان بحیثیت انسان اور بحیثیت فرد معاشرہ آپس میں برابر ہیں اور دوسرے یہ کہ سلوک میں بھی مساوات ہونی چاہیے کسی سے کوئی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ عدل اور نصاف عدل کی حقیقی بنیاد یہی ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''وہی ہے کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا''۔ ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

۲- حق کے مطابق دینا:

عدل کے متعلق دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ حق دار کو اس کے حق کے مطابق دیا جائے۔ اگر کسی کا حق زیادہ بنتا ہے تو اسے کم یا دوسرے کے برابر دیا جائے تو یہ عدل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی کا حق بنتا ہو اور اسے زیادہ یا دوسروں کے برابر دے دیا جائے تو اسے بھی عدل نہیں کہا جائے گا۔ نیز یہ کہ ظالم کو اس کے ظلم کے مطابق سزا دی جائے۔ اگر ظالم کا ظلم زیادہ ہے اور اسے سزا کم ملتی ہے تو یہ عدل نہیں ہے اور اگر ظالم کا ظلم کم ہے اور اسے سزا زیادہ دی جاتی ہے تو یہ بھی عدل نہ ہوگا۔ ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ ''ہماری مخلوق میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت اور عدل کرتا ہے''۔ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''۔

۳- دشمنی سے اجتناب:

عدل اجتماعی کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ انصاف کرتے وقت کسی قسم کی دشمنی اور عداوت فیصلوں پر اثر انداز نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''اور کسی گروہ کی

Marfat.com

دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے"۔

۴- اقربا پروری سے اجتناب:

جس طرح یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ دشمنی عدل کے آڑے نہ آئے، اسی طرح یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ اقربا سے محبت بھی انصاف کی راہ میں حائل نہ ہو۔ ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ "اور جب بات کہو انصاف کی کہو اگرچہ رشتہ داری (کا معاملہ) ہی کیوں نہ ہو"۔

منصب قضاء کی اہمیت احادیث نبوی کی روشنی میں

نبی پاک ﷺ عدل اور انصاف کے حصول میں قاضی کے منصب کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ قاضی کو عدل اور انصاف کرتے ہوئے کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے آپ ﷺ نے ان کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱- منصب قضاء کی اہمیت و نزاکت:

(عن ابن بریدة قال النبی ﷺ قال القضاة ثلاثة واحد فی الجنة واثنان فی النار فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار و رجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار)

ابوبریدۃ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم جنت میں جائیگی اور دو قسمیں جہنم میں جائیں گی۔ پس جو جنت میں جائے گی وہ قاضی جنہوں نے حق کو پہچانا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا اور وہ قاضی جو حق کو پہچاننے کے باوجود فیصلہ میں ظلم کرے وہ جہنم میں جائے گا اور وہ قاضی جس نے لوگوں کے لیے جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

(عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین)

"عبدالرحمٰن بن سمرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امارت کی طلب نہ کرو کیونکہ اگر تجھے تیرے سوال کے بعد یہ عطا کر دی گئی تو تم اس کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور اگر یہ تجھے مانگے بغیر عطا کی گئی تو اللہ کی طرف تمہاری مدد کی جائے گی"۔

۳- غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت:

(عن عبدالرحمن بن ابی بکرة قال: قال کتب ابوبکرة الی ابنه، وکان بسجستان: ان لا تقض بین اثنین وانت غضبان فانی سمعت النبی رسول الله ﷺ: لایتقض حکم بین اثنین وهو غضبان)

"حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ حضرت قاضی ابوبکرہ نے اپنے صاحبزادے کو جو بجستان میں (قاضی) تھے لکھا "تم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا تھا کوئی بھی دو آدمیوں کے درمیان غصہ

Marfat.com

میں فیصلہ نہ کرے"۔

۴۔ظلم اور رشوت سے شدید ممانعت:

(عن عبداللہ بن أبی أوفی قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ مع القاضی مالم یجر فاذا جار وکلہ الی نفسہ)

"عبداللہ بن اَبی اَوفیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک قاضی ظلم نہ کرے اللہ اس کو ساتھ ہوتے اور جب ظلم کر بیٹھے تو اللہ اسے اس کے نفس کے حوالہ کر دیتے ہیں"۔

(عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی)

"حضرت عبداللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر"۔

خلاصہ بحث:

اسلام نے عدل کو بنیادی اہمیت دی ہے کیونکہ اس کے بغیر ایک صالح معاشرے کا قیام عمل میں نہیں آ سکتا۔ علاوہ ازیں کسی بھی معاشرے میں خوشحالی، امن اور ارتقاء کے مراحل اسی وقت طے نہیں ہو سکتے ہیں جب وہاں عدل موجود ہو۔ بصورت دیگر معاشرہ میں بسنے والے افراد خوف و ہراس اور بے راہ روی کا شکار ہو کر سوسائٹی کے قیام کے اصل مطالب سے ہٹ جائیں گے۔

ریاست یا فرد کی حفاظت ایک لازمی امر ہے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب عدل کے ذریعے حق دار کو حق دلایا جائے اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے یہ کسی قانون کے تحت ہی ہوسکتا ہے اور اسلام اس قانون کو عدل کا نام دیتا ہے۔ جہاں مخلوق کے درمیان برابری کی بنیاد پر حقوق اور فرائض کی تقسیم کی جاتی ہے ایک فرد یا گروہ دوسرے فرد یا گروہ کو زک یا تکلیف نہ پہنچائے اور اگر ایسا ہو جائے تو ایک عادل (یا عدالت) غلط اور صحیح کا فیصلہ کر کے معاملے کو احسن طریقے پر نمٹائے عدل کے تحت خون کا بدلہ خون اور عضو کا بدلہ عضو ہے یعنی ایک شخص دوسرے کو جتنی تکلیف یا نقصان پہنچاتا ہے، اسلامی نگاہ میں مظلوم کو یہ حق ہے کہ وہ ظالم کو اتنی ہی تکلیف یا نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس میں کسی رعایت اور لچک کی گنجائش نہیں ہے البتہ اگر مظلوم ظالم کو معاف کر دے تو یہ احسان ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے ہمارے لیے ایسا نظام عدل اجتماعی قائم کر دیا ہے جس کے ذریعے عدل انصاف کا حصول آسان اور ممکن ہوسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی پیروی کریں اور نظام عدل اجتماعی کے سنہری اصولوں پر عمل کر کے ایک صالح معاشرہ قائم کرسکیں۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر فائزہ احسان صدیقی - کراچی

ان گنت صلوٰۃ وسلام ہو حضرت محمد ﷺ پر جو عدل کی صفتِ عالیہ میں سب سے افضل و اعلیٰ ہستی ہیں۔

عدل کا مفہوم:

عدل کے لغوی معنی درج ذیل ہیں۔ سیدھا کرنا، توازن قائم کرنا یا رکھنا، افراط وتفریط سے بچنا، اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی داد رسی اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم منصفانہ اور متوازن کے ہیں۔ (دائرہ المعارف اسلامیہ ص ۴، ج ۱۳) حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں عدل کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ''کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل پر رکھنا، اس کی ضد ظلم ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو''۔ عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے اس کا تصور دو مختلف حیثیتوں سے مرکب ہے۔

اولاً: لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن وتناسب قائم ہو۔

ثانیاً: ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ سید قطب شہیدؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ ''وہ جس عدل کو اسلام جانتا ہے وہ بے لاگ عدل و انصاف ہے جو نہ تو محبت سے متاثر ہوتا ہے نہ مال و جاہ سے دبتا ہے اور نہ حکام سے'' (امن عالم اور اسلام ص ۱۶۱، لاہور ۱۹۷۴)۔

انسانی زندگی کے ہر شعبے کا پہلا اور اہم تعلق عدل و انصاف سے ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس سے نظام حیات میں توانائی اور طاقت کے ساتھ ساتھ امن وسکون میسر آتا ہے۔ شریعت خداوندی کا تمام دارومدار عدل و انصاف پر زور دیتا ہے یوں سمجھیں کہ عدل و انصاف شریعت کی روح ہے۔

اسلام کے پورے نظام کی اساس و بنیاد عدل و انصاف پر ہے۔ عدل اللہ کی صفت ہے اور اسمائے الٰہیہ میں ''المقسط'' اور ''العدل'' بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات عالیہ کا حسن اور اسمائے صفات کی تمام تجلیات ذات محمدی ﷺ میں جلوہ نما ہیں۔ اسلام سیاست و معاشرت اور معیشت بلکہ زندگی کے ہر ایک پہلو میں عدل و انصاف ایک اہم اور اساسی اصول ہے لہٰذا قرآن کریم میں اس اصول کا ذکر لفظ ''عدل'' کے ساتھ سترہ (۱۷) آیات میں ہوا ہے اور لفظ ''قسط'' بمعنی انصاف کے تئیس (۲۳) آیات میں ذکر ہوا ہے۔

وہ آیات جن میں عدل کا حکم دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

Marfat.com

سورۃ	نمبر آیت	سورۃ	نمبر آیت	سورۃ	نمبر آیت	سورۃ	نمبر آیت
البقرہ	۲۸۲	النساء	۱۳۵	المائدہ	۱۰۶	النحل	۷۶
البقرہ	۲۸۲	المائدہ	۸	الانعام	۱۵۲	النحل	۹۰
النساء	۳	المائدہ	۸	الاعراف	۱۵۹	الشوریٰ	۱۵
النساء	۵۸	المائدہ	۹۵	الاعراف	۱۸۱	الحجرات	۹
الطلاق	۲						

وہ آیات جن میں قسط بمعنی انصاف کا حکم دیا گیا۔

سورۃ	نمبر آیت	سورۃ	نمبر آیت	سورۃ	نمبر آیت	سورۃ	نمبر آیت
البقرہ	۲۸۲	المائدہ	۸	یونس	۴۷	الحجرات	۹
آل عمران	۱۸	المائدہ	۴۲	یونس	۵۴	الرحمٰن	۹
آل عمران	۲۱	المائدہ	۴۲	ھود	۸۵	الحدید	۲۵
النساء	۳	الانعام	۱۵۲	انبیاء	۴۷	الممتحنہ	۸
النساء	۱۲۷	الاعراف	۲۹	الاحزاب	۵	الممتحنہ	۸
النساء	۱۳۵	یونس	۴	الحجرات	۹		

عدل و انصاف سے متعلق چند آیات بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (الشوریٰ ۱۵) ''اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ انصاف کروں تمہارے درمیان''

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء ۵۸) ''اور جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ:۸) ''اور کسی قوم کے ساتھ دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو عدل کرو یہی عدل بہت زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے''۔

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ (الاعراف ۲۹) ''اور کہہ دو کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔'' سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت و کردار اور اخلاق بلاشبہ قرآن کی عملی تفسیر ہے۔

عدل اور قسط کا مفہوم:

ماہرین لغت نے عدل کے معنی ''القضاء بالحق'' یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور ''قسط'' کے معنی ''النصیب'' ہیں۔ یعنی حصہ اور حق دونوں کا حاصل مراد ہے۔ ''حقدار کو اس کا حق دلانا اور دینا'' عدل کا تقاضا، مساوات اور برابری نہیں ہے بلکہ اس کا

Marfat.com

تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ بغیر کسی افراط وتفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور متوازن ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔ اس کے برخلاف کسی شے کو اس کے اصل مقام کے علاوہ دوسرے مقام پر رکھنا ظلم کہلاتا ہے۔

یعنی کسی حقدار کی حق تلفی کرنا کسی شخص کا حق روک لینا اور دبا لینا بھی ظلم ہے اور اس کا حق دوسرے شخص کو دے دینا بھی ظلم ہے اور حق کی ادائیگی میں کمی کرنا یا تاخیر کرنا بھی ظلم ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ''لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو'' (المائدہ ۴۸)۔

۲- حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ ''لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو'' (سورہ ص ۲۶)

۳- امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ ''انصاف قائم کرو اور اس پر قائم رہو'' (النساء ۱۳۵)

یہ آیتیں اور عدل وقسط کے مطابق پہلے ذکر کردہ چالیس آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ عدل کا قیام فرض ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عدل گستری:

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''عہد نبوی کی عدل گستری کی اہمیت اور اس زمانے کی اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عدل گستری کا کیا نظام تھا۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ عہد نبوی میں کیا انقلاب آیا۔ کیا کایا پلٹ ہوگئی اور اس کی کتنی بڑی اور کتنی زیادہ اہمیت ہے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں کوئی حکمران، کوئی حکومت نہ تھی۔ کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ لہذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لیے کسی کے پاس جا کر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا، کوئی مظلوم کیا کرے؟ ''دست خود بدہان خود'' ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لے گا''۔

طائف کے قریب عکاظ میں ایک میلہ لگا کرتا تھا، جس میں بیرون ممالک سے بھی لوگ آیا کرتے تھے۔ اس میلے کے لیے ایسے حاکم مقرر کیے جاتے تھے کہ دو تین دن کے لیے عارضی طور پر ان کی حیثیت منصف کی ہوتی۔ میلے میں جتنے تجارتی جھگڑے پیش آتے ان کی طرف رجوع کیے جاتے اور وہ فیصلہ دیتے تھے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عرب میں اس اندھیر نگری کے اندر بھی کہیں کہیں کچھ روشنی کی مثالیں ملتی ہیں۔ جہاں تک مکے کا تعلق ہے ہمیں وہاں کے باشندوں کے جھگڑوں کو چکانے کے لیے تین چیزیں نظر آتی ہیں۔ ایک دیوانی عدالت جس کے حاکم عدالت خود ابوبکرؓ تھے۔ دوسری فوجداری عدالت، ان دونوں کے علاوہ ایک اور ادارہ وہاں پایا جاتا تھا جسے حلف الفضول کا نام دیا گیا ہے۔

حمایت مظلوم کے مقصد سے کچھ لوگوں نے ایک معاہدہ کیا تھا کہ ظالموں کا ہاتھ روکیں اور مکہ میں آنے جانے والوں کو ان ظالموں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھیں۔ معاہدہ کرنے والے تین اشخاص کے ناموں میں ''فضل'' کا لفظ آتا تھا اس لیے اس معاہدے کا نام ''حلف الفضول'' پڑ گیا۔ اس معاہدے کی بازگشت مکہ میں دوبارہ اس وقت سنائی دی جب حضور ﷺ کی عمر بیس برس تھی۔

Marfat.com

حلف الفضول:

مکہ والوں نے اس زمانے میں یہ محسوس کیا تھا کہ ہمارے شہر میں بعض اوقات اجنبیوں پر بے وجہ ظلم ہوتا ہے جس سے شہر بھر کی بدنامی ہوتی ہے۔ ان حالات میں انہوں نے آپس میں جمع ہو کر معاہدہ کیا کہ ''ہم میں سے کم از کم چند لوگوں کو چاہیے کہ رضا کارانہ طور پر اس بات کا اقرار کریں کہ جب ہمارے شہر کے اندر کسی اہل مکہ یا کسی اجنبی پر اگر کوئی ظلم ہو تو ہم مظلوم کی مدد کریں گے اور اس وقت تک چین نہیں لیں گے کہ جب تک اسے انصاف نہیں دلایا جائے۔''

ظلم کے ایک واقعے کے نتیجے میں قریشی سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر پر لوگ جمع ہوئے اور سوچ بچار کے بعد حلف الفضول کی طرز پر ایک نیا معاہدہ کیا۔ اس کے مقاصد یہ تھے کہ ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔ بے آسرا لوگوں کی معاونت کریں گے زبردست کو کمزور پر ظلم کرنے سے روکیں گے اور مکہ میں مقامی اور غیر مقامی کے درمیان امتیاز کیے بغیر ہر مظلوم کی نصرت و حمایت کریں گے۔ حضور ﷺ عین شباب میں اس معاہدے میں شریک ہوئے لیکن بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''عبداللہ بن جدعان کے گھر جو معاہدہ ہوا وہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اگر آج بھی مجھے کسی ایسے معاہدے میں شرکت کی دعوت دی جائے تو میں اس کو فوراً قبول کرلوں گا۔

نفسِ پاک عدل پر قائم تھا:

حلف الفضول کے معاہدے میں شرکت پر آپ ﷺ کی مسرت وطمانیت نیز درج ذیل واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا نفسِ پاک عدل پر قائم تھا۔ بی بی حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں کہ ''جب میں نے رسول اکرم ﷺ کو رضاعت کے لیے گود میں اٹھا لیا اور اپنی داہنی چھاتی منہ میں دے دی اور دودھ پلانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد رخ انور ﷺ بدلنا چاہا تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ جب تک آپ ﷺ میرے پاس رہے اسی طرح دودھ پیتے رہے دوسرے حصے کو منہ تک نہ لگایا''

اس لیے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے شیر خواری کے زمانے میں یہ عرفان دے دیا تھا کہ کوئی اور بھی دودھ میں آپ ﷺ کا شریک ہے اور شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عدل پر قائم فرمایا تھا۔

قبل اسلام عدل کے مختلف معیارات:

عدل و انصاف کے بارے میں اسلام سے پہلے کے معاشروں میں مختلف طبقات کے لیے مختلف معیار تھے فراعین مصر کے زمانے میں مصریوں اور بنی اسرائیل اور سلطنت روما کے ایام میں رومن شہریوں، آزاد لوگوں، غلاموں اور غیر ملکی لوگوں کے لیے انصاف کے مختلف پیمانے رائج تھے۔ مالکوں کو اپنے غلاموں پر موت اور زندگی کے اختیارات بھی حاصل تھے۔ ایک ہی جرم کے لیے امراء و غرباء کے لیے دو مختلف سزائیں رائج تھیں۔ مگر حضور پاک ﷺ کے مقررہ فرمودہ پیمانہ انصاف کا سب پر یکساں اطلاق ہوتا تھا اور جس کے نفاذ میں مرد و عورت، امیر و غریب، آقا و غلام میں کسی قسم کی تفریق نہ تھی۔ ایک بااثر عورت نے چوری کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا اس کے قبیلے والوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے سفارش پہنچائی یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا فرمایا ''اسامہ! تم حدود اللہ کے خلاف سفارش کرتے ہو'' حضرت اسامہؓ لرز اٹھے اور استغفار کی درخواست کی۔ شام کے وقت رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا ''تم سے پہلے

Marfat.com

امتیں اس لیے تباہ ہوگئیں کہ امیر اور مالدار جرائم کی سزا سے بچ جاتا تھا اور ضعیف و نادار کو سزا ملتی تھی، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر میری بیٹی فاطمہ سے بھی یہ جرم سرزد ہوتا تو اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا''۔ (صحیح بخاری، جلد دوم ص ۶۳۷، حدیث ۱۴۴۰) آپ ﷺ کے اوصاف آج بھی ہر منصف کے لیے رشد و ہدایت کا منبع اور روشن چراغ ہیں۔

اجتماعی عدل:

اجتماعی عدل سے مراد وہ عدل ہے جو زندگی کے مختلف شعبوں میں مجموعی طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ وہ فکر و عمل، ضمیر وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ (اسلام میں عدل اجتماعی- سید قطب شہید ص ۹۷ لاہور ۱۹۶۹ء) انسان کی اصل زندگی اجتماعی زندگی ہے اور ہر فرد کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کے سنوارنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کر دے۔

عائلی عدل:

عدل اجتماعی کی ابتداء عائلی زندگی سے ہوتی ہے۔ وہ گھر جنت کا نمونہ ہوتا ہے جس میں خاوند، بیوی اور والدین و اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل سے ادا کرتے ہیں۔ اگر کسی فرد کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل ایک ضروری امر ہے۔ بصورت دیگر خاندانی انتشار ایک ناگزیر نتیجہ ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا نصف بدن خمیدہ ہوگا''۔

یہاں عدل سے مراد نان نفقہ میں، حسن سلوک میں اور کفالت میں عدل کی سب اطراف سے مالی، جسمانی اور نفسیاتی عدل کے سلوک کو ملحوظ رکھا جائے۔ شوہر بیوی کے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آئے اور شریک حیات کی حیثیت سے عادلانہ سلوک کرے تو اولاد بھی ماں کا احترام کرتی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری بھی اور بالکل اسی طرح اگر بیوی شوہر کے ساتھ مطلوبہ احترام اور اطاعت کے ساتھ پیش آتی ہے تو اولاد باپ کی فرمانبرداری و تابعداری کرے گی۔

معاشرتی عدل:

معاشرہ کی بنیادی اکائی ایک گھرانہ یا کنبہ ہوتا ہے۔ معاشرتی عدل بے حد عملی اہمیت کا حامل ہے۔

۱- والدین کی جانب سے تمام اولاد کے درمیان یکساں اور عادلانہ سلوک ہو۔ صحیح مسلم کے حوالے سے ایک واقعہ اس ضمن میں نظر سے گزرا ہے کہ

> حضرت نعمان بن بشیرؓ کے والد صاحب حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنے بیٹے کو ایک سفید عربی گھوڑا دینا چاہتا ہوں اور آپ کو اس پر گواہ بناتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے کتنے بیٹے ہیں عرض کیا کہ چار بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے سب بیٹوں کو ایسا گھوڑا ہدیہ کر رہے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم ایک ظلم کی بات پر مجھے گواہ مت بناؤ''۔

Marfat.com

۲- والدین اپنی زندگی میں اور وراثت کی تقسیم میں شرعی قانون میراث کے مطابق وراثت تقسیم کریں۔ کسی اولاد کو خصوصیت سے نوازنا اور کسی اولاد کی اولاد میں سے کسی پوتے یا پوتی کو خصوصاً اپنی میراث دے دینا خلاف عدل ہے۔

۳- اکثر خواتین دادی یا نانی کی حیثیت سے زیورات اور سونے چاندی کی تقسیم میں عدل سے پہلوتہی کی مرتکب ہوتی ہیں۔

۴- ہم پلہ رشتوں میں حسن سلوک کی یکسانیت کا برتاؤ اکثر اوقات نہیں روا رکھا جاتا۔

۵- ننھیال، ددھیال، میکہ، سسرال کے ہم پلہ رشتوں میں اکثر عدل سے سلوک نہیں کیا جاتا۔

۶- مہمانوں کی تواضع اور عزت افزائی میں عدل نہیں برتا جاتا۔

۷- صاحب حیثیت رشتہ دار اور غریب و نادار رشتہ داروں کے ساتھ عدل سے پیش آنے میں اکثر کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔

۸- ہمسائیوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی عدل برتنا بے حد ضروری ہے۔

۹- ہر بڑے کا احترام اور ہر چھوٹے سے شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ اس لیے کہ نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جو اپنے بڑوں کا احترام نہ کرے اور جو اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش نہ آئے وہ ہم میں سے نہیں''۔

۱۰- بیماروں کی عیادت اور مرحومین کی تعزیت و دعائے مغفرت کرنا ضروری ہے۔

۱۱- ماتحتوں، زیردستوں اور ملازمین سے عادلانہ سلوک کیا جائے بلکہ احسان کا سلوک کیا جائے۔

۱۲- لاولد خواتین عموماً اپنے شوہروں کے مال و جائیداد اور ملکیت کی تقسیم عدل کے مطابق نہیں ہونے دیتیں۔ وہ سب کچھ اپنے نام کروالیتی ہیں اور اس طرح اپنے شوہر کی اور اپنی عاقبت خلاف عدل رویئے سے بگاڑتی ہیں۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کے معاشرے میں معاشرتی عدل کا عموماً فقدان دیکھنے میں آتا ہے۔

۱۳- وصیت لکھنے یا وصیت کی دستاویز تحریر کرنے کا تاکیدی حکم ہے لیکن دین کی تعلیمات نہ ہونے کے باعث ہم آج کے دور کے مسلمان وصیت نامہ تیار کرنے میں نااہل ہیں لہٰذا عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص جو اپنے کے پیچھے کچھ ملکیت یا مال و منال کا ورثہ چھوڑنے والا ہو وہ وصیت نامہ بہ قائمی ہوش و حواس تحریر کرے۔

کاروباری عدل:

معاشرتی زندگی میں بھی عدل نہایت اہم ہے۔ باہمی تعلقات، لین دین، ناپ تول اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو معاشرے میں اخلاقی پستی رونما ہوتی ہے۔ اگر صحیح ناپ تول اور حسابات درست نہ ہوں تو تجارت و کاروبار تباہ ہو جائے۔ آجر و مزدور کے باہمی تعلقات، کاروباری قوانین، مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق، سماجی تحفظ کے قوانین اور فنڈز سب اس میں شامل ہیں۔ عدل کی اصطلاح جس میں معاشرتی اور معاشی عدل کا پہلو بھی شامل ہے۔

اسلام ایک ایسے معاشی نظام کے قیام کا علمبردار ہے جس میں ہر انسان کی معاشی ضروریات پوری ہوسکیں۔ معاشرے کے کسی طبقے، مزدور، کسان، آجر، صنعت کار، سرمایہ کار، کسی بھی طبقے کے حقوق پامال نہ ہوں۔ انسان کی بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں۔ اسلامی تعلیمات معاشی برائیوں کے ارتکاب سے روکتی ہیں۔ اسلام حصول معاش کے ضمن میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی پابندی عائد کرتا ہے۔ اسلام زائد از معیار منافع کمانے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اسلام کے نزدیک نجی

Marfat.com

ذرائع آمدنی ایک امانت کا درجہ رکھتے ہیں۔ باری تعالیٰ کا حکم ہے۔ ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ ترجمہ: ''اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والوں کا اور محروموں کا حق ہے''۔ (الذاریات آیت ۱۹)

نظام زکوٰۃ دولت کے ارتکاز کی حوصلہ شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ معاشی عدل کے حصول کے لیے اسلام نے معاشی نظام دیا ہے۔ اسلام اہل ثروت افراد پر بے سہارا افراد کی کفالت، یتیموں کے معاملات میں انصاف برتنے، بیواؤں کی سرپرستی کا حکم دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے ''حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو'' (ابوداؤد، ترمذی) ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ ترجمہ: ''اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو'' (سورۃ النساء: آیت ۵۸)

اسلامی ریاست کی تمام رعایا کو آئینی اور قانونی مساوات حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت میں صرف عدل بین المسلمین کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ عدل بین الناس کا حکم دیا گیا ہے۔ قانون کے نفاذ اور بے لاگ انصاف کے قیام میں نسل، رنگ، وطن اور زبان اور مذہب و مسلک کا فرق جائز نہیں۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں کی جان و مال اور آبرو اسی طرح محترم ہے جس طرح مسلمان کی جان و مال اور آبرو محترم ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدل کا قیام اسلامی ریاست کے بغیر ممکن نہیں۔

عادل حکمران کی فضیلت:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا اس روز جب اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں اولین عادل حکمران ہیں''۔

سنن، سید بن منصور کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سائے سے مراد عرش کا سایہ ہے۔ لیکن قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مراد کرامت و شرافت کا مخصوص درجہ ہے یعنی رحمت خاص کا سایہ مراد ہے۔ امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کا قول نقل کیا ہے۔

> ''امام عادل سے مراد وہ ذمہ داران حکومت ہیں اور سربراہان ریاست ہیں جن کے سپرد کیے گئے ہوں مسلمانوں کی مصالح اور بہبود کے کام۔ پہلے نمبر پر عادل حکمران کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کے فوائد اور مصالح دوسرے چھ (۶) قسم کے لوگوں سے زیادہ ہیں۔ امام عادل سے مراد سربراہ ریاست ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ کام کرتا ہو''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''کہ انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے ممبروں پر خدائے مہربان کے دائیں ہاتھ پر بٹھائے جائیں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت کے معاملات میں انصاف کرتے ہوں۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی انصاف کرتے ہوں اور جو ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی گئی ہو اس میں بھی انصاف کرتے ہوں''۔

> ''قیامت کے روز اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور سب سے

Marfat.com

زیادہ مبغوض اور اللہ سے دور ظالم حکمران ہوگا''۔

''قیامت کے دن اللہ کے دربار میں بہترین مرتبے والا عادل حکمران ہوگا جو نرمی کرنے والا ہو اور بدترین شخص قیامت کے دن ظالم حکمران ہوگا جو لوگوں پر سختی کرتا ہو''۔

''عادل حکمران کا ایک دن ساٹھ (۶۰) برس کی نفلی عبادت سے بہتر ہے اور ایک شرعی سزا جو حق و انصاف کے ساتھ زمین میں قائم کی جاتی ہے چالیس روز کی بارش سے زیادہ برکت لاتی ہے''۔

''تین طرح کے افراد کی دعا رد نہیں کی جاتی، روزہ دار، عادل حکمران اور مظلوم کی''۔

ان احادیث میں عدل و انصاف کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت بالعدل ایک قسم کی عبادت ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

اپنے ہر مسلمان بہن اور بھائی کے لیے یہ تو عدل اجتماعی کی انتہائی اعلیٰ و ارفع سطح ہے۔ حدیث مبارکہ ﷺ میں ایک دعا سکھائی گئی ہے کہ ''اے اللہ! نہ مجھے ظالموں میں کر اور نہ مظلوموں میں سے''۔ ﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ: ''نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ: ''لوگوں کا حال جب یہ ہو جائے کہ وہ ظالم کو دیکھیں مگر اس کا ہاتھ نہ پکڑ سکیں تو پھر اللہ کو ان پر عام عذاب بھیجتے دیر نہیں لگتی''۔

نہ صرف آپ ﷺ بلکہ آپ ﷺ کے صحابہ و تابعین نے بھی عدل اجتماعی کی وہ مثالیں قائم کی ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ یہ اسلامی نظام اجتماعی عدل ہی کی عطا کردہ جرأت گفتار تھی کہ بھرے مجمع میں ایک بدو حضرت عمرؓ سے یہ پوچھ لیتا ہے کہ تمہارے پاس عام مسلمانوں سے زیادہ کپڑا کہاں سے اور کیسے آیا؟ اور پھر دوسری طرف عدل فاروقی کا یہ عالم کہ وہ نہ صرف یہ کہ جواباً اپنی صفائی پیش کرتے ہیں بلکہ خلیفۂ امت ہونے کے باوجود اس ان پڑھ شخص کو مطمئن کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

یہی عدل تھا کہ جب مکہ کی گلیوں میں حضرت عمرؓ نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو آنکھیں پرنم ہوگئیں اور کہا کہ خدا کی قسم یہ انصاف نہیں کہ اس کی جوانی کی کمائی تو ہم بطور جزیہ لے لیں اور بڑھاپے میں اسے بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیں۔ یہی وہ ہمہ جہتی اور اجتماعی عدل ہے جس کا اللہ تعالیٰ ہم سے بطور مسلمان تقاضا کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ:

''تم اپنے مسلمان بھائی خواہ ظالم ہو یا مظلوم دونوں کی مدد کرو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے بھلا ظالم کی مدد ہم کیوں کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد جب شہری مملکت قائم ہوئی تو اس میں ایک انقلابی نوعیت کا حکم دیا گیا، وہ یہ کہ

Marfat.com

انصاف بجائے انفرادی کے، مرکزی شے ہوگا۔ یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچا ہے تو براہ راست فرد کو سزا نہیں دے گا بلکہ مرکزی عدالت سے رجوع کرے گا۔ حاکم عدالت بغیر کسی رعایت کے پوری غیر جانبداری کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ کرے گا اور ظالم کو سزا دے کر مظلوم کو اس کا حق دلائے گا۔ اس میں ایک اہم دفعہ یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو ظالم کی حمایت کرنے کا حق نہیں ہوگا چاہے وہ اس کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برخلاف یہ کہا گیا کہ انصاف ایک خدائی حکم ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ انصاف کے لیے پورا تعاون کرے اور کسی ظالم کو نہ بچائے چاہے وہ اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ (اسلامی ریاست از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۷۹-۷۸)

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے پر حد جاری کر کے مثال قائم کر دی کہ سربراہ مملکت یا ان کا خاندان بھی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ قانون عدل یہ ہے کہ ریاست کا ہر فرد خواہ حکمران ہو یا عام شہری بلاشبہ اور بلا استثناء قانون کا پابند ہو، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو یا اپنے خاندان کے کسی فرد کو قانون سے بالاتر قرار نہیں دیا۔ بلکہ ایک صحابیؓ کے دعویٰ قصاص کے جواب میں تیر اس کے ہاتھ میں دے دیا اور مطالبے پر قبض کا دامن اٹھا دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ جیسے عظیم الشان جرنیل کے قصر کوفہ کی ڈیوڑھی مسمار کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ حاکم و عوام کے درمیان انصاف کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو گئی۔

۱۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے خطبے میں فرمایا: ''لوگو! میں تم پر حاکم، والی بنایا گیا ہوں مگر میں نے تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں نیکی نہ کروں تو تم مجھے درست کر دو۔ حق گوئی امانت ہے اور جھوٹ، خیانت۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک قوی ہے اور قوی اس وقت کمزور ہے۔ جب تک وہ لوگوں کا غصب شدہ حق ادا نہ کرے۔''

۲۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے خلافت اسلامیہ کے تمام قاضیوں (منصفوں) کے نام جو فرمان جاری کیا اس کے نکات کا اہم حصہ یہ تھا۔ ''عدل و انصاف ایک فریضہ ہے۔ مجلس انصاف میں سب کو برابر رکھو تا کہ کوئی کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور کسی معزز یا بااثر شخص کو کسی رو رعایت کی آس و امید پیدا نہ ہو۔ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام شہری اور عمر بن خطابؓ دونوں عدالت کے اندر برابر نہ ہوں اس وقت تک تم قاضی کے منصب کے اہل نہیں ہو سکتے۔''

۳۔ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنیؓ نے تمام مقبوضہ ممالک میں اعلان کرایا۔ ''اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جائے اور فوری طور پر دربارِ خلافت تک نہ پہنچ سکے تو حج کے موقع پر عام اجتماع میں بیان کر سکتا ہے۔ مجھ سے اور میرے حکام سے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے انصاف میں تاخیر نہ ہوگی''۔

۴۔ چوتھے خلیفۂ راشد سیدنا علی مرتضیٰ کا عدل زبان زدِ خاص و عام تھا۔ کسی مقدمے میں اگر آپ خود فریق معاملہ ہوتے تو عدالت میں ایک عام آدمی، عام فرد کی طرح حاضر ہوتے اور دوسرے فریق کے برابر بیٹھتے۔

۵۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ جو کہ پانچویں خلیفۂ راشد کہلاتے ہیں جب مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو آپؒ نے آیت مبارکہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ کو خطبہ جمعہ کا جزوِ لازمی بنا لیا جو آج تک کم و بیش دنیا کی ہر مسجد میں ہر جمعہ کے دن خطبۂ جمعہ میں دہرایا جاتا ہے۔

۶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک گورنر نے آپ کو لکھا کہ مجھے بھی اپنی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کروانے کی اجازت دیں۔ خلیفہ نے جواب میں لکھا۔ ''ایک حکمران کے لیے محفوظ ترین قلعہ اس کا عدل ہے عدل کرو تا کہ ہر شر

Marfat.com

اور ہر آفت سے محفوظ رہو"۔

۷- حضرت علیؓ کا قول مبارک ہے کہ "کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی حکومت قائم نہیں رہتی"۔

۸- بیت المقدس کی فتح کے موقع پر حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ پیدل چل رہے تھے اور غلام اونٹ پر سوار تھا کیا عدل کی ایسی نظیر پیش کی جاسکتی ہے؟

۹- حضرت علیؓ کی تلوار گم ہو جاتی ہے اور قاضی نے اس بنیاد پر بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاسکتی، یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہودی یہ فیصلہ سن کر اسلام لے آیا۔

۱۰- ایران کا نامور بادشاہ ملک، شاہ سلجوقی ایک بار شکار کو گیا تو اس کے سپاہیوں نے بڑھیا کی گائے کھول لی اور ذبح کر کے کھا گئے۔ بڑھیا نے پل پر گذرتے ہوئے لپک کر بادشاہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور نڈر ہو کر بولی، "اے بادشاہ! میرا انصاف اس پل پر ہوگا یا اس پل پر (مراد پل صراط پر)؟ یہ الفاظ سن کر بادشاہ لرز گیا۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو سزا دی اور بڑھیا کو ایک گائے کے بدلے ستر گائیں دیں۔

۱۱- مشہور واقعہ ہے کہ سلطان مراد نے معمار کا ہاتھ کٹوا دیا معاملہ قاضی تک پہنچا۔ سلطان مراد نے عدالت کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا معمار نے جب یہ معاملہ دیکھا تو قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾۔ اور بادشاہ کو معاف کر دیا۔

۱۲- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سب سے پہلا حکم دیا کہ خاندان امیہ کے حکام اپنی جاگیریں ان کے اصلی حقداروں کو واپس کر دیں اور سب سے پہلے اپنی موروثی جائیداد و جاگیر واپس کی اور اس معاشی عدل کی مثال قائم کی۔

۱۳- حضرت سعدی شیرازی نے گلستان و بوستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ "ایک بادشاہ شکار کھیلنے کے دوران بھٹک گیا اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ اس نے کسی باغ کے مالک سے ایک سیب لے کر کھایا اور اسے قیمت ادا کرنے پر اصرار کیا۔ باغ کے مالک نے بادشاہ کو پہچان کر اس کی تواضع کی خاطر قیمت لینے سے انکار کیا جس پر بادشاہ نے کہا کہ اگر میں نے بغیر قیمت ادا کیے تمہارے باغ سے سیب لے کر کھا لیا تو اس کے سبب ردعمل یہ ہوگا کہ میرے سپاہی تمہارے باغ کے تمام پھل توڑ کر کھا جائیں گے اور تمہارا باغ اجاڑ دیں گے۔ اگر ملک کا سربراہ کسی کے ساتھ عدل سے پیش نہ آئے تو نتیجتاً اس کے زیردست (ماتحت) ظلم و زبردستی اس کا مال کھا جائیں گے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "یہ امت اس وقت تک خیر اور بھلائی میں رہے گی جب تک اس کا شعار یہ رہے گا کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب فیصلہ کرے تو عدل و انصاف سے کرے اور جب اس سے رحم کی درخواست کی جائے تو وہ رحم کرے"۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ: "انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ یارسول اللہ! آپ حکم دیں تو آپ کے چچا حضرت عباسؓ کو فدیہ کے بغیر چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک درہم بھی ان سے نہ چھوڑو"۔ (صحیح بخاری، باب فضل الجہاد)

حضور اکرم ﷺ کی صفت عدل کا اعتراف اعداء بھی کرتے تھے۔ اسلام کا نظام عدل محدود معنوں میں عدل نہیں بلکہ

Marfat.com

ہمہ گیر اور جامع اجتماعی عدل ہے۔ جس میں زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں داخل ہیں۔ فکر وعمل، ضمیر و وجدان اپنے اور پرائے بلکہ دشمنوں کے لیے بھی عدل کی فراہمی شامل ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''تمہیں کسی قوم کی دشمنی اتنی برافروختہ نہ کردے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے''۔ انصاف کو مضبوطی سے قائم کرنے والے بن جاؤ۔ اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے اگرچہ وہ انصاف تمہارے اپنے خلاف کیوں نہ ہو''۔(النساء) مساوات کے تصور کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- سماجی مساوات

معاشرے کے تمام افراد بلاامتیاز مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ (الف) تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں خاندان، قبیلہ، نسل اور قومیت کے امتیاز فقط تعارف اور پہچان کے لیے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ ''کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت یا فضیلت نہیں، سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق کھنکھناتی مٹی سے کی گئی تھی''۔ (ب) دربارِ رسالت میں قریش کے چشم و چراغ اور حبشہ و فارس کے غریب سب ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲- معاشی مساوات:

حصول روزگار کے ذرائع اور مواقع حسب لیاقت اور حسب صلاحیت سب کے لیے کھلے ہوں۔ معاشرے کے ہل اور ہنر مند افراد کو اپنی صلاحیتوں کو برابری کی بنیاد پر آزمانے کا موقع فراہم کیا جائے۔

۳- مواقع کی مساوات:

(الف) ملک کے تمام شہریوں کے لیے حصول علم کے مواقع یکساں ہوں ایک نظام تعلیم ہو اور امراء و غرباء کے لیے تحصیل علم کے یکساں مواقع ہوں۔

(ب) تمام افراد کے لیے علاج معالجہ کی سہولیات کے مواقع یکساں طور پر فراہم ہوں۔

(ج) ہر فرد کے حصول انصاف کے یکساں مواقع میسر ہوں جس میں ہر قسم کے استحصال کا راستہ مسدود کر دیا جائے۔

اسلام ایک ناقابل تقسیم کل ہے جس کا ہر جزو دوسرے اجزاء سے گہرے طور پر مربوط ہے اور حیاتِ انسانی کے لیے یہ نظام اسی وقت نفع بخش ہوسکتا ہے جب اسے پورے کا پورا اپنایا جائے۔ اسلام وحدتِ انسانیت کے نظریئے کا قائل ہے۔

اجتماعی عدل کا اسلامی تصور:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام ہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں، وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے۔ اسلام انسان کو ایک ایسی وحدت تصور کرتا ہے جس کے روحانی میلانات اور جسمانی تقاضوں میں تفریق نہیں کی جاسکتی، نہ ہی اس کی مادی ضروریات اور غیر مادی ضروریات کو الگ الگ کیا جاسکتا ہے۔ کائنات و حیات کا یہ جامع تصور کسی تفریق و تقسیم کا قائل نہیں۔ اسلام کی نظر میں زندگی

Marfat.com

تعاون و ہم آہنگی اور ہمدردی و مواساۃ کا نام ہے۔ اسلام عدل کے اس محدود تصور سے بلند ہے جو اشتراکیت میں ملتا ہے یعنی معاوضوں میں ایسی مساوات کہ معاشی تفاوت اور اونچ نیچ کا خاتمہ ہو سکے۔ اسلام کی نظر میں عدل انسانی مساوات کا نام ہے جس میں تمام اقدار حیات کی متوازن و ہم آہنگ تحصیل عمل میں آتی ہے ان اقدار میں خالص معاشی قدریں بھی شامل ہیں۔

چونکہ اسلام کے پیش نظر اقدار کثیر التعداد اور باہم مربوط ہیں۔ لہذا ان کے مجموعے کے ذریعے عدل کے قیام اس کے لیے زیادہ آسان ہو جاتا ہے لہذا اسے محدود معنی میں معاشی مساوات کو اپنانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ سماجی عدل اور انسانی مساوات کے خطوط واضح کر دینے کے بعد اسلام نے سعی و جدوجہد کے ذریعے ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔

یہ واضح ہو کہ اسلام محدود معنی میں معاشی مساوات کا قائل ہے۔ مال و دولت کا کسب ایسی صلاحیتوں پر مبنی ہے جو سب کو برابر نہیں ملتی ہیں۔ عدل کا تقاضا ہے کہ لوگوں میں ایک گونہ معاشی تفاوت موجود رہے۔ البتہ انسانی مساوات کو بہر حال برقرار رہنا چاہیے۔ اس کی لازمی شرط یہ ہے کہ سب کو یکساں مواقع حاصل ہوں۔ کسی شخص کی راہ میں حسب ونسب یا سعی و جدوجہد پر پانی پھیر دینے والی کوئی چیز بھی روڑا نہ بنے۔ ہر طرح کی اقدار کو مناسب وزن حاصل ہو۔ ضمیر انسانی فقط مادی اور معاشی قدروں کی اندھی غلامی سے آزاد کر دیا جائے۔

مال و دولت کو قدر اعلیٰ یا قدر کل قرار دینا اسلام کے نزدیک پسندیدہ نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ فقر و فاقہ اور حاجت مندی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہے وہ ہر فرد کو بنیادی ضروریات کی تکمیل بلکہ اس سے زیادہ کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام عیش کوشی کی راہیں بھی مسدود کر دیتا ہے اور شہوات و خواہشات کو بھی کھلی چھٹی نہیں دیتا۔ سورہ النازعات، آیت ۴۰ میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: ''اور وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوا اپنے نفس کو بے جا خواہشات سے روکا''۔

اسلام دولت کے سلسلے میں اہل ثروت پر غریبوں کا ایک حق واجب کر دیتا ہے کہ سماج میں عدل قائم ہو۔ ایک حد تک مساوات برپا ہوا اور ترقی ونشوونما کے لیے سازگار فضاء پیدا ہو۔ اس طرح اسلام زندگی کے مختلف پہلوؤں سے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ مادی، معنوی، دینی اور دنیاوی تمام پہلوؤں کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھتا ہے۔ اسلام کا انفرادی ملکیت کا نظام، وراثت کے قوانین، زکوۃ کا نظام و ضابطہ، عدالتی نظام اور قوانین تجارت، غرض کہ انفرادی یا اجتماعی امور سے متعلق سارے اسلامی قوانین وضوابط، عدل اجتماعی کے لیے سازگار ماحول پیدا کرتے ہیں۔ سید قطب شہید اپنی کتاب ''اسلام میں اجتماعی عدل'' میں لکھتے ہیں، عدل اجتماعی کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔

۱- مطلق اور مکمل آزادی ضمیر

۲- کامل انسانی مساوات

۳- ٹھوس اور پائیدار انسانی تکافل

آزادی ضمیر:

محض قانون سازی کے ذریعے اجتماعی عدل قائم کرنا مشکل ہے جب تک کہ ضمیر مکمل طور پر زندہ و آزاد نہ ہو۔

Marfat.com

ضروری ہے کہ انسان کے باطن میں ایسے عقائد و افکار موجود ہوں جو اجتماعی عدل کے نظریہ و تصور کی تائید کریں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ اس نکتے کو سمجھتے ہیں اور اس لیے انہوں نے قانون سازی بھی کی اور ہدایت و تلقین بھی فرمائی۔ یعنی آپ ﷺ نے مواخاۃ کا نظام بھی قائم فرمایا اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب و ترہیب بھی دی۔ لیکن سوال کرنے کا بھی پسند نہ فرمایا۔ اسلام بنیادی ضروریات سے بے پرواہ ہونا یا بالاتر ہونا کہ جس سے انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کو نشوونما کا موقع نہ ملے نہ تو اس کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی بنیادی ضروریات کی توہین آمیز حد تک غلامی کرے یعنی صرف نفس کا بندہ بن جائے اس کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے بچنا سکھاتا ہے۔ مساوات کا یہ تصور انسانی ذہن میں جاگزیں ہوتے ہی دوسرے بنیادی تصورات سے مربوط ہو جاتا ہے اللہ پر ایمان، امت کی وحدت، اس کے افراد میں ذمہ داریوں کے اشتراک کا تصور۔ ساری انسانیت کی وحدت اور اس میں کفالت باہمی کا اصول اسلام کو یہی مطلوب ہے۔ فرد کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت دی پھر اسے کامل ضمیر بھی عطا کیا۔

توحید کا عقیدہ اور آزادی ضمیر:

شرک ضمیر کو کچلتا اور وجدان کو دباتا ہے توحید کا عقیدہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان اور اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو کسی پور پر شریک اور شامل نہ کرنا ہی کامل آزادئ ضمیر ہے اور یہ وجدان کو توانائی عطا کرتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے بنی نوع انسان کو توحید پر ایمان لانے کا درس دیا اور ذات واحد کی پہچان کروائی اور اللہ سے بندگی کا بے تعلق استوار کروایا یعنی ہمارے ضمیر کو زندہ اور آزاد اور ہمارے وجدان کو توانا کیا۔

اگر انسان توحید پر ایمان نہ لائے تو وہ بالآخر اللہ کے بندوں ہی میں سے کسی کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ضمیر انسانی بندوں کی غلامی سے آزاد اور تعلق باللہ کے ہمہ وقت بیدار شعور وجدان سے معمور ہوتے ہیں۔ انسان جان و مال اور عزت و آبرو کے سلسلے میں ہر طرح کے خطرے اور اندیشوں سے بلند ہو جاتا ہے اور خودداری اور عزت نفس پروان چڑھتی ہے۔ اللہ چاہتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ یہی رہا کہ قوانین عدل کے ساتھ ساتھ ان باتوں کے ذریعے بھی ایک مکمل اور مطلق اجتماعی عدل کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں کوئی انسان اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔

اجتماعی قدروں کی پرستش سے بچنا:

اجتماعی قدروں کی پرستش سے بچنا بڑا مشکل ہے جو مال و دولت، جاہ و حشمت اور حسب و نسب پر مبنی ہوتی ہیں۔ خواہ وہ انسان کو نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ چنانچہ جب وجدان ان اقدار میں کسی سے متاثر و مرعوب ہو جاتا ہے تو اسی تاثر کی حد تک اس کی آزادی بھی چھن جاتی ہے۔ ''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ متقی ہیں''۔

قرآنی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے:

معیار کا کام صرف دو بنیادی حقیقی اقدار کرتی ہیں۔

۱۔ ایمان: جو ایک داخلی قدر ہے۔

۲۔ عمل صالح: جو عملی زندگی میں نمایاں اور ظاہر ہے۔

Marfat.com

مردِ مؤمن کو اپنے ایمان اور تقویٰ ہی کو عزت کا دارو مدار سمجھنا اور ان مادی اقدار کو حقیر جاننا واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے۔ (الکہف، آیات ۳۲ تا ۴۳ سے اقتباس)

جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا تو بھی لوگوں کے ساتھ احسان کر۔

قرآن حکیم میں قارون کے قصے سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایک جانب وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں مادی قدروں سے خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ خود کو حقیر وضعیف جانتے ہیں احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے وہ مومنین ہیں جن کے اندر قوت وعزت اور وقار ذات کا شعور ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتے قارون کے قصہ کے بیان کا پیغام یہ ہے کہ: ''جو کچھ تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت کو اپنا مطمحِ نظر بنا اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھول جا اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اختیار کر''۔

قوم کے ذی استطاعت لوگوں اور ریاست پر فرد کا حق بقدر کفالت لازم قرار دیا گیا ہے:

اسی باعث سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا ''خدا کی قسم اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مرتا ہے تو عمرؓ سے اللہ باز پرس کرے گا''۔ دوسری طرف اسلام دست سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سائل کو ایک درہم عنایت فرماتے ہیں اور پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''یہ بات کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی سنبھالے اور جا کر (جلانے کی) لکڑیوں کا ایک گٹھا چن کے اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لائے اور فروخت کرے اور اس طرح اللہ اس کی آبرو سلامت رکھے، اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے کہ لوگوں کا جی چاہے تو اسے کچھ دے دیں اور نہ دیں''۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔

رہی زکوٰۃ تو وہ قانونی حق ہے جو بہرحال وصول کیا جائے گا۔ ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذریات، آیت ۹) اسلام میں اجتماعی عدل کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے یہ آزادی انہیں بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے۔ بلکہ یہی اولین بنیاد ہے جس پر دوسری بنیادیں قائم ہوتی ہیں۔ ضمیر انسانی بندوں کی غلامی سے آزاد اور تعلق باللہ کے ہمہ دم بیدار ضمیر وشعور سے معمور ہوتے ہیں۔ حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ان تعلیماتِ اسلامی سے فلسفۂ خودی اخذ کیا اور اپنی شاعری میں پیش کیا۔

انسانی مساوات:

اگر ہر شخص کو بقدر کفالت ضروریات زندگی بھی میسر آ گئیں اب حقیقی مساوات کے سارے لوازم مہیا ہو گئے۔ اس اجتماعی عدل کے باعث ہر فرد کو بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی قانونی ضمانت بھی حاصل ہوگی۔ اسلام نے مساوات کا درس دیا۔ موت و زندگی میں حقوق و فرائض کے باب میں، قانون کے سامنے، اللہ کے حضور، دنیا اور آخرت میں، غرض ہر جگہ ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا۔ عمل صالح کے علاوہ فضیلت کا کوئی معیار نہیں۔ عزت وشرف اگر ہے تو ان کے لیے جو زیادہ متقی اور پاکباز ہوں۔

۱۔ کوئی فرد بالذات کسی دوسرے انسان سے افضل نہیں نہ حسب ونسب کے اعتبار سے نہ قومیت کے لحاظ سے، قوموں

Marfat.com

اور قبیلوں کا اختلاف باہمی تعارف کے لیے ہے۔

۲- مرد و عورت دونوں بطور صنف مساوی ہیں، روحانی اور دینی اعتبار سے دونوں مساوی ہیں۔ حق ملکیت اور مالی تصرفات کا مجاز ہونے کے اعتبار سے بھی دونوں برابر ہیں۔

۳- مرد کو میراث میں دوگنا حصہ دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ ذمہ داریوں کا وہ بوجھ اور وہ مشقتیں ہیں جو مرد کو دورانِ حیات اٹھانی پڑتی ہیں۔ مرد پر بیوی بچوں کی کفالت فرض ہے، عورت و مرد کو دین کے معاملے میں برابر کا درجہ دیا ہے۔

اجتماعی کفالت باہمی:

فرد اور اس کی ذاتِ فرد اور اس کا قریبی خاندان، فرد اور جماعت، ایک قوم اور دوسری قوموں، ایک نسل اور آگے آنے والی نسلوں، سب کے مابین اجتماعی تکافل کا یہ اصول کارفرما ہے۔ فرد اس بات کا مکلّف ہے کہ نفس کو اس کی بے لگام خواہشات سے باز رکھے۔ لہٰذا بقول شاعر

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

ساتھ ہی فرد اس بات کا بھی مکلّف ہے کہ نفس کو اس حد تک اس کے مرغوبات ضرور بہم پہنچائے۔ جہاں تک اس کی فطرت پر برے اثرات پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

۱- آدمی اپنے نفس کا آپ ہی نگران ہے۔ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے۔

۲- فرد اور اس کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کے مابین بھی تکافل کا اصول کارفرما ہے۔

۳- خاندان میں کفالت باہمی کی بڑی اہمیت ہے خاندان سماج کی عمارت کی بنیاد ہے۔

۴- خاندانی کفالت باہمی کے مظاہر میں سے اسلام کا قانون وراثت ہے۔

۵- معروف طریقے سے وصیت کرے، اپنی میراث کے بارے میں۔

۶- اسلام کا یہ نظام ایک خاندان کے مختلف افراد، اور یکے بعد دیگرے آنے والی مختلف پشتوں کے درمیان تکافل کا ایک اہم مظہر ہے۔

۷- چنانچہ ہر فرد مکلّف ہے اس بات کا کہ اس کے ذمہ جو کام ہوا اسے بحسن وخوبی انجام دے کیونکہ اس کی محنت کا پھل درحقیقت جماعت کی ملکیت ہے۔

۸- مصالح عامہ کی رعایت ملحوظ رکھنے کی ذمہ داری سے کوئی فرد بھی بری نہیں کہ سماج میں ہر فرد بیک وقت نگران بھی ہے اور زیر نگرانی بھی۔

۹- تم میں سے ہر شخص نگراں (راعی) ہے اور اس سے اس کے زیر نگرانی لوگوں کی بابت باز پرس ہونی ہے۔

۱۰- ہر فرد اس بات کا مکلّف ہے کہ جو منکر بھی دیکھے اسے مٹا دے۔

۱۱- مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے فریق و دمساز ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

۱۲- یتیموں کی کفالت و سرپرستی، ہر صاحب حیثیت کے لیے ضروری ہے۔

Marfat.com

۱۳- مساکین کی کفالت وسرپرستی، ہر صاحب حیثیت کے لیے لازم ہے۔

۱۴- بیواؤں کی کفالت وسرپرستی، ہر صاحب حیثیت کے لیے لازم ہے۔

۱۵- جماعت اپنے غرباء وفقراء اور ناداروں کی ضروریات پوری کرے۔

کیونکہ اگر قوم کا ایک فرد بھی کسی شب بھوکا رہا تو ساری قوم مجرم وگنہگار شمار کی جائے گی۔ تعاون و تکافل کا یہ وہ اعلیٰ ترین معیار ہے۔ جس تک ہمارا تخیل پرواز کرسکتا ہے۔

آخر میں میں دعا کرتی ہوں کہ اے ارحم الرحمین! اپنے محبوب مکرم ﷺ کے وسیلے سے تو آج کے مسلمانوں کو دین کی سمجھ عطا فرما اور دین کے تفویض کردہ فرائض و ذمہ داریوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کا شعور عطا فرما اور توفیق عطا فرما اور نبی مکرم ﷺ کے صدقے میں تمام اسلامی ملکوں میں اسلام کے عدل اجتماعی کے تصور کو نافذ کرنے اور قائم کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین۔ ثم آمین)

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر زینت ہارون- کراچی

عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور (۱)

عربی زبان میں عدل ایک ایسا جامع لفظ ہے، جس کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ محض ایک لفظ اسلام کی جملہ تعلیمات اور حقائق کا احاطہ کرتا ہے۔ لغت میں علماء نے عدل کی یہ تعریف کی ہے:

العدل ماقام فی النفوس انه مستقیم(۲)

عدل افراط و تفریط کے درمیان راہِ مستقیم اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔

لفظ عدل کا ذکر قرآن میں سولہ مرتبہ کیا گیا ہے اور ہر جگہ مختلف انداز سے عدل کی تاکید کی گئی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾(۳)

ترجمہ: ''بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور بے حیائی اور بُرے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے۔''

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے ان اخلاقی قدروں کا ذکر فرمایا ہے، جو معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور ابتدا عدل و احسان سے فرمائی۔ اسلام کی تعلیمات میں عدل کا حکم اخلاقی معاشی، معاشرتی سیاسی زندگی کے ہرگوشے پر محیط ہے یعنی اسلام کی اخلاقی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے کو احاطہ کیے ہوئے ہیں اور عدل ہی ایسا حکم ہے، جو پورے معاشرے کو بہتر کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ عدل اجتماعی کا تصوّر ہی ہے، جو ہمیں نبی کریم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے وقت نظر آتا ہے۔ جب آپ ﷺ مواخات کا درس دیتے ہیں تو واحد فردِ ل کر افراد بن جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (۴) ترجمہ: ''تمام مومن بھائی ہیں۔''

یہ عدل ہی تو ہے، جس کی بنیاد پر امیر غریب مہاجر غیر مہاجر قومیت تمام فرق ختم ہوجاتے ہیں اور تمام لوگ یکجا نظر آتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی ذات عدل کا منبع تھی۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی جو تعلیم کی صورت میں ہمارے سامنے ہے عدل کا درس دیتی نظر آتی ہے یہی عدل ہے، جو گمراہوں کو راہِ راست پر لاتا ہے یہی عدل ہے، جو فرمانبرداری سکھاتا ہے، یہی عدل مصطفیٰ ہے، جو معاشرے کو مجتمع کرتا نظر آتا ہے، یہی اجتماعی عدل ہے، جو آپ کی ذات میں ہمیں نظر آتا ہے اور جس پر عمل کر کے آپ ﷺ نے ایک بہترین ریاست کا قیام کیا اور ہمیں تصور دیا کہ یہی وہ بنیادی جز ہے، جو بہترین معاشرے کے قیام کا

Marfat.com

ذریعہ ہے۔ قبل از اسلام خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے بعد حجرِ اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کا معاملہ ہے ہر قبیلہ اپنا حق مقدم سمجھتا ہے نزاعی صورتِ حال ہے، جس کے نتائج سخت خوف ناک معلوم ہوتے ہیں، لیکن کچھ لوگ سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے سب کو اس بات پر آمادہ کرلیتے ہیں کہ جو شخص علی الصبح سب سے پہلے خانہ کعبہ کی چہار دیواری میں داخل ہو وہ اس کا جو بھی حل ہے پیش کرے سب کے لیے قابلِ قبول ہوگا۔ صبح اہلِ مکہ کے لیے امن کا پیغام لاتی ہے محمد ﷺ کعبہ کی چہار دیواری میں داخل ہونے والے پہلے شخص ہوتے ہیں اور سب بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔

هذا الامين رضينا هذا محمّد (۵)

''یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد ہیں۔''

آپ ﷺ چاہتے تو پتھر اُٹھا کر خود رکھ دیتے، مگر بات فیصلے کی تھی، عدل کی تھی۔ آپ ﷺ نے چادر بچھائی اس پر حجرِ اسود رکھا اور نمائندہ سرداروں کو ایک ایک کونہ پکڑایا اور اپنے ہاتھوں سے حجرِ اسود نصب فرمایا بعثتِ نبوی سے قبل ہی عدل کی اعلیٰ مثال عرب کو بہت بڑی جنگ سے بچایا فساد اور بربادی کا سلسلہ رکوایا .... بعد از نبوت کیسے عدل کی اعلیٰ مثالیں قائم نہ ہوتیں۔ خود آپ کے لیے اللہ نے فرمایا:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۶)

ترجمہ: ''اور مجھے حکم دیا گیا کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔''

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس جو قبل از نبوت ہی لوگوں میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور بعد از نبوت کیسے رحمت کا سایہ نہ ہوتی، عدل کا پیکر نہ ہوتی، لوگ آپ کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ آپ کی سچائی اور عدل و انصاف کی وجہ سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (۷)

ترجمہ: ''سنو (اے محمد) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے جھگڑے میں تجھے مصنف نہ بنائیں پھر جو تو فیصلہ دے اس پر دلوں میں تنگ نہ ہوں۔''

یعنی آپ ﷺ کے تمام فیصلے عدل سے بھرپور ہوا کرتے تھے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ سیرتِ طیبہ عدلِ اجتماعی کے فیصلوں سے بھرپور ہے اور ان پر عمل کرنے سے بہترین معاشرہ تشکیل پاتا ہے امیر غریب اعلیٰ ادنیٰ ہر فرق کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ قصیدہ بردہ شریف میں سیرتِ طیبہ کا ذکر ہے، جس کا تعلق عدل سے ہے۔

آیاته الغر لا یخفیٰ علیٰ احد

بدونها العدل بین الناس لم یقم (۸)

ترجمہ: ''حضور اکرم ﷺ کی روشن نشانیاں ایسی ہیں، جو کسی پر پوشیدہ نہیں اور ان کے بغیر لوگوں کے درمیان عدل قائم نہیں ہوسکتا۔''

Marfat.com

اس شعر سے واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات عدل سے بھرپور تھی۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۹)

ترجمہ: ''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول (کی ذات) میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

جب پوری سیرتِ طیبہ ہمارے لیے راہ نما ہے تو عدل کی مثال کے لیے ہم کہیں اور کیونکر راغب ہو سکتے ہیں عدل ہی وہ بنیاد ہے، جس پر معاشرہ قائم و دائم ہے عدل صرف عدالتوں، محفلوں یا جرگوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا عمل دخل روزمرّہ معمولات میں بھی ہے انسان کی اپنی ذات سے عدل نہ ہو تو وہ معاشرے کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ خونی رشتوں کے درمیان تعلقات سے عدل ساتھیوں کے ساتھ عدل یہ تمام چیزیں مل کر اجتماعی عدل کا ذریعہ بنتی ہیں اور امیر غریب کا فرق مٹا دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذات عدل کا بہترین نمونہ ہے۔

قرآن کی اس آیت سے نبی کریم ﷺ کی سیرت کی گواہی ملتی ہے:

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۱۰)

ترجمہ: ''اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی قریش چپقلش میں پڑ گئے اور انہوں نے باہم صلاح کی کہ کون اس کے بارے میں سفارش کر سکتا ہے؟ پھر خود ہی کہنے لگے کہ آپ ﷺ کے چہیتے اسامہ کے سوا اور کون اس کی جرأت کر سکتا ہے؟ چنانچہ اسامہ نے سفارش کی آپ ﷺ نے فرمایا تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو پھر کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے برباد ہوئے کہ جب ان میں کوئی صاحب وجاہت چوری کرتا تو چھوڑ دیتے اور جب کوئی بے کس چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی ارتکاب سرقہ کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (۱۱)

عدل اجتماعی کا تصوّر صرف اس ایک واقعہ سے ہی مل جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ فیصلہ کرتے وقت رشتہ دار اور غیر کا فرق بھی نہیں کرتے، بلکہ جو جائز فیصلہ ہے اس کا حکم دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ میری بیٹی ہوتی تو تب بھی میں یہی حکم دیتا اور اس آیت سے آپ ﷺ کے الفاظ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۲)

ترجمہ: ''کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم کیا ہے۔''

روزمرّہ کے معاملات ہوں یا خاص مواقع ہر موقع پر نبی کریم ﷺ معاشرے کے تمام افراد کا خیال فرماتے اور آپ ﷺ کی کوشش ہوتی کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کا بھی پورا خیال کیا جائے۔ حدیثِ نبوی ہے کہ:

حدّثنا ابو عاصم عن یزید ابن ابی عبید عن سلمة بن الاکوع قال قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم: من ضحّ منکم فلا یصبحنّ بعد ثالثة وفی بیته منه شیء فلمّا کان العام المقبل قالوا یا

Marfat.com

رسول اللّٰہ. نفعل کما فعلنا عام الماضی قال کلوا واطعموا وادّخروا فان ذلك العام کان بالنّاس جهد فاردت ان تعینوا فیها (۱۳)

''حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو تم میں سے قربانی کرے تو تیسرے روز کی صبح اس کے گھر میں قربانی کا گوشت نہیں ہونا چاہیے جب اگلا سال آیا تو لوگ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اسی طرح کریں جیسے پچھلے سال کیا تھا؟ ارشاد فرمایا کہ کھاؤ، کھلاؤ اور جمع بھی کرلو کیوں کہ وہ سال لوگوں پر تنگی کا تھا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس میں تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

اس حدیث سے عدل اجتماعی کی صورت سامنے آجاتی ہے کہ حالات کے پیشِ نظر عدل و انصاف کا تقاضا تھا کہ بانٹ دیا جائے، تاکہ لوگوں میں قحط نہ ہو اور جب آسانی ہے تو جمع کی ممانعت نہیں۔

یہ عدل ہی ہے، جس کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ نے ایک بہترین ریاست کا قیام کیا مدینہ منورہ میں ایک ایسی ریاست کا قیام جہاں دوست دشمن، مذہب مہاجر، قوم کسی چیز کا فرق نہیں رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے ایک معاہدے کے ذریعے تمام لوگوں کو جمع کردیا اور یہی عدل ہے کہ معاہدہ کرکے اس کی پاسداری کی۔

ہم غزوۂ بدر میں حضور اکرم ﷺ کا قیدیوں سے سلوک دیکھتے ہیں تو زبان عش عش کر اُٹھتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرمی کا معاملہ کیا آپ نے جنگی قیدی صحابہ کے درمیان تقسیم کردیے تھے اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے اپنے قیدی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں اگرچہ خود بھوکے ہوں مدینہ پہنچنے کے بعد پہلی رات کو تمام قیدی مسجدِ نبوی کے صحن میں رکھے گئے تھے اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کوئی قیدی بھاگ نہ جائے اُن سب کو بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ قیدیوں کے گرد پہرے کا بھی اہتمام تھا۔ قیدیوں کے درمیان حضور اکرم ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے وہ جنگ میں زخمی ہوگئے تھے زخموں کی وجہ سے ان کے کراہنے کی آواز حجرہ نبوی میں سنائی دیتی تھی چچا کی تکلیف نے اللہ کے نبی کو بے چین کردیا تھا جنگ کی اعصاب شکن تھکاوٹ کے باوجود آپ ﷺ کو نیند نہیں آرہی تھی آپ مسلسل کروٹیں بدل رہے تھے ایک صحابی نے سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''عباس کے کراہنے کی آواز میری نیند اُڑا دیتی ہے۔''

حضور اکرم ﷺ کی یہ بے چینی فطری اور تقاضائے بشریٰ کے عین مطابق تھی۔ صحابی نے آپ ﷺ کی بے قراری دیکھ کر عباس بن عبدالمطلب کی بیڑیاں اُتار دیں تھوڑی ہی دیر میں عباس آرام کی نیند سو گئے جب حضور اکرم ﷺ کو ان کی آواز سنائی نہ دی تو آپ ﷺ نے استفسار کیا، جس کے جواب میں صحابی نے ماجرا بیان کیا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یا تو سب قیدیوں کی بیڑیاں اُتار دو یا عباس کو بھی بیڑیاں پہنا دو۔'' (۱۴)

یہ ہے عدل مصطفیٰ اگر معافی ہے تو سب کے لیے ہے، ورنہ چچا بھتیجا کوئی اہمیت نہیں رکھتا اسی عدل کی بنیاد پر آپ ﷺ نے معاشرے کو راہِ راست پر پہنچایا۔

نبی کریم ﷺ کی ذات عدل کا مجسمہ تھی قبل از نبوت یا بعد از نبوت پوری تعلیمات عدل کا منہ بولتا ثبوت ہیں مدینہ میں غزوۂ بدر دیکھ لیں کہ کس طرح ابوبکر کے فرمانے پر معافی دے دی اور فدیہ کہا کہ جو پڑھنا جانتے ہیں دس لوگوں کو پڑھنا

Marfat.com

سکھا دیں تمام غزوات حتیٰ کہ ہم فتح مکہ دیکھتے ہیں کس طرح آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو معاف کر دیا اور واضح فرما دیا کہ میں تم سے یوسف کا بھائیوں سے جو سلوک تھا وہ کرنے والا ہوں۔

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (۱۵)

ترجمہ: ''آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں۔''

آپ کی پوری زندگی عدل پر محیط ہے صرف جنگ و جدل اور قیام سلطنت میں نہیں، بلکہ تمام معاشرے کے افراد کے میل جول اور تعلقات میں عدل کا قیام لازمی ہے اپنے نفس سے عدل والدین سے عدل رشتہ داروں سے عدل یہ تمام تعلقات عدل اجتماعی میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔ غیر مذاہب کے لوگوں سے عدل۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہر شخص کو انصاف فراہم کیا گیا۔ یہودی عیسائی کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ جب تک اولاد والدین کی اطاعت فرمانبرداری نہ کرے گی اس وقت تک وہ بہتر فرد نہیں بن سکتی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (۱۶)

ترجمہ: ''اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی اور عام لوگوں سے نیکی کی بات کہنا۔''

والدین سے عدل معاشرے کے لیے لازمی ہے جب تک ہمارے اندر عدل و انصاف کا جذبہ پیدا نہ ہوگا ہم معاشرے کے بہترین فرد نہیں بن سکتے۔ قرابت دار ہوں یا عام شخص ہو سب سے حسنِ سلوک ہو۔

معاشرے کے دیگر افراد سے عدل کا ہمیں نبی کریم ﷺ سے حکم بھی ملتا ہے اور آپ ﷺ کی جو تعلیمات ہم تک پہنچی ہیں تمام میں عدل کی تعلیم ہے وعدوں کو پورا کرنا، ہر فرد کی رائے کا خیال رکھنا، مزدوروں کے حقوق کا خیال رکھنا، ان کو وقت پر مزدوری دینا یہ تمام چیزیں عدل کا حصہ ہیں۔ جب ہم وعدہ پورا نہ کریں گے تو کوئی ہم پر اعتبار نہ کرے گا۔ مزدور کی مزدوری وقت پر یا مکمل نہ دی جائے یہ ناانصافی ہوگی، جو معاشرے کی بے راہ روی کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن تین شخص ایسے ہوں گے کہ میں جن کا دشمن ہوں گا۔ ایک وہ جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر اس کے خلاف ہو جائے۔ دوسرا وہ جو آزاد انسان کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جائے اور تیسرا جو مزدور کو کام پر لگا کر کام تو پورے لے، لیکن مزدوری نہ دے۔ (۱۷)

یہ تینوں کام عدل کی خلاف ورزی پر مبنی ہیں۔ جھوٹا وعدہ، آزادی کا خاتمہ اور محنت کا صلہ نہ دینا تینوں کام کرنے والا عدل سے عاری ہے پھر ایسے فرد کو رسول ﷺ کیسے دوست رکھ سکتے ہیں۔ عدل یہی نہیں کہ آپ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کریں، بلکہ دوست احباب اور معاشرے کے دیگر افراد جن کے لیے آپ کی گواہی آپ کا فیصلہ مشعل راہ بن سکتا ہے تو اس میں تردّد نہیں کرنا چاہیے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۱۸)

Marfat.com

ترجمہ: ''اے ایمان والو! کھڑے ہوجاؤ اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''

یعنی اپنی ذات اگر عدل انصاف کا ذریعہ بن رہی ہے تو اس کو اس سے روکا نہ جائے آیتِ بالا سے واضح ہے کہ انصاف کے لیے گواہی دینا بھی عدل کی سیڑھی ہے، جو تقویٰ سے بھرپور ہے اس میں دشمنی دوستی کا فرق نہیں رہتا۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح آپ ﷺ دشمن دوست کا فرق رکھے بغیر عدل سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو اس کا حکم بھی دیتے ہیں کہ گواہی عدل پر مبنی ہو۔

عدل اجتماعی ہر فردِ واحد کی کوشش سے ممکن ہے جس طرح نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی پیدائش سے وفات تک عدل کا منہ بولتا ثبوت ہے قبل از اسلام ہو یا بعد از اسلام ایک مکمل مشعلِ راہ۔ اخلاق، معاش نجی زندگی قبل از اسلام صادق اور امین کے لقب سے واضح ہوتی ہے اور بعد از اسلام قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر آپ ﷺ کی سیرت کی صورت میں موجود ہے یہ سیرتِ طیبہ ہی ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے دشمنوں میں گھرے ہوئے بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا یہ عدل ہی ہے کہ ظلم سہہ کر بد دعا کے بجائے دعائیہ کلمات جاری ہوتے ہیں پھر ہجرتِ مدینہ اور مدینہ میں گزارے گئے ماہ وسال درسِ اُخوّت، میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ تمام غزوات ہر ہر لمحہ آپ کے عدل کا منہ بولتا ثبوت ہیں فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان اور حجۃ الوداع کے موقع پر درسِ مساوات خون کی معافی سود کا خاتمہ یہ تمام تعلیماتِ نبوی ﷺ ہی ہیں جن کی روشنی میں مجموعی طور پر معاشرے میں عدل کا قیام ممکن ہے۔

''اجتماعی عدل کا قیام تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ہی ممکن ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈریں، ان کے حقوق بطریق احسن ادا کریں، معاملات اور لین دین میں انصاف کی ترازو ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، عدالتی معاملات میں گواہی دینے سے نہ کترائیں، مسلمانوں کے باہمی تنازعات صلح وصفائی سے طے کرادیں، کسی قوم کی دشمنی ہمیں اس سے انصاف کرنے میں مانع نہ ہو، اپنے ملک کی ترقی و استحکام میں اپنی تمام تر صلاحیتیں استعمال میں لائیں، اپنی ذات، والدین، اولاد، عزیز و اقارب، معاشرے کے دیگر افراد اور ملک وملت کے ساتھ عدل کا معاملہ کرکے ہی ہم ایک اچھے مسلمان ہونے کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ اور ان تمام امور سے عہدہ برا ہونے کے لیے ہمیں روشنی سیرۃ طیبہ سے لینی ہوگی کیوں کہ اس سلسلہ کی تمام ہستیوں کو جو قانون عطا کیے گئے ان کا مقصد لوگوں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آتے ہوئے ان کی اصلاح ہی تھا۔'' (۱۹)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے یہ وضاحت فرما دی ہے کہ عدل و انصاف ہر نبی کے صفت رہی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲۰)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اُتاری کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

معاشرے کی اصلاح کے لیے رسالتِ مآب ﷺ نے جس نظامِ عدل کی بنیاد ڈالی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج بھی تاریخ نے وہ واقعات محفوظ رکھے ہوئے ہیں کہ خلفائے راشدین بھی عام آدمیوں کی طرح عدالتوں میں پیش ہوتے تھے اور آج بھی

Marfat.com

معاشرے کی اہم ضرورت عدل جیسی صفت ہے کیوں کہ عدل ہی وہ اعلیٰ صفت ہے جو افراد و اقوام کو امانتِ حکمرانی سے ہمکنار کرتی ہے۔ جیسا کہ مفکرِ پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال نے فرمایا:

سبب پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا(۲۱)

خلاصۂ بحث

آج اُمتِ مسلمہ خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کو جس قدر اجتماعی عدل کی ضرورت ہے شاید تاریخ اسلامی میں کبھی نہ رہی ہو۔ اگر ہم اُسوۂ رسول ﷺ سے بھرپور روشنی لیتے ہوئے خلفائے راشدین کے عملی اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے لائحہ عمل طے کرلیں تو ہمارے مسائل حل ہونے کے ساتھ ساتھ ہم ایک ایسا اجتماعی عدل کا نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے جو مسلمانانِ پاکستان، عالم اسلامی اور پوری دنیا کے لیے امن کا باعث ہوگا اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب ہم تعلیماتِ نبوی کو بنیاد بنائیں جس کی تعلیم ہمیں مفکرِ پاکستان حضرت علامہ اقبال نے بھی دی ہے:

کی محمد ﷺ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں(۲۲)

حوالہ جات

۱- اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء ...... ۲- ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم المصری، لسان العرب، بیروت دار الفکر، ۱۹۵۶ء، ص:۴۳۰، ج:۱۱ ...... ۳- القرآن۔ ۱۶:۹۰ ...... ۴- القرآن۔ ۴۹:۱۰ ...... ۵- ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، السیرۃ النبویہ، مصر مصطفیٰ البابی حلبی، ۱۳۵۵ھ، ص:۲۰۹، الجز الاوّل ...... ۶- القرآن۔ ۴۲:۱۵ ...... ۷- القرآن۔ ۴:۶۵ ...... ۸- البوصیری، عبداللہ محمد بن سعید، کواکب دریہ فی مناقب خیر البریہ (قصیدہ بردہ) مصر، المطبعۃ المیمنتیہ ۱۲۹۸ھ ...... ۹- القرآن۔ ۳۳:۲۱ ...... ۱۰- القرآن۔ ۵:۴۲ ...... ۱۱- بخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری شریف، لاہور فرید بک اسٹال ...... ۱۲- القرآن۔ ۷:۲۹ ...... ۱۳- بخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری شریف، لاہور فرید بک اسٹال، ص:۲۳۹، ج:۳ ...... ۱۴- حافظ محمد ادریس، رسولِ رحمت تلواروں کے سائے میں، ص:۱۲۷، ۱۲۸، ج:۱ ...... ۱۵- القرآن۔ ۱۲:۹۲ ...... ۱۶- القرآن۔ ۲:۸۳ ...... ۱۷- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح بخاری، دار الطباعۃ المنیریہ، بیروت، مکتبہ عالم الکتب، ص:۱۷۰، الجز الثانی ...... ۱۸- القرآن۔ ۵:۸ ...... ۱۹- عبدالرشید، اُسوۂ رسول اور ہماری زندگی، کراچی، شعبہ علوم اسلامی، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۹۷ء، ص:۱۴۲، ۱۴۳ ...... ۲۰- القرآن۔ ۵۷:۲۵ ...... ۲۱- اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء ......
۲۲- اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

رابعہ عتیق۔ ہری پور

عدل کیا ہے:

۱- عربی زبان میں اونٹ کے اس بوجھ کو کہا جاتا ہے جو اونٹ کے دونوں طرف وزن میں برابر ہوتا ہے ہم وزن بوجھ کی وجہ سے اونٹ کے چلنے میں آسانی ہوتی ہے۔

۲- عدل معاوضہ اور فدیہ کے معنی میں آتا ہے کسی شخص کی محنت کا پورا ہم وزن معاوضہ دینے کا نام عدل ہے۔

۳- عرب اسم مؤنث انصاف، برابری، مساوات، مانند، نظیر

۴- کسی مجرم کو اس کے جرم کے مطابق سزا دینے کو بھی کہتے ہیں۔ بشرطیکہ سزا جرم کی نسبت سے دی جائے نہ کم ہو نہ زیادہ۔

۵- توسط اور اعتدال کے معنی میں بھی آتا ہے: التوسط فی الامور الاعتق داً وعملاً و خلقاً۔ یعنی عقائد و اعمال و اخلاق کے ماموارت میں اعتدال و توازن قائم کرنا۔

۶- عدل کا مطلب ہے سیدھا کرنا، برابر تقسیم کرنا، توازن و تناسب قائم کرنا۔ دنیا میں کسی چیز کی نوع کو دیکھا جائے تو اس میں تین مرتبوں کا تعین ہوتا ہے۔ ۱- ادنیٰ، ۲- اوسط ۳- اور اعلیٰ اوسط یا درمیانی درجہ عدل کہلاتا ہے۔ اس سے لفظ اعتدال نکلتا ہے جس کا مطلب درمیانہ درجہ اختیار کرنا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ خیر الامور اوسطھا، یعنی بہترین امور درمیانے ہوتے ہیں۔ اس سے تجاوز کو ظلم کہتے ہیں جو عدل کی ضد ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ برابر تقسیم ہی عدل ہے بلکہ اس کا مفہوم حقوق میں توازن و تناسب ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عدل:

طلوع اسلام سے قبل کسی منظم نظام عدل کا کوئی وجود نہ تھا۔ قبیلے کے سردار کا منہ بولا لرظ ہی قانون تھا لوگوں کے تنازعات کے فیصلے علاقے کے رسم و رواج کے مطابق طے پاتے تھے۔ اگر رسم و رواج سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کیا جاتا تو قبائل مل کر اس کا سدباب کرتے۔ عدل کے کئی طریقے رائج تھے، پہلا طریقہ پنچائتی تھا، پنچ فریقین کو اپنے پاس بلواتے، مدعی مقدمہ پیش کرتا۔ مدعا علیہ اس کا جواب دیتا اور بالآخر داد رسی کر دی جاتی۔ پنچ کا فیصلہ آخری ہوتا کوشش یہ ہوتی کہ یہ تنازعہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ دوسرا طریقہ مذہبی پیشواؤں اور نجومیوں وغیرہ کا تھا جنہیں کاہن کہا جاتا تھا۔ وہ جنتر منتر پڑھ کر چور کا نام بتاتے تھے اور پھر چوروں کی شامت آ جاتی تھی۔ خواہ وہ بے گناہ ہی کیوں نہ ہوں اور جس کی کوئی اپیل نہ ہو سکتی تھی۔ عدل و انصاف کا تیسرا طریقہ ثالثی تھا کئی معزز شخصیات عدل گستری کے فرائض انجام دیتیں۔ ایک مشہور حکم عیلان بن سلمہ ثقفی ہفتہ میں ایک روز اپنی عدالت لگاتا اور لوگوں کے جھگڑے چکاتا۔ چوتھا طریقہ حلف الفضول کا تھا یہ طریقہ تمام قبائل کے حلق اٹھانے

Marfat.com

کے بعد معرضِ وجود میں آیا۔ یہ ایک قسم کا اجتماعی معاہدہ تھا۔ جس کے تحت برائی کے انسداد کی ذمہ داری ہر شخص پر عائد کی گئی تھی۔ نبیؐ نے بھی اس معاہدے کی تشکیل میں حصہ لیا تھا۔ بعد ازاں ایک رضا کارانہ جماعت کی تشکیل عمل میں لائی گئی تھی۔ اگر ہم سابقہ امم وملل کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام نے اپنے عروج کے دور میں اپنے زیردستوں اور رعایا کے ساتھ عدل روا نہیں رکھا۔ جس کی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہوگئیں۔ عاد وثمود کے علاوہ آشوری، مصری، رومی اور یونانی اقوام کی تباہی کی یہی وجہ تھی۔ انہوں نے عدل کے ساتھ ناانصافی کی اور معاشرے کو مختلف طبقات میں بانٹ دیا۔ آج پوری دنیا اسی سحر میں مبتلا ہے جبکہ اسلام کے نزدیک عدل کا صحیح ترین تصور وہی ہے جو بذریعہ وحی مختلف انبیاء علیہم السلام کے توسل سے انسان تک پہنچا اور جس کی تکمیل خاتم النبیینؐ نے فرمائی۔

قانون الٰہی کی عظمت:

اسلامی قانون کے اصول وقواعد اور کسی حد تک جزئیات وفرع بھی خالق کائنات کے وضع کردہ ہیں ان کی عملی تفصیلات نبیؐ نے خود بیان کی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قانون انسانی قوانین کے مقابلے میں اس قدر اعلیٰ وارفع ہے کہ دیگر انسانی قوانین اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تاریخ انسانی میں جس قوم کو بھی زمام امامت سونپی اس کے پیچھے دو بڑے اصول کارفرما رہے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قوم علم ومعرفت میں دوسروں پر سبقت لے جائے اور دوسرے وہ عدل گستری کو اپنا شیوہ بنالے۔ ان دو امتیازی اسباب کی بناء پر کافر قوموں نے بھی دوسروں پر برتری حاصل کرلی۔ خود مسلمانوں کے اندر بھی جب تک یہ دو باتیں رائج رہیں سنت الٰہی مسلمانوں ہی کو دوسروں پر فوقیت دیتی رہی اور جب ان دونوں پہلوؤں میں کمزوری آئی تو اللہ نے ان سے زمام اقتدار چھین لی۔

اسلام میں عدل کی اہمیت:

اسلام میں عدل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جس میں مسلمانوں کے باہمی تنازعات کے فیصلے ہوتے ہیں اور حق داروں کو ان کے حقوق ملتے ہیں۔ اس منصب کی اس سے بڑھ کر اور کیا اہمیت ہوسکتی ہے کہ خود نبیؐ قاضی تھے۔ قرآن کریم نے نہ صرف اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ ہر معاملے میں آپ ہی سے فیصلہ لیں۔ بلکہ اس طرح اس سے مطمئن ہو جائیں اور فیصلے کو قبول کرلیں کہ دل میں ذرا برابر بھی خیال نہ آئے۔ سورۃ نساء میں ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:۶۵)

''اے نبیؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے۔ جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کرلیں۔

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر عدل وقسط کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے جن میں چند آیات درجہ ذیل ہیں:

﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ﴾ (الاعراف ۲۹) ''آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے کامل عدل و انصاف کا حکم دیا ہے''۔

Marfat.com

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدہ: ۴۲) ''اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان کامل عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔'' ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۵۸) ''جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: ۹۰) ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے''۔ ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (الانعام: ۱۵۲) اور جب بات کہو تو حق کی بات کرو اگرچہ وہ اپنا قریبی ہی ہو۔ ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (الانعام: ۱۵۲) اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (النساء: ۱۳۵)

''اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا''۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (المائدہ:۸)

''اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ قریب ہے تقویٰ کے اور ڈرتے رہو اللہ سے''۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات:۹)

بے شک اللہ چاہتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

اسلام کے سب سے پہلے قاضی نبیؐ خود تھے۔ آپؐ نے خیر کا راستہ کھول کر بیان کر دیا اور ہدایت کا طریقہ بتا دیا۔ دل کی بے چینی، بے اطمینانی، کمزوری اور ذلت وخواری سے بچنے کے طریقے بتائے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات کا پابند کر دیا کہ اطاعت بہرحال آپؐ کی ہوگی اور حکم ہر حال میں آپ کا مانا جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَاۤ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:۷)

رسولؐ تم کو جو دیں لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس کو چھوڑ دو۔

اور فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ. وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (النساء: ۱۰۵)

''بیشک ہم نے اتاری ہے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ تا کہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس کے مطابق جو اللہ آپ کو سوجھاتا ہے اور نہ بنیں آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار''۔

یہ وہ حکمت بھری ہدایات تھیں جو اللہ کی طرف سے آپ کو ملی تھیں۔ تا کہ وہ ایسا نظام عدل قائم کریں جس میں لوگوں

Marfat.com

کے معاملات کا فیصلہ اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق ہو۔ کتنی بھرپور ہدایت ہے کہ بگڑے ہوئے اور خیانت پیشہ لوگوں کی طرف داری نہ کریں۔ سورۃ صٓ میں فرمایا گیا ''اے داؤد ہم نے تم کو خلیفہ بنایا زمین میں پس تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ بیشک جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کہ وہ بھولے ہوئے تھے حساب کے دن کو۔ یہ وہ ٹھوس اصول ہیں جن کے مطابق فیصلے ہونے چاہئیں اور یہ وہ واضح لائحہ عمل ہے جو ہر اس شخص کو اختیار کرنا چاہیے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا موقع دیتا ہے تاکہ فیصلہ حق کے ساتھ ہو اور اس میں نفس کا دخل نہ ہو۔

عدل کی وسعت:

عدل عربی کا لفظ ہے۔ عموماً لوگ اس کے معنی انصاف یا برابری کے لیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ عدل کے معنی اس سے بھی زیادہ حقیقی کسی شے کو اپنے حقیقی مقام پر رکھنے کے ہیں۔ یا پھر توازن اور استقامت کے ہوتے ہیں۔ دراصل عدل اعتدال کے مفہوم میں ہے اور اعتدال ایسے طرز فکر کا نام ہے جو افراط و تفرط سے یکسر پاک ہو اس طرح عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب ہی شامل ہیں۔ مثلاً:

اللہ اور بندے کے درمیان عدل:

مثلاً خالق ومخلوق اور بندہ و رب کے درمیان عدل کا تقاضا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو مقدم سمجھا جائے اور اس کی اطاعت کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی جائے یہی وہ حقیقت ہے جس کے بارے میں نبیؐ نے ارشاد فرمایا ہے: لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ متبعا لما جئت بہ (کنز الاعمال) تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس چیز کی تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔

اپنی ذات کے ساتھ عدل:

عدل سے مراد یہ ہے کہ ظلم نہ کرو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں پر ظلم نہ کرو بلکہ اپنے نفس اور اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اپنے نفس کے حقوق اور دوسروں کے حقوق برابر ادا کرو، ظلم کو ترک کر دینا اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچا دینا عدل ہے فرائض و واجبات ادا کرنا عدل ہے۔ دو متضاد چیزوں کے درمیان عدل مثلاً نہ تو انسان سرے سے باطل پرست ہو جائے نیکی بدی کا خیال کیے بغیر جو چاہے کرتا پھرے اور نہ رہبانیت اور ایسی درویشی اختیار کر لے کہ جائز نعمتوں کے استعمال سے پھر گریز کرنے لگے ان دونوں چیزوں کے درمیان عدل یہ ہے کہ فرائض و واجبات کو ادا کرے لیکن حد کے اندر رہ کر ترک دنیا کی طرف نہ جائے۔ فضول خرچی اور بخل و کنجوسی دونوں انتہاؤں کے درمیان رہے۔ انسان کا نفس حیوانی جبلتوں کا مرکز ہے یہ اس کے بدن کے ساتھ پروان چڑھتی ہیں۔ یعنی غصہ، لالچ، جنسی جذبہ اور خود نمائی وغیرہ مگر یہی جبلتیں اعتدال میں رہیں تو ان کو درست سمت کی طرف موڑا جاسکتا ہے اور ان سے مفید کام لیا جاسکتا ہے۔ مثلاً خود نمائی کا جذبہ نئی ایجادات اور نئی تحقیقات اور کارہائے نمایاں کا سبب بنتا ہے۔ لالچ کو کام میں لاتے ہوئے انسان اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے روزی کماتا ہے۔ غصہ کو برائیوں کے خاتمہ اور جرات مندی سے مشکلات کا خاتمہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن لالچ ہی چوری، ڈاکہ

Marfat.com

اور رشوت کا سبب بنتی ہے۔ اس لیے میانہ روی اختیار کرنا قابل تعریف ہے لیکن افراط وتفریط کسی بھی معاملے میں قابل مذمت ہے۔ نبیؐ سے کسی نے رہبانیت کے بارے میں پوچھا کہ ساری عمر روزے رکھوں، ساری رات نماز پڑھتا رہوں تو آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے بس تو روزہ بھی رکھا کر اور روزہ نہ بھی رکھ۔ جاگا بھی کر اور سویا بھی کر۔ نبیؐ نے حضرت عمرؓ کو اونچی آواز میں قرآن پڑھتے سنا آپؐ نے وجہ پوچھی تو عمرؓ نے فرمایا کہ میں غافل لوگوں کو جگانے کے لیے اور شیطان کو بھگانے کے لیے ایسا کرتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا اپنی آواز ذرا پست رکھو۔ نبیؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بہت ہی پست آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے پایا وجہ پوچھی تو جواب ملا کہ اس اللہ کو سنا رہا ہوں وہ پست سے پست آواز بھی سن لیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا آواز تھوڑی اونچی رکھو گویا نبیؐ نے اعتدال کا حسین درس دیا۔ کنز العمال کی ایک حدیث ہے حضرت ابوذرؓ نے ایک موقع پر نبیؐ سے پوچھا سب سے افضل جہاد کون سا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اپنی خواہشات اور ہواوہوس سے جہاد کرے۔ یہ ارشا نبویؐ بھی اصلاح و عدل کا آغاز فرد کی اپنی ذات سے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر ہر فرد اپنی ذات سے عدل کرنے پر قادر ہو تو تمام معاشرہ درست ہوسکتا ہے۔ کنز العمال کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبیؐ نے فرمایا جس شخص نے اللہ پاک کی خاطر خود سے نفرت کی اور اپنے نفس کو بدی سے ملوث نہ ہونے دیا تو اس نے گویا خود کو اللہ تعالیٰ کی نفرت سے محفوظ کرلیا اسی طرح لڑائی جھگڑے اور فساد سے اپنے آپ کو بچانا بھی اپنی ذات سے عدل ہے ناپ تول ترازو پیمانے معنوی ہوں یا مادی ٹھیک درست رکھے جائیں۔ کیونکہ ان میں کمی بیشی بدمعاملگی اور خیانت ہے جو موجب عذاب ہوسکتی ہے۔

ہر تنازعہ مقدمہ، اختلاف اور فیصلہ ہر صورت میں حق و انصاف، اعتدال و میانہ روی کے مطابق ہونا چاہیے یہاں تک کہ اپنے مخالف بلکہ اپنے دشمن سے بھی معاملہ عدل کے ساتھ کرے۔

عدل و انصاف میں جنس کی کوئی تخصیص روا نہیں۔ گواہی بھی سچی دی جائے۔ بیویوں، لونڈیوں، غلاموں، یتیموں اور دوسرے حق داروں کا حق پوری دیانتداری اور عدل سے ادا کیا جائے اور اپنا حق لینے میں بھی عدل برتا جائے۔ زندگی میں حق دہی وحق رسی کے ساتھ ساتھ مرنے کے بعد بھی وراثت کی تقسیم میں عدل سے کام لیا جائے جو اہل ایمان عدل و قسط سے کام لیں گے وہ روز قیامت انعامات الٰہیہ کے مستحق ہوں گے۔ مذکورہ بالا حوالہ جات انفرادی اور شخص زندگی کے عدل و انصاف کے رہنما اصول ہیں تاہم دوسرے رخ سے اجتماعی زندگی کا تعمیری مواد بھی۔

اسلام اپنے کام کا آغاز خارج سے نہیں داخل سے کرتا ہے۔ انسانی زندگی اور اس کے ہر پہلو میں انقلاب انسان کی داخلی و باطنی تبدیلی سے آتا ہے۔ ناانصافیوں، حق تلفیوں اور مظالم کا خاتمہ صرف قوانین نعروں اور چارٹروں سے نہیں ہوسکتا یہ صرف انسان کی باطنی تبدیلی اور نیت وارادہ بدلنے ہی سے ہوسکتا ہے۔

عدل اجتماعی:

اسلام ایک ایسے ہمہ گیر عدل کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہو۔ اپنے نفس سے لیکر رشتہ داروں تک اور عدالت سے لیکر ملکی سیاست اور معیشت تک ہر شعبے میں عدل کارفرما ہو۔ فرد و معاشرہ کی فلاح کا راز اس بات میں مضمر ہے

Marfat.com

کہ معاشرے میں قرآنی عدل قائم کیا جائے فرد کی اصلاح اگرچہ اچھے معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے مگر فرد بہرحال کسی نہ کسی معاشرے کا حصہ ہوتا ہے وہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ فرد کی ضروریات و حاجات کی تکمیل معاشرہ کی مرہون منت ہوتی ہے بلکہ عام حالات میں معاشرہ اچھا ہوگا تو فرد کی اچھائی بھی بار آور ہوگی۔ اسلام جہاں فرد کی تربیت و اصلاح کا اہتمام کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے کہیں زیادہ انتظام معاشرہ کی تنظیم اور فلاح و صلاح کے لیے کرتا ہے کیونکہ انسان کی پوری زندگی بہرحال نظام معاشرت کے احاطہ میں بسر ہوتی ہے۔ عدل قائم کرنا اور اس کے مطابق کاروبار حیات کو ہم آہنگ کرنا۔ جہاں فرد کی ذمہ داری ہے اس کے ساتھ ساتھ اجماع اور ریاست کی بھی ذمہ داری ہے۔

اسلام تو عدل کی سوغات پوری انسانیت کو عطا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تمام انسان بربنائے انسان ایک ہیں ان کے ماں باپ ایک ہیں وہ انسانیت کے ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ رنگ ونسل اور قوم و قبیلے کا ظاہری اختلاف صرف تعارف کے لیے ہے۔ لہذا عدل وقسط کا قیام و استحکام انسانی بنیادوں پر اسی طرح قائم کیا جائے کہ خشکی وتری کا کوئی متنفس اس کے فیضان سے محروم نہ رہے کسی قسم کی تفریق، نسل، وطن، قومیت، حسب ونسب، ملک و ملت، امیری غریبی اور ضعیف وموت کا کوئی حوالہ عدل و انصاف کی راہ کا پتھر نہیں بن سکتا۔ الخلق عیال اللہ کے تحت اللہ کا محبوب وہ ہوگا جو انسانیت سے پیار کرے گا۔

نبیؐ کا عدل:

فراہمی عدل کی اسلام میں اس قدر اہمیت ہے کہ زمین و آسمان اسی پر استوار ہیں رسول کریمؐ نے عدل کے ساتھ ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو اتنی بڑی نعمت قرار دیا ہے کہ اس پر حسد کیا جاسکتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ''دو اشخاص ایسے ہیں جن سے حسد کیا جاسکتا ہے ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا اور حق کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت و دانائی سے نوازا اور اس نے اسی کے مطابق فیصلے کیے اور اس کی تعلیم دی''۔ (ابن ماجہ) آپؐ نے فرمایا حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔ نبی کریمؐ کی پوری زندگی عدل سے عبارت تھی۔ ایک مرتبہ قبیلہ مخزوم کی ایک خاتون چوری کی مرتکب ہوئی خاندان قریش کی عزت کو بچانے کے لیے لوگوں نے اسامہ بن زیدؓ کو نبیؐ کی خدمت میں سفارش کے لیے بھیجا نبیؐ اگرچہ اسامہؓ کو بہت چاہتے تھے۔ مگر آپؐ نے ان کی درخواست منظور نہ کی اور فرمایا۔ ''تم سے پہلی امتیں اسی لیے تباہ ہوگئیں کہ وہ بڑوں کے جرائم معاف کر دیتی تھیں چھوٹوں کو سزا دیتی تھیں۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی یہ جرم کرتی تو میں یہی سزا دیتا۔

عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ غزوہ حنین میں ایک صحابی کے پاؤں میں ایک بھاری جوتا تھا۔ سخت بھیڑ میں ان کے جوتے سے نبیؐ کی پنڈلی کو چوٹ آئی۔ آپؐ نے ان کے پاؤں پر کوڑا مارا۔ دوسرے روز آپؐ نے اسے بلایا اور فرمایا اس مار کا عوض لے لے۔ چنانچہ اس کوڑے کے عوض اس کو ۸۰ بھیڑیں دے دیں۔ حجر اسود کا فیصلہ جس خوش اسلوبی سے فرمایا تھا وہ تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ ہے۔

میثاق مدینہ کے تاریخی معاہدے میں یہود نے بھی نبیؐ پر اعتماد کیا اور معاہدے کی اس شق پر اتفاق کیا کہ آئندہ باہم

Marfat.com

کس جھگڑے میں نبیؐ کا فیصلہ ہی باہم قابل قبول ہوگا۔ آپؐ یا آپ کے ساتھیوں نے بھی اسلام کے دشمن قوم یہود کے اس اعتماد پر کبھی غلط فائدہ نہیں اٹھایا۔ خیبر کے یہودیوں سے صلح ہوئی تو وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہ بن سہل ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے کسی نے انہیں قتل کر کے لاش گڑھے میں ڈال دی۔ عبداللہ کے بھائی نے نبیؐ کے پاس استغاثہ کیا نبیؐ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے انہیں قتل کیا ہے وہ بولے کہ میں نے نہیں دیکھا پھر کیا یہود سے قسم لی جائے آپؐ نے فرمایا یہود کی قسم کا اعتبار نہیں نبیؐ نے عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے یہود سے کوئی تعرض نہ کیا اور خون بہا ۱۰۰ اونٹ بیت المال سے دلوا دیئے۔

اسی عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہودی بھی اپنے مقدمات بارگاہ نبوت میں لاتے مرض الموت میں بھی آپؐ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو اگر میں نے کسی کے جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان مال اور آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ اپنا انتقام لے لے مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو ادا کر دیا گیا۔

خلفائے راشدین کا عدل:

خلیفہ اول سیدنا ابوبکرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں قبول کرتے وقت اپنے خطبہ میں فرمایا ''سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت'' تمہارا کمزور فرد میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اس کو دوسرے سے حق نہ دلا دوں اور تمہارا طاقتور فرد میرے نزدیک کمزور ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل کر کے دے دوں۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت اسلامیہ کے تمام قاضیوں کے نام جو فرمان جاری کیا تھا اس کے اہم نکات یہ ہیں۔ ''عدل و انصاف ایک فریضہ ہے مجلس انصاف میں سب کو برابر رکھنا کہ کوئی کمزور انصاف سے محروم نہ ہو اور کسی معزز باثر شخص کو کسی رو رعایت کی آس نہ ہو۔ جب کہ تمہارے نزدیک ایک عام شہری اور معزز عمر بن خطابؓ دونوں عدالت کے اندر برابر نہ ہوں اس وقت تک تم قاضی کے منصب کے اہل نہیں ہو سکتے۔'' خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے تمام مقبوضہ ممالک میں اعلان کرایا کہ اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جائے اور فوری طور پر دربار خلافت میں نہ پہنچ سکے تو حج کے موقع پر مجھ سے اور میرے حکام سے اجتماع عام میں اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔ چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کا عدل زبان زد خاص و عام تھا۔ کسی مقدمہ میں اگر آپؓ خود فریق معاملہ ہوتے تو قانون کی عدالت میں ایک عام فرد کی طرح حاضر ہوتے اور دوسرے فریق کے برابر بیٹھتے۔ حضرت جعدہ بن ہیرہؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں آ کر کہا کہ اے امیر المومنین آپؓ کے پاس دو آدمی آئیں گے ان میں سے ایک تو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ سے محبت کرتا ہے اور دوسرے کا بس چلے تو آپؓ کو ذبح کر دے۔ اس لیے آپؓ دوسرے کے خلاف پہلے کے حق میں فیصلہ فرمانا۔ اس پر علیؓ نے جعدہ کے سینے پر مکا مارا اور فرمایا کہ اگر فیصلے اپنے آپ کو راضی کرنے کے لیے ہوتے تو میں ضرور ایسا کرتا لیکن فیصلے تو اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد قتیبہ بن مسلم نے فتح سمرقند کے موقع پر اسلام کے احکام جہاد پامال کرتے ہوئے اپنی فوجیں سمرقند شہر میں داخل کر دیں اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اہل ثمر قند نے اس کے خلاف خلیفہ سے شکایت کی اور خلیفہ نے یہ مقدمہ قاضی جمیع کی عدالت کے سپرد کر دیا۔ قاضی جمیع نے شہادتیں اور بیانات سننے

Marfat.com

کے بعد قتیبہ بن مسلم کو مجرم قرار دیا اور لشکر اسلام کو حکم دیا کہ وہ فوراً سمرقند خالی کر دیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل درآمد ہوا اہل سمرقند جو غیر مسلم تھے اس فیصلے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی اکثریت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ اسلامی شریعت پر کسی قانون یا شخص یا خاندان کی بالادستی نہیں ہے اسلام میں عدل پر مبنی بے لاگ فیصلے جہاں اسلامی شریعت کی طاقت کو ثابت کرتے ہیں وہاں دوسری طرف اس کے حسن و جمال کو بھی نکھارتے ہیں۔

مسلمانوں کا عدل:

اسلامی تاریخ میں جس چیز نے سب سے زیادہ شہریت حال کی وہ مسلمانوں کا عدالتی نظام تھا۔ اس نظام کی بدولت مسلمان قضاۃ نے عدل و انصاف کی ایسی عظیم مثالیں پیش کیں کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اس سلسلے میں خلفائے راشدین کا دور تو خاص شہرت رکھتا ہے بعد کے دور میں بھی ہمیں میدان قضا میں مسلسل عدل گستری کی بڑی بڑی روشن قندیلیں ضوفشاں ملتی ہیں۔

قاضی شریح قاضی ابو یوسف ابن خلقان، قاضی ابو یعلیٰ اور شیخ عزالدین عبدالسلام اور اسی قدو قامت کے دیگر قاضیوں نے تہلکہ خیز فیصلے کیے اور امیر و غریب اور شریف و عاصی اور قوی وضعیف کا فرق کیے بغیر بے لاگ اور جرات مندانہ عدالتی احکام جاری کر کے ملت اسلامی کے اندر اسلامی عدلیہ کا زبردست وقار اور اعتماد قائم کیا۔

فراہمی عدل کی نزاکت:

احادیث میں جہاں عدل کی اہمیت وفضیلت کو مثبت صورت میں اجاگر کیا گیا ہے۔ وہاں متعدد احادیث ایسی بھی ہیں جن میں فراہمی عدل کی نزاکت اور اس میں کسی کی کوتاہی پر وعید اور تخویف کا پہلو بھی موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (الجن:۱۵) ترجمہ: حق و انصاف میں کوتاہی کرنے والے جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔ ایسی احادیث کا مقصود قضا سے روکنا نہیں بلکہ اس کی اہمیت کا احساس دلانا ہے۔ کیونکہ عدل گستری کے کام میں ہے۔ خواہش نفس کی پیروی اور ظلم و ناانصافی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ نبیؐ نے فرمایا جسے قضا کا کام سپرد ہوا وہ گویا بغیر چھری ذبح کیا گیا۔ اس حدیث میں جہاں ایک پہلو وعید وتخویف کا ہے وہاں اس میں نمایاں پہلو عدلیہ کی فضیلت ایک دوسری حدیث میں نبیؐ نے فرمایا اللہ کا سب سے نافرمان شخص اللہ کا سب سے ناپسندیدہ شخص اللہ کا سب سے زیادہ بعید شخص وہ ہے جسے امت محمدؐ کی کوئی سربراہی سپرد ہوئی اور اس نے ان کے درمیان عدل نہیں کیا پھر فرمایا اگر قاضی حق تک پہنچنے کی سعی کر کے صحیح فیصلہ کرے تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔ قرآن کریم کی سورۃ انبیاء میں حضرت داؤدؑ، سلیمانؑ کا ذکر اس طرح فرمایا ''اور اسی نعمت سے ہم نے داؤد و سلیمانؑ کو سرفراز کیا یاد کرو وہ موقع جبکہ وہ دونوں ایک کھیت کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا۔ حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں کو عطا کیا تھا۔'' قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت داؤدؑ کی حق تک رسائی کی جدوجہد پر ستائش وتعریف کی گئی اور حضرت سلیمانؑ کے صحیح فیصلے تک پہنچ جانے کو سراہا گیا اور دونوں کے حکم اور علم کی تعریف کی گئی۔

عہد نبوی میں قانون سازی کا طریق کار:

عہد نبوی میں قانون سازی فرضی مسائل اور امکانی واقعات پر نہیں ہوا کرتی تھی مثلاً یہ کہ جزئیات کی تلاش ہو رہی

Marfat.com

ہو اور فیصلہ کی نظیر ڈھونڈی جا رہی ہو۔ بلکہ جیسے جیسے واقعات پیش آتے ہیں احکام کو اس پر منطبق کیا جاتا تھا۔ جب ایسا کوئی مسئلہ اٹھتا تو فیصلہ کے لیے صحابہؓ نبیؐ کے پاس لے جاتے۔ آپؐ فتویٰ کے طور پر کسی قرآنی آیت سے حکم بتا دیتے یا وحی سے اسی وقت جو کچھ اترتا اس کو سنا دیتے یا خود کوئی فیصلہ کرتے یا اپنے عمل سے مسلمانوں کو جتا دیتے کہ یوں ہونا چاہیے اور وہ بھی اسی طرح کریں۔ یا کوئی رائے سامنے آتی یا طرزِ عمل دیکھتے اور وہ صحیح ہوتا تو اس کی توثیق کر دیتے۔ قرآن اس کی منادی کرتا ہے کہ ہر حالت میں آپؐ کی زبان سے حق جاری ہوتا تھا اور آپؐ کو وحی کی راہنمائی ہر وقت حاصل ہوتی تھی۔ ارشاد ہے کہ: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (ترجمہ) وہ اپنی خواہشات سے نہیں بولتا وہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف نازل کی جاتی ہے۔

نبیؐ نے لوگوں کے مقدمات سنے اور فیصلہ دیا اور اپنے نمائندے مختلف علاقوں میں اس کام کے لیے بھیجے جیسے حضرت علیؓ اور معاذؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت انسؓ کو قاضی بنا کر بحرین بھیجا اور حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔ ابن طلحہ اندلسیؒ کہتے ہیں قضاء کا مطلب ہے خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ تاکہ لوگوں تک خدا کے احکام کتاب و سنت کے حوالے سے پہنچا دیئے جائیں۔

نبیؐ کا عدل کے بارے میں حکم:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نبیؐ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ روز قیامت اللہ کے سائے کی جانب سبقت کرنے والے کون ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ لوگ جنہیں حق بات کہی جائے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ ضرورت پوری کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کریں تو اس طرح فیصلہ کرتے ہیں۔ جیسے وہ اپنی ذات کے لیے کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میرے لیے ایک دن کی قضا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

عدل کے منصب پر قائم ہونے والے فرد کے اوصاف:

علامہ الکاسانیؒ نے منصب قضاء پر متعین ہونے والے افراد کی اہلیت کو یوں واضح کیا ہے۔ عقل، بلوغ، اسلام، حریت، بشارت، نطق، قوت گویائی، حد قذف، تہمت کا سزایاب نہ ہونا۔ فقہائے کرام کی نظر میں قضا و ولایت (شعبہ حکومت ہے) اور اس کے لیے متعلقہ شرائط جو بہت ضروری ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسلام، یعنی عادل (قاضی) مسلمان ہو۔

۲۔ بلوغ، بچہ مکلف نہیں ہوتا لہذا قاضی بالغ ہو۔

۳۔ عقل، ذہین فطین اور عقلمند ہو تاکہ پیچیدہ اور دشوار فیصلے کر سکے۔

۴۔ فرد ہونا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت بھی قاضی بن سکتی ہے۔ ماسوائے حدود و قصاص کے تمام فیصلے کر سکتی ہے جبکہ بقیہ تینوں امام اس کے قائل نہیں۔

۵۔ عدالت، خدا ترسی اور پارسائی قاضی کا معیار ہونا چاہیے۔ علامہ شامی کہتے ہیں، قاضی کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو

Marfat.com

جبکہ صغیر گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔

۶۔ سلامت حواس۔ یعنی قوت سامعہ و باصرہ سلامت ہوں تا کہ مدعی اور مدعا علیہ کی بات کو سن اور سمجھ کر فیصلہ دے سکے۔

۷۔ قاضی کو مملکت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو۔

۸۔ قاضی علوم شریعت سے پوری طرح واقف ہو۔

حضرت عمر کا مکتوب:

حضرت عمرؓ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے عدلیہ سے انتظامیہ کو الگ کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت موسیٰ اشعریؓ کے نام قضا کے بارے میں یہ خط تحریر کیا جو عدلیہ کے بارے میں بہت سے قواعد وضوابط بیان کرتا ہے۔

۱۔ عدلیہ کا نظام قائم کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔

۲۔ قاضی عدالت میں فریقین کے ساتھ برابری کا سلوک کرے۔

۳۔ بارِ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور قسم اس سے جو مدعی کے دعویٰ سے انکار کرے۔

۴۔ قاضی پورے غور وفکر کے بعد فیصلہ کرے۔

۵۔ قاضی عدالت میں غصہ اور تنگدلی کا اظہار نہ کرے۔

۶۔ مسلمان افراد کی گواہی ایک دوسرے کے بارے میں قابل قبول ہے۔

۷۔ قاضی کو مملکت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو۔

۸۔ قاضی علوم شریعت سے پوری طرح واقف ہو۔

احترام عدالت اور توہین عدالت:

قاضی کا احترام اور عدالت کا وقار بہت اہمیت کا حامل ہے قرآن کریم میں حکم کو الہ کا وصف قرار دیا اور نبیؐ کے بارے میں فرمایا کہ آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کے بارے میں دل میں کوئی معمولی سا تامل تک پیدا نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ عدالت کے فیصلہ کو بلا تامل قبول کرنا لازمی ہے اور عدالت کا احترام لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص عدالت کے احترام اور وقار کو مقررہ طریقوں کے مطابق ملحوظ نہ رکھے تو عدالت اسے مناسب سرزنش کر سکتی ہے۔

شہادت دینا:

شہادت دراصل اللہ کی طرف سے بندے کے پاس ایک امانت ہے۔ جو اسے کسی صورت بھی چھپانا گناہ ہے اور پھر یہ کہ شہادت پوری دیانت داری اور بلاخوف وطمع دینی چاہیے۔ شہادت کے چھپانے کو بڑا گناہ قرار دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ. وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرہ)

”اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی گواہی کو جو اس کے پاس ہے چھپائے اور اللہ تعالیٰ اس عمل سے غافل نہیں جو تم کر رہے ہو۔

Marfat.com

پھر فرمایا:

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا﴾ (البقرہ ۲۸۲)

''اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے''۔

اختتامیہ:

معاشرے میں جب کوئی نظام نو قیام کے لیے عمل میں آتا ہے تو وہ عدل کا نعرہ لگاتا ہے لیکن یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ نظام عدل کی اس قدر اہمیت اور کوشش کے باوجود اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود کوئی نظام عدل نہ دے سکا۔ ہر انسانی سعی سے تراشیدہ نظام عدل تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد نظام ظلم میں ڈھل گیا۔ نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت اس کی تازہ مثالیں ہیں۔ اسلام نے مکمل حیات انسانی کے لیے عادلانہ نظام نہ صرف کتابی صورت میں دیا بلکہ امر واقعہ کے طور پر انسانی معاشرہ میں کامیابی کے ساتھ قائم کر کے دکھایا۔

اسلام کے نظام عدل میں اسلامی ریاست کا صدر اور عام شہری برابر ہیں۔ حضورؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر کے عملاً اس کی توثیق کی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ مکمل نظام عدل جو دین اسلام ہمیں عطا کرتا ہے اور جو ہماری ابتدائی تاریخ میں پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہو پھر سے جاری و ساری کیا جائے۔ اسی میں دنیا کی فلاح و صلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شبانہ قاضی۔ کوئٹہ

فلسفہ عدل:

ظلم کے خلاف استعمال ہونے والا لفظ ''عدل'' ہے ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب ''عدل اجتماعی'' یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے۔ اسلام نے عدل کو بڑی اہمیت دی۔ عدل کے بغیر آئیڈیل معاشرہ وجود میں نہیں لایا جاسکتا۔ کسی بھی معاشرے میں خوشحالی اور امن و ارتقاء کے مراحل اسی وقت طے ہو سکتے ہیں جب وہاں عدل موجود ہو۔(۱)

آپ ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کی فراہمی تھی۔ رسالت مآب ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں۔ بحیثیت نبی، رسل، خاتم النبین، ریاست کے سربراہ، ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے آپ کی بنیادی ذمہ داری ''عدل اجتماعی'' تھی۔ سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے عہد میں ''عدل اجتماعی'' ایسا تھا کہ کوئی شخص شکوہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے بعد میں خلفائے راشدین نے بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ ''عدل اجتماعی'' کا مقصد یہی ہے کہ معاشرے سے امیر و غریب میں تخصیص ختم ہو جائے اور سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں۔

عدل از روئے قرآن:

قرآن مجید کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفرادیت سے اجتماعیت تک عدل پر زور دیا ہے۔

(i) اللہ سراپا عدل ہے:

ارشاد ہوتا ہے کہ ''اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ''(۲)

(ii) عدل کرنے والوں سے اللہ کی محبت:

اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو عدل کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔(۳)

(iii) اللہ کا عدل اور فرشتے، ارشاد ہوتا ہے:

''خود اللہ بھی گواہ ہے اور فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔

(iv) رسالت کا مقصد عدل اجتماعی ہے:

ایمان باللہ کے بعد دوسرا درجہ ایمان بالرسالت ہے یعنی انبیاء و رسل کا بنیادی مقصد معاشرے میں توحید کے ساتھ

Marfat.com

ساتھ عدل و انصاف کی فراہمی بھی قائم کرنی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ انصاف نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں''۔(۴)

(V) رسول کو حکم اور عدل اجتماعی:

قرآن نے خود رسول کی زبان یہ الفاظ ادا کروائے: ''اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے مابین عدل کروں''۔(۵)

(vi) امت مسلمہ اور عدل اجتماعی:

نبی اکرم ﷺ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں دو مقامات پر ''شہادت علی الناس'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔(۶) عدل اجتماعی کو قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کو عدل و قسط کی گواہی اور نظام عدل کو قائم کرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو خواہ یہ گواہی تمہارے خلاف ہی جاری ہو''۔(۷) الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ یہی آیت سورہ مائدہ میں بھی آئی ہے۔(۸) اسلام کی اعلیٰ تر قدر سماجی اور تمدنی انصاف اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازی اور معتدل عدل اجتماعی کو قائم کیا جائے۔(۹)

(vii) عدل کرنے والے تقویٰ کے زیادہ قریب ہیں:

تقویٰ کے معنی ہوشیار رہنا یعنی بری باتوں سے بچنا اللہ کے نزدیک عدل کرنے والے تقویٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے''۔(۱۰)

عدل اجتماعی اور اسوہ حسنہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے''۔(۱۱) آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو فیصلے کیے وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں بحیثیت انفرادی آپ ﷺ عدل قائم کیا۔ بحیثیت سربراہ آپ ﷺ نے عدل اجتماعی کو قائم کیا۔ جیسے کہ رسالت کا ایک مقصد قرآن نے عدل بھی بیان کیا ہے۔(۱۲) آپ ﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ وحی کے مطابق فرماتے آپ ﷺ مدعی اور مدعی علیہ دونوں کی گفتگو توجہ سے سنتے۔ اثبات واقعے کی صورتیں آپ ﷺ کے ہاں بینہ قسم شہادت تحریر، فراست درایت سے واقعہ کی اثبات یا نفی وغیرہ تھیں۔(۱۳) آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل و انصاف کی ترغیب دلائی اس کی چند مثالیں یہاں مذکورہ ہیں۔

عدل حبیب ﷺ اور حجر اسود:

حضور ﷺ کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کی فہم و فراست اپنی مثال آپ تھی۔ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ قریب کو کعبہ کی دوبارہ تعمیری ضرورت پیش آئی اس کے لیے تیاری شروع کر دی اس وقت رحمت عالم کی حضرت خدیجہ سے شادی کو دس سال گزر چکے تھے۔(۱۴) ہر قبیلہ اپنے اپنے حصے کے مطابق سامان فراہم کرنے میں مشغول ہوگیا۔ چنانچہ تعمیر کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا۔ حضور ﷺ اپنے چچا حضرت عباسؓ کے شریک کار تھے۔(۱۵) کام انتہائی تسلی

Marfat.com

بخش سے جاری رہا مگر جب ''حجر اسود'' نسب کرنے کا وقت آیا تو قبائلی عصبیت شروع ہوگئی۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل جائیں پانچ دن تک حالات ایسے ہی رہے پھر فیصلہ یہ ہوا کہ جو کل سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوگا اس کا حکم بنا دیا جائے گا۔ اللہ اکبر دوسری صبح سب سے پہلے آپ ﷺ حرم میں داخل ہوگئے لوگوں کی خوشی کی انتہاء نہ تھی پھر آپ نے فیصلہ فرمایا میرے پاس چادر لے آؤ آپ نے چادر درمیان میں رکھی ہر قبیلے کے افراد کو بلایا اور فرمایا سب مل کر چادر کو پکڑ لو سب نے پکڑ لیا اور آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ''حجر اسود'' کو نسب کر دیا۔(۱۶) یہ عدل اجتماعی کی نبوت سے پہلے آپ ﷺ نے ایک مثال قائم کر کے دکھائی جس سے معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا۔

عدل حبیب ﷺ اور مشرکین:

مشرکین مکہ سے متعلق سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''بے شک مشرکین نجس ہیں(۱۷) آپ ﷺ ان کے ساتھ بھی عدل کیا باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو سخت اذیتیں دیں۔ (بعض مشرکوں کو جو حضور ﷺ کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک نہ تھے اور نہ حج کے موقع پر حاضر تھے۔ یہ اطلاع ملی کہ پیغمبر اسلام ﷺ ماہ محترم کے اختتام کے بعد ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ حضور کے ساتھ تجدید عہد کریں۔ یہ واقعہ ماہ محترم کے اختتام پر ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ اسلام کی ادائیگی نماز، زکوٰۃ کی شرائط پیش کیں جو انہوں نے منظور نہ کیں اس کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو اپنے علاقوں میں واپس جانے کی اجازت دے دی۔(۱۸)

عادل حکمراں کی فضیلت اور ارشادات نبوی:

معاشرہ اسی وقت سے کامیاب ہوسکتا ہے جب معاشرے میں عدل اجتماعی کو فروغ دیا جائے۔ عدل اجتماعی کو فروغ اس صورت میں ہوگا جب ریاست کا سربراہ عادل ہو۔ ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اپنے گھر والوں کے بارے میں جو ان کے کام سپرد ہیں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں''۔(۱۹)

حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تین قسم کے لوگ جنتی ہیں۔ ایک وہ حکمراں جو انصاف کرنے والا اور اعمال کی خیر کی توفیق سے بہرہ ور ہو اور دوسرا وہ آدمی جو ہر مسلمان اور رشتہ دار کے لیے مہربان اور نرم دل ہو۔ تیسرا مانگنے سے گریزاں وہ شخص جو عیال دار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔(۲۰)

حدود اللہ اور عدل اجتماعی:

سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ ملتا ہے فاطمہ نامی ایک عورت نے مکے میں چوری کی لوگوں نے اسامہ بن زید جو آنحضرت ﷺ کو بہت پیارے تھے سفارش کرائی نبی نے فرمایا تم حدود الٰہی میں سفارش کراتے ہو سنو اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔(۲۱)

عدل حبیب ﷺ کی اعلیٰ مثال:

سواد بن عمر کہتے ہیں کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کے سامنے رنگین کپڑا پہن کر گئے آپ ﷺ نے حط حط فرمایا اور

Marfat.com

چھری سے ان کے شکم میں ٹہوکا بھی دیا۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں قصاص تو لوں گا آپ ﷺ نے جھٹ اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔(۲۲)

عدل نہ کرنے والوں کو طوق پہنایا جائیگا:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس کسی نے ظالمانہ طور پر بالشت بھر زمین کی قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔(۲۳)

عدل اجتماعی اور خلفائے راشدین:

آپ ﷺ نے عدل اجتماعی پر جو معاشرہ قائم کیا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی سنت کو صحابہ نے جاری رکھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں'' اس لیے آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے قرآن وسنت کی روشنی میں عدل اجتماعی کو قائم رکھا بلکہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ عدالت کے کٹہرے میں جانا ہو تو خلفائے راشدین نے وہاں جانے سے بھی گریز نہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور عدل اجتماعی (۱۱ ھ تا ۱۳ ھ):

مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ ہجرت کٹھن مرحلوں میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہمرکاب رہے۔ آپ اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ کا دور شورش سے بھرپور رہا۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ نے جزیرہ نما عرب میں عدل اجتماعی کو فروغ دیا۔ ابھی مدعیان نبوت کی طرف سے اطمینان ہوا تو منکرین زکوٰۃ نے سر اٹھا لیا۔ جب زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی تو غریب کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ اس لیے آپؓ نے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔ لوگوں نے کہا توحید اور رسالت کا جو اقرار کرلے ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جاسکتی۔ آپؓ نے جواب دیا ہر وہ شخص جو شریعت کے کسی رکن کی خلاف ورزی کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔(۲۴) چنانچہ نہایت مستعدی کے ساتھ منکرین کے خلاف جہاد کیا گیا اور ان سے زکوٰۃ لی گئی یہ آپ ﷺ کا تدبرانہ فیصلہ تھا اس کی وجہ لوگوں نے اجتماعی طور پر زکوٰۃ ادا کی۔

حضرت عمرؓ اور عدل اجتماعی (۱۳ھ ۲۴ ھ)

آپ ﷺ کا دور حکومت اسلام کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ آپؓ کے دور میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ آپؓ نے اپنے دور میں سب سے زیادہ اصلاحات نافذ کیں۔ آپؓ نے مختلف محکمے بنائے اسی میں سے ایک محکمہ ''محکمہ انصاف'' بھی تھا۔ آپؓ کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتتے۔ اسی لیے آپؓ نے انصاف کا ایک الگ محکمہ قائم کر دیا۔ تمام ضلعوں میں عدالتیں قائم کی گئیں۔ مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں کیا جاتا۔(۲۵) کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے۔(۲۶) بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معتہدہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں سے کیا وہ کچھ اس طرح سے تھا۔ ''یہ وہ گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے مالوں میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔''(۲۷)

Marfat.com

حضرت عثمانؓ اور عدل اجتماعی (۲۴ھ تا ۳۵ھ)

حضرت عثمانؓ بنی امیہ میں سے تھے۔ اسلام کے تیسرے خلیفہ تھے۔ آپؓ نے عہد فاروقی کے نظام میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ عدل و انصاف کے معاملے میں حضرت عمرؓ کے پیرو تھے۔(۲۸) اگرچہ آپؓ کی خلافت آخری ایام میں بہت مخالفین ہوگئے تھے مگر اس کے باوجود آپؓ نے عدل اجتماعی کے معاملے میں کوئی تخصیص نہیں کی۔

حضرت علیؓ اور عدل اجتماعی (۳۵ھ تا ۴۰ھ)

آپ حضرت ابو طالبؓ کے بیٹے اور داماد رسول ﷺ تھے۔ خلفائے راشدین میں سے آپؓ سب سے آخری خلیفہ تھے۔ عدل کے معاملے میں آپؓ کی سیرت سے متعلق بے پناہ واعقات ملتے ہیں۔ تاریخ میں آتا ہے ''ایک مرتبہ آپ کی ذرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی ذرہ ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا آپؓ کے پاس کوئی ثبوت ہے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں چنانچہ قاضی شریح نے نصرانی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہوگیا۔(۲۹) خلفائے راشدین نے معاشرے کی اصطلاح کے لیے دین اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ معاشرے میں ''عدل اجتماعی'' کو فروغ دیا جس کی وجہ سے ان کا دور عدل و انصاف پر مبنی ایک فلاحی دور کہلایا۔

عدل اجتماعی الہامی مذاہب:

اللہ کے نزدیک دین دراصل اسلام ہی ہے جس وقت آدم کو دنیا میں بھیجا اس وقت سے دین اسلہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے''۔(۳۰) مگر بعد میں لوگوں نے اپنے اپنے مذاہب کے نام رکھ لیے۔ یہود اور نصاریٰ جو کہ حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ کی قوم کہلائی انہوں نے اصل تعلیمات کو بھلا کر اس میں تحریف کر ڈالی۔ ارشاد ہوتا ہے: ''وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے''۔(۳۱) انبیاء کا بنیادی کاموں میں سے ایک کام عدل بھی کرنا ہے۔ مگر ان لوگوں نے ہر معاملے میں تحریف کر ڈالی۔ عدل کے معاملے میں انہوں نے یہی کیا۔ خواتین کا معاملہ دیکھا جائے ان کی حیثیت ایک لونڈی کی سی تھی۔ جائیداد میں انہیں کچھ حصہ نہ دیا جاتا اس کے برعکس اسلام نے عورتوں کو تمام حقوق دیئے اسی طرح انہوں نے طبقاتی تقسیم بھی کر ڈالی۔ اللہ کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے عدل کے معاملے میں کوتاہی برتی اور جب جب عدل سے پیچھے ہٹے عذاب الٰہی ان کا مقدر بنا۔ یہود سے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: ''اور وہ کیسے اپنے توراۃ ہوتے ہوئے جس میں احکام الٰہی ہیں پھر تم کو منصب بناتے ہیں اسی کے بعد پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان و یقین والے نہیں''۔(۳۲) اسی عیسائیوں سے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: ''اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا اسی کے مطابق حکم کریں اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ فاسق ہے۔''(۳۳)

عدل نہ کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کا اپنی کتاب کی اصل تعلیم سے منحرف ہونا ہے۔ یہی وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے عدل اجتماعی تو لگایا مگر آج تک عدل اجتماعی کہیں نظر نہیں آیا۔ عراق، افغانستان کا حال سب کے سامنے ہے۔ اقوام

Marfat.com

متحدہ جو امن کا راگ الاپتا ہے مگر حیران کی بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں پانچ ممالک کو ویٹو کا حق دیا گیا ہے جب توازن ہی ختم ہوگیا تو عدل اجتماعی کہاں نظر آئے گا۔

عدل اجتماعی اور عصر حاضر:

آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل و انصاف کی ترغیب دلائی اور اس کو عملی طور پر رائج کیا اس کی رو سے سب سے انسان برابر تھے۔ آپ ﷺ اسلام کے بدترین دشمن کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیتے تھے۔ آج ہمارا ملک جس ظلم و تعدی، ناانصافی، بددیانتی، لوٹ مار اور حقوق کی پامالی کا شکار ہے اس کے نتیجے میں فساد و انتشار اور بے چینی و اضطراب کا طوفان امڈ چلا آ رہا ہے اس کی بنیادی وجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت ہے۔ ساتھ ہی عدل و انصاف سے بے پرواہی ہے۔ اس کا حل ایک اور صرف ایک ہے۔ حقیقی موثر اور بے لاگ عدل کا فروغ، یہاں ہم ان چیزوں کو دیکھیں گے جن کو اگر ہم اپنی زندگی میں لے آئیں اور معاشرے میں قائم کریں تو عدل و انصاف پر مبنی ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔

اسلام کا مقصد ہی عدل ہے:

اسلام آیا ہی اسی لیے ہے کہ عدل کو قائم کریں۔ (۳۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ہم نے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی تا کہ انسان انصاف پر قائم ہو۔'' (۳۵) عدل اسلام سے الگ چیز نہیں بلکہ اسلام ہی خود عدل ہے۔

ریاست کا سربراہ اور عدل اجتماعی:

رسالت مآب ﷺ کے بعد فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔ عدل اجتماعی کی ذمہ داری سربراہ ریاست پر ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اے اہل ایمان پوری قوت کے ساتھ عدل و قسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو۔ گو یہ گواہی تمہارے اپنے گواہی تمہارے اپنے خلاف ہی جاری ہو۔'' (۳۶) امت مسلمہ پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے حکمران کے احکامات پر عمل کرے اگر حکمران کے احکامات پر عمل کرے اگر حکمران عادل ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اے اہل ایمان اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔'' (۳۷) ریاست کا سربراہ جب عادل ہوگا تو معاشرے میں عدل اجتماعی کو فروغ دے گا لیکن اگر یہی حکمراں عدل کو قائم نہیں کرے گا تو معاشرے میں افراتفری پھیل جائے گی۔ سب سے زیادہ سخت محاسبہ حکمراں سے ہی ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت کے روز عادل قاضی کو بلایا جائے گا اور اس کا اس قدر سخت محاسبہ ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیان کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا''۔ (۳۸) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو عدل کے ساتھ کرو''۔ (۳۹)

جمہوریت اور عدل اجتماعی:

جمہوریت کا اصول یہ ہے کہ سب برابر ہیں۔ ریاست کا سربراہ عوام کا منتخب نمائندہ ہوگا۔ قرآن نے بھی جمہوریت کے فروغ کے لیے اقدامات کیے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''وامرھم شوریٰ بینھم'' اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے'' (۴۰) حکومت کی باگ دوڑ کسی ایک طبقے یا خاندان تک محدود نہ رہے بلکہ عوام جس کو منتخب کرے اسی کو ریاست کا سربراہ تسلیم کرلیا

Marfat.com

جائے۔ اسی سے معاشرے میں مساوات قائم ہوگی اور عدل اجتماعی کو فروغ ہوگا، امیر وغریب میں تخصیص ختم ہو جائے گی۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''سنو اور مانو اگر چہ تمہارے اوپر کسی حبشی غلام کو حکمراں بنا دیا جائے جس کا سر منقا جیسا ہو۔'' (۴۱)

مالی معاملات اور عدل اجتماعی:

دولت اگر ایک ہاتھ میں رہے گی تو معاشرے میں غربت ہوگی اور غربت ہوگی تو معاشرے میں جرائم ہوں گے کیونکہ انسان پیٹ کے لیے لڑتا ہے۔ اگر اسے اس کی محنت کا صلہ نہ ملے تو ریاست میں جرائم کی شرح بڑھ جائے گی۔ اسی لیے قرآن میں ایک مقام پر آیا ہے کہ دولت امیروں کے ہاتھوں میں نہ رہ جائے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''بستیوں والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا اور رسول کا قربت والوں، یتیموں، مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تا کہ دولت، دولت مندوں کے ہاتھوں میں نہ رہ جائے۔ (۴۲) تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمر سے متعلق ایک واقعہ ملتا ہے۔ کتاب الخراج میں لکھا ہے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں ایک رائے یہ تھی کہ ان کی تمام زمینیں باشندوں میں مال غنیمت کی حیثیت رکھتی ہیں جنہیں اس قانون غنیمت کے مطابق سورہ انفال میں بیان ہوا ہے۔ (۴۳)

مجاہدوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے اگر ایسا ہوتا ان کا صرف پانچواں حصہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا اور باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم ہوجاتے۔ اس طرح تمام اراضی انفرادی جاگیریں بن جاتیں اور اس کے نتیجے میں تاریخ انسانی کا بدترین جاگیردارانہ نظام قائم ہو جاتا بلکہ ان کے تمام باشندے مسلمانوں کے شخصی غلام بن جاتے اس صورت کو قبول کرنے سے حضرت عمر نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کے فہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ اموال غنیمت کا اطلاق صرف ان اموال منقولہ پر کیا جائے جو عین موقع جنگ پر حاصل ہو۔ جیسے ہتھیار، سامان رسد اور گھوڑے اور دوسرے مال مویشی اور دیگر اموال غیر منقولہ کو مال فئے قرار دیا جائے یعنی مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار پائے۔ اس پر شدید نزع کا بازار گرم ہوگیا۔ حضرت عمر کی اس رائے سے حضرت بلال نے اختلاف کیا پانچ پانچ ارکان کا ایک کمیشن بیٹھایا گیا جنہوں نے بالاتفاق حضرت عمر کی رائے کی تصویب کی۔ (۴۴) اس طرح یہ دولت اجتماعی ملکیت قرار پائی آج کے اس جدید دور میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تا کہ دولت کی تقسیم صرف اغنیاء تک محدود نہ رہے۔

معاشرت اور عدل اجتماعی:

انسان کے خالق نے اسے ایک معاشرت پسند حیوان کی فطرت عطا فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی کہ خالق اسے آسمان پر کہیں بنا کر بالکل عالم شباب براہ راست زمین پر نازل کرتا اور پھر مراحل سے گزارے بغیر کسی عالم ماہتاب میں اسے واپس لے جاتا۔ اس کے برخلاف اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تہہ برتہہ ظلمتوں میں سے ایک ناتواں بچے کی حیثیت سے وجود پذیر ہوتا ہے۔ (۴۵) جس طرح سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اسی طرح سب کی ماں بھی اصلاً ایک ہی ہے۔ عورت اور مرد کے مقابلے میں کوئی حقیر فروتر مخلوق نہیں بلکہ اس شرف میں سب برابر کے شریک ہیں۔ یہ اساسات ہیں جن پر معاشرے کی بنیاد قائم کرنے کے لیے انبیاء کے دین میں زوجین کی مستقل رفاقت کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے بنائے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو

Marfat.com

اس نے تمہارے اندر محبت اور ہمدردی ودیعت فرمائی بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور کرنے والے ہیں''۔(۴۶)

معیشت اور عدل اجتماعی:

جو قانون اللہ نے اپنے آخری پیغمبرﷺ کی وساطت سے انسان کو دیا اس کی بناء اس اصول پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی۔(۴۷) اس وجہ لیں اس کا نظام اس نے اس طرح قائم کیا کہ یہاں سب لوگ ایک دوسرے کے محتاج اور محتاج الیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۴۸) ہر شخص کا اپنا ذہن ہوتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر شخص کو اس کی ذہانت کی بل بوتے پر اس کے لیے رزق مہیا کرے کوئی محقق ہوتا ہے، کوئی دانشور، کوئی حکیم، کوئی عالم، کوئی سائنسدان، کوئی لیڈر پیدا ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک کی صلاحیت اس کے بل بوتے پر اس کو آگے بڑھایا جائے۔ معیشت میں یہی عدل اجتماعی کی نشانی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''کیا آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں سے تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے۔''(۴۹)

قاضی اور عدل اجتماعی:

لفظ قضاء قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے مگر اس کے عام معنی حکم اور ''فرمان'' کے ہیں۔ قضاء اس قول کو کہتے ہیں جو اولی الامر کی جانب سے اس کا بجا لانا لازمی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''آپ کے رب نے حکم دیا کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا کسی کی''۔(۵۰)

شرعی اصطلاح میں حکومت کے مقرر کردہ بااختیار ادارے کی طرف سے کتاب وسنت اور احکام شرعیہ کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنے کا نام قضاء ہے۔(۵۱) ایک قاضی کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ فیصلہ انصاف کے ساتھ کرے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان کامل عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''۔(۵۲) اسلامی ریاست کی خصوصیت یہی ہونی چاہیے کہ ایسے لوگوں کو اہم سرکاری اور بالخصوص عدالتی مناصب پر فائز نہ کیا جائے جو عدل و انصاف کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ جب عدل و انصاف ہی نہیں ہوگا تو عدل اجتماعی کیسے قائم ہوگا۔ قضاء کوئی آسان کام نہیں، قیامت کے دن قاضی سے سخت ترین محاسبہ ہوگا۔ آپﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت کے روز قاضی عادل کو بلایا جائے گا اور اس کا اس قدر سخت محاسبہ ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایک فیصلہ بھی نہ کیا ہوتا''۔(۵۳)

پاکستانی عدالتیں اور عدل اجتماعی:

پاکستان میں سستا اور فوری انصاف دلانے کے دعویٰ ماضی کی حکومتیں کرتی رہیں ہیں۔ لیکن اس ضمن میں کسی بھی جمہوری یا فوجی آمریت نے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا۔ عدالت کا کام ہی انصاف دلانا ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج پاکستان کو بنے ہوئے ساٹھ سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے مگر کہیں انصاف نظر نہیں آیا۔ پاکستان میں آزاد عدلیہ کی بحالی کے باوجود پاکستان کی عدالتوں میں زیر التواء مقدموں کی تعداد تیرہ لاکھ سے تجاوز کر گئی۔(۵۴) زیر سماعت مقدمات پر فیصلوں کی شرح ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں، سپریم کورٹ چار ہائی کورٹس اور فیڈرل شریعت کورٹ میں زیر التواء مقدموں کی تعداد ایک لاکھ پچاسی ہزار سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض مقدمات ایک عشرے سے بھی زیادہ عرصے سے زیر التواء ہے۔(۵۵) قیدی

Marfat.com

فیصلے کے منتظر ہیں۔ جب تک انصاف نہیں ملے گا اس وقت تک ملک سے بدامنی ختم نہیں ہوسکتی۔ عدالت کا مقصد ہی حق دار کو اس کا حق دلانا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں آزاد عدلیہ ہونے کے باوجود عدل اجتماعی کا قیام عمل میں نہیں آ رہا۔ وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ انصاف کی فراہمی بروقت نہیں ہو رہی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (۵۶) اور ایسا نہیں ہو رہا۔ ضرورت عدل اجتماعی کو فوری قائم کرنا زیر التواء مقدمات کا فیصلہ فوری سنایا جائے۔

حاصل کلام:

آپ ﷺ نے جس عالمگیر عدل و انصاف کی ترغیب دلائی اور اس کو رائج کیا مگر بعد میں اس پر عمل نہیں ہوسکا۔ جس کی وجہ سے مسلمان آج پستی کی جانب گامزن ہیں۔ ایک وہ وقت تھا جب اسلام کے شدید ترین دشمن یہودی اپنے مقدمات کا فیصلہ آپ ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ﷺ سے شریعت کے مطابق فیصلہ کرواتے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم ہی تھی کہ مستشرقین بھی آپ ﷺ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ مسٹر ہولڈرسن لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ہی کی یہ خوبی ہے کہ اس میں وہ تمام اچھی باتیں ہیں جو دیگر مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ اسلام کا نظام عدل اجتماعی کی یہی وہ خوبیاں ہیں جنھیں عہد حاضر میں نافذ کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت موثر ہوگا جب سیرت طیبہ سے استفادہ کرتے ہوئے حقیقی شکل میں نافذ کیا جائے۔ جس کے دائرہ اثر سے معاشرہ کا کوئی طبقہ مستثنیٰ یا محفوظ نہ ہو۔

حواشی

۱- اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، ڈاکٹر اسرار احمد۔ ۲- الانعام: ۱۵۔ ۳- الحجرات ۹۔ ۴- آل عمران ۱۸۔ ۵- الحدید ۲۵۔ ۶- شوریٰ ۱۵۔ ۷- البقرہ ۱۴۳۔ ۸- النساء ۱۳۵۔ ۹- المائدہ ۹۔ ۱۰- المائدہ ۹۔ ۱۱- الاحزاب ۲۱۔ ۱۲- الحدید ۲۵۔ ۱۳- مسلمانوں کا نظم مملکت، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مترجم، مولوی علیم اللہ صدیقی۔ ۱۴- ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم شاہ الازہری، ص۱۵۱۔ ۱۵- ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم شاہ الازہری، ص۱۵۱۔ ۱۶- رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ص۔ ۱۷- التوبۃ ۲۸۔ ۱۸- عدالت نبوی ﷺ۔ ۱۹- صحیح مسلم، کتاب المارۃ۔ ۲۰- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ ۲۱- رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ص۲۲۲۔ ۲۲- رحمۃ للعالمین، قاضی سلیمان منصور پوری، ص۲۲۲۔ ۲۳- مشکوٰۃ المصابیح۔ ۲۴- تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص ۹۶۔ ۲۵- تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین، ص۱۲۱۔ (۲۶) تاریخ اسلام، شاہ معین الندوی، جلد اول، ص۱۸۶۔ (۲۷) تاریخ اسلام، شاہ معین الندوی، جلد اول، ص۱۸۶۔ (۲۸) تاریخ اسلام، ڈاکٹر حمید الدین۔ (۲۹) تاریخ اسلام، شاح معین الندوی، (۳۰) آل عمران ۱۹۔ (۳۱) المائدہ ۱۳۔ (۳۲) المائدہ ۴۳۔ (۳۳) المائدہ ۴۷ (۳۴) اسلامی ریاست، مولانا مودودی۔ (۳۶) الحدید ۲۵۔ (۳۷) النساء ۱۴۵۔ (۳۸) النساء ۷۹۔ (۳۹) النساء ۱۳۵۔ (۴۰) النساء: ۵۸۔ (۴۱) شوریٰ: ۳۸۔ (۴۲) بخاری، حدیث ۱۴۲۷۔ (۴۳) الحشر ۷۔ (۴۴) الانفال ۴۱۔ (۴۵) کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف، مترجم، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی۔ ۴۶) المیزان، جاوید احمد غامدی۔ (۴۷) الروم: ۳۰۔ (۴۸) المیزان، جاوید احمد غامدی۔ (۴۹) المیزان، جاوید احمد غامدی۔ (۵۰) الزخرف ۴۳۔ (۵۱) بنی اسرائیل ۲۳۔ (۵۲) تاریخ فقہ، ڈاکٹر فضل احمد، ص ۱۹۲۔ (۵۳) المائدہ ۸۳۔ (۵۴) مسند احمد حنبل۔ (۵۵) عدل و انصاف، شکیلہ صدیقی، روزنامہ جنگ کراچی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

مس میمونہ سہیل۔ ملتان

اسلام میں اجتماعی عدل کے مزاج سے ہم صحیح طور پر اسی وقت آشنا ہو سکتے ہیں جب الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلامی فکر کو اجمالی طور پر سمجھ لیں کیونکہ اجتماعی عدل کا اسلامی نظریہ اسی اصول اور بنیادی فکر کی ایک فروغ ہے جو اسلام کی تمام تعلیمات کا مرجع ومنبع ہے۔ اسلام کے پیشِ نظر پوری انسانی زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کا کام تھا اس لئے نہ تو اس کی اصلاحی کوششیں اٹل ٹپ رہی ہیں اور نہ ہی اس نے ہر مسئلہ کے لئے الگ الگ علاج تجویز کئے ہیں۔ اس کے پاس الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایک جامع تصور اور ایک مکمل نظریہ ہے۔ اس کی تمام فروع اور جزئیات اس نظریہ سے کلی ہیں۔ اس کے نظریات وقوانین اس کی متعین کردہ حدود اور عبادات و معاملات کے باب میں اس کی ہدایات سبھی اس اصل سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ اسی جامع اور مکمل فکر کی روشنی میں اس کی عملی پالیسی بھی بنتی ہے۔ یہ طریقہ اسلامی مزاج کے بالکل منافی ہے کہ ہر نئی صورتحال کے لئے ایک نئی اور آزاد پالیسی وضع کر لی جائے جو دوسرے امور میں اختیار کی ہوئی پالیسی سے کوئی ربط نہ رکھتی ہو یا ہر مسئلہ کے لئے علیحدہ حل تلاش کئے جائیں۔

اس بنیادی فکر کا صحیح فہم ایک محقق کے لئے اسلامی اصول وضوابط کا سمجھنا آسان کر دیتا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ باآسانی اسلام کے تفصیلی احکام کو اس کے اصولوں سے ہم آہنگ دیکھ سکتا ہے۔ اسلامی طرز زندگی کا دلچسپی کے ساتھ گہرا مطالعہ بھی اس فہم کے بعد ہی ممکن ہے۔ اسی کے فیض سے محقق اس نتیجہ تک پہنچ سکے گا کہ اسلام ایک ناقابل تقسیم کل ہے جس کا ہر جزو دوسرے اجزاء سے گہرے طور پر مربوط ہے اور حیات انسانی کے لئے یہ نظام اسی وقت نفع بخش ہو سکتا ہے جب اسے پورا کا پورا اپنایا جائے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کے لئے صحیح ترتیب یہی ہے کہ سیاسیات و اقتصادیات یا افراد و اقوام کے باہمی تعلقات کے ضمن میں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے پہلے الوہیت، کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلام کا بنیادی فکر معلوم کرے۔ اس لئے کہ یہ سب دراصل شاخیں جو اسی بنیادی فکر سے نکلی ہیں اسے سمجھے بغیر ان کو پوری صحت اور گہرائی کے ساتھ سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

حقیقی اسلامی فکر ابن سینا، ابن رشد، فارابی یا ان جیسے ان دوسرے فلاسفر کے یہاں نہیں ملے گا جن کو دنیا فلاسفر کے نام سے جانتی ہے۔ ان کا فلسفہ یونانی فلسفہ کا چربہ ہے جو اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کے لئے بالکل اجنبی واقع ہوا ہے۔

اسلام کے پاس اپنا حقیقی اور مکمل فکر موجود ہے جو اس کے فکری مآخذ قرآن و حدیث، رسول خدا کی سیرت پاک اور آپؐ کے طرز عمل سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کے جس بنیادی فکر سے اس کی بقیہ ساری تعلیمات بہ شکل قوائین، عبادات اور معاملات سے نکلتی ہیں اس کو پا لینے کے لئے مآخذ ہر بالغ نظر محقق کے لئے کافی ہیں۔ اسلام نے خالق اور مخلوق، انسان، حیات

Marfat.com

اور کائنات، انسان اور اس کی اپنی ذات، مرد اور جماعت، فرد اور ریاست، بحیثیت مجموعی اقوام انسانی اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور مزاج سے بحث کی ہے۔ اس میں سے ہر ایک کے سلسلہ میں اپنے اصولی اور اہم باتوں کی طرف اشارہ کریں گے تاکہ یہ اشارات اسلام میں اجتماعی عدل پر گفتگو کے لئے تمہید کا کام کرسکیں۔ انسانیت عرصہ دراز تک کائنات اور خالق کائنات اور حیات اور انسان کے بارے میں کسی جامع تصور تک نہ پہنچ سکی۔

جب بھی اللہ کے یہاں کوئی پیغمبر اس کے پاس یہ تصور لے کر آیا کچھ لوگوں نے اسے قبول کیا اور اکثر لوگ اس سے روگرداں رہے، پھر ساری کی ساری انسانیت اس سے روگرداں ہوگئی اور بگڑتے ہوئے جاہلی تصورات کی طرف چلی گئی۔ پھر اسلام کامل ترین تصور اور جامع ترین شریعت کے ساتھ لے کر آیا اور اس نے ان دونوں بنیادوں پر زندگی کا ایک نظام قائم کیا جو اس تصور اور اس شریعت کا عملی مظاہرہ تھا۔

جہاں تک خالق اور مخلوق کائنات، حیات اور انسان کے مابین تعلق کا سوال ہے۔ اس کی اصل وہ ارادہ ہے جس سے بغیر کسی فعل اور واسطہ کے ساری مخلوق پیدا ہوتی ہیں۔

﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴾ (یٰس ۸۲)

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا بس وہ چیز ہو جاتی ہے''۔

خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں، نہ قوت کا واسطہ نہ مادہ کا بلکہ مخلوقات اس کے ارادہ مطلق کے براہ راست نتیجہ کے طور پر بلا کسی تاخیر کے وجود میں آتی ہیں۔ اسی کے مطلق اور کامل ارادہ سے مخلوقات کا تحفظ، ان کا انتظام اور ان کی تدبیر وابستہ ہے۔

﴿يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ﴾ (الرعد ۲)

''معاملات کی تدبیر کرتا ہے، آیات کی تفصیل سامنے لاتا ہے''۔

﴿وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ﴾ (الحج ۶۵)

''وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے الا یہ کہ اللہ کا اذن ہو جائے''۔

﴿لَا الشَّمۡسُ يَنۡۢبَغِىۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّيۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ‌ؕ وَكُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ﴾ (یاسین:۴۰)

''سورج کے بس میں نہیں کہ چاند کو پالے، نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ ہر ایک اپنے دائرہ کار میں رواں دواں ہے''۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرُ﴾ (المُلک ۱)

''بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھوں میں سارا اقتدار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

ایک ارادہ مطلق سے صادر ہونے والا یہ وجود ایک مکمل وحدت ہے، جس کا ہر جزو اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ دوسرے تمام اجزاء سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہاں ہر جزو میں ایک خاص حکمت پوشیدہ ہے جو ہم آہنگی و تناسب کے اس نظام

Marfat.com

کامل سے گہرا ربط رکھتی ہے۔

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان:۲)

''اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی''۔

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (قمر ۴۹)

''بے شک ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ایک انداز ے سے''۔

﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا. مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ. فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ O ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ (المُلك:۳،۴)

''وہی ہے جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کے خلق میں ذرہ برابر بھی فرق (بے ضابطگی) محسوس نہ کرو گے۔ تم نظر ڈال کر دیکھو، کیا تم کسی قسم کا نقص محسوس کرتے ہو۔ پھر دوسری بار نظر ڈالو، نظر تمہاری طرف ذلیل ہو کر درماندہ لوٹ آئے گی''۔

﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا﴾ (حم سجدہ ۱۰)

''اللہ نے زمین پر پہاڑ قائم کئے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں روزی کا اہتمام کیا''۔

﴿اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (روم ۴۸)

''اللہ ہی ہے جو ہوائیں چلاتا ہے، پھر وہ ہوائیں بادل اٹھاتی ہیں اور اللہ اس بادل کو آسمان میں جس طرف چاہتا ہے پھیلاتا ہے۔ وہ ان کو تہہ بہ تہہ رکھتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان سے مینہ نکلتا ہے۔ پھر جب وہ اس سے اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے نوازتا ہے تو وہ خوش خوش نظر آنے لگتے ہیں''۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر موجود شے کی ایک حکمت ہے جو مقصد کائنات سے ہم آہنگ ہے اور یہ کہ جو ارادہ کائنات کا مود ہے اور جو پھر اس کی تنظیم و تدبیر اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہی ارادہ ہر شے میں اس امر کی رعایت بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ وہ وجود کلی کے لئے نفع کلی کی حامل ہو اور اس سے ہم آہنگ ہو۔

وجود چونکہ ایک ہی مطلق اور کامل ارادہ سے براہ راست صادر ہونے کے باعث ایک ایسی وحدت ہے جس کے اجزاء باہم مربوط و ہم آہنگ ہیں۔ اس لئے وہ زندگی اور خاص طور پر زندگی کے اعلیٰ ترین مظہر اخلاقی زندگی کے لئے سازگار اور موافق بلکہ مددگار اور معاون واقع ہوا ہے۔

چنانچہ کائنات نہ تو زندگی کی دشمن ہے نہ انسان کی۔ جاہلیت حاضرہ کی اصطلاح میں ''قدرت'' انسان کی دشمن نہیں جو اس سے دست بہ گریباں رہے بلکہ وہ اللہ کی مخلوق اور انسان کی دوست ہے جس کے رجحانات زندگی اور انسان کے رجحانات

Marfat.com

کے مخالف نہیں۔ زندگی گزارنے والوں کا کام یہ نہیں کہ وہ قدرت سے پنجہ آزمائی کریں کیونکہ انہوں نے اسی کے آغوش میں پرورش پائی ہے وہ اور قدرت دونوں اسی کائنات سے تعلق رکھتے ہیں اور ساری کائنات ایک ہی ارادے سے صادر ہوئی ہے۔ انسان ایک مانوس اور موافق فضا میں ایسی موجودات کے درمیان درمیان ہے جو اس کی مونس وغم خوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب زمین بنائی تو

﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا﴾ (حم السجدہ:۱۰)

''اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے، اس میں برکت ڈالی اور خوراکوں کا اہتمام کیا''۔

﴿وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ﴾ (نحل: ۱۵)

''اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ وہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے''۔

﴿وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ﴾ (الرحمٰن: ۱۰)

''اور زمین کو اس نے مخلوق کے لیے مہیا کیا''۔

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ. وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾ (الملک:۱۵)

''یہ اللہ کی ذات ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لیے مطیع بنا دیا۔ پس تم اس پر چلو اور اللہ کے عطا کردہ رزق کو کھاؤ''۔

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (بقرہ:۲۹)

''زمین کی ساری چیزیں تمہارے لیے پیدا کیں''۔

آسمان اپنے حسین تاروں سمیت کائنات کا ایک جزو ہے جو بقیہ دوسرے اجزء سے مل کر ہی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ اس طرح جو کچھ بھی آسمان اور زمینوں میں ہے وہ کائنات کے دوسرے اجزاء کا ہم سفر اور رفیق راہ ہے۔ ان سے ہم آہنگ ہے، ان کا ممد ومعاون ہے۔

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ (ملک:۵)

''اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا''۔

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهٰدًا. وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا. وَّخَلَقْنٰكُمْ أَزْوَاجًا. وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا. وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا. وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا. وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا. وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا. وَّأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا. لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا. وَّجَنّٰتٍ أَلْفَافًا﴾ (النباء: ۶ تا ۱۶)

''کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں کر دیا اور پہاڑوں کو میخ نہیں بنایا اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور ہم نے تمہاری نیند کو ذریعہ آرام بنایا اور رات کو پردہ پوش کیا اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم نے چراغ روشن کیا اور ہم نے برسنے والے بادلوں

Marfat.com

سے بہت سا پانی نازل کیا تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اناج، سبزیاں اور گنجان باغ اگائیں۔''

اس طرح اسلامی عقیدہ اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ انسانوں کے پروردگار نے ان تمام قوتوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے دوست، مددگار اور معاون بن کر رہیں۔ اس دوستی کو عملاً حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان قوتوں کا شاہدہ کرے ان پر غور کرے۔ انہیں سمجھے اور ان کے ساتھ تعاون کرے۔ اگر کبھی یہ انسان کو تکلیف پہنچاتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان نے ان پر غور نہیں کیا اور ان اصول وقوانین کو نہیں سمجھا جن کے تحت یہ کام کرتی ہیں۔ ساتھ ہی ایسا نہیں کہ خالق نے انسان اور دوسری ذی روح موجودات کو اس سازگار کائنات کے حوالے کر کے ان کو خود اپنی براہ راست توجہ اور نگرانی سے محروم ہی رکھا ہو۔ اس کا براہ راست ارادہ بیک وقت پوری کائنات اور اس کی ہر فرد کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ﴾ (فاطر: ۴۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا نہیں تھامنے والا نہیں ہے''

﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا﴾ (ھود: ۶)

''زمین میں کوئی ایسا حیوان نہیں جس کا رزق اللہ نہ فراہم کرتا ہو، اللہ ان تمام جانداروں کی جائے قرار اور ان کی آخری منزل سے باخبر ہے''

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾ (ق: ۱۶)

''ہم نے انسان کی تخلیق کی ہے اور ہم خود جانتے ہیں کہ اس کا نفس اسے کیا کیا سکھاتا ہے۔ ہم تو اس سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں''۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ﴾ (مومن: ۶۰)

''تمہارے رب نے کہا مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا''

﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ﴾ (انعام: ۱۵۱)

''قلت رزق کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں اور انہیں دونوں کو رزق فراہم کریں گے''۔

شان وحدت کی حامل یہ کائنات ایک ہی ارادہ کا فیض ہے۔ انسان اسی کائنات کا ایک جزو ہے جو دوسرے اجزاء سے مربوط اور ہم آہنگ بھی ہے۔ فرداً فرداً نظام کائنات سے ہم آہنگ و مربوط ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ افراد انسانی باہم بھی ہم آہنگ و مربوط ہو کر رہیں۔ اسی بناء پر اسلام وحدت انسانیت کے نظریہ کا قائل ہے کہ اس وحدت کے اجزاء اگر مختلف ہیں تو یہ بھی اتفاق و اتحاد ہی کی خاطر اور متفرق ہیں تو اس لیے کہ مجتمع ہو سکیں۔ وہ مختلف راہیں اختیار کر کے بھی بالآخر ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں کیونکہ وحدت کائنات کے ساتھ تعاون و ہم آہنگی سب کی منزل مقصود ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا﴾ (الحجرات: ۱۳)

Marfat.com

''اے لوگو! ہم نے تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر رکھا ہے کہ تم کو ایک دوسرے کے تعارف میں آسانی ہو''۔

انسانی زندگی کا نظم اس وقت تک درست نہ ہو سکے گا جب تک کہ یہ تعاون و ہم آہنگی تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اس کی تکمیل اس قدر ضروری ہے کہ اس راہ سے ہٹنے والوں کو واپس لانے کے لیے طاقت کا استعمال بھی مباح ہے۔

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ (المائدہ:۳۳)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں''۔

اسلام کائنات، حیات اور انسان کی بابت ایک بنیادی نظریہ رکھتا ہے۔ اجتماعی عدل کا تصور اسی بنیادی فکر کا پرتو ہے۔ یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع انسانی عدل بنا کر پیش کرتا ہے جو مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں۔ اس کے نزدیک زندگی کی حقیقی قدریں بیک وقت مادی بھی ہیں اور معنوی بھی۔ دونوں میں تفریق صحیح نہیں انسانیت ایک جامع وحدت ہے جس کے مختلف عناصر باہم مربوط و ہم آہنگ اور ذمہ داریوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ یہ باہم نفرت اور دشمنی رکھنے والے مختلف گروہوں کا مجموعہ نہیں۔ کبھی کبھی ایسا گمان ہونے لگتا ہے کہ حقیقت واقعہ اسلام کے اس بنیادی فکر کے خلاف ہے لہذا سب سے پہلے خود حقیقت واقعہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

اسلام جس چیز کو حقیقت واقعہ کا درجہ دیتا ہے وہ کسی ایک فرد، قوم یا نسل کی تاریخ نہیں۔ کیونکہ ایسی تاریخ زمان و مکان کی پابند، ایک محدود سی صورت واقعہ کا نام ہے۔ فانی انسانوں کا کوتاہ بین فہم ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی انسانی زندگی سے ابھرنے والے عظیم حقائق کو بھول کر انہیں تاریخوں کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ اسلام اس کوتاہ بینی کا قائل نہیں وہ تمام گوشوں پر نگاہ ڈالتا ہے۔ ہر طرح کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے اور ایسے مقاصد کو اپنا ہدف بناتا ہے جن سے ازل تا ابد ساری انسانیت کو یکساں تعلق ہے۔ چنانچہ ایک بات جو چند مخصوص حالات میں حقیقت کے خلاف نظر آتی ہے وہی جب ساری انسانی تاریخ اور پوری انسانی زندگی کے اس وسیع پس منظر میں رکھ کر دیکھی جاتی ہے جو افراد و قوم یا نسلوں کا پابند نہیں تو سارا تعارض رفع ہو جاتا ہے۔

یہی دور اس بنیادی اور کلی فکر جو عدل اجتماعی کے اعلیٰ مقاصد کا ضامن ہے اسلام کے تفصیلی احکام و ضوابط کے سمجھنے میں بھی ہماری مدد کرتا ہے۔ جن ضوابط کی علیحدہ علیحدہ توجیہہ شکل نظر آتی ہے وہ اس اصل کی روشنی میں حکمتوں سے پرنظر آنے لگتے ہیں۔ ان جزوی احکام پر اگر ایک گروہ کے کسی فرد ایک قوم کے کسی گروہ، ایک نسل کی کسی مخصوص قوم یا مختلف نسلوں میں سے کسی نسل کے مفاد و مصالح کی روشنی میں غور کیا جائے تو ان کا صحیح فہم حاصل کرنا مشکل ہوگا اس کو سمجھنے کے لیے اس بنیادی فکر

Marfat.com

کی رہنمائی ضروری ہے۔

انفرادی ملکیت کا نظام، وراثت کے قوانین، زکوٰۃ کا ضابطہ، عدالتی نظام اور قوانین تجارت غرض کہ انفرادی یا اجتماعی امور سے متعلق سارے اسلامی قوانین وضوابط کی حقیقت اسی بنیادی فکر کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔ عدل اجتماعی کا اسلامی نظام تین بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔

۱- مطلق اور مکمل آزادئ ضمیر

۲- کامل انسانی مساوات

۳- ٹھوس اور پائیدار اجتماعی تکافل

۱- آزادی ضمیر

اجتماعی عدل کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا نہ اسے اس وقت تک قیام و بقا نصیب ہوسکتا ہے جب تک کہ اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور نہ موجود ہو۔ پھر یہ یقین بھی ضروری ہے کہ اسی طرح ایک اعلیٰ انسانی مقصد تک پہنچنا ممکن ہو سکے گا۔ ساتھ ہی مادی حالات ایسے ہونے چاہئیں کہ فرد اس نظام عدل سے وابستہ رہے۔ اس کی حفاظت کرنے اور اس کی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ فرد کو اس ضرورت کا احساس نہ ہو اور وہ اس شعور کو ہمیشہ تازہ رکھنے کا عملاً اہتمام نہ کرے تو محض قانون سازی کے ذریعہ اس طرح کا عدل قائم کرنا مشکل ہے۔ ایسی قانون سازی اگر عمل میں بھی آ جائے تو سماج ان قوانین کو برقرار رکھنے اور انہیں پوری طرح نافذ کرنے پر قابدر نہ ہو سکے گا۔ ضروری ہے کہ افراد کے داخل میں ایسے عقائد موجود ہوں جو اس اجتماعی عدل کی تائید کریں اور خارج حالات بھی ایسے ہوں کہ اس کا قیام عملاً ممکن ہو سکے۔ اس نکتہ کو اسلام اول دن سے سمجھتا ہے اور اسے اس نے اپنی قانون سازی اور ہدایت وتلقین دونوں میں ہمیشہ سامنے رکھا ہے۔ کلیسا اور مقدس کانفرنسوں کی بگاڑی ہوئی، عیسائیت اور اسی طرح بدھ مت کے نزدیک دینوی زندگی کے لذائذ و مرغوبات سے بے نیازی اللہ کے کرشموں سے پرآسمانی دنیا کی طرف توجہ اور ترک دنیا انسان کو آزادی عطا کرنے اور فلاح و سعادت سے بہرہ یاب کرنے کے لیے کافی ہے۔ بات سچی ہے لیکن ایک حد تک، کیونکہ زندگی کے تقاضوں کو ہر حال میں پس پشت ڈال دینا ممکن نہیں ہوتا۔ نہ ہی ضروریات زندگی کو ہمیشہ دبائے رکھنا ممکن ہے۔

انسان ان ضروریات کا دباؤ محسوس کرنے اور اکثر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہے۔ زندگی کے تقاضوں کو دبانا کچلنا ہمیشہ اچھا ہی نہیں ہوتا۔ خالق حیات نے انہیں عبث نہیں بنایا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اس کو معطل رکھ کر ہر طرح کے نشوارتقاء سے محروم کردے۔ ضروریات سے بے نیازی اور بلندی کا مطلب یہ نہیں کہ خود زندگی کو ناکارہ بنا کر چھوڑ دیا جائے۔ موزوں اور معقول صورت وہ ہوگی جس میں انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کونشوونما کا پورا موقع ملے اور ساتھ ہی وہ ضروریات کی توہین آمیز حد تک غلامی سے بچا بھی رہے۔ اسلام کو ایسی ہی شکل مطلوب تھی اور اس نے جسمانی ضروریات اور روحانی میلانات دونوں کے لیے ایک ایسا ہی نظام تجویز کیا ہے۔ اس نے آزادی ضمیر کی خاطر داخل میں شعور و احساس بھی پیدا

Marfat.com

کیا اور خارجی حالات کو بھی سازگار بنایا۔ اس کے برعکس اشتراکیت کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی ضمیر کی واحد ضامن معاشی آزادی ہے۔ فرد کو نظری قوانین عدل و مساوات کی جو ضمانتیں عموماً دیتے ہیں ان سے بھی وہ معاشی دباؤ کے سبب محروم ہی رہ جاتا ہے۔ یہ بات بھی ایک حد تک سچائی کی حامل ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سماج میں معاشی آزادی کی ضمانت فکر و شعور کی ایسی آزادی کے بغیر نہیں دی جاسکتی جس کی جڑیں قلب وضمیر میں گہری اتر چکی ہوں۔ انسان پر ضروریات، صلاحیتوں اور رجحانات کا جو دباؤ پڑتا ہے اس کا مقابلہ صرف قانون کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک فرد جو پیدائشی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے پیدائش دولت اور ترقی کی توڑ میں دوسروں کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ کچھ عرصہ تو شیخی بگاڑ سکتا ہے لیکن بالآخر احساس کمتری کا شکار ہو کر پیچھے رہ جائے گا۔ پھر وہ مساوات کا طالب بھی نہ رہ جائے گا جس کی ضمانت بالعموم اسے قانوناً حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح جو فرد غیر معمولی قوت کا اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوگا وہ ایک دن مساوات مطلق کے ضابطے توڑتا ہوا آگے نکل جائے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرسکا تو اپنے دل میں قانون کے خلاف غیظ وغضب کی پرورش پائے گا۔ آخر کار وہ یا تو سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا یا اس کی صلاحیتیں مردہ اور قوت کار مفلوج ہو جائے گی اور اس کے نتائج کار بہت گر جائیں گے۔ اگر مساوات کے پیچھے احساس حریت بھی کارفرما ہو اور اسے قانون کی تائید بھی حاصل رہے تو اس کا احساس کمزور اور طاقتور دونوں میں یکساں اجاگر رہتا ہے۔ کمزور میں مساوات کا یہ تصور جذبہ غلو بن کر نمودار ہوتا ہے اور طاقتور میں انکسار تواضع بن کر ظاہر ہوتا ہے۔

مساوات کا یہ تصور انسانی ذہن میں جاگزیں ہوتے ہی دوسرے بنیادی تصورات سے مربوط ہو جاتا ہے۔ اللہ پر ایمان، امت کی وحدت اور اس کے افراد میں ذمہ داریوں کے اشتراک کا تصور اور آگے بڑھ کر ساری انسانیت کی وحدت اور اس میں کفالت باہمی کا اصول اس مساوات سے گہری طرح مربوط نظر آنے لگتا ہے۔ اسلام کو یہی کیفیت مطلوب ہے اسی کی خاطر اس نے پہلے تو داخلی اور خارج دونوں طرح کے ذرائع استعمال کرتے ہوئے ہو فرد کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت دی پھر اسے کامل ضمیر آزادی بھی عطا کی۔ اسلام کا نقطہ نظر آغاز ضمیر انسانی کو غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت و فرمابرداری سے آزاد کراتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو انسان پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اسے مارتا اور جلاتا ہو کوئی دوسرا نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ آسمان و زمین میں بس وہی ایک ذات ہے جو انسان کو رزق عطا کرتی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں رہتا۔ آسمان و زمین میں بس وہی ایک ذات ہے اس کے ماسوا سب بندے ہیں جو نہ خود اپنے لیے کچھ کر سکتے ہیں نہ دوسرے کے لیے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (اخلاص: ۱ تا ۴)

”کہو اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے“۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اور اس طرح کی آیتیں غریبوں کو اپنی حالت پر قناعت کرنے اور امراء کو ان کی امارت و ثروت میں مست چھوڑ دینے کی دعوت دیتی ہیں۔ یہ سراسر غلط استنباط ہے۔ اس آیت کی یہ تفسیر اسلام کی روح سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ دراصل یہ ان پیشہ ور دینداروں کی تفسیر ہے جن کی غرض ہی یہ وہی ہے کہ ملوکیت اور استبداد کے دور میں عوام کے

Marfat.com

شعور و احساس کو مردہ بے جان کر کے انہیں اجتماعی عدل کے مطالبہ سے باز رکھیں۔ ان کا جرم ان کے سر ہے اسلام ان کی اس توڑ مروڑ سے بری ہے۔ فی الحقیقت یہ اور اس طرح کی دوسری آیات اس لیے آئی ہیں کہ انسانی قدروں کو ان کا کھویا ہوا مقام واپس دلائیں اور غریبوں کے ذہن و شعور کو اس کمزوری اور بے ہمتی سے نکالیں جس میں وہ مال و متاع جیسی خالص مادی قدروں سے مرعوب ہو کر مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔ ہماری اس توجیہہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تلقین فرمائی کہ ان قدروں کو کوئی اہمیت نہ دیں اور نہ ہی ان کو معیار بنا کر لوگوں کو مقام متعین کریں۔

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکہف: ۲۸)

''اور اپنے دل کو ان لوگوں کی مصیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش پر چلتا ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے''۔

اس سلسلہ میں محمدؐ کا ابن ام کلثوم نامی نابینا اور سردار قوم ولید بن مغیر کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ قابل ذکر ہے وہ واقعہ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر عتاب فرمایا۔

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى. وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى. اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى. اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى. فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى. وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى. وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى. وَهُوَ يَخْشٰى. فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى. كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ. فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ (عبس: ۱ تا ۱۲)

''اندھے کے آنے پر تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔ تجھے کیا معلوم کہ وہ تزکیہ حاصل کرتا یا اسے تذکرہ ہوتا اور یہ یاددہانی اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوتی جو استغناء برتتا ہے تو اس کے کے پیچھے پڑتا ہے اور تجھ پر گناہ نہیں کہ وہ نہیں سنورتا اور جو خود سے دوڑ کر تمہارے پاس آتا ہے اور اس کے اندر خشیت الٰہی موجود ہوتی ہے۔ تو اس سے تم بے توجہی برتتے ہو، ہرگز نہیں (یہ رویہ غلط ہے) یہ تذکرہ ہے پس جو چاہے اس سے یاددہانی حاصل کرے''۔

یہ لمحہ انسانی حرص کا ایک لمحہ تھا جو محمدؐ پر آپ کی اس فکر میں گزر گیا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ ولید کو اسلام کی طرف مائل کرے۔ چنانچہ جب ابن کلثوم کچھ قرآن سیکھنے آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ ولید سے گفتگو میں مصروف تھے۔ اب یہ آپ کو پکارے جا رہے ہیں اور آپؐ ہیں کہ ولید ہی کے سلسلہ میں مصروف رہے اور ان کی اس بات کو برا مانا یہاں تک کہ نبی ﷺ کے چہرہ پر بھی شکن آ گئی۔ اس پر آقا نے اتنا شدید عتاب فرمایا جو جھڑکی کی سرحدیں چھو رہا ہے۔

اسلام نے ایک ہی آیت میں ہر طرح کے لذائذ و مرغوبات گن دیئے ہیں اور نفس انسانی کے تمام کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کر دی ہے تاکہ ایک پلڑے میں ان سب کو اور دوسرے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت اور اس کی راہ میں جہاد کی

Marfat.com

ترتیب کر رکھ کر انسان اچھی طرح موازنہ کر کے فیصلہ کرے تا کہ اس کے بعد قربانی وایثار بھی تکمیل کو پہنچے اور شہوات کے پھندوں سے بھی آزادی مکمل ہو جائے۔ اسلام کو وہی ''نفس'' مطلوب ہے جو ان تمام پھندوں سے آزاد ہو چکا ہو اور ان تمام بندھنوں کو توڑ چکا ہو۔ وہ دعوت دیتا ہے کہ نفس کو اس سانچہ میں ڈھالا جائے تا کہ وہ حقیر ضروریات سے بلند ہو جائے۔ آپ اپنے قابو میں رہے اور عارضی اور حقیر مرغوبات کی بجائے ان چیزوں کی طرف لپکے جو بلند تر اور وسیع تر ہوں اسی طرح اسلام کہتا ہے کہ

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ. ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ. قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ. لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (العمران: ۱۴ تا ۱۵)

''لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس، عورتوں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب چند زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتیں ہوں گی۔ وہاں انہیں ہیشگی کی زندگی حاصل ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہونگے اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے''۔

یہ تلقین نہ تو غفلت و جمود میں مبتلا رہنے کی کوشش ہے نہ ہی ترک دنیا اور پاکیزہ و حلال چیزوں سے پرہیز کی دعوت، جیسا کہ بعض مفسرین نے اپنے ذوق کی مناسبت سے سمجھا ہے یا جیسا کہ مخالفین اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اس کے سر تھوپتے ہیں۔ تو یہ طبیعت اور خواہش کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی دعوت ہے۔ اگر انسان زندگی اور اس کی مسرتوں اور لذتوں کا غلام بننے کی بجائے انہیں قابو میں رکھے تو ان سے لطف اندوز ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

عدل کی اہمیت:

انسانی زندگی پر باہم اختلاف پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اسلام نے نظام عدل وضع کیا ہے جو معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ اس نظام کا تقاضا ہے کہ ہر سطح پر عدل کا اہتمام کیا جائے، خواہ گفتگو ہی کیوں نہ ہو، قرآن میں آتا ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (الانعام: ۱۵۲) ''اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو''۔ یہاں عدل توازن کے ساتھ حق بات کہنے کے معنی میں آیا ہے دوسری جگہ عدل کا حکم ان الفاظ میں ہے: ﴿اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ: ۸) ''عدل کرو جو تقویٰ کے قریب ہے''۔

یہاں عدل کا حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس لیے اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر شخص ہر سطح پر عدل کا اہتمام کرے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل محض کسی مخصوص شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ روزمرہ زندگی کے تمام اقوال و افعال میں توازن پیدا کرنے کا نام ہے۔ ایک اور مقام پر قرآنی عبارت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اللہ کا حکم ہے۔

Marfat.com

قرآن میں آتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: ٩٠) ''بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔

عدل سے متعلق آیات کی تفاسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نظام عدل کا قیام خلیفہ یا امام کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اس تصور کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (ص:٢٦) ''اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کر''۔

اس آیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے خلیفہ، امام، حاکم وقت یا آج کل کی اصطلاح میں صدر اور وزیراعظم کا اولین کام لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا ہے۔ یہ فیصلہ بہت سی اقسام کے ہوسکتے ہیں۔ لوگوں کے مابین نزاعات پیدا ہونے پر خلیفہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔ کلیدی عہدوں پر تقرری کے لیے چناؤ کا مرحلہ آئے تو اہل ترین افراد کے حق میں فیصلہ کرنا بھی عدل ہے۔ مختلف مواقع پر ملک کے لیے کئی راستوں (Option) میں سے بہترین راستے کا انتخاب بھی عدل ہے۔ معاشرے میں مختلف طبقات کے مفادات کے باہم ٹکراؤ کی صورت میں متوازن اور درست فیصلہ کرنا بھی عدل ہے۔ مختصر یہ کہ سربراہ مملکت وہ حتمی ادارہ ہے جو قیام عدل پر مامور ہے۔ وہ حالات کے مطابق خود عدل کرے یا معاملات میں وسعت کے پیش نظر یہ کام بہت سے دوسرے افراد کو بھی تفویض (Delegate) کرسکتا ہے۔

جہاں تک عدل کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے تو ان میں ایک مفہوم یوں بھی ہے ''الحکم بالحق، ضد الجور (۱) یعنی حق کے ساتھ فیصلہ، ظلم کا متضاد'' کسی شے کو اس کے درست مقام پر رکھنا ہی عدل ہے۔ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ کے جائز حقوق کا تعین کر کے انہیں یہ حق عطا کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لیے عدل سے نسبت کے بناء پر اسے عدالت کہتے ہیں۔

قضاء کا مفہوم اور اہمیت:

کتب فقہ میں عدل و انصاف کا مفہوم ادا کرنے کے لیے ایک دوسرا لفظ ''قضاء'' استعمال ہوتا ہے جس کے معنی عدل کے ذریعے فیصلہ کرنا ہے(۲) قرآن میں آتا ہے واللہ یقضی بالحق اور اللہ ٹھیک بے لاگ فیصلہ کرے گا۔ فیصلہ کرنے والا عادل یا قاضی کہلاتا ہے۔ اصطلاح میں کتب فقہ میں عدل و انصاف کا مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ قضاء استعمال ہوتا ہے۔ قانون دان حضرات جن معنوں میں لفظ عدل یا منصف استعمال کرتے ہیں ان کے لیے کتب فقہ میں ''قاضی'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جو اردو میں مصروف ہے۔

لفظ قضاء خالصتاً ''عدلیہ'' کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عدل کی اہمیت ایک اسلامی ریاست میں ہی نہیں دنیا کے ہر نظام میں مسلم ہے۔ قضاء اسلامی نظام حکومت کا اہم ترین شعبہ ہے جس کا مقصد عدل کا قیام اور تنازعات میں فیصلہ کرنا ہے قضاء کا ایک خاص دائرہ ہے اس کے اندر رہ کر ہی قاضی عدل کا اہتمام کرتا ہے۔ عدل اشیاء میں توازن قائم کرنے کا نام ہے۔ یہ توازن عمل کے ذریعے بھی ممکن ہے اور اس کے علاوہ بھی لیکن قضاء ایک خاص عدالتی عمل (Judicial Process) کا نام ہے جو کسی ادارے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جسے آج کل عدلیہ سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس میں فریقین کا ہونا ضروری ہے۔

نظام عدل و قضاء کے اہم نکات

معاشرتی نظام عدل درست نہ ہو تو پورا معاشرہ غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ معاشرہ اعتدال سے ہٹ کر ہو تو عدالتیں غیر

Marfat.com

مؤثر ہو جاتی ہیں۔ ایسے ملک میں بدنظمی اور انتظار ہی ملتا ہے۔ خود نظام عدل کی درستی کا انحصار بہت سے دوسرے عناصر پر ہے۔ محض قاضی کی دیانت، خداترسی، معاملہ فہمی اور بصیرت ہی عدل و انصاف کی ضمانت نہیں ہوتے جب تک کچھ دوسرے شعبہ ہائے زندگی اس کی مدد نہ کریں۔ عادل قاضی فیصلہ تو کر سکتا ہے مگر ممکن ہے وہ فیصلہ عدل سے خالی ہو کیونکہ قاضی کے فیصلے کا انحصار بہت بڑی حد تک گواہوں کے بیانات پر ہوتا ہے۔ سچی، بروقت اور بے خوف گواہی مقدمے کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر عدل کا تصور محال ہے۔ قاضی کا ایمان، علم بصیرت، تقویٰ اور حواس اس کے مددگار ہوتے ہیں۔ ان میں کمی یا ضعف آ جائے تو اس کا اثر فیصلہ پر پڑتا ہے علم بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ علم جو منصب قضاء کا لازمہ ہے جس کے بغیر وہ اس کام پر مامور نہیں ہو سکتا۔ دوسرا وہ علم ہے جو مقدمے کے بارے میں فریقین اسے مہیا کرتے ہیں۔ وہ تعاون نہ کریں، لیت ولعل سے کام لیں، گواہ گواہی دینے سے کترائیں یا غلط گواہی دیں تو قاضی بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے۔ جس کے اثرات فیصلے پر پڑتے ہیں۔ اس لیے نظام عدل کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل دو نکات کی تفہیم ضروری ہے۔

۱- خود احتسابی

کسی بھی معاملہ سے دو افراد مختلف نتائج نکال سکتے ہیں۔ یہ نتائج ان کی معاملہ فہمی میں فرق اور نیک نیتی کی وجہ سے ممکن ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں درست ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس کا تعین کرنے کے لیے محکمہ قضاء وجود میں آتا ہے جو افراد کے تنازعات طے کرنے کے لیے آخری چارہ کار ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تنازعات کی بہت بڑی تعداد انسان خود مل جل کر طے کر سکتے ہیں۔ انسانی عقل انسان کو بتا دیتی ہے کہ کسی معاملہ میں درست رائے کیا ہو سکتی ہے۔ مہذب، معاملہ فہم اور عادل معاشرے کے افراد بھی اس معاشرے کی طرح اس کی تصویر ہوتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں تنازعات کی بہت بڑی تعداد محض خط و کتابت کے ذریعے ختم ہو جاتی ہے۔ ایک تجارتی ادارہ کسی جہاز ران ادارے کے بروقت مال نہ پہنچانے کی وجہ سے نقصان اٹھائے تو وہ ایک خط کے ذریعے اطلاع دے دیتا ہے کہ معاہدہ کے مطابق آپ کو یوں کرنا چاہیے تھا جو آپ نہ کر سکے۔

غیر متوازن معاشرے میں عدالتیں بے بس ہوتی ہیں۔ شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے لیکن مہر ادا کرنے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ شادی کے وقت دونوں خاندانوں نے بہت سے معاملات میں غیر متوازن رویہ اپنایا ہوتا ہے۔ لڑکی والوں نے لڑکے کے استطاعت سے بڑھ کر مہر لکھوایا تاکہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے لڑکا کسی وقت طلاق نہ دے سکے۔ باوجود یہ کہ طلاق ناگزیر ہو جائے۔ طلاق دے تو لڑکی کو بڑی مالیت کا مہر ملنے سے امکان پیدا ہو جائے۔ ادھر شوہر کی نیت شروع سے ہی مہر نہ دینے کی تھی۔ اس لیے اس نے بلا تامل بڑی مقدار کی رقم لکھ دی تاکہ نباہ ہو جائے تو اس نے کون سا مہر دینا ہے اور طلاق کی صورت میں بے شمار عذر نکالے جا سکتے ہیں۔ یہاں عدالت طویل، بے مقصد عمل کے ذریعے عورت کو مہر دلا بھی دے تو اس عرصے میں مہر کی اصل رقم سے زیادہ اخراجات مقدمہ پر اٹھ جاتے ہیں جس کی ذمہ دار عدالت نہیں ''نظام'' ہے۔ یہ کیفیت غیر متوازن معاشرے میں پیش آتی ہے جہاں بالآخر فریقین اپنے غیر متوازن رویے کی وجہ سے معاشرتی نظام خراب کر کے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔

۲- گواہی اور تعلق باللہ

نظام عدل و قضاء کے ذریعے حاصل ہونے والا دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ فریقین کے حقوق واضح کیے جائیں جو فی

Marfat.com

الاصل تو شروع ہی میں واضح ہوتے ہیں لیکن فریق مخالف کی ہٹ دھرمی، ضد، بدنیتی اور کج فکری کی وجہ سے فریقین معاملہ طے نہیں کر سکتے۔ یہاں فیصلے کا انحصار بڑی حد تک گواہوں پر ہوتا ہے۔

ایک دفعہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ لے کر آئے جس کا تعلق وراثت سے تھا۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو! میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنی چرب زبانی کی وجہ سے اپنے حق میں وہ دلائل دے جو دوسرا نہ دے سکے تو یاد رکھو میں نے دلائل کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ اس لیے آگاہ رہو کہ میرے اس فیصلے کی وجہ سے تم میں کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی جائیداد ناجائز طور پر حاصل کر لیتا ہے تو فی الحقیقت اپنے لیے آگ کا ٹکڑا حاصل کرتا ہے اور قیامت کے دن یہی آگ کا ٹکڑا اس کے گلے میں اس کے پھکنی سے زیادہ دہل رہا ہوگا۔

یہ گفتگو سن کر دونوں اصحابی اپنا مقدمہ بھول کر رونے لگے۔ دونوں نے کہا کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہو کر اسے اپنے بھائی (فریق مخالف) کو بخشتا ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ جائیداد کو شریعت اور عدل کے مطابق اس طرح تقسیم کرو کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ درست اور جائز معاملہ کرے۔

اس حدیث سے ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقدمات کی سماعت سے قبل قاضی فریقین کو مناسب زبان اور انداز میں خوف خدا اور روز آخرت کی یاد دلائے بلکہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہی حیثیت موثر پیرائے میں بیان کرے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہر دو قسم کے مقدمات میں درست فیصلے کا انحصار جہاں ایک قاضی رویے پر ہے وہیں فریقین کے اپنے ضمیر پر بھی ہے۔ عدل و انصاف، نیک نیتی پر مبنی اختلافات رائے یا فریقین کے غلط رویے کا فیصلہ درست شواہد کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

حصول عدل کے لیے چند ادارے

اسلامی تصور عدل و قضاء کے مطالبہ سے پتہ چلتا ہے کہ عدل قائم کرنے کے لیے اسلام نے ایک سے زائد ادارے وضع کیے ہیں۔ یہ ادارے مختلف النوع ہیں لیکن ان کے قیام کا مقصد ایک ہی ہے یعنی رعایا کو بروقت اور بلامعاوضہ عدل و انصاف کی فراہمی اور معاشرے میں توازن پیدا کر کے اسے قائم رکھنا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے عدالتی نظام، محکمہ قضاء اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اس سے قبل کئی ایسے مراحل ہیں جن کے ذریعے معاشرے میں ظاہر ہونے والے مقدمات کی تعداد ریاستی مداخلت کے بغیر بانسبتاً سہل انداز میں کم ہو جاتی ہے۔ عدالات تک پہنچنے والے مقدمات وہیں رہ جاتے ہیں جو فی الواقع عدالتی عمل سے گزرنے کے لائق ہوں۔ ان اداروں کا مختصر تعارف یوں ہے۔

۱- ادارہ افتاء:

کتب فقہ میں ترتیب کے لحاظ سے پہلا موضوع ایمانیات ہے۔ انسانی زندگی میں سب سے اہم چیز ایمان ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو زندگی متوازن رہتی ہے۔ عدل قائم کرنے کے لیے اسلام پہلے ایمانیات سے متعلق وسائل استعمال کرتا ہے جن کے لیے ادارہ افتاء قائم ہوا۔ اس ادارے کے ذریعے اسلامی معاشرے کے بہت سے مراعات مفتی کی رائے سے طے ہو جاتے ہیں نہ کسی عدالتی فیس کی ضرورت پڑتی ہے نہ وکیل کی اور نہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ لوگ اپنے مقدمات پوری دیانت داری سے

Marfat.com

مفتی کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ جنھیں سن کر مفتی قرآن وسنت، آثار اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں اپنی رائے دیتا ہے۔ لوگ یہ رائے قبول کرتے ہیں آج بھی غیر سرکاری سطح پر دینی مدارس نے اپنے اپنے دارالافتاء قائم کر رکھے ہوئے ہیں جو لوگوں کے رجوع کرنے پر رائے دیتے ہیں۔ یہ ادارے اس کام کی کوئی اجرت نہیں لیتے۔ افتاء کا ادارہ سہل اور بلا معاوضہ انصاف فراہم کرنے کے لیے بہت اہم ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا نظام قانون، افتاء کے مقابل کوئی ادارہ نہیں رکھتا۔ ذرا تصور کیجئے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی علماء کے قائم کردہ اس بظاہر معمولی سے ادارے نے رہائشی تنظیم کا کس قدر بوجھ اٹھا رکھا ہے۔

(۲) تحکیم

تحکیم سے مراد ثالث مقرر کرنا ہے۔ ثالث تیسرے کو کہتے ہیں فریقین مقدمہ کا معاملہ طے کرنے کے لیے تیسرا شخص مقرر کرنا تحکیم کہلاتا ہے۔ تحکیم کی شرعی صورت تو وہی ہے جو زوجین میں سے نزاع دور کرنے کے لیے قرآن میں مذکور ہے کہ میاں بیوی کی جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے جو زوجین میں سے نزاع دور کرے۔ اس طرح دونوں فریقوں کو ایک ایک حکم مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ فریقین صرف ایک شخص پر متفق ہو جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ حکم بننے کے لیے اسلام، حریت، عقل اور بلوغ شرط ہیں۔ حکم خود فریق مقدمہ ہو تو تحکیم درست نہیں۔ کسی فاسق کی تحکیم بھی درست نہیں ہے۔ تحکیم روزمرہ کے تمام معاملات ہی جائز ہے۔ اس لیے حکم کا مفتی، قاضی یا مجتہد ہونا شرط نہیں۔ حدود و قصاص میں تحکیم جائز نہیں۔ بہت سے فوجداری مقدمات بھی تحکیم کے دائرے سے باہر ہیں۔ تحکیم کا تعلق بالعموم اخلاقیات سے ہوتا ہے حکم مقدمہ کا فیصلہ اخلاقی دباؤ کے ذریعہ نافذ کرتا ہے۔ مقامی عرف اور رسم و رواج کے ذریعے بھی تحکیم کے ادارے میں کی و اضافہ ممکن ہے۔

(۳) ولایت مظالم

یہ ادارہ بھی نزاعات کا بڑا تناسب کم کرتا ہے۔ ولایت مظالم کا تصور بڑی حد تک آج کل کی اصلاح میں کھلی کچہری کے قریب ہے۔ اس کا مقصد ظلم و جور کرنے والے فریق کو زبردستی عدالت میں لا کر تصفیہ کرانا ہے۔ یہ ادارہ نیم انتظامی اور نیم عدالتی ہے۔ انتظامی اس لیے کہ فیصلہ کرنے والا شخص بالعموم منصف کی بجائے حاکم ہوتا ہے اور عدالتی اس لیے ذمہ داری ادا کرتے وقت وہ عدلیہ کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ تاریخ اسلام میں خلفاء حکام دادرسی کے لیے لوگوں سے ملاقات کا ایک دن مختص کیا کرتے تھے۔ کام میں وسعت ہوتی گئی تو مقامی حکام (Deputy Commissioner) یا ضلعی ناظم اس عمل میں شامل ہوتا چلا گیا۔

تاریخی ارتقاء کے بعد اس ادارے نے جو ہیئت اختیار کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادارہ عوام پر سرکاری ملازمین کی زیادتیوں کے ازالے کے لیے ہوتا ہے۔ ظلم مرتشی اور بدعنوان ملازم کے بارے میں حاکم کو اطلاع دے کر انصاف طلب کرنا رعایا کا حق ہے۔ اسی حق کے اصول کے لیے یہ ادارہ اسلامی تصور عدل کی عکاسی کرتا ہے۔ آج کل کے دور میں ولایت مظالم کا احیاء ہو جائے تو نہ صرف عوام کی مشکلات میں کمی ہو سکتی ہے بلکہ عدالتوں میں مقدمات بھی بے حد کم ہو سکتے ہیں۔ ضلع کا ڈپٹی کمشنر، تحصیل کا اسسٹنٹ کمشنر یا ضلعی ناظم وغیرہ ہر ادارے کا سربراہ اپنے علاقے اور ادارے کے مسائل سے باخبر رہنے کے لیے صرف ایک دن لوگوں کی شکایات سننے کے لیے مختص کر دے تو مخلوق خدا نسبتاً سہل زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اس کام کے لیے

Marfat.com

نہ کسی دستوری تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ کسی قانون کے منظوری کی، ہر مقامی حاکم یہ کام آج سے شروع کرسکتا ہے۔

(۴) حسبہ یا نظام احتساب:

یہ بھی ایک نیم عدالتی اور نیم انتظامی ادارہ ہے جو لوگوں کی داد رسی کے لیے ازخود موقع پر پہنچ کر عدل قائم کرتا ہے۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ اسلامی معاشرت قائم کرنے کے لیے اور اخلاق عامہ کی حفاظت کرنے کے لیے یہ ادارہ بہت اہم ہے جس پر الگ سے ایک باب رقم کیا گیا ہے۔

(۵) محکمہ قضاء

یہ سب سے آخری ادارہ ہے جہاں سے لوگ آخر کار عدل حاصل کرسکتے ہیں۔

قاضی کا منصب، اہمیت اور نزاکت

جدید دور میں بے روزگاری بڑھ جانے، دنیا داری عام ہونے، خشیت الٰہی کے اٹھ جانے اور دوسرے بہت سے عوام کے باعث جونہی سول جج کی خالی آسامیاں مشتہر کی جاتی ہیں، امیدواروں کی درخواستوں کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جس میں حصول روزگار، بہتر مستقبل اور تابناک زندگی ہی کی غرض پیش نظر ہوتی ہے لیکن جو شخص اسلامی تعلیمات کو کماحقہ سمجھنے کا اہل ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تصورات سے آشنا ہو، احکام الٰہی کی روح کو سمجھتا ہو، سنت رسولؐ سے واقف ہو اور قضاء کے منصب سے مکمل طور پر واقف ہو، سول جج کے عہدے کے لیے درخواست دینے کے بجائے دنیا کے کسی بھی دوسرے کام کو بطور پیشہ اختیار کرے گا لیکن منصب قضاء کے لیے خود کو پیش نہیں کرے گا کیونکہ قضاء کا منصب اس قدر نازک اور اہم ہے کہ اس کے لیے حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ "من ولی القضا فقد ذبح بغیر سکین" "جس کو منصب قضاء پر فائز کیا گیا، وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا"۔

منصب قضاء کی حقیقت جاننے کے لیے یہ حدیث ہمیں ایک دوسری دنیا میں لے جاتی ہے۔ قضاء کا عمل بظاہر انسانی ادارے اور اختیار پر ہے۔ فیصلوں کی بہت بڑی تعداد میں کسی منضبط سے منضبط عمل کے ذریعے بھی انہیں جانچنے کا کوئی مقیاس نہیں ہوتا۔ لیکن فی الاصل یہ حسابی عمل ہے جس کے حصول میں بے پناہ بصیرت، اعلیٰ درجے کی دانائی اور غایت درجے کا تقویٰ درکار ہوتا ہے۔ کسی ضرب، تقسیم کے عمل میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ہندسے کو ہٹا کر ضرب تقسیم کی جائے تو جواب حیران کن حد تک مختلف آتا ہے۔ جس کا حقیقت سے دور دور تک واسطہ نہیں ہوتا۔ قضاء بھی اس طرح کی ذمہ داری ہے۔ اس میں ذرا سی کوتاہی یا بدنیتی کے باعث غلط فیصلے کے ذریعے فرد کی زندگی پر پڑنے والے اثرات، خاندانوں اور قبیلوں کی تاریخ تبدیل کردیتے ہیں اور قومی سطح کے فیصلے تو اس سے کہیں زیادہ باریک بینی کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فیصلوں کی یہ اہمیت و نزاکت ان الفاظ میں بیان فرمائی: "یدعی القاضی العدل یوم القیامة فیلقی من شده الحساب ما یتمنی به انه لم یقض بین اثنین فی تمرة قط" "قیامت کے روز عادل قاضی کو بلایا جائے گا۔ اسے اس قدر شدید محاسبہ کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کا فیصلہ بھی نہ کیا ہوتا"۔

عادل قاضی کا ذکر ہو رہا ہے جو زندگی بھر میں لوگوں میں اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور رہا ہو۔ رہا وہ قاضی

Marfat.com

جس کی شہرت ظالم، بدعنوان اور مرتشی کے طور پر رہی ہو اس حدیث میں جو فرمان نبویؐ ہے اس سے منصب قضاء کے متعلق ازحد باریک بینی کی ضرورت کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بصیرت، دانائی اور اہلیت کے اعتبار سے تین قسم کے قاضی ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قاضی جنت میں اور باقی دو قاضی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

جنت میں جانے والا قاضی ہے جہنم میں جانے والے قاضی یعنی جس کو حق کی معرفت تو ہو لیکن اس نے فیصلے میں ظلم کیا ہو اور اس طرح وہ قاضی بھی جہنمی ہوگا جو جہالت اور لاعلمی کے باعث لوگوں میں فیصلے کرتا رہا۔ منصب قضاء بہت ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ دنیا میں قاضی کا جو محاسبہ ہوتا ہے، سو ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی عادل قاضی کا اعمال نامہ بڑی باریک بینی سے جانچا اور پرکھا جائے گا۔

دوسری طرف محکمہ عدل و قضاء اسلامی ریاست کے اعضائے رئیسہ میں سے ایک ہے جس کے بغیر ملک کا کاروبار چلانا محال ہے تو پھر وہ نقطہ اعتدال کیا ہے کہ جس سے منصب قضاء کے لوازم پورے کیے جائیں۔ اشخاص ان مناسب پر مامور بھی کیے جاسکیں اور کاروبار زندگی بھی چلتا رہے۔ اس کا جواب کچھ مشکل نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات دراصل یہ بتانا چاہتی ہیں کہ اس کام کی اہمیت کے پیش نظر قاضی کا انتخاب درست ترین طریقے سے ہو۔ وہ درست فیصلے کرے، حق دار کو بروقت حق مل جائے، ہر لالچی، حریص اور دنیا دار اس کے لیے کوشاں نہ ہو۔ یوں معاشرے میں اعتدال رہے لہٰذا مسلمانوں کو ایک عام حکم کے ذریعے تمام مناصب طلب کرنے سے گریز کی کی تعلیم یوں دی گئی ہے۔ ''اتسال الاماتة فانك ان اوتيتها عن مسأة وكلت اليها. وان اوتيتها عن غير مسئلة اعنت عليها''۔ ''اپنے لیے منصب مت طلب کرنا اگر تمہاری طلب اور کوشش سے تمہیں منصب دیا گیا تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے لیکن اگر تمہیں غیر کوشش اور طلب کے یہ منصب اور عہدہ دیا گیا تو اس کی انجام دہی کے لیے تمہاری مدد کی جائے گی''۔

کسی بھی عہدے پر تقرری کا اختیار ریاست کو تفویض کر دیا گیا ہے۔ وہی اہل ترین لوگوں میں قاضی کا چناؤ کرے گی، وہی ان کو اختیارات سونپے گی، وہی عہدے داروں کی اہلیت کے مطابق انہیں ترقی کے مناصب عطا کرے گی۔ رہا فرد تو وہ عہدے کے لیے کوشش نہ کرے ایسا کرنے والا اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہے۔ اللہ کا دست شفقت اس سے اٹھا لیا جاتا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ عہدہ قضاء طلب کرنے والے کو اللہ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ البتہ جسے یہ منصب قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اللہ اس پر ایک فرشتہ مامور کر دیتا ہے جو ہر موقع پر اس کی راہنمائی کرتا ہے۔

یہ ساری سخت تاکیدات اس منصب کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی خواہش مند افراد کو تنبیہ کی غرض سے کی گئی ہیں۔ ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ حکومت اور اصحاب اختیار پر اس کی اہمیت روشن ہو تاکہ وہ اس کی نزاکت کے پیش نظر موزوں ترین اصحاب کا انتخاب کریں۔ ان کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قاضی اس کام کو کھیل نہ سمجھے بلکہ اس کے اعصاب ہر وقت تنے رہیں اور فیصلہ کرنے سے قبل وہ مقدمے کے تمام اہم نکات پر غور کرے۔

اسلامی نظام حایت میں عدل کا مقام

اسلامی نظام حایت میں عدل کا مقام بہت بلند ہے لیکن بدقسمتی سے عدل کا تعلق بالعموم محض عدالت سے جوڑ دیا جاتا

Marfat.com

ہے۔ حالانکہ عدالت تو حصول عدل کے لیے آخری چارہ کار ہے۔ یہاں عدل کا پہلا تعلق انسان کے ایمان سے ہوتا ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو عدالتیں خالی رہتی ہیں۔ لوگ اپنے بے شمار معاملات خود ہی طے کر لیتے ہیں۔ انہیں بہت کم معاملات میں عدالت سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

عدالتی کے علاوہ بھی زندگی میں قدم قدم پر عدل کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی دفتر میں کوئی افسر جب اپنے ماتحت کی سالانہ خفیہ کارکردگی (Annual Confidentional Report) لکھتا ہے تو یہاں اس کا سامنا عدل سے ہوتا ہے۔ کوئی مجاز افسر جب چند ٹھیکے داروں میں سے کسی ایک کو سرکاری کام تفویض کرتا ہے تو یہاں بھی عدل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قانون ساز ادارے کا رکن جب کسی قانون کے حق یا مخالفت میں اپنے رائے کا اظہار کرتا ہے تو یہاں عدل ہونا چاہیے۔ کوئی استاد جب طالب علموں کے پرچوں کی جانچ پڑتا کرے کے ان کی درجہ بندی کرتا ہے تو یہاں بھی عدل کا بہترین موقع ہوتا ہے دو یا دو سے زائد بیویوں میں بھی عدل ہی کا حکم دیا گیا ہے۔ صدر مملکت جب اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہیں تو انہیں بھی ملکی مفاد سامنے رکھتے ہوئے عدل کے تحت یہ کارروائی کرنا چاہیے۔ وزیراعظم کی طرف آیئے! وزراء کی تقرری سے لے کر قومی اہمیت کے تمام فیصلوں میں قدم قدم پر عدل کی ضرورت پیش آتی ہے۔

عدل محض کسی نظام کا نام نہیں ہے۔ یہ درست انسانی رویوں سے تشکیل پانے والی ایک کیفیت ہے جو انسانی ذہن سے شروع ہو کر اس کے اعمال و افعال تک آ پہنچتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر شخص اساسی طور پر عادل ہوتا ہے وہ گھر کے اندر ہو تو عدل کرتا ہے۔ وہ دفتر میں ہو تو عدل ہی سے فیصلے کرتا ہے وہ منڈی میں ہو تو ناپ تول کر کے ذریعے عدل کرتا ہے، وہ استاد ہو تو اپنی بہترین صلاحیتوں کے ذریعے عدل کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے کے ان سب عادل افراد میں بہترین فرد جب منصب قضاء پر فائز کر دیا جاتا ہے تو محکمہ قضاء وجود میں آتا ہے جہاں آخری چارہ کے طور پر لوگ حصول عدل کے لیے جاتے ہیں۔ اسلام کے تصور و قضاء کا یہی خلاصہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر فرحت عزیز۔ لاہور

اہل مغرب دین و دنیا کے بارے میں عدم توازن اور بے اعتدالی کا شکار رہے ہیں۔ اس بے اعتدالی کا زیادہ چرچا آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اور موجودہ دور میں اس کا باضابطہ آغاز ہوا۔اس کی بنیادی وجہ اہل مغرب کے نزدیک تمام غیر معینہ حقائق کا مقابلہ کرنے کے لیے بائبل کو ہی ابدی حقانیت کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔[1] جبکہ دین اسلام میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مابین اعتدال کو اوّلین اہمیت حاصل ہے اور تعلیمات اسلام دراصل اس تحریک کا نام ہے جو خدائے واحد کی حاکمیت کے نظریے پر انسانی زندگی کی عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ یہ تحریک قدیم زمانے سے ایک ہی بنیاد و طرز پر چلی آ رہی ہے۔ اس کے رہنما وہ لوگ تھے جن کو رسل اللہ کہا جاتا ہے۔ اس تحریک پر عمل کرنے کے لیے انہی رہنماؤں کے طرز عمل کی پیروی کرنی ہوگی جن کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم کا سراغ لگانے کے لیے قرآن میں بہت مختصر اشارات ملتے ہیں جبکہ دیگر ذرائع سے معلومات حاصل کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً بائبل کے عہدنامہ جدید میں سیدنا مسیح علیہ السلام کے متعلق بیشتر غیر مستند اقوال بھی ملتے ہیں۔ اس معاملہ میں واضح اور مکمل رہنمائی محمد ﷺ کی زندگی سے ملتی ہے کیونکہ صرف آپ ﷺ وہ تنہا رہنما ہیں جن کی زندگی کے بارے میں تمام تفصیلات مستند ہیں۔

دین اسلام نے دین فطرت ہوتے ہوئے آپ ﷺ اور آپؐ کے پیروکاروں کو عدل اجتماعی اور میانہ روی پر چلنے کی تلقین کی ہے۔قرآن میں مسلمانوں کو ''امت وسط'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ کہ

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [2]

ترجمہ: اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دیا جو ہر لحاظ سے اعتدال پر ہے تاکہ تم مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں۔

لفظ وسَط بفتح السین بمعنی اوسط ہے۔ خیرالامور اور افضل اشیاء کو وسَط کہا جاتا ہے (اور اعتدال کے معنی برابر ہونا، یہ لفظ عدل سے مشتق ہے۔ اس کے معنی بھر برابر کرنے کے ہیں۔[3] اور انفرادی و اجتماعی معاملات کو خوبصورتی سے ادا کرنا ہے۔ اعتدال و توازن سے مراد نہ کمی نہ زیادتی، درمیانی وضع، میانہ روی، ہم وزنی، برابری اور تناسب ہے۔)[4] امت وسط کا لفظ اپنے اندر اس قدر وسیع معنویت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روشنی پر قائم ہو۔ جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو۔ جس کا سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔[5] وسط اور اعتدال الفاظ مترادف ہیں۔ لہٰذا مفسرین نے ''امت وسط'' کی تفسیر قرآن کی اس آیت سے کی ہے۔

Marfat.com

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ ۶

ترجمہ: تم لوگ ایسی اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلاتے ہوں اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

امت محمد ﷺ دنیا اور آخرت میں گواہ ہے۔ دنیا میں اس کی گواہی اسلام کی صداقت پر ہے اور قیامت کے روز جب باقی پیغمبروں کی امتیں اللہ کے حضور عرض کریں گی کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا۔ اور جب ان پر اعتراض ہوگا کہ تم اس وقت موجود ہی نہ تھے تم گواہ کیسے بن گئے۔ تو یہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد ﷺ نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے اور نبی کریم ﷺ اپنی امت کی صداقت و عدالت کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ حضور ﷺ اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں۔ ۷

عدلِ اجتماعی خالق کائنات کے آئین قدرت کی شرط اوّل بھی ہے۔ جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ پھر اس اجتماعی توازن اور اعتدال کی خاطر اللہ نے ہر شے کا پختہ اندازہ مقرر فرما دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ ۸

ترجمہ: اور اس نے ممکنات میں سے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر سب کا الگ الگ اندازہ لگایا۔

دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر چیز کو ایک اندازہ خاص پر رکھایا، ہر چیز کا ٹھیک پیمانہ مقرر کیا۔ بہرحال کوئی ترجمہ بھی کیا جائے اس کا پورا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے صرف کائنات کو وجود ہی نہیں بخشا بلکہ اس نے ہر چیز کے لیے صورت، جسامت، سیرت و استعداد، اوصاف و خصائص، کام اور کام کا طریقہ، بقاء کی مدت، عروج و ارتقاء کی حد اور دوسری وہ تمام تفصیلات مقرر کیں۔ جو اس چیز کی ذات سے متعلق ہیں۔ اور پھر اس نے عالم وجود میں وہ اسباب و وسائل اور مواقع پیدا کیے ہیں جن کی بدولت ہر چیز یہاں اپنے اپنے دائرے میں اپنے حصے کا کام کر رہی ہے۔ ۹

اگر یہ عدل اجتماعی نہ رہے تو نظم کائنات ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ یہی نظام عالم کی اساس ہے۔ قرآن نے اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾ ۱۰

ترجمہ: اور آپ ﷺ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

لیکن جہاں پر عناصر میں یہ عدل اجتماعی طبعی اور جبری ہے وہاں پر اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے سے حضرت انسان کے لیے اسے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا گیا۔ تاکہ اگر وہ چاہے تو اسے اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کر لے اور اگر چاہے تو ترک کر کے دنیا و آخرت کی صعوبتوں کا شکار ہو جائے۔ اس انتخاب اور اختیار کی بنیاد پر انسان کو معاشرے میں نظام عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل و انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ ۱۱

قرآن مجید کی تعلیمات دین و دنیا کے بارے میں عدل اجتماعی پر مبنی ہیں جبکہ مادہ پرستوں کے نزدیک زندگی جو کچھ

Marfat.com

بھی ہے، یہی دنیا کی زندگی ہے، اور موت کے معنی بالکل فنا اور معدوم ہو جانے کے ہیں۔ جس کے بعد حیات، شعور کا احساس، پھل اور نتائج کچھ بھی نہیں۔ قرآن میں کافروں کے اس رویے کو واضح کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے کہ:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ ١٢

ترجمہ: اور (منکر) یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں۔ ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ کی گردش سے موت آ جاتی ہے۔

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ١٣

ترجمہ: اور دنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے کچھ نہیں اور آخرت کا گھر متقیوں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے نہیں؟

اگر ہم خدائے واحد کی ذات پر مکمل ایمان رکھیں تو ہدایت پذیری کے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی و جلی، غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ احساس حاصل ہو جائے تو انسان گناہوں میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ حدیث ہے کہ:

الدنیا ملعونة، وملعون ما فیها، الا ذکر الله وما والاه او عالما او متعلما ۔١٤

ترجمہ: دنیا ملعون ہے جو اس کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے۔ سوائے خدا کی یاد کے اور ان چیزوں کے جنہیں اللہ سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے۔ اور سوائے عالم اور متعلم کے۔ ایک اور جگہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

الدنیا سبحن المؤمن و جنة الکافر ۔١٥

ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''کافروں اور فاجروں کی خوشحالی پر رشک نہ کرو''۔١٦

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ''نفسانی خواہشات کی حرص سے بچو کیونکہ یہ تنگدستی کی طرف لے جاتی ہیں اور اس میں مبتلا کرنے والے کاموں سے بچو''۔١٧

ان انسانوں کی محرومی اور ناقدر شناسی پر مقامِ افسوس ہے جن کو سمع و بصر، دل و دماغ کی نہایت اعلیٰ صلاحیتوں سے آراستہ کر کے پیدا کیا گیا مگر وہ ناقدرے اور ناشکرے ہونے کی وجہ سے ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی خواہشات کے امام بن گئے۔١٨

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عدل کی راہ انجام کار فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ تمام معاملاتِ زندگی میں جو شخص اعتدال کی راہ پر چلے گا اس کے چلتے رہنے کے بعد منزل آسان ہو جائے گی۔ مگر جو بے اعتدالی سے کام لے گا اور ضرورت سے زیادہ تیز دوڑے گا اس کے بارے میں خدشہ ہے کہ جلد تھک جائے گا اور پھر درمیانی چال بھی نہ چل سکنے کے باعث پیچھے رہ جائے گا۔ حضور ﷺ نے میانہ روی کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ:

خیر الامور واسطها (وفی لفظ اوساطها)۔١٩

Marfat.com

ترجمہ: کاموں میں میانہ روی بہترین عمل ہے۔

ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ:

قال: الاتاة من الله و العجلة من الشيطن ۔[20]

ترجمہ: وقار اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں توازن و اعتدال اپنانے کے لیے ضروری ہے کہ روزمرہ زندگی کے معاملات مثلاً عبادات، معاشرت، معشیت اور سیاست میں عدل اور میانہ روی کا الگ الگ جائزہ لیا جائے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱- عبادات اور عدلِ اجتماعی

دین اسلام میں عبادات کا جو ڈھانچہ فراہم کیا گیا ہے اس میں اولیت اور مرکزیت عقائد کو حاصل ہے۔ کیونکہ کسی شخص کی کامیابی کی دلیل وہ نقطہ ہوتا ہے جس کے گرد اس کے اعمال کا دائرہ گھومتا ہے۔ قرآنی مفہوم عبادات کی جامع و مانع تفسیر آنحضرت ﷺ نے ان مختصر لیکن بلیغ الفاظ میں فرما دی ہے کہ انما الاعمال بالنیات۔[21] (بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ لہٰذا دین اسلام میں عقائد وہ مرکزی نقطہ ہیں جو عمل صالح کے دائرے کو مرتب کرتے ہیں اور اجزائے ایمانیات کے عنوان سے یہ ایسے عقائد ہیں جو افراط و تفریط کی روشنی سے پاک ہیں۔ اس میں اساسی حیثیت عقیدہ توحید کو حاصل ہے۔ عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ نبی اور رسول کے تصور کو عقیدہ رسالت کے حوالے سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آخرت کا عقیدہ ذہن نشین کرایا گیا اور انسان کے سامنے یہ مقصد متعین کیا کہ وہ دنیا کی زندگی کو بااصول طریقے سے گزارے۔ اسے وہ روشنی عطا کی جس کے حوالے سے نیک عمل کر کے وہ حیات الاخروی میں اپنی جزا کا سامان اکٹھا کر سکتا ہے۔ زندگی کو ایک بوجھ نہ سمجھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رہبانیت دین اسلام کی خصوصیت نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ [22]

ترجمہ: اور ترک دنیا کا آغاز انہوں نے خود کیا۔ ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔

اس بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ''لا رهبانية في الاسلام'' [23]۔

ہر انسان کو یہ تسلی فراہم کی گئی ہے کہ وہ اتنا ہی مکلف ہے جتنی اس کے نفس کی طاقت ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

خذوا من العبادة ما تطيقون فان الله لا يسام حتى تساموا ۔[24]

ترجمہ: اتنی عبادت کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔ بیشک اللہ کو موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ تم مر جاؤ گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''قرآن ایک مہینے میں پڑھو انہوں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ بیس دن میں پڑھو۔ انہوں نے کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ قوت رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے پندرہ اور دس دن میں پڑھنے کو کہا۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن سات دن میں ختم کرو اور اس پر اضافہ نہ کرو۔

Marfat.com

ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آدمی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عمرہ ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے بھلائی کے تمام کام بیان فرمائے اور قیامت کے دن ہر فرد اپنی عقل کے مطابق جزا دیا جائے گا۔[۲۵]

کچھ صحابہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ترک دنیا کے مختلف پہلو بیان کیے۔ مثلاً ساری عمر روزہ رکھنا، شادی نہ کرنا، دین و دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بیشک میں تو نماز بھی ادا کرتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ اسی طرح دیگر امور زندگی بھی انجام دیتا ہوں۔ بس تم سب تمام کاموں میں دوام اختیار کرو کیونکہ تھوڑا اور مستقل عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔''[۲۶]

حضرت سلمان فارسیؓ ایک دوسرے صحابی حضرت ابوذرؓ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ ان کی بیوی نہایت معمولی اور میلے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے وجہ دریافت کی تو بولیں کہ ''تمہارے بھائی کو دنیا کی خواہش نہیں ہے۔ اس کے بعد مہمان کے لیے کھانا آیا تو ابوذرؓ نے کہا، میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا میں تو تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔ آخر انہوں نے افطار کیا۔ رات ہوئی تو ابوذرؓ نماز کو کھڑے ہونے لگے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ ابھی سو رہو۔ پچھلی پہر کو حضرت سلمانؓ نے ان کو جگا دیا اور کہا کہ اب نماز پڑھو۔ چنانچہ دونوں نے تہجد کی نماز ادا کی۔ پھر حضرت سلمان فارسیؓ نے ان سے کہا کہ اے ابوذرؓ. **ان لربك عليك حقاً ولنفسك عليك حقاً ولاهلك عليك حقاً، ولزورك عليك حقاً فاعط كل ذى حقٍ حقه.**

ترجمہ: بے شک تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔ بس ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابوذرؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ تقریر نقل کی تو آپؐ نے فرمایا کہ سلمانؓ نے سچ کہا۔[۲۷]

امام راغب نے مفردات میں حق کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر وہ قول یا عمل جو اس طرح واقع ہو جس طرح کہ اس کا ہونا ضروری ہے، اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو، جس مقدار میں اور جس وقت اس کا ہونا واجب ہے۔ اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ تمہاری بات یا تمہارا فعل حق ہے۔[۲۸]

قرآن میں انسان کو دنیا سے اپنا حصہ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ۔[۲۹] (ترجمہ: اور دنیا سے اپنا حصہ مت فراموش کر)۔

لیکن اس صلاحیت کے حوالے سے وہ انفرادی طور پر ذمہ دار بھی ہے اور کسی دوسرے کے اعمال کا اسے جوابدہ نہیں ہونا۔ اللہ کو شاکر و علیم قرار دیتے ہوئے انسان کی تشفی کا یہ سامان فراہم کر دیا گیا کہ ذرہ برابر نیکی رائیگاں نہیں جائے گی اور ذرہ برابر برائی کی جوابدہی سے وہ بچ نہ پائے گا۔[۳۰] حیات الدنیا کو عارضی ٹھکانہ قرارا دیا اور آخرت کو اس کے خلود اور دوام کے حوالے سے متعارف کرا دیا۔ ان اجزائے ایمانیات کے ساتھ ساتھ انسان کی نجات کو عمل صالح کے ساتھ مربوط کیا۔ عمل صالح کے لیے ایمان کو لازم ٹھہرایا اور ان دونوں کا ارتباط انفرادی فوز و فلاح کے لیے لازم سمجھا گیا۔ تاریخ بنی نوع اس امر کی شاہد ہے کہ صرف وہ لوگ کامیاب ہوئے کہ جنہیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ حقائق کا یقین تھا۔ اور انہوں نے اسی یقین کے مطابق

Marfat.com

عمل بھی کیا۔ بصورت دیگر انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرتا رہا اور اسے خسران مبین سے کوئی نہ بچا سکا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حیثیت سے انسانی زندگی کے مقصود و منتہا کو اپنی عبادت قرار دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ ۳۱

ترجمہ: اور ہم نے جن و انس کو محض اس لیے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں۔

رسول کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ۳۲

آپؐ فرما دیجیے کہ میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔

۲- معاشرت اور عدلِ اجتماعی

عبادات کے ساتھ ساتھ اسلام نے اجتماعی معاشرتی زندگی کے لیے ایک بہترین نظام عطا کیا ہے۔ اور تمام انسانوں کو انسان ہونے کے اعتبار سے مساوی مقام پر رکھا گیا۔۳۳ سب کو آدمؑ کی نسل سے قرار دیا گیا اور دنیاوی پیمانوں پر تخصیص کے رویہ پیدا کرنے سے منع کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے کہ ''اے بنی نوع انسان بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں، اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، اور نہ سرخ کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سرخ پر، مگر پرہیزگاری کی بنا پر۔''۳۴ اگر کوئی امتیاز پیدا کرنے کی اجازت ملی تو وہ صرف تقویٰ کے رویہ کی بنا پر تھی۔ دیگر امتیازات جو رنگ، نسل، قومیت، زبان یا جغرافیائی عصبیتوں پر مبنی تھے، انہیں رد کر دیا گیا۔ اسلام کا یہ اعزاز ہے کہ اس نے اصولی اور فکری بنیادوں پر مبنی معاشرت کا احساس دلایا۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگوں کو اسلامی معاشرے کا رکن سمجھا گیا اور اخوت کے عنوان سے ان کے اس رشتہ کو بھی بیان کیا جو امت مسلمہ کو آپس میں ملائے رکھتا ہے۔ جو ان کے درمیان تعاون اور ہمدردی اور ایثار بھی موجود ہے۔

تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكىٰ عضوٌ تداعىٰ له سائر الجسد بالسهر والحمى ۔۳۵

ترجمہ: تو مومنین کو آپس میں رحم کرنے، محبت کرنے اور ہمدردی کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا جس کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بخار اور شب بیداری کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ كل المسلم على المسلم حرام ماله و عرضه، و دمه حسب امرى من الشر أن يحقر اخاه ۔۳۶

ایک مسلمان کا مال، عزت اور جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے ایک آدمی کے شر کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ''باہمی حسد نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض رکھو، کوئی مسلمان دوسرے مسلمان

Marfat.com

کے خلاف مخالفانہ تدبیر نہ کرے۔ سب اللہ کے بندے بن کر رہیں اور بھائی بھائی ہو جائیں۔ ۳۷ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ ۳۸ آپؐ نے مسلمان بھائی کو گالی دینے کو فسق کہا اور قتل کرنے کو کفر۔ ۳۹

معاشرتی تعلیمات میں عدل اجتماعی کے لیے خاندان کے ادارے کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ جس میں قوامیت رجال کے تصور کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ بیویوں سے حسن سلوک کی بھی تلقین کی گئی۔ ماں باپ، بہن بھائی، اولاد اور دیگر رشتوں کی نوعیت کی وضاحت کر دی گئی۔ محرمات کے قانون کا بتایا گیا۔ قطع رحمی سے اجتناب پر زور دیا گیا۔ ہمسائیوں سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی تلقین کی اور ان کی ہمدردی، تعارف، اچھی رفاقت اور حسن سلوک کا حقدار ٹھہرایا۔ اسلامی معاشرت میں انسانوں کے اعمال مجموعی طور پر جس قاعدہ کلیہ پر قائم ہونے چاہئیں۔ رسولؐ نے اس کے لیے ارشاد فرمایا۔ **لا ضرر ولا ضرار**۔ ۴۰

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ

ان الھدی الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزء من خمس و عشرین جزءً من النبوۃ ۔ ۴۱

کہ بے شک سیرت اور نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم تواضع اور فروتنی اختیار کرو حتی کہ ایک دوسرے پر فخر نہ کرو اور کوئی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ ۴۲

الغرض اسلامی معاشرے میں اخوت کے جذبہ کو اولین اہمیت دیتے ہوئے فساد اور بگاڑ کو ناپسند کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ **ید اللہ علی الجماعۃ** ۴۳ کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

اسلام کی دیگر معاشرتی تعلیمات میں بھی توازن و اعتدال مجموعی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ مثلاً بولتے وقت ہماری آوازوں میں بھی اعتدال ہونا چاہیے۔ اس بارے میں قرآن سے رہنمائی ملتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ ۔ ۴۴

اس آیت میں آواز میں میانہ روی کے ساتھ ساتھ انسانی چال کے بارے میں نصیحت کر دی گئی ہے۔ یعنی نہ اتنی تیز چال ہو کہ متانت اور وقار باقی نہ رہے اور نہ ہی اتنی دھیرے کہ ریاکار زاہدوں کی نمائشی چال بن جائے۔

آواز کے ساتھ ساتھ گفتگو میں توازن کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ نہ اتنی طویل گفتگو کی جائے کہ لوگ اکتا جائیں اور نہ ہی اتنی مختصر کہ جس میں ابہام پایا جائے۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ جذبات کے اظہار میں نہ خوشی کے پہلو کو واضح کیا جائے اور نہ غم کا حد سے بڑھ کر اظہار کیا جائے۔ بلکہ الفاظ نہایت معقول ہوں جو بات بھی کی جائے وہ دوسروں کی دل پسندی کے لیے ہو۔ دل آزاری کرنا مقصود نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ پر ایمان اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ **من صمت نجا**۔ ۴۶ جو خاموش رہا۔ اس نے نجات پائی۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ جس نے مجھے جبڑوں کے درمیان یعنی زبان کی ضمانت دے دی تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ۴۷ اسی طرح اگر کوئی شخص بات کرے پھر ادھر ادھر دیکھے بس وہ

Marfat.com

بات امانت ہے۔۴۸ آپ ﷺ نے کھانے پینے میں بھی توازن و اعتدال کی تلقین کی اور زیادہ سے زیادہ افراد کے موجود ہونے کو باعث برکت کہا گیا۔۴۹ اسی طرح آپ ﷺ نے ہنسنے میں بھی میانہ روی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ولا تکثروا الضحک، فان کثرۃ الضحک تمیت القلب ۔۵۰ یعنی زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

الغرض آپ ﷺ نے معاشرت میں عدل اجتماعی کو برقرار رکھنے کے لیے رہبانیت اور قارونیت دونوں پر ضرب کاری کی ہے۔۵۱ اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ ان تمام انسانی تنظیمات سے فائدہ اٹھایا جائے جو انسانی زندگی کے لیے اخروی فوزوفلاح کا صحیح معیار قائم کر سکیں۔ اور دنیوی زندگی رائیگاں اور ضائع ہونے سے بچ سکے۔ اسلامی تعلیمات کا یہ وہ نقطہ کمال ہے جو ہمیں دنیا کے کسی دوسرے مذہبی نظام میں نہیں ملتا۔

۳۔معیشت اور عدل اجتماعی

اسلام نے معشیت میں عدل اجتماعی کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس سے مراد معاشی مساوات یا معشیت میں برابری نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہو اور سعی و ترقی کے مواقع سب کے لیے یکساں ہوں۔ اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنی دولت کو استعمال کر کے اپنی معشیت میں ترقی کر سکے۔ اسلام مساوی نہیں بلکہ منصفانہ تقسیم دولت کا قائل ہے۔ محنت، طاقت، صحت یہ سب چیزیں انسانوں کو یکساں نہیں ملتیں اس لیے دولت کا کسی کے پاس کم یا زیادہ ہونا ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام درجات معیشت میں تفاوت کا قائل ہے اور یہ ایک فطری عمل ہے لیکن اس غیرفطری تفاوت جو معاشی نظریات کا ثمرہ ہے۔ اور جس نے انسانوں کو بربادی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے، اسلام کے اس اصول سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام ہر ایسے نظام کو رد کرتا ہے جس سے امیر امیرتر ہوتا جائے اور غریب غریب تر اس بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

> تؤخذمن اغنیائهم فترد فی فقرائهم فان هم اطاعوا لذلك فایاك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینه وبین الله حجاب ۔۵۲
>
> اغنیاء سے لیا جائے اور فقرا کو دیا جائے کیونکہ وہ ان کے اموال و کرائم کے زیادہ حقدار ہیں اور مظلوم کی پکار سے ڈرو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ (رکاوٹ) حائل نہیں ہے۔

اسلام نے ہر شخص کو اپنے خرچ میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ ۵۳

ترجمہ: اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ لینا چاہیے اور نہ ہی بالکل کھول دینا چاہیے ورنہ الزام خوری ہو کر ہی دست بیٹھ رہو گے۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا﴾ ۵۴

ترجمہ: اور جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگ کرتے ہیں اور ان کا خرچ افراط و تفریط کے

Marfat.com

درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ما عال من اقتصد۔۵۵

ترجمہ: جس نے معشیت میں میانہ روی اختیار کی وہ تنگدست نہ ہوگا۔

یہ بھی ارشاد فرمایا: الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة۔۵۶ ترجمہ: کہ خرچ میں میانہ روی نصف معشیت ہے۔

اسلام نے دولت کو خرچ کرنے کے اصول بھی مہیا کیے ہیں۔ ایک مسلمان خرچ کرنے میں اس بات کا پابند ہے کہ اپنی حلال کی کمائی کو خرچ بھی حلال اور جائز کاموں پر کرے چنانچہ قرآن میں متعدد ایسی آیات ملتی ہیں جن میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔

﴿وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ۵۷

اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾ ۵۸

اور مال کو بے موقع مت اڑانا۔ کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ معاشرے میں اجتماعی طور پر بھی اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو اقوام اپنے وسائل بغیر سوچے سمجھے خرچ کر ڈالتی ہیں۔ انجام کار وہ معاشی طور پر پسماندگی کا شکار ہوئیں۔

معاشی تعلیمات کے حوالے سے برابری اور مساوات کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور انسان کو حلال وحرام میں تمیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ ضرورت کے ضمن میں پوری امت کو ایک سمت میں لا کھڑا کیا جائے۔ کیونکہ رزق میں مساوات اور اجتماعی عدل پیدا نہیں کیا گیا بلکہ یہ اللہ کا دستور ہے کہ وہ جس کے لیے چاہے تنگی وفراخی پیدا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان کو محنت کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ کیونکہ بغیر اکتساب کے رزق ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔۵۹ بے شک انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔ تنگی وخوشحالی کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

ما احسن القصد فی الغنى ما احسن القصد فی الفقر......۶۰

کہ دولت مندی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے محتاجی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر وسائل معاشی کی بربادی سے بھی منع کیا گیا اور وہ ضابطہ اخلاق مرتب کیا جسے عین جنگ کی حالت میں بھی ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔ اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد کی ترغیب دینے کی منافقانہ چالوں کو ناپسند فرمایا گیا۔

۴- سیاست اور قانون ......عدلِ اجتماعی

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے اور حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کے لیے ہدایت دیتا ہے۔ سیاسی اور قانونی پہلو سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو معاشرت کو منظم کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کروائی گئی کہ تمام کائنات میں حاکیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ انسان اس دنیا میں اللہ کا نائب اور خلیفہ متصور ہوگا۔ کیونکہ

Marfat.com

حاکمیت الٰہیہ کے تقاضے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسے ہیں جو صرف اللہ کی ذات کو روا ہیں۔ قانون الٰہیہ کی حکمت کا تصور بھی اجاگر کیا گیا ہے اور یہ کہ تمام امت مسلمہ کو بنی نوع انسان کو ملا کر بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس قانون میں بنیادی اعتبار سے تبدیلی کر سکے۔ اسلامی ریاست میں اولی الامر کی اطاعت مسلمانوں پر لازم کر دی گئی جیسا کہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ ۶۱ یعنی اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی جن کو اختیار دیا گیا ہے۔

امیر کی اطاعت کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ

من اطاع امیری فقد اطاعنی ۔۶۲ ''کہ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔''

دنیا میں ریاست کی حدود کے اندر امت مسلمہ کو اپنے تمام امور اور مسائل باہمی رائے سے طے کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ۶۳ ''اور ان کے امور آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔'' ۶۴

تمام افرادِ ملت کو قانونی اعتبار سے عدلِ اجتماعی اور مساوات کے ضابطہ کا پابند کیا گیا اور اس کی وجہ سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کو پسند نہیں کیا گیا۔ قانون کی نگاہ میں سب کو برابر درجہ دینے کی تلقین کی گئی۔ دین اسلام کے سیاسی و قانونی نظام کا اختصاص یہ بھی ہے کہ اس میں اخلاقیات کا ایک امتزاج قائم کیا گیا تاکہ سختی اور درشتی کا پہلو پیدا نہ ہو۔ چنانچہ رذائل اخلاق اور فضائل اخلاق کے حوالے سے جو اخلاقی ضابطے اخلاقیات کی رہنمائی کرتے ہیں وہ قانونی امور کو زیادہ خوبصورت شکل عطا کرتے ہیں۔ بندگی و غلامی اور اس کے مدمقابل آقا و مالک ہونے کے تمام تفرقات کو مٹا کر احترام آدمیت کا درس دیا گیا۔ دنیا میں رائج مختلف پیمانوں کی بجائے اہلیت، استعداد اور قابلیت کی فرمانروائی کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ آخری نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی شدہ ان تعلیمات کے عملی نفاذ کے ذریعے آپ ﷺ نے ایک انقلاب پیدا کیا۔۶۵ تاریخ کے صفحات میں وہ مثالیں آج بھی محفوظ ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیمات میں ولولہ انگیز نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت آج بھی موجود ہے۔ اگر ان نتائج کی ضمانت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ شاعرانہ نقل بن جائے اور وہ نتائج جو عہدِ رسالت میں منظر عام پر آئے اگر وہ اب پیدا نہ ہوں تو قرآن حجة من بعدالرسول نہ رہے۔ قرآن میں وہ انقلابی صفات آج بھی موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے مادیت پرستی کے اثرات کو دور کر کے اپنے اندر دینی جذبہ پیدا کریں اور اس قسم کی تبدیلی صرف قانون ساز ہستیوں سے پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ سیرت ساز ذہنیت ہی یہ ولولہ انگیز اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ جو مسلمانوں کی غیرت اور جذبہ دینی کو اس طرح جھنجھوڑ دے کہ اس میں موجود تمام خامیوں کی اصلاح ہو سکے۔

مصادر و مراجع

۱۔ سلیم اختر، بنیاد پرستی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص: ۷۹ تا ۸۱۔ ت۔ن، محمد الیاس بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، ۱۲ پبلی کیشنز، لاہور، ص: ۱۵...... ۲۔ سورۃ البقرہ، ۲: ۱۴۳...... ۳۔ الزبیدی، ابی فیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی، تاج العروس من جواہر

Marfat.com

القاموس، المکتبۃ التجاریہ، ب۔ت، ج:۱۵، ص ۴۷۱ - ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ب۔ت، ج:۹، ص :۸۸- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارہ المعارف کراچی، ۱۹۸۹، ج:۱، ص :۳۶۵ تا ۳۶۶ - ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ لاہور، اگست ۱۹۹۴، ج:۱، ص:۲۴۴......۴- تابش، ذوالفقار احمد، اعجاز اللغات مادہ:عدل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ - وارث سرہندی، علمی اردو لغت، مادہ: عدل، علمی کتب خانہ لاہور۔ ت، ن......۵- سید مودودی، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔ت،ن، ج:۱، ص:۱۱۹...... ۶- سورۃ آل عمران، ۳: ۱۱۰...... ۷- امیر علی، سید، مواہب الرحمن، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور، ت۔ن، ج:۲، ص:۳ - الازہری محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۳۹۹، ج:۱، ص :۱۰۱...... ۸- سورۃ الفرقان، ۲۵:۲...... ۹- سید مودودی، تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۴۳۴...... ۱۰- سورۃ الانعام، ۶: ۱۱۵...... ۱۱- عبدالجبار، محمد، سیرت مجمع کمالات ﷺ، ادارہ تعلیمات سیرت، علامہ اقبال کالونی، اشاعت اول، ۱۹۸۸، ص:۲۶۷......۱۲- سورۃ الجاثیہ، ۴۵: ۲۴- خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، کراچی، ۲۰۰۱، ص :۲۹۱......۱۳- سورۃ الانعام، ۶: ۳۲......
۱۴- القزوینی، ابی عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، داراحیاء التراث العربی بیروت۔ ب،ت، ج:۲، ص:۳۷۷...... ۱۵- المرجع السابق، ج:۲، ص:۱۳۸۸...... ۱۶- البغوی، ابی محمد الحسین بن مسعود، مصابیح السنۃ، عباس احمد الباز مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۸ام، ج:۲، ص:۳۱۱...... ۱۷- الہیثمی، نور الدین، علی بن ابی بکر، مجمع الزوئد و منہج الفوائد، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ام، ج:۱۰، ص:۲۶۰...... ۱۸- اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، مکتبہ جدید پریس لاہور، ۱۹۸۹، ج:، ص:۵۰۰ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، محمد رضا پرنٹرز لاہور، ۱۹۹۶، ص:۴۷۹۔ - الحقانی، عبدالحق الدھلوی، تفسیر حقانی، الفیصل لاہور۔ت،ن۔ ج:۷، ص :۱۷۷۔ ۱۹- العجلوانی الجراحی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء مزیل الالباس، مکتبہ الغزالی دمشق۔ ت،ن۔ ج:۱، ص :۳۹۱...... ۲۰- الخطیب التبریزی، ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، منشورات المکتب الاسلامی بدمشق، ۱۹۶۱ام، ج:۲، ص:۶۲۵۔ بنت الاسلام، اسوہ حسنہ، بزم بتول لاہور، ۱۹۹۵، ص :۳۰۱...... ۲۱- البخاری محمد بن اسماعیل الجعفی، الجامع الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۹۰ام، ج:۱، ص:۳......۲۲- سورۃ الحدید، ۵۷: ۲۷، اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، ص ۱۷۶......۲۳- العجلوانی، کشف الخفاء، ج:۲، ص:۳۷۷......۲۴- الہیثمی، مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۲۳۳ (عبداللہ بن عمر والی حدیث کو الجستانی نے سنن ابی داؤد، ج:۲، ص:۱۱۲ میں روایت کیا ہے یہ کتاب دارالفکر سے ۱۹۱۳ کو شائع ہوئی۔ اس حدیث میں رسول(نے قرآن کو کم از کم سات دن میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اور یہ بھی کہ اس تعداد میں اضافہ نہ کیا جائے)۔...... ۲۵- البیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین، شعب الایمان، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۰ام، ج:۴، ص:۵۴...... - المنذری، زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترہیب، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۸۰ام، ج:۳، ص:۱۸۹...... - الطحاوی، ابی جعفر، محمد بن سلامۃ الازدی مشکل الاثار، مجلس دارا نظام الھند۔ب،ت۔ ج:۲، ص:۱۲۵...... ۲۶- الہیثمی، مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۲۳۳، ۵۳۳...... ۲۷- البخاری، الجامع الصحیح، ج:۲، ص:۶۹۵...... ۲۸- الاصفہانی، راغب، مفردات القرآن، ط۔ن، لاہور، ۱۹۸۷، ص:۲۵۰ تا ۲۵۲...... ۲۹- سورۃ القصص، ۲۸: ۷۷...... ۳۰- سورۃ القارعۃ، ۱۰۱: ۶۔۸...... ۳۱- سورۃ الذاریات، ۵۱: ۵۶...... ۳۲- سورۃ الانعام، ۶: ۱۶۲۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (اصغر علی روحی، مانی الاسلام، ضلع گوجرانوالہ، ت،ن۔ ج:۲، ص:۱)...... Khalifa Abdul Hakim, Islamic Ideology, Institute of Islamic Culture, lahore, 1998, p. 85, Abdul Qayyum, Islam in Perspectie, Tehsil & District Chakwal, 1986, p. 24. A,er A;o. Sued. Spirit of Islam, Sang-e-Meel Publications, Lahore, N.D., p. 41 ۔سید مودودی، تفہیمات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۴۰، ص:۷۱...... ۳۳- سید، مودودی، اسلامی ریاست کا فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی، (مرتبہ خورشید احمد)، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۷۲،

Marfat.com

ص: ۲۰۹ تا ۲۱۵۔ صدیقی، حیدر زمان، اسلامی نظریہ اجتماع، یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۸۶، ص: ۱۳۹...... ۳۴- ابن ہشام، السیرة النبویة، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۵۔۱۴۱۵، ج: ۴، ص: ۲۵۹ تا ۲۶۰ ...... ۳۵- البخاری، الجامع الصحیح، ج: ۷، ص، ۷۸...... ۳۶- السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی دائود، مکتبہ الاثریۃ پاکستان، الطبعۃ الاولی، ۱۳۶۸، ج: ۱، ص: ۲۱۴۔ ابی عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، ج: ۲، ص: ۲۳...... - مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، المکتبہ التجاریۃ بیروت، ب، ت۔ ج: ۵، ص: ۱۰۷...... ۳۷- الدارمی، محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن لہرام، سنن الدارمی، دارالکتب العلمیۃ بیروت۔ب، ت، ج: ۲، ص: ۲۹۹...... ۳۸- البیھقی، شعب الایمان، حدیث نمبر ۷۴۵۸...... ۳۹- القزوینی، سنن ابن ماجہ، ج: ۲، ص: ۱۲۹۹...... ۴۰- احمد بن حنبل، مسند، مکتبۃ دارالبازمکۃ المکرمۃ ۱۹۹۳، ج: ۱، ص: ۵۱۵...... ۴۱- مالک بن انس، المؤطا، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۵م، ج: ۲، ص: ۹۹۵...... ۴۲- مسلم برتوی، عبدالسلام، اسلامی خطبات ۲/ ۹۴، المکتبۃ السلفیۃ لاہور، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰م، ج: ۲، ص: ۳۹۹...... ۴۳- الطبرانی، ابی القاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، مکتبہ المعارف الریاض، ۱۹۹۵م، حدیث ۴۸۴۹......
۴۴- سورۃ لقمان، ۳۱ : ۱۹...... -شبلی نعمانی، سید سلمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران، لاہور، مارچ ۱۹۹۱، ج: ۶، ص: ۲۵۸......
۴۵- البخاری، الجامع الصحیح، ج: ۵، ص: ۲۳۷۶...... ۴۶- الدارمی، سنن الدارمی کتاب الرقاق، ۵...... ۴۷- البخاری، الجامع الصحیح، ج: ۵، ص ۲۳۷۶...... ۴۸- التبریزی، مشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۶۲۶ ...... ۴۹- الشامی، محمد بن یوسف، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دارالکتب العمیۃ بیروت، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۳م، ج: ۷، ص: ۲۶۲ ...... - النسائی ابی عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، کتاب السنن الکبریٰ، ۱۹۹۱م، ج: ۴، ص: ۱۴۷...... ۵۰- القزوینی، سنن ابن ماجہ، ج: ۲، ص: ۱۴۰۳...... ۵۱- الھندی، علاؤالدین متقی بن حسام الدین البرہان، کنز الاعمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹م، ج: ۳، ص: ۲۸...... ۵۲- النیسابوی، الجامع الصحیح، دارالمعرفۃ بیروت، ب، ت، ج: ۱، ص: ۳۸...... ۵۳- سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹...... ۵۴- سورۃ الفرقان، ۲۵: ۶۷...... ۵۵- الذہبی محمد بن احمد، میزان الاعتدال فی تقد الرجال، دارالکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵م، ج: ۳، ص: ۲۵۰...... - ابن عدی، احمد بن عبداللہ بن احمد، الکامل فی الرجال، دارالکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷م، ص: ۲۴۶...... ۵۶- التبریزی، مشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۶۲۶...... ۵۷- سورۃ الاعراف، ۸: ۳۱...... ...... ۵۸- سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶ تا ۲۷...... ۵۹- سورۃ النجم، ۵۳: ۳۹...... ۶۰- المتقی الھندی، کنزالاعمال، ج: ۳، ص: ۲۸...... ۶۱- سورۃ النساء، ۴: ۵۹...... ۶۲- البخاری، الجامع الصحیح، ج: ۴، ص: ۷۵...... ۶۳- سورۃ آل عمران، ۳: ۱۵۹(تفصیل کے لیے دیکھیے سندیلوی، محمد اسحٰق، اسلام کا سیاسی نظام، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۱، ص: ۴...... ۶۴- سورۃ الشوریٰ، ۴۲: ۳۸...... ۶۵- ندوی، سید سلیمان، خطبات مدارس، منصور پریس، لاہور، ت۔ن، ص: ۱۰۴۔ عبدالحمید، آخری نبی ﷺ اور ان کی تعلیمات، فضل سنز لمیٹڈ کراچی، ستمبر ۱۹۹۸

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

اقراء گل۔ فورٹ عباس

اسلام دین فطرت ہے یہ ایک اہم اور اعلیٰ عالمی نظام ہے۔ اس کے ابدی اصول ساری نسل انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عالمی و آخری نبی ہیں اور بین الاقوامی تہذیب کے بانی ہیں اسلامی تہذیب تمدن، امن و سلامتی، میانہ روی، عدل وانصاف اور عفو و درگزر کی علمبردار ہے۔ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کا عبد اور خادم ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق گزارے اور عدل و انصاف سے انحراف نہ کرے۔ اسلام میں ان تمام سوالات اور مشکلات کا حل موجود ہے۔ جو اس وقت بنی نوع انسان کو درپیش ہیں یا آئندہ قیامت تک ان کے سامنے آئیں گے۔ (1)

اسلام کے عالمی امتیازات

اسلام دین توحید ہے۔ اسلام روحانیت کا مذہب ہے۔ اسلام اخلاق حسنہ کا معلم ہے۔ اسلام دین عمل ہے۔ اسلام ہی بانی اخوت ہے۔ اسلام عدل و انصاف کا علمبردار ہے۔ اس نے انسانیت کا درجہ بلند کیا۔ اسلام اندھیروں میں اجالا ہے۔ اسلام عالمی ترقی کا ضامن ہے۔ اسلام مساوات کا بانی ہے۔ اسلام ہی دین تمدن ہے اس کی بنیاد قومیت سے بالاتر ہے۔ اسلام دین مہر و محبت ہے۔ اسلام میں ہر عمل نیکی کا مظہر ہے۔ اسلام وفیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم بالواسطہ فیض حاصل کر رہی ہیں۔ اسلام نے ہدایت الٰہی کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لئے عام بنایا ہے (2)

سسکتی بلکتی انسانیت پوچھتی ہے

اس دنیا میں امن و سلامتی اور عدل وانصاف کا حقیقی داعی کون ہے۔ دنیا کے کس قانون میں یہ قوت ہے جو تمام انسانوں کو ان کا حق دینے اور دلانے کے محکم اصول رکھتا ہے۔ انسانیت کو ظلم وستم سے بچانے اور محفوظ رکھنے والا نجات دہندہ کون ہے۔ دنیا کے اہل فکر و نظر اور دانشوروں کے سامنے یہ سوالیہ نشان ابھی تک موجود ہے۔ لیکن دین اسلام کا یہ دعویٰ 100% درست ہے کہ امن صرف عدل کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔ ہمارے نزدیک عدل پیکر عالم کے لئے ایسے ہی ہے جیسے جسمانی ڈھانچہ کے ساتھ لگی ہوئی خوبصورت جلد۔ کیونکہ ڈھانچہ کے بغیر جلد اور جلد کے بغیر ڈھانچہ بے کار ہے۔ (3)

دنیا میں عدل کو نمایاں مقام حاصل ہے

ہر اچھے اور برے کام کا بدلہ دینا عدل کہلاتا ہے۔ اس میں کمی بیشی کرنا ظلم ہے۔ عدل و انصاف کے بغیر کہیں بھی مثالی معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔ ظلم جہاں فساد اور بے چینی پیدا کرتا ہے۔ وہاں عدل امن و اطمینان اور ترقی کا ضامن ہے۔ عدل پر ہی دنیا کی ترقی اور خوشحالی کا دارومدار ہے۔ دنیا کی کوئی بھی قوم عدل کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کرسکتی۔ کیونکہ عدل و انصاف کے ذریعے ہی انسان اس دنیا میں جنت کی جھلک دیکھ سکتا ہے۔ مثالی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔ جو اسلام کے اولین مقاصد میں

Marfat.com

سے ایک ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی معاشرے میں افراد کی باہمی کشمکش اور ٹکراؤ کو عادل حاکم اور انصاف پسند عدلیہ کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ایسی عدلیہ جو مظلوم کی داد رسی کرے۔ عدل و انصاف کے مطابق فیصلے کرے۔ امن کے قیام کے لئے بہت ضروری ہے۔ چونکہ مقدمات کے کے صحیح فیصلے سچی شہادت کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اسلام جہاں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ وہاں سچی شہادت دینے کو بھی لازم قرار دیتا ہے۔ عدالتوں میں بے انصافی اور غلط بیانی کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ہم کسی رشتہ داری کی بناء پر سچی گواہی دینے اور حق کا فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔ دوسرا یہ کہ کسی کی عداوت ہمیں غلط بیانی، ظلم و ناانصافی پر مجبور کر دیتی ہے۔ اللہ نے ان دونوں اسباب کی وجہ سے بے انصافی سے منع فرمایا ہے اور عدل کا حکم دیا ہے۔ (4)

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو۔ اس اللہ کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ وہ گواہی اپنی ہی ذات یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو۔ (5)

ترجمہ: اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، انصاف کرنا ہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔

عدالتی نظام کی کامیابی کا دارومدار اگر ایک طرف متقی، خداترس، پیکر انصاف جج اور قاضی پر ہے تو دوسری طرف پیکر صدق و وفا گواہوں پر بھی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ کسی شخص کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی اور اچھے یا برے جذبے کے وہ سلوک کرنا چاہیے جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح ہونی چاہیے کہ بڑی سے بڑی شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ کافروں اور دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کیا۔ آپ ﷺ کے دور میں یہودی اور نصرانی بھی اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ ﷺ کے ہاں آیا کرتے تھے۔ انہیں آپ ﷺ کے عدل پر پورا پورا اعتماد تھا۔ ایک بار ایک یہودی اور انصاری مسلمان کا تنازعہ آپ حضور ﷺ کے ہاں پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا یہ نہ دیکھا کہ دوسری طرف مسلمان ہے بلکہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ کسی بڑے سے بڑے صحابی کو آپ ﷺ کے ہاں سفارش یا کسی فریق کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی جراءت نہ ہوتی تھی۔ (6)

اسلامی قانون سے کوئی بالاتر نہیں

اسلامی قانون کی نگاہ میں تمام افراد برابر ہیں۔ قانون الٰہی کو سب پر برتری حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے آپ کو بھی قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو بھی قصاص کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضور ﷺ نے اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا اس لئے تو مسلمانوں کا ہر حاکم اور خلیفہ اپنے آپ کو قانون کے سامنے اسی طرح جواب دہ سمجھتا تھا جس طرح ایک ادنیٰ خادم۔ خلفائے راشدین نے اپنے دور میں عدل و انصاف کی بے شمار مثالیں پیش کیں اور انہوں نے حضور ﷺ کے نقش قدم پر چل کر انصاف کا حق ادا کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا انصاف مثل بن گیا تھا۔ ایک بار حضرت علیؓ ایک مقدمے کے سلسلے میں قاضی کی عدالت میں بطور فریق پیش ہوئے۔ قاضی نے آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کنیت سے کیوں پکارا جو کہ عزت کی علامت ہے۔ یہ تم نے بے انصافی کی ہے۔ اتنی سی بات کو علی المرتضیٰؓ نے قانونی مساوات کے خلاف سمجھا اور قاضی کو مکمل مساوات برتنے کی

Marfat.com

نصیحت کی۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو شرعی سزا دے کر عدل و انصاف کا بول بالا کر دیا۔ آپ کے عہد میں بڑے بڑے گورنر، بااثر انسان قانون کی زد سے نہیں بچ سکتے تھے۔ (7)

عدل کے بارے میں ضابطہ اخلاق

حضور اکرم ﷺ نے قاضیوں اور ججوں کے لئے ایک ضابطہ اخلاق دیا جس کے چند اہم اصول یہ ہیں

1۔ مدعی اور مدعا علیہ کے بیان سن کر فیصلہ کیا جائے کسی ایک فریق کے بیان پر اعتماد کر کے یک طرفہ کاروائی نہ کی جائے۔
حضور نبی کریم ﷺ نے قاضی کو یمن بھیجتے وقت نصیحت فرمائی

ترجمہ : جب تک تیرے سامنے دو فریق مقدمہ بیٹھ جائیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ سنانا جب تک دوسرے فریق کا بیان اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے کا سنا تھا۔

2۔ قانون لوگوں کی نیتوں اور اندرونی باتوں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اس لئے قاضی کو چاہیے کہ وہ ظاہری ثبوت اور شہادتوں پر فیصلہ کرے۔ حضور ﷺ بھی ہر مقدمے میں ظاہری ثبوت اور گواہوں کی شہادت کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔
آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرو وہ اللہ دلوں کے بھیدوں کا مالک ہے۔

3۔ عدالتی کاروائی کے کسی بھی مرحلے پر قاضی کو کسی ایک طرف جھکاؤ کی قطعاً اجازت نہیں۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ دیکھنے اور بات سننے میں فریقین کے درمیان مکمل مساوات برتے۔

ترجمہ : نگاہ اور کلام میں فریقین کے مابین مساوات قائم کیجئے۔

4۔ مقدمہ میں منصفانہ فیصلے پر پہنچنے کے لئے قاضی کو ہر قسم کے ذہنی کھنچاؤ، دباؤ اور غیض و غضب سے آزاد ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر قاضی ذاتی جذبات سے مغلوب ہو کر مجرم کو اس کے جرم کی مقدار سے بڑھ کر سزا دے بیٹھے گا اور انصاف نہ کر سکے گا۔
حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

ترجمہ: غصہ کی حالت میں قاضی فریقین کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

5۔ مجرم کو ثبوت جرم پر سزا دی جائے۔ اگر اس کے خلاف شہادتیں کمزور ہوں جس سے اس کا جرم مشتبہ ہو جائے تو اس کو شک کا فائدہ دیا جائے۔ اس سلسلہ میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ ترجمہ " بے شک امام یا قاضی کا کسی کو معاف کرنے میں غلطی کرنا بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی کو سزا دینے میں غلطی کرے "

6۔ فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھ لیا جائے کہ اگر مقدمے کا حل قرآن و سنت نبوی ﷺ میں موجود ہے تو اسکے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ ورنہ قرآن و سنت میں اس سے مشابہ فیصلے کو سامنے رکھ کر قیاس کر لیا جائے۔ ایسی صورت میں کسی مقدمے کا صریح فیصلہ قرآن و سنت میں نہ ملتا ہو تو قاضی کو قیاس کر کے اپنی رائے پر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت معاذؓ کو جب قاضی بنا کر بھیجا۔ ان سے جو گفتگو فرمائی وہ تمام قاضیوں اور ججوں کے لئے نمونہ بن گئی۔ (8)

انسانی اقدار اعلیٰ

دنیا میں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا عام رجحان پایا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کے اندر قوت برداشت کا خاتمہ ہو رہا

Marfat.com

ہے۔ غصہ کے دوران بات بات پر گالی دی جاتی ہے۔ مزید بات آگے بڑھتی ہے تو گالیوں کی بوچھاڑ کے بعد گولی چل جاتی ہے۔ لیکن اسلام نے جو معاشرہ تشکیل دیا ہے۔ اس میں عفوو درگزر کرنے، تعلقات کے درمیان پیدا ہونے والی بدمزگیوں کو دور کرنے اور حسن اخلاق کا نمونہ پیش کرنے کا بڑا درجہ بتایا گیا ہے اور یہی انسانی اقدار اعلیٰ کی بنیاد ہے۔

ترجمہ: نیکی اور بدی کا درجہ برابر نہیں ہو سکتا۔ برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دو۔ اگر تم نے ایسا طرز عمل اپنایا تو تم دیکھو گے کہ اچانک تمھارا دشمن دوست بن گیا ہے۔ مگر یہ دولت نہیں مل سکتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا بڑے نصیب والا۔ اسلام نے عدل کے ذریعے انسان کو بہت بلند کیا ہے معاشرہ اور سوسائٹی کا پورا ڈھانچہ درست کیا۔ عدل و انصاف کے ذریعے انسانیت کو چوری، ڈاکہ زنی، رشوت، دھوکہ دہی، فریب اور دیگر معاشرتی برائیوں سے نجات دلائی۔ (9)

عدل اور انسانی برادری

اسلام نے نفرت اور انتقام بھری دنیا میں مہر و محبت کے پھول کھلائے عدل و انصاف سے کام لینے کو بزرگی کا معیار قرار دیا۔ انسانوں کو اللہ کی عیال قرار دیا اور انسان کو قابل احترام اور قابل عزت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ مجھے سب سے پیارا وہ شخص ہے جو اس کے کنبے مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔ اسلام نے دنیا کو یہ قوانین عطا فرمائے۔

- ☆ بلا وجہ کسی کو تکلیف نہ دینا اور کس کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچانا بھی عدل ہے۔
- ☆ دین کے بارے میں جبر اور زبردستی نہ کرنا بھی عدل ہے۔
- ☆ کسی شرعی جواز کے بغیر کسی سے سخت کلامی نہ کرنا بھی عدل ہے۔
- ☆ شرعی سزاؤں یا جنگوں کے جواز کے سوا کسی حال میں کوئی ایزا نہ دینا بھی عدل ہے۔
- ☆ انسانوں سے مہر و محبت کا برتاؤ کرنا یہ بھی عدل ہے۔
- ☆ ہر انسان کی مصیبت، پریشانی، بیماری، بھوک پیاس یا آفت ناگہانی میں مدد کرنا بھی عدل ہے۔
- ☆ لوگو تم زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا رحم بھی عدل ہے (10)

اللہ کی طرف سے عدل کے پیمانے

- ☆ ترجمہ: جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے حکم پر عمل نہ کریں یا فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔ (11)
- ☆ ترجمہ: قوموں کی عداوت تمہیں ناانصافی پر مجبور نہ کرے (12)
- ☆ ہم نے واجب کیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، زخموں کے بدلے زخم کا بدلہ دے اس کا بدلہ اتر جائے گا۔ (13)
- ☆ ترجمہ: اے ایمان والو: اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ۔ انصاف کرو، وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے (14)
- ☆ ترجمہ: جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو (15)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہر حکم اٹل ہے اور تا قیامت ہے وہ یہ کہ اپنے جھگڑوں میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو مدنظر

Marfat.com

رکھ کر اپنے تنازعات کو نمٹایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو بنیاد بنا کر جھگڑوں کو عدل و انصاف کے ساتھ حل کیا جائے۔ یورپ، امریکہ اور دیگر غیر مسلم معاشروں پر نظر ڈالیں تو ہر طرف ظلم ہی ظلم نظر آئے گا وہ اس لئے یہاں انسان کے اپنے بنائے ہوئے اصول لاگو ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام سے منہ پھیر لیا گیا ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں میں کمزوریاں ہیں اور یہی ناانصافی کی جڑ اور بنیاد ہے۔ انگریزی کا محاورہ ہے کہ انصاف میں تاخیر کا مطلب انصاف کا نہ ملنا ہے۔ انگریز کے کالے قوانین میں مقدمات سال ہا سال چلتے ہیں جرائم کی سزائیں غیر فطری ہیں۔ انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اس وجہ سے جرائم کی شرح میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ کا قانون ہر ایک کو انصاف مہیا کرتا ہے۔ جو انسانی معاشرے کی خوشحالی کی بنیاد ہے۔ دیکھا جائے تو سعودی عرب میں دنیا کے دوسرے ممالک کے حوالے سے سب سے کم جرائم سرزرد ہوتے ہیں وہ اس لئے کہ وہاں جرائم کی سزائیں قرآن حکم کے قانون کے مطابق ملتی ہیں۔ (16)

ہدایت الٰہی میں عدل واضح ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں مختلف قوموں کے لئے اپنے انبیاء اور رسول بھیجے۔ جنہوں نے بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا پیغام پہنچایا۔ ہدایت الٰہی میں عدل و انصاف کے بارے میں واضح احکامات ہیں کیونکہ عدل کے بغیر انسانی معاشرے کا پنپنا بہت ہی مشکل ہے۔ اس بنیاد پر قیامت کے دن تمام انسان دوبارہ زندہ ہوں گے۔ پھر عدل کی ترازوئیں قائم کی جائیں گی۔ انسان کا حساب کتاب ہوگا۔ نیکیوں پر اجر ملے گا برائیوں پر سزائیں ملیں گی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل کی بنیاد پر ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے 1432 سال قبل امت کو ایسے فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا۔ ان فتنوں میں ایک بڑا فتنہ ناانصافی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ عادل ہے اور اس نے عدل کو تقویٰ کا جُزو قرار دیا ہے۔ انسان کی پیدائش ہی سے جرم و گناہ شروع ہو جاتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کو جنت نظیر بنانے کے لئے لازم تھا کہ یہاں عدل کو رواج دیا جاتا کیونکہ عدل کے بغیر انسان کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ کفر کا معاشرہ تو کچھ دیر رہ سکتا ہے لیکن ظلم کا معاشرہ ختم ہو جاتا ہے عدل کا متضاد ظلم ہے۔ (17)

ہر شخص کے لئے عدل ضروری ہے

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میدان حشر میں ہر شخص سے پانچ سوال کئے جائیں گے اور کسی بھی شخص کا جواب دئے بغیر چھٹکارا نہ ہوگا۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص کے لئے عدل ضروری ہے۔ عدل کے بغیر اسے زندگی میں راحت وسکون میسر نہیں آسکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کامیابی و کامرانی مل سکتی ہے۔ وہ سوال درج ذیل ہیں:

1- اپنی زندگی کن کاموں میں گذاری

2- اپنی جوانی کو کن کاموں میں کھپایا

3- مال و دولت کن ذرائع سے حاصل کی

4- مال و دولت کو کن کاموں میں خرچ کیا

5- جو علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا

ہر شخص کے لئے یوم حساب جلد آنے والا ہے۔ دنیا کے تمام لوگ ان سوالات کے جواب دہی کے لئے رب العالمین کے روبرو کھڑے ہونگے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ کیا ہم نے ان سوالات کے درست جواب دینے کے لئے خود کو تیار کر لیا ہے۔ اگر

Marfat.com

نہیں تو بہتر ہے کہ آج اور ابھی ان سوالوں پر غور کریں اور فوری بارگاہ الٰہی میں توبہ کریں۔ گناہوں سے بچ کر راہ اعتدال اختیار کریں۔ ورنہ کل جب ہم سب دارالحساب میں ہونگے تو تب عمل کی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔ بس افسوس کرنے اور عذاب جھیلنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ حدیث مبارکہ پوری انسانی زندگی پر محیط ہے اور پوری دنیا کے انسانوں کو راہ عمل دکھاتی ہے اور قدم قدم پر بے اعتدالی سے بچا کر عدل سے کام لینے کا حکم دیتی ہے۔ اگر انسان انفرادی طور پر اور پوری ملت اجتماعی طور پر خود کو ان سوالات کے جواب دینے کے لئے تیار کرلے تو یہ معاشرہ جنت کی نظیر پیش کرسکتا ہے۔ سوسائٹی سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

تمام نبیوں کی آمد کا مقصد عدل کا قیام

اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو تمام انبیاء اکرام کا تشریف لانا روشن نشانیوں کے ساتھ واضح کرنا ہے کہ عدل ہی ان کا اولین مقصود تھا۔ عدل کے ذریعے انسانیت کی فلاح و بہبود کرنا ان کے مقاصد میں شامل تھا چنانچہ اس بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہو۔ (19)

پاکستان اسلام کے نام پر بننے والی ریاست

یہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ پاکستان دنیا کی واحد اسلامی ریاست ہے۔ جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلامی ریاست مملکت خداداد پاکستان کے مقام کا ذکر اور خدائے بزرگ و برتر کی اس بے پایا رحمت پر سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

> " کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کوئی انعام ہوسکتا ہے۔ یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے کیا تھا۔ اگر تیری امت نے صراط مستقیم کو اپنے لئے منتخب کر لیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعام کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان تحفہ خداوندی ہے۔ اس تحفہ کی حفاظت ہر پاکستانی مرد اور عورت، بچے، بوڑھے اور جوان پر فرض ہے۔ قائد اعظم جانتے تھے کہ پاکستان کا قیام ہی اسلام کے دفاع کا ضامن ہے کیونکہ ہندوستان میں کوئی دوسری طاقت اسلام کا دفاع نہیں کرسکتی"(20)

پاکستان اسلام کی تجربہ گاہ

قائداعظم پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے۔ 14 جنوری 1948 کو انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

> "ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلامی اصولوں کو اپنا سکیں" (21)

26 مارچ 1948 میں چٹاگانگ میں ایک جلسہ عام میں اسلامی ریاست کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا

> ہم ایسی ریاست چاہتے ہیں جو مساوات اور سماجی اصولوں پر مبنی ہو۔ اگر ہم دوسروں کے ساتھ انصاف اور رواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آپس میں عدل و انصاف سے کام نہ لیں۔ اس

Marfat.com

بے توجہی اور ناروا سلوک کا تدارک ہی پاکستان کے قیام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ (22)

قائد اعظم اور معاشرتی عدل وانصاف

27مارچ 1947 کو میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے اسلامی تعلیمات اور عدل و انصاف کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

"آپ اپنی حکومت میں معاشرتی عدل و انصاف کے قیام میں کافی حد تک مدد و معاون ثابت ہوں گے معاشرتی انصاف اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے ہر حکومت میں ایسا ہونا چاہیے تاکہ وہ دنیا کو بتا سکے کہ وہ اقتصادیات اور معاشرتی انصاف میں کامل یقین رکھتی ہے"۔

مساوات، خیر سگالی، ہمدردی و رواداری اور عدل و انصاف یہ وہ سنہری اصول ہیں دنیا کا کوئی مذہب ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔حضور نبی اکرم ﷺ نے جب مسلمانوں کو دنیا کا پہلا دستور دیا تھا اس میں جو سہولتیں مدینہ کے یہودیوں کو مہیا فرمائیں اس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ قائد اعظم انہیں سنہری تعلیمات کا پاکستان میں اجراء و احیاء چاہتے تھے۔ 11اگست 1948 کو مجلس آئین ساز کی افتتاحی تقریب کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور ہمدردی کا برتاؤ کیا وہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ تیرہ سو سال پرانی چیز ہے۔ ہمارے رسول اکرم ﷺ نے صرف قول سے نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ نیک سلوک اور برتاؤ کر کے انہیں مفتوح کیا۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ان کے مذہب وعقیدے کے بارے میں انتہائی تحمل، رواداری اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیا ہم یقیناً اس سنت رسول ﷺ پر عمل کریں گے۔ (24)

یہ بات یقیناً باعث صد افتخار ہے کہ پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت ہے۔ اللہ رب العزت کی اس عنایت اور کرم نوازی پر پاکستان کا بچہ بچہ نہ صرف ممنون احسان ہے بلکہ سجدہ شکر بجالاتا ہے۔ اس سعادت مندی نے نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ پوری دنیا میں پاکستان کا نام روشن کیا۔ الحمد اللہ قائد اعظم اور علامہ اقبال کا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آرہا ہے۔ یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا روحانی فیض ہے جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو بنئے نے قرطاس ہند سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کی آج وہ خود مختار ملک کی مالک ہے۔ اس کا اپنا دستور ہے۔ اپنی حکومت، اپنا سکہ، اپنا جھنڈا ہے۔ اس سے بڑھ کر خدا کا کوئی اور انعام نہیں ہوسکتا۔

بابائے قوم حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی دلی خواہش تھی کہ پاکستان میں عہد فاروقی کی تصویر عملی طور پر کھنچ جائے۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور دیگر ججوں کی بحالی کے بعد جو فیصلے ہوئے ہیں ان سے امید ہوگئی ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیا جارہا ہے۔ عدلیہ کسی دباؤ کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ عدلیہ کے فیصلے ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک میں بھی بول رہے ہیں۔ انہیں سراہا جارہا ہے۔ سپریم کورٹ کی طرح ماتحت عدلیہ میں بھی تبدیلی آجائے اور میرٹ پر فیصلے ہونے لگیں تو وہ وقت دور نہیں جب عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا اور عدل فاروقی کی یادیں تازہ ہو جائیں گی۔

☆ بارگاہ الٰہی میں عدل کرنے والا زیادہ مقرب ہے

Marfat.com

☆ بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقرب ومقبول وہ فرد ہے جو چھوٹوں اور غریبوں سے ہنس کر ملتا ہے

☆ جو اپنی جان پر کھیل کر دوسروں کی جان کی حفاظت کرتا ہے۔

☆ جو اپنے حصہ کا کھانا سائل اور بھوکے کو دے کر خود بھوکا سو جاتا ہے۔

☆ جو اپنے قول اور وعدوں کا پاس رکھتا ہے۔

☆ جو اپنے دشمن کی عزت اور ناموس کی بھی حفاظت کرتا ہے۔

☆ جو رزق حلال کھاتا ہے خواہ وہ باسی ٹکڑے ہی کیوں نہ ہوں۔

☆ جو کسی کی خدمت کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتا۔

☆ جو بزرگوں سے انکساری، ہم عصروں سے حلیمی اور چھوٹوں پر شفقت کرتا ہے۔

☆ جو دکھلا کر نہیں بلکہ خاموشی سے غریبوں اور ناداروں کی دستگیری کرتا ہے۔

☆ جو طلب علم کو طلب دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔

☆ جو نعمت حاصل ہونے سے پہلے اور بعد خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

☆ جو دوسروں کی مجبوری دیکھ کر اپنے زخموں کو بھول جاتا ہے۔

☆ جو کبھی جھوٹ نہیں بولتا راستی پر قائم رہتا ہے۔

☆ جو ترک دنیا کے بغیر اطاعت الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔

وہ زندگی جو تڑپتی ہے کسی کے لئے
متاع خلد ہے دنیا میں آدمی کے لئے

ایثار بے غرضانہ قربانی کو کہتے ہیں پاکیزہ خیالات روحانی غذائیں ہیں۔ جو آدمی کو ضعیف الاعتقاد بننے نہیں دیتیں اور نہ ہی گناہ کو مسلط ہونے دیتی ہیں۔ درج بالا عادات وخصوصیات کا حامل فرد اپنی زندگی میں عدل واحسان سے کام لیتا ہے تو اس کو ذہنی آسودگی اور عجز وانکساری حاصل ہوتی ہے۔ خدا کی رحمتیں اسے ڈھانپ لیتی ہیں۔ وہ اوج ثریا کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے فرشتے بھی اس پر رشک کرتے ہیں۔ یہی جوہر شرافت ہے جس کا ذکر فرشتے اکثر فلک پر کرتے ہیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کر و بیان

عمل ہماری ہمت آزمائیوں کا

علم ہماری بصارت وبصیرت کا

شعور ہماری تعلم وتربیت کا

اخلاق ہمارے کردار ومعیار کا پیمانہ ہوتا ہے۔

تدبر زندگی کی بشارت ہے اور بے تدبری دائمی مشکلات کی علامت ہے۔

Marfat.com

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانان عالم اور پوری دنیا کے لوگ اسلامی عدل و انصاف کو اپنائیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ عدل و انصاف کے بغیر دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ عدل و انصاف ہی سے دنیا کے اندھیروں میں اجالا کیا جا سکتا ہے۔ عدل وانصاف کے بغیر دنیا میں امن وسلامتی قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلامی عدل و انصاف ہی دنیا میں امن و آشتی کا علم بردار ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف اور اعتدال ہی ہماری دینی و دنیاوی زندگی کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

حوالہ جات

1- اسلام اور امن عالم بدرالقادری ...... 2- اسلام کا عمرانی نظام پروفیسر غلام رسول چیمہ...... 3- مرزا محمد الیاس بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش لاہور ...... 4- اسلامیات اختیاری دہم (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ)...... 5- قرآن مجید سورۃ النساء 35-4...... 6-اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش لاہور ...... 7- مفاہمتی عمل کی پائیداری تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں مقالہ 2011...... 8- باب عدل اسلامیات اختیاری (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور) ...... 9- مفاہمتی عمل کی پائیداری تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں مقالہ 2011...... 10- صحیح مسلم شریف باب العتق...... 11- قرآن مجید سورۃ مائدہ 1-5...... 12- قرآن مجید سورۃ مائدہ 6-5...... 13- قرآن مجید سورۃ شوریٰ 42-15...... 14- قرآن مجید سورۃ النساء ...... 15- قرآن مجید سورۃ حشر 58-8...... 16- اسلام اور انسانی حقوق ...... 17- عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل یوسف فاروقی ...... 18- اہل ایمان سے خطاب سرفراز بھٹی ...... 19- قرآن مجید سورۃ الحدید 57-25...... 20- اسلام اور قائد اعظم مولفہ محمد حنیف شاہد ...... 21- صفحہ نمبر 167 اسلام اور قائد اعظم مولفہ محمد حنیف شاہد ...... 22- صفحہ نمبر 151 اسلام اور قائد اعظم مولفہ محمد حنیف شاہد...... 23- صفحہ نمبر 90 اسلام اور قائداعظم مولفہ محمد حنیف شاہد ...... 24- عدل و انصاف 147 حنیف شاہد...... 25- خدوخال قدرت اللہ باسط۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مس نصرت آصف - کراچی

عدل کے معنی و تشریح

"بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے" (سورۃ نحل آیت ۹۰)

ائمہ مفسرین نے عدل کی تشریح و توضیح میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ محمد ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل کے اصلی معنی تو برابر کرنے کے ہیں تاہم مختلف نسبتوں سے اس کے معانی میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے مابین عدل کرے۔ مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنے نفس پر اور اللہ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اللہ کے احکام کی مکمل تعمیل کرے اور ممنوعات و محرمات سے پوری طرح بچتا رہے۔

دوسرا مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے، یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت کا پہلو نکلتا ہو۔ عدل کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کی ساری مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی سے پیش آئے اور کسی معمولی سے معمولی معاملے میں بھی کسی کے حق میں خیانت۔ اسی طرح عدل کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملے کا فیصلہ کرانے کی غرض سے آئیں تو ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کرے۔ ذاتی رجحان، ذاتی میلان یا قرابت داری کی عصبیت آڑے نہ آئے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔ عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔

عدل و انصاف کا قیام

"اور یقیناً ہم نے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔" (سورۃ حدید آیت 25)

جو لوگ انصاف کرنے والے ہیں وہ اللہ کے قریب نور کے منبروں پر اس کے داہنی طرف بیٹھے ہیں۔ رحمٰن عزوجل ہے، اس اک غلبہ اور شان بلند ہے۔ اس کے دونوں ہی ہاتھ داہنے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں انصاف کرتے ہیں، ''یعدلون فی حکمھم'' جو ان کے ساتھ ہیں ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جو معاملات بھی ان کے سپرد کر دیے جائیں اور ان کے ذمے ہوں ان سے متعلق ہوں ان کے اندر بھی عدل کرتے ہیں۔ ایک عادل حکمران کو سب سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ عدل کرے اور عدل کے اوپر قائم رہے لیکن حدیث کے الفاظ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو یہ کہتی ہو کہ یہ حدیث تو صرف حکمرانوں کے لئے مخصوص تھی۔ یہ عام لفظ استعمال ہوا ہے۔ مقسطین یعنی قسط کرنے

Marfat.com

والے،قسط کے اوپر قائم رہنے والے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سارے فیصلوں میں،سارے معاملات میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔انصاف پر قائم رہتے ہیں۔جن کے ساتھ بھی ان کا معاملہ ہوتا ہے،اور جو برتاؤ ہوتا ہے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ گھر کے باہر پڑوسیوں کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ،کاروبار میں کام کرنے والوں کے ساتھ اور اگر کسی معاملے کے ذمہ دار بنا دیے جائیں تو ان کے ساتھ،غرض ہر ایک کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرتے ہیں۔

اسلام میں انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کے لئے سوشل،معاشی زندگی کے ہر پہلو میں انصاف پسندی کو مقدم قرار دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل احکامات اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

(۱) بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے(سورۃ المائدہ آیت 42)

(۲) اے ایمان والو! انصاف پر پختگی سے قائم رہنے والے اور اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو۔چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو وہ امیر ہو یا مفلس،اللہ دونوں سے زیادہ حقدار ہے۔پس خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کجی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے(سورۃ النساء آیت 135)

(۳) اے ایمان والو! اللہ کے لئے پختگی سے قائم رہنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو۔ہر حال میں انصاف پر قائم رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو اس کی پوری خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔(سورۃ المائدہ آیت 8)

(۴) اور جب بات کرو تو انصاف ملحوظ رکھو اگرچہ وہ تمہارے کسی قرابت دار کے متعلق ہی کیوں نہ ہو۔(سورۃ انعام آیت 152)

(۵) آپ (محمدؐ) کہہ دیں کہ میرے پروردگار نے تو عدل و انصاف ہی کا حکم فرمایا ہے(سورۃ اعراف آیت 29)

عدل سے فیصلے کرو،کہ اسی میں نجات ہے

"بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے"(سورۃ نحل آیت 90)

صدیوں پہلے انسان جب جنگلوں،غاروں اور درختوں کی کھپاؤں سے نکل کر دریاؤں کے کنارے مستقل طور پر آباد ہونا شروع ہوا تو اُس نے زراعت کو اپنا پیشہ بنایا۔ وہ جانور جنہیں کبھی وہ شکار کرتا تھا، انہیں اپنی ضروریات کے لئے پالنا پوسنا شروع کیا۔گھوڑا یا اونٹ سواری کے لئے،گائے بھینس دودھ دہی کے لئے اور بھیڑ بکریاں گوشت کیلئے اور خیموں اور لباس کے لئے چمڑا مہیا کرنے کے لئے۔ گاؤں بنے،بستیاں آباد ہوئیں۔خاندان وجود میں آئے اور ہر کسی کا علیحدہ کنبہ اور اُس کی رہائش کے لئے علیحدہ گھر تعمیر کیا گیا۔کھیت کھلیان کی علیحدہ علیحدہ ملکیت کا آغاز ہوا۔اُس وقت تک دنیا بھر میں ایک ہی قانون چلتا تھا۔طاقت کا قانون جسے ڈارون نے اپنی مشہور تحقیق میں Survival of the Fittest (یعنی طاقتور کو ہی بقا ہے) کے نام سے بنیاد بنایا۔جو طاقتور ہے اُس کا کھیت بڑا،اُس کا مکان بڑا،اُس کا شکار میں زیادہ حصہ اور اس کی جاگیر بڑی۔ماہرین

Marfat.com

لسانیات انسانی زبان کے ارتقاء کی بہت دلچسپ کہانیاں بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ایک ایک لفظ صدیوں کے تجربے کی کٹھالی سے گزر کر وجود میں آیا۔اسی طرح طاقت کے توازن نے کھیتوں اور علاقوں کی حدود متعین کر دیں اور حد ملکیت بھی معاشرتی معاہدہ بن گئی۔لین دین،مول تول غرض اور بہت سی ایسی روزمرّہ کی چیزیں وجود میں آنے لگیں۔اب ان سب کی وجہ سے معاشرے میں نت نئے جھگڑے اُٹھے،فساد ہوئے،قتل و غارت لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہونے لگیں۔یوں ہر شہر اور ہر علاقے کے لوگوں نے اپنے درمیان میں سے کچھ لوگوں کو دو اختیار سونپ دیئے۔ایک یہ کہ وہ امن و امان قائم کریں اور دوسرا آپس کے جھگڑوں میں انصاف کریں۔یہ تھی ریاست یا حکومت اور یہ ہی دو فرائض تھے جس کی بنیاد پر بڑی سے بڑی حکومتیں اور ریاستیں وجود میں آئیں۔ہزاروں سال تک ریاست کی اور کوئی ذمہ داری نہ تھی کیونکہ اگر وہ یہ دونوں فرائض یعنی امن و امان اور انصاف قائم کر لیتی تو لوگوں کو ایک ایسا ماحول میسر آتا جس میں عوام کاروبار کرتے،رزق کماتے،اسکول کھولتے،مدرسے قائم کرتے،حکیم علاج کرتے۔لوگ اپنے یتیموں،بیواؤں اور مسکینوں کی بھی دیکھ بھال کرتے۔دنیا کا مشکل ترین ترسیل آب کا نظام کاریز جو ہمارے ملک کے علاقے بلوچستان میں ہے انسانوں نے خود کسی حکومتی مدد کے بغیر بنایا۔اُس میں پہاڑ سے چشمے کو کئی سوفٹ گہری سرنگ میں سے میلوں گزار کر کھیتوں تک لے جایا جاتا ہے۔حکومت امن وامان قائم کرتی اور عدالت اُس حکومت پر ایک نگران کی حیثیت سے انصاف کر رہی ہوتی۔یہ انصاف طاقتور سے کمزور کو حق دلانے کے لئے بھی ہوتا اور حکمرانوں کو بھی رعایا پر ظلم کرنے سے روکتا۔

دنیا کے کسی ملک کی تاریخ اُٹھا لیں،ان کے ناول،افسانے،قصے کہانیاں یا پرانی زبان زدعام نظمیں،ان میں آغاز ایسے ہوتا ہے کہ ایک تھا بادشاہ جو اس قدر منصف مزاج تھا کہ اُس کے زمانے میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔لوگ چین کی نیند سوتے تھے۔یا پھر ایک تھا حکمران جو اس قدر ظالم تھا کہ رعایا ملک چھوڑ کر بھاگتی پھرتی تھی کسی کو اس سے انصاف کو توقع تک نہیں تھی۔تاریخ اپنے سارے مواد اور اپنی ساری گواہیوں کے ساتھ ایک نکتے پر متفق ہے کہ معاشرے نہ جمہوریت سے مستحکم ہوتے ہیں اور نہ آمریت سے۔معاشرے کی صرف اور صرف ایک بنیاد ہے اور وہ ہے انصاف۔یہی وجہ ہے کہ جمہوریت کی اولین وجہ یونان جہاں شہری ریاستیں تھیں وہاں تاریخ کا مشہور ترین قتل جمہوریت اور ووٹ کی اکثریت سے ہوا۔سقراط کو پھانسی کی سزا ایک ایسی جیوری نے دی جس کے ممبران شہر کے تمام لوگ تھے جسے سقراط اپنے آخری بیان میں تمسخر اڑاتے ہوئے کہتا ہے یہ عدالت نہیں ایک ہجوم ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس مجرمانہ جمہوری نظام کا تختہ الٹ کر ایک انقلاب کے ذریعے،ایک شاعر،فلسفی،تاجر،معیشت دان،سپاہی اور معاشرتی نقاد سوان برسر اقتدار آیا۔اُس کی شاعری نے ایک ایسے انصاف کی راہ ہموار کی جس میں طاقت ور کے مقابلے میں کمزور کو اُس کا حق دلایا جائے اور خواہ یہ طاقت لوگوں کی اکثریت کی کیوں نہ ہو۔اُس نے پہلی دفعہ ذاتی انتقام کو بھی عدالت میں لا کھڑا کیا ورنہ یہ معمول کی چیز سمجھا جاتا تھا۔حمورابی کو اس لئے عظیم کہا جاتا ہے کہ اس نے 1750 قبل مسیح قانون بناتے ہوئے کہا تھا کہ طاقتور کمزور کو نہ دبائے اور انصاف بیوہ اور یتیم کو بھی ملے۔چین کی چو اور جن خاندانوں کی قبل مسیح حکومتوں میں عدل کا نظام حکومت کی نگرانی کے لئے قائم تھا تا کہ کمزور کو حکومت اور طاقتور کے مقابلے میں انصاف دیا جائے۔یہ ساری تاریخ ان لوگوں کی ہے جنہیں جدید تعلیم کی ہوا سن دنیا کو علت وہ معمول یعنی

Marfat.com

Cause and Effect کے ذریعے چیزوں کو سمجھنے کے علاوہ کچھ نہیں سکھایا۔ورنہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کو جانتے ہیں انہیں یقین اور ایمان ہے کہ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں عدل اور انصاف قائم کرنے کے لئے بھیجا۔اسی لئے جہاں کہا گیا کہ ہم نے کتاب اتاری ویسے ہی کہا ہم نے میزان اتاری تا کہ تم عدل قائم کرو۔عدل کرنے والوں کو اللہ صرف اور صرف ایک ہی جواب دہی کا احساس دلاتا ہے اور وہ ہے اُس کی ذات۔وہ نہ عوام کے سامنے جواب دہ ہیں اور نہ حکومت کے سامنے جس لمحے وہ یہ ذرا سا احساس بھی کریں گے کہ وہ اللہ کے ساتھ ساتھ عوام، پارلیمنٹ یا حکومت کے سامنے جواب دہ ہیں تو وہ شرک کر رہے ہوں گے۔ان کی ذمہ داری فیصلہ کرنا اور اور ذمہ داری کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے اور قرآن کی اس آیت کے مطابق کہ دیکھو تمھیں کسی گروہ کی صحبت اس بات پر مجبور نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کر سکو،انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے نزدیک ترین ہے ان کے فیصلوں سے ظالم اور حق غضب کرنے والے حکمرانوں کو تھر تھر کانپنا چاہیے۔حضرت عمرؓ کے نزدیک ہر کمزور میرے لئے طاقتور ہے جب تک میں اُسے اس کا حق نہ دلا دوں اور حضرت علیؓ کے مطابق کوئی حکومت کفر پر قائم رہ سکتی ہے لیکن عدل کے بغیر نہیں۔یہی وہ حقیقت ہے کہ کوئی سسٹم جسے آج سب بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اگر وہ عدل نہیں کرتا تو اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔پاکستان کے سب سے متنازعہ چیف جسٹس نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا کہ عدالتوں کو ایسے فیصلے کرنے چاہئیں جن پر عمل درآمد ہو سکے۔آپ سے قیامت کے روز سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے سسٹم کو بچایا کہ نہیں، آئین کا تحفظ کیا یا نہیں۔فقط ایک سوال ہوگا ہم نے تمہیں انصاف کی کرسی پر سرفراز کیا تھا تم نے عدل کیا تھا یا نہیں۔آپ اللہ کو حاضر ناضر جان کر صرف اور صرف انصاف کی بنیاد پر فیصلہ کرو یہ ناممکن ہے کہ اللہ ان پر عملدرآمد کرنے والوں کو اس ملک کا اقتدار نہ عطا کرے۔فیصلے کرو کہ انصاف میں دیر اللہ کی ناراضگی کو آواز دیتی ہے۔

فرعون کا فیصلہ تھا موسیٰ علیہ سلام کو قوم کو نیل سے پہلے جالو اور ہلاک کر دو اور اللہ نے فرعون کو اسی دریائے نیل میں غرق کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔اللہ نے جہاں اپنی کتاب اتاری ہے وہاں کہا ہے کہ میں نے میزان بھی اتاری تا کہ تم عدل بھی کرو اس زمین پر۔قرآن کہتا ہے اللہ نے اُس قوم کی حالت نہیں بدلی جس کو اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔ایسے میں خوف صرف فرعونوں کو ہونا چاہئے اس لئے کہ اللہ کا فیصلہ ہمیشہ عدل کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

> خدا کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔اچھے کام کرے گا تو اس کو اُن کا فائدہ ملے گا،
> بُرے کام کرے گا تو اُسے نقصان پہنچے گا۔(سورۃ البقرہ آیت 286)

عدل وانصاف کی تجلی

عدل وقسط کائنات کا خاصہ ہے۔خالق کائنات نے کائنات اور اس میں موجود کسی بھی شے کو میزان پر مبنی قانون عدل پر استوار کیا ہے جس میں کہیں کوئی خامی نہیں، نہ کوئی نقص ہی نظر آتا ہے۔"تم الرحمٰن کی تخلیق میں کوئی خامی نہیں پاؤ گے۔" ہم اپنی آنکھوں کی پتلیوں ہی پر غور کر کر کے دیکھ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان کے درمیان ایک ہلکا سا بھی فرق چہرے کی خوبصورتی کو متاثر کر دیتا ہے۔دو پیروں کے درمیان تھوڑا سا عدل توازن ہماری چال میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔انسانی اعضاء میں خالق نے جس طرح کا توازن رکھا ہے، اسی طرح وہ اشرف المخلوقات سے خواہش رکھتا ہے کہ وہ بھی اپنے متوازن بدن سے ایک

Marfat.com

معتدل و متوازن کردار اور رویہ کو معرض وجود میں لائے جو عدل و قسط کی علامت ہو۔ایک ایسی علامت جو حساس بھی ہو اور سنجیدگی کا نمونہ بھی۔ایک ایسا متوازن نمونہ جو ہمارے اطراف پھیلی ہوئی متوازن کائنات سے ہم آہنگ ہو۔یہ ضروری ہی نہیں مجبوری بھی ہے کہ اسے بہر حال عدل و انصاف کا پیکر بننا ہے ورنہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہنا ہے۔ظاہر ہے انسان آخر یہ کیسے تصور کرسکتا ہے کہ وہ ایک معتدل و متوازن بدن کے ذریعہ ایک معتدل و متوازن کائنات میں ایک غیر معتدل و غیر متوازن رویہ اختیار کرے گا اور اپنے منصف و عادل خالق کے ہاں کسی گرفت سے بچ جائے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے عدل نواز مالک نے ہمیں اس دنیا میں آزادی عطا کی ہے،فکر و خیال کی آزادی، ارادے اور عمل کی آزادی لیکن یہ آزادی کسی معتدل و متوازن اصول کے بغیر ہے؟ ہر انسان اگر بے اصول آزادی پر عمل پیرا ہو اور من مانی زندگی کا خوگر بن جائے تو یہ دنیا کیا اس لائق رہ جائے گی کہ ایسے انسانوں کو دنیا کہا جا سکے؟ ظاہر ہے کہ اس آزادی کو برتنے کے لئے بھی کسی نہ کسی معتدل و متوازن قانون کی تابعداری ضروری ہوگی ورنہ انسانوں کی اس دنیا کو بھی جنگل راج بننے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے رب نے آزادی کے دائرے بھی مقرر کر دیے ہیں۔ جب ان دائروں کو پھلانگنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ انسان نے ذاتی مفاد،اپنی انا پرستی یا اپنے غصہ کو بے اعتدالیوں کی نذر کر دیا ہے۔یہ ہی بے اعتدالیاں زمین پر بسنے والے دیگر جانداروں کے لئے عدم توازن اور عدم اعتدال کا باعث بن جائیں گی۔

ہمارا تجربہ بھی اور ہمارا اپنا وجدان بھی یہی کہتا ہے کہ اس کائنات پر اور ہماری دنیا پر ہر آٹھ جانب سے صرف اللہ رب العالمین کا راج ہے۔ یہ انسان کی اپنی نادانی یا اس کی سمجھ کی کھوٹ ہے جو وہ یہ باور کرتا اور کراتا رہتا ہے کہ فلاں قوم یا فلاں ترقی یافتہ طاقتور حکمران یا فلاں مضبوط ملک سپر پاور دنیا کو چلا رہا ہے۔ یہ سراسر نادانی اور معاشرے میں عدم توازن پیدا کرنے کی باتیں ہیں۔کیا یہ ہمارا مشاہدہ نہیں کہ جب قدرتی آفتیں نازل ہوتی ہیں تو دنیا کے عام لوگوں کو چھوڑیے،ترقی یافتہ ممالک اپنی تمام تر قوت وحشمت کے ساتھ بے بسی کا پیکر بن جاتی ہیں۔اور موسم کی بے اعتدالی کا کوئی مداوہ ان کے پاس نہیں ہوتا۔جاپان کی سونامی میں جاپان جیسی معاشی اور امریکہ جیسی قوت کی عطا کردہ فوجی طاقت بے بسی کا کس قدر عبرتناک منظر پیش کر رہی تھی۔ یہ ہم نے حال ہی میں دیکھ لیا ہے۔جاپان کی تباہ حال آبادی سے تمام تر انسانی ہمدردی،اُس کی باز آبادکاری کے لئے تمام تر نیک تمناؤں اور دلی دعاؤں کے ساتھ ہم یہ بات پھر بھی عرض کریں گے کہ انسانی عظمتوں کا الٰہی آفتوں سے کوئی مقابلہ نہیں اور نہ ہوسکتا ہے،سوائے عبرتناک تماشہ بنے کے۔

صدیوں سے ہمارا یہ تجربہ رہا ہے کہ دنیا کا مالک اس دنیا کے ہر انسان کو بلاتفریق مذہب،قوم،نسل،علاقہ یا ملک اس کی ضرورت کی ہر چیز مسلسل سپلائی کیے جا رہا ہے۔اس کے پاس نہ کوئی تعصب ہے نہ جانبداری،کہیں کوئی بے اعتدالی نہیں،عدم توازن نہیں۔وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ کون اُس کا فرمانبردار ہے،کون نافرمان۔یہ کس قدر دل لگتا عدل ہے مالک کائنات کا وہ انسانوں کے بیچ کبھی بھید بھاؤ نہیں کرتا۔ اُس کی نوازش سب کے لئے یکساں ہے۔سورج کی روشنی ہر ایک کے لئے یکساں فائدہ مند بنائی۔بارش بھی اس نے تمام انسانوں کیلئے برسائی۔آکسیجن تمام مخلوق کو یکساں طور سے سپلائی کر رہا ہے وہ کسی قسم کا

Marfat.com

خاص Favour کے لئے نہیں۔ یہ سب اس کے عادل ہونے کی نشانیاں ہیں۔اس کی بے مثال عدل کی علامتیں ہیں۔فرض کیجئے اس دنیا میں ایک ایسا حادثہ ہو جائے جس کے نتیجے میں تمام ہی انسان بیک وقت فنا ہو جائیں اور صرف ایک ہی انسان زندہ بچ جائے تب بھی ہم انشاء اللہ دیکھیں گے کہ اس زمین کی مذکورہ تمام نعمتیں صرف اور صرف اُسی ایک انسان کی خدمت پر کمر بستہ ہو جائیں گی۔سورج، چاند اور ستارے اسی ایک آدمی کی خدمت میں ہاتھ باندھے کھڑے ہونگے، یہاں تک کہ اس انسان کے کالے یا گورے ہونے کی وجہ سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، نہ ہندو یا مسلم ہونے پر، نہ انڈین یا امریکن ہونے پر۔ایسی عدل آفرین حقیقت ہماری نظروں سے کیوں بوجھل ہو جاتی ہے جب ہمارے ہاتھ میں اختیارات آ جاتے ہیں اور کیوں ہم اختیارات کے حصول کے بعد غیر متعصب اور نش پکش نہیں رہتے؟

عدل و انصاف ہر حال میں مقدم ہونا چاہیے۔ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب اللہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ مختلف اسلوب میں تواتر کے ساتھ ملتا ہے۔مثلاً ماں باپ کو اف تک نہ کہا جائے،ان کو جھڑکا نہ جائے،ان کے ساتھ انتہائی نرمی اور رحمدلی کے ساتھ پیش آیا جائے،ان کا ادب و احترام کیا جائے۔ ان کی خدمت کو ہمہ تن تیار رہا جائے اور ان کے لئے اپنے بازوؤں کو پھیلائے رکھا جائے۔یہ حقیقت ہمیشہ دل و دماغ میں مستحفر رہنی چاہیے کہ مالک انسانیت ہم سے ہمارے ہر جذبہ عمل اور جذبہ ردعمل کا حساب لینے والا ہے۔کوئی ہمیں السلام علیکم کہے تو ہمارے رب کا فرمان ہے کہ اس سے زیادہ اسے واپس کرو، جیسے " وعلیکم کے ساتھ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ"۔ اور اگر ہمارا سینہ اسی ظرف سے بھی خالی ہو جائے تو جواباً کم از کم وعلیکم السلام تو ضرور کہا جائے ورنہ جواب نہ دینے کا قرض تو باقی رہ ہی جائے گا۔ظاہر ہے آخرت میں ایسے سارے چھوٹے بڑے قرضوں کی ادائیگی لازمی ہو گی، بھگتان دلانے والا کوئی اور نہیں خود مالک کائنات ہوگا۔ہم اوپر سے محبت اور اندر سے نفرت کیون کرتے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہو جاتا ہے کہ لوگ ہمارے تئیں خوش اخلاقی اور محبت کا مظاہرہ کریں اور ہم اپنے دلوں میں ان کے لئے نفرت پالیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے پر احسان کرنا اور بڑھ چڑھ کر نیکی کے کام انجام دینا، ماحول میں عدل و انصاف کی غیر محسوس خوشگواری گھول دینے کا باعث بنتا ہے۔ایسے اعتدال پسند محسن انسان کا کریکٹر دوسروں کے لئے ایک مثالی کیریکٹر بن جاتا ہے۔کیونکہ اس کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ وہ خود کبھی اپنے محسنوں کے احسانات کو بھلاتا نہیں اور معاشرے میں زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف کی تجلی کو عام کرنے کیلئے انسانیت کے مختلف طبقات میں خدمت کی طرح ڈالتا ہے۔ وہ یہ نہیں تصور کرتا کہ صف کمزور طبقات ہی خدمت کے مستحق ہوتے ہیں بلکہ معاشرے کے طاقتور طبقات بھی کسی دوسرے پہلو سے خدمت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر اس کا شعور آ جائے تو پھر کبھی معاشرے میں کسی سطح پر بھی عدل و انصاف کے منافی کوئی صورتحال پیدا نہیں ہوگی۔یہ وہ کردار ہے جس کا اعلیٰ نمونہ جناب محمدؐ تھے۔جن کے عمل اور ارشادات میں ہمیں ایک دوسرے پر احسان کی تلقین بدرجہ اتم ملتی ہے۔

بے لاگ عدل و مساوات کا قیام، عوام کو بنیادی حقوق کی فراہمی اور امن و سلامتی کو یقینی بنانا اسلامی ریاست کا بنیادی فریضہ ہے

انسان اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب، تہذیب، تمدن اور ثقافت کے لئے جو ارادے قائم کرتا ہے، ان میں ریاست

Marfat.com

سب سے اہم اور بنیادی ادارہ ہے، چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے وہ دیگر اداروں کی طرح ریاست کے قیام کے لئے بھی مکمل ہدایت اور اصول فراہم کرتا ہے اور ان ہدایات کی روشنی میں جو ریاست قائم کی جاتی ہے اس کی اپنی خصوصیات یہ ہیں کہ اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے، جس کے تحت رعایا کو حسب ذیل سہولیات میسر آتی ہیں۔

اسلامی ریاست کے فرائض سے مراد شہریوں کے وہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی اسلامی ریاست پر لازمی وضروری ہوتی ہے۔ کسی بھی معاشرے کو قائم و دائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ معاشرے میں نظم وضبط، عدل و انصاف، مساوات حقوق و فرائض کی ادائیگی، قانون کا احترام اور اس کی پاس داری کی جاتی ہو اور جب تک حقوق و فرائض کا معاملہ ٹھیک نہیں ہوتا، معاشرہ ترقی اور استحکام نہیں پا سکتا۔

اسلامی ریاست کا سب سے پہلا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ریاست وحکومت میں اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرے۔ بلکہ اپنی زندگی کے معمولات کو احکامِ الٰہی کے مطابق بنائے۔ واضح رہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ بالعموم خلیفہ یا امیر کہلاتا ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ (حاکمِ اعلیٰ) کا نائب سمجھنے اور اپنے تمام اختیارات اور ریاست کی تمام املاک کو امانت کے طور پر استعمال کرے۔

اسلامی ریاست میں شہریوں کو تمام بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے اور بنیادی سہولیات سے مراد خوراک، لباس اور رہائش ہے۔ اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ شہریوں کو مندرجہ بالا سہولیات کے لئے ضروری اشیاء با آسانی فراہم کرے تا کہ شہری ان سے بے فکر ہو کر ملکی ترقی میں حصہ لے سکیں۔ اسلام کے نزدیک حکومت کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ وہ ملک اور ریاست میں امن و امان قائم کرے اور ملک کے دیگر امور پر توجہ دے، بلکہ اس کی اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی اور فطری عدل و مساوات قائم کرتے ہوئے تمام شہریوں کے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کو یقینی بنائے اور یہ ریاست کی ذمے داری اور اس کے شہریوں کا حق ہے جس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرمؐ کا یہ فرمان ہماری رہنمائی کرتا ہے۔" اولادِ آدم کا اس کے سوا کوئی حق نہیں ہے کہ اسے رہنے کو گھر اور ستر ڈھانپنے کے لیے لباس اور (کھانے پینے کے لئے) روٹی کے ٹکڑے اور پانی ہو۔" (جامع ترمذی) یعنی کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہے کہ اسے سر چھپانے، بدن ڈھانپنے اور کھانے پینے جیسی بنیادی ضرورتیں میسر ہوں اور اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی اس معاملے میں خود کفیل ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے ہر فرد کی جان ومال کی حفاظت کرنا بھی ریاست کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے کیونکہ ریاست اپنے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرے اور ایسے تمام ڈاکوؤں، چوروں، رہزنوں کا خاتمہ کرے کہ جن سے شہریوں کی جان ومال کو نقصان ہوتا ہے۔ فلاحی ریاست ملک سے جرائم کا خاتمہ کر کے شہریوں کو عدل و انصاف فراہم کرتی ہے اور انصاف عامہ کی اہم خصوصیت ہے۔ اس سلسلے میں طبقاتی فرق نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کو انصاف کے ساتھ بلا امتیاز معاشرتی و سیاسی حقوق مہیا کرے۔ اسلامی ریاست میں تمام شہری حقوق و فرائض میں برابر کے شریک ہیں۔ اسلام چونکہ عدل و انصاف اور مساوات کا دین ہے اس لئے اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھا جاتا ہے اور سب کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور

Marfat.com

کسی شخص کو کسی دوسرے پر فضیلت اور درجہ نہیں دیا جاتا اور تمام شہریوں کو سماجی، معاشی اور اقتصادی حقوق برابر کی بنیاد پر حاصل ہوتے ہیں۔اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ریاست کے مستحق و نادار اور محتاج وضرورت مند لوگوں کے لئے بیت المال کا قیام عمل میں لائے۔جس سے ضرورت مندوں کی کفالت ہو سکے۔بیت المال میں جمع کی ہوئی رقوم عوام کی امانت ہوتی ہیں۔اور اس سے عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔اسلام دینِ کامل ہے اور دنیا کے تمام بہتر نظریات اسلام سے ہی اخذ کیے گئے ہیں۔ فلاحی مملکت دراصل اسلام ہی کا نظریہ ہے اور سب سے پہلے اسلام نے ہی ایسی مملکت کا تصور اقوام عالم کو دیا۔دنیا کی سب سے پہلی فلاحی ریاست مدینہ منورہ میں قائم ہوئی اور اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں فلاحی ریاست کا نمونہ قائم کر کے مثال قائم کی۔اسلام نے ہی چودہ سو سال پہلے فلاح و بہبود کے لئے مجلس شوریٰ، زکوۃ، مالی امداد، مفت تعلیم، بیت المال، امن و امان خوراک کی فراہمی، صحت کی سہولیات، عدل و انصاف، اخوت و مساوات، صلہ رحمی جیسے بہترین اور عمدہ اصول دیے تا کہ بہترین فلاحی ریاست قائم ہو۔ اسلام میں حاکمِ اعلیٰ کو قوم کا خادم قرار دیا گیا ہے، تا کہ ملک میں شہریوں کے حقوق کو برتری حاصل ہو۔

"اور آپ (محمدؐ) کہہ دیں کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ اپنے اور تمہارے درمیان انصاف کروں۔" (الشوریٰ:15)

"پھر اگر وہ زیادتی کرنے والا گروہ رجوع کرے تو ان فریقین کے درمیان عدل کے ساتھ صلح و اصلاح کرادو اور انصاف کا خیال رکھو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (الحجرات:۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدل و انصاف

محسن انسانیت حضرت محمدؐ نے دین کی دعوت اور اس کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ عدل و مساوات،انسانی عزت و وقار امن کے قیام،ظلم کے خاتمے اور مظلوموں کی داد رسی کو بنیادی اہمیت دی۔آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری اور بعثت سے ایک مثالی اور مہذب دور کا آغاز ہوا، جس میں عدل و مساوات کے قیام،ظلم و بدامنی کے خاتمے اور مظلوموں کی دادرسی کو بنیادی اہمیت دی گئی۔

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضورؐ کے زمانہ میں فتح مکہ کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی اس عورت کی قوم والے گھبرا کر حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے پاس گئے تا کہ وہ آپؐ سے اس عورت کی سفارش کر دیں (اور یوں ان کی عورت چوری کی سزا سے بچ جائے)۔حضرت اُسامہؓ نے اس بارے میں حضورؐ سے بات کی تو آپؐ کا چہرہ مبارک (غصہ کی وجہ سے) سرخ ہو گیا اور فرمایا (اے اُسامہؓ) تم مجھ سے اللہ کی حدود کے بارے میں (سفارش کی) بات کر رہے ہو۔(حضرت اُسامہؓ سمجھ گئے کہ سفارش کر کے انہوں نے غلطی کی ہے اس لئے فوراً) حضرت اُسامہؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔شام کو حضورؐ بیان فرمانے کھڑے ہوئے۔پہلے اللہ کی شان کی مناسب ثناء بیان کی پھر فرمایا:" أمّا بعد! تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا طاقتور اور معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حدِ شرعی قائم کرتے۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔"

Marfat.com

پھر حضورؐ نے حکم دیا جس پر اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا اور اس نے بہت اچھی توبہ کی اور اس نے شادی بھی کی۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اس کے بعد وہ عورت (میرے پاس) آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت کی بات حضورؐ کے سامنے پیش کیا کرتی۔

حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں انصار کے دو آدمی کسی ایسی میراث کا جھگڑا لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کے نشان مٹ چکے تھے اور کوئی گواہ بھی ان کے پاس نہیں تھا۔حضورؐ نے فرمایا تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو اور جس کے بارے میں مجھ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی میں اس میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں لہٰذا جس آدمی کی دلیل کی وجہ سے میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں جس کی وجہ سے وہ اپنے بھائی کا حق لے رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کا حق ہرگز نہ لے۔کیونکہ میں تو اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ یہ ٹکڑا اس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہوگا۔اس پر وہ دونوں حضرات رونے لگے اور دونوں میں سے ہر ایک نے کہا یارسولؐ اللہ میں اپنا حق اسے دیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا جب تم نے یہ ارادہ کرلیا تو جاؤ اور حق پر چلو اور اس میراث کو آپس میں تقسیم کرلو اور تقسیم کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرلو اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد تم دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو اپنا حق معاف کر دے۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں بنو ساعدہ کے ایک آدمی کی ایک رسق کھجوریں حضورؐ کے ذمہ قرض تھیں (ایک رسق تقریباً سوا پانچ من کا ہوتا ہے) اس آدمی نے آ کر حضورؐ سے اپنی کھجوروں کا تقاضا کیا۔حضورؐ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کردو۔انہوں نے اس کی کھجوروں سے گھٹیا قسم کی کھجوریں دینی چاہیں۔ اس آدمی نے لینے سے انکار کر دیا۔ان انصاری نے کہا کہ تم رسولؐ اللہ کو ان کی کھجوریں واپس کرتے ہو؟ اس آدمی نے کہا ہاں اور حضورؐ سے زیادہ عدل کرنے کا کون حقدار ہے؟ یہ سُن کر حضورؐ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپؐ نے فرمایا یہ ٹھیک کہتا ہے۔ مجھ سے زیادہ عدل کرنے کا حقدار کون ہوسکتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ اس امت کو پاک نہیں فرماتے جس کا کمزور آدمی طاقتور سے اپنا حق نہ لے سکے اور نہ اس پر زور دے سکے۔ پھر فرمایا اے خولہؓ اسے گن کر ادا کرو۔ کیونکہ جس مقروض کے پاس سے قرض خواہ خوش ہوکر جائے گا اس کے لئے زمین کے جانور اور سمندروں کی مچھلیاں دعا کریں گی اور جس مقروض کے پاس قرضہ کی ادائیگی کے لئے مال ہے اور وہ ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر دن اور ہر رات کے بدلہ میں اسکے لئے ایک گناہ لکھتے ہیں۔

> ''حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ بنو کہ یہ کہنے لگو اگر لوگ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے اور اگر لوگ ہمارے ساتھ بُرا سلوک کریں گے تو ہم بھی برا سلوک کریں گے۔بلکہ تم اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں نہ کریں تم احسان کرتے رہو گے اور لوگ تمہارے ساتھ برا سلوک بھی کریں تب بھی تم ان کے ساتھ برا سلوک یا ظلم و زیادتی نہیں کرو گے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد کے عملی مظاہروں کے نمونے ہمارے لئے چھوڑے ہیں اور اس کے نتیجے میں دنیا کو جو امن، عدل و انصاف میسر آیا تھا۔ایسا عدل و انصاف کا ماحول چشم فلک نے بھی کبھی نہیں دیکھا۔

Marfat.com

کوئی ایسا عدل و انصاف ہے جو مثالی فساد فی الارض کے اس دور میں اپنی ذات سے عدل و انصاف کی تجلی چارسو بکھیر دے اور اس معتدل کائنات سے ہم آہنگ ہو کر اپنی دنیا کو بھی عدل و انصاف سے اہم آہنگ کر دیں؟؟

حوالہ جات

سورۃ النساء آیت ۴۲۔ سورۃ النساء آیت ۱۳۵۔ سورۃ المائدہ آیت ۸۔ سورۃ الانعام آیت ۱۵۲۔ سورۃ الاعراف آیت ۲۹۔ سورۃ النحل آیت ۹۰۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۱۵۔ سورۃ الحجرات آیت ۹۔ سورۃ الحدید آیت ۲۵۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶۔ اخرجہ البخاری وقدر واہ البخاری فی موضع آخر ومسلم من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا کذا فی البدایۃ (ج ۴ ص ۳۱۸)۔ اخرجہ ایضا الاربعۃ عن عائشۃ کما فی الترغیب (ج ۲ ص ۲۶)۔ اخرجہ ابن ابی شیبۃ وابوسعید النقاش کذا فی الکنز (ج ۳ ص ۹۸۲۔ اخرجہ الطبرانی ورواہ احمد بنحوہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا باسناد جید قوی کذا فی الترہیب (ج ۳ ص ۳۷۰)۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظہ شبانہ کوثر۔ سیالکوٹ

تیرے آنے سے کیسا انقلاب آ گیا! | سب سوالوں کا ایک تُو جواب آ گیا
فصلِ عدل زمانہ کی ہر بیل پر | تُو سب کی خوشیوں کا بن کر گلاب آ گیا

میرے مولا نے مجھ کو دکھایا حرم
کرم کوثر پہ اب بے حساب آ گیا

اجتماعی عدو انصاف میں جو نادر نمونے، جو نادر مثالیں اور جو عملی کردار و افعال میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ نے پیش کیں وہ کوئی اور نبی پیغمبر نہ آج تک پیش کر سکا اور نہ تاحشر کر سکے گا کیونکہ انسانوں میں سب سے مکمل جامع اور نادر نمونہ آپ ﷺ کی مبارک ذات گرامی ہے۔ کیونکہ آپ کی زندگی مبارک تمام جہانوں کے لیے ایک ضابطہ حیات اور قیامت آنے تک جن انسانوں کی زندگی آپ کی ہستی مبارک کے جتنا قریب ہوگی سعادت و کامیابی بھی اسے اتنی ہی میسر ہوگی کیونکہ زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی معاشرہ اور کوئی طبقہ ایسا نہیں جو آپ کی تعلیمات اور حیات مبارکہ کے سنہری ضابطوں سے مستفید ہوتا نظر نہ آیا ہو۔

مقصد نبوت معاشرتی اصلاح کا سچا ضامن ثابت ہوا اور ہمیشہ کی بگڑی اور بھٹکی ہوئی قوم کے لیے ایک مصلح کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور جب عالم اسلام کی اصلاح کی بات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوقات کے لیے سراپا رحمت قرار دے کر یہ اعلان کر دیتا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو تمام عالم انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ کی حیات مبارکہ سے اسلامی معاشرے کو امن و سلامتی کا فروغ حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کا بھی حق حاصل رہے اور تکمیل انسانیت کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے آپ نے خود بھی یہ اعلان فرما دیا کہ: وکان النبی الی قومه خاصة و بعثت الی الناس۔ ترجمہ: یعنی مجھ سے پہلے تو یہ نبی اپنی ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا مگر میں تمام عالم انسانیت کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

آپ کی حیات مبارکہ وہ حیات مبارکہ ہے کہ جس نے زندگی کی جہالتوں اور تاریکیوں کو دور فرما کر دنیا کو صبح روشن کا جلوہ دکھایا۔ آپ نے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی کائنات کو صراط مستقیم کا بہترین راستہ دکھایا۔ آپ نے کفر و شرک کی گھاٹیوں میں گری ہوئی انسانیت کے پردے چاک کر کے انہیں حق و صداقت، علم و آگہی اور عدل و انصاف کا حقیقی درس دیا۔

اس دنیا میں بلکہ دنیا کی تمام سابقہ تاریخ میں کونسا ایسا استاد و مربی گزرا ہے جس کے ہاتھ اتنی بڑی تعداد و راست میں لوگ راہ راست پر آئے ہوں۔ جن لوگوں کی تربیت آپ کی بعثت سے قبل کیا تھے اور پھر ماشاء اللہ کیا سے کیا ہوگئے۔

خود نہ تھے راہ پر جو، اوروں کے ہادی بن گئے | کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

Marfat.com

یورپین اکیڈمیوں نے تو عالم اسلام کے لیے اندھیرا اور گہرا کر دیا تھا مگر میں قربان جاؤں غارِ حرا کے گوشہ سے طلوع ہونے والے آفتاب مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے رومۃ الکبری کے قیصر و کسریٰ کو انسانی پر جو بوجھ بنے بیٹھے تھے، نیست و نابود کر دیا۔

اگر کسی نے آکر انسان کو سبکدوش کیا تو حضرت آمنہؓ کے پروردہ نے کیا۔ یہ فغفور و خاقان انسانیت کے تاوان ثابت ہوئے۔ دنیا کو اگر آمان ملی تو پیغمبر خدا کے گوشہ دامان میں ملی۔ شاہی قبا و عبا تو انسانی آبادی کے لیے وبا نکلی اور اگر شفا نکلی تو وہ کالی کملی تھی جو گرفتاران بلا کے لیے شفا نکلی۔ بادشاہوں کی وسیع النظر سلطنتیں اپنے باشندوں کے لیے سختی کی زنجیریں اور تنگ شکنجے تھیں مگر میں قربان اس عظیم اور مکہ کے یتیم پر جن کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا بھر کے تمام مظلوموں کے لیے وسعت افلا کی رکھتی تھی۔ جس میں حبش، روم، فارس اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے یہاں تک کہ ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحرو برسمٹ گئے اور یہاں یہ کہنا بجا نہ ہوگا:

آیا آمنہؓ دا لال ہوئیاں دو جگ تے روشنائیاں — بارہ ربیع الاول کو رب نے خوشیاں آپ منائیاں

دیکھ کے نوری چہرہ تیرا عاشق ہوئیاں کل خدائیاں — کملیؐ والیا سائیاں جی کملیؐ والیاں سائیاں

بہر حال نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک کو اگر ہم کسی گل و گلزار، گلستان سے تشبیہ دے سکیں تو ہم بلا خوف و خطر کہہ سکتے ہیں کہ آپؐ کی حیات مبارکہ وہ سدا بہار باغ ہے جس پر پچھلے چودہ سو سالوں سے بہار ہی بہار ہے۔ آج تک کسی آنکھ نے خزاں نہیں دیکھی اور نہ ہی قیامت تک اس پر خزاں آسکے گی بلکہ اس باغ میں باغ جنت سے بھی بڑھ کر رنگ اور ہر خوشبو کے پھول کھلتے رہیں گے اور حیات طیبہ کی رعنائیوں، نکہتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔ جس سے تمام مسلمانوں کی روح ایمان تازہ اور مشام جاں ہمیشہ معطر رہے گی کیونکہ اس کرہ ارض پر جب تک بھی عاشق رسول ﷺ زندہ (رہے) رہیں گے تو حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کا یہ باغ بھی لہلاتا اور کھلکھلاتا رہے گا انشاء اللہ۔ کیونکہ محبت محمد ﷺ ہی ایمان کی جان رہی ہے اور (جناب والا) آپؐ کی مثال بیان کرنے سے زمانہ آج تک قاصر رہا ہے اور یقیناً تا حشر ہی قاصر رہے گا۔

عورت کو اس کا احترام لازمی قرار دے کر عدل کا حق دلایا

آپؐ کی اجتماعی عدل و انصاف کی تربیت سے قبل عورت کی معاشرے میں کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ آپؐ نے عورت کو ایک خاص مقام کی حیثیت دلا کر اسے معاشرے اور خصوصاً مردوں کی نظروں میں خاص اہمیت کا حامل قرار دیا۔ آپؐ کی تعلیمات سے قبل عورت کو کوئی عزت و احترام نہیں تھا بلکہ جس شخص کے گھر بیٹی پیدا ہوتی اسے نفرت و حقارت کی بھینٹ چڑھا کر زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ مگر آپؐ نے عورت کو اتنی عزت دی کہ زمانہ آپؐ کے اس عمل سے صراط مستقیم پر چل نکلا کیونکہ آپ ﷺ کو جب خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کبھی ملنے آتیں تو آپؐ احتراماً کھڑے ہو جاتے اور پھر ان کے بیٹھنے کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے چادر بچھاتے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کو جائیداد میں شرعی نقطہ نظر کے مطابق حصہ دار قرار دیا۔

اس کے علاوہ آپؐ نے فرمایا کہ روزمرہ زندگی میں ہزاروں ایسے معاملات ہیں جن کو انسان عدل و انصاف بہم پہنچا کر اپنی اور دوسروں کی زندگیوں کو جنت نما بنا سکتے ہیں۔

Marfat.com

عدل و انصاف میں والدین کا کردار:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر والدین پر اولاد کا یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنے بچوں کے درمیان عدل و انصاف کے کردار کو قائم رکھیں اور اپنے تمام بچوں کے درمیان عدل وانصاف کا برتاؤ برابر رکھیں۔ کسی بچے کی الفت و محبت والدین کو دوسرے بچوں کے حق سے محروم نہ رکھے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض والدین اپنے بچوں میں عدل و انصاف کی فضاء قائم نہیں رکھ سکتے جس کی وجہ سے ایسے لوگوں کا گھریلو ماحول انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے والدین کے بچے نہ تو اچھے شہری بن سکتے ہیں اور نہ ہی اچھے مسلمان۔

دشمنوں کے ساتھ عدل و انصاف

قرآن وسنت کے مطابق ہر حاکم کو حکم ہے کہ کسی قوم یا فرد کی ذاتی دشمنی آپ کو اس فیصلے پر آمادہ نہ کرے کہ تم اپنی ذاتی انا کی خاطر اس کے ساتھ عدل و انصاف نہ رکھ سکو بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ نے یہی فرمایا کہ اگر کوئی فیصلہ تمہارے اختیار میں آجاتا ہے تو تمہیں اپنے پورے ایمان کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے۔

عدل و انصاف کے وقت اصل حقائق سے آگاہی

ہر انسان کو چاہیے کہ کسی بھی معاملے میں اور کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے مجرم کو سزا سنانے سے قبل اصل حقائق سے آگاہی ضرور حاصل کرلیں کیونکہ ایسا نہ ہو کہ آپ کی بے خبری کا فیصلہ کسی مجرم کو بری اور کسی بے گناہ کو سزا کے کٹہرے تک پہنچا دے اور آپ کو اس کے دکھ درد کی خبر بھی نہ لگے۔

عدل و انصاف کی تکمیل کے لیے روحانی تربیت کی اشد ضرورت ہے

انسان کی اصلاح اور ترقی کے لیے صرف تعلیم ہی ضروری نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی تربیت بھی ضروری ہے خواہ انسان کتنا ہی پڑھا لکھا اور معیاری ہو وہ عدل و انصاف میں میل جول صرف اسی صورت میں رکھ سکتا ہے اگر اس کی روحانی تربیت قرآن وسنت کے مطابق ہوئی ہوگی تو!!!

عدل و انصاف کا مفہوم

عربی زبان میں عدل اسے کہتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا جائے کہ ان دونوں میں ذرا بھی کمی بیشی نہ رہے۔ عدل کا مطلب یہ بھی کہ جو شخص برائی کرے اس کے ساتھ برائی ہی کی جائے یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، جان کے بدلے جان اور مال کے بدلے مال اور اسی طرح ہر کام مناسب وقت پر کرنا بھی عدل کی ایک صورت ہے اور ہر چیز کو موزوں مقام پر رکھنا بھی عدل ہی کہلاتا ہے۔ عدل کی ضد ظلم و جبر ہے جس کے معنی دوسروں کی حق تلفی کرنا، اپنے اختیارات کا بے جا استعمال کر کے اپنے ماتحتوں پر ظلم و زیادتی کرنا جبکہ قرآن پاک کی سورہ المائدہ آیت نمبر ۸ میں حکم خداوندی ہے: ﴿اِعۡدِلُوۡا. هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾ ترجمہ: عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اس کے علاوہ سورہ النحل آیت نمبر ۹۰ میں اللہ رب العزت واضح فرماتے ہیں کہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآءِ ذِى الۡقُرۡبٰى﴾ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عدل یہ ہے کہ حق دار کو حق دیا جائے نیکی کے کام کرنے والے کو اس کی نیکی کے برابر انعام دیا جائے اور بدی کرنے والے کو

Marfat.com

اس کی بدی کے برابر سزا دی جائے۔ میرے معزز و محترم جج صاحبان! میں اپنے مقالے کا آغاز ہادی برحق رہبر انسانیت حضرت محمد ﷺ کی ایک نادر مثال سے کرنا چاہتی ہوں کہ:

ایک بار ایک حد کے نفاذ کے سلسلہ میں کچھ لوگ آپؐ کے پاس آئے اور خواہش کی کہ اس حد کو نافذ نہ کیا جائے۔ جب آپؐ نے یہ سنا تو آپؐ پر غصہ کے آثار طاری ہو گئے۔ واقعہ کچھ یوں تھا کہ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت چوری کے الزام میں گرفتار کر کے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں لائی گئی۔ حضرت اسامہ بن زید جن سے پیارے نبی ﷺ بہت محبت کرتے تھے انہوں نے اس کی سفارش کی تو پیارے رسول ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ پیارے نبی ﷺ کے وہ ارشادات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپؐ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔

پیارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم سے پہلی امتیں اسی لیے تباہ ہو گئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص جرم کرتا تو چشم پوشی کرتے اور جب کسی معمولی آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو سزا دیتے۔ اللہ کی قسم آج اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا''۔ اسی طرح آپؐ کی اور بھی کئی نادر مثالیں ہیں جن کا بیان اس محدود تحریر میں ممکن نہیں۔

اسلام ہمیشہ اجتماعی عدل و انصاف پر اکساتا ہے

اسلام چونکہ ایک سچا مذہب ہے اور ہمیشہ امور زندگی کو بہترین شکل اور قرآن و سنت کے مطابق انجام دینے کی تلقین کرتا ہے یعنی (Excellence) کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ سے عرض کی کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا (عقیدہ) پھر جبرئیلؑ نے عرض کی اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اعمال کا اچھا ہونا پھر جبرئیلؑ نے تیسری مرتبہ عرض کی عدل و احسان کیا ہے؟ تب اللہ کے نبیؐ نے فرمایا: کہ ان اعمال کا بہترین انداز اور عدل و انصاف کے دائرے میں رہ کر انجام دینا۔ اس کے علاوہ آپؐ نے فرمایا چاہے کوئی عمل کتنا بھی چھوٹے سے چھوٹا ہو ہمیشہ اسے عدل و انصاف کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرو یعنی اگر آپ نے کوئی جانور ذبح کرنا ہے تو اس جانور کے ساتھ عدل وانصاف یہی ہے کہ اسے ذبح کرتے ہوئے اپنی چھری تیز کرلیا کرو۔

عدل و انصاف کا قرآنی اسلوب

پورا قرآن پاک انسان کی بہتری کے لیے ہے اور پورے قرآن کریم میں وہ اصول، وہ مقاصد، وہ قوانین وضوابط اور وہ خطوط کار پھیلے ہوئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ بہترین نظام پر استوار ہوسکتا ہے۔ آپؐ نے مدینہ شریف کی اسلامی ریاست میں قرآن کریم کی منشاء بچوں و بالغوں، عورتوں، نوجوانوں اور قائدین عوام کو بھی فرمایا کہ ہمہ گیر نظام یعنی اجتماعی عدل و انصاف کا قانون نافذ کر کے ذہنی و اخلاقی اقدار کی روایت رکھی جائے۔

اجتماعی عدل و انصاف سے خوشنودی خدا کا حصول حاصل ہوسکتا ہے

اجتماعی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر کے اور غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور حق داروں کو ان کا پورا پورا حق

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبارک:

[illegible]

اجتماعی عدل میں تربیت نبوی ﷺ کے خوشگوار اثرات

[illegible] ... پہلے یثرب تھا زیر شرب آ گیا!!
[illegible] ... کہ زمیں پر یثرب سے شرب آ گیا!!

محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے دور میں اجتماعی عدل و انصاف کا ایک بہترین نظام وضع کیا اور اس پر عمل بھی کیا جس کے نتیجے میں ایک مثالی اور بااصلاحیت نسل پیدا ہو چکی تھی جس نے معاشرے کی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اجتماعی عمل نے جزیرۃ العرب میں عدل و انصاف کے پیاسوں اور اس کے شیدائیوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جس نے سارے عالم میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کیا اور کائنات کے ہر ہر گوشے اور حیات کے ہر ہر پہلو میں غور و فکر، تدبر، تفکر کو نافذ کر کے اجتماعی عدل و انصاف کا کھوج لگایا اور عدل و انصاف کی ایسی ایسی قندیلیں روشن کیں کہ اک قلیل عرصہ میں مسلمانوں کے اس ایمان افروز عمل نے دنیا کے گوشے گوشے میں اجتماعی عدل و انصاف کی نئی نئی شمعیں روشن ہو کر عالم انسانیت کو منور کرنے لگیں۔ مسلمانوں کے اس قوت عمل نے معلوم دنیا کے تقریباً نصف حصے سے زیادہ پر اہل ایمان کا اقتدار نافذ کر دیا اور بقیہ حصے پر بھی اجتماعی عدل و انصاف کا خوشہ چیں بنایا۔ اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ جنہیں آپؐ نے شریعت، طریقت اور عدل و انصاف کی باقاعدہ تربیت دی تھی انہوں نے ایک پرسکون عالم کو پیدا کیا۔ لہٰذا اجتماعی عدل و انصاف میں جو کردار آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے ادا کیا وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔

اسلام کا منہج عدل

اسلام اجتماعی عدل و انصاف میں ایک خاص نظام رکھتا ہے جو یقیناً دوسرے مذاہب سے ممتاز اور منفرد ہے اور پھر اس خاص نظام کے لیے وسائل و ذرائع اور ان کا استعمال بھی چونکہ منفرد ہے اور پھر ماشاء اللہ اس کے نتیج بھی منفرد اور خوشگوار

Marfat.com

ہیں۔ اسلام انسانی عدل و انصاف کے باب میں روح، عقل اور جسم کو ایک دوسرے سے جدا کر کے ان کی تربیت کا قائل نہیں بلکہ اسلام اجتماعی عدل و انصاف کے تقاضوں کو بروئے کار لا کر تمام جسم انسانی کو ایک اکائی سمجھتا ہے۔ لہٰذا جسم انسانی کو غیر انصافی کی بھینٹ چڑھا کر ایذا دینا اسلام کے منہج عدل میں بالکل جائز نہیں۔ کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو اس میں جتنا ڈوبے گا اتنا ہی ابھرے گا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اجتماعی عدل و انصاف کو کامیاب بنانے کے لیے کم از کم ایک چشم دید گواہ کی اشد ضرورت

اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حکم ہے کہ عدل و انصاف کی بہترین تکمیل کے لیے جب بھی کسی کو کوئی فیصلہ سنانا درکار ہو تو پہلے مجرم یا ملزم کے متعلق پوری جان کاری حاصل کی جائے اور پھر اگر وقوعہ کے بارے میں دو چار نہیں تو کم از کم ایک ایسا گواہ ضرور تلاش کریں جس نے اس سارے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو جو ایک عام انسان پر الزام لگ رہا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے اور بغیر گواہی کے کسی کے ساتھ عدل و انصاف نہ کرنا دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے۔

عدل و انصاف کے مضر اثرات و نتائج

اجتماعی عدل و انصاف ایک انتہائی ناگزیر امر ہے کیونکہ اجتماعی عدل و انصاف کے بغیر ایک عام فرد سے لے کر پورا معاشرہ تذبذب اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ عدل و انصاف کی اصل وجہ اسلامی ممالک کا مغربی ممالک کی غلامی ہے۔ آج کے اس پرآشوب میں ہم مسلمان زوال صرف اسی وجہ سے ہو رہے ہیں کہ ہم نے اپنے خدا اور رسولؐ اور قرآن وسنت کے زریں اصولوں کو چھوڑ کر مغربی اغیار کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور ہمیں اتنا شعور کیوں نہیں ہو رہا کہ برٹش سامراج، برٹش میڈیا ہم مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ سے امید و آرزو

مایوسی اور ناامیدی صرف سخت گناہ ہی نہیں بلکہ ہمیں کفر کے قریب کر دیتی ہے جبکہ اللہ رب العزت ہمیں ہمیشہ فرماتے ہیں کہ میری رحمت کے دروازے کبھی بھی اور کسی کے لیے بند نہیں ہوئے۔ لہٰذا ہم تمام مسلمانوں کو جو اسلام کی اصل روح سے ہٹ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ مٹ رہے ہیں۔ ہمیں آج بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کر کے اپنے اسلاف کی پیروی کرنا چاہیے کیونکہ ایسی کوئی شام نہیں جس کی سحر نہ ہو۔ قانون فطرت ہے کہ ہر دکھ کے ساتھ سکھ، ہر خزاں کے ساتھ بہار، ہر غم کے ساتھ ایک خوشی ہمیشہ مسکرا رہی ہوتی ہے۔ آج اگر ہم زوال پذیر ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ رحمت خدا اور محبوب خدا ﷺ سے ترقی پذیر ہو کر پھر زمانے میں سرفراز ہو سکتے ہیں۔ انشاء اللہ۔ آج شاعر مسلمانوں کے اعمال و کردار سے مایوس بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ سے رحمت کی آرزو کرتے ہوئے پرامید بھی ہے۔

حضورؐ دہر میں اسودگی نہیں ملتی

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

Marfat.com

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی ہو جس میں بو وہ کلی نہیں ملتی

مگر اب میں نظر میں وہ آ بگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے وہ جنت میں بھی نہیں ملتی

شاعر کا مطلب ہے کہ اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو ہر روز روزِ محشر ہے۔ لہذا ہمیں آج بھی سنبھل جانا چاہیے اور اپنا قبلہ درست کر کے اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ اس کے حبیبؐ اور قرآن و سنت کے تابع کر کے زندگیاں گزارنی چاہئیں۔ پھر ہر مسلمان بلکہ اغیار بھی دیکھیں گے کہ باران رحمت کی برکھا کیا کچھ نہیں کرتی۔

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے
توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
انجام پھر اس کی تیزی کا قدرت کے حوالے کر

وما علینا الا البلاغ المبین۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

فرحی گل۔ رسول پورہ، ضلع شیخوپورہ

ربِّ سمٰوات و ارضیات کے محبوب سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ حضرت مصطفیٰ سید المرسلین رحمۃ للعالمین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلیم کی حیات طیبہ ہمارے لئے مشعل راہ اور آپ کا اسوۂ حسنہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان لائحہ عمل ہے۔

جہاں آپؐ کا وجود مسعود کائنات کیلئے رحمۃ للعالمین کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں پر آپؐ کی زندگی تمام عالمِ اسلام اور تمام انسانیت کے لئے عدلِ اجتماعی کے تصور کا بہترین نمونہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام رحمتِ دوجہان حضرت محمدؐ نے مدینہ طیبہ میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی وہ ایک مثالی فلاحی ریاست تھی۔ قرآن مجید و فرقانِ حمید میں متعدد بار اسلامی ریاست کا منتہائے نظر عدل و انصاف کو قرار دیا گیا ہے۔

﴿لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط﴾ (سورۃ الحدید: ۲۵)

ترجمہ: ہم نے رسولوں کو واضح نشانیوں (ہدایات) کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

اس آیت کریمہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ مشن بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے احکامات کی روشنی میں نظام عدلِ اجتماعی کا تصور قائم کریں۔ اس لئے آقائے دو جہان حضرت محمدؐ نے سرزمین عرب میں جو ریاست قائم فرمائی بنیادی طور پر وہ ایک فلاحی ریاست تھی۔ اور اس کی ہیئتِ ترکیبی میں عدل و انصاف کی اساسی خصوصیت رچی بسی تھی۔ ایک فلاحی ریاست کے لحاظ سے عدل اجتماعی اس کی بنیادی و اساسی ترجیحات میں شامل تھا۔ بلکہ منصف اور عادل نبیؐ نے اسلامی ریاست کی بنیاد ہی عدلِ اجتماعی پر رکھی اس لئے آپؐ سے بڑھ کر اس حقیقت کا کون شناسا ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عدل ہی پر کائنات کا نظام استوار کیا ہے۔ اس سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں عدل و انصاف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور تعلیماتِ نبویؐ نے ہمیں عام بول چال اور باہم میل جول سے لے کر امور سلطنت تک زندگی کے تمام طریقوں میں عدل اجتماعی کو ترجیح دینا سکھایا ہے۔ الغرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو تعلیمات نبویؐ کی اس روشنی (عدل اجتماعی کا تصور) سے منور نہیں ہوتا ہے۔

خدا نے بزرگ و برتر نے نہ صرف قرآن مجید و فرقان حمید کی صورت میں عدل و انصاف احسان اور ہمدردی جیسے اخلاقی اصول اپنے بندوں تک پہنچائے بلکہ سردارِ دو عالم جنابِ رسولؐ کی صورت میں بھی ایک ایسی سیرت پیش کی جو دین اسلام اور کتاب اللہ کے عین مطابق ہے اور یوں سرور کونین اولین و آخرین نبی حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ تمام عالم اسلامی اور تمام بشریت و انسانیت کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے لے کر زندگی کے ہر پہلو میں دیگر اخلاقی، مذہبی اور دینی اعمال و افعال

Marfat.com

حسنہ کے علاوہ عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت کا بھی عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔

نبی کریمؐ کی سیرت مبارکہ ہمارے سامنے قرآن کریم کا ایک ایسا عملی روپ ہے جو کہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے۔اگر ہم بہ نظرعمیق تعلیمات نبویؐ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ دراصل تعلیماتِ نبویؐ ہی وہ قوت و صلاحیت ہے جس نے عالم اسلام کا بول بالا کیا اور ہماری سماجی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر بھی گہرے نقوش ثبت کئے اگر دیکھا جائے تو ان لوگوں کا سماج خواہ وہ مسلمان کیوں نہ ہو، کبھی بھی اسلامی سماج قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ اپنے اجتماعی، اقتصادی اور قانونی نظام میں اسلام کو حکم نہ بناتے ہوں۔جن لوگوں نے اسلامی احکام کو اپنے اجتماعی نظم اور قوانین سے دور رکھا ہو اور صرف عبادات و مراسم کی حد تک اس سے تعلق رکھتے ہوں ان میں عدل و انصاف کا تصور ہی ناپید ہوگا۔اسلام نے ہمیں ایک اللہ کی بندگی سکھائی ہے اور اُلوہیت کی جملہ صفات صرف اسی کے لئے مخصوص ہے۔جس میں اولین صفت حاکمیت ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد بہتر حاکمیت سیرت نبیؐ میں مضمر ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورۃ النساء: ۶۵)

ترجمہ: "نہیں، اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور سر تسلیم خم کرلیں"

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك هم الكافرون﴾ (سورۃ المائدہ: ۴۴)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں"

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔وہ فکر و عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔

اسلام کی نظر میں عدلِ انسانی وہ مساوات ہے جس میں تمام اقدارِ حیات کی متوازن و ہم آہنگ تحصیل، عمل میں آتی ہے۔ذاتِ واحد کی اُلوہیت اور حاکمیت تسلیم کرنے کے بعد اسلام میں نظامِ حکومت حکام کی جانب سے عدل، محکومین کی جانب سے اطاعت اور حاکم و محکوم کے مابین شوریٰ پر مبنی ہے۔

اس ضمن میں قرآن عظیم الشان میں ارشاد ہے۔

﴿ان اللہ یامر بالعدل﴾ (سورۃ النحل: ۹۰)

ترجمہ: اللہ تم کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

Marfat.com

﴿واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل﴾ (سورۃ النساء: ۵۸)

ترجمہ: جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

ان قرآنی ارشادات کو سامنے رکھ کر اگر ہم تعلیماتِ نبویؐ کا جائزہ لیں تو یہ واضح طور پر سامنے آجائے گا کہ آپؐ کی سیرت، کردار عمل قرآنی ارشادات کا نہ صرف آئینہ دار ہے بلکہ آپؐ کی طبیعت اعتدال انصاف و عدل، رحمت و شفقت اور دیگر حُسن خُلق کے خصوصیات سے عبارت تھی۔ آپؐ کی سوچ وفکر اس قدر اجتماعی عدل سے لبریز تھی کہ آپؐ زندگی کے ہر شعبہ اور معاملاتِ حیات کے ہر پہلو میں بُردباری اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ یہاں تک کہ وہ دوست اور دشمن دونوں سے یکساں عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے۔

امن کا زمانہ ہو یا جنگ و جدل کا مگر رحمتہ العالمین حضرت محمدؐ اجتماعی عدل، رحمت، شفقت اور انصاف کا عملی مظاہرہ کرتے اور تمام انسانوں کو عدل اجتماعی کا درس دیتے ہیں۔ آپؐ کے اس عالی ظرفی، شفقت، ہمدردی، عدلِ اجتماعی اور مثالی برتاؤ کو دیکھیے کہ مسلمانوں کے پہلے غزوہ یعنی غزوہء بدر میں فتح کے بعد قیدیوں سے عدل کا سلوک کرنا۔ مسلمان، قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا لیتے تھے۔ جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انکو کپڑے دیئے۔ ان قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو کہ بڑے زور آور مقرر تھے عام مجمعوں میں مسلمانوں کے خلاف تقاریر کرتا اور لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا۔ آپؐ کو بعض صحابہ کرام نے تجویز پیش کی کہ سہیل بن عمرو کے دانت اکھڑوا دیے جائیں تا کہ پھر اچھی طرح بول نہ سکے مگر آپؐ نے اس رائے کو ناپسند فرمایا۔ بعض پر جوش صحابہؓ چاہتے تھے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے مگر آپؐ نے ان کی بات بھی نہیں مانی اور عدلِ اجتماعی کے تصور کو اہمیت دیتے ہوئے یہ طے کیا کہ ان میں جو امیر ہیں وہ فدیہ دے کر چھوٹ جائیں لیکن جو غریب ہوں اور لکھنا پڑھنا جانتے ہوں وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور جو یہ بھی نہیں کرسکتا تھا اُسے خدا کی راہ میں آزاد کر دیا گیا۔

سبحان اللہ یہ وہ اجتماعی عدل کا تصور تھا جس کے ذریعے امیر، غریب اعلیٰ و ادنیٰ کے مابین کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا بلکہ قرآنی ارشاد کی روشنی میں آپؐ نے عملی طور پر نہ صرف ان قیدیوں کے ساتھ عدل کا رویہ اختیار کیا بلکہ ان الفاظ سے عدلِ اجتماعی کی تعلیمات کی اہمیت کو بھی واضح کیا۔

''ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ واقربھم مجلسا امام عادل'' (الحدیث، الشیخان والترمذی)

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب مقام پانے والا شخص امام عادل ہوگا۔

ایک اور حدیث میں عدلِ اجتماعی کی تعلیمات کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

''ان بنی اسرائیل کان اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ، واذا سرق فیھم الضعیف قطعوہ لو کانت فاطمۃ لقطعت یدھا'' (الحدیث، رواہ الجماعۃ)

ترجمہ: بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور

Marfat.com

معمولی آدمی چوری کر بیٹھتا تو اُس کا ہاتھ کاٹتے، میں تو اگر فاطمہؓ بھی اس جرم کی مرتکب ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اس حدیث نبویؐ سے ہم پر عدلِ اجتماعی کی اہمیت بھی واضح ہوئی اور اس تعلیماتِ نبویؐ نے ہمیں یہ بھی سکھایا کہ حاکم کے لئے حدود شرعی یا اموال ریاست میں کوئی خصوصی حقوق نہیں اور اس کے گھر والوں کو بھی ان اموال میں اُن حقوق سے زائد کوئی حق حاصل نہیں جو عام مسلمانوں میں سے کسی شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔

تعلیمات نبویؐ نے ہم پر یہ واضح کیا کہ آپؐ صرف حاکم ہی نہ تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قانون دینے والے بھی تھے چونکہ اسلام کا عطا کردہ حقوق کے دائرہ میں حاکم کو جن حدود کی پابندی کرنی ہے ان کی آپؐ نے عملی طور پر نشاندہی کر دی ہے پھر آپؐ ہی کے اسوہء حسنہ پر خلفائے راشدینؓ بھی چلتے رہے۔آپؐ کا حال یہ تھا کہ خود اپنی ذات سے بھی قصاص لیتے تھے۔ایک بار ایک قرض خواہ آیا اور آپؐ سے کچھ سختی کے ساتھ پیش آیا اس پر کچھ مسلمان اس کی طرف لپکے آپؐ نے انہیں اشارہ کیا کہ اسے چھوڑ دیں کیونکہ حقدار کو کہنے سننے کا پورا حق ہوتا ہے۔

متذکرہ واقعہ سے یہ بات مزید نکھر کر سامنے آئی کہ تعلیمات نبویؐ نے ایسی بے لاگ و بلاامتیاز عدلِ اجتماعی کا تصور قائم کیا جو کہ ارشاداتِ قرآنی اور سیرت النبیؐ کے ان اعمال و تعلیمات پر مبنی ہے جس نے تاریخ اسلام کو ہر سو منوّر و روشن کیا۔ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں عدلِ اجتماعی کا تصور و اہمیت جس قدر پروان چڑھا ان کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

☆ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علیؓ صفین کی طرف کوچ کر رہے تھے کہ انکا زرہ پھسل کر گر گیا اور امیرالمومنین کو پتہ نہ چلا کچھ مدت بعد حضرت علیؓ نے اپنی زرہ ایک عیسائی کے پاس پائی۔ اسے لے کر اپنے قاضی شریح کے پاس گئے اور رعایا کے ایک عام فرد کی طرح اس کے خلاف مقدمہ پیش کیا۔ امیرالمومنین نے فرمایا یہ زرہ میری ہے اور میں نے نہ اُسے فروخت کیا ہے نہ ہبہ کیا ہے۔شریح نے عیسائی سے دریافت کیا کہ امیرالمومنین جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی بابت تمہیں کیا کہنا ہے؟ عیسائی نے کہا زرہ تو یقیناً میری ہے مگر امیرالمومنین بھی میرے نزدیک جھوٹے آدمی نہیں ہیں۔شریح نے حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا امیرالمومنین کوئی ثبوت ہے آپ کے پاس۔حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ چنانچہ قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ زرہ عیسائی کو دے دی جائے عیسائی زرہ لے کر جانے لگا اور امیرالمومنین اسے دیکھتے رہے۔ چند قدم جا کر وہ عیسائی واپس آیا اور کہنے لگا امیرالمومنین خدا کی قسم یہ زرہ آپ کی ہے جب آپ نے صفین کی طرف کوچ کیا تو یہ زرہ آپ کے بادامی رنگ والے اونٹ پر سے نکلی ہے اور عیسائی عدلِ اجتماعی کے اس فیصلہ سے اتنا متاثر ہوا کہ ایمان لے آیا۔

حضرت علیؓ نے عیسائی سے فرمایا کہ جب تم ایمان لے آئے تو اب یہ زرہ تمہاری ہے۔

☆ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اور اُبی ابنِ کعب میں کچھ نزاع تھی۔ابی ابنِ کعب نے زید بن ثابت حاضر ہوئے۔ زید بن ثابت نے حضرت عمرؓ کو تعظیم دی۔اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر ابی ابنِ کعب کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی ابن کعب نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابت نے اُن کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیرالمومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت

Marfat.com

رنجیدہ ہوئے اور زید بن ثابت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔

☆ اسی طرح جب حضرت عمرؓ کے بیٹے ابوشحمہ نے شراب نوشی کی تو خود اپنے ہاتھ سے اسّی (۸۰) کوڑے مارے۔

☆ حضرت عمرؓ کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی قدامۃ بن مظعون جب شراب خوری میں ملوث پائے گئے تو اعلانیہ ان کو اسّی (۸۰) کوڑے لگوائے۔

ان چند مثالوں سے یہ معلوم ہوا کہ عدلِ اجتماعی کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی سرانجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعثت نبویؐ سے قبل دُنیا عدلِ اجتماعی کے تصور سے خالی ہو چکی تھی طاقتور ظلم وستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دین اسلام اور تعلیماتِ نبویؐ کے طفیل ظلم وستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدلِ اجتماعی انصاف و مساوات اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ ونسل اور قوم و وطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ نا انصافی کی بناء پر انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہوگئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ اس طرح لوگوں کے درمیان انس ومحبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسانیت کے لئے سرمایہء افتخار ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عدلِ اجتماعی کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسل انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کے احکامات اور تعلیمات نبویؐ کے عین مطابق زندگی بسر کرنے اور عدلِ اجتماعی کا تصور زندہ رکھنے کی توفیق دے جو دائمی اور جنت کے اعلیٰ ترین ثمرات پر منتج ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

کوثر پروین بٹ۔کوئٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''بلا شبہ تمہیں اللہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچادو اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

بلغ العلی بکماله	آپ ﷺ اپنے کمال کے باعث بلندی پر پہنچے
کشف الدجیٰ بجماله	آپ ﷺ نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دور کیا
حسنت جمیع خصاله	آپ ﷺ کے تمام خصائل نہایت حسین ہیں
صلو علیه و آله	آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود وصلوٰۃ ہو

شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے خاتم النبین ﷺ کے حضور مندرجہ بالا نذرانہ عقیدت پیش کر کے دنیا و آخرت میں اپنا مقام بنا لیا۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) ''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو رفعت بخشی'' (پارہ ۳۰ الانشرح) قرآن پاک میں آپؐ کا اسم گرامی بطور منادی نہیں پکارا گیا بلکہ بطور کنایہ (یٰایها النبی، یٰایها الرسول، یٰایها الزمل، یٰایها المدثر) سے یاد کیا گیا۔

ذکر حبیب ﷺ کی یہ سربلندی تاریخی ادوار، جغرافیائی قیود، رنگ ونسل کی تفریق اور زبان و ادب کے پیمانوں سے بہت زیادہ بالا ہے۔ اللہ عزوجل کی حمد کے بعد دنیا میں جس ہستی کی سب سے زیادہ تعریف وتوصیف بیان ہوئی ہے وہ حضور پاک سرور کائنات ﷺ کی ذات والا صفات ہی ہے۔

کچھ عشق پیمبر میں نہیں شرط مسلمان
ہیں کوثری ہندو بھی طلبگار محمد ﷺ (چوہدری دلورام کوثری)

یہی وجہ ہے کہ جب کسی سے عقیدت ہو، ہم اس کے کمالات وفضائل کے معترف ہوں، تو پھر یہ فطری بات ہے کہ دل اس کا ذکر کرنے پر خوش ہوگا اور جتنا زیادہ ذکر ہوگا اتنا ہی جذبہ عقیدت بڑھے گا۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے کام ہر فعل میں اپنے خالق حقیقی کے احکام کی پابندی کریں اور اللہ عزوجل کے محبوب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں اور زندگی کے ہر معاملے میں آپ کی اطاعت کو اپنا فرض جانیں۔ چاہے ہم گھر میں ہوں یا بازار میں، مسجد میں ہوں یا مدرسے میں، دفتر میں ہوں یا دکان میں، بڑھاپے میں ہوں یا جوانی میں، آقا ہوں یا غلام، محکوم ہوں یا حکمران، ہمیں آپؐ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

Marfat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

''البتہ تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے''۔

آپ ﷺ کا کردار بنی نوع انسان کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ ہم زندگی کے کسی بھی دور میں ہوں اور ہمیں جس کسی مرحلے میں میں صحیح اور بہترین عملی نمونہ حیات کی ضرورت محسوس ہو ہم پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کو ہی اپنے لیے بہترین رہنما اور کامل ترین معلم پائیں گے اور آپ ﷺ ہی نے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو دنیا کی نظروں کے سامنے پیروی کے لیے پیش فرمایا اور بار بار تاکید کی کہ جو کچھ میرے اقوال سنو یا اعمال دیکھو، اسے چھپاؤ نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کرو۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کے یہ الفاظ کتنی بڑی تصدیق ہیں کہ ''انك لعلى خلق عظيم '' آپ بلاشبہ خلق عظیم کے درجے پر فائز ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ بھی آپؐ کے خلق عظیم کے آئینہ دار ہیں۔ ''کان خلقة القرآن'' ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہے''۔ اور پھر یہ بات قرآن پاک کے آغاز میں ہی واضح کر دی گئی کہ: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ''اس کتاب میں کوئی شک کو شبہ نہیں یہ متقیوں کے لیے رہنما ہے'' ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ. ''(اے رسول) ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو''۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ جن میں اخلاق و کردار، معاشرت و معیشت، سیاست و ریاست، تہذیب و تمدن اور عدل و انصاف کے بارے میں واضح احکام موجود ہیں اور پھر آپ ﷺ کا ہر قول اور فعل قرآنی تعلیمات کا پرتو ہے اور یہی قرآنی تعلیمات انسان کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین کرتی ہیں کیونکہ میانہ روی خالق کائنات کے آئینہ قدرت کی شرط اولین ہے، جس کے تحت عناصر کی ترکیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم ہے اگر یہ توازن نہ رہے تو کائنات کا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ قرآن مقدس نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار کیا۔ ''اور آپ ﷺ کے رب کی ہر بات اعتدال کی بنیاد پر پایہ تکمیل تک پہنچی اس لیے کائنات میں ان کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں'' پھر اس توازن و اعتدال کی خاطر مالک ارض و سماء نے ہر شے کا پختہ انداز فرما دیا کہ ہر شے طبعی طور پر متوازن طریقے سے جاری و ساری رہے، چنانچہ اعلان ہوا۔ ''ہم نے ہر شے کو ایک انداز کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے''۔

لیکن جہاں عناصر میں اعتدال طبعی ہے وہاں اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے انسان کے لیے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا تاکہ اگر چاہے تو اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کرے اور اگر چاہے تو ترک کر کے دنیا اور آخرت کی صعوبتوں کا شکار ہو جائے اور اسی اختیار اور انتخاب کی بنیاد پر ہر انسان کو معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے اور ہر ضابطہ زندگی میں انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی ہے۔

عدل اجتماعی:

آئمہ مفسرین نے عدل کی تشریح و توضیح میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ محمد ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل کے

Marfat.com

اصلی معنی تو برابر کے ہیں۔ تاہم مختلف نسبتوں سے اس کے معانی میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے مابین عدل کرے۔ مراد یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنے نفس پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اللہ عزوجل کے احکامات کی تعمیل کرے اور ممنوعات سے پوری طرح بچتا رہے۔ دوسرا مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی روحانی یا جسمانی ہلاکت کا پہلو نکلتا ہو۔ تیسرا مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کی ساری مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی سے پیش آئے اور کسی معمولی سے معمولی معاملے میں بھی کسی کے حق میں خیانت نہ کرے۔ چوتھا مفہوم عدل کا یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملے کا فیصلہ کروانے کی غرض سے آئیں تو ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کرے۔ ذاتی میلان، ذاتی رجحان یا قرابت داری کی عصبیت آڑے نہ آئے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ عدل میں عقیدے کا عدل، عمل کا عدل، اخلاق کا عدل سب شامل ہیں اور عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ اللہ عزوجل کا فیصلہ حق ہوتا ہے وہ حق بات کہتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''واللہ یقضی بالحق'' ''اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے'' یہ عدل عملی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری آیت میں ہے ''واللہ یقول الحق'' ''اور اللہ حق بات کہتا ہے''۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عدل قولی کو ظاہر کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں قرآن پاک کی ذیل کی آیت میں یکجا ہیں۔ ''وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا'' ''اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگی''۔ دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہوا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات میں اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کیے ہوئے ہے اور یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًام بِالْقِسْطِ'' ''خدا نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے وہی خدا انصاف کو لیکر کھڑا ہے''۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل و انصاف صرف نظام سلطنت کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی ضرورت ہے اور نظام عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے اور انسانی زندگی میں امن وسکون کا انحصار عدل پر ہے اور عدل کے سہارے معاشرے میں توازن پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے محبوب حضور سید عالم ﷺ نے ایک فرد سے لے کر جماعت تک زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف قائم کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسلامی معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون کے پس منظر میں یہی مرکزی تصور کارگر ہے اور دین کامل کے سارے راستے اسی پر قائم ہیں۔

اسی بناء پر نبی مکرم ﷺ نے جہاں معیشت پر اسراف اور بخل کی دو انتہائی راہوں کو چھوڑ کر انفاق فی سبیل اللہ کا معتدل راستہ دکھایا وہاں سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا نظام تجویز فرمایا۔ اسی طرح یہاں رہبانیت اور قارونیت کی افراط وتفریط سے نجات دلائی۔ وہاں اعتدال اور توازن پر مبنی عدل واجتماعی کے تصورات کو پیش فرما دیا تاکہ قانون مکافات میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور پیارے محبوب ﷺ کا نظام عدل پوری طرح قائم ہو جائے۔

Marfat.com

اسلامی نظام عدل کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلام سے بیشتر دنیا میں رائج نظام ہائے قانون کا سرسری جائزہ نہ لیا جائے۔ رسول پاک ﷺ کی بعثت کے وقت حکمران رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیل رہے تھے۔ بااختیار لوگ آخرت کے خوف سے عاری من مانی کارروائیوں میں مگن تھے۔ اس صورتحال میں کسی کے لیے عدل و انصاف کا حصول ممکن نہ تھا۔ اس عہد کی دونوں بڑی طاقتوں روم اور ایران میں تو انصاف کا یہ حال تھا کہ جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی تھی اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا۔ ہندوستان میں بھی منو مہاراج کے قوانین فرقہ وارانہ عصبیت اور انسانی لاقانونیت کی منہ بولتی تصویر تھے۔

عرب بے حد ظالم، عدل و انصاف سے عاری اور جور و جفا کے دھنی تھے۔ پھر ان کی اصلاح کے لیے نبی پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تاکہ مظلوموں کی حالت بدلی جائے۔ آپ ﷺ نے دنیا کو اسلام کے ایسے منصفانہ اور عادلانہ قوانین عطا فرمائے جو باہمی ہمدردی، حسن سلوک، اخوت و مروت اور عدل و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں۔ ان سے دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا مکمل نظام زندگی لے کر دنیا والوں کے سامنے اس طرح اجاگر ہوا کہ ساری دنیا پر چھا گیا۔

حلف الفضول اور آپ کی فلاحی، عدالتی اور قانونی معاملات میں تربیت:

قدرت نبوت اور عملی زندگی سے پہلے ہی نبی پاک ﷺ کی فلاحی، عدالتی، پنچایتی اور قانونی معاملات میں تعلیم و تربیت کر رہی تھی۔ عرب کے قبائلی نظام میں ظلم و ستم، لوٹ مار اور جاہلی رسومات سے عرب کا امن و سکون تباہ ہو چکا تھا۔ لہذا جب قریش جنگ فجار سے واپس آئے تو یہ معاہدہ طے پایا اس معاہدے میں رسول پاک ﷺ بھی موجود تھے اور اس کی اہم دفعات میں شامل تھا کہ مظلوم کی مدد کی جائے، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کی جائے گی اور لڑائی جھگڑوں سے گریز کیا جائے گا۔ رسول پاک ﷺ عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو بھی میں نہ لیتا اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں اس میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔

حجرِ اسود کی تنصیب اور رسول پاک ﷺ بطور منصف و عادل:

حضرت محمد ﷺ کی ثالثی اور تحکیمانہ زندگی میں جس اہم اور تاریخی واقعہ کو بہت اہمیت حاصل ہے وہ تنصیب حجر اسود کا واقعہ ہے۔ حجر اسود کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس دور میں کس طرح سے ایک اہم ملکی، قومی، مذہبی، سیاسی اور سماجی مسئلہ کے حل کے لیے شریک ہوتے ہیں اور قدرت کس طرح سے آپ ﷺ کو اس میں ایک ثالث، منصف اور عادل کے طور پر اپنا کردار ادا کرنے کا موقع عطا فرماتی ہے۔ بمطابق شاہ معین الدین ندوی ''آپ ﷺ نے چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھ دیا اور فرمایا ہر قبیلے کا سردار چادر کے ایک ایک کونے کو تھام لے اور اوپر اٹھائیں۔ جب چادر موقع پر آ گئی تو آپ ﷺ نے خود حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا۔

آپ ﷺ کس عقل مندی، تدبر اور معاملہ فہمی سے یہ اہم مسئلہ حل کرتے ہیں اور تاریخ سوچتی ہے کہ آپؐ واقعی امی تھے یا کہاں سے انہیں یہ سب کچھ ودیعت ہو رہا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نبی ہونے سے پہلے بھی نبوت کے آئینہ دار تھے۔ پس آپ ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے اہل مکہ اپنے تصفیہ طلب معاملات فیصلے کے لیے آپ ﷺ

Marfat.com

کے پاس لے کر آتے تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ عدل میں امیر غریب، رنگ نسل، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کے فیصلوں پر اعتماد کرتے تھے۔

میثاق مدینہ اور معاشرتی عدل و انصاف:

جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بھی یہودی اور دوسرے مخالفین اپنے مقدمات کا فیصلہ آپ ﷺ سے کراتے تھے۔ ہجرت سے قبل مکہ میں آپ ﷺ معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے عام سطح پر تھے۔ مگر اپنی مدنی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد جب آپ ﷺ میثاقی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کو مدینہ کے تمام طبقات کے لیے ایک بڑی اتھارٹی ثالث، عادل و منصف کے طور پر تسلیم کرلیا گیا اور آپ ﷺ میثاقی سطح پر اپنے ہر قسم کے سیاسی، مذہبی، فوجی اور قانونی مقاصد کے حصول کی کامیاب سعی و کوشش کرتے ہیں۔ الغرض حضور ﷺ اپنی میثاقی زندگی کے ذریعے پہلی اسلامی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح دنیا کا پہلا تحریری دستور وجود میں آتا ہے بلکہ اسے مسلمانوں کے درمیان حقوق و فرائض کی دستاویز کی حیثیت حاصل تھی۔ نیز مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ان کے حقوق و فرائض کا تعین بھی کرتی ہے۔ جہاں یہ اپنے شہریوں کو آزادی کے پروانے مہیا کرتی ہے وہاں یہ پابندیوں اور مواخذہ کی جانب لے جانے کا ایک راستہ بھی تھا۔ اس طرح سے ایک عمرانی معاہدہ (Social Contract) بھی تھا۔ نیز یہ معاشرتی عدل و انصاف و بھلائی کا معاہدہ بھی تھا۔ اس لحاظ سے حضور ﷺ کا نام پاک دنیا کے سب سے عظیم ترین سیاست دان، قانون دان اور دستور ساز کے طور پر لکھا جاتا رہے گا۔ آپ ﷺ نے معاشرے میں قانون کی بالادستی قائم کرتے ہوئے انصاف کا بول بالا کیا۔ تمام لوگوں کو بلاتخصیص انصاف فراہم کرنے کا معاہدہ کیا اس میں final chief of the court کی حیثیت نبی پاک ﷺ کی تھی۔ اس معاہدے کی بدولت مدینہ کے ظالمانہ معاشرے میں عدل و انصاف اور بھلائی کا عمل شروع ہوا۔

ڈاکٹر حمید اللہ معاہدہ ہذا کو قبائلیت کی افراتفری کے خاتمے کے نام دیتے ہیں۔ معاہدے میں انصاف میں مداخلت کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ معاملات میں جانبداری برتنے اور اپنے قریب ترین رشتے داروں تک کی بے جا حمایت کرنے کی کوشش سے روکا گیا۔ اس سے تاریخ میں پہلی مرتبہ Law is blind اور Law is equal for all کا اصول سامنے آیا۔

فتح خیبر اور محسن انسانیت ﷺ کا یہود خیبر سے عادلانہ اور مشفقانہ سلوک

آپ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد یہود سے نہایت مشفقانہ اور عادلانہ سلوک کیا۔ فتح کے بعد خیبر کی زمینوں پر مسلمانوں کا حق تھا لیکن وہاں کے یہودی کاشتکاروں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ ﷺ خیبر کی زمین حسب سابق ہمارے قبضے میں چھوڑ دیں تو ہم پیداوار کا نصف آپ ﷺ کو دیا کریں گے۔ نبی پاک ﷺ نے اس تجویز کو قبول فرما لیا۔ اس وقت سے یہ معمول بن گیا کہ جب پیداوار کی تقسیم کا وقت آتا تو آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر بھیج دیتے اور وہ ایمانداری کے ساتھ پیداوار کے دو حصے کر دیتے اور ان سے کہہ دیتے کہ ان دو حصوں میں سے جو چاہے لے لو۔ یہودی قانون کی زد سے بچنے کے لیے اعلانیہ رشوت دیتے تھے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھی رشوت دینا چاہی۔ پہلے تو حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن رواحہؓ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر یہودی سرداروں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اس کے بدلے تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا چہرہ تمتما اٹھا اور انہوں نے فرمایا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں''۔ یہودی سردار حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی گفتگو سنتے رہے جب انہوں نے گفتگو ختم کی تو یہودی سرداروں نے یک زبان ہو کر کہاں ''یہی وہ انصاف ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں''۔

فتح مکہ اور رسول پاک ﷺ بطور عظیم وحلیم عادل و منصف:

فتح مکہ جہاں حضور اکرم ﷺ کی فتوحات کا نقطہ عروج اور آخری کڑی محسوس ہوتا ہے وہاں اس سے دین اسلام کی بھی تکمیل ہوئی۔ آپ ﷺ نے بنوخزاعہ پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا۔ کیونکہ بنوخزاعہ نے رسول پاک ﷺ کے دربار اقدس میں حاضر ہو کر بنوبکر کے ظلم کی داستان سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری مدد کی جائے گی اگر میں نے تمہاری خاص ایسی مدد نہ کی جیسی خاص اپنی جان کی کرتا ہوں تو گویا تمہاری کچھ بھی مدد نہ کی۔ لہٰذا فتح مکہ میں آپ ﷺ ایک نبی کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک ریاستی سربراہ، سپہ سالار اعظم، عظیم وحلیم عادل و منصف کی حیثیت سے بھی متعارف ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جب فتح کے بعد دوسرا دن ہوا آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا اور مجمع پر نظر الی تو ان خونخواران قریش کو دیکھا جو اگرچہ اس وقت بے بس تھے اور مسلمانوں کے قبضے میں تھے۔ لیکن ان کے پچھلے مظالم کا ہر واقعہ تلواروں کو گردن زنی کی دعوت دے رہا تھا۔ اس خطبے کے بعد آپ ﷺ نے اہل قریش سے پوچھا ''اے قریش! تمہیں معلوم ہے کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا'' قریش اگرچہ ظالم تھے لیکن آنحضور ﷺ کے مزاج سے آشنا تھے۔ فوراً بول اٹھے: ''شریف النفس بھائی اور شریف الطبع بھائی کے فرزند ہیں''۔

آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: ''مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں درگزر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے''۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''آج میں تم بھائیوں سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ جاؤ تم آزاد ہو اور آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں''۔ رسول پاک ﷺ نے مہاجرین سے ان تمام مقبوضات سے دست بردار ہونے کو فرمایا۔ جن پر اہل مکہ نے قبضہ کر لیا تھا اس کے علاوہ تمام اہل مکہ کو امان عطا فرمائی۔ لہٰذا فتح مکہ میں رسول پاک ﷺ کا مقصد صرف توحید کا علم بلند کرنا اور مسلمانوں کو ان کا حق دلانا تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع انسانیت کا منشور اعظم

آپ ﷺ کا آخری خطبہ ایک ایسی تحریک ہے جس میں صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہی شامل نہیں ہوئے۔ بلکہ اس میں ساری دنیا کی نمائندگی ممکن ہوسکی۔ آپ ﷺ کا یہ خطبہ آپ ﷺ کا وصیت نامہ بھی تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی اور اسلام کی ہر قسم کی خصوصیات کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے اپنا بحثیت انسان و پیغمبر فرض ادا کیا۔ اس طرح سے بھی اس کی اہمیت و افادیت بہت زیادہ ہے کہ یہ ایک طرح کی بیعت اور معاہدہ بھی ہے۔ اس میں قابل عمل قسم کے فرامین بھی ہیں اور انفرادی طور پر انسان اور

Marfat.com

اجتماعی معاشروں کے لیے زندگی گزارنے کے کئی ایک سنہری اصول بھی ہیں۔ یہ گویا آپ ﷺ کی مسلمانوں کے لیے ایک تعلیمی و تربیتی ورکشاپ بھی تھی کہ جن کے سامنے اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا نچوڑ پیش کرنا مقصود تھا جس پر قیامت تک کے لیے عمل کیا جاتا رہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں انسانیت کو ازسرنو اجتماعی زندگی کا تصور پیش کرنے کی سعی کی گئی۔ اس میں Social Contract کے نظریہ کو اللہ عزوجل کے احکامات کے تابع کیا گیا۔

اپنی جامعیت اور اکملیت کے اعتبار سے یہ خطبہ اپنے اندر زندگی کے ہر قسم کے معاملات مثلاً مذہبی، سیاسی، اقتصادی، قانونی اور عوامی وغیرہ کو اس انداز سے سموتا ہوا نظر آتا ہے کہ اس میں کسی بھی اہم انسانی پہلو کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ خطبہ ایک تاریخی دستاویز ہی نہیں یہ ایک آئین، دستور اور چارٹر بھی ہے۔ اس کے ذریعے سے ایک اہم قسم کا عالمی، دائمی، تہذیبی اور ثقافتی نظام بھی قائم کیا جاسکتا ہے کہ جس کے ذریعے توحید وحدانیت، اخوت، برابری و مساوات، عدل و انصاف، امن و آشتی جیسی انسانی خصوصیات کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس میں بھرپور قسم کا تبلیغی و اشاعتی پروگرام بھی شامل ہے۔

تقدیر امم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

اس میں آپ ﷺ نے انسانوں کے لیے جامع اصول مقرر فرمائے۔ اس سے معاشرہ کے قوانین، راعی کے رعایا سے رابطے، عدلیہ اور انتظامیہ کے رابطے، رہنے کا سلیقہ اور جینے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ جن میں مہد سے لیکر لحد تک اور لحد سے لیکر قیامت تک کے لیے واضح اشارات ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق کی روشنی میں اس خطبے پر روشنی ڈالی جائے تو خطبے کو حقوقِ انسنی کا منشور، اعظم کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں رسول پاک ﷺ نے حقوقِ انسانی اور عدل اجتماعی کے تصورات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا۔

حقوق کا تحفظ

خطبہ حجۃ الوداع میں محبوب کائنات ﷺ نے جس معیاری عدل اجتماعی کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعے ہر فرد کے حقوق کی مکمل طور پر ضمانت دی گئی ہے۔ گویا یہ بات ارباب حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت کے ہر باشندے کی عزت و آبرو، جائیداد، مال، جسم و جان اور چادر اور چاردیواری کے تحفظ کا اہتمام کرے اور عدل و انصاف کی بنیاد پر اس شخص کے حقوق کی پاسداری کرے جو اس کی مملکت کا شہری ہے۔ اسی لیے عدل و انصاف کو حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون قرار دیا گیا یہ اگر نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن نہیں۔ اس لیے ایک حاکم کا یہ فرض ہے کہ وہ عادل ہو ورنہ وہ نااہل تصور ہوں گے اور اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ.

''بے شک اللہ تم کو یہ حکم فرماتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور یہ کہ جب لوگوں کے درمیان جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

Marfat.com

اس آیت مقدسہ میں ارباب حکومت کو ان کی ذمہ داری اور فرائض کا احساس دلایا گیا ہے آیت کے دوسرے حصے میں خاص طور پر عدلیہ کے فرائض منصبی کا بیان ہے۔ حقوق کا تحفظ حکومت وقت کی خصوصی ذمہ داری ہے اور منصفانہ فیصلہ کی تائید کی گئی ہے اور یہ فیصلہ دوست دشمن، کافر و مسلم سب کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کے ساتھ ہونا چاہیے۔ چنانچہ خود رسول پاک ﷺ کو یہودیوں کے معاملات میں حکم ہوا۔

وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ. اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ.

''اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسانوں کے درمیان کشمکش، جھگڑوں، رنجشوں کے جتنے بھی واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی تہہ میں جان، مال اور آبرو کے بارے میں کم از کم بے احتیاطی کی اور کوئی چیز نہ نکلے گی۔ رسول پاک ﷺ نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی وہاں جان، مال اور آبرو کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں ان پہلوؤں کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ''بے شک تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہارے آبروئیں ایک دوسرے پر قیامت تک ایسی ہی قابل احترام ہیں جیسا کہ تمہارے اس دین کی حرمت تمہارے اس مہینے اور شہر کی ہے''۔

رسول پاک ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ہر انسان کی جان و مال اور آبرو ہر حال میں ہر جگہ محترم ہے ان کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جان و مال اور آبرو کا تحفظ انسان کے بنیادی حقوق ہیں اور ان کی حرمت کا پاس نہ رکھنے کے سبب ہی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

بے لاگ عدل و انصاف کی حکمرانی

آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں نظام عدل کی ایک اہم خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ یہاں آزاد و غلام، امیر غریب، کمزور و توانا، کالے یا گورے، حاکم یا محکوم کی کوئی تفریق نہیں اور قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس نظام میں بادشاہ یا امیر مملکت بھی عدالت کے روبرو کٹہرے میں ایک عام آدمی کی طرح کھڑا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم لوگ اپنے پروردگار سے ملو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ ہو کر پھر نہ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو''۔

آپ ؐ نے رنگ، نسل، وطن، قوم، امیر غریب، کالے اور گورے اور دیگر انسانی عصبیتوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو ایک ایسا پیغام دیا جس کو اپنا لینے کے بعد تمام دنیا عدل و انصاف اور محبت و الفت کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ رسول پاک ﷺ کے عطا کردہ نظام عدل کی سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ جس کی نہ افراط و تفریط ہے اور نہ ہی کسی کے لیے خاص امتیاز و تفریق، جو قانون فقیر کے لیے وہی بادشاہ کے لیے بھی ہے جو آئین سرمایہ دار کے لیے ہے وہی ایک مزدور کے لیے بھی اسی طرح جو قوانین اپنوں کے لیے وہی غیروں کے لیے ہیں۔ یہاں تک کہ حاکم و محکوم میں سے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ سب پر برابر لاگو ہے گویا یہی صحیح معنوں میں عدل کی حکومت ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے کچھ دنوں کے وعدے پر کسی شخص سے قرض لیا۔ لیکن ابھی وعدے کے مطابق معیاد ختم نہ

Marfat.com

ہوئی تھی کہ وہ شخص اپنی رقم واپس لینے آ گیا اور آپ ﷺ کے ساتھ سختی سے پیش آیا۔ اس کا یہ سخت رویہ دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ سخت برہم ہوئے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! تمہارے لیے یہ زیادہ مناسب تھا کہ تم مجھے بروقت رقم ادا کرنے کو کہتے اور اس کو حسن سلوک کا مشورہ دیتے''۔

عدل وانصاف کے معاملے میں آپ ﷺ کسی قسم کی سفارش، دباؤ لالچ کو آڑے نہ آنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنی مخزوم کی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ شہادتوں سے جرم ثابت ہوگیا۔ رسول پاک ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، تو لوگوں نے حضرت اسامہؓ سے جو آنحضور ﷺ کو بہت پیارے تھے سفارش کرائی اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان کا بڑا آدمی قصور کرتا تھا تو اس سے درگزر کرتی تھیں۔ لیکن اگر چھوٹے آدمی سے قصور سرزد ہوجاتا تو اسے سخت سزا دیتی تھیں خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا''۔

معاشرتی زندگی اور عدل وانصاف

خطبہ حجۃ الوداع اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ اس میں بنی نوع انسان کو پہلی مرتبہ مساوات، عدل و انصاف کے زریں اصول فراہم کیے گئے۔ رسول پاک ﷺ نے اپنے خطبہ مبارکہ میں زندگی کے تمام شعبوں میں عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ عدل کی حدود زندگی کے ہر شعبے تک پھیلی ہوئی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی ماں کا حق ادا کرو، باپ کا حق ادا کرو، اس کے بعد درجہ بہ درجہ رشتے داروں کا حق ادا کرو''۔

عائلی زندگی اور عدل وانصاف/ بیویوں میں عدل وانصاف

معاشرتی زندگی میں عدل وانصاف کی سب سے زیادہ ضرورت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ: ''فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ.'' ''پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بیویوں میں) انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی (بی بی) کرنا یا جو لونڈی تمہارے قبضے میں ہو'' حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ان میں انصاف نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا نصف بدن خمیدہ ہوگا''۔

اولاد کے درمیان عدل وانصاف:

رسول کریم ﷺ نے عائلی زندگی کی فضا کو خوشگوار رکھنے کے لیے والدین کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اولاد کے درمیان عدل ومساوات قائم رکھیں۔ حدیث مبارکہ ہے: ''نعمان ابن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنے ایک لڑکے کو ایک غلام عطیہ میں دیا اور رسول پاک ﷺ کو گواہ بننے کی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسا تم نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام دیا ہے، کیا ویسا ہی اپنے باقی لڑکوں کو بھی دیا ہے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اس کو واپس لے لو''۔

اس لیے اولاد کے درمیان عدل ومساوات قائم رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عدل وانصاف کو قائم نہ رکھنا بچوں کے درمیان دشمنی اور والدین کے ساتھ نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے بیٹی کے ساتھ بھی محبت وشفقت سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے اور اس کی اچھی تعلیم وتربیت کو دوزخ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ

Marfat.com

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت کے دن میرا اس کا ساتھ (انگلیوں کو ملا کر فرمایا) اس طرح ہوگا'' اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر صرف جنس کے اختلاف کے سبب ترجیح نہ دے۔

عورتوں کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم

جس زمانے میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے۔ عورت تمام معاشروں میں حقوق سے محروم تھی۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا۔ ان گنت بیویاں رکھنا عام تھا۔ عورتوں کو جائیداد تک میں وارث ہونے کا حق حاصل نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں عورتوں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی ان کے حقوق کا تعین کیا اور مرد وو اس کا حق تلف کرنے، اس پر ظلم و زیادتی کرنے اور بے انصافی کرنے سے منع فرمایا۔ روحانی اور اخلاقی میدان میں عورت و مرد مساوی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾

''جو نیک کام کرے گا۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

تعلیم حاصل کرنے بھی عورت و مرد برابر ہیں رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے'' مادی لحاظ سے بھی عورت کو مرد کے مساوی درجہ دیا۔ جس طرح مرد روپیہ کما سکتا ہے، اسی طرح عورت کو بھی اجازت ہے اور عورت کو اپنی ملکیت کے تصرف پر پورا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''پھر اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ تمہارے لیے خود دے دیں تو اسے مزے اور خوشگوار سے کھاؤ''۔

اسی طرح عورت کو مردوں کی طرح میراث میں شریک قرار دیا۔ نکاح کے وقت لڑکی کی مرضی کو لازمی قرار دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی نے رسول پاک ﷺ کے پاس آ کر شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کر دی ہے۔ آپؐ نے اس لڑکی کو اختیار دیا کہ چاہے وہ قبول کرے چاہے وہ رد کر دے۔ اس طرح طلاق کا قانون بھی افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال پر مبنی ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو پورا حق دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔

یتیموں کے حقوق کی حفاظت اور عدل و انصاف

عورتوں کی طرح یتیموں کے حقوق کے لیے بھی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ. ''اور خاص کر یہ کہ یتیموں کے حقوق میں انصاف کو ملحوظ رکھو''۔

ایک مرتبہ ایک یتیم نے رسول کریم ﷺ کی عدالت میں ایک شخص پر ایک نخلستان کا دعویٰ کیا مگر اس کا ثبوت نہ پیش کر سکا۔ اس لیے آپ ﷺ نے مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔ وہ یتیم رونے لگا آپ ﷺ کا دل رحم سے پگھل گیا مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس کو دے دو خدا اس کے بدلے میں جنت دے گا، مگر وہ نہ مانا۔ ایک صحابی ابو الاحداح پاس بیٹھے

Marfat.com

تھے انہوں نے اس شخص سے کہا تم اس نخلستان کو میرے نخلستان سے بدل سکتے ہو وہ تیار ہو گیا۔ ابو الاحداح نے اس کا نخلستان اپنے نخلستان سے بدل کر یتیم کے حوالے کر دیا۔ اس طرح یتیم بچے کے عزیز و اقرب پر لازم ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کریں اور جب وہ سن بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ آپ ﷺ جب تک مکہ معظمہ میں بے بسی کے عالم میں رہے یتیموں کے متعلق اخلاقی ہدایات فرماتے رہے۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد ان اخلاقی ہدایتوں نے قانون کی صورت اختیار کر لی۔ سورہ نساء میں اس بے کس گروہ کے متعلق خاص احکام آئے۔ ان کو وراثت کا حق دیا گیا۔

معاشی انصاف

رسولِ پاک ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں اقتصادی و معاشی عدم توازن کے راستے مسدود کر دیئے۔ سود کو حرام قرار دیا گیا۔ سودی نظام سرمایہ کاری کا تحفظ اور غریبوں کا استحصال کرتا ہے۔ غریب غریب تر ہو جاتا ہے۔ نسل انسانی پر اسلام کا ناقابل فراموش احسان ہے کہ اس نے سرمایہ دارانہ نظام کو جڑوں سے کاٹ پھینکا۔ ڈاکٹر ضیاء الحق اپنے مقالے میں لکھتے ہیں۔

''معاشی انصاف، اخوت اور آزادی اسلامی اخلاقیات کا خاص موضوع ہے'' گویا نبی کریم ﷺ نے معاشی انصاف کی بنیاد فراہم کر کے ظالموں اور مظلوموں کو اعتدال کی راہ دکھائی اور ظالموں کے لیے مظلوموں پر ظلم کے راستے بند کر دیئے''۔

قرآن پاک اور احادیث کی تعلیمات سے واضح ہے کہ اسلام ارتکاز دولت کا مختلف ہے۔ سورہ الحاقہ میں دولت جمع کرنے والے اور زکوٰۃ نہ دینے والے کا بہت برا انجام بیان کیا گیا۔ اس سلسلے میں زکوٰۃ، صدقہ، عشر، نظام ترکہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا کردار بہت اہم ہے۔

روزمرہ کی خرید و فروخت اور عدل

اسلام نے عدل کے اصول کو زندگی کے ہر شعبے میں برقرار رکھا۔ عام معاملات میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ ضرورت روزانہ کی خرید و فروخت میں وزن و پیمانہ ہے کیونکہ اس سے ہر شخص کو ہر وقت کام پڑتا ہے اور اس میں غریبوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے ناپ تول میں کمی کرنا حقیقت میں دوسرے کے حق میں ہاتھ ڈالنا ہے اس لیے قرآن پاک میں بار بار تاکید کی گئی۔ ''اے لوگوں ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو''۔ اس طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ ''اور انصاف کے ساتھ (پوری پوری) ماپ کرو اور (پوری پوری) تول'' اسی طرح تجارت میں احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں اہل مدین کی طرح کمی بیشی، مال کے عیب کو چھپانا اور گھٹیا مال کو اچھے مال کی جگہ پیش کرنا سخت منع ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایمان دار تاجر قیامت کے روز انبیاء، شہدا اور صدیقین کے ساتھ اٹھایا جائے گا''۔ اسی طرح فرمایا کہ ''جس نے ملاوت کی وہ ہم سے نہیں''

عدل و انصاف اور عدالتی معاملات

عدل و انصاف کی ضرورت خاص طور سے عدالتی معاملات میں ہوتی ہے اور اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھا۔ کوئی بھی عدلیہ اپنے وجود کے اعتبار سے بے کار محض ہے اگر اس کی پشت پر رہنمائی کے لیے کوئی دستور نہ ہو۔ اسلامی عدلیہ کا دستور قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کے اصول اربعہ پر مبنی ہے اور عدل و انصاف قانون کی روح

Marfat.com

ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ: وَاِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ. ''اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو'' اَلْحُرُّبِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی. البقرہ ''آزاد کا بدلہ آزاد سے، غلام کا بدلہ غلام سے اور عورت کا بدلہ عورت سے لیا جائے گا''۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: اقیمتو احدود الله فی القریب والبعید ولا یاخذ کم فی الله لومة لائم (مشکوٰۃ باب الحدود) ''اللہ کی حدیں بلاتمیز دور ونزدیک پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرو'' شہادت یا فیصلہ کے وقت دو حالتوں میں اکثر لوگوں کا امتحان ڈگمگا جاتا ہے ایک تو یہ کہ فریق مقدمہ اپنا قرابت دار ہو یا اس سے گواہ یا حاکم کو عداوت ہو لیکن اسلام کی اخلاقی تعلیم اس حالت میں بھی عدل و انصاف سے تجاویز کرنے کو جائز نہیں رکھتی۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَاقُرْبٰی. (سورۃ انعام) ''اور گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) جب بات کہو تو لوگو (فریق مقدمہ اپنا) قرابت مند ہی (کیوں نہ) ہو انصاف (کا پاس) کرو''۔

آسان اور سستا انصاف

اسلامی قانون سادہ اور سہل ہے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب محبوب رب العالمین ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو دونوں کو وصیت فرمائی۔ ''نرمی برتنا۔۔۔ دشواری پیدا نہ کرنا۔۔۔ خوشخبری سنانا۔۔۔ نفرت انگیزی نہ کرنا۔۔۔ اور باہم متحد رہنا۔ آپس میں اختلاف پیدا نہ کرنا''۔ اس لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ عوام کے لیے انصاف کے حقوق کے تحفظ کے لیے دوسروں کا دست نگر ہو کر نہ رہ جائے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جو شخص عوام کی خدمت کے لیے متعین کیا جائے اور پھر وہ لوگوں کی حفاظت اور نگرانی اتنی نہ کرے جتنی وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے تو ایسا شخص جنت کی بو بھی نہ سونگھ سکے گا''۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جس معاشرے میں ناحق فیصلے ہوں گے وہاں خون ریزی لازماً ہو کر رہے گی''۔

یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے ہوئے دشمن تھے۔ اس پر بھی رسول پاک ﷺ کی زبان مبارک سے وحی الٰہی انہیں یہ کہلواتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ ہے۔ ''اور کہہ دے کہ میں ہر اس کتاب کو مانتا ہوں جو اللہ نے اتاری اور مجھے (خدا سے) یہ حکم ملا ہے کہ میں تمہارے بیچ میں انصاف کروں اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا۔ ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ ملتا ہے اور تم کو تمہارے کاموں کا ہم میں تم میں کچھ جھگڑا نہیں اسی کی طرف (سب کو) پھر جانا ہے''۔

جس عدل اور برابری کا حکم اس آیت پاک میں ہے اس کے کئی پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ جو سچائی مجھ تک پہنچتی ہے اس کو میں برابر تم سب کو پہنچا دوں۔ دوسرا یہ کہ محض دینی مخالفت کی وجہ سے تمہارے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔ بلکہ وہ کیا جائے جس کا تقاضا عدل و انصاف کرتا ہے اور تیسرا یہ حکم دیا گیا ہے کہ عام و خاص اور امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ اسی طرح دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا بھی ایک عدالتی معاملہ ہے۔ اسی لیے اس میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۹ میں ہے۔ ''اور اگر (تم) مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں ایک (فرقہ) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے تم (بھی) لڑو۔ یہاں تک کہ

Marfat.com

وہ حکم میں خدا کی طرف رجوع کرے پھر جب رجوع لائے تو دونوں میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عدل و انصاف کا جو حکم دیا ہے وہ اخلاق، معاشرت اور سیاست کے ہر ایک گوشے پر محیط ہے۔ یعنی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم حاوی نہ ہو۔

اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیے تاہم امام اور حاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی ضروری ہے اور رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن جبکہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا۔ جن میں ایک شخص امام عادل ہوگا''۔ پس دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام اور فتنہ و فساد اور برائیوں کے انسداد کے لیے دو چیزیں ہیں قانون اور اخلاق۔ آنحضرت ﷺ ایک ایسی کامل شریعت لیکر آئے جو عدل و احسان اور قانون و اخلاق دونوں کو جامع ہے۔ اسلام نے حکومت کے قانونِ انتظام و عدل اور شخص کی اخلاقی روحانیت کی تکمیل دونوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھا ہے۔ اسی لیے وہ نسل انسانی کی حفاظت، ترقی اور نشوونما کی پوری طرح متکفل ہے۔ وہ عدل و انصاف کے بزور قائم کرنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے اور ذاتی اخلاق کے ذریعے سے لوگوں کی روحانی تکمیل میں بھی کسی طرح حارج نہیں۔

لہٰذا آج دورِ حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے کہ رسول پاک ﷺ کی تعلیمات کو ہر زاویہ زندگی میں اجاگر کیا جائے۔ سنت نبوی ﷺ کی پیروی ہماری قوم میں علمی اور عملی شعور کو بیدار اور تقویت بخش سکتی ہے۔ عالم اسلام کا ہر ملک مظلومیت کی بے وقعت تصویر بنا نظر آتا ہے۔ ہر لب صدائے احتجاج ہے اور مظلوم کی داد رسی کرنا، ظالم کو ظلم سے روکنا ہمارے لیے اسلام نے عادلانہ حکم قرار دیا ہے۔ غیر مسلم بھی رسول پاک ﷺ کی تعلیمات و ہدایت کے گرویدہ ہیں اور ہم جیسے جیسے اپنی تعلیمات سے دوری اختیار کر رہے ہیں ہماری جڑیں کھوکھلی اور کمزور پڑتی جا رہی ہیں۔ اسلام کی رسی جسے ہم نے مضبوطی سے تھامنا تھا یقیناً ہمارے ہاتھوں سے سرکتی جا رہی ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے نورانی ارشادات سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ آپؐ کی تعلیمات تو ایک دوا ہیں ہر درد کا علاج، ہر غم کے لیے مسرت، امن کا پیغام ہیں۔ ہم امت معتدل ہیں جس میں ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خود اس دین پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے۔ اگر ہر انسان اپنا محاسبہ خود کرتے ہوئے اپنے آپ کو تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ڈھال دے تو کوئی شک نہیں کہ مسلمان پھر دنیا پر حاوی نہ ہوں۔ ہم موجودہ دور میں سیرت پاک ﷺ سے رہنمائی حاصل کر کے اور اس کی دائمی خوشبو پھیلا کر دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

آخرت میں بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے احکامات اور نبی پاک ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور رسول پاک ﷺ کی امت پر اپنی خاص رحمت کا نزول فرمائے اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے طفیل میری اس عقیدت و محبت اور کوشش کو قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا
جان و دل، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے تم نہیں چلتے رضا، سارا تو سامان گیا

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر بشریٰ افضل۔ لاہور

عدل یہ ہے کہ ہر کسی کو اس کا حق ملتا رہے۔ کسی چیز کو دو برابر حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ جس طرح تقسیم کرنے کی حد اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہے۔ عدل یہ ہے کہ جو بات ہم کہیں اور جو کام ہم کریں وہ سچائی کے پلڑوں میں یکساں ہو۔ توازن اور تناسب قائم رکھنا عدل ہے۔ افراط اور تفریط سے بچنا عدل ہے۔ مساوات قائم کرنا عدل ہے۔ عدل ظلم کا علاج ہے۔ عدل معاشرے کا استحکام ہے۔ عدل معاشرتی مساوات ہے۔ عدل راہ ہدایت ہے۔ عدل قانون کی جان ہے۔ عدل حقوق کا نگہبان ہے۔ اس بات کی تاکید اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر یوں بیان فرمائی۔

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت دار کی امانت ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو اللہ تمہیں بہت ہی خوب نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے"۔ (پ۵۔ نساء ۵۸)

ذاتی زندگی کے بعد انسانی زندگی کا گہرا تعلق دوسرے لوگوں سے بھی ہے ان لوگوں سے بھی ہر لحاظ سے عدل کرنا چاہیئے اور باہمی تعلقات اور معاملاتِ زندگی میں عدل کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ معاشرتی معاملات میں اگر عدل و انصاف سے کام نہ لیا جائے گا تو دوسروں کے حقوق تلف ہوں گے اس طرح لوگ بے انصافی کا شکار ہو جائیں گے۔ جو معاشرے میں بدامنی کا ذریعہ بنے گا یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاشرتی زندگی میں ہر لحاظ سے عدل اور انصاف سے کام لینے کی تاکید فرمائی ہے۔ عدل اور انصاف کے فیصلے اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آئے نہ عزیزوں اور قربتداروں کا نہ دولت مند کی طرفداری کا، نہ محتاج پر رحم کا جو حق ہو وہ کر دیا کرو۔ پھر کہنے میں کوئی توڑ موڑ نہ کرو۔ کہ سننے والا شبہ میں پڑ جائے یا پوری بات نہ کہو کہ چھپا لو تو یہ سب باتیں عدل اور انصاف کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ مقسطین کو پسند کرتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ معاشرتی زندگی میں اپنے اور پرائے کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے ہوئے انصاف پر قائم رہتے ہیں اور عدل کا دامن کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑتے۔

عائلی زندگی سے مراد گھریلو زندگی ہے۔ خاندانی زندگی میں میاں بیوی، والدین اور اولاد بہن بھائی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہ رشتے اپنے اپنے مقام پر اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ آپس میں عدل و انصاف سے رہیں۔ کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو اور ہر ایک کے حقوق کو عمدہ طریقے سے ادا کیا جائے۔ تا کہ کسی کا حق تلف نہ ہو اسے عائلی عدل کہا جاتا ہے۔ یتیم بچوں کے ساتھ انصاف کرنا بھی عائلی عدل میں شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ " اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرو"۔

اسلامی زندگی کا ایک پہلو ذریعہ معاش ہے جس سے مسلمان کو اپنی گزر اوقات کے لئے مال و دولت حاصل کرنا ہوتا

Marfat.com

ہے۔ تجارت اور خرید و فروخت میں اسلام میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ معاشی عدل سے معاشرے میں توازن قائم رہتا ہے اگر مال و دولت میں عدل قائم نہ ہوگا تو معاشرے کا نظام خراب ہو جائے گا۔ تجارتی عدل کی سب سے بنیادی صورت ناپ تول میں توازن ہے۔ اس لئے اسلام میں وزن اور پیمانے کو پورا رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ یعنی جتنے وزن کی قیمت وصول کی جائے اس کے بدلے اتنا ہی سامان دیا جائے قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد ہے۔

"اور ناپ تول انصاف کے ساتھ کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور خدا کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو" (پ ۶۔ انعام ۱۵۳)

اصل عدالت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ جہاں ہر قسم کا انصاف ہوتا ہے مگر اس نے مجازاً انسان کو بھی اختیار دیا ہے کہ وہ دنیاوی معاملات میں عدل و انصاف کی بقاء کے لئے عدالت قائم رکھے اور اس عدالت کی مکمل اور جامع صورت اسلام نے یوں پیش کی ہے کہ ایسی عدالت قائم کرو جہاں حکم الٰہی کے مطابق مقدمات کا فیصلہ ہو۔ جہاں حق و باطل عدل کی میزان میں جدا جدا ہو جائے اور حق دار کو حق ملے تا کہ سچ کا غلبہ رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف سے فیصلے کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں راہ ہدایت سے نہ ہٹا دے۔ بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کے لئے شدید عذاب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یوم حساب کو بھلا دیا ہے"۔ (پ ۲۳۔ ص ۲۶)

حاکم سلطنت عدل و انصاف کی جو ماتحت عدالتیں قائم کرے گا ان کے لئے بھی حکم ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کریں اگر ان کے پاس مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے لوگ بھی انصاف کرانے کے لئے آئیں تو ان کے مقدمات کا فیصلہ حق و صداقت کی بناء پر کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا اور اگر ان سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ (پ ۶۔ مائدہ ۴۱)

مقدمات میں قرآن مجید کے مطابق فیصلے کرنا عین دین اسلام ہے یہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قرآن مجید کی کتاب جو میں نے نازل فرمائی ہے بالکل سچی ہے اس کے مطابق فیصلے کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی عدل و انصاف کا نمونہ ہے۔ آپؐ نے انسانوں میں سب سے بڑھ کر عدل و انصاف کیا۔ اپنی ذاتی زندگی میں ہمیشہ انصاف کو ملحوظ خاطر رکھا۔ آپؐ کی ازواج مطہرات اور رشتہ داروں نے ہمیشہ آپؐ سے عدل و انصاف ہی پایا۔ آپؐ نے جن لوگوں سے تجارتی لین دین کیا انہوں نے ہمیشہ آپ کو عادل پایا۔ آپؐ نے جس معاشرے میں اللہ کی توحید کا پودا لگایا اس میں خود عدل و انصاف کیا اور دوسروں کو عدل و انصاف کا درس دیا۔ آپؐ نے امیر و غریب خادم و آقا اور مسلم کافر میں کسی قسم کا امتیاز نہ کیا بلکہ ہر حقدار کو اس کا حق دلایا۔ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کے عدل کے مداح تھے۔ حتیٰ

Marfat.com

کہ غیر مسلم بھی آپؐ کے عدل پر اعتماد کرتے ہوئے آپؐ سے اپنے فیصلے کرواتے تھے۔گویا کہ آپؐ کا عدل بے مثل تھا اور دنیا بھر میں آج تک مشہور ہے کہ آپؐ جیسا عادل نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا کیونکہ آپؐ کے عدل میں تائید الٰہی کا دخل تھا۔اس لئے ہر فیصلہ ایسا ہوا کہ جو عین عدل الٰہی کی تنویر تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"پس اسی دین کی دعوت دو اور ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کرو اور کہہ دو کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ہے کہ میں تم میں انصاف کروں۔اللہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل۔ہم میں اور تم میں کوئی حجت نہیں۔اللہ ہم کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔(پ25۔شوریٰ15)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک انصاف کرنے والے حکام اللہ تعالیٰ کے نزدیک رحمٰن کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے جبکہ اس کے دونوں دستِ قدرت ہی دائیں ہیں جو اپنے احکام میں انصاف کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں میں جن کے وہ حاکم ہوں۔(مسلم) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔"بے شک خلیفہ زمین میں اللہ کا سایہ ہوتا ہے جس کے پاس بندوں میں سے ہر مظلوم آتا ہے۔جب وہ انصاف کرے تو اسے ثواب ملتا ہے اور ہر رعیت پر شکر لازم ہے اور جب ظلم کرے تو اس پر بوجھ ہے اور رعایا پر صبر لازم ہے"۔(بیہقی)

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔بے شک قیامت کے روز مرتبے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ کے بندوں میں انصاف اور نرمی کرنے والا حکمران افضل ہوگا اور قیامت کے روز مرتبے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا آدمی ظلم اور سختی کرنے والا حکمران ہوگا (بیہقی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا: (۱) عادل حکمران، (۲) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا جوان، (۳) وہ شخص جس کا مساجد سے قلبی تعلق ہو، (۴) اللہ تعالیٰ کے لئے باہم محبت کرنے والے دو آدمی جو اسی کی محبت پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں، (۵) وہ شخص جسے منصب و جمال والی عورت برائی کی طرف بلائے تو وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، (۶) وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا، (۷) وہ شخص جو علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔(مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے مسلمانوں کی قضا کا عہدہ طلب کیا یہاں تک کہ اسے پا لیا پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب ہو تو اس کے لئے جنت ہے۔اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو تو اس کے لئے جہنم ہے۔(ابو داؤد ۳۷)

حضرت محمدؐ کے عدل کے چند واقعات بنی مخزوم کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا چوری کے مقدمے میں آپؐ کی

Marfat.com

خدمت اقدس میں معاملہ پیش کیا گیا۔ اس کے قبیلے والے نہیں چاہتے تھے کہ اس عورت کو سزا ہو اور ان کا قبیلہ بدنام ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے سفارش کروائی لیکن جب حضرت اسامہؓ نے حضور اکرمؐ کی خدمت عالیہ میں فاطمہ پر حد نہ جاری کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضور اکرمؐ کا چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے بہت سی قومیں اسی لئے ہلاکت کی آغوش میں چلی گئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا جرم کرتا تو اس کے معاملے میں نرمی کی جاتی اور اگر کسی غریب سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو اسے پوری سزا دیتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کر کے آتی تو میں حکم الٰہی کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیتا۔ چنانچہ حضور اکرمؐ کے عدل کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (بخاری شریف)

حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی بیوی حضرت خولہؓ بنت قیس کہتی ہیں کہ رسول اکرمؐ پر بنی ساعدہ کے کسی آدمی کے پانچ من دس سیر کھجور کا قرض تھا وہ آدمی آپؐ کے پاس آیا اور ان کی ادائیگی کا آپؐ سے مطالبہ کیا۔ آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کا قرضہ اتار دے چنانچہ انہوں نے کھجوریں قرضہ میں دیں لیکن یہ کھجوریں اس ساعدی کی کھجوروں سے کم درجہ کی تھیں۔ اس ساعدی نے ان کو لینے سے انکار کر دیا اور انصاری نے کہا کہ تو حضورؐ کے پاس واپس چلتا ہے ساعدی نے کہا ہاں اور کون آدمی آپؐ سے زیادہ حق پسند ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے نم ہو گئیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ساعدی نے سچ کہا مجھ سے زیادہ انصاف کرنے کا کون حقدار ہے۔ اللہ پاک اُس امت کو پروان نہیں چڑھاتا جس میں اس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق بلا حکمت نہ لے سکے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے خولہؓ تم اسے کھانا کھلاؤ اور اس کا قرضہ ادا کرو۔ پس بات اس طرح پر ہے کہ کوئی قرض خواہ اپنے مقروض کے پاس سے جب راضی ہو کر واپس آتا ہے تو اس مقروض پر روئے زمین کے جاندار اور سمندر کی مچھلیاں دعائے رحمت کرتی ہیں اور جب کسی آدمی سے اس کا قرض خواہ دل تنگ ہو کر واپس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مقروض کے لئے ہر دن رات ایک گناہ لکھتا ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنے ایک بیٹے کو غلام ہبہ کیا اور حضورؐ کی خدمت میں آ کر بیان کیا تا کہ اس معاملے میں آپؐ کی گواہی ہو جائے آپؐ نے دریافت کیا کہ کیا سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو میں اس ظلم کا شاہد نہیں بننا چاہتا۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کے ارشادات پڑھیں یا حضرت محمدؐ کی احادیث اور سیرت نبوی کے واقعات ہر جگہ عدل و انصاف پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں عدل انصاف انفرادی اور اجتماعی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ تاریخ کے اوراق دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اسلامی حکومتوں نے طویل عرصہ تک دنیا پر حکومت کی تو اس میں بڑا ہاتھ ان کے عدل کا تھا کہ دشمن کو بھی جب انصاف ملتا تو وہ بغاوت کرنے کا نہیں سوچتا لیکن اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں انصاف کہیں نظر نہیں آتا نہ کسی شعبے میں نہ کسی ادارے میں ہر طرف سفارش اور رشوت کا بازار گرم ہے۔ نااہل لوگ دولت اور اقربا پروری کی بدولت اونچے عہدوں پر فائز ہیں اور قابل لوگ روٹی روزی کے مسائل میں دبے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستان اس وقت انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ بلوچستان اور پشاور آگ میں جل رہے ہیں۔ روشنیوں کا شہر کراچی ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہو کر اندھیروں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ پنجاب اس وقت لاقانونیت، دہشت گردی، لوڈ شیڈنگ، بیروزگاری اور مہنگائی جیسے مسائل میں گھرا ہوا

Marfat.com

ہے۔پورے ملک میں عوام کی پرواہ کسی کو نہیں ہر بڑا آدمی اپنی سیٹ اور پارٹی کو بچانے کے لئے کوشاں ہے۔ بیہودہ بیان بازیاں،الزام تراشیاں، بڑک بازی،دھرنے لانگ مارچ،احتجاجی مظاہرے،شعلہ بیان تقاریر، ہلڑ بازی بس یہ سب تماشے رہ گئے ہیں۔نہ کسی کو ملک کی ترقی کے بارے میں سوچنے کی فرصت ہے نہ ملک کی بقاء کا خیال ہے۔عوام مسائل کی چکی میں کس طرح پس رہے ہیں۔آئے دن خودکشیاں ہو رہی ہیں۔یہ سوچنے کی ان بڑے لوگوں کو فرصت نہیں۔ایک امریکی 3 نوجوانوں کو روند کر مار ڈالتا ہے اور راتوں رات اپنے ملک پہنچ جاتا ہے اور اسلامی ملک کی ایک بیٹی ڈاکٹر عافیہ سالہا سال سے یہودیوں کی قید میں ہے۔ بے غیرت پاکستانیوں کی غیرت مردہ ہو چکی ہے کہ اپنی بہن اور بیٹی یاد نہیں۔یاد ہے تو صرف اپنی عیاشیاں، جائیدادیں، بڑے عہدے، رشوت کا پیسہ، اسمبلیوں کی سیٹیں، باوردی گارڈز۔اللہ تعالیٰ کے آگے ہم سب اپنے اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہونا ہے جو لوگ ملک کو چلانے کے لئے کسی بڑے ادارے میں کام کرتے ہیں ان پر بہت ذمہ داریاں عائد ہوتیں ہیں اور وہ عوام کے حقوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہوں گے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان میں عدالتیں اتنی مضبوط ہو جائیں کہ مجرم خواہ بڑا آدمی ہو یا چھوٹا۔جرم ثابت ہونے پر اسے قرار واقعی سزا ملے تا کہ کالی بھیڑوں کا صفایا ہو۔اور ہمارا پاکستان صحیح معنوں میں ترقی کر کے اسلامی جمہوریہ پاکستان بن جائے۔آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حذافہ رفیق۔ گوجرانوالہ

اللہ جل شانہ نے بنی نوع انسان کو احسنِ تقویم فرما کر خلافتِ ارضی سے مشرف فرمایا، کائنات کی تخلیقات کو اس کے لیے مسخر فرما دیا، ہواؤں، فضاؤں، کہکشاؤں، جمادات اور خطہ ہائے ارضی کو اس کے تابع فرما کر اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی فرمایا۔ تعلیم کبھی صحفِ ابراہیمؑ، مصحفِ موسیٰؑ، تورات، زبور اور انجیل کی صورت میں بہم پہنچائی اور انبیاء و رسل کو نمونہ قرار دیکر تربیت کا عدیم النظیر نمونہ مرتب فرمایا۔ آخری الہامی تعلیم قرآن مجید فرقان حمید کی صورت میں نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرما کر ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کا مژدہ سنا کر حتمی اور آفاقی عدل و تربیت کا اہتمام فرما دیا۔ عصر حاضر کے عام جدید و قدیم فلسفے ''مستشرقین کے تمام دعا دی منکرین کے تمام اعتراضات، منافقین کے تمام حیلے اور باطل کے تمام حربے اس الہامی فلسفہ، عدل کے سامنے ہیچ ہیں۔

عدل اجتماعی۔ مطالب و مفاہیم

اسم ذات کے طور پر عدل کے معنی ''انصاف یا داد رسی'' کے ہیں اور اسم صفت کے طور پر اس کے معنی مستقیم، منصفانہ اور متوازن کے آتے ہیں۔ (۱) المثل و النظیر (۲) اردو لغت میں بھی یہ لفظ ''انصاف'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ برابری، تسویہ، درمیانی راہ اختیار کرنا۔ (۳) المنجد (۴) اور Arabic English Lexicon میں بھی عدل کے معنی انصاف (۵) یا دونوں حالتوں میں درمیانی راہ اختیار کرنا'' کے ہیں۔ اجتماع کے معنی گروہ، جماعت، معاشرہ، سماج، اتفاق یا اتفاق رائے (۶) اور اجتماعی کے معنی باہم مل کر چلنا کے ہیں۔(۷) مندرجہ بالا مفاہیم کو مدنظر رکھتے ہوئے ''عدل اجتماعی'' کے تصور کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ معاشرے میں رنگ و نسل، ذات پات کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے تمام مذاہب و اقوام کے درمیان انصاف و برابری کا رویہ اختیار کرنا، جس میں ذاتی پسند و ناپسند کو دخل نہ دیا جائے، اجتماعی عدل کہلاتا ہے۔

عصر حاضر اور عدل اجتماعی کا المیہ

عصر حاضر اجتماعی عدل کے تصور سے مفقود ہے۔ گلوبلائزیشن، تہذیبی تصادم، مغربی سامراجیت، نیوکلیائی توانائی کا دور بنی نوع انسان کے لیے بے شمار تحدیات کا دور ہے، سائنسی و تکمیلی ترقی عروج پر ہے، انسانی کاوشیں الحاد و مادہ پرستی، عقلیت، تجربیت، سیکولر ازم اور لادینیت کے سامنے پاش پاش ہیں۔ جدیدیت نے انسانی قلب و ذہن اور روح کو جدید ہتھیاروں سے مفلوج کر رکھا ہے لیکن اس زوال کا سبب تعلیم کا فقدان نہیں ہے۔ شرح خواندگی بھی روز افزوں ترقی پر ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے شمار وسائل، تعلیم، ترقی اور جدت پسندی کی بدولت بھی انسان روحانی زوال اور تباہی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ انتشار، حوس، مادیت پسندی اور مسابقت نے جذبہ انسانیت کو کچل کر رکھا دیا ہے۔ عصر حاضر کی اس پراگندہ صورتحال کی نمائندگی کے

Marfat.com

لیے اقبال کا پیغام نہایت اہم ہے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن لاہور سے یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو نشر کیا گیا تھا۔ علامہ فرماتے ہیں:

''جدید عہد علم کی ترقی اور سائنس کے عدیم المثال ارتقاء پر فخر کرتا ہے بلاشبہ یہ افتخار جائز ہے۔ آج فاصلے اور وقت مٹائے جا رہے ہیں اور انسان کو فطرت کے سربستہ راز بے نقاب کرنے اور اس کی قوتوں کو اپنے تصرف میں لانے کی غرض سے مجتمع کرنے میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں لیکن ان ترقیوں کے باوصف سامراجی ظلم بیرون در ڈھارس بندھانے کے نام پر جمہوریت، قوم پرستی، اشتراکیت اور فاشتیت، اور خدا جانے ان کے علاوہ اور کیا کیا کچھ، کی نقابوں سے اپنا چہرہ چھپا کر باہر نکلتا ہے۔ ان نقابوں کے پیچھے دنیا کے ہر گوشے میں جذبہ آزادیٔ انسانی شرف، اس انداز سے پاؤں تلے روندا جا رہا ہے جس کی مثل انسانی تاریخ کا تاریک ترین دور بھی پیش نہیں کرتا۔ وہ نام نہاد مدبرین جنہیں انسانوں پر حکمرانی اور ان کی قیادت سونپی گئی تھی خود کو خوں ریزی، ظلم اور تشدد کا دیوتا ثابت کر دیا ہے۔ حکمرانوں نے حق کا فریضہ تھا کہ وہ ان تصورات کا تحفظ اور ان کا نشو ونما کا اہتمام کریں جو اعلیٰ تر انسانیت کی تشکیل کرتے ہیں، تاکہ انسان، انسان کے ظلم سے محفوظ رہتا اور بنی نوع انسان کی اخلاقی اور دانشورانہ سطح بلند تر ہوتی، اپنے اقتدار کی بھوک کی تسکین اور سامراجی تسلط کی خاطر لکھو کہ انسانوں کا خون بہایا اور لاکھوں کو غلامی کے درجے میں آئے تاکہ محض اپنے جیسے گروہوں کی تسکین حرص و طمع کا سامان کرسکیں''۔(۸)

اقبال کے اس اقتباس سے واضح ہے کہ عصرِ حاضر عدل اجتماعی کے نہ ہونے کی وجہ سے عدم روادارانہ جذبات کا عکاس ہے۔ انسانیت کا وقار بحال کرنے کے لیے کے لیے تمام بنی نوع انسان کو ''عدل'' کی بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے اس پر بھی نہایت اہم بات کہی کہ ''صرف ایک ہی اتحاد قابل اعتبار ہے جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان کی حدود سے ماوراء ہے۔ جب تک انسان اپنے عمل سے یہ ظاہر نہیں کر دیتے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ساری دنیا خدا کا کنبہ ہے جب تک کہ تینہ نسل و رنگ اور جغرافیائی قومیتیں مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹ نہیں جانتیں وہ کبھی بھی خوشگوار اور آلودہ زندگی بسر نہیں کرسکتیں اور آزادی اور اخوت کے تصورات شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتے''۔(۹)

لہٰذا آج عدل اجتماعی کو ان خطوط پر استوار کرنا ہوگا کہ فرقہ بندی اور طبقاتی تقسیم کی نفی کرتے ہوئے، ایمان وعقیدہ کی بنیادوں کو بحال رکھتے ہوئے بنی نوع انسان کو ''عالمگیر انسانیت'' کے روپے میں دیکھا جائے اور ممالک کے درمیان، اقوام کے درمیان، مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مثبت ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے سیرتِ نبویہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کو نمونہ قرار دیا جائے۔

شریعت اسلامیہ میں عدل اجتماعی کا تصور

شریعت اسلامیہ نے بین المذاہب موافقت و رواداری کے استحکام کے لیے قیام عدل کا درس دیا۔ قیام عدل سے غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و اتحاد کے ذریعے لڑائی اور فتنہ فساد کا خاتمہ ممکن ہو جاتا ہے۔ چونکہ اسلامی ریاست کا مرکز ومحور

Marfat.com

وحدتِ ربانی پر ہوتا ہے اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ دائمی مفاہمت ناممکن ہوتی ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کی بنیاد رکھی تو یہودیوں کے ساتھ عدل اجتماعی کا اصول کارفرما کرتے ہوئے نیم وفاق پر رضامندی ظاہر کی۔ مدینہ کے قبائل کے ساتھ باہمی مفاہمت و اعانت کے معاہدات کیے لیکن ان معاہدات میں وقت کی قید نہ لگائی۔ عالمگیر سطح پر عدل اجتماعی کے قیام کے لیے مندرجہ ذیل رہنما اصولوں پر غور کرنا شریعت اسلامیہ نے نہایت ضروری قرار دیا۔

۱۔ رنگ و نسل اور قومیت سے بالاتر ہو کر احترام انسانیت اور وحدت انسانیت کے اصول عدل کو مدنظر رکھنا۔

۲۔ یگانے اور بیگانے کے تصور سے پاک، دوست اور دشمن کی تفریق سے ناآشنا، قوی وضعیف کے امتیاز سے مبرا ہو کر عدل و انصاف پر قائم رکھنا۔

مندرجہ ذیل آیت میں ان دونوں اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۱۰)

''اے اہل ایمان! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہو اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔

انہی دو اصولوں کی بنیاد پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین تعلقات کے اصول وضع کیے گئے ہیں۔

۳۔ کسی بھی ایسے معاہدے یا تعلق کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکتا جس سے اسلام یا کسی بھی مذہب کی بے حرمتی کا پہلو نکلتا ہو۔

۴۔ غیر مسلموں کو ایسے حقوق تفویض نہیں کیے جاسکتے ہیں جو مسلمانوں کے اختیارات حکومت کے منافی ہوں۔

۵۔ ایسے معاہدات بھی جائز نہیں جن میں شاطرانہ سیاست کاری اور عدم عدل سے مسلمانوں کے حقوق اور ان کی دولت وثروت کو ہڑپ کرنے کے لیے ہتھکنڈے استعمال کیے جائیں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قیام عدل سے اقوام میں ہم آہنگی و ربط پیدا کیا جائے اور قرآن و حدیث کے ذیل کے نظائر سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کس طرح عدل اجتماعی کے ذریعے اقوام وملل میں ہم آہنگی پیدا فرما کر ایک ''ہمہ گیر'' اور ''عالمگیر نبوت'' کا عدیم النظیر نمونہ تاریخ میں رقم فرما دیا۔

اسلام میں ''نبوی ﷺ عدل'' کے عالمگیر نظائر

سیرت نبویہ ﷺ میں عالمگیر بنیادوں پر عدل کی عملی اور اولین عالمگیر مثال حلف الفضول ہے جس میں مختلف قبائل نے اس بات پر اتحاد کیا کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت میں ساتھ دیں گے، سیرت ابن ہشام میں ہے: فتعاقدوا وتعاهدوا ان لا يجدوا بمكة مظلوماً من أهلها و غير هم ممن دخلها من سائر الناس إلا قاموا معه، وكانوا على من ظلمه حتى ترد عليه مظلمته(۱۱) اس اتحاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ایک ایسے حلف میں موجود تھا جو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیارا تھا اور اگر اسلام میں کوئی کوئی ایسے عہد کی طرف بلائے تو میں قبول کرلوں گا۔(۱۲)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے سیاسی معاہدات سے بھی اس اجتماعی عدل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ان معاہدات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں: ''مدینہ تشریف لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مختلف انواع کے اہل شرک سے معاہدات فرمائے جن میں بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع اور مشرکین کے بعض دوسرے قبائل تھے پھر آپ ﷺ کے اور قریش کے مابین حدیبیہ کی صلح بھی ہوئی، یہاں تک کہ قریش نے اس معاہدہ کو آنحضرت ﷺ کے حلیف قبیلہ خزاعہ سے جنگ کر کے توڑ کر اور اس کی خلاف ورزی کی''۔(۱۳) رسول اللہ ﷺ کے دیگر معاہدات مثلاً بنوضمرہ، بنو جہینہ، مزنیہ، بنوخزاعہ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کا معاہدہ نیز شاہان عرب کے ساتھ خط و کتابت وغیرہ یہ تمام باتیں اس کا ثبوت ہیں کہ مصالح مسلمیں کی خاطر غیر مسلموں سے اجتماعی عدل کا ثبوت فراہم کر کے آپ نے عالمگیر عدل کے زریں کی عملی شکل پیش کر دی۔ ان معاہدات میں دستور مدینہ نہایت اہم اور واضح ثبوت ہے۔(۱۴)

میثاق مدینہ نبی کریم ﷺ کے عدل و رواداری پر مبنی عملی برابری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دوسروں کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کے لیے نبی ﷺ نے جو معاہدات کیے ان میں میثاق مدینہ(۱۵) اور صلح حدیبیہ کے علاوہ متعدد معاہدات شامل ہیں اور یہ معاہدات ہمیشہ برابری کی بنیاد پر ہوئے کسی فریق پر ظلم و ستم نہیں کیا گیا۔ جنگ خیبر کے بعد کچھ لوگ بے قابو ہو گئے آپ ﷺ نے مجاہدین کو جمع کیا اور فرمایا: ''یہ جائز نہیں کہ اہل کتاب کے گھروں مین بلااجازت گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو یا ان کے پھل کھاؤ حالانکہ ان پر جو کچھ واجب تھا تمہیں ادا کر چکے ہیں۔''(۱۶) ۹ ہجری کو فتح مکہ کے بعد نجران کا وفد آیا اور انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنا شروع کر دیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم برہم ہوئے لیکن نبی محتشم ﷺ نے ان صحابہ کو روک دیا اور عیسائیوں نے مکمل سکون کے ساتھ نماز ادا کی۔(۱۷) حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں حبشہ سے نجاشی کی طرف سے ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا نبی کریم ﷺ بنفس نفیس ان کی خاطر مدارات اور تواضع میں مصروف ہو گئے اور فرمایا: ''میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے بڑی مدارت کی تھیں، میں چاہتا ہوں کہ ان کی خاطر مدارت کر کے ان کو حوصلہ دوں۔(۱۸)

فرمایا: ''اگر تم کسی قوم سے لڑو اور اس پر غالب آ جاؤ اور وہ قوم اپنی جان بچانے کے لیے تم کو خراج دینا منظور کر لے تو پھر بعد میں اس مقررہ خراج سے ایک حبہ بھی زائد نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے جائز نہ ہوگا''۔(۱۹) ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد منقول ہے: ''خبردار جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا۔''(۲۰) سید مودودی ان احادیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''معاہد ذمیوں کے ساتھ صلح نامہ میں جو شرائط طے ہو جائیں ان میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی جائز نہیں۔ نہ ان پر خراج بڑھایا جاسکتا ہے، نہ ان کی زمینوں پر قبضہ کیا جاسکتا ہے نہ ان کی عمارتیں چھینی جاسکتی ہیں، نہ ان پر سخت فوجداری قوانین نافذ کیے جاسکتے ہیں، نہ ان کے مذہب میں دخل دیا جاسکتا ہے، نہ ان کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جاسکتا ہے نہ کوئی ایسا فعل کیا جاسکتا ہے جو ظلم یا انتقامی حدود میں آتا ہو''۔(۲۱)

امام ابو یوسف لکھتے ہیں: ''ان سے وہی لیا جائے گا جس پر ان کے ساتھ صلح ہوئی ہے۔ ان کے حق میں صلح کی شرائط پوری کی جائیں گی اور ان پر کچھ اضافہ نہ کیا جائے گا''۔(۲۲)

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ کا جذبہ عدل میدان جنگ میں بھی نظر آتا ہے۔ غزوۂ بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکین کی فوج کے افراد اس حوض پر آئے، جو اسلامی لشکر کے قبضے میں تھا، مسلمانوں کی فوج نے یہ حوض اپنی ضرورت کے لیے بنایا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے مشرکین کو پانی دینے سے روکنا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انہیں پانی سے نہ روکو، انہیں پانی پینے دو۔(۲۳)

آپ ﷺ نے ہمسایہ کا حق ادا کرنے کی جو تلقین کی، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں رکھی اور آپ ﷺ کی اس تعلیم پر صحابہ کرامؓ برابر عمل کرتے رہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ایک بکری ذبح کی، ان کے پڑوس میں ایک یہودی بھی رہتا تھا، انہوں نے گھر کے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے یہودی ہمسایہ کو بھی بھیجا؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ مجھے جبرائیلؑ ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنے کی اتنی تاکید کرتے تھے کہ میں سمجھا کہ وہ اسے پڑوسی کے ترکے کا حقدار بنا دیں گے۔(۲۴)

آپ ﷺ یہودیوں سے لین دین میں عدل کرنے میں تامل بھی نہ فرماتے تھے، گو وہ آپ ﷺ سے سختی اور گستاخی سے پیش آتے رہے، زید بن سعنہ جب یہودی تھے تو ایک بار آپ ﷺ نے ان سے قرض لیا، ابھی قرض کی واپسی کی میعاد بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ تقاضے کے لیے آ گئے، آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر سختی سے کہا، حضرت عمرؓ موجود تھے، انہوں نے کہا او دشمن خدا، رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے، آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: عمر، تم سے کچھ اور امید تھی، اسے سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیے تھا کہ میں قرض ادا کر دوں۔ اس کے بعد یہودی کا قرض ادا کر کے بیس صاع کھجور اور زیادہ دیں۔(۲۵)

یہودیوں کے سوا آپ ﷺ کے حسن سلوک کی ایک تاریخی شہادت ایسی بھی موجود ہے، جب آپ ﷺ خیبر کی فتح کے بعد صحابہؓ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو ایک یہودی ربی (مذہبی پیشوا) نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ کچھ مسلمانوں نے تورات کے چند نسخے بھی مال غنیمت میں اپنے پاس رکھ لیے ہیں، سرور کائنات ﷺ نے فوراً حکم دیا کہ تورات کے تمام نسخے واپس کیے جائیں۔ اس واقعہ پر مشہور یہودی دانشور اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے کہ ''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے دل میں یہودیوں کی مقدس کتاب کا کتنا احترام تھا، آپ ﷺ کی رواداری اور ہمدردی کے باعث یہودی بے حد متاثر ہوئے۔

سن ۶ ھ میں آپ ﷺ نے کوہِ سینا کے عیسائی راہبوں کو جو سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ بڑی مراعات دیں، یہ رواداری کی ایک شاندار مثال ہے، اس چارٹر میں آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کی طرف سے یہ ضمانت لی کہ عیسائیوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا، ان کے گرجوں اور ان کے پادریوں کی رہائش گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی، ان پر غیر منصفانہ ٹیکس نہ لگائے جائیں گے، کوئی بشپ اپنے منصب سے معزول نہ کیا جائے گا، کوئی عیسائی اپنے مقدس مقامات کی زیارت کو جائے گا تو اس زیارت میں اس کی کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی۔ کسی گرجے کو منہدم کر کے مسجد یا کسی مسلمان کا گھر نہ جلایا جائے گا۔ ان پر مذہب کی تبدیلی کے لیے کوئی جبر اور زور نہ ڈالا جائے گا۔(۲۶)

عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اچھا سلوک کیا، حاتم طائی کے بیٹے عدی اپنے قبیلے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔ جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے، ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں۔

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے انہیں بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ عدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔(۲۷)

یوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سیرت و کردار سے بین المذاہب مکمل عدل و مفاہمت کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔

میثاقِ مدینہ، نبی کریم ﷺ کے اجتماعی عدل کا عالمگیر شاہکار:

اس معاہدے کے بارے میں محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

''یہ تحریری معاہدہ ہے، جس کی رو سے حضرت محمد ﷺ آج سے چودہ سو سال پہلے انسانی معاشرے میں ایک ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی، ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی، اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمایئے کہ سیاسی اور مذہبی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ جس سیاست و معاشرت پر دست استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد وظلم کی تجربہ گاہ بنی ہوئی تھی''۔(۲۸)

اگر ہم میثاق مدینہ کی شقوں کا سیاسی معاشرتی، عسکری اور دینی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ مدینہ طیبہ میں داخلی اور خارجی امن قائم کرنے کے لیے ایک جامع معاہدہ تھا جس کے مطابق مدینہ میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگ عدل میں برابر شریک تھے۔ داخلی استحکام و وحدت کے حوالے سے میثاق مدینہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک مملکت قائم ہوئی۔ مملکت استحکام کی ضمانت ہوتی ہے مدینہ کی مملکت میں قانون کی حاکیت قائم کی گئی۔ مملکت کے اندر بسنے والے تمام طبقات و مذاہب کے لوگوں کو اعتماد میں لے کر انہیں احساس دلایا گیا کہ تمام مذاہب کے لوگ مساوی طور پر مملکت کے دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔ قتل و غارت لاقانونیت کا نتیجہ ہے، لاقانونیت امن وسکون کی دشمن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے انسداد کے لیے میثاق مدینہ میں دیت کے قانون کی بھی وضاحت فرما دی اور اس بات کا تعین کر دیا کہ کسی مقتول کا بدلہ لینے کا کیا اصول نافذ ہوگا۔ خون بہا، دیت اور فدیہ کا جو طریقہ عہد جاہلیت میں تھا اسے برقرار رکھا۔(۲۹)

مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے آپ ﷺ نے بعض بڑے دور رس اقدامات کیے۔ مواخات اور میثاق مدینہ کے علاوہ آپ ﷺ نے مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل سے عدل کی بنیادوں پر دوستی کے معاہدات کیے۔ اسی طرح جو قبیلہ مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتا اسے کہا جاتا کہ وہ مدینہ کے قرب و جوار میں آباد ہو۔ اس سے مدینہ کا دفاع مضبوط ہوا تو مسلموں کے لیے تربیت بھی آسان ہوگئی اور اسلامی فوج کے لیے فوجی کارکن بھی آسانی سے مل جاتے۔(۳۰)

نبوی ﷺ ریاست کے قیام سے قبل عرب معاشرے میں امن و امان کا بہت فقدان تھا اور عربوں کا شعار ''انصرا خاك ظالما او مظلوما'' (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم'' کا جاہلی تصور تھا۔ جس کے نتیجہ میں مخالف سے جنگ اور اس کے ساتھ اس کے قبیلہ و نسل کو تباہ کرنا وغیرہ امور ان کے دلوں میں ایک مقدس فریضہ کا درجہ رکھتے تھے۔

Marfat.com

میثاق میں ظالم، سرکش یا استحصال کرنے والے کے خلاف کڑی سزا کی دفعہ رکھی گئی جس میں بطور خاص یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر فرد اس بات کا پابند تھا کہ ہر ظالم اور باغی رشتہ داروں اور برادری بلکہ خونی تعلق سے بھی بے پرواہ ہو کر ظلم اور ظالم کے خلاف مقابلہ میں شرکت کرے گا۔ عدل اجتماعی کی بنیادوں پر ریاست مدینہ کو یوں استحکام ملا کہ:

میثاق کی دفعہ (۲۰) میں ملکی سلامتی کے دشمن قریش مکہ یا کسی بھی قاتل کو مدد یا پناہ دینے کو جرم قرار دیا گیا۔

دفعہ نمبر (۳۱) میں عہد شکنی کرنے والے سے امان ختم ہو جانے کا تذکرہ ہے۔

دفعہ نمبر (۳۸) میں تمام قبائل کو ملکی سلامتی کے لیے جنگی اخراجات میں شریک ہونا پڑے گا۔

دفعہ نمبر (۳۹) میں ملک کی داخلی سلامتی کے لیے مدینہ کو حرم قرار دیا گیا۔

دفعہ نمبر (۴۰) میں خارجی دشمن کو پناہ دینے کی ممانعت کی گئی۔

اس طریقہ پر یہ میثاق ملکی داخلی انتشار پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا، خارجی دشمن کا رستہ روک دیا گیا، قبیلہ کے متعصّبانہ نظام کی بجائے اسلامی شریعت کا عادلانہ نظام رائج کیا گیا۔ میثاق مدینہ کی وساطت سے مدینہ کے داخلی انتشار اور خارجی فتنوں کو دبانا ممکن ہوسکا اور مدینہ مختلف عقائد اور ادیان کے پیروؤں کے لیے ایک پرامن عالمگیر ریاست کا کام دینے لگا۔ میثاق نے ان تمام قبائل کو اس بات کا پابند کر دیا کہ ملک کے مرافق سے لطف اندوز ہونے والے تمام اہل وطن کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی خارجی غارت کے خلاف اپنے وطن کے دفاع میں شامل ہوں گے۔ میثاق کی دفعات ۲۴، ۳۷، ۴۴، ۴۵ اور ۴۶ بھی تمام اہل میثاق پر اس ذمہ داری کا تفصیلاً تعین کرتی ہے۔

میثاق مدینہ: عدل پر مبنی عالمگیر شہریت کے قوانین

اسلامی ریاست میں مختلف ادیان اور مذاہب کے پیروکار شامل تھے ان میں مہاجرین و انصار بھی تھے، اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی تھے اور مشرکین مدینہ بھی۔ آپ کے اجتماعی عدل کے نتیجے میں ریاست کا دستور اپنی نوعیت کے تمام افراد کی حمایت کا داعی تھ۔ اسلامی ریاست میں استحکام عدل، باہمی تعاون کا نفسیاتی شعور، باہمی مودت و محبت اور اجتماعیت کے لطیف احساسات اس نظام شہریت کے امتیاز ہیں۔ میثاق کے تحت مختلف العقائد اور مختلف الادیان اقوام، ایک امت تسلیم کیے جاتے ہیں، یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین۔ ان کے آزاد کردہ لوگ ہوں یا اصل، ہاں جو ظلم اور عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔(۳۱)

میثاق مدینہ کے تحت اسلامی ریاست کا شہری ہونے کے لیے ''اسلام'' شرط نہیں۔ اجتماعی عدل کے اصول کی بنیاد پر غیر مسلم بھی اسلامی ریاست کا شہری ہوسکتا ہے جبکہ وہ ریاست کے حقوق کی پاسداری کرے۔ میثاق مدینہ کی یہ دفعات انہیں ان تمام مرافقات کا اہل بناتی ہیں جن سے مسلم شہری استفادہ کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کو ملنے والی شہریت کے حقوق و فرائض کے تعین کے لیے نبی اکرم ﷺ کا یہ مقولہ فقہی قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے **لهم ما للمسلمين و عليهم ما عليهم**(۳۲) یہ حدیث میثاق کی دفعہ (۲۵) کے ابتدائی فقروں کی ترجمانی کرتی ہے، جس کے تحت یہود اور مسلمانوں کو معاہدہ ولاء کے تحت یکساں حیثیت کی شہریت حاصل تھی۔ شہریوں کے درمیان عدل اجتماعی کے استحکام کے ضمن میں یہ دفعہ دو اہم نکات کی نشاندہی کرتی ہے:

Marfat.com

۱- مدنی ریاست ''آزادی عقیدہ'' کے اصول پر قائم تھی۔

۲- اس ریاست کا دستور دیگر سماوی ادیان کے ساتھ برداشت، رواداری کے اصولوں پر مبنی تھا۔

شہریت کے نتیجہ میں افراد کے حقوق کا تحفظ اور ان کا احترام مساوی بنیادوں پر احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زائد اسے تکلیف دے گا یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا تو میں (محمد ﷺ روز قیامت اس پر قصور ثابت کروں گا) (۳۳) من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة (۳۴) جو معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

مدینہ کے غیر مسلم اور یہود تمام خصومات عدالت نبوی ﷺ میں نہیں لاتے تھے بلکہ ان کے جو نزاعات نبوی ﷺ عدالت میں آتے تھے وہ بالعموم ان کے اور مسلمانوں کے مابین پیش آنے والے واقعات ہوتے تھے۔ الاحوال الشخصیہ (Personal Law) میں ان کے معاملات تورات کے احکام کے مطابق ان کے ''احبار'' کے ہاں طے پاتے تھے۔(۳۵)

یہود اسلامی عدالت کے عدل سے بھی استفادہ کرتے تھے۔ یہود کے بعض افراد نے اسلامی عدالت کیطرف بھی رجوع کیا۔ اسلامی عدالت کے شفاف اور غیر جانبدارانہ فیصلوں کی بنا پر یہود مدینہ نے خصومات کے علاوہ اپنے ایسے شخصی معاملات میں بھی اس مؤقر عدالت کی طرف رجوع کیا۔جن کا ذکر دستور میں نہیں تھا اور جن میں یہود کی مصلحت پوشیدہ ہوتی تھی۔(۳۶) شہریت کے ضمن میں غیر مسلموں کو فکر و عقیدہ کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ میثاق کی دفعات ۲۵ تا ۳۵ میں فرد کے لیے حریت عقیدہ کے حق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اس حق کی حمایت دو طرح سے کی گئی ہے:

(۱) مذہب و عقیدہ اختیار کرنے کی آزادی اور عقیدہ اسلام قبول کرنے پر عدم اکراہ۔

(۲) غیر مسلم فرد کے ساتھ مجادلہ بطریق احسن، میثاق مدینہ کی ۲۵-۳۵ تک کی دفعات میں تمام قبائل کو اپنے اپنے دینی معتقدات میں حریت کا حق دیا گیا حتیٰ کہ یہودی کے لیے بھی جن کے عقائد و عادات اسلامی سلطنت کی اساسیات کے منافی تھیں یہ ضابطہ مقرر کیا گیا کہ: ''لليهود دينهم للمسلمين دينهم'' (۳۷) میثاق مدینہ میں انسانوں کے حق مساوات کی حمایت کا اہم اقدام یہ کیا گیا کہ بلاتفریق مرد و زن اور آزاد و غلام، سب کی امان کو یکساں ٹھہرایا گیا۔ میثاق نے آزاد، غلام اور موالی کی طبقاتی تقسیم کو یکسر ختم کر دیا۔ میثاق کی دفعہ ۱۵ کے الفاظ ہیں: ''ان ذمه الله واحدة، يجير عليهم أناهم'' اور کسی عام آدمی کی طرف سے دی گئی امان بھی ایک عقد شرعی ہے جسے بمقتضائے حکم قرآنی اوفوا بالعقود پورا کرنا فرض ہے۔ مساوات کے اس تصور کی بنیادیں میثاق کی دفعہ ۲۴، ۲۵ تا ۳۵، ۳۷ تا ۳۹، ۴۱، ۴۵، ۴۵، ۴۵ ب اور ۴۷ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

میثاق مدینہ کی دفعات ۳۹ اور ۴۷ کے مطابق مدنی ریاست کے تمام افراد کو پوری آزادی کے ساتھ ریاست میں نقل و حرکت اور رہائش کا حق حاصل تھا نیز ملک کے کسی حصہ میں بھی جان و مال اور عزت کے حوالہ سے تمام باشندوں کے لیے امن ہے، چنانچہ شق ۳۹ کے تحت مدینہ کو حرم قرار دیا گیا جس میں کسی شخص سے کسی قسم کا تعرض کرنا روانہ تھا اور دفعہ ۴۷ کے مطابق:

''جو شخص مدینہ سے باہر چلا جائے یا مدینہ میں رہے مامون ہوگا لیکن جو ظلم و گناہ کا مرتکب ہوگا وہ مامون نہیں رہے گا۔(۳۸)

میثاق مدینہ حقوق انسانی، عدم تشدد، امن، محبت، معاشرتی و سیاسی عدل، آزادی عقیدہ، آزادی فکر اور عالمی رواداری کا وہ

Marfat.com

خوبصورت نعرہ ہے جن کی تخلیق کا آج مغرب دعویدار ہے۔ یہ وہ تعلیمات اور نظریات ہیں جو اسلامی ریاست میں آج سے چودہ سو سال قبل دنیا کو عطا کیے گئے۔ اس میثاق نے عالمگیر سطح اجتماعی عدل کو دنیا کے سامنے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا اور مذہب کے معاملے میں جبر و استبداد کی کامل نفی کی۔ آج یورپ ان نعروں کی آڑ میں دراصل اسلامی معاشرے کی تہذیب اور مذہبی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے ہے۔ لیکن اسلام ایک زندہ و جاوداں عالمگیر طاقت ہے جس کو باطل تہذیب کبھی بھی جھکا نہیں سکتی۔

عالمگیر معاشی استحکام اور عدل نبویﷺ

آپﷺ نے مسلمانوں کے معاشی استحکام کے فروغ کے لیے عدل اجتماعی کی بنیادوں کو استوار کیا۔ جب مسلمان کفار کے ظلم وستم کا شکار تھے اور محکومی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لیکر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ نبی کریمﷺ نے اس اتحاد میں لوگوں کی معاشی بحالی کو بنیادی اہمیت دی۔ نہ کسی پر کسی کو بوجھ بنایا نہ کوئی کسی کے لیے گراں ثابت ہوا۔ آپﷺ نے ہر ایک کو معاشی طور پر بحال کیا۔ ۴ھ میں بنونضیر جلا وطن ہوئے (۳۹) تو ان کے نخلستان مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ حضورﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات مہاجرین کو دیئے گئے تھے وہ آپ واپس لے لیں۔ وسیع النظر انصار نے کہا جو نخلستان پہلے سے مہاجرین کی حالت سنبھل گئی اور انہوں نے تمام نخلستان انصار کو واپس کر دیئے۔ (۴۱) نبی کریمﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جو اپنے اپنے مقام پر ممتاز مقام رکھتے ہوئے اخوت کے رشتے میں پرو دیا۔

طبقاتی ناہمواریوں کا انسداد اور استحکام معاشرت میں عدل نبویﷺ کی جامعیت

نبی کریمﷺ نے جس حکمت عملی کے تحت ایک دوسرے کے جانی دشمنوں کو شیر وشکر کر دیا اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ معاشرے کے تمام افراد کو انسانی حقوق اور معاشرتی مراتب کے اعتبار سے مساوی مقام دیا اگر کسی کو احترام ملا تو اپنی اپنی خدمات کی بناء پر ہی ملا۔ یہ آپ کی بے نظیر عدل کا نتیجہ تھا کہ کسی شخص سے خاندانی یا نسبی بنیاد پر کوئی ترجیحی سلوک نہیں کیا گیا۔ آپﷺ نے کسی کو بھی کوئی ایسی رعایت نہیں دی جو بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہو۔ آپﷺ نے اس اصول کو سب سے پہلے اپنے اوپر لاگو کیا۔ اس اصول کو ایک معاشریت قدر کے طور پر نافذ فرمایا۔ آپ کے داخلی استحکام کی پالیسی کے بارے میں مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ آپ عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے۔ جماعت اور معاشرہ سے ذاتی اور نجی تعلق رکھتے تھے۔ علیحدہ پسندی، کبریائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت آپﷺ نے جس نظام اخوت کی تاسیس فرمائی تھی، یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم مربوط رہیں۔ ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق کو پہچانیں۔ داخلی استحکام میں میثاق مدینہ کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ (۴۲)

معاشرتی استحکام عدل کے لیے نبی کریم نے لوگوں کے درمیان مصالحانہ کردار بھی ادا کیا اور لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے قاضی کے بجائے ایک مصالحت کنندہ کے طور پر ہے۔ اس سلسلے میں ابو داؤد شریف میں روایت یوں ہے کہ الصلح جائز بین المسلمین مسلمانوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے۔ امام احمد نے اس پر اضافہ کیا۔ الا صلحا حرم حلالا او احل حراما سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کر دے۔ سلیمان بن داؤد نے اس پر مزید اضافہ کیا کہ المسلمون علی

Marfat.com

شروطھم(۴۳) ترمذی شریف میں ہے۔ الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما(۴۴) مسلمانوں میں صلح جائز سوائے ایسی صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے اور مسلمان اپنی شرطوں پر رہیں سوائے اس کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے یہ روشنی بھی ملتی ہے کہ آپ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھ کر لوگوں کے تنازعات سنا کرتے تھے۔(۴۵)

علامہ سرخسی آپ ﷺ کے اسی طریق کار کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ قاضی اپنے عہدے کے اعتبار سے اس بات پر مامور ہے کہ وہ سب سے پہلے فریقین کے درمیان صلح کروانے کی کوشش کرے۔(۴۶) قرآن مجید میں بھی مختلف معاملات میں اسی رجحان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل بھی نبی کریم ﷺ نے کئی ایک تنازعات میں مصالحانہ کردار ادا فرمایا: نبی کریم ﷺ کی بعثت کی زندگی کے آغاز سے قبل عربوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے حلف الفضول کہتے ہیں۔ اس میں سب فریقوں نے یہ عہد کیا تھا کہ ''ہم مکہ کے شہر میں جس مظلوم کو بھی دیکھیں گے اس کے حلیف بن کر ظالم سے لڑیں گے اور ظلم کی تلافی کرائیں گے۔ یہ مظلوم مکہ کا باشندہ ہو تو یا غیر ملکی سیاح۔(۴۷)

حضور ﷺ کا بیان ہے کہ میں اس معاہدہ کے وقت موجود تھا اور یہ معاہدہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر اسلام میں بھی مجھے کوئی اس قسم کے معاہدے کے لیے دعوت دے گا تو میں اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گا۔ (۴۸) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو امن کس قدر عزیز تھا کہ کفار نے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس معاہدے کو ختم کر دیا تھا لیکن مسلمان اس معاہدے پر خلافت راشدہ کے بعد بھی قائم رہے۔ اس سے مسلمانوں کی امن پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر آپ کی عادلانہ بصیرت ہی کی بدولت اہل مکہ ایک بڑے تصادم سے بچ گئے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بارہا مختلف نزاعی معاملات میں فریقین کے درمیان عدل پر مبنی صلح کروائی۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ قباء کے لوگ آپس میں جھگڑ پڑے یہاں تک کہ ایک دوسرے پر پتھراؤ کرنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ کو خبر دی گئی آپ ﷺ نے فرمایا چلو ہمیں ان کے پاس لے چلو ہم ان میں صلح کروا دیتے ہیں۔ اس واقعہ کی بنیاد پر امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے باب قول الامام لاصحابہ اذھبوا بنا نصلح (یعنی امام کا یہ کہنا اپنے ساتھیوں سے کہ ہمیں لے چلو تاکہ ہم صلح کروائیں) اسی طرح امام بخاری نے ایک اور باب اس عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے باب ھل یشیر الامام بالصلح (کیا امام صلح کر لینے کے لیے فریقین کو اشارہ کر سکتا ہے؟)۔

اس باب میں انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ گھر میں تشریف فرما تھے، مسجد میں لوگوں کے بلند آواز سے بولنے کی آوازیں سنیں ان میں سے ایک یوں کہہ رہا تھا مجھے کچھ قرضہ معاف کر دو ''ذرا مجھ پر مہربانی کر'' فرمایا وہ شخص کہا ہے کہ جو اللہ کی قسم اٹھا کر کہہ رہا تھا کہ میں یہ نیکی کا کام نہیں کروں گا۔ وہ شخص سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میرا مقروض جو چاہے گا میں کرنے کو تیار ہوں۔(۴۹) بخاری شریف کی ایک دوسری روایت یوں ہے کہ کعب بن مالک کا عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کی طرف سے کچھ قرضہ تھا وہ انہیں رستے میں ملے تو کعبؓ نے انہیں پکڑ لیا۔ دونوں بلند آواز سے آپس میں جھگڑنے لگے۔ ادھر سے نبی کریم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے کعبؓ

Marfat.com

بن مالک کو بلایا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض چھوڑ دے۔ کعب نے آدھا قرضہ معاف کر دیا اور آدھی رقم وصول کرلی۔(۵۰) ابو داؤد شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ اس کے آخر میں ان الفاظ کا یہ اضافہ ہے کہ ابن ابن حدرد سے حضورﷺ نے فرمایا اٹھ اور قرض ادا کر۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر امام وقت دونوں فریقوں کو سمجھا بجھا کر دونوں میں صلح کروا دے اور مدعی سے کچھ معاف کروا دے تو ایسا کرنا درست ہے مگر اس میں زبردستی نہ کی جائے۔ اگر مدعی معاف نہ کرے تو اسے پورا حق دلایا جائے گا۔

ان کے علاوہ بھی کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ رسول اللہﷺ نے لوگوں کے درمیان صلح کروائی۔ انصار کے درمیان یوم بعاث کے سلسلے میں دوبارہ جھگڑا ہو گیا تو آپﷺ نے اس موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا: ''اے گروہ مسلمانان! اللہ سے ڈرو، میرے موجود ہوتے ہوئے تم جاہلیت کی باتیں کرنے لگے ہو۔ جب کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور تمہیں عزت عطا کی۔ تم سے جاہلیت کے امور دور کر دیئے۔ تمہیں کفر سے نجات عطا کی۔ تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیطانی کارستانی ہے اور دشمن کی سازش ہے۔ وہ رونے لگے اوس اور خزرج کے مرد آپس میں گلے ملے۔ پھر رسول اللہﷺ کی باتیں سنتے ہوئے اور سر تسلیم خم کیے ہوئے آپ کے ہمراہ واپس آ گئے''۔(۵۱)

معاشرتی استحکام کے سلسلے میں نبی کریمﷺ کی تمام تعلیم و تربیت کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ معاشرے میں اتحاد و یگانگت قائم رکھنے کے لیے قرآن و سنت میں ایک مستقل نظام دے دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے رہن سہن کا طرز اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ جب کبھی کوئی تنازعہ پیدا ہوتا ہے تو اس طرز زندگی میں فوراً مصالحانہ کوششیں شروع ہو جاتی ہیں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

اللہ سے ڈرو اور تم آپس کے معاملات کی اصلاح کرلیا کرو۔ اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اگر تم مؤمن ہو۔

لوگوں کے باہمی معاملات کی استواری میں خوف خدا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ایک شخص دوسرے کو دھوکہ دے سکتا ہے، اس کا حق مار سکتا ہے، اسے زبان یا ہاتھ سے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ان تمام دست درازیوں اور زیادتیوں سے کوئی چیز باز رکھ سکتا ہی ہے تو وہ خدا کا خوف ہی ہے۔ اگر خوف خدا پیدا ہو جائے تو اسی کے مواخذے کے خوف سے وہ دوسروں سے زیادتی سے رکے گا۔ قانون، اخلاق یا معاشرتی روایات محض ایک حد تک ہی دوسروں پر زیادتی سے باز رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر خوف خدا موجود ہو تو انسان خفیہ اور اعلانیہ ہر موقع پر زیادتی سے باز رہے گا۔ اس آیت کریمہ میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے باہمی معاملات میں کوئی رخنہ پڑے تو دوسرے لوگ درمیان میں آ کر اصلاح کروا دیں نیز یہ کہ مسلمان آپس کے معاملات درست رکھا کریں۔

اس آیت کریمہ میں تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر ہم آپس کے معاملات کو اصلاح اور ہم آہنگی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت کی راہ اپنائیں۔ دوسرے لفظوں میں اگر اللہ اور اس

Marfat.com

کے رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ کوئی اور راستہ اپنائیں گے تو اس سے انتشار و افتراق ہی پیدا ہوگا۔ قرآن مجید کا حکم یہی ہے کہ اگر دو گروہ یا دو افراد کسی وجہ سے آپس میں جھگڑ پڑیں تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح کروائیں۔ اس سلسلے میں سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے۔

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا﴾ (۵۳)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروا دو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ زیادتی کرنے لگے یا ظلم کرنے لگے تو ظلم کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کو مان لے۔ اگر یہ ایسا کرے تو دونوں گروہوں میں برابری کی بنیاد پر صلح کرو اور عدل کا خیال رکھو۔

نبی کریم ﷺ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں موجود ہیں کہ کسی تنازعہ کے موقع پر دوسرے لوگ خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھے رہیں۔ عائلی زندگی میں بھی اگر کبھی کہیں رخنہ پڑ جائے تو قرآن و سنت یہاں بھی صلح صفائی کی پالیسی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ معاشرتی استحکام کے لیے نبی کریم ﷺ کی تربیت وحکمت عملی کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ باہمی تنازعات کو ابتداء میں ہی ختم کر دیا جائے۔ معاملات کے اپنی انتہاء تک پہنچنے سے قبل ہی صلح صفائی کروا دی جائے۔ جوں جوں گلے شکوے طول پکڑتے ہیں اس کے ساتھ ان کی شکل ناسور میں بدلتی جاتی ہے اور وہ اپنا اثر باقی جسم میں بھی منتقل کرنے لگتے ہیں۔ تعصبات اور رنجشوں میں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ عدالتی سطح پر فیصلے کرنے کے علاوہ باہم صلح صفائی سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی اس پالیسی کے بارے میں ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ عدالتی فرائض کی ادائیگی کے موقع پر بھی آپ ایسے معاملات جہاں عدالت میں پہنچنے سے قبل مصالحت کی گنجائش موجود ہے، وہاں آپ ﷺ کی صلح بھرپور کوشش فرماتے۔ عدالتی کارروائی کی بجائے اگر مصالحتی انداز اپنایا جائے تو معاملات کے تصفیے عدالتی طریق کار سے بھی بہت کم مدت میں نمٹ جاتے ہیں۔ اس سے معاشرتی زندگی میں کھچاؤ ختم ہو جاتا ہے۔ خصوصی طور پر آج کی زندگی کو پیش نظر رکھا جائے تو مصالحتی انداز سے نہ صرف معاشرے میں عفو و درگزر کے رجحانات پروان چڑھیں گے بلکہ عدالتوں پر بوجھ کم ہوگا۔ جج حضرات، وکلاء اور دیگر بہت سے باصلاحیت لوگوں کی صلاحیتوں اور ان کے اوقات کو مثبت مقاصد کے لیے کام میں لایا جاسکے گا۔ جھگڑے کے فریقوں کا بہت سا سرمایہ جو مقدمے بازی میں صرف ہو جاتا ہے، اس سے بھی بچا جاسکے گا۔

قیامت عدل اجتماعی -- خلفائے راشدین کی حکمت عملی

خلفائے راشدین کے زمانے میں بہت سے مقامات اسلامی حکومت کے دائرہ اختیار میں آچکے تھے جو بلاد الصلح کے حکم میں داخل تھے مثلاً ہجر، بحرین، ایلہ، دومۃ الجندل، بیت المقدس، دمشق، شام کے اکثر شہر، بلاد جزیرہ مصر، خراسان ان تمام مقامات کے باشندوں کے ساتھ ان شرائط کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا جو ان کے ساتھ طے پا چکے ہیں اس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ (۵۴)

Marfat.com

سیدنا عمر نے عبیدہ کو صاف لکھا تھا کہ جب تم ان سے جزیہ قبول کرلو تو پھر ان کے خلاف کسی اقدام کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔(۵۵) اور مسلمانوں نے جزیہ کو ظالمانہ استحصال کا ذریعہ نہیں بننے دیا۔ سیدنا عمرؓ نے حکم دیا تھا: لایکلفوا فوق طاقتھم(۵۶) ''ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔'' جزیہ کے عوض ان کی املاک کو نیلام نہیں کیا جاسکتا۔ امیر المؤمنین نے اپنے ایک عامل کو فرمان بھیجا تھا: خراج میں ان کا گدھا، ان کی گائے، ان کے کپڑے نہ بیچنا۔(۵۷) اور شام کے گورنر کو فرمان بھیجا: ''مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے، انہیں ستانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کرو''۔(۵۸)

اسلامی ریاست یا اسلامی معاشرے غیر مسلموں کے جن حقوق کا تحفظ کرتے ہیں، ان میں جان کا تحفظ بنیادی حق ہے۔ اسلامی ریاست غیر مسلم شہری کو اسی طرح جان کا تحفظ فراہم کرے گی جس طرح مسلمان شہری کی جان کو تحفظ حاصل ہوگا۔ غیر مسلم کا خون مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم قتل ہو تو اس کے قصاص میں بلاتمیز مذہب قاتل کو قانون کے مطابق قتل کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کے عہد میں ایک ذمی کو قتل کیا گیا تو آپ نے قاتل کو قانون کے مطابق قتل کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا۔ ان احق من وفی بذمتہ(۵۹) اپنے ذمہ کو وفا کرنے کی سب سے زیدہ حق دار میں ہوں۔ احادیث میں ذمی کے قتل کے بارے میں سخت وعیدیں منقول ہیں: عن عبداللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال: من قتل معاھدا لم یرح رائحة الجنة ان ریحا یوجد من میسرۃ اربعین عاماً(۶۰) ''عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے محسوس ہوگی۔''

بیہقی نے زہری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہودی، نصرانی کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر تھی اور یہی صورتحال ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کے زمانے میں تھی۔ جب معاویہؓ کا وقت آیا تو انہوں نے مقتول کے ورثاء کو آدھی دیت دی اور آدھی بیت المال میں ڈال دی۔ جب عمر بن عبدالعزیز کا عہد آیا تو انہوں نے نصف دیت کو برقرار رکھا اور امیر معاویہ کے بیت المال میں ڈالے جانے والے حصہ کو ختم کر دیا۔(۶۱) عن ابن عمرؓ: ان النبی ﷺ ودی ذمیا دیة مسلم(۶۲) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک ذمی کی دیت وہی ادا کی جو ایک مسلمان کی ہوتی ہے۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس اصول پر عمل ہوتا رہا اور اس عہد کی مثالیں حدیث و فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ سیدنا عمرؓ کے عہد میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ کمعاملہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کیا جائے چنانچہ اسے مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔(۶۳) حضرت عمر بن الخطابؓ نے دم مرگ جو وصیت کی تھی، اس میں تھا: ''میں اپنے جانشین کو فلاں فلاں باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ جن کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول نے لی ہے ان کے ساتھ بہتر سلوک رکھے۔ یعنی ان (ذمیوں) کی مدافعت میں جنگ کرے اور ان کی قوت برداشت سے زیادہ کسی بات کی تکلیف نہ دے''۔(۶۴) سفیان بن مغیرہ ایسے ذمیوں کے بارے میں جنہیں دشمن نے قید کر لیا ہو اور بعد ازاں مسلمان انہیں دشمن سے آزاد کرالیں۔ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ان ذمیوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔(۶۵)

سیدنا عمرؓ کی شہادت کے موقع پر عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور ابولولؤ کی بیٹی کو قتل کی سازش میں شریک ہونے کے

Marfat.com

شبہ میں قتل کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں یہ کیس ان کے سامنے پیش ہوا۔ [illegible]

قصاص میں قتل کیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس سے دیت دیکر عبید اللہ بن عمرؓ کی جان بچالی (۶۶)

سیدنا علیؓ کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ قانونی کارروائی اور [illegible] قصاص کا حکم دے دیا۔ حکم کے نفاذ سے پہلے مقتول کے بھائی نے آ کر کہا کہ میں نے خون معاف کر دیا [illegible] کرتے ہوئے کہا شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے اس نے کہا ''نہیں مجھے خون بہا مل چکا [illegible] نے قتل سے میرا بھائی واپس نہیں آ جائے گا''۔ اس پر آپ نے قاتل کو رہا کر دیا اور فرمایا: من کان لہ [illegible] کدیتنا۔(٦٧) جو کوئی ہمارا ذمی ہو تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح [illegible] دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: انما قبلوا عقدۃ الذمۃ لتکون اموالھم کاموالنا و دماؤھم کدمائنا [illegible] عقد ذمہ قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔

فقہاء نے اسی ارشاد سے استنباط کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو بلا ارادہ قتل [illegible] دیت وہی ہوگی جو مسلمان کو قتل خطا سے لازم آتی ہے۔ قانون کی نظر میں ایک مسلم اور ایک ذمی کی جان میں [illegible] شعبیؒ، نخعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ ایک ذمی کے قصاص میں ایک مسلم کو قتل کیا جائے گا۔(٦٩)

اسلامی ریاست اگر حفاظت فراہم نہیں کر سکتی تو اسے جزیہ لینے کا کوئی حق نہیں۔ جنگ یرموک کے موقع پر جب مسلمانوں کو شام کے مفتوحہ علاقے چھوڑ کر اپنی طاقت کو ایک جگہ مرتکز کرنا پڑا تو ابو عبیدہؓ نے اپنے امراء [illegible] خراج ذمیوں سے تم نے وصول کیا ہے انہیں واپس کرو اور ان سے کہو ''ہم نے تمہارا مال واپس کر دیا ہے اس لیے [illegible] ہے کہ ہمارے خلاف فوجوں کا اجتماع ہوا ہے اور تم سے یہ شرط ہوئی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور ہم اس شرط پر قائم ہیں۔ چنانچہ سالار لشکر نے جمع شدہ رقوم واپس کر دیں۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے حمص میں جزیہ کی رقم واپس کی تو وہاں کے باشندوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے لیے لوٹا دے اور ان پر آپ کو کامیابی عطا کرے اگر آپ کی جگہ وہ ہوتے تو امصار مسلمین میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں ان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انہیں اسی جگہ دوبارہ بنا لینے کا حق ہے لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں ہے۔(٧٠)

رہے وہ مقامات جو امصارِ مسلمین میں نہیں ہیں تو ان میں ذمیوں کو نئے معابد بنانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح جو مقامات اب ''مصر'' نہ رہے ہوں، یعنی امام نے ان کو ترک کر کے وہاں اقامت جمعہ و اعیاد اور اقامت حدود کا سلسلہ بند کر دیا ہو، ان میں بھی ذمیوں کو نئے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا حق حاصل ہے۔(٧١) امام یوسف نے اس ضمن میں لکھا ہے'' ان لوگوں کو شہر میں کسی نئے صومعہ یا گرجا گھر کی تعمیر کی اجازت نہ دی جائے تو صرف وہی کلیسا باقی رہنے دیے جائیں گے جو معاہدہ صلح کرنے اور ذمی کی حیثیت اختیار کرنے کے وقت موجود تھے، ان کو مسمار نہیں کیا جائے گا۔ آتش کدوں پر بھی یہی اصول منطبق ہوگا۔''(٧٢)

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے جان، مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ ابو درداؓ کا حال

Marfat.com

یہ تھا کہ اگر اہل ذمہ کی بستی سے گزر ہوتا تو جو وہ فائدہ ان سے اٹھاتے وہ یہ کہ ان کے کنوئیں سے پانی پی لیں، ان کے سایہ میں ستالیں اور ان کی چراگاہوں میں اپنے گھوڑے چرالیں اور پھر اس کا بھی نقد یا جنس میں ان کو معاوضہ دیتے۔(۷۳)

حضرت عمر بن خطابؓ نے دم مرگ جو وصیت کی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ ذمیوں کی مدافعت میں جنگ کرے اور ان کی قوت برداشت سے زیادہ کسی بات کی تکلیف نہ دے۔(۷۴) مسلمانوں کے شخصی معاملات میں جو کچھ ناجائز ہے وہ ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا بلکہ ان معاملات میں ان کے مذہبی وقومی قانون کا خیال رکھا جائے گا اور اسلامی عدالت انہی کے قوانین کے مطابق فیصلے کرے گی۔ مثلاً بغیر گواہی کے یا بغیر مہر کے نکاح یا زمانہ عدت کے اندر نکاح ثانی یا محرمات کے ساتھ نکاح اگر ان کے ہاں جائز ہوں تو انہیں جائز قرار دیا جائے گا۔ خلفائے راشدین اور ان کے بعد کی حکومتوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس معاملے میں حسن بصری سے فتویٰ طلب کرتے ہوئے لکھا تھا: ''کیا بات ہے کہ خلفائے راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح، شراب اور سود کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔(۷۵) حسن بصری نے جواب میں لکھا: انما بذلوا الجزیة لیترکوا وما یعتقدون وانما انت متبع ولا مبتدع والسلام۔(۷۶) انہوں نے جزیہ دینا اس لیے قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ کا کام پچھلے طریقے کی پیروی کرنا ہے نہ کہ نیا طریقہ ایجاد کرنا۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں: جو بستیاں امصار مسلمین میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب اور خنزیر بیچنے، صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا۔ خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ خود بھی قائل ہیں مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں حرام ہیں، تو اس کے اعلانیہ ارتکاب سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ امصار المسلمین میں ہوں، یا خود اپنے امصار میں۔ اپنے قدیم معاہدے کے اندر رہ کر وہ تمام شعائر کا اظہار کر سکتے ہیں حکومت اسلامیہ اس میں مداخلت نہیں کرے گی۔(۷۷) لیکن امصار مسلمین میں ان صلیبوں اور مورتیوں کے جلوس نکالنے اور اعلانیہ ناقوس بجاتے ہوئے بازاروں میں نکلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔(۷۸) غیر مسلموں کو اپنے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا پورا حق ہے۔(۷۹) امام ابو یوسف نے ابن عباس کی رائے ان الفاظ میں نقل کی ہے: ''جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں غیر مسلموں کو معابد وکنائس تعمیر کرنے کا حق نہیں لیکن عجمیوں کے آباد شدہ شہروں میں انہیں پورا حق ہے اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے''۔(۸۰) امصار مسلمین میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں ان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انہیں اسی جگہ دوبارہ بنا لینے کا حق ہے لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں ہے۔(۸۱) رہے وہ مقامات جو امصار مسلمین میں نہیں ہیں تو ان میں ذمیوں کو نئے معابد بننے کی اجازت ہے۔ اسی طرح جو مقامات اب ''مصر'' نہ رہے ہوں، یعنی امام نے ان کو ترک کر کے وہاں اقامت جمعہ و اعیاد اور اقامت حدود کا سلسلہ بند کر دیا ہو، ان میں بھی ذمیوں کو نئے معابد کی تعمیر اور اپنے شعائر کے اظہار کا حق حاصل ہے۔(۸۲) امام یوسف نے اس ضمن میں لکھا ہے ''ان لوگوں کو شہر میں کسی نئے صومعہ یا گرجا گھر کی تعمیر کی اجازت نہ دی جائے تو صرف وہی کلیسا باقی رہنے دیا دیئے جائیں گے جو معاہدہ صلح کرنے اور ذمی کی حیثیت اختیار کرنے کے وقت موجود تھے، ان کو مسمار نہیں کیا جائے گا۔ آتش کدوں پر بھی یہی اصول

Marfat.com

منطبق ہوگا''(۸۳)

خلفائے راشدین نے یوں عقیدہ و مذہب کی آزادی کے عادلانہ اصول مرتب فرما کر اسلام کے عالمگیر مفاہمت کے اصول کا احیاء کیا جس کا بے نظیر نمونہ نبی کریم نے پیش فرمایا تھا۔

پس چہ باید کرد؟

اجتماعی عدل کے فروغ کے لیے ہمیں دو طرح کے کام کرنے پڑیں گے۔ ایک یہ کہ علماء، اساتذہ، ذرائع ابلاغ اور دیگر ذرائع سے لوگوں کی ذہنی تربیت کرنا ہوگی کہ وہ حلم و بردباری، عفو و درگزر اور رواداری و احسان کی راہ اختیار کرتے ہوئے عادلانہ منصوبہ بندی کریں۔ اس سلسلے میں ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، نصاب تعلیم، خصوصی لیکچرز کا مستقل طور پر تحریک کے انداز سے اہتمام کیا جائے۔

دوسرا کرنے کا کام یہ ہے کہ مقامی سطح پر منتخب ہونے والے عوامی نمائندوں کو مصالحتی کمیٹیوں کی بھی حیثیت دی جائے اور مختلف امور عدالتوں میں جانے سے قبل ان کمیٹیوں میں بھی بھیجے جائیں۔ (اگر چہ چند ایک قباحتوں کا امکان ہوگا مثلاً معاملات لٹ جائیں گے اور ان کے تصفیے میں تاخیر ہونے لگے گی، لیکن ان قباحتوں کا ازالہ بھی ممکن ہوسکتا ہے) لوگ جب ''احسان'' کی اس پالیسی کے مثبت اثرات دیکھیں گے تو لازمی طور پر وہ عدالتی کارروائیوں سے پہلے ہی معاملات نمٹانے کو ترجیح دیں گے۔ نبی ﷺ کے عادلانہ نظام کے یہ وہ عدیم النظیر نظائر ہیں جو انسان کی تربیت کے ساتھ تزکیہ نفس اور عالمگیر معاشرتی ہم آہنگی کا اسلوب فراہم کرتے ہیں اور اس طرح معاشرتی ہم آہنگی سے آفاقی بنیادوں پر احترام آدمیت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

الغرض اجتماعی عدل کا قیام نہ صرف منظم و مستحکم معاشرے کے قیام کے لیے ناگزیر ہے بلکہ انسان کی شخصیت کو بھی مربوط کرنے کے لیے لازمی ہے۔ کلیسا کا نظام تعلیم کبھی بھی اس عدل کا عکاس نہیں ہوسکتا جو کہ الٰہی اور نبوی معاشرے کا نمونہ ہونا چاہیے۔ لادین اور سیکولر نظام تعلیم اسی نصاب تعلیم اذہان کے اندر عالمگیر عدل کے قیام کا ضامن نہیں ہوسکتا جو کہ ''بقائے انسانیت'' کا تقتضا ہے۔ عصر حاضر کے مایوس انسان کو ایک ایسے الٰہی ضابطہ حیات کی جانب لوٹنے کی ضرورت ہے جو معاشرتی انتظار، حوص، مادیت پسندانہ رویے کے لیے تریاق ثابت ہوا اور معاشرے کے اندر وہ لازوال، ہمہ گیر، آفاقی اور عالمگیر ضابطہ حیات کو متعارف کروانے کی استطاعت رکھتا ہو جو پرامن بقائے باہمی کے لیے وقت کی پکار ہے۔

حواشی

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۶ء، ج ۱۳، ص ۴۔ ۲- ابوعمرو، شہاب الدین، القاموس الوافی، تصحیح یوسف البقاعی، مکتب البحوث والدراسات فی دارالفکر الطباعۃ، والنشر و التوزیع، بیروت، ۲۰۰۳، ص ۶۶ ۷۔ ۳- اردو لغت تاریخی اصول پر، اردو لغت بورڈ، ترقی اردو بورڈ، کراچی، ۱۹۹۱ء، ج ۱۰، ص ۳۳۳۔ ۴- المنجد اردو عربی، خزینہ علم و ادب، اردو بازار لاہور، س ن، ص ۵۴۴۔ ۵- Edward William Lane, Arabic-English Lexicon, Islamic Book Centre, Lahore, Pakistan 1978, vol.5, p.1972، ۶- اردو لغت تاریخی اصول پر، ج ۱، ص ۱۸۹۔ ۷- ایضاً، ج ۱، ص ۱۹۰۔ ۸- Speeches, Writings and Statements

Marfat.com

.249-250. of Iqbal, Editedby: La

۹- p.251 ، هشام، السیرہ النبویہ، ۱/۴/۳-۱۲-

ایضاً، ۱/ ۱۴۱۔ ۸۷۔ ۱۵- حسین ہیکل، حیاۃ محمد،

مصر، مطبعۃ النہ ۴۲۶/۲۔ ۱۷- الجوزیہ، ابن قیم،

زاد المعاد، فی ھ ... ۱۹۸۵ء، ۳ ... - دحلان، احمد بن زینی، السیرہ النبویہ، بیروت، المطبعۃ الاھلیہ، ۱۹۸۳م، ۳/۲۴۰۔ ۱۹- ابو داؤد، کتاب الخراج، باب تعشیر اہل الذمۃ، ۴۴۷۔ ۲۰- ایضاً، ۴۴۶۔ ۲۱- مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست، لاہور، اسلامی پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۳۴۴۔ ۲۲- ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، قاہرہ، مطبعہ السّلفیہ، ۱۳۸۳ء، ص ۳۵۔ ۲۳- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۶، البدایہ والنھایہ، ج ۲، ص ۳۴۶۔ ۲۴- شبلی نعمانی سیرت النبی، ج ۲، ص ۶۸۲۔ ۲۵- ایضاً۔ ۲۶- صباح الدین بدالرحمان، اسلام میں مذہبی رواداری، ص ۷۱۔ ۲۷- شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۲، ص ص ۴۱-۴۲۔ ۲۸- حسین ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۲۲۷۔ ۲۹- ایضاً۔ ۳۰- خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، ص ۳۲۵۔ ۳۱- ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، الصحیح، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۳ء، ۱۳/۲۱۵۔ ۳۲- میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۲۵۔ ۳۳- سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارہ، باب فی تعشیر اھل الذمہ اذا اختلفوا، حدیث نمبر ۳۰۵۳۔ ۳۴- العمری، اکرم ضیاء، المجتمع المدنی فی عہد النبوۃ' خصائصہ وتنظیماتہ الاول، المدینہ المنورہ، ۱۴۰۳ھ، ص ۱۲۸۔ ۳۶- سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی رجم الیھود بین، حدیث ۴۴۴۶۔ ۳۷- میثاق مدینہ، شق نمبر ۲۵۔ ۳۸- میثاق مدینہ، دفعہ ۲۷۔ ۳۹- بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۰ ... ۔ ۴۰- بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۰، ۳۰۷۔ ۴۱- ایضاً۔ ۴۲- نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۱۱۰۔ ۴۳- ابو داؤد، کتاب القضاء، باب الصلح، حدیث نمبر ۳۵۹۴۔ ۴۴- ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماذکر عن رسول اللہ فی الصلح بین الناس، حدیث نمبر ۱۳۵۲۔ ۴۵- ابن ... عسقلانی، فتح الباری، باب الامام یاتی قوم فیصلح، ج ۱۳، ص ۱۵۵۔ ۴۶- السرخسی، المبسوط، ج ۱۶، ص ۶۱۔ ۴۷- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۹۰۔ ۴۸- ایضاً۔ ۴۹- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۹۰، حدیث نمبر ۲۷۰۵۔ ۵۰- ایضاً، حدیث نمبر ۲۷۰۶۔ ۵۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۰۵۔ ۵۲- الانفال ۸:۱۔ ۵۳- الحجرات، ۹۔ ۵۴- اسلامی ریاست، ص ۱۹۔ ۵۵- کتاب الخراج، فصل الکنائس، ۸۴۔ ۵۶- کتاب الخراج، ۱۲۵۔ ۵۷- فتح البیان، ۴/۳۹۔ ۵۸- کتاب الخراج، فصل فی الکنائس، ۱۴۱۔ ۵۹- عنایۃ شرح ھدایہ، ۸/۲۵۶۔ ۶۰- بخاری کتاب الدیات، باب اثم من قتل ذمیاً ۴/ ۱۳۷۔ ۶۱- نیل الاوطار باب دیۃ المعاہد ۷/۵۵۔ ۶۲- نیل الاوطار، باب دیۃ المعاہد ۷/ ۵۵۔ ۶۳- برھان شرح مواھب الرحمٰن ۳/ ۲۰۷۔ ۶۴- کتاب الاموال ص ۱۲۷۔ ۶۵- ایضاً۔ ۶۶- تاریخ طبری، ۳/ ۲۶۷۔ ۶۷- برھان شرح مواھب الرحمٰن، ۲/ ۲۰۲۔ ۶۸- ایضاً۔ ۶۹- ایضاً۔ ۷۰- بدائع الصنائع، ۱۱۴/۷۔ ۷۱- بدائع الصنائع، ۷/ ۱۱۴، شرح السیر الکبیر، ۳/ ۲۵۷۔ ۷۲- کتاب الخراج، ص ۱۲۷۔ ۷۳- کتاب الموال، ص ۱۵۰۔ ۷۴- کتاب الموال، ص ۱۲۷۔ ۷۵- المبسوط، ۵/ ۳۸، ۴۱۔ ۷۶- ایضاً۔ ۷۷- شرح السیر الکبیر، ۳/ ۲۵۱۔ ۷۸- ایضاً۔ ۷۹- بدائع الصنائع، ۷/ ۱۱۴۔ ۸۰- کتاب الخراج، فصل فی الکنائس والصبیان، ص ۱۴۹۔ ۸۱- بدائع الصنائع ۷/ ۱۱۴۔ ۸۲- بدائع الصنائع، ۷/ ۱۱۴، شرح السیر الکبیر، ۳/ ۲۵۷۔ ۸۳- کتاب الخراج ص ۱۲۷۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1434ھ 2013ء

مقالات سیرت

(خواتین)

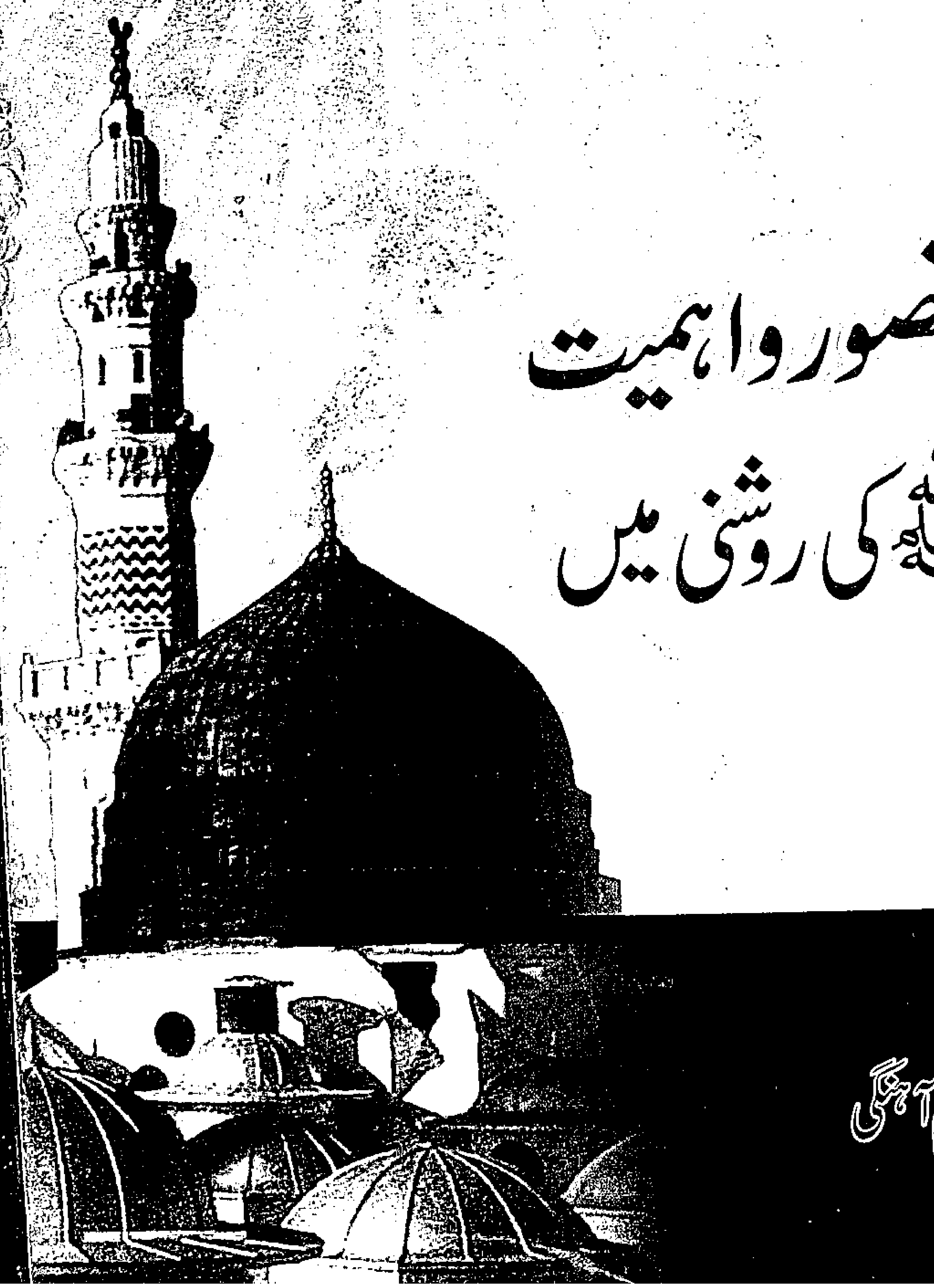

عدل اجتماعی کا تصور واہمیت
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

Marfat.com